وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ

خواتین اسلام کے گھمبیر مسائل اور ہلاکت خیز پریشانیوں کا راحت بخش حل... اور مومنات خواتین مشکلات کا مقابلہ کیسے کریں؟

فتاویٰ کمیٹی کبار علمائے حرمین شریفین المملكة العربية السعودية

ترجمہ: فضیلۃ الاستاذ عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

دار الابلاغ
DARULIBLAGH

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

احکام و مسائل خواتین کا انسائیکلوپیڈیا

فتاوی کمیٹی کبار علمائے حرمین شریفین المملكة العربية السعودية

ترجمہ: فضیلۃ الاستاذ عمر فاروق سعیدی رحمہ اللہ نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ تحقیق وتخریج: امان اللہ عاصم

اشاعت اول .... مئی 2013ء

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

- لاہور: دار الاندلس 37230549 ۔ دار السلام شوروم 37232400 ۔ مکتبہ قدوسیہ 37230585 ۔ مکتبہ سلفیہ 37237184 ۔ کتاب سرائے 37320318 ۔ اسلامی اکیڈمی 37357587 ۔ نعمانی کتب خانہ 37321865 ۔ مکتبہ رحمانیہ 37224228 ۔ مکتبہ دار الھدیٰ 37639557 ۔ البلاغ 35717842 ۔ البلاغ (جیل روڈ 042-35717842 گلبرگ 042-35717842 ماڈل ٹاؤن 042-35942233)
- راولپنڈی: تجلیات طیبہ کشمیری بازار 5535168 ۔ دار الفکر اسلامی 0321-5216287 ۔ مکتبہ عائشہ 051-5551014, 0321-5075075 ۔
- اسلام آباد: المسعود اسلامک سنٹر 2261356 ۔ البلاغ 2281420 ۔ دار السلام شوروم 0321-5370378 ۔ الھدیٰ انٹرنیشنل 051-4434615, 0321-8014008 ۔
- کراچی: فضلی سنز 32212991 ۔ مکتبہ دار القرآن 021-32211998 علمی کتب خانہ اردو بازار 32628939 ۔
- فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار 631204 ۔ مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار 041-2629292, 0300-6628021
- پشاور: معراج کتب خانہ 214720 ۔ حیدر آباد: مکتبہ دعوت السلفیہ 0333-2607264 واہ کینٹ: البلاغ 051-4541148
- سیالکوٹ: مکتبہ رحمانیہ، پسرور روڈ سیالکوٹ 052-4591911 مکتبہ الاذان 0332-8787866

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0300-4453358, 042-37361428

ضروری نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انسانی بساط وطاقت کے مطابق ہم نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ خاص طور پر عربی عبارات میں تصحیح اغلاط میں پوری طرح احتیاط کی ہے۔ لیکن پھر بھی بشری تقاضے کے تحت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو از راہ کرم مطلع فرمائیں۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ (ادارہ)

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ

احکام و مسائل خواتین

کا انسائیکلوپیڈیا

خواتین اسلام کے گھمبیر مسائل اور ہلاکت خیز پریشانیوں کا راحت بخش حل... اور مومنات خواتین مشکلات کا مقابلہ کیسے کریں؟

فتاویٰ کمیٹی کبار علمائے حرمین شریفین المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ — فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی — فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین
فضیلۃ الشیخ صالح ابن فوزان — فضیلۃ الشیخ عبداللہ ابن جبرین — فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ
فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی — فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید — فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن حمید

ترجمہ: فضیلۃ الاستاذ عمر فاروق سعیدی ؒ نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ تحقیق و تخریج: امان اللہ عاصم

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0300-4453358, 042-37361428

آئینہ

احکام ومسائل خواتین کا انسائیکلوپیڈیا

مختصر تعارف ائمہ عظام حرمین واصحاب فتویٰ

1 خواتین اور ایمان وایمانیات کے احکام ومسائل

2 خواتین اور طہارت کے احکام و مسائل

3 خواتین اور نماز کے احکام و مسائل

4 خواتین اور جنازہ اور زیارت قبور کے احکام ومسائل

5 خواتین اور زکاۃ کے احکام ومسائل

6 خواتین اور روزوں کے احکام ومسائل

7 خواتین اور حج وعمرہ کے احکام ومسائل

8 خواتین اور نکاح وشادی کے احکام ومسائل

9 خواتین اور محرمات کے احکام ومسائل

10 خواتین اور طلاق، خلع اور ظہار کے احکام ومسائل

11 خواتین اور سوگ، میّت اور غم کے احکام ومسائل

12 خواتین اور دودھ پلانے کے احکام ومسائل

13 خواتین اور پردہ کے قدیم وجدید کے احکام ومسائل

14 خواتین اور روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے متفرق احکام ومسائل

امت محمدیہ کی ایسی ہی بے مثال بیٹیوں کی رہنمائی کیلیئے ہے یہ کتاب

- جو بہنیں خاندانی، ازدواجی معاملات میں پریشانیوں کا شکار ہیں۔
- جو مائیں اولاد کی تربیت اور بیٹیوں کے گھمبیر مسائل میں گرفتار ہیں۔
- جو خواتین اسلام عائلی معاملات، وراثت اور خرید و فروخت کے جدید مسائل میں رہنمائی کی طالب ہیں۔
- جو بیٹیاں اسلام کے پانچ ارکان کے مومنات سے متعلقہ احکام و مسائل سے آگاہی چاہتی ہیں۔
- جو خواتین نکاح، طلاق، خلع اور زن و شوہر کے باہمی تعلقات میں سدھار و جانکاری کی متمنی ہیں۔
- جو اپنی عبادات و معاملات اور پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کیلیئے بیتاب ہیں۔
- جو اپنی گھریلو زندگی کو گلزار اور پر بہار بنانے کی خواہشمند ہیں۔
- جو موجودہ پرفتن دور میں الحادی موشگافیوں، میڈیا کی کافرانہ یلغار اور گمراہ کن غزوہ فکری کے چرکوں سے اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتی ہیں۔
- جو ان کو دکھوں تکلیفوں غموں اور اندیشوں کے سمندر سے نکال کر راحت و سکون اور شادمانی کے گلستانوں میں ایمان کی معطر فضاؤں میں سانس لینے کا باعث ثابت ہوگی۔ ان شاءاللہ

خواتین پوچھتی ہیں...... ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟

خواتین ہمارے مسلم معاشرے کے عددی اعتبار سے نصف سے زیادہ حصہ پر مشتمل ہیں یعنی ہر ۱۰۰ میں سے ۶۰ خواتین ہیں اور ۴۰ مرد ہیں۔ اسے حسن اتفاق کہیں، عدم توجہی، غفلت یا پھر بدقسمتی کہ راہنمائی کے حوالے سے ہمیشہ مردوں کو سرفہرست رکھا جاتا ہے اور خواتین کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو بھی راہنمائی منظر عام پر آتی ہے اس میں محققین سکالرز اور علماء حضرات، مردوں سے مخاطب ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق راہنمائی فراہم کرتے ہوئے ہمیشہ مردوں کو سامنے رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ صنف نازک جو اس معاشرے کا نصف سے زیادہ حصہ ہیں، راہنمائی کی زیادہ محتاج وضرورت مند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ہمارے ہاں خواتین کے متعلق راہنما لٹریچر جو اسلام، قرآن و حدیث اور سنت مبارکہ کی مہک سے لبریز ہو، بہت کم نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں کتاب وسنت کے مثالی ادارے دارالابلاغ نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ وہ خواتین اسلام کو گلشن اسلام کی دلآویز خوشبو سے اپنے دامن کو مہکانے کے لیے جس قدر زیادہ سے زیادہ لٹریچر فراہم کر سکا ضرور کرے گا۔ ان شاء اللہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج کل خاتونِ اسلام جو کہ ہمارے درمیان ایک بیٹی، بیوی، بہن یا ماں کی صورت میں موجود ہے، وہ اس حوالے سے نہایت مظلوم ہے کہ اسے فتنوں اور بین الاقوامی سطح پر خواتین اسلام کے خلاف یہودیوں وصلیبیوں کی گھناؤنی سازشوں کے اس دور میں کہیں سے مثبت وتعمیری راہنمائی نہیں مل رہی۔ امت مسلمہ کے ڈھانچے پر نظر دوڑائیں تو چند ایک ادارے یا شخصیات ہیں جو اپنی اپنی بساط و طاقت کے مطابق اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے امت محمد ﷺ کی بیٹی کو شاہراہ اسلام پر چلنے کا درس دے رہے ہیں اور قرآن و سنت کی روشنی میں صحابیات الرسول کے نقش قدم پر اپنی زندگیاں گزارنے کے لیے راہنمائی فراہم کر رہے ہیں۔ اس کی مثال پاکستان میں محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی حفظہا اللہ اور ان کا انٹرنیشنل سطح پر دین اسلام کی خدمت کرنے والا ادارہ ''الہدیٰ انٹرنیشنل'' ہے۔ جہاں سے شب و روز پاکستان کے گوشے گوشے میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ دیگر مسلم ممالک میں بھی ایسے چند ہی ادارے ہیں جو خواتین کو اس پُرفتن اور فحاشی کے سیلاب کے دور میں راہنمائی فراہم کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ ان میں خاص طور پر سعودی عرب کی

خدمات کسی صورت فراموش نہیں جا سکتیں۔

یہ کتاب بھی حوا کی بیٹیوں کو یہ سبق دیتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام اسلام کے مطابق کیسے سرانجام دینا ہے۔ اس کتاب میں ان کو زندگی کے تمام شعبوں میں راہنمائی فراہم کی گئی ہے کہ جس پر عمل کرتے ہوئے وہ اپنے خالق و مالک کو راضی کر سکیں اور دنیاوی زندگی کو کامیاب بنا کر اخروی زندگی میں جنتوں کی مالک بن سکیں۔ یہ کتاب خواتین اسلام کے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق احکام و مسائل کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کے علاوہ سعودی عرب وغیرہ سے خواتین نے اپنی مشکلات، مسائل اور پریشانیاں جب عرب علماء کے سامنے رکھیں تو انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں ان کو کافی و شافی رہنمائی فراہم کی ہے۔ سعودی عرب کے اشاعتی اداروں نے سعودی حکومت کی سرپرستی میں قائم فتاوی کمیٹی کے مقتدر و جید علماء و مفتیان کی طرف سے جاری ہونے والے فتاویٰ و فیصلہ جات کو کتابی شکل میں عربی و انگلش زبان میں شائع بھی کیا، تا کہ امت محمدیہ کی دیگر خواتین تک بھی یہ راہنمائی پہنچ جائے۔ پاکستان میں یہ سعادت دارالابلاغ کے حصہ میں آئی کہ اس کے علماء کی ٹیم نے محنت شاقہ کے بعد ان فتاویٰ جات کو خواتین پاکستان و برصغیر کے لیے اردو کے قالب میں ڈھال کر تحقیق و تدقیق کے زیور سے آراستہ کرنے کے بعد آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ استاذ الاساتذہ مولانا عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ نے اس کا ترجمہ کر کے اور جوانِ رعنا عالم باعمل مفتی جماعۃ الدعوۃ پاکستان جناب مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے نظر ثانی فرما کر اور ہمارے بھائی امان اللہ عاصم آف شیخوپورہ نے تحقیق وتخریج کر کے، حافظ سعید الرحمٰن اور حافظ ثناء اللہ نے اس کتاب کی نوک پلک سنوار کر اسے مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔ جزاهم الله احسن الجزاء في الدنيا والآخرة.

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو خواتین اسلام کے لیے راحت وسکون اور پریشانیوں سے نجات کا ذریعہ بنائے اور خدمتِ اسلام کے تحت کی گئی اس کاوش کو قبول کر کے ہمیں اپنی رضا سے نواز دے۔

آمین یارب العالمین

خادم کتاب وسنت

محمد طاہر نقاش

۹ جنوری ۲۰۱۳ء لاہور

امت کی بیٹیاں اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھائیں

نحمده ونصلّي ونسلّم على رسوله الكريم . أما بعد .

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کا سلسلہ مبارکہ جاری کیا جس کا اختتام ہمارے نبی ورسول سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کی بھرپور راہنمائی فرمائی اور ان کی اصلاح کے لیے دن رات کام کیا۔ اور آپ کے طریقہ تعلیم میں یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے مختلف مسائل پر سوالات کرتے اور آپ انہیں اللہ کی وحی کی راہنمائی میں جواب عنایت کرتے۔ جس طرح قرآن حکیم میں "یسئلونك" کے خوبصورت انداز کا تذکرہ ہے اور قرآن وسنت میں بے شمار مقامات ایسے وارد ہیں جن میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالات کے جوابات دیے ہیں، جیسا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس کا ایک مجموعہ "اعلام الموقعین" میں ذکر فرمایا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

اور جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے مسائل پوچھتے تھے اسی طرح خواتین بھی مسائل پوچھتی تھیں کیونکہ شریعت کے احکامات مرد وزن دونوں کے لیے ہیں۔ آپ کے بعد انبیاء کے وارث علماء کرام نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور ابھی تک جاری ہے۔ زیر نظر کتاب "فتاویٰ المرأة المسلمه" کا اردو ترجمہ بعنوان "احکام ومسائل خواتین یعنی خواتین کی پریشانیوں کا حل" خواتین اسلام کے سینکڑوں مسائل پر مشتمل ہے۔ جس میں عرب کے جید شیوخ کے فتاویٰ جات درج ہیں۔ ہمارے محترم المقام فضیلۃ الشیخ عمر فاروق سعیدی صاحب حفظہ اللہ نے اس کو اردو کے قالب میں بڑے بہترین انداز میں ڈھالا ہے اور یہ ترجمہ کی بجائے فضیلۃ الشیخ کی مستقل کتاب معلوم ہوتی ہے۔ مولانا سعیدی صاحب ایک ماہر استاد اور منجھے ہوئے عالم ہیں۔ جنھوں نے دین اسلام کی اشاعت اور خدمت کے لیے مختلف کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدمات جلیلہ کو درجہ قبولیت سے نوازے اور نجاتِ اُخروی کا باعث بنائے اور امت مسلمہ کی بیٹیوں کو اس فتاویٰ سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت کرے اور اسے ناشر، قارئین اور دیگر افراد کے لیے ہدایت کا وسیلہ وکفیلہ بنائے، آمین۔

خادم العلم واهله

ابوالحسن مُبشّر احمد ربانی عفی اللہ عنہ

رئیس مرکز الحسن 882/p سبزہ زار سکیم لاہور

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ
قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ
وہ تم سے عورتوں سے متعلق پوچھتے ہیں
کہہ دیجئے!
اللہ ہی تم کو ان کے بارے میں بتاتا ہے

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُہُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہٰہُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَ عَزَّرُوۡہُ وَ نَصَرُوۡہُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

(الاعراف : ۷/۱۵۷)

''جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بناتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے' ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔''

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ......
أَمَّا بَعْدُ

بنی نوع انسان کی خیر وفلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک عظیم الشان اور قابل قدر پہلو یہ ہے کہ وہ ان میں انبیاء و رسل کے بعد علمائے صالحین پیدا کرتا رہتا ہے، جو لوگوں کو حق اور راستی کی راہ دکھاتے ہیں۔ ان کا وجود مسعود ایک بڑی خیر اور برکت کا باعث ہوتا ہے۔ مسلمانوں پر اپنے ان ربانی علماء کی قدر افزائی کرنا واجب ہے کیونکہ یہ وارثین انبیاء کہلاتے ہیں۔

انسانوں کو اپنی زندگی میں پیش آمدہ مسائل میں حق وصواب اور حلال وحرام جاننے کے لیے ان علمائے ربانیین ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾
(النساء : ٤/ ٨٣)

’’(اگر یہ لوگ اپنی خبروں کو) رسول ﷺ اور اپنے اولوالامر کی طرف لوٹا دیتے تو اسے وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے تحقیق کی صلاحیت رکھتے ہیں۔‘‘

یہی ایک صورت ہے جس کے ذریعے سے موقعہ بموقعہ سر اٹھانے والے فتنہ وفساد اور پیش آمدہ جہالت کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

جزیرۃ العرب، مرکز اسلام ومنبع ایمان ہے۔ اللہ نے وہاں علمائے ربانیین کی صورت میں بڑی خیر رکھی ہے۔ دُعاۃ حق کی ایک بڑی تعداد وہاں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ بالخصوص مجدد دعوۃ التوحید والسنہ الامام محمد بن عبدالوہاب تمیمی رحمہ اللہ کے بعد اس طائفہ منصورہ میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ جن کے بابرکت اثرات پوری دنیا میں محسوس کیے جاتے ہیں۔ وکثر اللہ سوادھم۔

خواتین کی طرف سے متنوع سوالات جو ان حضرات سے دریافت کیے گئے اور علاوہ ازیں بہت سے اہم مسائل ہیں جو ایک خاتون خانہ اور گھر کے دیگر افراد سے متعلق ہوسکتے ہیں انہیں ”فتاویٰ المرأة المسلمة“ کے نام سے عالم عرب میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ مسائل عین ہمارے گھروں اور ہماری خواتین سے بھی متعلق ہیں، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اردو قالب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ کہنے کو تو یہ ایک فتویٰ کی کتاب ہے

لیکن اگر آپ اس کا سرسری جائزہ بھی لیں تو اسے دعوت الی اللہ، اصلاح فرد و معاشرہ اور اپنے قارئین کے لیے بہترین نصیحت و خیرخواہی کا مرقع پائیں گے۔

۱: اس کی زبان انتہائی آسان اور شیریں ہے۔(خیال رہے کہ بہت سے جوابات انشائی انداز کے بجائے خطابی بھی ہیں)

۲: اسلوب بڑا دل نشین، ہمدردانہ اور خیرخواہانہ ہے۔

۳: جوابات قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے مدلل ہیں۔

۴: اور فقہی جمود سے بالا ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان علمائے عظام کی، جو ان میں سے وفات پا گئے ہیں مغفرت فرمائے اور جو حیات ہیں، ان کی زندگیوں میں برکت دے کہ امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں اور ہمیں بھی ان صالحین کی راہ کا راہی بنائے۔

یہ اللہ عزوجل کا خاص انعام ہے کہ دینی خدمت کا یہ بھاری کام راقم آثم کے ہاتھوں کسی طور سرانجام پا گیا ہے۔کہیں کہیں توضیح مزید کے لیے تعلیق کی جرأت بھی کی ہے۔محترم مولانا امان اللہ عاصم (آف شیخوپورہ) کی تخریج سے یہ فتاویٰ بہت ہی معتبر اور ممتاز ہو گیا ہے۔اس کے لیے میں برادر گرامی فضیلۃ الشیخ جناب طاہر نقاش صاحب حفظہ اللہ کا جس قدر بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ یقیناً مجھے ذاتی طور پر اس کام سے بہت علمی و عملی فائدہ حاصل ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی حسنات قبول فرمائے اور فروگزاشتوں سے درگزر کرے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

وصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

مترجم

ابو عمار عمر فاروق السعیدی

(سابق مدیر تعلیم جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی)

حال نزیل: جامعہ مرآۃ القرآن والحدیث

منڈی وار برٹن (ننکانہ)

یکم رجب ۱۴۲۸ھ/ ۱۷ جولائی ۲۰۰۷ء

مقدمة الكتاب

خاتون اسلام کی ظاہری مکارانہ حمایت کے پیچھے

مغربی خفیہ سازش ومنصوبہ بندی

تمام تعریفیں اللہ کے لیے، ہم اسی کی حمد کرتے اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، (اپنی تقصیرات پر) اس سے معافی کے طلب گار ہیں اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال کے وبال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی بچلا نہیں سکتا، اور جسے وہ بچلا دے اس کے لیے کہیں کوئی ہادی ورہنما نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسے کہ اس کا حق ہے، اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال کہ میں تم مسلمان ہو۔'' (آل عمران: ۳/۱۰۲)

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء: ٤/ ١)

''اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کے نام سے تم سوال کرتے ہو، اور اپنے قرابت داروں کا بھی (خیال رکھو)، بلاشبہ اللہ تمہارا نگران ہے۔''

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاo يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًاo﴾ (الاحزاب: ٣٣/ ٧٠-٧١)

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور بات ہمیشہ صاف اور سیدھی کیا کرو۔ (اس سے اللہ) تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا اور تمہاری فروگزاشتیں معاف فرما دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کر لی، بلاشبہ وہ ایک عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوا۔''

اما بعد! بلاشبہ سب سے بڑھ کر سچی بات کتاب اللہ کی اور بہترین نمونہ سیرت محمدیہ میں ہے۔ سب سے برے کام وہ ہیں جو (دین میں) نئے نکالے جائیں۔ (دین میں) ہر نیا کام بدعت کہلاتا ہے، ہر بدعت گمراہی،

اور ہر گمراہی کا انجام آگ ہے۔

''مسلمان خاتون'' وہ زرخیز مٹی ہے جو ہمیشہ سے امت مسلمہ کو عظیم افراد اور نابغہ روزگار شخصیات مہیا کرتی رہی ہے۔ یہ وہ منفرد اور خوبصورت پھول ہے جو اسلام کے باغیچے میں اُگا اور وحی کے پانی سے سینچا گیا، پھر سنت مبارکہ کی بہترین خوشبو سے اس نے ایک عالم کو معطر کر دیا۔ تاریخ نے اپنے دامن میں مسلمان خواتین کی ایک عظیم تاریخ محفوظ رکھی ہے اور یہ کہ اس نے کیسی کیسی منفرد شخصیات کو پالا پوسا ہے کہ ان کی نظیر لانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جس سے ہمارے دشمن آگاہ ہوئے ہیں اور انہیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمان معاشرے کی اجتماعیت اور قوت کی اصل بنیاد صرف اور صرف ''مسلمان خاتون'' ہے۔ اس لیے انہوں نے دن رات ایک کر کے ظاہر اور خفیہ ایسے ایسے پروگرام شروع کیے ہیں جو ان کی اس بنیاد کو ہلا کر رکھ دیں۔ وہ اسے ایسی بدبودار دلدل میں دھنسا دینا چاہتے ہیں جو اسے اپنے دین سے خارج اور اخلاق و کردار سے بالکل عاری کر دے اور بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دشمن ''عورت کو بطور مسئلہ'' (ایشو) نمایاں کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ وہ اپنی چیخم دھاڑ سے باز نہیں آ رہے اور شور مچا رہے ہیں کہ عورت انتہائی مظلوم ہے، بڑی مشقت میں ہے، اسے عضو معطل بنا دیا گیا ہے، اسے اس کے حقوق نہیں مل رہے اور مردوں نے اس پر ہر جانب سے غلبہ پا لیا ہے...... وغیرہ وغیرہ۔ ضروری ہے کہ ان امور کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے اور مسلمان خاتون کا دفاع بھی کیا جائے۔

یہ نام نہاد دانشور اس انداز سے بات بناتے ہیں کہ مرد عورت پر ظلم کرتا ہے، اسے قید میں رکھے ہوئے ہے، اس کا گھر میں رہنا اس کے لیے ہمیشہ ہمیش کی عمر قید ہے۔ اس کا ماں بننا دنیا میں آبادی کے اضافے کا سبب ہے۔ مرد کا اس کے لیے سربراہ اور نگران ہونا اس کے حق میں ایک ننگی تلوار ہے۔ پردہ رجعت پسندی ہے اور ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہنا ہے۔ ختنہ (جیسے کہ عربوں اور افریقیوں میں رائج ہے) ظلم ہے، اور اس کے احساسات اور جذبات کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ بچوں کی پیدائش عورت کی جوانی کو ضائع کرنے کا سبب ہے، اس کی صحت کی بربادی ہے اور نتیجتاً اقتصادی طور پر نقصان کا باعث ہے۔ نوعمری میں شادی کر دینا اسے تعلیم سے محروم رکھتا ہے اور اس کی قوت ارادی کو ختم کر دیتا ہے اور اس طرح گویا عورت اپنے آپ ہی کو کھو بیٹھی ہے!! وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اسی قسم کے بہت سے نعرے ہیں جو خبث و فساد پر مبنی ہیں...... جو کسی حد تک عوام سے بڑھ کر خواص پر اثر انداز ہو رہے ہیں اور بہت سے مسلمان مرد اور خواتین بھی یہی بولی بولنے لگے ہیں...... سوائے ان چند کے کہ جنھیں اللہ نے محفوظ رکھا ہو۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر انصاف سے غیر جانبدارانہ انداز میں مذاہب عالم کا جائزہ لیا جائے تو دنیا میں ایسا کوئی دین و مذہب نہیں جس نے عورت کو اس قدر عزت دی ہو جیسی کہ اسلام نے اسے دی ہے۔ اسلام سے پہلے رومیوں، چینیوں، ہندوؤں، ایرانیوں اور یہود و نصاریٰ حتیٰ کہ عرب میں بھی اس کی حیثیت ایک جرثومے سے بڑھ کر نہ تھی جسے لائق زندگی سمجھا جا سکے۔

یہ اسلام ہی ہے کہ اس نے آ کر اسے اس ذلت سے نکال کر انتہائی بلندی پر پہنچا دیا، جبکہ یہ اس سے پہلے ایک گری پڑی چیز تھی، اسے خریدا اور بیچا جاتا تھا اور کچھ تو اسے فقر و عار کے خوف سے زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اسے مرد کی طرح معزز بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی صحیح حدیث ہے: ((إِنَّمَا النِّسَاءُ شِقَائِقُ الرِّجَالِ .)) ❶ ...... "عورتیں مردوں ہی کی طرح ہیں (انہی کی جنس سے ہیں)۔" بلکہ قرآن مجید میں "النساء" (عورتیں) کے نام سے ایک کامل سورت نازل کی گئی ہے، اور اس میں ان کا ایک بڑا اعزاز و اکرام ہے۔ ❷ اسلام نے اسے وقار دیتے ہوئے باور کرایا ہے کہ خاتون وہ بہترین گٹھلی اور بیج ہے جس سے ایک معاشرہ پھوٹتا ہے۔ جبکہ مغرب اس جنس لطیف کو اپنے بدبودار مقاصد کا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ وہ اسے محض ایک کھلونا بنائے رکھنا چاہتا ہے کہ اس کے جمال و شباب سے کھل کھیلے، اور پھر جب یہ بڑی عمر کی اور ناکارہ ہو جائے تو اسے کسی Home Old (بوڑھوں کے ہوسٹل) میں دھکا دے دے۔ ان غلیظ حملوں میں سے ایک غلیظ (بدبودار) حملہ یہ بھی ہے کہ دین اسلام کی صورت کو بگاڑ دیا جائے، اس کی تعلیمات کو آلودہ کر دیا جائے اور ائمہ دین کو متعصب، تنگ نظر اور لکیر کے فقیر باور کرایا جائے......!! یہ انتہائی شدید اور غلیظ حملے مدت سے جاری ہیں کہ بعض مسلمان بھی ان شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور وہ حیرت میں ہیں کہ اپنے دین کی معلومات کس سے لیں، کس سے پوچھیں اور کس سے فتویٰ لیں......؟ ایسے ہی احوال میں خاتون مسلم بھی اپنے رب کے دین سے دھیرے دھیرے دور ہونے لگی ہے اور کچھ کو تو اپنے دین کا بس نام ہی پتہ ہے یا قرآن کے محض نقوش جانتی ہے!!

کچھ ایسی ہی صورت حال کے پیش نظر ہم نے یہ عزم کیا ہے کہ مسلم معاشرہ کی معزز خواتین کے لیے ایسے فتاوی جمع کر دیے جائیں جو امت اسلام کے سربرآوردہ علماء نے پیش کیے ہیں۔ یہ علماء وہ عظیم ہستیاں ہیں جو آسمان علم میں روشن ستاروں کی مانند ہیں اور تاریکیاں چھانٹتے ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر دشمنانِ اسلام کا بھرپور مقابلہ کرنے کی تاریخ رقم کی ہے۔

یہ فتاویٰ آپ کے لیے اے خاتون مسلم! ایک بہترین رہنما اور چراغ راہ ثابت ہوں گے۔ اس میں ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ یہ مجموعہ ایک مسلمان خاتون کے لیے ہر طرح کی دینی معلومات سے بھرپور ہو۔ عقیدہ، طہارت، نماز، روزہ اور حج وغیرہ ہر طرح کے مسائل اس میں آ گئے ہیں جو نہ اس قدر طویل ہیں کہ بار خاطر ہوں اور نہ اس قدر مختصر کہ تشنگی باقی رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ سے آپ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ دے اور ہمارا یہ عمل خاص اللہ رب العلمین کی رضامندی کے لیے ہو......!!

مجدی فتحی آل کحیل

صلاح الدین محمود

---

❶ حديث صحيح ، صحيح الجامع حديث : ۲۳۳۳ .

❷ علامہ محمود المصری کی تالیف 'إنها الجنة يا أختا' سے ماخوذ، ص۳-۴۔

مختصر تعارف ائمہ عظام، اصحاب فتویٰ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

نام و نسب:...... شیخ الاسلام، تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن ابی القاسم بن خضر بن تیمیہ، النمری الحرانی۔

ولادت:...... ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ بروز سوموار علاقہ حران ❶ میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ اپنی والدہ محترمہ اور خاندان کی معیت میں دمشق آ گئے۔ سن شعور کو پہنچے تو ائمہ وقت جناب ابن عبدالدائم، ابن ابی الیسر، ابن عبدان، شیخ شمس الدین حنبلی، شیخ شمس الدین عطاء حنفی، شیخ جمال بن صیر فی، مجدالدین بن عساکر اور شیخ جمال الدین بغدادی وغیرہ رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی۔

آپ علمی میدان میں کسی ایک ہی فن میں ماہر نہ تھے بلکہ اپنے دور کے رائج الوقت تمام علوم و معارف کے شناور تھے۔ کتاب وسنت میں تبحر کے علاوہ علم فلکیات، ریاضی، جغرافیہ اور طب وغیرہ میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

آپ کے بارے میں ائمہ کے اقوال:

حافظ مزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے ان کے مثل کسی کو نہیں دیکھا، اور نہ خود انہوں نے کسی کو اپنے مثل پایا ہے۔ علوم قرآن و حدیث میں میں نے ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسا جو اتباع کتاب وسنت میں ان سے بڑھ کر ہو۔''

قاضی ابوالفتح ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

> ''مجھے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ مل بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ یہ ایسا شخص ہے کہ گویا تمام علوم اس کی نظروں کے سامنے ہیں، جو چاہتا ہے لے لیتا ہے اور جو چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ سا بھی کوئی آدمی پیدا کرے گا۔''

ابن الحریری رحمہ اللہ رئیس القضاۃ کہتے ہیں:

---

❶ حران، آج کل ترکی میں مابین النہرین ایک قدیم معروف شہر ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام مقام ''اُر'' سے ہجرت کے بعد یہیں تشریف لائے تھے۔ (المنجد)

''اگر ابن تیمیہ رحمہ اللہ شیخ الاسلام نہیں تو پھر کون ہوگا؟''

علامہ ابو حیان شیخ النحاۃ رحمہ اللہ کی جب امام موصوف سے ملاقات ہوئی تو کہہ اٹھے: ''میری آنکھوں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔''

وفات:...... ۲۰ر ذی القعدہ ۷۲۸ھ سوموار کی رات کو آپ کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا، جب کہ آپ کی عمر سڑسٹھ سال آٹھ ماہ تھی۔ رحمہ اللہ

آپ نے اپنے علمی ترکہ میں کئی ضخیم مؤلفات، فتاویٰ اور رسائل و مسائل چھوڑے ہیں جو بحمد اللہ جمع ہو کر زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ [1]

فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ

نام و نسب:...... ابو عبدالعزیز محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن الامام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ۔

ولادت اور نشوونما:...... ۱۷ر محرم ۱۳۱۱ھ کو آنجناب کی ریاض شہر (سعودی عرب) میں ولادت ہوئی اور اپنے والد گرامی جناب ابراہیم عبداللطیف رحمہ اللہ کی زیر نگرانی تربیت پائی۔ آپ نے گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ سولھویں سال میں تھے کہ آپ کی بینائی جاتی رہی، مگر اس حادثے نے ان کے عزم و ثبات کو کسی طرح متزلزل نہیں کیا، بلکہ اپنے دور کے علماء کے علمی حلقوں میں اہتمام سے حاضر ہوتے رہے۔

آپ نے اپنے والد گرامی کے علاوہ اپنے چچا علامہ نجد الشیخ عبداللہ بن عبداللطیف رحمہ اللہ کے ہاں اپنے تعلیمی مراحل مکمل کیے اور اس اثناء میں مختلف علوم کے متون و مختصرات ازبر کیے۔ شیخ سعد بن عتیق رحمہ اللہ کے ہاں سے فقہ اور مصطلح الحدیث کا درس لیا اور شیخ حمد بن فارس رحمہ اللہ کے ہاں سے لغت، نحو اور علوم عربیہ کے اسباق پڑھے۔

بعد ازاں تدریس علوم شرعیہ، فتویٰ نویسی اور وعظ و تذکیر میں مشغول ہو گئے اور ساتھ ہی کچھ حکومتی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہوتے رہے۔

آپ کے ہاں سے بڑے بڑے علماء نے کسب فیض کیا ہے۔ ان میں فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ، شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اور شیخ سلیمان بن عبید رحمہ اللہ وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ ۱۳۸۹ھ میں ۲۰ر رمضان بدھ کے روز ان کی وفات ہوئی جبکہ ان کی عمر اٹھتر سال ہو چکی تھی۔ آپ نے اپنے علمی ترکہ میں فتاویٰ اور رسائل و مسائل کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے جو بحمد اللہ کئی مجلدات میں طبع ہو چکا ہے۔ رحمہ اللہ

---

[1] امام صاحب کی مفصل سیرت اور تذکرہ اور علمی جولان گاہ سے آگاہ ہونے کے لیے سیرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (اردو) از علامہ ابو زہرہ مصری و تحقیق و تعلیق مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ قابل مطالعہ کتاب ہے۔ (سعیدی)

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

نام و نسب:...... ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن ناصر بن عبداللہ بن ناصر آل سعدی، جو کہ قبیلہ بنی تمیم کی شاخ ہے۔

ولادت:...... ۱۲/محرم ۱۳۰۷ھ کو صوبہ قصیم کے شہر عُنیزہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابھی آپ چار ہی سال کے تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ داغ مفارقت دے گئیں، اور سات سال کے ہوئے تو والد صاحب بھی رحلت فرما گئے۔

نشوونما:...... گیارہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید مع تجوید حفظ کیا، پھر اپنے علاقے کے علماء سے علم حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے اور اس دوران میں جو علماء ان کے شہر میں وارد ہوئے یہ ان سے بھی کسب فیض کرتے رہے، حتیٰ کہ علوم شرعیہ کے تمام فنون میں خوب ماہر ہوگئے۔

مشائخ عظام:...... آپ کے اساتذہ کرام میں درج ذیل اسماء زیادہ معروف ہیں: الشیخ ابراہیم بن حمید بن جاسر رحمہ اللہ۔ الشیخ محمد بن عبدالکریم الشبل رحمہ اللہ، الشیخ صالح بن عثمان رحمہ اللہ (قاضی عنیزہ)، الشیخ محمد بن عبدالعزیز محمد المانع رحمہ اللہ اور الشیخ محمد الشنقیطی رحمہ اللہ جو پہلے حجاز اور پھر زبیر میں رہے ہیں۔

اخلاق و اطوار: آپ انتہائی متواضع اور اخلاق فاضلہ سے موصوف تھے، طبیعت بہت ہی زاہدانہ تھی۔ دنیاوی زیب و زینت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ جاہ و منصب کی طرف کسی طرح بھی راغب نہ ہوئے حالانکہ لوگ بالعموم ان کے بہت حریص ہوتے ہیں۔

تصنیفات:...... آپ کی تصنیفات انتہائی وقیع ہیں، مثلاً: تفسیر القرآن مسمی به تیسیر القرآن الکریم[1]، حاشیه علی الفقه، الدّرة المختصرة فی محاسن الاسلام، القواعد الحسان لتفسیر القرآن، الحق الواضح المبین فی شرح توحید الانبیاء والمرسلین، القول السدید فی مقاصد التوحید، المختصر فی اصول الفقة اور الریاض النضرة.

وفات:...... ۱۳۷۶ھ عُنیزہ شہر میں آپ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی جبکہ آپ کی عمر انہتر سال تھی۔ رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ

نام و نسب:...... عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن حسین بن حمید اور قبیلہ بنی خالد سے تعلق رکھتے ہیں۔

ولادت و نشوونما:...... ۱۳۲۹ھ میں ریاض شہر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بچپنے سے ہی ان کی اٹھان

---

[1] یہ تفسیر اب بحمداللہ اردو میں ترجمہ ہو کر "تفسیر سعدی" کے نام سے دستیاب ہے اور تشنگان علوم تفسیر کے لیے نادر کتاب ہے۔ (سعیدی)

انتہائی صالح تھی کہ نوعمری میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ اور لڑکپن ہی میں تھے کہ ان کی نظر جاتی رہی، مگر یہ حادثہ ان کے لیے حصول علم میں کوئی رکاوٹ نہ بنا بلکہ عزیمت کے ساتھ علم حاصل کرتے رہے۔

اساتذہ کرام:...... وقت کے عظیم مشائخ سے آپ نے کسب فیض کیا۔ ان میں درج ذیل اسماء مشہور و معروف ہیں، الشیخ حمد بن فارس، الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ (قاضی ریاض)، الشیخ محمد بن عبداللطیف اور الشیخ سعد بن عتیق رحمہم اللہ وغیرہ۔ پھر آپ الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے ساتھ منسلک رہے اور ان سے از حد استفادہ کیا۔ موصوف کو کئی بڑے بڑے مناصب پر کام کرنے کا موقع ملا جن کے ذریعے سے آپ نے مسلمانوں کی بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ مثلاً: رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ، رئیس اعلیٰ مجلس امور حرمین شریفین، اور ایسے ہی رابطہ عالم اسلامی کے تحت المجمع الفقهی کے آپ رئیس رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی مناصب پر آپ نے کام کیا ہے۔

اہم تالیفات:...... تبیان الأدلة فی اثبات الأهلة، هداية الناسك الى أهم المناسك، الرسائل الحسان فی نصائح الاخوان اور فتاویٰ علمیة کا بھی ایک مجموعہ آپ کی علمی وراثت ہے۔

وفات:...... ۲۰/ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ بروز بدھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ نماز عصر کے بعد بیت اللہ الحرام میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا اور مکہ کے مقبرہ عدل میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ

نام و نسب:...... عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ آل باز۔

ولادت و نشوونما:...... ۱۳۳۰ھ میں ریاض میں ان کی ولادت ہوئی۔ سولہ سال کی عمر میں ایک بار بیمار ہوگئے تو نظر متأثر ہوگئی تھی جو بالآخر ۱۳۵۰ھ میں بالکل ہی جاتی رہی۔ آپ نے بچپن سے علوم شرعیہ کی طرف توجہ فرمائی۔ نوعمری ہی میں قرآن مجید حفظ کیا اور پھر علاقہ کے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے اپنا دامن علم خوب خوب بھرلیا۔

مشائخ عظام:...... آپ کے اساتذہ میں درج ذیل اسماء زیادہ معروف ہیں، مثلاً: شیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف آل الشیخ۔ آپ بیان کرتے تھے کہ میں نے شیخ موصوف کے حلقوں میں دس سال تک حاضری دی ہے۔ ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۷ھ تک میں نے ان کے ہاں سے تمام علوم شرعیہ حاصل کیے ہیں۔ آپ اپنے متعلق بیان فرماتے تھے کہ میں فقہی طور پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہوں مگر تقلیدی طور پر نہیں، بلکہ اتباع کے اصول کے اعتبار سے، جیسے کہ امام رحمہ اللہ تھے اور اختلافی مسائل میں میں ترجیح کا قائل و فاعل ہوں کہ جو جانب بروئے دلیل راجح ہو اسے ہی اختیار کرتا ہوں، فتویٰ خواہ حنبلی مذہب کے موافق ہو یا مخالف، کیونکہ حق اس بات

کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

آپ کو مختلف اوقات میں کئی اہم مناصب کی ذمہ داریاں بھی تفویض ہوتی رہی ہیں، مثلاً: مملکت عربیہ سعودیہ کے مفتی اعظم کا منصب، اس کے ساتھ ساتھ آپ بہت سی علمی واسلامی مجالس کے رکن رکین بھی رہے ہیں۔

تالیفات:...... آپ کی متنوع تالیفات ہیں، مثلاً: الفوائد الجلية فی المباحث الفرضية، التحقيق والايضاح لكثير من مسائل الحج والعمرة، نقد القومية العربية، علاوہ ازیں فتاویٰ علميّة کا ایک عظیم مجموعہ آپ کی یادگار ہے۔

وفات:...... ۲۷ محرم ۱۴۲۰ھ کو جمعرات کے روز چند ایام بیمار رہنے کے بعد راہیٔ ملک عدم ہوئے جبکہ آپ کی عمر ۸۹ سال تھی۔ نماز جمعہ کے بعد آپ کا جنازہ پڑھا گیا، جس میں خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز بالخصوص حاضر تھے۔ رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ المحدث محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ

نام و نسب:...... الشیخ محمد ناصر الدین بن الحاج نو الالبانی۔

ولادت و نشوونما:...... آپ کی ولادت ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں ملک البانیہ کے دارالخلافہ اشقودرہ میں ہوئی۔

آپ کا خاندان مادی اعتبار سے فقیر مگر علمی اعتبار سے بڑا غنی تھا۔ والد گرامی لوگوں کے مرجع عام تھے۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت اور دینی رہنمائی سے انہیں از حد شغف تھا۔

جب البانیہ کے بادشاہ احمد زاغو نے ملک میں لادین مغربی تہذیب و ثقافت کو رواج دیا تو ان کے والد نے البانیہ سے دمشق کی طرف ہجرت کا عزم کر لیا۔ چنانچہ شیخ موصوف بھی اپنے اور خاندان کے ساتھ تھے۔ آپ نے دمشق میں مدرسہ الاسعاف الخیری میں پرائمری مکمل کی۔ آپ کے والد گرامی کی نظر میں دینی مدارس کا نصاب تعلیم کامل یا جامع نہیں تھا تو انہوں نے اپنے خاص انداز میں ان کی تعلیم کا اہتمام کیا، جس میں انہیں قرآن مجید با تجوید، نحو، صرف اور فقہ حنفی کی تعلیم دی گئی۔

قرآن کریم آپ نے اپنے والد صاحب کے ہاں حفظ کیا۔ شیخ سعید برہان سے فقہ حنفی کی کتاب مراقی الفلاح اور کچھ دوسری کتابیں پڑھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ علامہ بہجت بیطار کے دروس و حلقات میں بھی باقاعدہ شریک ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے رہے۔

ساتھ ہی آپ نے اپنے والد صاحب سے گھڑیاں ٹھیک کرنے کا فن سیکھا اور اس میں خوب مہارت حاصل کی اور شہرت بھی پائی، اور اسی کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا۔

آپ نے مجلّہ المنار سے متاثر ہو کر علم حدیث پڑھنا شروع کیا، جبکہ آپ کی عمر بیس سال تھی، یہ مجلّہ علامہ

رشید رضا مصر سے شائع کیا کرتے تھے۔

تالیفات:...... آپ کی تالیفات کی فہرست طویل ہے جبکہ اوّلین تالیف "تحذير الساجد من اتخاذ القبور المساجد" ہے، جو عقیدہ کے ایک اہم اور نازک موضوع پر مشتمل ہے۔ آپ نے اس میں کتاب و سنت کے دلائل کے علاوہ مذہبی آراء کے تقابل سے موضوع کو خوب نکھارا ہے۔

فن حدیث میں آپ کا پہلا پہلا یہ کام تھا کہ آپ نے حافظ عراقی رحمہ اللہ کی "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار" نقل کی اور اس پر اپنے تعلیقات بھی دیے۔ تخریج حدیث سے متعلق آپ کا اولین کام "الروض النضير فی ترتيب و تخريج معجم الطبرانی الصغير" ہے۔ مگر یہ کتاب تاحال مخطوط ہے۔

دعوتی میدان میں آپ کی کارگزاری خاصی طویل اور علمی خدمات سے بھرپور ہے اور اس دوران پیش کیے جانے والے علمی خطابات کی ایک بڑی تعداد کیسٹوں کی صورت میں محفوظ ہے۔

آپ کی عظیم علمی خدمات اور علم حدیث میں تحقیقات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

وفات: ۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ہفتہ کے روز آپ کا وقت موعود آ گیا اور عالم اسلام آپ کے وجود مسعود سے محروم ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ

فضيلة الشيخ محمد بن الصالح العثيمين رحمہ اللہ

نام و نسب:...... ابوعبداللہ محمد بن عثیمین الوہبی التمیمی۔

ولادت اور نشوونما:...... ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ میں عُنیزہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بچپنے ہی میں اپنے نانا شیخ عبدالرحمٰن بن سلیمان آل دامغ رحمہ اللہ کے ہاں قرآن مجید حفظ کیا، اور پھر الشیخ المفسر عبدالرحمٰن ناصر السعدی رحمہ اللہ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ ان سے آپ نے توحید، تفسیر، حدیث اور فقہ کے درس لیے۔ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کے ہاں سے صحیح بخاری، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کچھ رسالے اور کچھ دیگر فقہی کتابیں پڑھیں۔

آپؒ وہبی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جب آپ کے شیخ عبدالرحمٰن ناصر السعدی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو ان کے بعد آپ کو ان کی جگہ عُنیزہ کی مسجد الجامع الکبیر میں امامت کا منصب دیا گیا۔ قصیم میں کلیہ شریعہ واصول الدین میں آپ فریضہ تدریس سرانجام دیتے رہے ہیں اور مملکت سعودیہ کے ہیئۃ کبار العلماء کے رکن بھی رہے ہیں۔

تالیفات:...... آپ کی کئی اہم تالیفات ہیں مثلاً: شرح لمعة الاعتقاد لابن قدامة، القواعد

المُثلیٰ فی صفات اللہ و اسماءِ الحسنیٰ، الاصول علم الاصول، الدماء الطبیعیة للنساء، اصول فی التفسیر، علاوہ ازیں اور بھی کچھ رسائل ہیں اور علمی خطابات کے کیسٹوں کا ایک بڑا ذخیرہ آپ کی یادگار ہے۔

وفات:...... ۱۵؍شوال ۱۴۲۱ھ کو جدہ کے ملک فیصل ہسپتال میں آپ کی وفات ہوئی، جبکہ آپ کی عمر اُکہتر سال ہو چکی تھی۔ رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین حفظہ اللہ

نام و نسب:...... عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ الجبرین۔

ولادت و نشوونما:...... ریاض کے مغرب میں واقع قویعیہ کی ایک بستی مزعل میں ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔

کئی معتبر علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان میں آپ کے اولین شیخ عبدالعزیز ابوحبیب الشثری ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ، الشیخ اسمٰعیل الانصاری اور سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کے نام معروف ہیں۔

۱۳۸۱ھ میں آپ کو معہد امام الدعوۃ میں تدریس کا موقع ملا اور پھر کلیہ شریعہ کی قسم العقیدۃ والمذاھب المعاصرۃ میں منتقل ہو گئے۔

۱۴۰۲ھ میں آپ کو رئاسۃ ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ میں بطور مفتی رکنیت حاصل ہوئی۔

۱۳۹۰ھ میں آپ نے المعہد العالی شہادۃ الماجستیر (ایم اے) کی ڈگری لی، اور اس امتحان میں آپ کے مقالے کا عنوان تھا ''الاخبار الآحاد فی الحدیث النبوی۔''

۱۴۰۷ھ میں آپ کو ڈاکٹریٹ مع الشرف کی ڈگری دی گئی۔ اس میں آپ نے "کتاب الزرکشی علی مختصر الخرقی" کی تحقیق کی۔

آپ اپنے اوقات کو علمی مشاغل میں مصروف رکھتے ہیں، صبح کے اوقات میں رئاسۃ ادارات البحوث العلمیہ میں بیٹھتے ہیں تو شام کے اوقات میں طلبۂ علم کے لیے علمی بساط بچھا لیتے ہیں اور مجموعی طور پر مختلف علوم کی تیس کتابوں کا درس دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل آپ کو ان خدمات کا بہترین بدلہ دے اور آپ کے علم وعمل میں برکت فرمائے۔

فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ

نام و نسب:...... الشیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان۔

رکن:...... هيئة كبار العلماء، ركن اللجنة الدائمة للافتاء والبحوث العلمية، امام و خطیب جامع الأمير متعب بن عبدالعزیز، ریاض۔

آپ المعهد العالي للقضاء کے مدیر کے علاوہ اور بھی کئی مناصب کی ذمہ داریاں سنبھال چکے ہیں۔

اللہ نے آپ کو تدریس، فتویٰ، خطابت اور صاحب قلم ہونے کی متنوع صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ آپ کے علمی مقالات اسلامی مجلّات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

تالیفات:...... شرح العقيدة الواسطية، الملخص الفقهي، كتاب في المباحث الفرضية، تنبيهات على احكام تختص بالمؤمنات، تعقبات على كتاب، السلفية ليست مذهبا للبوطي، مشاهير المجددين شيخ الاسلام ابن تيمية و شيخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب رحمہ اللہ، المنتقىٰ من فتاوى الشيخ صالح بن فوزان (۳ مجلد) علاوہ ازیں ریڈیو کے پروگرام "نور على الدرب" میں بھی آپ اپنے سامعین کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں اور یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی قبول فرمائے اور آپ کے علم و عمل میں برکت دے۔
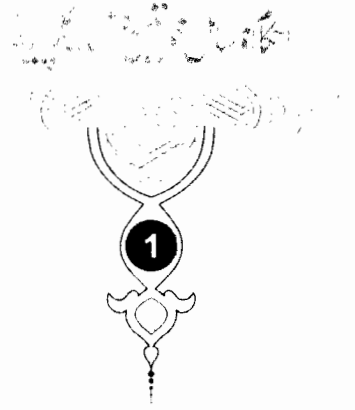
کتاب الایمان

خواتین اور ایمان و ایمانیات کے احکام و مسائل

سوال: کیا توحید ہی ایمان ہے؟

جواب: [ہاں، توحید ایمان کی بنیاد اور اساس ہے] اور توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ایک اکیلے [لاشریک] ہونے کا عقیدہ رکھا جائے، ان تمام امور کے ساتھ جو اللہ کے لیے خاص اور واجب ہیں۔

نیز ''ایمان'' سے مراد تصدیق ہے یعنی انسان اللہ عزوجل کے قانون شریعت کو اپنے قول و عمل اور کردار سے قبول کرتے ہوئے اس پر ہر طرح سے اپنی رضا و تسلیم کا اظہار کرے۔

ایمان و توحید میں عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ یعنی ہر موحد مومن ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ ہر مومن موحد بھی ہو۔ بعض اوقات توحید کے مفہوم میں ایمان کی نسبت خاص ہوتی ہے اور ایمان میں عام، اور کبھی ایمان کے مفہوم میں خاص ہوتی ہے اور توحید میں عام۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح عثیمین)

ایمان میں کمی و زیادتی

سوال: ایمان کی کیا تعریف ہے، اور کیا اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے؟

جواب: اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایمان یہ ہے کہ ''(توحید و رسالت کا) دل سے اقرار، زبان سے اظہار اور

اعضاء سے عمل ہو۔'' چنانچہ اس میں یہ تین باتیں ہونا ضروری ہیں:

(۱) دل سے اقرار کرنا (۲) زبان سے بولنا (۳) اعضا سے عمل کرنا۔

اس طرح اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ دل کے اقرار کے مختلف درجات ہوتے ہیں، مثلاً ایک بات سن کے تسلیم کرنا، دیکھ کر ماننے کے برابر نہیں ہوتا۔ یا ایک آدمی کی خبر پر اس قدر اعتماد نہیں ہوتا جتنا کہ دو آدمیوں کی خبر پر ہوتا ہے وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جب کہا گیا کہ ﴿اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ؟﴾ ''کیا ایمان نہیں رکھتے ہو؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ﴿بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۶۰) ''کیوں نہیں، لیکن دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔'' چنانچہ آدمی کا ایمان دلی قرار و اطمینان کی حیثیت سے کم زیادہ ہوتا ہے اور ایک عام انسان کو بھی اس کا احساس اور تجربہ ہوتا ہے، مثلاً: جب وہ کسی ایسی مجلس میں ہو جس میں اللہ سے ڈرایا جائے، جنت دوزخ کا ذکر ہو تو انسان کا ایمان بڑھ جاتا ہے گویا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور جب وہ ایسی مجلس سے اٹھ آتا ہے اور اس پر غفلت طاری ہو جاتی ہے تو اس کے دل کا یہ یقین بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

زبان کے نطق سے بھی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ مثلاً جو شخص دس بار اللہ کا ذکر کرے وہ اس کی مانند نہیں ہو سکتا جو سو بار ذکر کرتا ہے، یقیناً دوسرا پہلے سے بڑھ کر ہے۔

اور اسی طرح جو شخص انتہائی اخلاص سے اور کامل طور پر عبادت کرتا ہے، اس کا ایمان اس آدمی سے بڑھ کر ہے جو ناقص انداز میں پیش کرتا ہے۔ اور اعضا و جوارح سے کیے جانے والے عمل میں جس قدر کثرت ہوگی اس سے آدمی کا ایمان بھی زیادہ ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جو اس میں کمی کرے گا۔ اور قرآن و سنت میں ایمان کی کمی بیشی کا بیان بہت زیادہ ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾ (المدثر: ۷۴/ ۳۱)

''اور ہم نے [جہنم کے داروغوں] کی تعداد تو کافروں کی آزمائش ہی کے لیے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان دار ایمان میں بڑھ جائیں۔''

﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ٥ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ٥﴾ (التوبۃ: ۹/ ۱۲۴۔۱۲۵)

''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے

کس کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں (فی الواقع) ترقی دی ہوتی ہے اور وہ خوش ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس سورت نے ان میں ان کی (سابقہ) گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔"

اور صحیح حدیث میں نبی ﷺ کے فرمان میں آیا ہے (جو آپ نے ایک بار خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا) کہ "میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کسی کم عقل اور ناقص دین کو نہیں پایا جو ایک اچھے بھلے سمجھ دار آدمی کی عقل کو کھو دینے والی ہو۔"❶

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کے عقل اور دین میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔

ایمان میں زیادتی اور ترقی کے کئی اسباب ہیں:

سبب اوّل:...... اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت حاصل کرنا۔ جو انسان اللہ تعالیٰ سے جس قدر زیادہ آگاہ ہوگا، اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ کی جسے زیادہ معرفت ہوگی وہ یقیناً ایمان میں بھی بڑھ کر ہوگا اور آپ جانتے ہیں کہ اہل علم حضرات عام لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے بہت زیادہ آگاہ ہوتے ہیں، جبکہ دوسرے اس درجہ کے نہیں ہوتے اس لیے وہ قوی الایمان بھی ہوتے ہیں۔

سبب دوم:...... اللہ تعالیٰ کے نظامِ کائنات (نظامِ قدرت، آیات کونیہ) اور احکام شریعت (آیات شرعیہ) میں غور وفکر کرتے رہنا۔

انسان اس کائنات کے نظام اور اللہ کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں جس قدر غور وفکر کرے گا اس کا ایمان بڑھتا چلا جائے گا۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝﴾

(الذاريات: ٥١/ ٢٠-٢١)

"اور اس زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور کیا بھلا تم اپنی جانوں میں نہیں دیکھتے ہو؟"

اور اس معنی کی بہت سی آیات ہیں کہ اس کائنات میں تدبر کرنے سے انسان کا ایمان بڑھتا ہے، اس میں ترقی ہوتی ہے اور اضافہ ہوتا ہے۔

سبب سوم:...... اللہ کی اطاعت کے کام بہت زیادہ کرنا۔ انسان کی اطاعت گزاری کے اعمال جس قدر

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، ح:٢٩٨ وصحيح ابن خزيمة: ١٣/ ٥٤، ح: ٥٧٤٤.

بڑھتے جائیں گے اس کے ایمان میں اضافہ اور ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ یہ اطاعات خواہ زبانی ہوں یا فعلی۔ زبان کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے سے ایمان کی کیفیت اور اس کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اور یہی حال نماز، روزہ اور حج وغیرہ عبادات کا ہے۔

ایمان میں کمی کے اسباب (مذکورہ بالا کے برعکس ہیں):

سبب اول: ...... اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا سے جاہل ہونا، کمی ایمان کا باعث ہے۔ انسان اپنے اللہ کے متعلق جس قدر زیادہ لاعلم ہوگا، اسے اس کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفات کی آگاہی نہیں ہوگی، اسی قدر اس کا ایمان کم اور کمزور ہوگا۔

سبب دوم: ...... اس کائنات اور اللہ کے نظام قدرت میں غور وفکر نہ کرنا اور احکام شریعت میں تدبر نہ کرنا کمی ایمان کا باعث ہے۔ یا کم از کم اس کا ایمان جامد رہ جاتا ہے اور اس میں کوئی بڑھوتری اور ترقی نہیں ہوتی ہے۔

سبب سوم: ...... نافرمانی اور معصیت کا مرتکب ہونا۔ نافرمانی اور معصیت سے انسان کے دل اور اس کے ایمان پر بڑے بڑے اثرات پڑتے ہیں۔ اسی سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''نہیں زنا کرتا کوئی زنا کرنے والا جب کہ وہ زنا کر رہا ہو تو وہ مومن بھی ہو!'' [1]

سبب چہارم: ...... اطاعت کے کاموں سے دور رہنا۔ بلاشبہ ترک اطاعت نقص ایمان کا بہت بڑا سبب ہے۔ لیکن اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر وہ عمل فرض و واجب ہو اور بغیر کسی عذر کے چھوڑا ہو، تو یہ ایسا نقص ہے کہ اس پر اسے ملامت ہونے کے علاوہ عقوبت (شرعی سزا) بھی ہے اور اگر اطاعت کا کوئی عمل غیر واجب ہو، یا واجب ہو مگر عذر کے باعث چھوڑے تو یہ نقص ہے مگر اس پر ملامت نہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو ''کم عقل اور ناقص دین'' بتایا ہے۔ ان کے دین میں نقص کی وجہ یہ بتائی ہے کہ جب ان کے ایام مخصوصہ آتے ہیں تو یہ نماز چھوڑ دیتی ہیں اور روزے نہیں رکھتی ہیں، باوجودیکہ ان کے اس عذر سے نماز روزہ چھوڑنے پر کوئی ملامت نہیں بلکہ حکم ہے کہ ان دنوں میں نہ نماز پڑھیں اور نہ روزے رکھیں۔ لیکن چونکہ مردوں کے مقابلے میں یہ انھیں چھوڑے ہوتی ہیں جبکہ مرد کر رہے ہوتے ہیں تو ان کے دین کو ناقص کہا گیا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

اسلام اور ایمان میں فرق

سوال: اسلام کی کیا تعریف ہے اور ایمان واسلام میں کیا فرق ہے؟

جواب: اسلام اپنے عمومی معنیٰ میں یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی عبادات، جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے

[1]

مشروع فرمائی ہیں، سرانجام دینا'' اسلام ہے۔ چنانچہ وہ ہدایت اور حق جو سیدنا نوح علیہ السلام اور ان کے بعد سیدنا موسیٰ، عیسیٰ اور امام الحنفاء ابراہیم علیہم السلام (اور پھر محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم) لائے، سبھی اللہ کا دین اسلام ہے جیسے کہ بے شمار آیات قرآنیہ میں ان کا ذکر آیا ہے۔ اور اپنے خاص معنیٰ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد، وہ حق و ہدایت قبول کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کے آئے ہیں، اسلام ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے سابقہ تمام ادیان منسوخ ہو چکے ہیں۔ تو جو آپ کا مطیع فرمان ہوا مسلمان ہے اور جس نے آپ کی نافرمانی اور مخالفت کی وہ غیر مسلم ہے۔ کیونکہ ایسے آدمی نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے سر تسلیم خم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی خواہش نفس کے تابع ہوا ہے۔ بالفرض یہودی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور میں، نصاریٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں مسلمان تھے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب انہوں نے ان کا انکار کر دیا تو مسلمان نہ رہے۔ اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہود و نصاریٰ آج جس دین کے پیرو ہیں وہ صحیح دین (یا دین اسلام) ہے، یا اللہ کے ہاں مقبول و پسندیدہ ہے یا ان کا دین، اسلام کے برابر ہے۔ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر اور دین اسلام سے خارج ہے۔

کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۹)

''اللہ کے ہاں [مطلوب و پسندیدہ] دین ''اسلام'' ہی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿مَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران: ۳/ ۸۵)

''جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرنا چاہا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

ان آیات میں جس ''اسلام'' کا ذکر کیا گیا ہے، یہ وہ خاص اسلام ہے، جس کا اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر احسان فرمایا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۵/ ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا ہے۔''

یہ صریح نص ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہو جانے کے بعد اس امت کے علاوہ اور کوئی امت اسلام پر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ جو بھی کوئی دین اللہ عزوجل کو پیش کریں گے تو وہ قبول نہیں ہو گا اور نہ قیامت کے دن انہیں اس کا کوئی فائدہ ہو گا۔ اور ہمارے لیے بھی حلال نہیں کہ ان کے دین کو صحیح و مستقیم دین سمجھیں۔ لہٰذا جو لوگ یہود و نصاریٰ کو اپنے بھائی قرار دیتے ہیں یا ان کے دین کو بھی درست سمجھتے ہیں بہت

بڑی غلطی کرتے ہیں۔

جب ہم نے یہ کہا کہ ''اسلام اللہ تعالیٰ کی مشروع کی ہوئی عبادات بجا لانے کا نام ہے'' تو یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ آدمی ظاہری اور باطنی طور پر اسی کا مطیع فرمان ہو اور اسی کے لیے سر تسلیم خم کرے اور یہ تعریف دین کی تمام جوانب عقیدہ، قول اور عمل سب کو محیط ہے۔

لیکن اگر اسلام اور ایمان کو اکٹھے ذکر کیا جائے تو اسلام سے ظاہری اعمال مراد ہوتے ہیں، یعنی زبان سے بولنا اور اعضا سے عمل کرنا اور ایمان سے مراد باطنی اور اعمال قلوب، جسے ہم عقیدہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس فرق پر یہ آیت کریمہ دلیل ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات : ٤٩/ ١٤)

''دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، آپ انہیں کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم نے تسلیم کرلیا اور مطیع ہو گئے ہیں اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔''

سیدنا لوط علیہ السلام کے قصہ میں ہے:

﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ○﴾

(الذاریات : ٥١/ ٣٥-٣٦)

''ہم نے ان کی بستی میں سے اہل ایمان کو نکال لیا اور ہم نے اس میں ایک گھر کے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں پایا۔''

یہاں اہل ایمان اور اہل اسلام میں فرق کیا گیا ہے۔ اس بستی میں ظاہری طور پر مسلمان گھرانہ صرف ایک ہی تھا، اور اس میں لوط علیہ السلام کی بیوی بھی تھی جس نے کفر کر کے آپ کی خیانت کی تھی جبکہ درحقیقت یہ کافرہ تھی۔ مگر جنہیں نکالا گیا اور انہوں نے نجات پائی وہ خالص مومن تھے اور ایمان ان کے دلوں میں داخل ہو چکا تھا۔

علاوہ ازیں مذکورہ بالا فرق کی دلیل کے، ایک دلیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی معروف روایت ''حدیث جبریل'' بھی ہے۔ اس میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام اور ایمان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسے اسلام کی تعریف میں ظاہری اعمال بیان فرمائے:

((اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ.))

اور ایمان کے متعلق باطنی امور بیان فرمائے یعنی

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ.)) [1]

الغرض! جب عمومی طور پر ''اسلام'' کا ذکر ہوتا ہے تو یہ پورے دین کو محیط اور شامل ہوتا ہے، جس میں ایمان بھی لازماً شمار ہے۔ مگر جب ایمان کے ساتھ ملا کر استعمال ہو تو اسلام سے مراد ظاہری اعمال ہوتے ہیں، یعنی زبان سے بولنا اور اعضاء سے عمل کرنا اور ایمان سے مراد اعمال قلوب اور باطنی امور ہوتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

صفات الٰہی سے متعلق آیات

سوال: اللہ تعالیٰ کے متعلق آیاتِ صفات کیا متشابہات [2] میں سے ہیں یا محکمات میں سے؟

جواب: ان میں دونوں ہی پہلو ہیں۔ ایک اعتبار سے یہ متشابہات میں سے ہیں کہ صفات الٰہیہ کی حقیقی کیفیت سے ہم آگاہ نہیں ہیں اور دوسرے پہلو سے متشابہات میں سے نہیں ہیں کہ عربی لغت کے اعتبار سے ان کے ظاہری معانی معلوم و معروف ہیں تو صفات الٰہیہ بھی اس کی تابع ہیں۔ اور ہمارے لیے ناممکن ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی کیفیت اور تفصیل سے آگاہ ہوں۔

امام حدیث ابوبکر خطیب رحمہ اللہ جیسے ائمہ سلف نے کہا ہے کہ ''صفات کا مسئلہ سلب و ایجاب میں ذاتِ الٰہیہ کے تابع ہے۔'' جیسے کہ ہم ذات الٰہ کا اثبات کرتے ہیں، نفی نہیں کرتے ہیں، کیونکہ اس نفی سے اس کا کلی انکار لازم آتا ہے، تو اسی طرح صفات کا معاملہ ہے، ہم ان کا اثبات کرتے ہیں، انکار نہیں کرتے۔ تو جس طرح ہم اس کی ذات کی کیفیت سے آگاہ نہیں ہیں اسی طرح صفات کی کیفیات بھی بیان نہیں کر سکتے ہیں۔

(محمد ناصر الدین البانی)

جنات اور فرشتوں میں فرق

سوال: کیا جنات فرشتوں میں سے ہیں؟

جواب: جنات فرشتوں میں سے نہیں ہیں کیونکہ فرشتے نور سے پیدا ہوئے ہیں جبکہ جنات آگ سے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب سؤال جبريل النبي...... ، حديث: ٥٠ وصحيح مسلم: كتاب الايمان، باب بيان الايمان والاسلام، حديث: ١ .

[2] مترجم عرض کرتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کے معانی اور حقائق خوب واضح ہیں اور عالم اور جاہل سبھی ان سے اپنی صلاحیت کے مطابق آگاہ ہیں، ان پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ منسوخ بھی نہیں ہیں، ان کو محکم/محکمات کہتے ہیں اور جو ان کے برعکس ہیں یعنی جن کے معانی واضح نہیں ہیں یا وہ منسوخ شدہ ہیں اور تلاوت ان کی باقی ہے تو ان کو متشابہ اور متشابہات کہا جاتا ہے جیسے کہ سورتوں کی ابتدا میں حروف مقطعات وغیرہ۔

﴿وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ (الحجر : ۱۵/ ۲۷)

''اوران سے پہلے جنوں کو ہم نے لووالی آگ سے پیدا کیا۔''

نیز نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اوران کی صفت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

﴿عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ o لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ o﴾

(الانبیاء : ۲۱/ ۲۶-۲۷)

''اللہ کے بندے ہیں بڑے معزز، وہ کسی بات میں اس سے آگے نہیں بڑھتے اور جو وہ انہیں حکم دے اسی پر عمل کرتے ہیں۔''

اور جنوں میں مومن کافر اور مطیع و نافرمان دونوں طرح کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ﴾

(الاعراف : ۷/ ۳۸)

''اللہ تعالیٰ مشرکوں اور نافرمانوں سے فرمائے گا...... جنوں اور انسانوں کی ان جماعتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے ہوگزرے ہیں تم بھی آگ میں داخل ہو جاؤ۔''

اور سورۂ جن میں ان کا اپنے لوگوں کے متعلق یہ بیان نقل ہوا ہے کہ:

﴿وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا o وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا o﴾ (الجن : ۷۲/ ۱۴-۱۵)

''اور ہم میں بعض مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف، پس جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔''

اور اس سے پہلے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ:

﴿وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا﴾ (الجن : ۷۲/ ۱۱)

''اور بے شک بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض ان کے برعکس، ہم مختلف فریق ہیں۔''

اور اہل علم نے فرشتوں کے متعلق بتایا ہے کہ یہ ایسی مخلوق ہے جس میں جوف، یعنی پیٹ یا خلا نہیں ہے، یہ کھاتے پیتے نہیں ہیں، جبکہ جن کھاتے اور پیتے ہیں۔ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے جنوں کے وفد سے فرمایا تھا کہ ''تمہارے لیے ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، تم اسے گوشت سے بھرپور پاؤ گے۔''[1]

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ ملائکہ جن نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

[1] صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب الجهر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، حدیث: ۴۵۰۔ سنن الکبری للبیهقی: ۱/ ۱۱، حدیث: ۳۰.

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ (الحجر : ۱۵/ ۳۰-۳۱)

"سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔"

تو یہ استثناء اس لیے ہے کہ وہ اس وقت ان کے ساتھ تھا، مگر ان کی صنف اور جنس میں سے نہ تھا۔ جیسے کہ سورۂ کہف میں وضاحت آ گئی ہے

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ (الکھف : ۱۸/ ۵۰)

"سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے نافرمان رہا۔"

اس کے فسق کی وجہ یہی بتائی گئی ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ اگر ملائکہ جنوں میں سے ہوتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی اپنے رب کا حکم ماننے سے نافرمان ہو جاتے جیسے کہ ابلیس ہوا۔ اس آیت کریمہ میں بیان کیے گئے استثناء کو نحویوں کی اصطلاح میں مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں جیسے کہ مثال دیتے ہیں کہ "قوم آئی مگر گدھا نہیں آیا" اور یہ کلام فصیح ہے، اور گدھے کو قوم میں سے مستثنیٰ کیا گیا ہے حالانکہ وہ ان کی جنس میں سے نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

نبی اور رسول میں فرق

سوال: کیا رسول اور نبی میں کوئی فرق ہے؟

جواب: ہاں، ان میں فرق ہے۔ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ نبی وہ ہوتا ہے جسے اللہ نے شریعت کی وحی کی ہو مگر تبلیغ کا حکم نہ دیا ہو، بلکہ وہ ذاتی طور پر اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اور تبلیغ کا مکلّف نہیں ہوتا۔ اور رسول وہ ہوتا ہے جسے اللہ نے اپنی شریعت کی وحی کی ہو اور اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کا بھی اسے مکلّف ٹھہرایا ہو۔ سو ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا اور انبیاء کی تعداد رسولوں سے زیادہ رہی ہے، قرآن کریم میں چند ایک ہی کا ذکر آیا ہے اور بہت سوں کا چھوڑ دیا گیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (المومن : ۴۰/ ۷۸)

"ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں جن میں سے کچھ کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور کچھ کے نہیں کیے، اور کسی رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لا سکے۔"

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جن انبیاء کا ذکر آیا ہے وہ سب رسول بھی تھے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا تمام رسول اپنی فضیلتوں میں برابر ہیں؟

جواب: اللہ کے تمام رسول اپنی فضیلتوں میں برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۵۳)

''ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، بعض سے اللہ نے کلام فرمایا ہے اور بعض کے درجات کو بلند فرمایا ہے۔''

اور سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۵۵)

''بلاشبہ ہم نے بعض نبیوں کو بعض دوسروں پر فضیلت دی ہے۔''

واجب ہے کہ ہم تمام رسولوں پر ایمان رکھیں کہ وہ حق پر تھے، اللہ کی طرف سے سچ لائے تھے اور جو وحی وہ لائے اس کی تصدیق کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۳۶)

''اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی طرف سے موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء دیئے گئے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

اور یہی طریق ہے نبی ﷺ اور اہل ایمان کا۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۸۵)

''رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔''

سو ہم کسی رسول پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں کرتے، وہ سچے تھے، ان کی تصدیق کی گئی اور ان کی رسالت حق اور سچ تھی۔ البتہ دو باتوں میں فرق کرتے ہیں:

اول: ...... افضلیت میں: کچھ رسول دوسروں سے فضیلت رکھتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فضیلت بخشی اور ان کے درجات بلند کیے ہیں۔ لیکن اس بیان میں ان کے لیے کوئی فخر والی بات نہیں اور نہ دوسرے کے لیے کسی نقص یا کمی کا تصور ہوتا ہے۔ جیسے کہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ''ایک یہودی نے قسم اٹھاتے ہوئے کہا: قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو نبی بشر پر فضیلت دی ہے، ایک انصاری نے یہ سنا تو اسے تھپڑ دے مارا، اور بولا کہ یہ تو کس طرح کہہ سکتا ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ چنانچہ وہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا آیا اور کہا مجھے آپ کے ہاں عہد و امان حاصل ہے، تو فلاں نے مجھے تھپڑ کیوں مارا ہے؟ آپ ﷺ نے اس انصاری سے دریافت فرمایا کہ تو نے اسے تھپڑ کیوں مارا ہے؟ تو اس نے حقیقت حال بیان کردی۔ تو آپ غصے ہوئے حتیٰ کہ اس کا اثر آپ کے چہرۂ مبارک پر نمایاں ہوگیا۔ پھر فرمایا: ''اللہ کے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دیا کرو۔''[1]

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

''کسی بندے کو لائق نہیں کہ یوں کہے کہ میں یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔''[2]

دوم: ...... اتباع میں: اتباع ہم صرف اس کی کرتے ہیں جو ہماری طرف مبعوث ہوئے ہیں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ۔ کیونکہ آپ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کردیا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدة: ٥/ ٤٨)

''اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ اسی لیے آپ ان (اہل کتاب) کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور ایک راہ مقرر کردی ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ان یونس لمن المرسلین، حدیث: ٣٤١٤۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ، حدیث: ٢٣٧٣۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ: وان یونس لمن المرسلین...... حدیث: ٣٤١٣۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی ذکر یونس علیہ السلام، حدیث: ٢٣٧٦۔

عذاب قبر جسم اور روح دونوں پر

سوال: کیا عذاب قبر بدن اور روح دونوں پر ہوتا ہے؟

جواب: اس مسئلے میں اصل یہ ہے کہ عذاب روح ہی کو ہے، کیونکہ موت کے بعد تمام امور روح ہی سے متعلق ہیں، اور جسم ختم ہو جانے والا جثہ ہے، اسے کھانے پینے وغیرہ کسی ایسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی جس سے جسم باقی رہے، بلکہ کیڑے اسے کھا جاتے ہیں لہٰذا اصل یہی ہے کہ عذاب روح کو ہوتا ہے۔ تاہم امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ روح کو بدن کے ساتھ ایک تعلق ہوتا ہے، اس طرح روح کے ساتھ جسم کو بھی عذاب یا راحت ملتی ہے۔ اور علمائے اہل السنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ (مرنے کے بعد) عذاب یا راحت روح کی بجائے صرف بدن کو ہوتی ہے اور اس میں ان کا اعتماد اپنے مشاہدے پر ہے کہ کچھ قبروں کو کھولا گیا تو دیکھا گیا کہ عذاب کا اثر جسم پر نمایاں تھا اور بعض پر نعمت اور راحت کے آثار واضح تھے۔ مجھے بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب ہمارے اس شہر عنیزہ کی خارجی فصیل کی بنیاد کھودی جانے لگی تو آگے ایک قبر آ گئی۔ لحد کھولی گئی تو اس میں ایک میت ملی جس کا کفن مٹی کھا چکی تھی، جسم خشک تھا مگر اس کا کوئی حصہ نہیں کھایا گیا تھا حتیٰ کہ ڈاڑھی میں مہندی کا رنگ بھی علیٰ حالہ تھا اور عجیب خوشبو تھی جیسے کہ بہترین کستوری ہو۔ تو لوگوں نے وہ جگہ کھودنے میں تأمل کیا اور ایک شیخ صاحب کے پاس دوڑے گئے تو انہوں نے بھی کہا کہ یہ جگہ چھوڑ دو اور دائیں بائیں سے کھودلو۔

الغرض! اسی بنا پر کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ روح کو اپنے بدن کے ساتھ ایک ربط اور تعلق رہتا ہے اور عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اور اس بارے میں اس حدیث سے بھی دلیل لی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کافر بندے پر قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے کے اندر گھس جاتی ہیں۔''[1] تو یہ حدیث دلیل ہے کہ عذاب بدن کو ہوتا ہے، کیونکہ پسلیاں جسم اور بدن کا حصہ ہیں۔ واللہ اعلم[2]

(محمد بن صالح عثیمین)

گناہ گار مومنوں کو عذاب قبر

سوال: کیا عذابِ قبر صرف کافروں کو ہوتا ہے یا گناہ گار مومنوں کو بھی......؟

جواب: قبر کا عذاب جو ہمیشہ جاری اور مستمر رہتا ہے وہ منافقوں اور کافروں ہی کے لیے ہے۔ البتہ گناہ گار

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۱۲٦۔ صحیح ابن خزیمہ: ۷/ ۳۸۰۔

[2] اس موضوع پر جناب مولانا عبدالرحمٰن کیلانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''روح، عذاب قبر اور سماع موتی'' بہترین تالیف ہے (سعیدی)

مومن کو بھی کسی حد تک ہوتا ہے جیسے کہ صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات کے باعث نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔'' [1] اور معروف یہی ہے کہ یہ دونوں قبر والے مسلمان تھے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

عذاب قبر تا قیام قیامت

سوال: کیا عذاب قبر ہمیشہ کے لیے ہوتا رہتا ہے یا منقطع ہو جاتا ہے؟

جواب: اگر انسان کافر ہو، (اللہ اس کیفیت سے محفوظ رکھے) اس کے لیے کسی طرح ممکن نہیں کہ کبھی آرام و راحت پا سکے۔ اس کے لیے عذاب ہمیشہ اور مستمر ہے۔

لیکن اگر بندہ صاحب ایمان ہو اور گناہ گار ہو تو اسے اس قدر عذاب ہوتا ہے جتنے اس کے گناہ ہوں اور کبھی اس عرصۂ برزخ میں، (جو موت اور قیامت کے درمیان کا وقت ہے) کم بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح یہ منقطع بھی ہو جائے گا۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح عثیمین)

عذاب قبر میں تخفیف

سوال: کیا گناہ گار مومنوں کے لیے عذاب قبر میں تخفیف بھی ہو جاتی ہے؟

جواب: ہاں، بعض اوقات اس میں تخفیف بھی ہو جاتی ہے، جیسے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''انہیں عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بہت بڑی بات پر عذاب نہیں ہو رہا اور یہ بڑی بھی ہے کہ ایک ان میں سے استنجا نہ کیا کرتا تھا- یا فرمایا- پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔'' پھر آپ نے کھجور کی ایک تر و تازہ ٹہنی لی، اسے دو حصوں میں چیرا اور ہر قبر پر ایک ایک کو گاڑ دیا، اور فرمایا:

''شاید کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔'' [2]

یہ حدیث دلیل ہے کہ بعض اوقات عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله، حدیث: ۲۱٦۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الدلیل علی نجاسة البول......، حدیث: ۲۹۲ .

[2] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لایستترمن بوله، حدیث: ۲۱٦۔ صحیح مسلم کتاب الطهارة، باب الدلیل علی نجاسة البول، حدیث: ۲۹۲ .

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تخفیف عذاب کے لیے یہ چھڑیاں گاڑنے کی کیا حکمت تھی؟

۱: کہا جاتا ہے کہ یہ چھڑیاں جب تک خشک نہ ہوئیں تسبیح کرتی رہیں اور ان کا تسبیح کرنا میت کے لیے تخفیف کا باعث بنا۔ چنانچہ اسی سبب سے کچھ لوگوں نے یہ بات نکالی ہے کہ وہ اپنے اموات کی قبروں پر تروتازہ چھڑیاں گاڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات حقیقت سے بہت بعید ہے بلکہ چاہیے کہ قبروں پر جا کر ان کے لیے استغفار کیا جائے تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو۔

۲: کچھ علماء نے کہا ہے کہ یہ سبب از حد کمزور ہے۔ کیونکہ یہ چھڑیاں تازہ ہوں یا خشک اللہ کی تسبیح سے رکتی ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (الاسراء: ۱۷/ ٤٤)

''یہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں اور جو بھی کوئی چیز ہے تو وہ اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کر رہی ہے لیکن تم ان کے عمل تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ہو۔''

اور نبی ﷺ کے ہاتھوں میں کنکریوں کی تسبیح بھی سنی گئی ہے حالانکہ کنکریاں خشک ہوتی ہیں۔ تو سوال باقی رہا کہ چھڑیوں کی تخفیف عذاب کے ساتھ کیا مناسبت تھی؟

اس میں علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ عزوجل سے یہ امید کی (اور دعا فرمائی) کہ جب تک یہ چھڑیاں تروتازہ رہیں ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے، اور مقصد یہ تھا کہ یہ مدت کوئی زیادہ لمبی نہیں ہے۔ اور اس عمل میں امت کو تحذیر اور ڈرانا ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا یا پردہ نہ کرنا اور چغل خوری جیسے غلط کاموں سے بچتے رہیں کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہیں، جیسے کہ ایک روایت میں آیا بھی ہے کہ "بَلٰى وَاِنَّهٗ كَبِيْرٌ" [1] ''ہاں، یہ بڑے ہیں۔'' ایک ان میں سے پیشاب کے بعد استنجا نہ کرتا تھا، جب استنجا نہ کیا تو بلا طہارت نماز پڑھی، اور دوسرا چغل خوری کے ذریعے سے اللہ کے بندوں میں شر و فساد پھیلاتا اور ان میں پھوٹ ڈال دیتا تھا۔ اس طرح یہ بہت بڑا اور برا عمل ہوا۔ اور یہی توجیہ ان شاء اللہ حق کے زیادہ قریب ہے کہ یہ شفاعت ایک وقت تک کے لیے تھی تاکہ امت کے افراد متنبہ رہیں۔ اس میں آپ ﷺ کی طرف سے دائمی شفاعت سے بخل والی کوئی بات نہیں ہے۔ [2]

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الوضوء باب من الكبائر ان لا يستتر من بوله، حديث : ٢١٣۔ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول، حديث : ٢٩٢۔

[2] مترجم عرض کرتا ہے کہ اس تفصیل سے ہمارے پاک و ہند میں مروج بدعت کی قلعی بھی کھل گئی کہ کچھ لوگ دس محرم کو بالخصوص اپنے اموات کی قبروں پر جا کر سرسبز ٹہنیاں رکھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں مذکور عمل رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کو ان کی حالت کا مشاہدہ کرایا گیا، اور سبب بھی بتایا گیا تو آپ نے یہ موقت شفاعت فرمائی۔ پھر آپ کے بعد صحابہ میں سے کسی نے کبھی یہ عمل نہیں کیا، نہ معلوم ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ ان کے اموات کو عذاب ہو رہا ہے اور ان سبز شاخوں سے تخفیف بھی ہوتی ہے؟

یوم الحساب کا دورانیہ

سوال: کیا حساب کا ایک ہی دن ہے؟

جواب: حساب کا دن ایک ہی ہے مگر اس کی لمبائی پچاس ہزار سال کے برابر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿سَاَلَ سَآئِلٌ م بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ○ لِّلْكٰفِرِينَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ○ مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ○ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ○﴾

(المعارج : ٧٠/ ١-٤)

''ایک طلب کرنے والے نے اس عذاب کی خواہش کی جو ہونے والا ہے کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں، اس اللہ کی طرف سے جو بلندیوں والا ہے، جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں، اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔''

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو بھی کوئی سونے والا ہو یا چاندی والا، وہ اگر اس کا حق ادا نہ کرتا رہا تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لیے اس کے سونے چاندی کو آگ کی تختیاں بنا دیا جائے گا، انہیں جہنم کی آگ سے دہکایا جائے گا اور پھر ان سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا...... اور یہ ہوتا رہے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے حتیٰ کہ بندوں میں فیصلہ ہو۔''[1]

اور یہ دن کافروں کے لیے انتہائی مشکل اور سخت ہوگا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ (الفرقان : ٢٥/ ٢٦)

''یہ دن کافروں کے لیے انتہائی مشکل ہوگا۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ○ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ○﴾ (المدثر : ٧٤/ ٩-١٠)

''یہ دن بڑا ہی سخت ہے۔ کافروں کے لیے کسی طرح بھی آسان نہیں ہے۔''

ان آیات کا لازمی مفہوم یہ ہوا کہ یہ دن اہل ایمان کے لیے انتہائی آسانی والا ہوگا باوجودیکہ اس انتہائی لمبے دن کے معاملات بے انتہا دہشت ناک اور ہولناک ہوں گے لیکن اہل ایمان کے لیے اس میں آسانی ہوگی اور اہل کفر کے لیے انتہائی ہولناکی۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، حدیث : ٩٨٧ وسنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی حقوق المال، حدیث : ١٦٥٨ .

اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے مسلمان بھائیوں کے لیے اس دن کو آسان بنادے، آمین!

ضروری ملاحظہ:......خیال رہے کہ اس قسم کے غیبی امور میں بہت زیادہ گہرائی تک جانا صحیح نہیں ہے۔اس انداز کو ''تنطع'' کہا گیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''ہلاک ہوئے تنطع کرنے والے، ہلاک ہوئے تنطع کرنے والے، ہلاک ہوئے تنطع کرنے والے (یعنی بال کی کھال اتارنے والے، مسائل میں بہت زیادہ گہرائی میں جانے والے)۔''[1]

مسلمان کا یہی فریضہ ہے کہ اس قسم کے غیبی امور میں ظاہری معانی اختیار کرے اور تسلیم و رضا کا اظہار کرے۔ بہت زیادہ گہرائی میں جانا اور عالم آخرت کے امور کو اس دنیا کے معاملات پر قیاس کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے کیونکہ آخرت کے امور دنیا کے جیسے نہیں ہیں۔صرف لفظی تشبیہ ہے اور حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے۔مثلاً: جنت میں کھجوریں ہیں، انار ہیں اور طرح طرح کے پھل ہیں، پرندوں کے گوشت، شہد، پانی، دودھ اور شراب وغیرہ بہت کچھ ہے مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

(السجدة : ٣٢/ ١٧)

''کسی جان کو خبر نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپایا گیا ہے، بدلہ ہے اس کا جو وہ کرتے رہے۔''

اور ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں بلکہ کسی دل میں ان کی خوبی کا تصور تک نہیں آیا۔[2] غرض یہ کہ ان چیزوں کے نام محض دنیا والے مگر حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے۔ایک مسلمان کے لیے یہی قاعدہ ہے کہ غیبی امور میں ظاہری معنیٰ کو تسلیم کرے اور اس سے آگے بڑھ کر زیادہ گہرائی میں نہ جائے۔یہی وجہ ہے کہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طه : ٢٠/ ٥) کی تفسیر پوچھی گئی کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہوا؟ تو امام رحمہ اللہ کا سر جھک گیا، جسم پر پسینہ آ گیا بلکہ بہنے لگا اور یہ کیفیت اس سوال کی عظمت کی وجہ سے تھی۔ پھر انہوں نے سر اٹھایا اور اپنی وہ مشہور بات کہی جو اس قسم کی الٰہی صفات کے بارے میں کسوٹی کا درجہ رکھتی ہے۔انہوں نے فرمایا: ''لفظ استواء کے لفظی معنیٰ معلوم ومعروف ہیں، اس کی کیفیت ہماری

---

[1] صحيح مسلم، كتاب العلم، باب هلك المتنطعون، حديث : ٢٦٧٠۔ سنن ابی داؤد، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، حديث : ٤٦٠٨ .

[2] صحيح بخارى، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة وانّها مخلوقة، حديث : ٣٠٧٢ صحيح مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها واهلها، حديث : ٢٨٢٤ .

عقل وسمجھ سے بالا ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔''

الغرض! اس قسم کے مسائل میں بہت زیادہ گہرائی میں جانا بدعت ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حصولِ علم اور طلبِ خیر میں ہم سے بہت بڑھ کر تھے، انہوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس قسم کے سوال نہیں کیے اور یہ لوگ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل میں یوم آخرت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہی قاعدہ اور اصول اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ہے جو اس نے اپنے بارے میں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً: علم، قدرت، سمع، بصر اور کلام وغیرہ۔ ان صفات کا اللہ کے لیے استعمال ویسے ہی ہے جیسے کہ اس کی ذات والاشان کو لائق ہے انسان یا مخلوق کی صفات کے ساتھ ان کی قطعاً کوئی مشابہت نہیں ہے صرف الفاظ کی حد تک مشابہت ہے۔ صفات ہمیشہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہیں تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی مثیل نہیں ہے اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی اس کا مثیل نہیں ہے۔

خلاصۃ الجواب یہ ہے کہ آخرت کا دن ایک ہی ہے جو کافروں کے لیے انتہائی مشکل اور بھاری ہے مگر اہل ایمان کے لیے از حد آسان اور ہلکا ہے اور اس میں بیان کیے گئے ثواب وعقاب کی حقیقت کو اس دنیا میں نہیں جانا جاسکتا اگر چہ ان الفاظ کے معانی ہمیں اس دنیا میں معلوم ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

اعمال کا ترازو ایک ہے

سوال: کیا ترازو (میزان اعمال) ایک ہے یا متعدد؟

جواب: اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ کچھ نے کہا: میزان کئی ہیں اور کچھ نے کہا صرف ایک ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کے لیے کہیں جمع کا صیغہ آیا ہے اور کہیں مفرد کا۔ مثلاً: اللہ عزوجل کے فرامین میں جمع کا صیغہ اس طرح ہے:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ﴾ (الانبياء: ٢١/ ٤٧)

''اور ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے۔''

اور سورۃ القارعہ میں فرمایا:

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾

''جس کے تول بھاری ہوگئے۔''

اور مفرد صیغہ کے ساتھ معروف حدیث میں آیا ہے:

((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ .))❶

''دو کلمات ہیں جو رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، زبان پر بڑے ہلکے ہیں مگر ترازو میں بہت بھاری ہوں گے۔''

کچھ علماء نے یوں بھی کہا ہے کہ میزان (ترازو) تو ایک ہے، مگر اس میں تولے جانے والے اعمال وغیرہ بہت زیادہ ہوں گے تو ان کی نسبت سے اسے جمع کہا گیا ہے۔ یا امتوں کے اعتبار سے اسے جمع کے صیغہ میں لایا گیا ہے کہ پہلے امت محمدیہ کے اعمال تولے جائیں گے، پھر امت موسیٰ اور امت عیسیٰ کے۔

اور جن حضرات نے کہا کہ ترازو متعدد ہیں کیونکہ لفظ جمع کا آیا ہے تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر امت کے لیے علیحدہ ترازو قائم فرمائے، یا فرائض کے لیے ایک ترازو ہو اور نوافل کے لیے اور ...... اور جو بات مجھے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میزان تو ایک ہے مگر موزونات (وزن کیے جانے والے اعمال وغیرہ) کے اعتبار سے اسے جمع کے صیغہ میں بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم　(محمد بن صالح عثیمین)

اعمال کو کیسے تولا جائے گا

سوال: اعمال کا وزن کیونکر ہوگا حالانکہ یہ عمل کرنے والوں کے اوصاف اور معنوی چیزیں ہیں؟

جواب: اس قسم کے غیبی امور کے بارے میں ہم یہ بات بطور اصول و قانون بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے ذمے تسلیم و رضا ہے۔ ہمیں ''کیوں اور کیسے'' میں نہیں پڑنا چاہیے۔ تاہم علمائے امت نے اس سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اعمال کو ایک جسمانی صورت دی جائے گی اور پھر انہیں ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا، اس طرح ان کے ہلکے یا بھاری ہونے کا اندازہ ہوگا اور اس کی ایک مثال صحیح احادیث میں یوں آئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''قیامت کے روز موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اہل جنت کو ندا دی جائے گی تو وہ متوجہ ہوں گے اور نظریں اٹھا کے دیکھیں گے اور دوزخیوں کو آواز دی جائے گی تو وہ بھی متوجہ ہوں گے اور نظریں اٹھا کے دیکھیں گے کہ کیا ہوا؟ تو موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور ان سب سے پوچھا جائے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ سب کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے، چنانچہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا: ''اے اہل جنت! ہمیشگی ہے موت نہیں، اور اے اہل نار! ہمیشگی ہے موت نہیں۔''❷ اور ہم سب جانتے ہیں کہ موت ایک معنوی چیز ہے تو اللہ تعالیٰ ایک جسمانی شکل دے دے گا۔ اور

---

❶ صحيح بخاری، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ونضع الموازين القسط ليوم القيمة، حديث: ٧٥٦٣۔ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء...... ، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، حديث: ٢٦٩٤ .

❷ صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة مريم، (كهيعص) حديث ٤٧٣٠۔ صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب النار يدخلها الجبارون، حديث٢٨٤٩ .

ایسے ہی اعمال کے لیے ہوگا اور وہ وزن کیے جائیں گے۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح عثیمین)

شفاعت کی اقسام اور شرائط

سوال: شفاعت سے کیا مراد ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: لفظ شفاعت عربی زبان میں شَفَع سے ماخوذ ہے (یعنی کسی چیز کو جفت اور جوڑا بنانا) اور اس کے مقابلے میں وِتر آتا ہے (بمعنی طاق اور اکیلا بنانا)، کسی وتر کو شفع بنانا (یعنی طاق کو جفت کر دینا) یوں ہے مثلاً: ایک کو دو، یا تین کو چار کر دینا۔ یہ اس کی اصل لغوی بنا ہے۔

اور اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی نفع اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے یا کوئی دکھ تکلیف دور کرنے کے لیے کسی کا واسطہ حاصل کرنا [جسے اردو میں سفارش کہتے ہیں] یعنی شفاعت کرنے والا (سفارشی) ضرورت مند اور صاحب اختیار کے درمیان واسطہ ہوتا ہے تاکہ ضرورت مند کو کوئی فائدہ مل جائے یا اس کی کوئی تکلیف دور ہو جائے [اور وہ ایک سے دو بن جاتے ہیں]

شفاعت کی دو انواع ہیں:

ایک جو کتاب و سنت سے صحیح طور پر ثابت ہے، اور صرف اہل توحید اور اہل اخلاص کے لیے خاص ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون خوش نصیب ہوں گے جو آپ کی سفارش سے بہرہ ور ہوں گے؟ فرمایا: ''جس نے اپنے خالص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہوگا۔''[1]

اس شفاعت کی تین شرطیں ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے سے راضی ہو۔

۲- اللہ تعالیٰ سفارش کیے جانے والے سے راضی ہو۔

۳- اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے کو اجازت دے کہ وہ سفارش کر سکے۔

ان شرطوں کا بالاجمال بیان اس آیت کریمہ میں موجود ہے:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ (النجم: ۵۳/ ۲۶)

''اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دے سکتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے۔''

اور تفصیلی طور پر درج ذیل آیتوں میں بیان ہوئی ہیں:

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، حدیث۹۹۔ مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۷۳

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۵۵)

''کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کر سکے، مگر اس کی اجازت سے۔''

﴿یَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾

(طه: ۲۰/ ۱۰۹)

''اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جس کے لیے رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند بھی فرمائے۔'' اور

﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی﴾ (الانبیاء: ۲۱/ ۲۸)

''اور وہ فرشتے کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔''

الغرض! ان شرطوں کے بغیر شفاعت یا سفارش نہیں ہو سکے گی۔

اس کے علاوہ علمائے اسلام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس سفارش کی دو قسمیں ہیں:

اوّل:...... عام سفارش یعنی اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں میں سے جسے بھی چاہے گا اجازت دے گا کہ مخصوص بندوں کے لیے جن کے لیے وہ اجازت دے گا سفارش کریں اور یہ سفارش نبی کریم ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کریں گے اور یہ ان گناہ گار اہل ایمان کے لیے ہوگی جو جہنم میں پڑے ہوں گے۔

دوم:...... خاص سفارش اور یہ نبی ﷺ کے لیے خاص ہے اور بہت بڑی سفارش وہ ہوگی جب محشر والے دن لوگ ناقابل برداشت گھبراہٹ اور پریشانی میں ہوں گے اور چاہیں گے کہ انہیں اس ابتلاء سے چھٹکارا ملے تو وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی سفارشی تلاش کریں گے۔ چنانچہ وہ پہلے آدم پھر نوح، پھر ابراہیم، پھر موسیٰ اور پھر عیسیٰ علیہم السلام کے پاس باری باری جائیں گے اور یہ سبھی اس سے معذرت کریں گے حتیٰ کہ بات نبی ﷺ تک آ جائے گی تو آپ تشریف لائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ اس مخلوق کو اس مقام سے چھٹکارا دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا اور سفارش قبول فرمالے گا۔[1] اور یہی وہ ''مقام محمود'' ہے جس کا اللہ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہوا ہے:

﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

(الاسراء: ۱۷/ ۷۹)

''اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کیا کریں، یہ آپ کے لیے نفل ہے، عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورة بنی اسرائیل، حدیث ٤٧١٨.

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاص سفارشوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اہل جنت کے لیے جنت میں داخل کیے جانے کی سفارش فرمائیں گے، جبکہ یہ لوگ پل صراط عبور کر چکے ہوں گے، تو ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا، یہاں ان کے دلوں کو خوب صاف کیا جائے گا (کہ کسی مسلمان کے دل میں کسی دوسرے مسلمان کے متعلق کوئی غصہ ناراضی تک باقی نہ رہے گا) تو جب وہ اچھی طرح صاف ستھرے ہو جائیں گے، تب انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے اس کے دروازے کھلیں گے۔

شفاعت حقہ جس کا اوپر بیان ہو چکا اس کے مقابلے میں ایک شفاعت باطلہ بھی ہے جس کے مشرکین مدعی ہیں کہ ان کے خدا ان کے لیے سفارش کریں گے۔ اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ﴾ (المدثر: ٧٤/ ٤٨)

''انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی فائدہ نہ دے گی۔''

بلکہ ان کے لیے کوئی سفارش ہو گی ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے شرک سے کسی طرح راضی نہیں ہے اور نہ اسے ان کے کفر کا کوئی عمل پسند ہے۔ تو مشرکین کا اپنے معبودوں سے چمٹنا اور ان سے یہ توقع رکھنا کہ

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ (یونس: ١٠/ ١٨)

''کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

محض عبث اور باطل ہے اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ اس عمل سے وہ اللہ تعالیٰ سے اور دور ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی حماقت ہے کہ ایک باطل ذریعے سے اور طریقے سے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ سوائے بعد اور دوری کے اور کچھ نہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

اہل ایمان اللہ کا دیدار کریں گے

سوال: کیا آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیکھا جانا ثابت ہے، اور اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: آخرت میں اللہ عزوجل کا دیکھا جانا اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک حق اور ثابت ہے، اور اس کا انکار کفر ہے۔ اہل ایمان اپنے اللہ کو قیامت کے دن اور جنت میں بھی دیکھیں گے، جس طرح اللہ چاہے گا اور اس پر اہل السنہ کا اجماع ہے۔ سورۂ قیامہ میں فرمایا گیا:

﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ (القیامه: ٧٥/ ٢٢-٢٣)

''اور بہت سے چہرے اس دن تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ (یونس: ١٠/ ٢٦)

''جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے لیے خوبی ہے اور مزید بھی۔''

یہاں ''زیادۃ'' سے مراد نبی ﷺ سے مروی تفسیر کے مطابق ''اللہ عزوجل کے چہرۂ انور کو دیکھنا ہے۔''[1] اور احادیث میں بوضاحت آیا ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن اور جنت میں بھی اپنے رب کو دیکھیں گے۔[2] مگر دنیا میں اسے دیکھا جانا ناممکن ہے، جیسے کہ فرمایا:

﴿لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَ هُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ﴾ (الانعام: ٦/ ١٠٣)

''نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پالیتا ہے آنکھوں کو۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سوال رؤیت پر انہیں جواب دیا گیا تھا کہ ﴿لَنۡ تَرٰىنِيۡ﴾ (الاعراف: ٧/ ١٤٣) ''تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔'' اور نبی ﷺ کے ایک فرمان میں یوں بھی ہے: ((وَاعۡلَمُوۡا أَنَّهُ لَنۡ يَّرٰى أَحَدٌ رَبَّهُ حَتّٰى يَمُوۡتَ .))[3] ''یقین رکھو کہ کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔'' کیونکہ اللہ عزوجل کو ان آنکھوں سے دیکھنا اہل جنت کے لیے سب سے بڑھ کر انعام اور نعمت ہوگی، اور یہ دنیا نعمتوں کا گھر نہیں ہے، یہ تو پریشانیوں اور دکھوں کا گھر ہے۔ الغرض! اللہ عزوجل کو اس دنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا، بلکہ آخرت میں دیکھا جائے گا اور صرف اہل ایمان ہی اس نعمت و انعام سے سرفراز ہوں گے اور کفار اس سے حجاب میں ہوں گے۔ جیسے کہ فرمایا:

﴿كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ﴾ (المطففين: ٨٣/ ١٥)

''خبردار! یہ لوگ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔'' (یعنی دیدار الٰہی سے محروم رکھے جائیں گے) (عبدالعزیز بن باز)

جنتی عورت کا جنت میں خاوند......؟

سوال: مردوں کے لیے جنت میں حوروں کا ذکر آیا ہے، تو عورتوں کے لیے کیا ہوگا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے:

---

[1] سنن ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب رؤية الرب تبارك وتعالىٰ، حدیث٢٥٥٢۔ صحیح ابن حبان: ١٦/ ٤٧١، مسند احمد بن حنبل: ٤/ ٣٣٢.

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الصراط جسرجهنم، حدیث ٦٢٠٤ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرؤية، حدیث نمبر١٨٨ .

[3] سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب علامة الدجال، حدیث ٢٢٣٥ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٤٣٣ (واعلموا کے بجائے تعلمون ہے)

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ○﴾
(حٰمٓ السجدة : ٤١/ ٣١-٣٢)

''اورتمہارے لیے اس جنت میں وہ کچھ ہے جوتمہارا جی چاہے گا اور وہ کچھ ہوگا جوتم مانگو گے، مہمانی ہوگی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔''

اور فرمایا:

﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنتُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ○﴾
(الزخرف : ٤٣/ ٧١)

''اوراس میں وہ کچھ ہے جو جی چاہیں گے اور آنکھوں کولذت ملے اورتم ان میں ہمیشہ رہو گے۔''

اور معلوم ومعروف ہے کہ زواج (نکاح اور شادی) انسان کی سب سے بڑی طبعی خواہش ہوتی ہے اور یہ جنت میں اہل جنت کو حاصل ہوگی وہ مرد ہوئے یا عورتیں۔ عورت کو جنت میں وہی شوہر ملے گا جو اس کا اس دنیا میں تھا۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِي وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (المؤمن : ٤٠/ ٨)

''فرشتے دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اور داخل کر ان کو ہمیشہ کے باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں، بیشک تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔'' (محمد بن صالح عثیمین)

دو شوہر والی عورت جنت میں کس شوہر کی ہوگی؟

سوال: اگر کسی عورت کے دنیا میں دو شوہر ہوئے تو یہ کس کو ملے گی؟ اور کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے بیویوں کا ذکر کیا ہے مگر عورتوں کے لیے شوہروں کا ذکر نہیں کیا؟

جواب: اگر کسی عورت کے دنیا میں دو شوہر ہوئے تو اسے قیامت کے دن ان میں اختیار دیا جائے گا کہ جسے چاہے اختیار کر لے۔ مستقبل کے غیبی امور کا علم اور اصل فیصلہ اللہ عزوجل کے پاس ہے، تاہم اس بارے میں دو روایات آئی ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی عورت اپنے آخری شوہر کو ملے گی ((امرأة الاخرا زوجها .)) [1] اور یہ حدیث علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق صحیح ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ((انها تخير فتختار احسنهم خلقا .)) [2] کہ اسے اختیار دیا جائے گا تو وہ ان پر سے زیادہ بااخلاق کو چن لے گی۔ اور اگر اس

[1] السلسلة الصحيحة حديث : ١٣٨١ . [2] مجمع الزوائد ٧/ ١١٩--١٠/ ٤١٨ مگر یہ ضعیف ہے۔ (سعیدی)

کی دنیا میں شادی نہ ہوئی ہوئی تو اس کی شادی اس آدمی سے کردی جائے گی جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ جنت کی نعمتیں صرف مردوں ہی کے لیے نہیں ہیں بلکہ مردوں عورتوں سب کے لیے ہیں اور ان نعمتوں میں سے ایک زواج بھی ہے۔

اور سائل کا یہ پوچھنا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے بیویوں اور حوروں کا ذکر فرمایا ہے مگر عورتوں کے لیے مردوں کا ذکر نہیں کیا تو اس میں ہم یہ کہتے ہیں کہ مرد چونکہ عورت کا طلب گار اور خواہش مند ہوتا ہے، اس لیے ان کا ذکر کیا گیا ہے اور عورتوں کے تذکرہ سے خاموشی کی گئی ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کے لیے شوہر نہیں ہوں گے، نہیں بلکہ ان کے لیے بھی بنی نوع انسان سے شوہر ہوں گے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

غیر شادی شدہ فوت ہونے والی عورت کا جنت میں خاوند؟

سوال: اگر کوئی عورت جنتی ہوئی اور دنیا میں اس کی شادی نہ ہوچکی ہوئی یا ہوئی ہو مگر شوہر جنت میں نہ گیا ہوا تو یہ عورت کس کے لیے ہوگی؟

جواب: اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کے اس عمومی فرمان میں موجود ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ٥ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾

(حٰمٓ السجدة : ٤١/ ٣١-٣٢)

''اور تمہارے لیے اس جنت میں وہ کچھ ہوگا جو تمہارے جی چاہیں گے اور وہ کچھ ہوگا جو تم مانگو گے، مہمانی ہوگی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔''

اور

﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ٥﴾

(الزخرف : ٤٣/ ٧١)

''اور جنت میں وہ کچھ ہوگا جو جی چاہیں گے اور آنکھوں کو بھلا لگے اور تم اس میں ہمیشہ ہمیش رہو گے۔''

اگر عورت اہل جنت میں سے ہوئی اور اس کی شادی نہ ہوچکی ہوئی یا شوہر اہل جنت میں سے نہ ہوا، تو وہاں ایسے مرد بھی ہوں گے جن کی شادی نہیں ہوئی ہوگی، انہیں جنتی حوریں ملیں گی اور اگر وہ چاہیں گے تو دنیا کی عورتیں بھی انھیں مل جائیں گی تو ایسی عورتوں کے بارے میں بھی ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی چاہت کے مطابق ان کی شادی کردی جائے گی جیسے کہ مندرجہ بالا آیات میں عمومی معنیٰ سے واضح ہے۔ اور اس مسئلہ کی کوئی واضح خاص دلیل مجھے فی الحال مستحضر نہیں ہے۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح عثیمین)

جہنم میں عورت کی اکثریت

سوال: کیا یہ بات صحیح ہے کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی اور کیوں؟

جواب: ہاں، یہ صحیح ہے۔ نبی ﷺ نے عورتوں کے ایک اجتماع میں یہ بات فرمائی تھی کہ ''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، بلاشبہ تم مجھے دکھائی گئی ہو کہ جہنم میں اکثریت تم عورتوں ہی کی ہے۔'' پھر اس کی وجہ آپ ﷺ سے پوچھی گئی کہ یہ کیوں ہے اے اللہ کے رسول؟ تو آپ نے فرمایا: ''تم لعنت بہت زیادہ کرتی اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔'' [1] یعنی آپ نے ان کے جہنم میں کثرت سے ہونے کے اسباب شمار فرمائے تو بتایا کہ یہ گالی گلوچ اور لعنت ملامت بہت زیادہ کرتی ہیں اور شوہر جو ان کا رفیق زندگی ہوتا ہے اس کی ناشکری اور ناقدری بہت زیادہ کرتی ہیں، اسی وجہ سے یہ جہنم میں بہت زیادہ ہوں گی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

علامات قیامت کی ترتیب

سوال: کیا قیامت کی علامات ترتیب سے ظاہر ہوں گے، اور کیا حیوانات کو ان علامات کا شعور ہوتا ہے؟

جواب: قیامت کبریٰ کی علامات میں سے کچھ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ترتیب سے ہوں گی اور کچھ ایسی ہیں کہ ان کی ترتیب کا ہمیں علم نہیں ہے۔ مثلاً: سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، خروج یاجوج و ماجوج اور دجال۔ ان میں ترتیب یوں ہے کہ پہلے دجال ظاہر ہوگا، پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اسے قتل کریں گے، پھر ان کے بعد یاجوج و ماجوج نکلیں گے۔ امام سفارینی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ''العقیدہ'' میں انھیں ایک ترتیب سے تحریر فرمایا ہے مگر بعض امور ایسے ہیں کہ ان کی ترتیب پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔ اور ویسے ترتیب کے متعلق زیادہ فکر بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں قیامت اور اس کی علامات کی فکر ہونی چاہیے کہ ان کے ظہور پر قیامت بہت قریب ہوگی اور اللہ نے قیامت کی علامات مقرر کر رکھی ہیں کیونکہ یہ ایک بہت بڑا حادثہ ہوگا تو اس کے وقوع سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ان علامات کی ضرورت بھی ہے۔

حیوانات کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آیا انہیں ان کا شعور ہے یا نہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ قیامت کے دن یہ حیوانات بھی زندہ کیے جائیں گے۔ انہیں میدان محشر میں لایا جائے گا اور ان کا آپس میں ظلم و زیادتی کی صورت میں قصاص ہوگا جیسے کہ احادیث میں آیا ہے کہ ''سینگوں والی بکری سے، بے سینگوں والی کا قصاص لیا جائے گا۔'' [2] (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترك الحائض الصوم، حدیث ٣٠٤۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث٧٩ مسند احمد بن حنبل : ١/ ٣٧٦ .

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصّلة، باب تحریم الظلم، حدیث٢٥٨٢ .

دجال کب ظاہر ہوگا

سوال: دجال کون ہے، اور انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو اس سے کیوں ڈرایا ہے جبکہ یہ آخر زمانے میں ظاہر ہوگا؟

جواب: اس سطح زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت تک جو سب سے بڑا فتنہ ہونے والا ہے وہ دجال کا فتنہ ہوگا۔ جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوح علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو اس دجال کے فتنے سے نہ ڈرایا ہو۔ ❶ اگرچہ یہ اللہ کے علم کے مطابق آخر زمانے میں ظاہر ہوگا لیکن رسولوں کا یہ فریضہ رہا ہے کہ اپنی امتوں کو ان فتنوں سے آگاہ کرتے رہیں اور ان سے ڈراتے رہیں تاکہ ان کی ہولناکی کا اظہار ہوتا رہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "اگر وہ میرے ہوتے ہوئے آ گیا تو میں تمہاری طرف سے اس کا دفاع کروں گا، ورنہ ہر بندہ اپنا دفاع کرنے کا ذمہ دار ہے اور اللہ عزوجل میرے بعد ہر مسلمان کے لیے میرا خلیفہ ہے۔" ❷ اور الحمدللہ کیا خوب خلیفہ ہے ہمارے لیے ہمارا رب جل جلالہ۔ چونکہ دجال کا فتنہ اس کرۂ زمین پر آدم سے لے کر قیامت تک کے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے اس لیے اس لائق تھا کہ نمازوں میں اس سے اللہ کی پناہ مانگی جائے، چنانچہ ہمیں یہ دعا تعلیم کی گئی ہے ((اعوذ باللہ من عذاب جهنم ومن عذاب القبر ومن فتنة المحيا والممات و من فتنة المسيح الدجال.)) ❸ "میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے۔"

اور لفظ "دجال" دجل سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں فریب۔ چونکہ یہ بہت بڑا فریبی ہوگا اور لوگوں کو بہت بڑے فریب میں مبتلا کرے گا تو اسے دجال کہا گیا ہے۔

سوال: دجال کب ظاہر ہوگا؟

جواب: دجال کا نکلنا قیامت کی علامات میں سے ہے مگر اس کے ظہور کا کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ جیسے کہ قیامت کا آنا اللہ کے علم میں ہے، کوئی نہیں جانتا کہ یہ کب آئے گی تو اسی طرح اس کی علامات ہیں۔ ہمیں تبھی پتا چلتا ہے جب یہ آجاتی ہیں۔ اسی طرح دجال کی آمد کا بھی ہمیں کوئی علم نہیں کہ یہ کب آئے گا، البتہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ قرب قیامت کی یہ بہت بڑی علامت ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الجهاد والسير، باب كيف يعرض الاسلام على الصبى، حديث ٣٠٥٧.

❷ صحيح مسلم، كتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذكر الدجال و صفته وما معه، حديث ٢٩٣٧ سنن ابوداؤد، كتاب الملاحم، باب ذكر خروج الدجال، حديث ٤٣٢١

❸ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب ما يستعاذ منه فى صلاة، حديث ٥٩٠ صحيح ابن حبان: ٣/ ٢٨٠

دجال مشرق سے ظاہر ہو گا

سوال: دجال کہاں ظاہر ہو گا؟

جواب: دجال کا ظہور مشرق کی جانب سے ہو گا جیسے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرور وفتن کی جگہ فرمایا ہے ((اَلْفِتْنَة هَاهُنَا .)) ❶ "فتنہ اِدھر ہے۔" اور آپ نے مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔ یہ مشرق میں خراسان سے نکلے گا اور پھر اصفہان سے شام وعراق کے درمیان جزیرہ میں آئے گا اور اس کا ہدف مدینہ منورہ میں پہنچنا ہو گا کیونکہ یہ شہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام البشیر والنذیر کا شہر ہے۔ وہ چاہے گا کہ اس شہر کے رہنے والوں پر اپنا تسلط جمائے، لیکن اس کا اس میں داخلہ حرام ہے وہ اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس مدینہ کے ہر دروازے پر فرشتے ہوں گے، اس کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔" ❷ الغرض! یہ دجال شام وعراق کے درمیان سے ظہور کرے گا اور اصفہان کے ستر ہزار یہودی اس کی پیروی کریں گے، یہی اس کے لشکری ہوں گے۔ اور یہودی اللہ کی بدترین مخلوق ہیں اور یہ دجال سب سے بڑھ کر گمراہ ہو گا، تو یہودی ہی اس کا اتباع کریں گے، اس کو ٹھکانہ دیں گے اور اس کی مدد کریں گے بلکہ مسلح لشکری ہوں گے، اور لوگ بھی ہوں گے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا! ثابت قدم رہنا۔ ❸ (اللہ ہمیں ثابت قدم رکھے) کیونکہ معاملہ انتہائی حساس اور خطرناک ہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "جو دجال کا سنے تو وہ اس سے دور رہے، قسم اللہ کی، ایسے بھی ہو گا کہ آدمی اس کے پاس آئے گا اور وہ اپنے متعلق سمجھتا ہو گا کہ وہ صاحب ایمان ہے مگر اس (دجال) کے پھندے میں پھنس جائے گا، اس لیے کہ اس کے شبہات ہی کچھ اس قسم کے ہوں گے۔" ❹ آدمی سمجھتا ہو گا کہ یہ مجھے گمراہ نہیں کر سکتا اور میں اس سے متاثر نہیں ہوں گا، لیکن وہ اس پر اپنے شبہات اس انداز سے ڈالے گا کہ بالآخر اس کا متبع ہو جائے گا۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

دجال کے عجیب وغریب دعوے

سوال: دجال کی ابتدا کیسے ہو گی اور وہ کس چیز کی دعوت دے گا؟

جواب: بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جب ظاہر ہو گا تو ابتداء میں اسلام کی دعوت دے گا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر

---

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس و جنوده، حدیث ٣٢٧٩۔ صحیح ابن حبان:١٥/ ٢٤ .

❷ صحیح بخاری، ابواب فضائل المدینة، باب لا یدخل الدجال المدینة، حدیث ١٨٧٩، ١٨٨١۔ مسند احمد بن حنبل : ٥/ ٤٣ .

❸ مسند احمد بن حنبل : ٤/ ١٨١، المستدرك للحاكم:٤/ ٥٣٧، ٥٧٥ .

❹ المعجم الكبير للطبرانی:١٨/ ٢٢١، حديث ٥٥١ .

کرے گا اور اسلام کا دفاع کرے گا، پھر اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا، پھر اس کے بعد اپنے الٰہ ہونے کا دعویٰ کرے گا اور بالآخر فرعون کی مانند اپنے رب ہونے کا مدعی بن بیٹھے گا۔ ❶ (محمد بن صالح عثیمین)

دجال کا فتنہ

سوال: دجال کا فتنہ کس طرح کا ہوگا؟

جواب: یہ اللہ عزوجل کی حکمت ہے کہ دجال کو کچھ ایسی خصوصیات اور علامتیں دی جائیں گی کہ ان میں لوگوں کے لیے بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ وہ ایک قوم کے پاس آئے گا۔ وہ انہیں اپنی طرف بلائے گا تو وہ اس کے پیرو ہوجائیں گے، اس طرح ان کی زمینیں خوب سرسبز اور شاداب ہوجائیں گی، جانور خوب اونچے لمبے اور موٹے تازے ہوجائیں گے، ان کے تھن دودھ سے خوب بھرے ہوئے ہوں گے۔ الغرض! ان کی معیشت بہت بہترین ہوجائے گی کیونکہ وہ اس کے پیرو ہوئے ہوں گے۔ اور پھر دجال ایک دوسری قوم کے پاس آئے گا، انہیں اپنی دعوت دے گا تو وہ اسے جھٹک دیں گے اور اس کی پیروی نہیں کریں گے، چنانچہ وہ اس طرح ہوجائیں گے جیسے کسی دلدل میں رہ رہے ہوں اور ان کے پاس ان کے جانور بھی نہیں رہیں گے اور یہ بڑی سخت آزمائش ہوگی، خاص طور پر دیہاتیوں اور بدویوں کے لیے۔ وہ دجال کسی بے آباد اجاڑ جگہ سے گزرے گا اور اسے کہے گا کہ ''اپنے خزانے نکال دے، تو وہ اپنے خزانے نکال باہر کرے گی۔ ❷ یہ خزانے سونے چاندی کے ایسے نکلیں گے جیسے کہ شہد کی مکھیوں کے جھنڈ ہوں اور اس میں بظاہر کوئی آلات نہیں ہوں گے اور یہ سب اللہ کی طرف سے مخلوق کی آزمائش ہوگی اور دجال کا یہ داؤ ان اہل دنیا پر چلے گا جن کا مقصد صرف اور صرف دنیا اور اس کی زیب و زینت ہے۔ دجال کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ اس کے پاس بظاہر دیکھنے میں جنت اور دوزخ بھی ہوگی۔ لیکن حقیقت میں اس کی جنت دوزخ اور دوزخ جنت ہوگی۔ جو اس کی پیروی کرے گا وہ اسے لوگوں کے دیکھنے میں بظاہر اپنی جنت میں داخل کرے گا لیکن وہ حقیقت میں بھسم کر ڈالنے والی آگ ہوگی۔ اور جو اس کی نافرمانی کرے گا دجال اسے لوگوں کے دیکھنے میں بظاہر اپنی دوزخ میں ڈالے گا، لیکن حقیقت میں وہ جنت ہوگی اور اس میں ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا۔ ❸

---

❶ مرزا غلام احمد قادیانی کی تاریخ بھی یہی ہے کہ وہ پہلے اسلام کا داعی تھا، پھر مجدد اور پھر مسیح موعود اور نبی بن بیٹھا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (سعیدی)

❷ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذکر الدجال و صفته وما معه، حدیث ۲۹۳۷ سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب فتنة الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، حدیث ۴۰۷۵ مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۱۸۱.

❸ صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: حدیث ۳۲۶۶ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذکر الدجال وصفته وما معه حدیث ۲۹۳۴-۲۹۳۵ المستدرك للحاکم: ۴/ ۵۸۱، حدیث ۸۶۲۱.

الغرض! معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور ثابت قدمی کا ہے، اگر اللہ نے کسی کو محفوظ اور ثابت قدم نہ رکھا تو وہ پھسل جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ بندے کو اپنے دین پر صحیح طور پر قائم اور پختہ رکھے۔

دجال کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ ایک بھرپور نوجوان اس کی طرف آئے گا اور اس سے کہے گا کہ تو وہی دجال ہے جس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتا دیا ہوا ہے، دجال اسے اپنی دعوت پیش کرے گا مگر وہ جوان اس کا انکار کرے گا، تو وہ اس پر اپنا وار کرے گا اسے پہلے زخمی اور پھر قتل کر دے گا، حتیٰ کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے دور دور پھینک دے گا اور ان ٹکڑوں کے درمیان چلے گا تاکہ دکھائے کہ اس نے اس کو قتل کر دیا ہے۔ پھر وہ اس مقتول کو بلائے گا تو وہ اٹھ کھڑا ہو گا اور اس کا چہرہ لہلہا رہا ہو گا اور اس سے کہے گا کہ تو وہی دجال ہے جس کا ہمیں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہوا ہے۔ تو دجال اسے قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں کر سکے گا بلکہ اس کے قتل سے عاجز رہے گا۔ [1] اور پھر اس کے بعد وہ کسی اور پر اس طرح سے مسلط نہیں ہو سکے گا۔ اور یہ آدمی اللہ کے ہاں سب سے بڑھ کر شہید ہو گا کیونکہ یہ اس مقام اور موقع پر ایسی ثابت قدمی دکھائے گا جس کا ہم اب تصور تک نہیں کر سکتے ہیں وہ برسرعوام اس کو متنبہ کرے گا کہ تو وہی دجال ہے جس کا ہمیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتا دیا ہوا ہے۔ الغرض! یہ دجال ہے اور یہی اس کی دعوت ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

دجال کب تک رہے گا؟

سوال: دجال اس دنیا میں کتنا عرصہ رہے گا؟

جواب: اس کا اس دنیا میں رہنا صرف چالیس دن کے لیے ہو گا، مگر (اس مدت میں سے) ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر ہو گا اور بقیہ ایام ہمارے دنوں کی طرح ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی فرمایا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ دن جو سال کے برابر ہو گا کیا ہمیں اس میں ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تمہیں اس کے لیے اندازہ لگانا ہو گا۔ [2] اس میں ہمارے لیے بہت بڑا درس ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح ان امور کی بلا چون و چرا تصدیق کی۔ کسی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب لا یدخل الدجال المدینة، حدیث: ۷۱۳۲۔ والمستدرك للحاكم: ٤/ ٥٨١، حديث: ٨٦٢١.

[2] صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذکر الدجال و صفته وما معه، حدیث۲۹۳۷ مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۳٦۷، حدیث۱٤۹۹۷.

قسم کے انکار، تحریف یا تاویل کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی کہ یہ دن کس طرح لمبا ہو جائے گا جبکہ یہ اپنے مدار میں اپنے معروف انداز میں طلوع و غروب ہوتا ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ یا یہ مفہوم نہیں لیا کہ یہ دن اپنی مشقت اور ہولنا کی کی وجہ سے اس قدر لمبا محسوس ہوگا جیسے کہ ایک سال ہو۔ صحابہ کرام نے ہمارے دور کے نام نہاد منکرین کی سی کوئی بات نہیں کی، بلکہ انہوں نے بغیر کسی تحریف یا تاویل کے تسلیم کیا کہ یہ دن حقیقت میں بارہ ہی ماہ کا ہوگا اور مومن کی شان بھی یہی ہے کہ غیبی امور میں جو بات اللہ اور اس کے رسول نے بتائی ہوتی ہے اسے تسلیم و قبول کرتا ہے اگرچہ عقل اسے کتنا ہی محال جانے۔ لیکن ضروری ہے کہ آپ یقین کریں کہ اللہ اور اس کے رسول کی خبر کسی طرح عقلی طور پر محال نہیں ہوسکتی۔ یہ ضرور ہے کہ عقل کا دائرہ چونکہ محدود اور مختصر ہے اور حقائق کا کامل طور پر ادراک نہیں کر سکتی ہے تو ان محیر العقول امور کا انکار کر دیتی ہے۔

مختصراً یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس دجال کا پہلا دن ایک سال کا ہوگا۔ جب یہ حدیث رسول ان بعد میں آنے والوں کے سامنے آتی ہے جو مدعی ہیں کہ ہم بڑے عقل مند ہیں تو کہتے ہیں کہ اس دن کی لمبائی مجازی ہے اس لیے کہ اس میں بے انتہا اذیت اور مشقت ہوگی تو اسے ایک سال کے برابر کہہ دیا گیا ہے کیونکہ فرحت و شادمانی کے دن بڑے مختصر اور دکھ اور تکلیف کے دن بڑے لمبے محسوس ہوتے ہیں۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے طبعی صفا اور ایمان میں تسلیم و رضا کی بنا پر فوراً یہ بات قبول کر لی (کوئی انکار پیش نہیں کیا) اور زبان حال سے کہا کہ بلاشبہ وہ ذات باری تعالیٰ جو سورج کی ایک گردش کو ایک دن رات میں چوبیس گھنٹے میں پورا کرتا ہے عین ممکن ہے کہ وہ اس کی گردش کو بارہ ماہ تک کے لیے لمبا کر دے کیونکہ خالق عزوجل وہی ہے جو ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے لہذا انہیں یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ بلکہ فوری طور پر ایک ضروری سوال پوچھ لیا کہ ہم اس دن میں نمازیں کیسے پڑھیں گے؟ کیا ہمیں اس دن میں ایک دن رات کی نمازیں کافی رہیں گی؟ آپ نے فرمایا کہ ''نہیں، بلکہ ان کے لیے تم اندازہ کرتے رہنا۔''

اگر آپ اس سوال و جواب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا یہ دین کس قدر مکمل دین ہے کہ لوگوں کو اپنے دین کی جس کسی بات کی قیامت تک کے لیے ضرورت ہوسکتی ہے وہ اس کے اندر موجود ہے۔ اللہ عزوجل نے اصحاب رسول سے کس قدر عظیم اور اہم سوال کروایا جس سے اس دین کا کامل ہونا ثابت ہوا اور یہ کہ یہ اب کسی اور جانب سے تکمیل کا محتاج نہیں ہے۔

اس مسئلے کی اب ان آخری دنوں میں قطب شمالی اور قطب جنوبی میں ضرورت پڑی ہے کہ ان اطراف میں دن رات چھ چھ ماہ کے ہوتے ہیں، تو ان مقامات پر یہ حدیث مبارک ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس مشکل کے درپیش آنے سے پہلے ہی اس کا جواب دے دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ (المائدہ: ۵/ ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی ہے۔''

اگر ہم اس کلمہ ﴿اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ پر غور کریں تو واضح ہوگا کہ دین میں کہیں کوئی چیز ناقص نہیں ہے، یہ ہر اعتبار سے کامل ہے۔ کمی اور قصور اگر ہے تو ہم میں ہے، یا ہمارے فہم وبصیرت میں ہے یا ہماری خواہشات میں ہے کہ انسان اپنی بات پر اڑا رہتا اور حق سے اندھا اور بے بہرہ ہوجاتا ہے۔ ہم اللہ سے ہر طرح کی عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اگر ہم علم صحیح، فہم سلیم اور حسن نیت سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دین کسی تکمیل کا محتاج نہیں ہے، اور ناممکن ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا حل کتاب وسنت کے اندر موجود نہ ہو۔ مگر جب ہوا و ہوس کی کثرت ہوگئی اور ذہنوں پر یہ چیز غالب آ گئی تو کچھ کے لیے حق اندھا ہوگیا اور ان کے لیے واضح نہ ہوا۔ جب کوئی نئی بات ان کے سامنے آتی ہے تو ان لوگوں کے اقوال میں بہت اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن اگر نیت نیک اور فہم سلیم ہو اور علم بھی وسیع ہو تو حق مخفی نہیں رہتا ہے۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ دجال اس دنیا میں چالیس دن رہے گا۔ اس کے بعد سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، جن کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہوا ہے، اور ان کے اترنے کا بیان صحیح احادیث میں آیا ہے کہ وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارہ پر اتریں گے، اس حال میں کہ اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، آپ جب سر جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتی سے گریں گے۔ کسی کافر کے لیے ممکن نہ ہوگا کہ ان کی خوشبو پائے اور زندہ رہے۔ یعنی مر جائے گا۔ یہ اللہ کی خاص نشانیاں ہیں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور بالآخر فلسطین میں باب لد کے پاس اسے قتل کردیں گے اور اس کا کام تمام ہوجائے گا۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہ کریں گے، جزیہ نہیں لیں گے، صلیب توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے اور پھر ایک اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ ہوگی۔ اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ کفار سے جزیہ لینا ایک اسلامی ضابطہ ہے مگر اس کی ایک مدت ہے یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام تک۔ اس کے بعد نہیں لیا جائے گا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حکم عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے ہوگا، بلکہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی سنت ہے، آپ ﷺ کے بتائے جانے کی بنا پر اس کا نفاذ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنتیں کئی انداز کی ہیں قولی، فعلی اور تقریری (یعنی توثیق)۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ خبر دی اور اس کی توثیق فرمائی ہے تو حقیقت میں یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوئی جس پر عمل عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہوگا۔ ورنہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے، بلکہ محمد ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دجال کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

دجال کون ہے؟

سوال: کیا دجال بنی آدم ہی کا ایک فرد ہو گا؟

جواب: ہاں، دجال بنی بشر میں سے ہے۔ اگرچہ کچھ علماء نے اسے شیطان کہا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا باپ انسان اور ماں کوئی جنی ہے۔ مگر یہ اقوال صحیح نہیں ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ وہ ایک آدم زاد ہے، کھانے پینے وغیرہ کا محتاج ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسی طرح قتل ہو گا جیسے کہ کوئی عام آدمی قتل ہوتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

یاجوج و ماجوج کا بیان

سوال: یاجوج و ماجوج کون ہیں؟

جواب: یاجوج و ماجوج بنی نوع انسان کی دو امتیں ہیں جو فی الواقع موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے قصہ میں ان کا ذکر فرمایا ہے:

﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ قَوۡلًا ○ قَالُوۡا یٰذَاالۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَہَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَہُمۡ سَدًّا ○ قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡہِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ رَدۡمًا ○ اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ○ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ○ قَالَ ہٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَ کَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا﴾ (الکہف: ۱۸/ ۹۳-۹۸)

''......یہاں تک کہ جب وہ (ذوالقرنین)...... دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا، ان دونوں کے اِدھر اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔ انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج اس ملک میں بڑے بھاری فسادی ہیں، تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ سرمایہ اکٹھا کر دیں اس شرط پر کہ آپ ہم میں اور ان میں کوئی دیوار بنا دیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو دے رکھا ہے وہی بہتر ہے۔ تم صرف اپنی قوت و طاقت سے میری مدد کرو، میں تم میں اور ان میں مضبوط حجاب بنا دیتا ہوں۔ مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان یہ دیوار برابر کر دی تو حکم دیا کہ تیز آگ جلاؤ حتیٰ کہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل آگ کر دیا، تو فرمایا: میرے پاس لاؤ میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں۔ پس

نہ تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت ہے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں۔ کہا: یہ سب میرے رب کی مہربانی ہے۔ ہاں، جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اسے زمین بوس کر دے گا، بیشک میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے۔"

پھر صحیح احادیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے کہے گا: اے آدم! اٹھ اور اپنی اولاد میں سے جو جہنمی ہیں انہیں کھڑا کر" ...... یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہیں خوشخبری ہو کہ تم میں سے کوئی ایک ہوگا اور یاجوج و ماجوج میں سے ایک ہزار ہوں گے۔" ❶

یاجوج و ماجوج کا نکلنا علامات قیامت میں سے ہے، جس کے ابتدائی اثرات نبی ﷺ کے دور ہی میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ بڑے گھبرائے ہوئے تشریف لائے، آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے: لا الٰہ الا اللہ، افسوس ہے عرب کے لیے اس شر سے جو قریب آ گیا ہے، آج یاجوج و ماجوج کی دیوار اس قدر کھل گئی ہے، اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ کی انگلی سے حلقہ بنا کے دکھایا۔" ❷ (محمد بن صالح عثیمین)

قضاء وقدر

سوال: قضا اور قدر میں کیا فرق ہے؟

جواب: قضا وقدر کی تعریف میں علماء کا کچھ اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قدر سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ ارادہ اور اندازہ ہے جو کسی چیز کے متعلق اس نے ازل میں فرمایا ہوتا ہے اور قضا سے مراد وہ حکم اور آخری فیصلہ ہے جو اس چیز کے ظہور و وقوع کے وقت دیا جاتا ہے۔ تو جب اللہ نے کسی خاص وقت میں کسی چیز کے ہونے اور بنانے کا ارادہ اور اندازہ فرمایا ہو تو یہ "قدر اور تقدیر" ہے اور جب اس چیز کے ہونے کا وقت آ جاتا ہے تو یہ قضا ہے۔ اور یہ بیان قرآن کریم میں بہت زیادہ ہے، مثلاً ﴿قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۴۱) (معاملے کا فیصلہ کر دیا گیا) اور ﴿والله یقضی بالحق﴾ (المومن: ۴۰/ ۲۰) (اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلے کرتا ہے) وغیرہ۔ الغرض قدر سے مراد ازل میں کیا گیا ارادہ اور اندازہ ہے۔ اور قضا سے مراد اس کے ظہور کے وقت کا فیصلہ ہے۔

بعض نے کہا کہ ان دونوں کے ایک ہی معنیٰ و مفہوم ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الحج، باب قول و تری الناس سکریٰ حدیث: ٤٧٤١.

❷ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قصة یاجوج و ماجوج، حدیث٣١٦٨ صحیح مسلم، کتاب الفتن و أشراط الساعة، باب اقتران الفتن وفتح ردم یاجوج و ماجوج، حدیث٢٨٨٠ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٤٢٨ حدیث٢٧٤٥٣.

اور راجح یہ ہے کہ یہ الفاظ جب اکٹھے ذکر ہوں تو ان میں فرق ہوتا ہے جیسے کہ بیان ہوا۔ اور اگر علیحدہ علیحدہ ذکر ہوں تو ان کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح عثیمین)

قضاء وقدر پر ایمان

سوال: قضاء وقدر پر ایمان کسی مسلمان کے ایمان میں اضافے میں کس طرح معاون ہو سکتے ہیں؟

جواب: قضاء وقدر پر ایمان ایک مسلمان کے لیے اس کے دینی و دنیاوی امور میں بہت بڑے معاون ہوتے ہیں کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر قدرت سے فائق اور اس پر غالب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کے ورے کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ اس ایمان و یقین کے بعد ایک مسلمان اپنے مقصد کے لیے لازمی اور ضروری اسباب اختیار کرتا ہے (اور پھر جو ہونا ہوتا ہے ہو جاتا ہے) اور ہمیں اپنی تاریخ میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ مسلمانوں کو مناسب گنتی اور معیاری قوت کے بغیر ہی کم تعداد اور معمولی صلاحیت کے ساتھ بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں اور یہ سب اللہ رب العلمین کے وعدوں پر یقین اور قضاء وقدر پر ایمان کا نتیجہ تھا اور یہ کہ تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

اسباب کی حیثیت

سوال: اسباب کا سہارا لینا کیسا ہے؟

جواب: اسباب کا سہارا لینا کئی طرح سے ہے:

پہلی قسم:...... یہ ہے کہ انسان کوئی سبب اختیار کرے مگر صرف ظاہری طور پر سبب کی حیثیت سے اپنے عمل میں لائے مگر حقیقی اور اصلی اعتماد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر ہو اور اس کا یقین یہی ہو کہ یہ سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اس سبب کو بھی کاٹ سکتا ہے، اور اگر چاہے تو اسے باقی رہنے دے، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں اس سبب کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس انداز سے سبب اختیار کرنا نہ اصل توحید کے خلاف ہے نہ کمال توحید کے منافی۔

دوسری قسم:...... سراسر توحید کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ انسان کوئی سبب اختیار کرے اور پھر ہر اعتبار سے اس ہی پر تکیہ کر لے، اسی کی تاثیر کا یقین رکھے اور اللہ عزوجل کو بھول جائے کہ اس کی بھی کوئی تقدیر ہے۔ مثلاً: جیسے کہ ہمارے ہاں قبر پرست ہیں کہ جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کسی صاحب قبر کی طرف بھاگتے ہیں، یہ شرک اکبر ہے، ملت اسلام سے نکلنے کا باعث ہے، اور اس کا حکم وہی ہے جو اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

اَنۡصَارٍ﴾ (المائدہ: ۵/ ۷۲)

''بلاشبہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔''

یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس میں بے انتہا صحیح اور مشروع اسباب موجود ہیں، اور بندہ انہیں اختیار بھی کرتا ہے، تو چاہیے کہ انسان کسی طرح بھی اپنے دل کو ان اسباب کے ساتھ نہ اٹکائے، بلکہ ہر طرح سے اللہ عزوجل پر اعتماد ہونا چاہیے۔ چنانچہ اگر کوئی ملازم اپنے روزی رزق اور معاملات میں سراسر اپنی تنخواہ پر اعتماد کرتا ہے اور مسبب الاسباب اللہ عزوجل کو بھول جاتا ہے تو یہ شرک کی ایک صورت ہے۔ لیکن اگر اس کا خیال اس طرح ہو کہ تنخواہ تو محض ایک خالی خولی ظاہری سہارا اور سبب ہے اصل معاملہ فی الحقیقت اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے تو یہ بات توحید یا توکل کے قطعاً خلاف نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ بھی اسباب اختیار فرمایا کرتے تھے مگر آپ کا کلی اعتماد مسبّب الاسباب اللہ عزوجل ہی پر ہوا کرتا تھا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

لوح محفوظ پر مرقوم امور

سوال: کیا انسان کا رزق اور شادی بیاہ وغیرہ کے امور بھی لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں؟

جواب: ہاں، اللہ عزوجل نے قلم کو پیدا کرنے کے بعد اول سے لے کر قیامت تک ہونے والی ہر ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے کہا کہ: لکھ! قلم نے کہا: اے میرے رب! کیا لکھوں؟ فرمایا: وہ سب کچھ لکھ جو ہونے والا ہے [1] چنانچہ قلم فوراً چل پڑا اور قیامت تک ہونے والی سب چیزیں لکھ ڈالیں۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ جب چار ماہ کا ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا اور اس کا رزق، اس کی زندگی (یا موت)، اس کا عمل اور یہ کہ یہ بد بخت ہو گا یا نیک بخت ہونا لکھ دیتا ہے۔ [2]

بندے کا رزق بھی لکھا جا چکا ہے اور اسباب کے ساتھ مقدر ہے، اس میں نہ کوئی کمی ہو سکتی ہے نہ اضافہ۔ اور ان اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان حصول رزق کے لیے کسب اور کوشش کرے۔

---

[1] سنن ترمذی: کتاب القدر، باب الرضا بالقضاء، حدیث ۲۱۵۵ قال الالبانی حدیث صحیح۔ المستدرك للحاکم: ۲/ ۵۴۰ حدیث ۳۸۴۰

[2] صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، حدیث ۳۲۰۸۔ صحیح مسلم: کتاب القدر، باب کیفیة الخلق الآدمی فی بطن امه...... حدیث ۲۶۴۳

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾ (الملك: ٦٧/ ١٥)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے پست اور مطیع کر دیا ہے تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزی کھاؤ پیو، اور اسی کی طرف تمہیں جی کر اٹھ کھڑے ہونا ہے۔''

رزق کا ایک شرعی سبب صلہ رحمی بھی ہے کہ بندہ بالخصوص اپنے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ اپنائے رہے۔ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق وسیع ہو اور اس کو یاد رکھا جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہے۔''[1] اور ایک اہم سبب اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاo وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُo﴾

(الطلاق: ٦٥/ ٢-٣)

''اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے کھلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔''

یہ خیال مت کیجیے کہ رزق تو لکھا ہوا اور مقرر ہے، اس لیے مجھے اس کے لیے ذرائع اور اسباب اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوچ درماندگی اور عجز ہے۔ دانائی اور عقلمندی یہ ہے کہ اپنے رزق کے لیے بھرپور کوشش کیجیے بلکہ ان سب امور کے لیے جو آپ کے دین و دنیا میں آپ کے لیے فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: ''دانا وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور عاجز ہے وہ بندہ جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہش کے پیچھے لگایا اور اللہ پر امیدیں باندھے رہا۔''[2]

جس طرح رزق لکھا جا چکا ہے اور اسباب کے ساتھ مقدر ہے یہی بات زواج اور شادی بیاہ کی بھی ہے۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ فلاں جوڑے میں فلاں شوہر اور فلاں بیوی ہو گی۔[3] اور اللہ تبارک وتعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحيح بخارى: كتاب البيوع، باب من احب البسط فى الرزق، حديث١٩٦١۔ صحيح مسلم: كتاب البر والصلة والآداب، باب صلة الرحم و تحريم قطيعتها، حديث٢٥٥٧.

[2] المستدرك للحاكم: ٤/ ٢٨٠ حديث٧٦٣٩.

[3] مترجم: جیسے کہ ہمارے عرف میں زبان زد عام ہے کہ ''جوڑے آسمان پر بنتے ہیں'' حق اور سچ بات ہے۔

کیا تقدیر میں شر کا پہلو ہے؟

سوال: کیا اللہ عزوجل کی تقدیر میں شر بھی لکھا ہوا ہے؟

جواب: اللہ عزوجل کی تقدیر میں قطعاً کوئی شر نہیں ہے۔ البتہ بندوں کے احساس میں یہ امور بعض اوقات شر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ معلوم ومعروف ہے کہ لوگوں کو مصیبتیں بھی آتی ہیں اور وہ اچھے حالات سے بھی سرشار ہوتے ہیں۔ اچھے حالات ان کے لیے خیر اور مصیبتیں شر سے تعبیر کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ شر اللہ عزوجل کی تقدیر اور فعل سے نہیں ہے بلکہ لوگوں کے اپنے احساس کے تحت ہے۔ اللہ عزوجل نے یہ مصائب ومشکلات صرف اور صرف خیر کے لیے مقدر فرمائے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: ۳۰/ ۴۱)

''خشکی اور تری میں لوگوں کے کرتوتوں کے باعث فساد پھیل گیا۔''

اس میں شر اور فساد پھیلنے کا سبب بتایا گیا ہے کہ یہ سب لوگوں کے اعمال سے ہے اور اس کی حکمت کیا ہے؟ تو فرمایا:

﴿لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (الروم: ۳۰/ ۴۱)

''تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل چکھا دے، بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔''

الغرض! ان مصائب کا انجام خیر ہے اور ان کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف نہیں کی جاسکتی بلکہ مخلوقات کی طرف ہوگی، اس ملاحظہ کے ساتھ کہ یہ امور اور مخلوقات ایک اعتبار سے شر اور ایک اعتبار سے خیر ہیں۔

یعنی اس اعتبار سے شر ہوتے ہیں کہ ان میں اذیت ہوتی ہے مگر عاقبت اور انجام کے اعتبار سے ان میں خیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا جیسے کہ فرمایا:

﴿لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (الروم: ۳۰/ ۴۱)

''تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل چکھا دے، بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔''

(محمد بن صالح عثیمین)

اللہ کی مشیت والے امور

سوال: وہ کون سے امور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف نسبت کیا جاسکتا ہے اور کن کو نہیں کیا جاسکتا؟

جواب: ہر وہ کام جو آئندہ مستقبل سے متعلق ہو، اس کے بارے میں افضل یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ بیان کیا جائے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًاo اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰه ....﴾ (الكهف: ۱۸/ ۲۳-۲۴)

''اور ہرگز ہرگز کسی کام کے متعلق یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا، مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا۔''

جو امور ماضی میں ہو چکے ہوں ان کو اللہ کی مشیت کے ساتھ بیان نہ کیا جائے، سوائے اس کے کہ اس کی علت اور سبب بیان کرنا مقصود ہو۔ مثلاً: اگر آپ کو کوئی یوں بتائے کہ اس سال رمضان اتوار کی شام کو شروع ہوا تھا ان شاء اللہ، تو یہاں اِن شاء اللہ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ کام ہو چکا اور ہر ایک کو اس کا علم ہے۔ یا مثلاً: کوئی کہے، میں نے اپنے یہ کپڑے پہنے، ان شاء اللہ۔ تو اس طرح کی باتوں کو اللہ کی مشیت کے ساتھ ملا کر بیان کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ کام ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر علت و سبب بیان کرنا چاہے تو درست ہو سکتا ہے۔ مثلاً کہے: اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ میں نے یہ کپڑے پہن لیے...... تو یہ درست ہے۔

اگر کوئی شخص نماز پڑھ لینے کے بعد کہے کہ: میں نے نماز پڑھی اِن شاء اللہ...... اگر نماز کا عمل بتانا چاہتا ہے تو ان شاء اللہ کہنا درست نہیں۔ اور اگر یہ مقصد ہو کہ میری یہ نماز قبول و مقبول ہو گی تو اِن شاء اللہ کہنا درست ہو گا۔ کیونکہ نماز کی قبولیت یا عدم قبولیت کا انسان کو کوئی علم نہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

نبیؐ یا کعبہ کی قسم اٹھانا ممنوع ہے

سوال: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی قسم اٹھانا یا کعبہ کی قسم اٹھانا کیسا ہے، اسی طرح بعض لوگ اپنے شرف اور ذمہ کی بھی قسم اٹھا لیتے ہیں اور کئی کہتے ہیں: ''یہ بات میرے ذمے رہی''؟

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے، نہ ہی کعبہ کی، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کعبہ دونوں ہی اللہ کی مخلوق ہیں اور کسی مخلوق کی قسم اٹھانا شرک کی ایک قسم ہے۔

اسی طرح اپنے شرف اور ذمہ کی قسم بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ...... أَوْأَشْرَكَ بِاللّٰهِ)) ❶

''جس نے اللہ کے علاوہ کی قسم اٹھائی اس نے کفر کیا یا اللہ کے ساتھ شرک کیا۔''

اور یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ، مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْلِيَصْمُتْ .)) ❷

''اپنے آباء و اجداد کی قسمیں مت کھایا کرو، جس نے قسم کھانی ہو وہ اللہ کے نام کی اٹھائے یا خاموش رہے۔''

---

❶ ترمذی، کتاب النذور والایمان باب ما جاء فی کراھیة الحلف بغیر الله :١٥٣٥ .

❷ صحيح بخاری: كتاب الأيمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائكم، حديث : ٦٦٤٦۔ صحيح مسلم۔ كتاب الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالىٰ، حديث ١٦٤٦ .

نیز یہ بھی خیال رہے کہ آدمی کا یہ کہنا کہ ''میرے ذمے رہا'' اس سے کوئی شخص قسم مراد نہیں لیتا ہے، بلکہ اس میں عہد اور وعدہ کا اظہار ہوتا ہے، لیکن اگر بالفرض قسم مراد لے تو جائز نہیں ہوگی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

عقیدہ درست ہو لیکن مجبوراً غلط الفاظ بولے جائیں

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر نیت درست ہو تو الفاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آنجناب اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اگر ایسی بات کہنے والے کی مراد یہ ہے کہ (کسی عام گفتگو میں) الفاظ (معروف) عربی زبان (یا کسی دوسری زبان) کے اسلوب وترکیب سے کسی قدر ہٹ بھی جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، درست ہے۔ کیونکہ اگر عقیدہ درست ہو تو ترکیب الفاظ اس پر مؤثر نہیں ہے۔

لیکن اگر کسی ترکیب واسلوب اور جملے میں کفر وشرک کے معنیٰ ہوں تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس صورت میں اس کا درست اور صحیح کرنا ازحد ضروری ہے۔ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی زبان سے جو چاہے بولتا چلا جائے، خواہ اس کی نیت ٹھیک بھی ہو، بلکہ اسے اپنے الفاظ وتراکیب کو شریعت کے حدود میں رکھنا ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

توحید اور شرک کے انواع

انسانوں کے لیے سب سے پہلے کیا واجب ہے؟

سوال: انسان پر سب سے پہلے کیا واجب ہے؟

جواب: انسان پر سب سے پہلے وہی واجب ہے جس کی خالق نے سب سے پہلے دعوت دی ہے اور نبی ﷺ نے یہ سب بتلا دیا ہوا ہے۔ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ نے یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان سے کہا: ''تم اہل کتاب کی طرف جا رہے ہو، تو چاہیے کہ ان لوگوں کے لیے تمہاری سب سے پہلی دعوت یہ ہو کہ اللہ عزوجل کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور محمد، اللہ کے رسول ہیں۔''[1] چنانچہ بندوں پر سب سے پہلے یہی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ کی رسالت کا اقرار کریں اور اس کی گواہی دیں اور ان دو چیزوں ہی سے کسی بندے میں اخلاص اور اتباع کا ثبوت مل سکتا ہے اور ہر ہر عبادت کی قبولیت کے لیے اس بنیاد کا پایا جانا لازمی اور ضروری شرط ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

[1] صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام، حدیث١٩۔ صحیح بخاری: کتاب الزکاة، باب لا تؤخذ کرائم اموال الناس، حدیث: ١٤٥٨۔

توحید اور اس کی اقسام

سوال: توحید سے کیا مراد ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: لغوی طور پر یہ لفظ "وَحَّدَ یُوَحِّدُ" کا مصدر ہے۔ یعنی کسی چیز کو ایک اکیلا اور منفرد بنا دینا۔ اور ایمانیات میں اللہ تعالیٰ کو ان تمام امور میں جو اس سے خاص ہیں، ایک اکیلا جاننا توحید کہلاتا ہے۔ اور یہ بات نفی اور اثبات کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ یعنی ذات واحد کے علاوہ سے حکم کی نفی کرنا اور پھر اسی ایک ذات کے لیے ثابت کرنا۔ جب ہم کہتے ہیں کہ کسی شخص کی توحید اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی جب تک شہادت أن لا إله الا اللّٰه کا اقرار و اظہار نہ کرے، تو ضروری ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے علاوہ سب معبودوں کی الوہیت کا انکار بھی کرے اور صرف اس ایک کے معبود ہونے کا اقرار کرے۔ خیال رہے کہ نفی و اثبات کے مسئلہ میں کسی چیز کی صرف نفی کر دینا اس کی تعطیل اور عدم کو مستلزم ہے، اسی طرح اگر صرف اثبات کیا جائے تو اس میں دوسرے کے اشتراک کا انکار نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً: اگر آپ یوں کہیں کہ ''فلاں کھڑا ہے'' اس جملے میں آپ اس شخص کے لیے قیام ثابت کرر ہے ہیں مگر اس میں اس کے اکیلے اور منفرد ہونے کا اظہار نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی کھڑا ہوا ہو۔ اور اگر آپ یوں کہیں کہ ''نہیں کھڑا ہے'' اس میں آپ نے نفی عام اور انکار عام سے کسی کے لیے بھی کھڑا ہونے کا اثبات نہیں کیا۔ مگر جب آپ یوں کہیں کہ ''زید کے علاوہ اور کوئی کھڑا نہیں ہوا ہے'' تو اس میں آپ نے اکیلے زید کے لیے کھڑا ہونا ثابت کیا اور اس کے علاوہ باقی سب کی نفی کر دی۔ تو توحید کی حقیقت بھی اسی طرح سے ہے کہ جب تک اس میں نفی اور اثبات نہ ہو، توحید کامل نہیں ہوسکتی۔ اور اس کی مذکورہ بالا عمومی تعریف کہ ''اللہ تعالیٰ کو ان تمام امور میں جو اس سے خاص ہیں ایک اکیلا جاننا توحید ہے۔'' اس میں اس کی سب انواع شامل ہو جاتی ہیں۔

توحید کی انواع کے بارے میں سب سے بہترین قول وہی ہے جو علماء نے بیان کیا ہے کہ اس کی تین انواع ہیں: (۱)......توحید ربوبیت۔ (۲)......توحید الوہیت۔ (۳)......توحید الاسماء والصفات

اور یہ قول آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں غور و فکر اور تدبر سے حاصل ہوا ہے۔

اول توحید ربوبیت:...... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کے پیدا کرنے، اس کا مالک ہونے اور اس کا انتظام چلانے میں اکیلا اور منفرد جانا جائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کو پیدا کرنے میں اکیلا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی خالق نہیں، اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾

(الفاطر : ۳۵/ ۳)

''کیا بھلا اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان سے رزق دے سکے؟ اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔''

کفار کے دیگر الٰہوں کی تردید میں فرمایا:

﴿اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النحل: ١٦/ ١٧)

''کیا بھلا جو پیدا کرتا ہے ان کی طرح ہوسکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتے، کیا سمجھتے نہیں ہو؟''

الغرض! اللہ تعالیٰ اکیلا ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگایا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق ان تمام مخلوقات کو شامل ہے اور ان امور کو بھی شامل ہے جو ان مخلوقات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے خالق واحد ہونے پر ایمان تبھی کامل ہوتا ہے جب انسان یہ ایمان رکھے کہ ان مخلوقات کے افعال کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصّٰفت: ٣٧/ ٩٦)

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم کرتے ہو۔''

اس کی وضاحت یوں سمجھئے کہ بندے کا فعل بندے کی صفت ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور چیز کا پیدا کرنے والا اس چیز کی صفات کا بھی خالق ہوتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ بندے کا فعل بندے کے اپنے ارادے اور اپنی صلاحیت سے ہوتا ہے اور بندے کا ارادہ اور اس کی سب صلاحیات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور کسی چیز کا خالق کامل وہی ہوسکتا ہے جو اس کے سبب کا بھی خالق ہو۔

ایک اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ خلق کی صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ذکر کی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ کا خالق مطلق اور خالق واحد ہونا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ (المومنون: ٢٣/ ١٤)

''بڑی برکت والا ہے اللہ جو پیدا کرنے والوں میں سب سے بہترین ہے۔''

اسی طرح نبی ﷺ کی حدیث میں بھی دوسروں کے لیے صفت خلق بیان کی گئی ہے، مثلاً: تصویریں بنانے والوں کو عذاب کے سلسلے میں کہا جائے گا: ((احیوا ما خلقتم .)) [1] (زندہ کرو اس کو جو تم نے پیدا کیا (بنایا)۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی کسی چیز کو اس طرح سے نہیں بنا سکتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ بناتا اور پیدا کرتا ہے۔ کسی غیر اللہ کے لیے ممکن نہیں کہ کسی معدوم کو وجود میں لا سکے یا کسی مردے کو زندہ کر سکے۔ غیر اللہ کی خلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس کی شکل کو بدل دے، یا ایک حالت سے دوسری حالت میں لے آئے۔ اور یہ بھی

[1] صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احد کم آمین والملائکۃ فی السماء، حدیث: ٣٢٢٤۔ صحیح مسلم: کتاب اللباس و الزینۃ، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، حدیث ٢١٠٨ .

اللہ عزوجل کی خلق اور تقدیر کا ایک حصہ ہے۔ مثلاً: کوئی مصور (تصویر بنانے والا) ناممکن ہے کہ عدم سے کوئی چیز وجود میں لے آئے مگر وہ صرف اسی قدر کرسکتا ہے کہ مٹی سے کسی پرندے یا اونٹ وغیرہ کی شکل بنا دے، یا سفید کاغذ کو رنگین کر دے۔ تو یہ مٹی، کاغذ اور رنگ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ یہی فرق ہے اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کو خالق کہنے کا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خلق و پیدائش میں اکیلا اور منفرد ہے اور یہ اسی کا خاصہ ہے۔[1]

دوم:...... اللہ عزوجل کا ملک وملکیت میں اکیلا اور منفرد ہونا، تو وہ اکیلا ہی مالک ہے جیسے کہ فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (الملك : ٦٧/ ١)

"برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک اور وہ ہر ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ (المومنون : ٢٣/ ٨٨)

"ان سے پوچھیے کہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر ہر چیز کا اختیار ہے، جو پناہ دیتا ہے اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔"

اس کائنات کا اکیلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ اور کوئی حقیقی مالک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کی طرف جو ملک و ملکیت کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض اضافی (مجازی اور لفظی) ہے۔ جیسے کہ خود اللہ عزوجل نے یہ نسبت دی ہے:

﴿اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ﴾ (النور : ٢٤/ ٦١)

"یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو (بلا اجازت کھا سکتے ہو)۔"

یا فرمایا:

﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ (المومنون : ٢٣/ ٦)

"جو (اپنی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہیں)...... سوائے اپنی بیویوں سے یا ملکیت کی لونڈیوں سے۔"

اس طرح کی بے شمار آیات میں مخلوق کے لیے ملکیت اور ان کے مالک ہونے کا بیان آیا ہے۔ مگر مخلوق کی ملکیت اور مالکیت اس انداز کی قطعاً نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ مخلوق کی ملکیت ناقص اور محدود ہے۔ چنانچہ وہ گھر جو زید کی ملکیت میں ہے عمرو اس کا مالک نہیں ہے، اور جو گھر عمرو کا ہے زید اس کا مالک نہیں ہے۔

---

[1] مترجم: مخلوق کی طرف نسبت محض لفظی اور مجازی ہے۔ جیسے کہ صاحب تفسیر احسن البیان علامہ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب ﷾ تبارک اللہ احسن الخالقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: "یہاں خالقین ان صانعین کے معنی میں ہے جو خاص خاص مقداروں میں اشیاء کو جوڑ کر کوئی چیز تیار کر لیتے ہیں، یعنی ان صنعت گروں میں اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے؟ پس سب سے زیادہ خیر و برکت والا وہ اللہ ہی ہے جو تمام صنعت کاروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت کار ہے۔

مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی ملکیت محدود و مقید ہوتی ہے اور انسان اپنی زیر ملکیت میں اتنا ہی تصرف اور عمل دخل رکھتا ہے جتنا کہ اللہ نے اسے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو (اگرچہ انسان اس کا مالک ہوتا ہے) ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا﴾ (النساء: ٤/ ٥)

''اور اپنے مال بے عقلوں کو مت دے دیا کرو جسے کہ اللہ نے تمہاری گزران قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔''

یہ دلیل ہے کہ انسان کی ملکیت ناقص اور محدود ہے، بخلاف اللہ عزوجل کی ملکیت کے، کہ اس کی ملکیت کامل، شامل اور عام ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو کرے اس سے اس کے متعلق پوچھا نہیں جاسکتا جبکہ مخلوق سے پوچھا جاتا ہے۔

سوم:...... تدبیر و انتظام کائنات میں بھی اللہ تعالیٰ اکیلا اور منفرد ہے۔ وہی اس زمین و آسمان کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الاعراف: ٧/ ٥٤)

''خبردار! اسی کی ہے خلقت اور اسی کا ہے حکم، برکت والی ہے ذات اللہ کی جو پالنے والا ہے تمام جہان والوں کا۔''

اللہ عزوجل کا یہ انتظام اور اس کی تدبیر ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہے کہ اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا اور نہ کوئی اس کی مخالفت کرسکتا ہے۔ مخلوقات کو جو کسی قدر کچھ انتظام و تدبیر حاصل ہے جیسے کہ انسان اپنے اموال اور خدام وغیرہ میں کرتا ہے تو یہ انتظام و تدبیر انتہائی ناقص، محدود اور کچھ وقت کے لیے ہوتا ہے۔ ان تفصیلات سے واضح ہوا کہ ''توحید ربوبیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خلق، ملک اور تدبیر و انتظام میں ایک اکیلا جاننا چاہیے۔''

قسم دوم، توحید الوھیت:...... یہ ہے کہ ''ایک اکیلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عبادت کا مستحق سمجھا جائے'' یعنی انسان اس کے ساتھ کسی اور کی کوئی عبادت نہ کرے اور نہ اس کا تقرب چاہے جیسے کہ اللہ عزوجل کی عبادت کی جاتی ہے یا اس کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔

توحید کی یہی وہ قسم ہے جس میں مشرکین گمراہ تھے، اور ان سے نبی ﷺ نے قتال کیا تھا اور ان کے خون، مال اور علاقے حلال جانے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا۔ انبیاء علیہم السلام کو یہی دعوت دے کر بھیجا گیا اور کتابیں نازل کی گئیں، اگرچہ توحید ربوبیت اور توحید الاسماء والصفات بھی اس کے ساتھ ہیں مگر انبیاء کا اپنی قوموں کے ساتھ بڑا نزاع اسی توحید الوہیت میں رہا ہے۔ یعنی انسان عبادت کی غرض سے اللہ عزوجل کے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو، نہ کسی مقرب فرشتے کی طرف، نہ کسی نبی اور رسول کی طرف، نہ کسی ولی اور صالح

کی طرف اور نہ کسی اور مخلوق کی طرف۔ کیونکہ عبادت صرف اور صرف ایک اللہ عزوجل کا حق ہے۔ جس بندے کی اس توحید میں کوئی خلل یا فرق ہوا وہ مشرک اور کافر ہے خواہ توحید ربوبیت اور توحید الاسماء الصفات کا کتنا ہی اقرار کیوں نہ ہو۔

اگر کسی شخص کا ایمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، وہی خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی اس تمام کائنات کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے، اور وہی ان اسماء وصفات کا مستحق ہے جو اس کی شان کو لائق ہیں مگر وہ کسی اور کی عبادت بھی کرتا ہو تو اس کا یہ اقرار ربوبیت اور توحید الاسماء والصفات اسے کوئی فائدہ نہ دے گا۔

مثلاً اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت اور توحید الاسماء والصفات کا کامل اقرار کرتا ہو مگر ساتھ ہی کسی قبر پر جا کر صاحب قبر کی عبادت بھی کرتا ہو یا اس کے لیے قربت کی کوئی نذر بھی جانتا ہو تو ایسا شخص مشرک ہے، کافر ہے اور ابدی جہنمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (المائدہ : ۵/ ۷۲)

''تحقیق جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس کے لیے جنت کو حرام قرار دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں (مشرکوں) کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔''

اور ہر وہ شخص جس نے قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ مشرک جن سے نبی ﷺ نے جنگیں کیں، ان کے خون اور مال حلال جانے، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا اور ان کی زمینوں پر قبضے کیے یہ سب لوگ اس بات کے اقراری تھے کہ ایک اللہ ہی رب ہے، خالق ہے، انہیں اس میں کوئی شک نہ تھا لیکن چونکہ وہ اس کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے تو اس طرح وہ مشرک بنے اور ان کے خون اور مال حلال جانے گئے۔

قسم سوم، توحید الاسماء والصفات:...... یعنی وہ مبارک اسماء اور صفات عالیہ جو اللہ عزوجل نے اپنے متعلق قرآن کریم میں یا رسول اللہ ﷺ کی زبان سے احادیث میں بیان ہوئی ہیں، وہ اللہ عزوجل کا خاصہ ہیں اور وہ ان میں اکیلا اور منفرد ہے۔ ان اسماء وصفات کا اثبات اس طرح سے ہے کہ بغیر کوئی کیفیت بیان کیے ذکر کی جائیں، ان میں نہ کوئی تحریف ہو نہ تعطیل اور نہ تمثیل۔

ضروری ہے کہ بندہ ان تمام اسمائے مبارکہ پر ایمان رکھے جن سے اس اللہ نے اپنے آپ کو موسوم اور موصوف ٹھہرایا ہے، اور یہ اسماء وصفات سب حقیقت ہیں ان میں کوئی استعارہ و مجاز نہیں، لیکن ہم ان کی کوئی کیفیت یا مثال بیان نہیں کر سکتے۔

توحید کی یہ قسم ایسی ہے کہ اس میں بہت سے مسلمان باوجودیکہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے

ہیں مختلف انداز میں گمراہ ہوئے ہیں۔

بعض نے ان اسماء وصفات کی نفی کی اور اللہ کی تنزیہ میں اس قدر غلو کیا ہے کہ اسلام ہی سے نکل گئے ہیں، بعض متوسط رہتے ہیں اور بعض اہل السنۃ کے قریب ہیں۔ اس بارے میں صحابہ کرام اور سلف کا طریقہ یہ رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ان تمام اسماء اور صفات سے موسوم وموصوف گردانا جائے جو اس نے اپنے متعلق بیان فرمائے ہیں اور وہ سب حقیقت ہیں۔ ان کے بیان میں نہ کوئی تحریف ہو (کہ ان کا مفہوم بدل جائے) نہ تعطیل (کہ ان کے مفہوم کا انکار کر دیا جائے) نہ کوئی کیفیت بیان ہو اور نہ کوئی مثال۔

مثلاً اللہ عزوجل نے اپنے آپ کو ''حی وقیوم'' بتایا ہے (یعنی زندہ، قائم اور قائم رکھنے والا)، تو ہم پر واجب ہے کہ ہم ایمان رکھیں کہ "الحی" اس کا ایک نام ہے اور واجب ہے کہ اس نام کے معنیٰ میں جو زندگی کا مفہوم ہے اس پر بھی ایمان رکھیں۔ اس طرح کہ اس کی زندگی انتہائی کامل اور اکمل ہے اس پر کبھی کوئی عدم نہیں آیا اور نہ آئندہ کبھی کوئی فنا آئے گی۔

اس نے اپنا ایک نام "السمیع" بتایا ہے (یعنی سننے والا)۔ ہم پر واجب ہے کہ ہمارا ایمان ہو کہ ''السمیع'' اس کے مبارک ناموں میں سے ایک نام ہے اور سننا اس کی صفت عالیہ ہے، جو اس نام سے ماخوذ اور مفہوم ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ وہ سمیع تو ہے مگر سنتا نہیں، یا نعوذ باللہ سنتا ہے مگر سمجھتا نہیں تو یہ بات محال ہے۔ اسی طرح سے باقی اسماء وصفات ہیں۔

ایک اور مثال:......قرآن مجید میں ہے

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ (المائدہ: ٥/ ٦٤)

''یہودیوں نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، بندھ جائیں ان کے ہاتھ، اور ان پر لعنت ہے بسبب اس کے جو انہوں نے کہا، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے دو ہاتھ ہونے کا ذکر فرمایا اور یہ کہ وہ دونوں عطا وانعام کے ساتھ کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنے دلوں میں ایسا کوئی تصور نہ لائیں یا اپنی زبانوں سے ان کی کوئی کیفیت یا مثال بیان نہ کریں کہ اس کے ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں جیسے ہیں، کیونکہ اس نے اپنے متعلق خود فرمایا ہے

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوری: ٤٢/ ١١)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ

اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(الاعراف: ۷/ ۳۳)

''کہہ دیجیے کہ میرے رب نے بے حیائی کی باتیں حرام کی ہیں جو کھلی ہوں یا پوشیدہ اور (حرام کیا ہے) گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور اس بات کو کہ شریک بناؤ اللہ کا ایسی چیز کو کہ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری، اور یہ کہ لگاؤ اس کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں ہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۶)

''اور اس بات کے پیچھے مت لگو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بلاشبہ کان، آنکھیں اور دل سب سے ان کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

تو اگر کوئی شخص اللہ عزوجل کے ان ہاتھوں کو مخلوق کے ہاتھوں کے ساتھ تشبیہ اور مثال دے تو اس نے اللہ کے اس فرمان ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ کی تکذیب کی اور اللہ کے فرمان ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ (النحل: ۱۶/ ۷۴) ''اللہ کی مثالیں نہ بیان کرو'' کے خلاف کیا اور اگر کوئی ان کی کیفیت بیان کرے خواہ کوئی سی ہو تو اس نے الدہر ایسی بات کہنے کی جرأت کی جس کا اسے علم نہیں اور اس چیز کے درپے ہوا جس سے وہ آگاہ نہیں ہے۔

ایک اور مثال:...... اللہ عزوجل کا اپنے عرش پر مستوی ہونا۔ یہ وہ صفت ہے جس کا قرآن مجید میں سات مقامات پر ذکر آیا ہے اور اس میں "استویٰ" اور "علی العرش" کے واضح الفاظ بیان ہوئے ہیں اور جب ہم عربی زبان میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ''استویٰ'' کا لفظ ''علیٰ'' کے ساتھ استعمال ہو تو اس کا ترجمہ ارتفاع اور بلندی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تو آیت کریمہ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ: ۲۰/ ۵) وغیرہ کا ترجمہ یہ ہوا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہوا'' جیسے کہ اس کی ذات والاصفات کو لائق ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے، اس میں انسان کے کسی تخت پر بلند ہونے یا کسی چوپائے کی پشت پر بلند ہونے یا کشتی وغیرہ پر سوار ہونے کے ساتھ کسی طرح کوئی مماثلت نہیں ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم میں انسانوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے:

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَo لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَo وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَo﴾ (الزخرف: ۴۳/ ۱۲-۱۴)

''اور تمہارے لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پشت پر جم کر

بیٹھو اور پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو قابو کر سکتے اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

(ان آیات میں بھی انسانوں کے لیے استواء کا لفظ استعمال ہوا ہے) تو مخلوقات کا استواء ناممکن ہے کہ اللہ عزوجل کے استواء علی العرش کی مانند ہو۔ کیونکہ اللہ عزوجل کی طرح کوئی چیز نہیں ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾

اور بہت بڑی غلطی ہے ان لوگوں کی جو اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ ''اللہ اپنے عرش پر مسلط اور غالب ہوا'' یہ بات اللہ کے کلمات کو اپنے مقام سے پھیرنے کی بات ہوگی جسے تحریف کہتے ہیں۔ یہ مفہوم صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تابعین بالاحسان کے اجماع کے سراسر خلاف ہے اور بہت غلط معانی کو مستلزم ہے۔ کسی صاحب ایمان کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ عزوجل کے متعلق ایسی نامناسب بات اپنی زبان پر لائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (الزخرف: ۴۳/ ۳)

''ہم نے اس کو عربی کا قرآن کیا ہے تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔''

تو ''استویٰ علیٰ'' کے معنیٰ عربی زبان میں بلند ہونا اور قرار پکڑنا ہیں۔ تو جب اللہ عزوجل کے لیے یہ صفت آئی ہے تو اس کے معنیٰ یہی ہیں کہ ''وہ عرش پر بلند ہوا، اس خاص انداز میں بلند ہونا جو اس کی عظمت و جلال کو لائق ہے۔'' اگر کوئی ''استویٰ'' کے معنیٰ ''استولیٰ'' (غالب ہونا) کرتا ہے تو اس نے ان کلمات میں تحریف کی اور لغات قرآن کی نفی کا مرتکب ہوا اور غلط اور باطل معنیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

علاوہ ازیں سلف صالحین (صحابہ کرام) اور ان کے تابعین عظام کا بھی انھی معانی پر اجماع ہے۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی کوئی لفظ اس تفسیر کے خلاف نہیں آیا ہے۔ جب قرآن و حدیث کے الفاظ کی تفسیر میں سلف سے کوئی لفظ ظاہر کے خلاف نہ آئے تو یہ دلیل ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اس کے ظاہر ہی پر محمول کیا ہے اور وہ اس کے ظاہر ہی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی یہ پوچھے کہ آیا سلف میں سے کسی سے ''استویٰ علیٰ'' کی تفسیر صراحت کے ساتھ بھی منقول ہے تو اس کا جواب ہے کہ ہاں سلف سے یہ منقول اور ثابت ہے۔ اور اگر بالفرض ان سے بصراحت منقول نہ بھی ہو تو اصل قاعدہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ سے وہ ظاہری معانی ہی مراد لیے جاتے ہیں جو عربی زبان میں مستعمل ہوں اور سلف بھی یہی مراد لیتے ہیں۔

استواء کے معنیٰ غلبہ اور تسلط لیے جائیں تو اس کے لازمی غلط نتائج:

۱۔ اگر استواء کے معنیٰ (بلند ہونے اور قرار پکڑنے کے علاوہ) استیلاء یعنی غلبہ اور تسلط لیے جائیں تو اس کا

لازمی مفہوم یہ ہوگا کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے عرش اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں نہ تھا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الاعراف: ۷/ ۵۴)

''بلاشبہ تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر بلند ہوا۔''

اگر اس کا ترجمہ غالب ہونا کیا جائے تو یہ مفہوم نکلے گا کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے یا جب انہیں پیدا کیا گیا اللہ تعالیٰ عرش پر غالب اور مسلط نہ تھا۔

۲- اگر استوی علی العرش کا معنی استولی علی العرش ہوں تو یہ کہنا بھی صحیح کہنا پڑے گا 'استولی علی الارض' یا 'استولی علیٰ أیّ شیءٍ' یعنی اللہ زمین پر یا کسی اور شے پر غالب اور مسلط ہوا۔ یقیناً یہ بات اللہ عزوجل کے بارے میں سوچنا یا کہنا برابر غلط ہے۔

۳- اس معنیٰ سے تحریف لازم آتی ہے کہ ان کے صحیح اور حقیقی شرعی معنیٰ کی بجائے دوسرے غلط معنیٰ نکالے گئے۔

۴- اور یہ معنیٰ سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ توحید الاسماء والصفات میں ہم پر واجب ہے کہ ہم پر اس بات کا اثبات کریں جس کا اللہ عزوجل نے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں اثبات کیا ہے اور اس سے اس کے حقیقی معانی مراد لیں (جیسے کہ اللہ عزوجل کی والا شان کے لائق ہیں) ان میں کوئی تحریف، کوئی تعطیل نہ کریں اور نہ کوئی کیفیت یا تمثیل بیان کریں۔

سوال: شہادتِ توحید ورسالت سے کیا مراد ہے؟

جواب: شہادت توحید ورسالت سے مراد اللہ عزوجل کی وحدانیت اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار واظہار کرنا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہوتے ہیں ''اشھد ان لا اِلٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ'' یہ الفاظ اسلام کی مفتاح اور چابی ہیں۔ ان کا اقرار واظہار کیے بغیر کسی کے لیے دین اسلام میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے جب اپنے صحابی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ تمہاری سب سے پہلی دعوت یہی ہونی چاہیے کہ یہ لوگ اللہ عزوجل کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار واظہار کریں۔ [1]

اس شہادت میں پہلا جملہ ''اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ'' میں یہ ہے کہ انسان اپنے دل اور زبان سے اس

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا توخذ کرائم اموال الناس فی الصدقه، حدیث۱۳۸۹ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشھادتین و شرائع الاسلام، حدیث۱۹ ۔

بات کا اقرار واعتراف کرتا ہے کہ ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس جملہ میں نفی اور اثبات میں دو باتیں ہیں۔نفی میں ہے لا الٰہ اور اثبات میں ہے الا اللہ۔[عربی گرائمر کے انداز میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ "اللہ" لانفی جنس کی خبر جو محذوف ہے، سے بدل ہے۔اور اصل عبارت یوں بنتی ہے "لا إله حقًا الا الله" یعنی نہیں ہے کوئی معبود برحق، سوائے اللہ کے]۔زبان کا یہ اقرار دل کے یقین و اعتراف پر مرتب ہوتا ہے، جس میں خالص ایک اکیلے اللہ کو عبادت کا مستحق اور اس کے علاوہ باقی سب کی عبادت کی نفی کا اظہار ہے۔

اس جملہ مذکورۂ بالا تفصیل وتوضیح سے کہ اصل جملہ 'لا إله حقًا الا الله' ہے، وہ الجھن دور ہو جاتی ہے جو بہت سے لوگ پیش کرتے ہیں کہ یہ بات "اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں" کس طرح صحیح ہوسکتی ہے حالانکہ دنیا میں بے شمار معبود ہیں جن کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جا رہی ہے، اور اللہ نے بھی ان کو آلہہ کہا ہے اور ان کے عابدین بھی ان کو اپنا الٰہ باور کراتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَمَآ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیۡ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ﴾ (هود: ۱۱/ ۱۰۱)

"پھر کچھ کام نہ آئے ان کے وہ آلہہ (معبود) کسی چیز میں جنہیں وہ اللہ کے علاوہ پکارتے تھے، جس وقت تیرے رب کا حکم آ پہنچا۔"

اور فرمایا:

﴿وَ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۹)

"اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو الٰہ (معبود) مت بنا۔"

اور فرمایا:

﴿وَ لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (القصص: ۲۸/ ۸۸)

"اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو الٰہ مت پکار۔"

اور فرمایا:

﴿لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا﴾ (الكهف: ۱۸/ ۱٤)

"غار والوں نے کہا...... اور ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے علاوہ کسی اور الٰہ کو۔"

تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہیں حالانکہ ثابت ہیں؟ اور تمام انبیاء و رسل نے غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی ہے، یہ اپنی قوموں سے کہتے رہے ہیں:

﴿اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ﴾ (الاعراف: ۷/ ۵۹)

"اللہ ہی کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے علاوہ اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔"

جواب اس اشکال کا یہی ہے کہ لا کی خبر پوشیدہ ہے یعنی لا إلٰہَ حقًا الا اللّٰہ (یعنی نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ کے)۔ بلاشبہ اللہ کے علاوہ بے شمار آلہہ ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے، مگر یہ سب باطل ہیں، ان میں سے کوئی بھی حق اور سچ نہیں ہے، اور نہ انہیں کسی طرح کا حقِ عبودیت حاصل ہے۔ اور اس کی دلیل سورۂ لقمان کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (لقمان: ۳۱/ ۳۰)

''یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اللہ کے علاوہ جس کسی کو وہ پکارتے ہیں تو وہ جھوٹ اور باطل ہے اور بلاشبہ اللہ ہی ہے سب سے اوپر بڑا۔''

مذکورہ بالا کی دلیل قرآن مجید میں سورۃ النجم وغیرہ میں موجود ہے، فرمایا:

﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰىo وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰىo اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰىo تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰىo اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍo﴾ (النجم: ۵۳/ ۱۹-۲۳)

''کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور مناۃ تیسرے پچھلے کو، کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں؟ یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی جیل کے ساتھیوں سے یہی فرمایا تھا:

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۴۰)

''اللہ کے سوا جن کی تم پوجا کر رہے ہو وہ سب محض نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔''

الغرض ''لا الہ الا اللہ'' کے معنیٰ ہیں ''نہیں کوئی معبود سوائے اللہ عزوجل کے۔'' اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان کی عبادت باطل ہے۔ سچی عبادت اور حق عبادت صرف اور صرف اللہ عزوجل کی ہے۔

اور ''أن محمدا رسول اللّٰہ'' (کے معنیٰ ہیں کہ بلاشبہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں)۔ اس میں بھی دل کا یقین اور پھر زبان کا اقرار ہے کہ محمد بن عبداللہ قریشی ہاشمی، اللہ عزوجل کی طرف سے جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا ٱلَّذِي لَهُۥ مُلۡكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحۡيِۦ وَيُمِيتُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِيِّ ٱلۡأُمِّيِّ ٱلَّذِي يُؤۡمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُونَ ﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۵۸)

''آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آ جاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿تَبَارَكَ ٱلَّذِي نَزَّلَ ٱلۡفُرۡقَانَ عَلَىٰ عَبۡدِهِۦ لِيَكُونَ لِلۡعَٰلَمِينَ نَذِيرًا﴾ (الفرقان: ۲۵/ ۱)

''برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تا کہ جہان والوں کو ڈرائے۔''

اس شہادت کا لازمی تقاضا ہے کہ انسان ان تمام چیزوں کی تصدیق کرے جن کی آپ نے خبر دی ہے، ان تمام احکام کو قبول کرے جن کا آپ نے حکم دیا ہے اور ان تمام امور سے باز رہے جن سے بچنے کا آپ نے حکم دیا ہے اور اللہ کی عبادت بھی اسی طرح کرے جیسے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اور اس شہادت کا یہ تقاضا بھی ہے کہ آپ کے بارے میں (رسالت سے بڑھ کر) اس قسم کا عقیدہ نہ رکھا جائے کہ آپ کو ربوبیت کا کوئی حق حاصل ہے، یا کائنات کے نظام میں آپ کا کوئی دخل ہے، یا عبادت میں آپ کا کوئی استحقاق ہے۔ بلکہ اسی قدر عقیدہ رکھا جائے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں، عبادت کے مستحق نہیں ہیں، اللہ کے رسول ہیں، اس میں کسی طرح آپ کی تکذیب نہ کی جائے، آپ اپنے لیے یا کسی اور کے لیے کسی نفع نقصان کا حق نہیں رکھتے مگر اتنا ہی جو اللہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمۡ عِندِي خَزَآئِنُ ٱللَّهِ وَلَآ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ وَلَآ أَقُولُ لَكُمۡ إِنِّي مَلَكٌۖ إِنۡ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾ (الانعام: ٦ / ٥٠)

''اے پیغمبر کہہ دیجیے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب جانتا ہوں، نہ یہ کہتا ہوں کہ فرشتہ ہوں، میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿قُلۡ إِنِّي لَآ أَمۡلِكُ لَكُمۡ ضَرّٗا وَلَا رَشَدٗا ۝ قُلۡ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ ٱللَّهِ أَحَدٞ وَلَنۡ أَجِدَ مِن دُونِهِۦ مُلۡتَحَدًا﴾ (الجن: ۷۲/ ۲۱-۲۲)

”کہہ دیجیے کہ میں تمہارے کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔ کہہ دیجیے مجھے ہرگز ہرگز کوئی اللہ سے نہیں بچا سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا۔“

مزید فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾

(الاعراف: ۷/ ۱۸۸)

”آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت بھی مجھ پر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔“ (محمد بن صالح عثیمین)

شرک اور اس کی اقسام

توحید کی ضد شرک ہے اور اس کی تین مگر حقیقت میں دو ہی قسمیں ہیں، شرک اکبر اور شرک اصغر:

شرك اكبر:...... یہ ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی جائے یا عبادت کا کچھ حصہ غیر اللہ کی طرف منتقل کر دیا جائے اور اس میں یہ بھی ہے کہ دین کے وہ لازمی اور معروف اعمال جو اللہ نے فرض اور واجب قرار دیے ہیں، ان کا انکار کر دیا جائے جیسے کہ نماز اور روزۂ رمضان وغیرہ، یا جو باتیں حرام کی ہیں اور ان کا حرام ہونا واضح اور معروف ہے، ان کا انکار کر دیا جائے مثلاً زنا یا شراب وغیرہ یا اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کو حلال جانا جائے [اگر کسی وقت سہو اور غفلت سے کسی رئیس، وزیر یا عالم کی کوئی عام سی اطاعت ہو جائے جس میں اللہ کے دین کی مخالفت ہو تو الگ بات ہے]

الغرض ہر وہ عمل جس میں غیر اللہ کی عبادت ہو مثلاً اولیاء کو پکارنا، ان سے مدد حاصل کرنا، ان کے نام کی نذر ماننا یا اللہ کے حرام کیے ہوئے اعمال کو حلال سمجھنا یا جو واجب کیا ہے اس کا انکار کرنا مثلاً یہ کہنا اور سمجھنا کہ نماز فرض نہیں ہے، روزہ واجب نہیں ہے، طاقت ہونے کے باوجود حج واجب نہیں ہے، زکوٰۃ فرض نہیں ہے یا اس قسم کے اور عمل، ان کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے وغیرہ تو سب باتیں کفر اکبر اور شرک اکبر ہیں کیونکہ ان میں اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب ہے۔

اور ایسے ہی اگر کوئی اللہ کے حرام کردہ کو حلال جانے جبکہ ان کا حرام ہونا دین میں معروف اور واضح ہو مثلاً زنا، شراب، ماں باپ کی نافرمانی، لوٹ مار، اغلام بازی یا سؤر وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان کا دین میں حرام ہونا

بالکل واضح ہے، نصوص شرعیہ اور اجماع امت سے ثابت ہے تو اگر کوئی ان کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے گا تو اس کے کافر ہونے پر سب علماء کا اجماع ہے اور اس کا حکم شرک اکبر کے مرتکب مشرکین جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی کیفیت سے محفوظ رکھے۔

اسی طرح جو شخص دین کا مذاق اڑائے، اس کے کسی حکم کا ٹھٹھا کرے تو وہ بھی کفر اکبر کا مرتکب ہوتا ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُ وْنَo لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْo﴾ (التوبہ: ۹/ ٦٥-٦٦)

''آپ ان منافقین سے کہہ دیجیے کیا بھلا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو؟ کسی عذر معذرت کی ضرورت نہیں، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔''

ایسے ہی اگر کوئی چیز کی تحقیر کرے جسے اللہ نے معظم قرار دیا ہے، اور اسے معمولی جانے تو یہ بھی کفر ہے مثلاً قرآن مجید کی اہانت کرنا، اس پر پیشاب کرنا، اس پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا وغیرہ۔ جب یہ عمل اس کی اہانت و تحقیر سے ہوں تو بالاجماع کفر ہے کیونکہ اس طرح وہ انسان اللہ عزوجل کی تحقیر و اہانت کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے تو جو اس کی اہانت کرے اس نے اللہ کی اہانت کی۔

یہ مسائل علمائے کرام نے اپنی کتب فقہ میں ''باب حکم المرتد'' میں درج کیے ہیں۔ معروف چاروں مذاہب کی کتب میں حکم المرتد موجود ہے اور اس میں انہوں نے وضاحت کے ساتھ کفر اور گمراہی کی تمام نوعیات کا بیان کیا ہے، اور ان کتب کے یہ حصے انتہائی توجہ اور اہتمام کے ساتھ مطالعہ کے لائق ہیں بالخصوص اس دور میں جب کہ ارتداد کی کئی صورتیں سامنے آئی ہیں، اور بہت سے لوگوں کے لیے یہ مسائل خلط ملط ہوئے جاتے ہیں۔ جو شخص ان ابواب کا دقت نظر سے مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ کن کن صورتوں سے عہد اسلام ٹوٹ جاتا ہے، اور کن کن باتوں سے ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے اور کفر و ضلالت کی کیا کیا انواع ہیں۔

دوسری قسم، شرك اصغر:...... وہ اعمال ہیں جنہیں احادیث میں شرک کہا گیا ہے مگر یہ شرک اکبر کے درجہ کو نہیں پہنچتے، اسی لیے ان کو شرک اصغر کہتے ہیں مثلاً ریاء (دکھلاوا کرنا) اور شہرہ (لوگوں میں شہرت کے لیے کوئی کام کرنا)۔ مثلاً اگر کوئی لوگوں کو دکھلانے اور شہرت کے لیے قرآن پڑھے، دکھلاوے کی نماز پڑھے، یا دکھلاوے کے لیے دعوت و تبلیغ کا کام کرے وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''مجھے تم لوگوں پر سب سے زیادہ جس چیز کا اندیشہ ہے وہ شرک اصغر ہے۔'' آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''وہ ریا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسے دکھلاوے کے عمل کرنے والوں سے کہے گا: ''ان کی طرف جاؤ جن کو

دکھلانے کے لیے تم عمل کیا کرتے تھے، جاؤ دیکھو کیا بھلا تمہیں ان کے ہاں سے کوئی بدلہ ملتا ہے؟"❶ یہ حدیث امام رحمہ اللہ نے صحیح سند سے حضرت محمود بن لبید اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور امام طبرانی، بیہقی اور دوسرے محدثین نے جناب محمود رضی اللہ عنہ سے بطور مرسل روایت نقل کی ہے اور جناب محمود رضی اللہ عنہ صغیر صحابی ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست نہیں سنا ہے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرسلات صحیح اور اہل علم کے ہاں حجت ہوتی ہیں اور بعض محدثین نے ان کے صحیح ہونے پر اجماع بیان کیا ہے۔

بعض اوقات لوگوں کی زبان پر اس طرح کے جملے آ جاتے ہیں "جو اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا، یا اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتا، یا یہ چیز اللہ کی طرف سے ہے اور فلاں کی طرف سے" وغیرہ، یہ سب شرک اصغر میں شمار ہوتے ہیں۔ سنن ابی داود میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یوں مت کہا کرو کہ جو چاہا اللہ نے اور فلاں نے بلکہ یوں کہا کرو جو چاہا اللہ نے پھر فلاں نے۔"❷

اور اسی معنیٰ میں وہ حدیث بھی ہے جو سنن نسائی میں ہے کہ جناب قتیلہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "یہودیوں نے صحابہ کرام سے کہا کہ تم بھی تو شرک کرتے ہو، یوں بولتے ہو: جو چاہا اللہ نے اور محمد نے، اور کہتے ہو: قسم ہے کعبہ کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ جب قسم اٹھانی ہو تو یوں کہا کریں: "قسم ہے ربّ کعبہ کی، اور یوں بولا کریں: جو چاہا اللہ نے پھر محمد نے۔"❸

نسائی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے "ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو اللہ نے چاہا اور آپ چاہیں، تو آپ نے فرمایا: "کیا تو نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا ہے؟ جو چاہا ایک اکیلے اللہ نے۔"❹

اور اسی سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت بھی ہے جو آیت کریمہ

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲)

"پس نہ بناؤ اللہ کے شریک جبکہ تم جانتے بھی ہو۔"

کی تفسیر میں وارد ہے۔ فرمایا اس سے مراد وہ شرک ہے جو اس امت میں پایا جائے گا جو کسی سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی کی چال سے بھی مدھم اور خفیف ہو اور وہ یوں ہے کہ تو کہے: قسم اللہ کی اور تیری زندگی کی۔ ارے

---

❶ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٤٢٨، حدیث ٢٣٦٨٠ المعجم الکبیر: ٤/ ٢٥٣، حدیث ٤٣٠٢.

❷ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب لا یقال خبثت نفسی، حدیث ٤٩٨٠ سنن الکبری للبیھقی: ٣/ ٢١٦ حدیث ٥٦٠١ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٣٨٤ حدیث ٢٣٣١٣.

❸ سنن النسائی: کتاب الایمان والنذور، باب الحلف بالکعبة، حدیث ٣٧٧٣ صحیح.

❹ المعجم الکبیر للطبرانی: ١٢/ ٢٤٤، حدیث ١٣٠٣٨، ١٣٠٣٩ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٨٣، حدیث: ٢٥٦١.

فلاں! قسم ہے میری زندگی کی۔ یا یوں کہے: اگر ہماری یہ کتیا نہ ہوتی تو چور آ گئے ہوتے۔ یا اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو چوروں نے لوٹ لیا ہوتا۔ یا کوئی یوں کہے: جو چاہا اللہ نے اور تو نے۔ یا اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں۔ اس قسم کی گفتگو میں فلاں کا ذکر نہیں ہونا چاہیے، یہ سب اللہ کے ساتھ شریک بنانے والی بات ہے۔''❶ یہ اور اس قسم کی باتیں شرک اصغر میں سے ہیں۔

ایسے ہی غیر اللہ کی قسم اٹھانا مثلاً کعبہ کی قسم، انبیاء کی قسم، امانت کی قسم، فلاں کی زندگی کی قسم، فلاں کی شرافت یا عظمت کی قسم وغیرہ شرک اصغر ہیں۔ مسند میں سند صحیح سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، فرمایا کہ: ''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔''❷ امام احمد، ابوداود اور ترمذی نے بسند صحیح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا''❸ ...... اس روایت میں لفظ أو (یعنی یا) ممکن ہے راوی کا شک ہو یا بمعنی و ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ ''اس نے کفر کیا اور شرک کیا۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی قسم اٹھانا چاہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کے نام سے قسم اٹھائے ورنہ خاموش رہے۔''❹ اور اس معنیٰ کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔

یہ سب صورتیں شرک اصغر کی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ایسی بات بولنے والے کے دل میں اگر کھوٹ ہو تو یہ شرک اکبر ہو۔ مثلاً اگر کسی کے دل میں یہ بات ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا شیخ بدوی یا شیخ فلاں تصرف میں اللہ کی طرح ہے، یا اسے بھی اللہ کے ساتھ پکارا جا سکتا ہے یا اس کا بھی اس کائنات میں کوئی عمل دخل ہے تو اس عقیدے کی بنا پر یہ باتیں شرک اکبر ہوں گی۔ لیکن اگر کسی کا عقیدہ اس طرح کا نہ ہو اور بلا ارادہ اس کی زبان پر اس طرح کے کوئی جملے آ جائیں کیونکہ پہلے لوگ اس طرح سے بولا کرتے تھے تو یہ شرک اصغر ہوگا۔

شرک کی ایک اور قسم بھی ہے یعنی شرک خفی۔ بعض علماء نے اسے تیسری قسم شمار کیا ہے، اور وہ اس کی دلیل میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کیا کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی بڑھ کر اندیشہ ہے؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! فرمایا

❶ اسے ابن ابی حاتم نے بسند حسن روایت کیا ہے دیکھیے: تفسیر ابن ابی حاتم، ۱/ ۵۸.

❷ مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۴۷، حدیث ۳۲۹، اسنادہ صحیح علی شرط البخاری.

❸ سنن ترمذی، کتاب النذور و الایمان باب کراھیة الحلف بغیر اللہ، حدیث ۱۵۳۵، صحیح المستدرک للحاکم: ۴/ ۳۳۰ حدیث ۷۸۱۴، صحیح علی شرط الشیخین۔ مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۱۲۵ حدیث ۶۰۷۲.

❹ صحیح بخاری، کتاب القدر، باب لا تحلفوا بآبائکم، حدیث ۶۲۷۰۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ، حدیث ۱۴۶۴.

وہ مخفی شرک ہے، یوں کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور کوئی اسے دیکھ رہا ہو تو وہ اس وجہ سے اپنی نماز کو مزین اور خوبصورت بنا دے۔'' ❶

اور صحیح یہ ہے کہ یہ تیسری قسم نہیں ہے بلکہ شرک اصغر ہی میں سے ہے اور اسے خفی یا مخفی اس لیے کہا گیا ہے کہ اس قسم کی باتیں دل میں آتی ہیں جیسے کہ اس حدیث میں آیا ہے یا کوئی قرأت میں دکھلاوا کرے یا وعظ و تبلیغ میں دکھلاوا کرے یا شہرت وغیرہ کے لیے جہاد کرے، وغیرہ۔

یا اسے خفی اور مخفی اس لیے کہہ دیا گیا کہ بعض لوگوں کے لیے یہ مسائل واضح نہیں ہوتے اور وہ ان کے حکم کے مخفی ہونے کی بنا پر ان کے مرتکب ہو جاتے ہیں، جیسے کہ پیچھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں گزرا ہے۔

یا اس طرح سے بھی یہ قسم خفی اور مخفی ہو سکتی ہے حالانکہ یہ شرک اکبر ہے جیسے کہ منافقین کا حال تھا کہ وہ اپنے اعمال محض دکھلاوے کے لیے کرتے تھے اور دلوں میں کفر چھپائے ہوئے تھے اور اسے ظاہر نہ کرتے تھے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًاo مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ (النساء : ٤/ ١٤٢-١٤٣)

''بلاشبہ منافق اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش میں ہیں اور وہ اللہ انہیں ان کے دھوکے کا بدلہ دے گا، یہ لوگ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی سستی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے لیے دکھلاوا کرتے ہیں، اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر تھوڑا، ان دونوں کے درمیان ڈگمگا رہے ہیں نہ ان کی طرف ہیں اور نہ اُن کی طرف۔''

ان لوگوں کے کفر اور ریا کے متعلق بے شمار آیات آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس صورت حال سے محفوظ رکھے۔ اس تفصیل سے جو بیان ہوئی، معلوم ہوا کہ شرک خفی سابقہ دو قسموں سے خارج نہیں ہے۔ یا تو شرک اکبر ہے یا شرک اصغر، اگرچہ اسے خفی یا مخفی کہہ دیا گیا ہے۔ اس طرح شرک کی دو قسمیں ہوئیں: شرک جلی (واضح) اور شرک خفی۔

شرک جلی:...... مثلاً مردوں کو پکارنا، ان سے مدد چاہنا اور ان کے نام کی نذریں ماننا وغیرہ۔

شرک خفی:...... جیسے کہ منافقوں کے دلوں میں ہوتا ہے کہ بظاہر تو لوگوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں حالانکہ باطن میں کافر ہوتے ہیں، بتوں کی پوجا کو جائز سمجھتے ہیں اور حقیقت میں یہ لوگ مشرکین کے دین ہی پر ہوتے ہیں تو یہ شرک خفی ہے مگر اکبر ہے، کیونکہ دلوں کے اندر کفر چھپا ہوتا ہے، اور شرک

---

❶ مسند احمد بن حنبل : ٣/ ٣٠ حدیث ١١٢٧٠۔ ضعیف۔

خفی اس طرح ہے جیسے کوئی اپنی قرآت سے لوگوں کی مدح چاہے یا نماز یا روزے وغیرہ سے، تو یہ شرک خفی ہے مگر اصغر ہے۔

الغرض شرک کی دو ہی قسمیں ہیں: شرک اکبر و اصغر۔ مگر بعض اوقات یہ خفی ہوتا ہے جیسے کہ منافقین ہوتے ہیں۔ ان کا شرک اکبر، خفی ہوتا ہے۔ یا عام مسلمان کہ ان سے نماز، دعا، صدقہ یا تبلیغ وغیرہ میں کوئی ریا وغیرہ ہوجاتا ہے تو ان کا یہ عمل شرک اصغر ہوتا ہے۔

بہرحال ہر صاحب ایمان پر واجب ہے کہ شرک سے ہر اعتبار سے دور رہے بالخصوص شرک اکبر سے۔ کیونکہ یہی وہ سب سے بڑا گناہ ہے جس سے اللہ عزوجل کی نافرمانی ہوتی ہے اور مخلوق کی ایک بڑی تعداد اس میں ملوث ہے اور یہی وہ عمل ہے جس کے متعلق اللہ نے اپنے اولوالعزم پیغمبروں کے بارے میں فرمادیا ہے کہ:

﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الانعام: ٦/ ٨٨)

''اگر بالفرض یہ حضرات شرک کرتے تو جو یہ عمل کرتے رہے سب اکارت جاتے۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ (المائدہ: ٥/ ٧٢)

''بلاشبہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اس کے لیے جنت کو حرام قرار دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: ٤/ ١١٦)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔''

تو جو شخص شرک پر مرا وہ یقیناً دوزخی ہے، اور جنت اس پر حرام ہے اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے آگ میں جلے گا۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔ اور شرک اصغر...... یہ بھی کبیرہ گناہ ہے اور اس کا مرتکب انتہائی خطرناک صورت حال سے دوچار ہے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ اس کی نیکیاں زیادہ ہوں تو اسے معاف کردیا جائے، یا کچھ سزا دی جائے اور پھر معاف کردیا جائے۔ مگر ایسا آدمی نہ کفار کی طرح ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں پیش رہے گا اور نہ یہ عمل خلود فی النار کو لازم ہے اور نہ اس سے تمام نیکیاں ضائع اور باطل ہوتی ہیں بلکہ صرف وہی عمل ضائع ہوتا ہے جس میں یہ شرک اصغر ہوا ہو۔ مثلاً وہ نماز جس میں ریاکاری ہوئی وہی ضائع ہوگی اور اس کا مرتکب گناہ گار ہوگا۔ یا وہ قرآت جس میں ریاکاری ہوئی وہ ضائع ہوگی، اس کا اسے کوئی اجر نہیں ملے گا بلکہ گناہ ہوگا۔ بخلاف شرک اکبر کے یا کفر اکبر کے کہ ان سے تمام کے تمام اعمال ضائع اور باطل ہوجاتے ہیں جیسے کہ فرمایا:

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الانعام : ٦/ ٨٨)

''اگر یہ انبیاء و رسل بھی بالفرض شرک کرتے تو ان کے کیے سب اعمال اکارت جاتے۔''

تمام مردوں، عورتوں، علماء، طلبہ بلکہ ہر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس مسئلے کو خوب اچھی طرح سمجھے اور اس میں بصیرت حاصل کرے، توحید اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہو، شرک اور اس کی اقسام اکبر اور اصغر سے بخوبی واقف ہو، اگر کسی سے اس قسم کی کوئی تقصیر ہوتی رہی ہے تو اس سے سچی توبہ کرے اور توحید کا دامن تھامے، اس پر ثابت قدم رہے، اور اللہ کی اطاعت میں زندگی گزارے، اس کے حقوق میں کوئی کمی نہ آنے دے۔ توحید کے بھی حقوق ہیں یعنی فرائض کی بجا آوری اور ممنوعات سے دور رہنا، اس کے بغیر توحید کامل نہیں ہو سکتی اور اس کے ساتھ ساتھ شرک سے بچنا بھی واجب ہے خواہ اصغر ہو یا اکبر۔

شرک اکبر تو سراسر توحید کی ضد ہے بلکہ اسلام ہی کے منافی ہے اور شرک اصغر کمال توحید کے منافی ہے جبکہ توحید میں کمال کو پہنچنا بھی واجب ہے۔ ہم سب پر واجب ہے کہ اس مسئلہ کو خوب سمجھیں اور اس میں بصیرت حاصل کریں اور بڑے اہتمام اور تفصیل کے ساتھ اسے لوگوں تک پہنچائیں تاکہ سب مسلمان ان مسائل میں واضح دلائل پر ہوں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: وہ لوگ جن میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے تھے، ان کا شرک کیا تھا؟

جواب: وہ لوگ جن میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے تھے وہ مشرک تھے مگر ان کا شرک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں نہ تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صرف عبادت میں شرک کرتے تھے۔ ربوبیت کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اکیلا ہی رب ہے (یعنی اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور اس کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے) اور وہی مجبوروں کی دعائیں سنتا ہے اور مشکلات بھی وہی ٹالتا ہے وغیرہ، ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق اللہ نے بیان کیا ہے کہ وہ ان کے اقراری تھے۔

مگر مشرکین مکہ اللہ کی عبادت میں شرک کرتے تھے، اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اور یہی وہ شرک ہے جو انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ جبکہ توحید اپنے الفاظ ہی سے اپنے معنی واضح کر رہی ہے یعنی کسی چیز کو ایک تسلیم کرنا یا اسے ایک بنانا۔ اور اللہ عزوجل کے کئی حقوق ہیں جن میں وہ اکیلا اور منفرد ہے اور کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں۔ ان حقوق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ حقوق ملکیت ۲۔ حقوق عبادت ۳۔ اور حقوق اسماء وصفات

اسی بنیاد پر علماء نے توحید کی تین قسمیں بتلائی ہیں: توحید ربوبیت، توحید الاسماء والصفات اور توحید عبادت۔

توحید ربوبیت: یہ ہے کہ انسان عقیدہ رکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کائنات کے پیدا کرنے، اس کا مالک ہونے، اس میں حکم چلانے وغیرہ میں ایک اکیلا ہے۔ جیسے کہ اس نے فرمایا:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ (الاعراف : ۷/ ۵٤)

’’خبردار! اسی نے پیدا کیا ہے (یا اسی کی ہے خلقت) اور حکم بھی اسی کا ہے۔‘‘

خلق و أمر سے مراد تدبیر و انتظام ہے، جسے کہ رب ہونا کہتے ہیں۔ یہ صرف اور صرف اللہ عزوجل ہی کی خصوصیت ہے۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی خالق نہیں، نہ کوئی مالک ہے نہ کوئی مدبر اور انتظام سنبھالنے والا ہے۔

توحید الاسماء والصفات: یہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنے ناموں میں جو اس نے رکھے ہیں اور اپنی صفات میں یکتا و یگانہ ہے۔ بندے پر فرض ہے کہ قرآن کریم میں اور احادیث نبویہ میں اللہ عزوجل کے جو جو نام اور جو جو صفات بیان ہوئی ہیں ان پر ایمان رکھے اور انہیں ویسے ہی تسلیم کرے جو اللہ اور اس کے رسول نے ارادہ فرمایا ہے، بغیر اس کے کہ ان میں اس کا کوئی مثیل ہو۔ اگر اس کا کوئی مثل و مثیل مانا گیا تو یہ شرک ہو گا۔

توحید عبادت: یہ ہے کہ عبادت صرف اور صرف ایک اللہ عزوجل کی کی جائے اور اطاعت خالص اسی ایک کی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ﴾ (الزمر : ۳۹/ ۱۱)

’’کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ عبادت اللہ کی کروں، خالص کروں اس کی اطاعت۔‘‘

مشرکینِ عرب اللہ کی عبادت میں شرک کرتے تھے وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے تھے اور اللہ نے فرمایا:

﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا﴾ (النساء : ٤/ ۳٦)

’’عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کچھ۔‘‘

یعنی اللہ کی عبادت میں اس کا کوئی شریک نہ بناؤ۔ اور فرمایا ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (المائدہ : ۵/ ۷۲)

’’بلاشبہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ نے اس کے لیے جنت کو حرام ٹھہرایا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی حمایتی نہیں ہے۔‘‘

اور فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (النساء : ٤/ ٤۸)

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ کو جسے چاہے گا بخش دے گا۔‘‘

اور فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ (المؤمن: ٤٠/ ٦٠)

''اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھے ہی پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں گریں گے۔''

اور سورۃ الاخلاص (الکافرون) میں فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ○﴾

(الکافرون: ١٠٩/ ١-٦)

''کہہ دیجیے اے کافرو! نہیں عبادت کرتا ہوں میں ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہیں ہوں میں عبادت کرنے والا اس کی جس کی تم کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہاری راہ ہے اور میرے لیے میری راہ۔''

میں نے اس سورۂ مبارکہ کا نام الاخلاص ذکر کیا ہے اگرچہ معروف نام الکافرون ہے، کیونکہ اس میں اخلاص عمل کا بیان ہے جیسے کہ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' میں اخلاص عمل اور عقیدہ کا بیان ہے۔ واللہ الموفق۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا غیر اللہ سے محبت کرنا جائز ہے؟ میرا معاملہ یہ ہے کہ میں اپنے سکول میں اپنی معلّمہ سے بہت متاثر ہوں، میں پر امید ہوں کہ آپ مجھے مایوس نہیں فرمائیں گے۔ (ایک طالبہ)

جواب: اگر تمہاری استانی ایمان دار خاتون ہے تو تمہیں چاہیے کہ اس کے ساتھ اللہ کے لیے محبت کرو۔ اگر وہ ایمان دار نہیں ہے تو پھر ہرگز اس کے ساتھ محبت نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ کے دشمنوں، کفار اور منافقوں کے ساتھ محبت نہیں رکھی جا سکتی۔ محبت و مودت صرف اہل ایمان کا حق ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ٤٩/ ١٠)

''مومن ہی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾

(المائدہ: ٥/ ٥١)

"اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنے دوست مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"
یعنی تمہیں جائز نہیں ہے کہ ان سے محبت رکھو یا ان کی حمایت کرو یا ان کی مدد کرو یا ان کا دفاع کرو یا ان کی مدح وتوصیف کرو۔

﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (المائده: ٥/ ٥١)

"وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔تم میں سے جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہ انہی میں سے ہوا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔"

یہ سب آیات اس معنیٰ میں ہیں، آگے فرمایا:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ٥ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ٥﴾ (المائدة: ٥/ ٥٥-٥٦)

"تمہارا دوست تو بس اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور رکوع (عاجزی) کرنے والے ہیں۔ اور جس نے اللہ سے دوستی کی اور اس کے رسول سے اور ان سے جو ایمان لائے تو بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب لوگ ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾

(الممتحنة: ٦٠/ ١)

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو، تم محبت سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ انکاری ہیں اس حق سے جو تمہارے پاس آچکا ہے، وہ لوگ رسول کو اور تمہیں محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے، ایمان لائے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضامندی کی تلاش میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کی طرف پوشیدہ پوشیدہ محبت کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جو بھی یہ کام کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا۔"

اور فرمایا:

﴿هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۱۹)

''ہاں یہ تم ہی ہو جو ان (منافقین) کو چاہتے ہو، وہ تو تم سے کوئی محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے تو پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصے کے انگلیاں چباتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ﴾ (المجادلہ: ۵۸/ ۲۲)

''آپ کسی قوم کو نہیں پائیں گے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ ان لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، خواہ وہ ان کے آباء ہوں یا بیٹے یا بھائی یا خویش قبیلے والے۔''

تو ایک صاحب ایمان پر فرض ہے کہ اللہ کے اولیاء اور اس سے محبت کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھے اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھے۔ اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے غصہ اور ناراضی کا یہی مفہوم ہے اور یہ ایمان کا مضبوط ترین کنڈا ہے، دین اور عقیدے کا بنیادی اصول ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا لازمی تقاضا ہے اور اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ (الممتحنہ: ۶۰/ ۴)

''بلاشبہ تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ اور اچھی پیروی ہے جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، جب تک تم ایک اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی۔'' اور فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ﴾ (التوبہ: ۹/ ۱۱۴)

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو انہوں

نے اس سے کرلیا تھا، پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق اور بری ہو گئے، بلاشبہ ابراہیم رحم دل اور حلیم الطبع تھے۔"

تو جیسے ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ شرک سے بری اور بیزار رہے اسی طرح اس پر یہ بھی لازم ہے کہ مشرکین، کفار اور ملحدین سے بری اور بیزار رہے اور صرف اہل ایمان اور اہل اطاعت سے محبت رکھے اگرچہ وہ نسب اور وطن کے لحاظ سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں اور کفار سے دشمنی رکھے خواہ وہ نسب اور وطن کے لحاظ سے کتنے ہی قریب کیوں نہ ہوں۔ اور یہی حقیقت ہے الولاء والبراء کی۔ یعنی اللہ کے لیے اہل ایمان سے دوستی اور اللہ کے لیے کفار ومشرکین سے براءت و بیزاری۔ (صالح بن فوزان)

سوال: غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا کیسا ہے؟ کیا ایسا گوشت کھایا جا سکتا ہے؟

جواب: غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے، کیونکہ ذبح (اور قربانی) کرنا ایک عبادت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر: ۱۰۸/ ۲)

"اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔"

اور فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الانعام: ۶/ ۱۶۲-۱۶۳)

"کہیے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے قبول کرنے والا ہوں۔"

الغرض جو شخص غیر اللہ کیے لیے ذبح کرے وہ مشرک ہو جاتا ہے، اور شرک بھی ایسا جو انسان کو ملت اسلام سے نکال دیتا ہے۔ یہ ذبح کسی فرشتے کے نام سے ہو یا کسی رسول یا نبی کے نام سے یا کسی خلیفہ، ولی یا عالم کے نام سے۔ یہ عمل اللہ کے ساتھ شریک بنانا ہے جس سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ تو ہر انسان کو چاہیے کہ اپنے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے اور کسی طرح کے شرک میں مبتلا نہ ہو، جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (المائدہ: ۵/ ۷۲)

"بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی مددگار نہیں۔"

اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، کیونکہ ان پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہوتا ہے یا جو تھانوں اور آستانوں پر ذبح کیے گئے ہوتے ہیں جیسے کہ سورۃ المائدہ میں اس کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (المائدہ : ۵/ ۳)

''حرام کیا گیا ہے تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی چوٹ سے مرا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی ٹکر سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن جسے تم ذبح کرلو (تو حرام نہیں) اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔''

تو یہ سب ذبیحے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں حرام ہیں، ان کا کھانا حلال نہیں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا کیسا ہے اور قرآن کریم کی قسم کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ عزوجل کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا، یا اللہ کی صفتوں کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا شرک کی ایک قسم ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''اپنے باپوں کی قسمیں نہ کھایا کرو، جس نے قسم کھانی ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔''[1] اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا''[2] (اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن کہا اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی اسے چاہیے کہ لا الٰہ الا اللہ کہے۔''[3] اور اس میں اشارہ ہے کہ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا شرک ہے، جس کی صفائی کلمہ اخلاص لا الٰہ الا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب القدر، باب لا تحلفوا بآبائکم، حدیث ۶۲۷۰۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ، حدیث ۱۶۴۶۔ مسند احمد بن حنبل : ۲/ ۷، حدیث ۴۵۲۳ اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

[2] سنن ترمذی، کتاب النذور والایمان، باب کراھیۃ الحلف بغیر اللہ، حدیث ۱۵۳۵، صحیح المستدرك للحاکم، ۴/ ۳۳۰، حدیث ۷۸۱۴، صحیح علی شرط الشیخین۔ مسند احمد بن حنبل، ۲/ ۱۲۵، حدیث : ۶۰۷۲.

[3] صحیح بخاری، کتا ب التفسیر، سورۃ النجم، حدیث ۴۵۷۹۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من حلف باللات والعزیٰ..... حدیث ۱۶۴۷۔ مسند احمد بن حنبل : ۱/ ۱۸۳، حدیث ۱۵۹۰.

اللہ کہنے ہی سے ہوسکتی ہے۔

الغرض مسلمان کے لیے حرام ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام کی قسم اٹھائے۔ نہ کعبہ کی، نہ نبی کی، نہ جبرئیل کی، نہ کسی جن کی، نہ کسی خلیفہ کی، نہ کسی شرف، قومیت یا وطن کی، ان قسم کی سب قسمیں حرام اور کفر وشرک کی قسم سے ہیں۔

البتہ قرآن کریم کی قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔ اللہ عزوجل نے اس کے الفاظ فی الحقیقت بولے ہیں اور ان کے معانی مراد لیے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کلام کرنے اور بولنے سے موصوف ہے (یعنی اس طرح جو اس کی والا شان کو لائق ہے) تو قرآن کریم کی قسم اٹھانے والا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت سے قسم اٹھاتا ہے اور جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

نبی ﷺ کے نام کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے

سوال: کچھ لوگ نبی ﷺ کے نام کی قسم اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں: قسم ہے نبی کی اور تیری زندگی کی...... تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

جواب: کسی چیز کی قسم اٹھانا اس کی تعظیم اور عبادت کے معنیٰ میں ہے۔ اس لیے اللہ عزوجل کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔'' [1] اور فرمایا: ''اپنے باپ دادوں کی قسمیں مت اٹھایا کرو، جس نے قسم اٹھانی ہو، اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے۔'' [2] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: ''مجھے اللہ کے نام سے جھوٹی قسم اٹھا لینا زیادہ پسند ہے اس سے کہ غیر اللہ کے نام سے کوئی سچی قسم اٹھاؤں۔'' [3] انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ جھوٹ کا گناہ، شرک جیسے جھوٹ کے مقابلے میں ہلکا ہے۔ غیر اللہ کے نام سے سچی قسم اٹھانا شرک ہے، اور اللہ کے نام سے جھوٹی قسم ایک گناہ ہے اور جھوٹ۔ شرک کی برائی، جھوٹ بولنے کی برائی سے بہت بڑی ہے اس لیے جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''مجھے اللہ کے نام کی جھوٹی قسم اٹھا لینا پسند ہے بجائے اس کے کہ غیر اللہ کے نام کی کوئی سچی قسم اٹھاؤں۔''

---

[1] سنن ترمذی، کتاب النذوروالایمان، باب کراھیة الحلف بغیر اللہ، حدیث ۱۵۳۵ (صحیح)۔ المستدرك للحاکم: ٤/ ٣٣٠، حدیث ٧٨١٤ صحیح علی شرط الشیخین۔ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ١٢٥، حدیث ٦٠٧٢.

[2] صحیح بخاری، کتاب القدر، باب لاتحلفوا بآبائکم، حدیث ٦٢٧٠۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ، حدیث ١٦٤٦۔ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٧، حدیث ٤٥٢٣، اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

[3] المعجم الکبیر للطبرانی: ٩/ ١٨٣، حدیث ٨٩٢١.

غیر اللہ کے نام کی قسم حرام ہے اور شرک۔ مگر یہ شرک اصغر ہے۔ اگر یہ قسم اٹھانے والا اس کی، جس کی یہ قسم اٹھا رہا ہو اسی طرح اور اتنی ہی تعظیم کرتا ہو جتنی کہ اللہ عزوجل کی تعظیم ہے جیسے کہ آج کل قبر پرستوں کا حال ہے کہ قبروں والوں کی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھا لیتے ہیں اور ان کی ویسی ہی تعظیم کرتے ہیں جیسے کہ اللہ کی تعظیم ہوتی ہے، ان سے دعائیں کرتے ہیں، ان سے امیدیں رکھتے ہیں، ان سے ڈرتے ہیں جیسے کہ اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، تو یہ شرک اکبر بن جاتی ہے۔ اصل میں یہ مسئلہ قسم اٹھانے والے کی دلی کیفیت اور اس کے مقصد اور نیت سے تعلق رکھتا ہے۔ بہرحال ہے یہ شرک۔ شرک اکبر بنے یا شرک اصغر۔ یہ عمل انتہائی خطرناک ہے، بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر کسی مسلمان سے ایسی کوئی بات ہوگئی ہو تو اسے فوراً اللہ کے سامنے توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ کے لیے قسم اٹھانی ہو تو صرف اللہ کے نام کی قسم اٹھائے، نہ کہ کسی نبی کی یا امانت (یا ایمان) کی، نہ کعبہ کی، نہ کسی کی زندگی کی اور نہ کسی کے حق وغیرہ کی۔ کیونکہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس سے ایمان میں کمی ہوتی اور عقیدے میں خرابی آ جاتی ہے۔

اور جب کوئی کسی کو سنے کہ وہ غیر اللہ کے نام سے قسم اٹھا رہا ہے تو چاہیے کہ اسے سمجھائے اور نصیحت کرے اور اسے بتائے کہ یہ کام شرک ہے اور اس طرح کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان اس مسئلہ سے آگاہ ہو جائیں کہ یہ کام گناہ ہے اور پھر اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اور اس کے بہت سے گناہ لوگوں کی غفلت کی وجہ سے پھیل رہے ہیں اور انہیں بتایا نہیں جاتا اور مسائل کی وضاحت نہیں کی جاتی، پھر یہ بری عادتیں غالب آ جاتی ہیں اور اگر ان کی تردید نہ کی جائے تو یہ اور پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ (صالح فوزان)

سوال: ریا (دکھلاوے) کا کیا حکم ہے؟

جواب: ریا (دکھلاوا) شرک اصغر ہے۔ کیونکہ انسان اس سے اللہ کی عبادت میں کسی دوسرے کو حصہ دار بنا بیٹھتا ہے اور بعض اوقات یہ عمل شرک اکبر کے درجہ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے شرک اصغر کی مثال میں ''معمولی ریا'' کا ذکر کیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ ریا اگر بہت زیادہ ہو جائے تو شرک اکبر تک بھی پہنچ جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (الكهف: ۱۸/ ۱۱۰)

''کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو، اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ساجھی نہ بنائے۔''

اور عمل صالح وہی ہوتا ہے جو شریعت کے مطابق اور اللہ کے لیے خالص ہو۔ اگر کوئی کام شریعت کے مطابق نہ ہو تو وہ صالح نہیں رہتا بلکہ کرنے والے کے منہ پر دے مارا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہو تو وہ مردود ہے'' ❶ اور فرمایا ''اعمال کی بنیاد نیتوں پر ہے، اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔'' ❷ علماء فرماتے ہیں کہ یہ دونوں احادیث اعمال کے پرکھنے کے لیے میزان اور کسوٹی ہیں۔ نیت والی حدیث باطنی اعمال کی کسوٹی ہے اور دوسری ظاہری اعمال کی۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ انسان کسی عدد اور گنتی کو یا کسی دن یا مہینے وغیرہ کو سعد یا نحس سمجھے......؟

جواب: یہ چیز کسی طرح جائز نہیں ہے بلکہ مشرکین اور اہل جاہلیت کے لوگوں کی عادات میں سے ہے جن کی تردید و ابطال کے لیے دین اسلام آیا ہے۔ شریعت میں ان اعمال کے حرام ہونے کی صراحت آئی ہے، بلکہ یہ شرک ہے اور ان چیزوں کا کسی نفع کے حاصل ہونے یا نقصان سے بچاؤ میں قطعاً کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کے علاوہ کہیں کوئی عطا کرنے والا، روک لینے والا، نفع دینے والا یا نقصان پہنچانے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾

(یونس: ۱۰/ ۱۰۷)

''اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے تو اسے دور کرنے والا بھی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر ساری امت والے اس بات پر اتفاق کرلیں کہ تجھے کچھ فائدہ دینا ہے، تو وہ سب مل کر تجھے کوئی فائدہ نہ دے سکیں گے مگر اتنا ہی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ سب اس بات پر اتفاق کرلیں کہ تیرا کچھ نقصان کرنا ہے تو وہ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے مگر اتنا ہی جو اللہ نے تیرے خلاف لکھ دیا ہے، قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔'' ❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''(بیماری کا) کوئی متعدی ہونا نہیں، کوئی بدفالی

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح......، حدیث۲۵۵۰۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة......، حدیث: ۱۷۱۸۔ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ۱۸۰ حدیث۲۵۵۱۱.

❷ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث: ۱۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب قوله إنما الأعمال بالنية، حدیث: ۱۹۰۷.

❸ سنن ترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، باب صفة اوانی الحوض، باب منه، حدیث۲۵۱٦۔ صحیح۔ مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۹۳ حدیث: ۲٦٦۹ واسناده قوی.

نہیں، کوئی اُلو نہیں ❶ اور نہ کوئی صفر ہے" ❷ اور ایک روایت میں ہے "کوئی ستارہ نہیں، کوئی بصوت نہیں۔" ❸ صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام نے ان سب چیزوں کی نفی کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کا کوئی وجود نہیں، نہ کوئی تاثیر ہے۔ بلکہ یہ دلوں میں آنے والے وہم اور فاسد خیالات ہیں۔ "کوئی صفر نہیں" میں آپ نے واضح فرمایا کہ اہل جاہلیت جو صفر کے مہینہ کو نجس سمجھتے تھے اور یہ کہ اس میں مصائب اور مشکلات ہوتی ہیں، یہ سب غلط اور باطل ہے۔ آپ نے بتایا کہ یہ بھی دیگر مہینوں کی طرح کا ایک مہینہ ہے۔ کسی نفع کے حاصل ہونے یا دکھ تکلیف کے ٹلنے ٹالنے میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ یہی حال راتوں اور دنوں کا ہے اور سب گھڑیاں اور ساعتیں ایک سی ہیں۔ اہل جاہلیت بدھ کے دن کو نحس سمجھتے تھے اور ماہ شوال کو برا خیال کرتے تھے بالخصوص اس میں نکاح کرنا بہت بھاری سمجھتے تھے۔ اس بارے میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ماہ شوال میں شادی کی تھی، بھلا مجھ سے بڑھ کر بھی کسی کو آپ کے ہاں مقام و مرتبہ ملا ہے؟" ❹

ان اعداد اور ایام وغیرہ کو منحوس جاننا ایسے ہی جیسے کہ رافضی لوگ دس کے عدد کو نحس سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں صحابہ رسول میں سے جنت کی بشارت دیئے گئے "عشرہ مبشرہ" سے بغض و عداوت ہے، یہ سراسر ان کی جہالت اور کم عقلی دلیل ہے اور اس مسئلے کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور یہ کتاب روافض کی تردید میں بڑی جامع ہے۔

ایسے ہی ستارہ پرست اور نجوم کا خبط رکھنے والے لوگوں نے اوقات کو ساعات سعد اور نحس میں تقسیم کر رکھا ہے۔ جبکہ دین اسلام میں ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا حرام بتایا گیا ہے اور یہ جادو کی ایک قسم ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر موجود ہے۔ الغرض یہ سب باتیں جاہلیت کی عادات میں سے ہیں جن کی شریعت نے تردید و نفی کی ہے۔

---

❶ مترجم عرض کرتا ہے کہ "ہامہ" کے ترجمہ میں تفصیل ہے۔ النہایہ ابن اثیر میں ہے کہ "اس کے ایک معنیٰ کھوپڑی کے ہیں اور ایک پرندے کو بھی کہتے ہیں جس سے کہ عرب بدفالی لیتے تھے اور حدیث میں یہی مراد ہے اور سمجھتے تھے یہ رات کو نکلتا ہے۔ کچھ نے اس کا مفہوم "الو" بھی بتایا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عرب کا خیال تھا کہ اگر کسی مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی روح ایک پرندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر وہ پکارتا رہتا ہے، "مجھے پلاؤ مجھے پلاؤ" تو اگر بدلہ لے لیا جائے تو وہ اڑ جاتا ہے۔ کچھ نے کہا کہ میت کی ہڈیاں یا اس کی روح پرندہ بن کر اڑتی رہتی ہے جسے کہ صَدیٰ کہتے تھے۔ اسلام نے ان سب کی تردید کی ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الجذام، حدیث ٥٣٨٠ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لاعدوی ولاطیرة..... حدیث ٢٢٢٠.

❸ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا عدوی ولا طیرة..... حدیث: ٢٢٢٠، ٢٢٢١.

❹ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب التزویج والتزویج فی شوال..... حدیث ١٤٢٣۔ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٥٤ حدیث ٢٤٣١٧، اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''تطیر سے مراد کسی چیز کو دیکھ کر یا اس کی آواز سن کر اس سے بدفال لینا ہے۔ اگر کوئی انسان اس سے متاثر ہو کر اپنے کام سے باز آ گیا مثلاً سفر سے واپس آ جاتا ہے یا جو کام کرنا چاہ رہا تھا چھوڑ دیا تو اس نے شرک کا دروازہ کھٹکھٹایا بلکہ اس میں داخل ہو گیا اور اللہ پر توکل سے بری ہو گیا، اپنے لیے اس نے غیر اللہ سے خوف اور غیر اللہ کے ساتھ تعلق کا دروازہ کھول لیا۔ ایسی بدفالی نے اس کو ''اياك نعبد واياك نستعين'' اور ''فاعبده و توكل عليه'' اور ''عليه توكلتُ وإليه أنيب'' کے مقام سے گرادیا۔ اس کا دل غیر اللہ کی عبادت اور غیر اللہ پر توکل سے معلق ہو گیا۔ اس کا دل، ایمان اور حال سب خراب ہوا۔ بدشگونی کے تیروں کا نشانہ بن گیا جو اب ہر طرف سے اس کی طرف بوچھاڑ کرتے رہیں گے۔ ایک شیطان اس کے لیے مقرر ہو گیا جو اس کی دنیا و دین کو اس کے لیے خراب کرتا رہے گا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو اس طرح سے دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑے ہیں۔ الغرض بدفالی و بدشگونی کے حرام ہونے کے دلائل معروف اور اپنے اپنے مقامات پر موجود ہیں۔ یہاں ہم مذکورۂ بالا کلمات ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔'' (ماخوذ از فتویٰ الاذقیہ، طبع ۱۳۷۵ھ)

(محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

عہد اسلام کو توڑنے اور اسے باطل کرنے والے امور اور یہ دس ہیں

اے مسلمانو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام بندوں پر فرض کیا ہے کہ اسلام قبول کریں، اور اسے مضبوطی سے تھامے رہیں اور ہر اس بات سے دور رہیں جو اس کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی غرض سے مبعوث فرمایا ہے کہ بندوں کو اس کے دین کی دعوت دیں۔ اللہ نے بتایا ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی وہ ہی ہدایت یافتہ ہے اور جس نے آپ سے منہ پھیرا وہ گمراہ ہے۔ علمائے امت نے (باب المرتد میں) بہت سے ایسے امور گنوائے ہیں جن سے آدمی کا اسلام و ایمان باطل ہو جاتا ہے، آدمی دین سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہو جاتا ہے۔ ان میں سے دس امور بہت ہی اہم ہیں جنہیں امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے ذکر کیا ہے۔ درج ذیل سطور میں اختصار سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ اور دوسرے لوگ ان سے محتاط رہیں۔ ان کے آخر میں کچھ توضیحات بھی پیش کی گئی ہیں۔

۱- ان باطل امور میں سب سے پہلے اللہ کی عبادت میں شرک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ٤/ ١٦)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے البتہ اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔''

اور فرمایا:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (المائدہ: ۵/ ۷۲)

''بلاشبہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی حمایتی نہیں۔''

اس ضمن میں یہ بھی ہے کہ مردوں کو پکارنا، ان سے مدد حاصل کرنا، ان کے نام کی نذر دینا اور ان کے نام سے ذبح کرنا بھی شرک کے کام ہیں۔

۲- اگر کوئی اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے وسیلے بنائے کہ ان ہی سے دعائیں کرے، ان سے سفارشوں کا سوالی بنے اور ان ہی پر توکل اور اعتماد کرے تو یہ بھی شرک ہے (جس سے بندے کا اسلام و ایمان باطل ہو جاتا ہے)۔

۳- جو شخص مشرکین کو کافر نہ سمجھے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دے، کافر ہے۔

۴- اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ کسی غیر نبی کا طریقہ نبی ﷺ کے طریقے سے بڑھ کر اور کامل ہے یا اس کا حکم و فیصلہ نبی ﷺ کے حکم اور فیصلے سے بہتر ہے تو ایسا انسان بھی کافر ہے۔ جیسے کہ لوگ اپنے طاغوتوں [1] کے احکام کو اللہ و رسول کے حکم سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

۵- اگر کوئی شخص خواہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کر رہا ہو مگر اسے ناپسندیدہ، مکروہ اور مبغوض سمجھتا ہو تو کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد: ۴۷/ ۹)

''یہ اس لیے ہے کہ ان منافقوں نے اللہ کے نازل کیے کو ناپسند اور مکروہ جانا ہے تو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے ہیں۔''

۶- اگر کوئی دین محمد ﷺ میں سے کسی چیز کا مذاق اڑائے یا کسی ثواب یا عذاب کا ٹھٹھا کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ (التوبہ: ۹/ ۶۵-۶۶)

---

[1] طاغوت/ طاغیہ سے مراد وہ بت اور معبود ہیں جن کی مشرک لوگ عبادت کرتے ہیں اور شیطان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور ہر ایسے شخص پر بھی بولا جاتا ہے جو اپنے کفر اور سرکشی میں حد سے بڑھا ہوا ہو جیسے کہ قوم قبیلے یا ملکوں کے حاکم اور رئیس جو عوام سے اپنی من مانی کرواتے ہیں۔ (النہایہ فی غریب الحدیث)

"کہہ دیجیے کہ بھلا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کرتے ہو، اب کسی عذر معذرت کی ضرورت نہیں، تم لوگ اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

۷- جادو کرنا کرانا، کسی کی محبت میں گرفتار کرنا کرانا یا ان میں دشمنی اور پھوٹ ڈال دینا بھی اسی میں شامل ہے۔ تو جو یہ کام کرے یا اس سے راضی ہو، کافر ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے

﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (البقرہ : ۲/ ۱۰۲)

"اور وہ یہ جادو کسی کو نہ سکھاتے تھے حتیٰ کہ اسے بتا دیتے تھے کہ ہم تو آزمائش ہیں، تو کفر مت کر۔"

۸- مسلمانوں کے برخلاف مشرکوں کی مدد اور ان کا تعاون کرنا، کفر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

(المائدہ : ۵/ ۵۱)

"اور تم میں سے جو ان یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھے، تو وہ ان ہی میں سے ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

۹- اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ کچھ لوگوں کا شریعت محمدیہ ﷺ سے نکل جانا جائز ہے اور انہیں اس کی پابندی کی ضرورت نہیں تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

(آل عمران : ۳/ ۸۵)

"اور جس کسی نے اسلام کے علاوہ اور کوئی دین چاہا، تو اس سے یہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہوگا۔"

۱۰- اللہ کے دین سے بے رخی اختیار کرنا کہ نہ اسے سیکھے اور نہ اس پر عمل کرے تو ایسا آدمی بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾

(السجدہ : ۳۲/ ۲۲)

"اور اس شخص سے بڑھ کر اور کون زیادہ ظالم ہے جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی تو وہ ان سے منہ موڑ لے، بلاشبہ ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔"

یہ سب امور جو ذکر ہوئے آدمی کے اسلام و ایمان کو باطل کر دینے والے ہیں، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ ان کا مرتکب مذاق میں یہ کرے یا حقیقت میں یا کسی کے خوف سے۔ ہاں اگر کوئی انتہائی مجبور کر دیا جائے (کہ اسے اپنی جان کا اندیشہ ہو، تو کچھ رعایت ہے)۔ یہ سب باتیں انتہائی خطرناک ہیں اور لوگوں سے اکثر

سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان سے انتہائی محتاط رہے، اور ان سے ڈرتا رہے۔ ہم اللہ سے پناہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا کام کر بیٹھیں جو اس کی ناراضی کا موجب ہو یا کسی عذاب الیم کا سبب بنے۔

وصلى الله على خير خلقه محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين۔"

امامؒ (امام محمد بن عبدالوہابؒ) کا کلام مکمل ہوا

مذکورۂ بالا میں چوتھی قسم جو بیان ہوئی ہے کہ "اگر کوئی کسی غیر نبی کا طریقہ نبی ﷺ کے طریقے سے بڑھ کر جانے، یا اس کے فیصلے کو نبی ﷺ کے فیصلے سے بہتر سمجھے تو یہ کفر ہے"، اس میں یہ بات بھی آ جاتی ہے کہ اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ لوگوں کے خود ساختہ نظام وقوانین شریعت اسلام سے افضل ہیں، یا اس کے برابر ہیں، یا کوئی یہ سمجھے کہ ان کے تحت فیصلے کرنا کرانا جائز ہے، تو یہ سوچ بھی کفر ہے۔

یا کوئی اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ شریعت الٰہیہ اور نظام اسلام ہے تو افضل مگر اس بیسویں صدی میں اس کی تطبیق وتنفیذ درست نہیں ہے، یا یہ دین ہی مسلمانوں کی پستی اور پسپائی کا سبب ہے، یا یہ سمجھے کہ یہ دین ہر انسان کا ذاتی معاملہ ہے، زندگی کے باقی معاملات میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے تو فکر وعمل کے یہ سب امور کفر ہیں۔

اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی یہ سمجھے کہ اللہ کے حکم کی تنفیذ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا یا شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا دور حاضر میں مناسب نہیں ہے۔

یا یہ عقیدہ رکھے کہ معاشرتی معاملات اور حدود وغیرہ میں شریعت الٰہی کے علاوہ دیگر قوانین کے تحت فیصلے کرنا کرانا جائز ہے۔ خواہ اس کا عقیدہ ہو کہ شریعت ہی افضل ہے (یہ کفر ہے)۔ کیونکہ اِس فکر وعمل سے اس نے اللہ کے حرام کردہ کو حلال جانا ہے۔ اور ایسے ہی اگر کوئی دین اسلام میں معلوم ومعروف حرام چیزوں کو حلال سمجھے مثلاً زنا کاری، شراب نوشی، سود اور شریعت الٰہیہ کے علاوہ سے فیصلے کرنا کرانا تو ایسا شخص باجماع مسلمین کافر ہے۔

ہماری اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہم سب کو ان اعمال کی توفیق عنایت فرمائے جو اس کی رضا مندی کا باعث ہیں اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے، بلاشبہ وہ سننے والا ہے اور قریب ہے۔

وصلى الله على نبيّنا محمد وآله وصحبه (عبدالعزیز بن باز)

سوال: وہ کیا معیار اور کسوٹی ہے جس سے معلوم ہو کہ کفر ونفاق کے کام انسان کو ملت اسلام سے نکال دیتے ہیں یا نہیں نکالتے؟

جواب: الحمدللہ، یہ بات اس اصول وقاعدہ سے معلوم ہو سکتی ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہے اور امت کے سلف صالحین اس پر متفق ہیں، وہ یہ ہے کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن میں سراسر خیر ہے اور شر سے وہ بالکل خالی ہیں۔ دوسرے وہ جن میں سراسر شر ہے اور خیر سے وہ بالکل خالی ہیں۔ اور تیسرے وہ ہیں جن میں خیر وشر یعنی ایمان ونفاق اور ایمان وکفر دونوں پائے جاتے ہیں۔ اور لوگوں کی یہ تقسیم ایمان اور کفر ونفاق کے حقائق

سے آگاہ ہونے پر مرتب ہے اور یہ کہ لوگوں میں ایمان اور کفر و نفاق کی صفات کس کس حد تک پائی جاتی ہیں۔

صحیح اور کامل ایمان وہی ہے جس میں بندہ اللہ اور اس کے رسول کے جمیع احکام جزئیہ و کلیہ کو تسلیم کرے اور اپنے ظاہر اور باطن میں ہر طرح سے ان کی کامل اطاعت اپنائے۔ بندہ جب فی الواقع اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو حقیقی طور پر کامل ایمان دار کہلاتا ہے جس میں سراسر خیر ہی ہوتی ہے اور وہ ہر طرح سے فوز و فلاح کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اور اس کے بالعکس جس میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں وہ دین سے خارج اور کافر کہلاتا ہے۔ خیال رہے کہ منافق ظاہری طور پر ایمان کا دعویٰ اور اظہار کرتا ہے مگر دلی طور پر کافر ہوتا ہے۔ جبکہ کافر وہ ہوتا ہے جو اپنے انکار و کفر کا کھلم کھلا اظہار کرتا ہے۔

اور اگر کسی میں ایمان کی اصل موجود ہو اور مجمل طور پر عقیدہ اسلامی رکھتا ہو اور عملی طور پر دین کے تقاضوں میں خلل اور خرابی کا مرتکب ہو، حرام سے نہ بچتا ہو تو ایسے آدمی میں خیر اور شر دونوں ہوتے ہیں۔ اس میں ایسے اسباب موجود ہوتے ہیں جو اس کے لیے خیر اور ثواب کا باعث ہوتے ہیں اور ایسے اسباب بھی ہوتے ہیں جن سے اللہ کی ناراضی اور اس کا عقاب آتا ہے۔ کچھ اعمال کے متعلق شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بصراحت فرمایا ہے کہ یہ نفاق کے کام ہیں، ان کا مرتکب منافقین کے مشابہ ہوتا ہے مثلاً نمازوں میں سستی کرنا۔ [1]

ریاکاری کا مرتکب ہونا، وعدہ خلافی، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، عہد توڑنا وغیرہ ایسے اعمال ہیں جن سے سزا لازم آتی اور ثواب سے محرومی ہوتی ہے، بلکہ انسان ایمان کامل سے محروم اور منافقین کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔ تاہم کلی اعتبار سے ایمان سے نکل نہیں جاتا ہے۔ [2]

اور یہی حال کفر و شرک کا ہے، یہ ایسے اعمال ہیں جو بندے کو دین اسلام سے خارج کر دیتے ہیں مثلاً اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانا، اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا، یا عبادت کا کوئی حصہ مخلوقات کی طرف پھیر دینا۔

کچھ اعمال ایسے ہیں جو کفر اصغر اور شرک اصغر شمار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے ساتھ جنگ و جدال کرنا، میتوں پر نوحہ کرنا، نسب سے براءت کا اظہار کرنا اور دکھلاوا وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کے لیے کفر اور شرک کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں مگر یہ انسان کو ایمان سے کلیتاً نہیں نکالتے، کیونکہ یہ اعمال کفر و شرک کی شاخیں ہیں۔

تو اس طرح سے بندے میں کچھ صفات ایمان کی اور کچھ کفر و نفاق کی جمع ہو جاتی ہیں جو کتاب و سنت کے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ و مواضع الصلاۃ، باب استحباب التکبیر بالعصر، حدیث ۶۲۲۔ سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب تعجیل العصر، حدیث ۱۶۰ .

[2] دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، حدیث ۳۳، ۳۴۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق، حدیث ۵۸۔ سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، حدیث ۲۶۳۱ .

اندر بیان ہوتی ہیں۔ اور لوگوں کی صورتِ حال واقعیہ بھی ایسی ہی ہے۔ اس اصول و قاعدہ کے دلائل قرآن و سنت کے اندر بہت زیادہ ہیں۔ واللہ اعلم (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: اگر کوئی شخص غصے کی حالت میں دین کو گالی دے یا برا بھلا کہے..... تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پر کوئی کفارہ وغیرہ ہے، اس عمل سے توبہ کی کیا شرط ہے، اور کیا اس سے اس کا نکاح تو نہیں ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: دین اسلام کو گالی بکنا کفر ہے۔ دین کو گالی دینے یا اس کے ساتھ ٹھٹھا مذاق سے انسان مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے دین کے ساتھ کفر ہے۔ اللہ عزوجل نے کچھ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ "ہم تو بس ہنسی کھیل میں تھے۔" تو اللہ نے فرمایا کہ ان کا ایسی باتوں میں مشغول ہونا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ٹھٹھا و مذاق کرنے سے یہ کافر ہو چکے ہیں۔ سورۃ التوبہ میں ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ (التوبہ: ۹/ ۶۵-۶۶)

"اگر آپ ان منافقین سے دریافت کریں تو یہ کہیں گے کہ ہم تو بس ہنسی کھیل کر رہے تھے، آپ ان سے کہیے کہ کیا بھلا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے مت بناؤ، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

الغرض یہ کام انسان کو ملت اسلام سے نکال دینے والے ہیں، تاہم اگر بندہ ان سے توبہ کرے تو اس کا موقع حاصل ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (الزمر: ۳۹/ ۵۳)

ان سے کہہ دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو جاؤ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیتا ہے، بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

اگر انسان توبہ کرے خواہ کسی طرح کے ارتداد کا مرتکب ہوا ہو اور سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے۔ توبہ کرنے کی پانچ شرطیں ہیں:

۱- اخلاص: یعنی یہ عمل صرف اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے اس میں کسی ریا اور دکھلاوے کی بات نہ ہو، مخلوق کے ڈر سے نہ کرے، یا کسی دنیاوی لالچ کی بنا پر نہ کرے۔ جب بندے کی توبہ ان جذبات سے ہو تو وہ خاص اللہ کے لیے کہلاتی ہے۔

۲- ندامت: یعنی جو گناہ سرزد ہوا ہو بندہ اپنی طبیعت میں اس پر از حد نادم ہو اور جو ہوا ہو اس کو بہت بھاری سمجھے اور جلد از جلد اس کے وبال سے چھٹکارا پانا چاہتا ہو۔

۳- اس گناہ کو چھوڑ دے اور اس پر اصرار نہ کرے۔ اگر وہ کوئی فریضہ چھوڑ بیٹھا تھا تو اسے اپنے عمل میں لے آئے اور تلافی مافات کی کوشش کرے۔ اگر کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہو تو اسے بالکل چھوڑ دے، اگر غلطی کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو ان کا حق ادا کر دے یا حق والے سے معاف کروا لے۔

۴- یہ عزم کرے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔

۵- یہ توبہ بھی قبولیت کے وقت میں کرے۔ اگر اس موقعہ کے بعد کرے گا تو قبول نہ ہو گی۔ قبولیت توبہ کا موقعہ ضائع ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک عام اور ایک خاص۔

عام یہ ہے کہ جب قیامت قریب آ جائے گی اور سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو گا تو اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور پھر کسی کی توبہ قبول نہ ہو گی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام: ٦/ ١٥٨)

''جس روز تیرے رب کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی تو کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا تھا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔''

اور خاص یہ ہے کہ کسی شخص کا وقت آخر آ پہنچے۔ جب کسی کے لیے اس کی موت کی علامات شروع ہو جائیں تو اس وقت توبہ اس کے لیے غیر مفید ہے۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى ۚ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

(النساء: ٤/ ١٨)

''ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے توبہ کی، اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر ہی پر مر جائیں۔''

انسان جب کسی گناہ سے توبہ کر لے خواہ دین کو گالی ہی دے بیٹھے تو اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے بشرطیکہ مذکورۂ بالا شروط پر پوری اترتی ہو اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بعض اوقات انسان کی زبان سے کوئی کفریہ کلمہ نکل جاتا ہے مگر اس آدمی کو کافر نہیں کہا جاتا، کیونکہ اس میں کوئی ایسا مانع ہوتا ہے جو اس پر کافر ہونے کے حکم سے رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہ شخص جس کے متعلق پوچھا گیا ہے کہ اس نے غصے کی حالت میں دین اسلام کو گالی دی ہے تو اگر اس کا غصہ اتنا شدید تھا کہ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ کیا کہہ رہا ہے یا اسے معلوم ہی نہ تھا کہ وہ کہاں ہے زمین پر ہے یا آسمان پر، اور جو بولا وہ اسے یاد ہی نہیں تو ایسی حالت کی گفتگو کا کوئی حکم نہیں ہے اور نہ اس پر مرتد ہونے کا حکم لگ سکتا ہے، کیونکہ یہ سب کچھ بلا ارادہ ہوا ہے اور جو بات بلا ارادہ اور بلا نیت زبان سے

نکل جائے، اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرماتا۔ جیسے کہ قسموں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾

(المائدہ: ۵/ ۸۹)

''اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ لغو قسموں میں تمہارا مؤاخذہ نہیں فرماتا ہے لیکن ان کا مؤاخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے بولی ہوں۔''

تو جب انتہائی غضب کی حالت میں اس نے کوئی کفریہ بات کی ہے اور اسے اپنی حالت کا کوئی علم ہی نہیں تو اس کی بات کا کوئی حکم نہیں ہے اور نہ اس پر مرتد ہونے کا حکم لگ سکتا ہے تو اس وجہ سے اس کا نکاح بھی فسخ نہیں ہوا ہے اور وہ عورت اس کے عقد میں علیٰ حالہا باقی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان کو جب اپنے غیظ و غضب کا احساس ہو جائے تو فوراً اس کے ازالے کی کوشش کرے، جیسے کہ نبی ﷺ کی نصیحت اور وصیت معلوم ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا: ''غصے نہ ہوا کر۔'' اس نے بار بار سوال کیا تو آپ نے بھی ہر بار یہی جواب فرمایا کہ ''غصے نہ ہوا کر۔''❶ الغرض انسان کو چاہیے کہ اپنی طبیعت پر قابو رکھے اور شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگا کرے۔ اگر اس کیفیت میں کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ اگر غصہ زیادہ ہی ہو تو وضو کرے، اس طرح سے ان شاء اللہ اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ کتنے ہی لوگوں کے واقعات ہیں کہ شدتِ غضب میں کچھ کر بیٹھتے ہیں کہ بعد میں انہیں اس پر بڑی پشیمانی ہوتی ہے، مگر وقت گزر جانے کے بعد!!　(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ یا آپ کی سنت کا ٹھٹھا مذاق اڑانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول یا آپ کی سنت کا مذاق اڑانا کفر اور ارتداد ہے۔ اس سے انسان دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ (التوبہ: ۹/ ۶۵-۶۶)

''اے پیغمبر اگر آپ ان منافقوں سے سوال کریں تو یہ لوگ بالضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو بس ہنسی کھیل کر رہے تھے، کہیے کہ کیا بھلا تم اللہ اور اس کے رسول سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہو؟ (تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو)۔''

تو ہر ایسے آدمی پر واجب ہے کہ جس سے یہ قصور سرزد ہو وہ فوراً اللہ کے حضور توبہ کرے۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ جیسے کہ منافقین کے اس گروہ کے متعلق کہا گیا جنہوں نے ٹھٹھا مذاق کیا تھا:

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، حدیث ۵۷۶۵.

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ (التوبه: ۹/ ٦٦)

''بہانے مت بناؤ تم ایمان کے بعد کافر ہو چکے، اگر ہم تم میں سے کسی گروہ سے درگزر بھی کریں تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں۔''

اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ایک گروہ کو معاف کر سکتا ہے، مگر یہ تبھی ہوگا جب اس کفر سے توبہ کی جائے، جو اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کی صورت میں سرزد ہوا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جادو کا کیا حکم ہے اور اس کا سیکھنا کیسا ہے؟

جواب: علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ لغت میں سحر (جادو) سے مراد ہر وہ چیز ہے ''جس کا سبب انتہائی لطیف اور مخفی ہو۔'' اور پھر اس کی تاثیر بھی بڑی مخفی ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا یا غیب کی خبریں دینے والوں پر اعتماد کرنا بھی سحر کی تعریف میں آ جاتا ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے مبالغہ آمیز فصاحت و بلاغت کی تاثیر کو بھی سحر میں شمار فرمایا ہے ((إنّ من البیان لسحرا.)) [1] الغرض ہر وہ چیز جس کا اثر مخفی طریقے سے ہوتا ہو وہ سحر (جادو) میں شمار ہو جاتی ہے۔

البتہ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ''وہ بول، دَم جھاڑ اور گرہیں ہیں جن سے لوگوں کے دل و دماغ متأثر اور ماؤف ہو جاتے ہیں، بعض اوقات جسم بھی بیمار ہو جاتے ہیں اور فکر سلیم کی صلاحیت چھن جاتی ہے۔ کہیں محبت بڑھ جاتی ہے اور کہیں پھوٹ پڑ جاتی ہے حتیٰ کہ میاں بیوی میں تفریق تک ہو جاتی ہے۔''

جادو سیکھنا سکھانا حرام ہے بلکہ کفر کا کام ہے کہ یہ شیطانوں کے ذریعے سے شرک کا دروازہ کھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے:

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾

(البقرہ: ۲/ ۱۰۲)

''اور (یہود) اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان (علیہ السلام) نے تو کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الخطبة، حدیث: ٤٨٥١.

تھے۔ اور بابل میں ہاروت، ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا، وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں، تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند بیوی میں جدائی ڈال دیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے، اور وہ یقیناً جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

الغرض اس طرح کی چیزیں سیکھنا سحر اور جادو ہے جس میں شیطانوں کے ذریعے سے اللہ کے ساتھ شرک اور کفر ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے اللہ کی مخلوق پر بھی ظلم و زیادتی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جادوگر کو قتل کیا جاتا ہے یا تو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے یا شرعی حد کی بنا پر۔ اگر اس کا جادو اس حد تک کا ہو کہ اسے کفر تک پہنچا دے تو وہ کفر اور ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، اور اگر کفر کی حد تک نہ بھی پہنچتا ہو تو شرعی حد کے تحت قتل کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں سے اس کا شر و فساد دور ہو۔　(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جادو کا اثر اتارنے کا کیا حکم ہے، جسے کہ نشرہ کہا جاتا ہے......؟

جواب: جادو کیے گئے آدمی سے اس کا اثر زائل کرنا (جسے کہ نشرہ کہتے ہیں) دو طرح سے ہوتا ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ یہ کام قرآن کریم، مسنون دعاؤں اور حلال دواؤں کے ذریعے سے کیا جائے۔ اس میں کوئی رکاوٹ اور ممانعت نہیں ہے بلکہ مصلحت ہی مصلحت ہے، اس میں کوئی خرابی اور فساد نہیں، بلکہ بعض اوقات یہ کام بڑا ضروری ہو جاتا ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حرام ذریعے سے اس کا ازالہ کیا جائے۔ مثلاً جادو ہی کے ذریعے سے پہلے جادو کا اثر ختم کیا جائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی اہمیت اور ضرورت کے تحت اس کی اجازت دی ہے اور دوسرے کچھ علماء نے اس سے منع کیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے جب نُشرہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ شیطانی عمل ہے۔"[1]

یہ حدیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بسند جید (عمدہ) روایت کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کا علاج جادو کے ذریعے سے کرنا حرام ہے۔ ایسے آدمی پر واجب ہے کہ شفاء کے لیے اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور اپنی زاری اور عاجزی کا اظہار کرے اور اللہ عزوجل کا وعدہ ہے، فرمایا کہ:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾

(البقرہ: ۲/ ۱۸۶)

"اور میرے بندے جب آپ سے میرے متعلق پوچھیں (تو انہیں بتایئے کہ) میں قریب ہوں

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی النشرۃ، حدیث: ۳۸۶۸۔ مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۲۹۴، حدیث: ۱۴۱۶۷.

پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے۔"

اور فرمایا:

﴿اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ یَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ﴾ (النمل : ۲۷/ ۶۲)

"بھلا کون پہنچتا ہے بے بس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی، اور تم کو زمین میں پہلوں کا نائب بناتا ہے، کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ بہت کم دھیان کرتے ہو۔"

اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس عورت کے بارے میں جو جادو کرتی ہے اور بہت لوگوں نے اس سے مصیبت اٹھائی ہے، اس کے بارے میں کیا کیا جائے اور اس کے جادو سے کیسے بچا جائے......؟

جواب: جادو ایک شیطانی عمل ہے۔ جادوگر شیطان کے لیے جانور ذبح کر کے یا اس کا استغاثہ اور اسے پکار کر یا نماز چھوڑ کر یا نجاست وغیرہ کھا کر اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔ تب شیطان اور سرکش جن اس جادوگر کا کام کرتے ہیں، جسے وہ چاہتا ہے باؤلا کر دیتے ہیں، قتل کر ڈالتے ہیں، یا کسی کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں یا مرد کو بیوی کے قابل نہیں رہنے دیتے یا دلوں میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اسی وجہ سے جادوگر مشرک اور کافر ہے کیونکہ وہ ان کفریہ اعمال کے ذریعے سے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں ایسے آدمی کو قتل کر دینے کا حکم ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب، ان کی صاحبزادی سیدہ حفصہ اور حضرت جندب رضی اللہ عنہم سے یہ حکم منقول ہوا ہے۔ [1]

ان وجوہات کی بنا پر جو ہم نے اوپر بیان کیں اس عورت کو جو جادوگری کے کاموں میں مشہور ہے، اس حالت پر چھوڑے رکھنا جائز نہیں۔ اگر آپ لوگوں کے پاس کافی دلائل اور شواہد ہوں تو ضروری ہے کہ اس کا معاملہ اور اس کے ذریعے سے پھیلنے والے ضرر وفساد کا مقدمہ شرعی عدالت میں پیش کریں تاکہ اسے قتل کیا جائے اور لوگ اس کے شر وفساد سے محفوظ رہ سکیں اور اس گھرانے کے ذمہ دار کا فریضہ ہے کہ اس عورت کے ذریعے سے پھیلنے والے نقصانات کا ازالہ کرے، وہ عورت خواہ اس کی ماں ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ کام اللہ کے ساتھ کفر ہے، اللہ کی مخلوق کو نقصان پہنچانا ہے۔ اور جب یہ قتل ہو گئی تو دوسروں کو تنبیہ ہو جائے گی اور پھر وہ بھی اس قسم کے شیطانی کام سے دور رہیں گے۔ اور اگر دوسرے اس صورت حال کے بدلنے پر آمادہ نہ ہوں اور اس بڑھیا پر راضی اور اسے اس کے حال پر چھوڑے رکھنا چاہتے ہوں تو سائل اس کا ذمہ دار ہے، آپ کو چاہیے کہ ہر طرح

[1] دیکھیے: سنن ترمذی، کتاب الحدود، باب حد الساحر، حدیث : ۱۴۶۰۔ المستدرك للحاكم، ۴/ ۴۰۱، حدیث : ۸۰۷۳، صحیح.

کے دلائل وشواہد اکٹھے کریں، اس کے ہمسایوں کا مقدمہ شرعی عدالت میں دائر کردیں، تاکہ اس پر اللہ کا حکم نافذ ہو، یعنی حدیث نبوی پر عمل ہو کہ ''جادوگر کی حد اسے تلوار سے قتل کرڈالنا ہے''[1] اور آپ کے لیے قطعاً روا نہیں ہے کہ حالات کو ایسے ہی چھوڑے رکھیں اور ساتھ ہی ہم آپ کو یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ:

۱- اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کریں، قرآن کریم خوب پڑھا کریں اور صبح شام کی دعائیں اہتمام سے اپنا ورد بنالیں۔ اس طرح ان شاء اللہ، اللہ آپ کو جنوں اور جادوگروں سے محفوظ رکھے گا۔

۲- اور جو پریشانی آپ کو لاحق ہوئی ہے اس کا علاج شرعی دم جھاڑ کے ذریعے سے کریں۔ معروف قراء حضرات کی طرف رجوع کریں کہ وہ آپ پر اللہ کا کلام اور نبی ﷺ کی دعاؤں کے ذریعے سے دم کریں اور مشروع حلال دوائیں بھی استعمال کریں اور یہ سب علاقوں میں مل جاتی ہیں۔ اللہ نے ان کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو، جن کے لئے اس نے خیر کا ارادہ فرمایا ہوتا ہے، شفا دی ہے۔ وصلى الله علىٰ محمد و آله وصحبه وسلم۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: ایک میاں بیوی میں ناچاقی رہتی ہے ان میں الفت پیدا کرنے کے لیے جادو کرنا کرانا کیسا ہے......؟

جواب: یہ کام بالکل ناجائز اور سراسر حرام ہے۔ اسے عربی زبان میں عَطْف اور ناچاقی پیدا کرنے کو صرف کہتے ہیں۔ یہ حرام عمل ہے کیونکہ جادو کی بعض صورتیں کفر اور شرک تک پہنچتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲/ ۱۰۲)

''اور وہ (ہاروت و ماروت) کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند بیوی میں جدائی ڈال دیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے، اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔'' (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کہانت کا شرعی حکم اور ان کاہنوں کے پاس جانا کیسا ہے......؟

جواب: اَلْكَهَانَة بروزن فَعَالة، تَكَهُّن سے ماخوذ ہے۔ اور لغت میں اس اٹکل پچو اور اندازے کو کہتے ہیں

[1] سنن ترمذی، كتاب الحدود، باب حدالساحر، حديث: ۱٤٦٠۔ المستدرك للحاكم، ٤/ ٤٠١، حديث: ٨٠٧٣، صحيح.

جس کے ذریعے سے کسی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ ان کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ دور جاہلیت میں کچھ لوگوں کا یہ فن اور کسب تھا۔ شیطانوں کا ان لوگوں سے رابطہ ہوتا تھا۔ شیطان آسمان سے کوئی کلمہ چوری چھپے سن لیتے تو ان لوگوں کو بتا دیتے اور پھر وہ اس کے ساتھ اور بہت کچھ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے تھے۔ اگر کوئی بات ان کے کہنے کے مطابق ہو جاتی تو لوگ ان کے بھرے میں آ جاتے اور اپنے معاملات میں ان کو حکم اور قاضی بنا لیتے تھے اور مستقبل کے امور میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اسی وجہ سے کاہن کی تعریف ہم یہ کرتے ہیں کہ "وہ شخص جو مستقبل میں ہونے والے غیب کی خبریں بتائے۔" ❶

اور کاہن کے پاس آنے والے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- کوئی شخص کاہن کے پاس جائے اور اس سے کچھ سوال بھی کرے، بغیر اس کے کہ اس کی کسی طرح کوئی تصدیق کرے۔ یہ ناجائز اور حرام ہے، اور ایسا کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ہے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں آیا ہے: ((من آتیٰ عرّافا فسأله لم تقبل لهٗ صلاة أربعين يوماً أو أربعين ليلةً .)) ❷ "جو شخص کسی عراف (غیب کی باتیں بتانے والے) کے پاس آیا اور اس سے سوال کیا تو اس کی چالیس دن یا چالیس رات کی نمازیں قبول نہیں کی جاتی ہیں۔"

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ کاہن کے پاس آئے، اس سے سوال کرے اور اس کی تصدیق بھی کرے، تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے دعویٰ علم غیب کی تصدیق کی ہے اور کسی انسان کی اس طرح سے تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تکذیب ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل : ۲۷/ ٦٥)

"کہہ دیجیے کہ زمین و آسمان میں غیب اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ:

((من أتیٰ كاهنًا فصدّقه بما يقول فقد كفر بما نُزِّل على محمد .)) ❸

"جو شخص کسی کاہن کے پاس آئے اور اس کے کہے کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر نازل

---

❶ مترجم عرض کرتا ہے کہ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ کام حرام اور ناجائز ہے بالخصوص جنوں اور شیطانوں کا کسی انسان کے تابع ہونا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ کوئی ان کی مرضی کا حرام کام نہ کرے مثلاً ان کے نام پر ذبح، ان کے نام کی پکار لگانا اور استغاثہ کرنا یا نماز چھوڑ دینا، یا نجاست سے آلودہ رہنا یا نجاست کھانا وغیرہ ہیں جیسے کہ گذشتہ صفحات میں علامہ عبداللہ جبرین حفظہ اللہ کے فتویٰ کے شروع میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ سب کفریہ کام ہیں۔

❷ صحيح مسلم، كتاب السلام، بات حريم الكهانة...... حديث : ٤٤٣٠ .

❸ مسند احمد بن جنبل: ٢/ ٤٢٩ ، حديث : ٩٥٣٢ .

کیے گئے کی تکذیب کی۔''

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کو بتانے اور ان کی جہالت اور گمراہی بتانے کے لیے کاہن کے پاس آئے اور اس سے سوال کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن صیاد نبی ﷺ کے پاس آیا تھا، تو نبی ﷺ نے اس سے پوچھنے کے لیے ایک بات اپنے دل میں چھپالی، آپ نے اس سے پوچھا کہ میرے جی میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا دُخ ہے (یعنی دُخان، دھواں)۔ تو آپ نے اس سے فرمایا: ''دفع ہوجا تُو اپنی حد سے ہرگز آگے نہیں بڑھ سکے گا۔''❶ الغرض کاہن کے پاس آنے والے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں، سوائے اس آخری کے کہ اس کا امتحان لینا چاہے تاکہ لوگوں کو اس کی حقیقت واضح کرے پہلی دوصورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کسی عراف (غیب دانی کے دعویدار) سے سوال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی عراف سے سوال کرنا تین طرح سے ہوسکتا ہے:

اول:...... یہ کہ اس سے سوال کرے اور اس کی تصدیق کرے تو یہ حرام ہے بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ اس کی تصدیق میں قرآن کریم کی تکذیب ہے۔

دوم:...... یہ کہ اس کی آزمائش اور امتحان کے لیے کہ آیا وہ سچا ہے یا جھوٹا، بغیر اس کے کہ اس کی کسی بات کی تائید کرے، تو یہ جائز ہے، جیسے نبی ﷺ نے ابن صیاد سے پوچھا تھا ''میں نے دل میں کیا چھپایا ہے؟'' تو اس نے کہا کہ "الدُّخ" تو آپ نے فرمایا: ''دفع ہوجا، تو اپنی حد سے ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتا۔''❷ آپ کا یہ سوال محض اس کا امتحان لینے کے لیے تھا، نہ کہ اعتماد کے لیے۔

سوم:...... یہ کہ اس کی عاجزی اور اس کا جھوٹ نمایاں کرنے کے لیے اس سے سوال کرے، تو یہ ہونا چاہیے بلکہ کبھی یہ واجب بھی ہوجاتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

بدعات کا بیان

سوال: بدعت کے بارے میں وضاحت سے ارشاد فرمایا جائے، جزاکم اللہ خیرا

جواب: ''بدعت'' دین میں نئی بات نکالنے کو کہتے ہیں۔ دین محض وہی ہے جو نبی ﷺ نے کتاب وسنت کے اندر بیان فرمادیا ہے، اور یا جو کتاب وسنت کے دلائل سے ماخوذ ہے تو وہ بھی دین ہے، اور جو ان کے خلاف ہو

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات...... حدیث: ۲۸۹۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب ذکر ابن صیاد، حدیث: ۲۹۳۰.

❷ حوالہ سابقہ.

وہ بدعت ہے۔ بدعت کے متعلق یہی جامع بات ہے۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اعتقادی بدعات:

اور انہیں قولی بدعات بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی کسوٹی اور معیار سنن میں وارد وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: ''یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور سبھی آگ میں جائیں گے، سوائے ایک کے۔ صحابہ نے پوچھا: وہ کون ہوں گے اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: وہ جو اس طریقے پر ہوئے جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں!''[1]

تو صحیح اہل السنۃ وہی ہیں جو بدعات سے محفوظ ہیں اور جنہوں نے وہی طریقہ مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے۔ ان تمام امور میں جن کا تعلق اصول توحید، رسالت، تقدیر اور ایمانیات سے ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے تمام فرقے خوارج، معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، رافضہ اور مرجئہ وغیرہ جو اہل السنہ سے علیحدہ ہوئے ہیں یہ سب اعتقادی بدعات کے مرتکب ہیں اور ان کے متعلق احکام اہل السنہ کے اصول دین کے ساتھ قرب و بعد کے لحاظ سے مختلف ہیں، یا جیسے کہ ان کے عقیدے یا تاویلات وغیرہ ہیں یا جس قدر اہل السنہ ان کے قولی و فعلی شر سے محفوظ ہیں۔ اور اس اختصار کی تفصیل بڑی طویل ہے۔

(۲) دوسری قسم عملی بدعات ہیں:

یعنی دین کے اندر کوئی ایسی عبادت نکال لی جائے جو اللہ اور اس کے رسول سے ثابت نہ ہو۔ اور ہر ایسی عبادت جس کا نبی ﷺ نے واجب یا مستحب ہونے کا حکم نہیں دیا ہے وہ عملی بدعت ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کی زد میں آتی ہے:

((من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو ردّ .))

''جو کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''[2]

اسی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر کے نزدیک یہ اصول و قاعدہ ہے کہ عبادات میں اصل منع ہے۔ یعنی کوئی عبادت نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس کے متعلق اللہ اور رسول کا ارشاد نہ ہو۔ اور اس کے بالمقابل عبادات اور معاملات بنیادی طور پر سب ہی حلال اور جائز ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام بتایا ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ کمی علم کی بناء پر کئی عادات کو کچھ لوگوں نے بدعت بنا ڈالا ہے حالانکہ وہ عبادت کے کام

---

[1] المستدرك للحاكم: ١/ ٢١٨، حديث٤٤٤ وسنن ترمذی: كتاب الايمان، باب افتراق الامة، حديث٢٦٤١ .

[2] صحيح بخاری: كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور...... حديث٢٥٥٠۔ صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة......، حديث: ١٧١٨۔ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٨٠ حديث٢٥٥١١ .

نہیں ہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے یعنی اصل حرمت عبادات میں ہے۔ تو جو آدمی عادات سے منع کرتا ہے اور انہیں حرام بتاتا ہے وہ بدعتی ہے اور عادات و معاملات کی کئی قسمیں ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو خیر اور اطاعت کے امور میں معاون اور مددگار ہوتی ہیں۔ ایسی عادات قربت الٰہی میں شمار ہوتی ہیں اور جو گناہ اور تعدی کا باعث کا بنیں وہ حرام ہوتی ہیں۔ اور جو نہ ان میں سے ہوں اور نہ ان میں سے تو وہ مباح اور جائز ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

میلاد النبی ﷺ

سوال: رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا دن منانا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا صحابہ، تابعین یا ان کے علاوہ دیگر سلف صالح سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ کا یوم ولادت منانا دین کے اندر ایک نئی بدعت ہے اور جب سے دنیائے اسلام میں جہالت پھیلنا شروع ہوئی ہے، گمراہ ہونا اور گمراہ کرنا، وہم وشبہ میں پڑنا اور دوسروں کو اس میں مبتلا کرنے کا فتنہ پھیلا ہے لوگوں کی عقل وبصیرت پر پردے پڑ گئے ہیں اور اندھی تقلید ان پر غالب آ گئی ہے۔ یہ لوگ شرعی دلائل سے ثابت اور راجح مسائل اختیار کرنے کی بجائے فلاں اور فلاں کے قول وقرار کی طرف متوجہ ہونے لگے ہیں۔

میلاد النبی کا مسئلہ نہ تو صحابہ کرام کے ہاں کوئی قابل ذکر مسئلہ تھا اور نہ تابعین کے ہاں اور نہ تبع تابعین کے ہاں اس کی کوئی اہمیت وحیثیت تھی۔ جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ، وإیاکم و محدثات الامور فإن کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة.)) [1]

''میری اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا، اسے خوب تھامے رہنا، بلکہ دانتوں سے پکڑے رہنا، اور نئی نئی باتوں سے بچنا، بلاشبہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

[1] سنن ابن ماجه: کتاب فی الایمان وفضائل الصحابة، باب اتباع سنة الخلفاء، حدیث٤٢۔ صحیح ابن حبان:١/ ١٧٨، حدیث: ٥.

((من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد .)) ❶

''جس نے ہمارے اس معاملہ دین میں کوئی نئی بات نکال جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

جبکہ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں:

((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهورد .)) ❷

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہمارا حکم اور تلقین نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

اگر لوگوں کا مقصد میلاد النبی منانے سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرنا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد کو زندہ اور تازہ رکھنا ہے تو یہ مقاصد اس ناپسندیدہ بدعت کے بغیر بھی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ یہ بدعت اپنے جلو میں بہت سے مفاسد کے علاوہ کئی فواحش و منکرات بھی لیے ہوئے ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق خود ہی فرما دیا ہے کہ:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ ''ہم نے آپ کا ذکر بہت بلند کر دیا ہے۔''

چنانچہ اذان، اقامت، خطبہ، نماز میں تشہد اور درود وسلام اور جہاں بھی آپ کا نام نامی سنائی دے آپ کے لیے درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے، ان کے ذریعے سے آپ کا ذکر ہر وقت بلند ہو رہا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا:

''بہت بڑا بخیل ہے وہ آدمی، جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔'' ❸

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم اس بات میں ہے کہ آپ کی تعلیمات اور آپ کی سنتوں پر عمل کیا جائے، آپ نے جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کی جائے، جن باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہا جائے، عبادت اس طرح کی جائے جیسے کہ آپ کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ اس بات سے بہت بالا ہیں کہ سال کے آخر میں صرف ایک بار آپ کا ذکر ہو۔

اگر میلاد کی یہ محفلیں کوئی نیکی کا کام ہوتیں یا ان کا برپا کرنا راجح اور افضل ہی ہوتا تو ہمارے سلف صالحین اس نیکی کے ہم سے کہیں بڑھ کر تھے۔ نیکی میں ان کی حرص انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

---

❶ صحيح بخاری: كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور...... حديث ٢٥٥٠۔ صحيح مسلم: كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، حديث١٧١٨ .

❷ صحيح مسلم كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة......، حديث١٧١٨۔ مسند احمد: ٦/ ١٨٠، حديث٢٥٥١١ .

❸ سنن ترمذی، كتاب الدعوات، باب قول رسول الله رغم انف رجل، حديث٣٥٤٦ صحيح۔ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٠١، حديث ١٧٣٦، اسناده قوى .

یہ محفلیں برپا کرنے والوں کا اصل معاملہ یہ ہے جیسے کہ اہل علم نے بیان کیا ہے کہ جب لوگوں کے دین میں کمزوری آئی، بے عملی اور بے دینی نے ان پر غلبہ پایا تو ان لوگوں نے موقعہ بموقعہ اپنے کچھ بزرگوں کے دن منانے شروع کر دیئے ہیں۔ اور یہ لوگ یہ دیکھنا گوارا نہیں کرتے کہ ان کے یہ بزرگ دینی اعتبار سے کس پائے کے تھے، دین وشریعت کے کس قدر پابند تھے۔

دراصل یہ لوگ بزرگوں کی تعظیم کے نام سے اپنے آپ کو شریعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ کسی بزرگ کی حقیقی تعظیم تبھی ہوسکتی ہے جب اس کی تعلیمات وارشادات کو تسلیم کیا جائے اور وہ اعمال خیر سرانجام دیئے جائیں جن سے اس کا مقام ومرتبہ بنا ہو اور نبی کے دین کو عزت حاصل ہوئی ہو۔

ہمارے سلف صالحین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر میں بہت آگے تھے۔ اسی طرح خلفائے راشدین اور ان کے بعد دیگر صالحین کے ساتھ ان کا تعلق انتہائی معیاری تھا۔ ان کی تعظیم وتوقیر میں یہ لوگ اپنے جان ومال سے کوئی دریغ نہ کرتے تھے۔ وہ ان رسموں ریتوں سے تعظیم وتوقیر نہ کرتے تھے جو ہمارے اس دور میں پھیل رہی ہیں۔ یہ لوگ ان بزرگوں کی سیرت اپناتے نہیں، اتباع کرتے نہیں، بس گمراہی اور ضلالت بھرے خالی خولی نعرے ہی لگاتے ہیں اور اس میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ کی مخلوق میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ یگانہ شخصیت ہیں جو کسی بندے کی طرف سے عظیم ترین تعظیم وتوقیر کی مستحق ہیں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق ہو۔ مگر یہ تو کوئی تعظیم نہیں کہ آپ کے لیے ایسے اعمال کرنے شروع کر دیئے جائیں جو عبادت کی شکل میں صرف اور صرف اللہ عزوجل کا حق ہیں۔

اور لوگوں کی نیتوں کا بہترین اور خوبصورت ہونا بھی بدعت کے عمل کو جائز نہیں بنا دیتا ہے۔ سابقہ امتوں میں جو گمراہیاں آئی تھیں وہ سب اچھی نیتوں کی وجہ ہی سے آئی تھیں حتیٰ کہ انہوں نے اصل دین ہی کو بدل ڈالا تھا اور اصل شریعت مٹ مٹا گئی تھی۔

ہمارے سلف صالحین نے اگر اس طرح کی غفلت کی ہوتی جیسی کہ سابقہ امتوں نے کی تھی یا جو اب ہمارے عوام کے اندر راہ پا رہی ہے تو ہمارا اصل دین بھی ضائع ہوگیا ہوتا۔ مگر ہمارے صالح علماء نے ہمارے اصل دین کو ہمارے لیے محفوظ رکھا ہے۔ اللہ ان کو اپنی بے پناہ رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ اصل دین کی طرف رجوع کریں اور اپنے دانتوں سے اسے مضبوط پکڑے رہیں۔

خلاصہ یہ کہ عید میلاد النبی منانا دین میں ایک ناپسندیدہ بدعت ہے اور اس موضوع پر ہم نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جس میں اور بھی تفصیل ہے۔ (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: یہ بات کہاں تک صحیح ہے جیسے کہ کچھ جاہل اور گمراہ کن لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میلاد النبی کی

محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں؟

جواب: یہ بات انتہائی غلط اور باطل ہے، کوئی صاحبِ عقل ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: محافل میلاد کا کیا حکم ہے، کیا ان میں شرکت کرنا جائز ہے؟ اور ان میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

جواب: اس کا جواب مذکورۂ بالا مسئلہ میں تفصیل سے آ گیا ہے۔ ان مجالس میں شریک ہونا اور ان میں خرچ کرنا بھی، ہم بتا چکے ہیں کہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ان میں حاضر ہونا گمراہی ہے۔ ان میں خرچ کرنا یا خرچ میں حصہ ڈالنا بھی گمراہی اور غلط کام کی اشاعت ہے۔ (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سالگرہ/ پیدائش کا دن منانے کا مسئلہ

سوال: ہمارے ملک مصر میں ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب بھی کسی شخص کی عمر کا ایک سال پورا ہوتا ہے تو وہ ایک محفل کا اہتمام کرتا ہے جسے عید میلاد یا شمع گل کرنے کی محفل کہتے ہیں۔ میں نے ابھی آخری دنوں میں سنا ہے کہ ایسی محفلیں شرعاً جائز نہیں ہیں۔ تو کیا واقعی یہ کام شریعت میں ناجائز ہے؟ کیا ایسی محفل میں جانا، جب کسی کو دعوت دی جائے، جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ارشاد فرمایئے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب: یہ بہت بری اور ناپسندیدہ بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی ہے۔ عیدین منانا بھی شریعت کے بیان پر موقوف ہے جیسے کہ عبادات کا مسئلہ ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ اہل مدینہ دور جاہلیت میں دو عیدیں منایا کرتے تھے۔ وہ ان میں کھیلتے کودتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اِن کے بدلے میں دو شرعی عیدیں عنایت فرمائیں۔ چونکہ شریعت میں یوم پیدائش یا عید میلاد کا کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام یا سلف صالحین میں سے کسی نے ایسا کام کیا ہے تو ان کا منانا یا ان میں حاضر ہونا یا ان کی حوصلہ افزائی کرنا یا ان لوگوں کو مبارک بادیں دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح سے ان لوگوں کے ایک غلط کام کی تائید ومعاونت ہوتی ہے۔ [1] (عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا سنِ عیسوی کے آخر میں کوئی ایسے جلسے کرنا جائز ہے جن میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو؟ اور مقصد یہ ہو کہ عیسائی وغیرہ لوگ اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہوں اور اسلام قبول کر لیں؟

جواب: اگر کوئی شخص واقعتاً یہ خواہش رکھتا ہے کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دے اور وہ لوگ مسلمان ہوں تو اس کے لیے عیسائیوں کی عید کے موقعہ پر جلسہ کرنے یا ان کی عید میں شریک ہونے کے علاوہ اور بے شمار مواقع

[1] دراصل یہ قبیح رسم مسلمانوں میں یہودیوں اور عیسائیوں کی دیکھا دیکھی ان کی نقالی میں شروع ہوئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھی میں سے ہے۔“ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس باب فی لبس الشهرة ح:٤٠٣١۔ (سعیدی)

اور طریقے ہیں جن کے ذریعے سے انہیں اسلام کی دعوت دی جاسکتی ہے۔ مثلاً تحریری طور پر یا دوسرے دنوں میں خطاب عام کے ذریعے سے یہ کام ہوسکتا ہے۔ اس نظریے سے کہ انہیں اسلام کی دعوت دینا ہے ان کی عید میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی قطعاً کوئی اصول اسلام یا فقہی قاعدہ نہیں ہے جیسے کہ آج کل کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ مقصد پیش نظر ہو تو ذریعہ اور وسیلہ کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ یہ ایک غیر شرعی اصول ہے۔ اس سے بہت سے مسلمان متاثر ہوئے ہیں اور کئی غیر اسلامی اعمال کے مرتکب ہو رہے ہیں حالانکہ دعویٰ ان کا یہی ہوتا ہے کہ مصلحت اور اعلیٰ مقصد پیش نظر ہے۔

مثلاً بہت سے لوگ عید میلاد النبی کی مجلسوں کو غنیمت جانتے اور ان میں شریک ہوتے ہیں، تقریریں وغیرہ بھی کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض سلفی حضرات بھی اسی سوچ کے تحت ان میں شریک ہوتے ہیں۔ مگر ہم اسے جائز نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ اس طرح سے انسان ایک غیر شرعی عید میں شریک ہو جاتا ہے۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: کیا تلاوت قرآن کے لیے اکٹھے ہونے کا اہتمام کرنا جائز ہے روزانہ ہو یا کبھی کبھی؟

جواب: اگر اس اکٹھے ہونے سے مقصد یہ ہو کہ جو لوگ قرآن کریم پڑھنا چاہتے ہیں (انہیں پڑھایا جائے اور) ان کو آسانی رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ نیت ہو کہ اس طرح اکٹھے مل کر عبادت کی جائے گی تو یہ جائز نہیں ہے۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: مریض کے لیے پانی میں پھونک مارنے اور دم جھاڑ اور تعویذ گنڈے کا کیا حکم ہے کہ اس میں کسی قدر لعاب بھی شامل ہوتا ہے اور پھر وہ مریض کو پلایا جاتا ہے اور اس لعاب سے شفا حاصل کی جاتی ہے یا اس آیت قرآنی یا ذِکر وغیرہ سے جو زبان سے پڑھا جاتا ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ جائز ہے، بلکہ علماء نے اس کے استحباب کی تصریح کی ہے۔ اور یہ مسئلہ نبی ﷺ اور ائمہ محققین سے بصراحت ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی الجامع الصحیح میں فرماتے ہیں "باب النفث فی الرقیة" (یعنی دم کرتے ہوئے لعاب آمیز پھونک مارنا) اور پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں کہ

"جب تم میں سے کوئی خواب میں ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اسے چاہیے کہ جاگنے پر تین بار پھونک مارے اور اس کے شر سے تین بار اللہ کی پناہ طلب کرے، تو یہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔"[1]

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پیش کی ہے کہ:

"نبی ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں میں قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الطب، باب النفث فی الرقیة، حدیث ٥٤١٥.

الفلق اورقل اعوذ برب الناس پڑھ کر پھونکتے (اس میں کچھ لعاب بھی ہوتا) پھر انہیں اپنے چہرے اور جسم پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیرا کرتے تھے۔'' ❶

اسی طرح حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی وہ معروف حدیث پیش کی ہے جس میں انہوں نے ایک مریض پر فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا۔ اور صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ

''وہ اس پڑھنے کے دوران میں اپنا لعاب جمع کرتے رہے اور پھر مریض پر پھونکا، چنانچہ وہ بھلا چنگا ہوگیا۔'' ❷

ایسے ہی امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی لائے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دم میں یوں بھی ہے:

((بسم الله تربة أرضنا، وبِريقة بعضنا، يُشفى سقيمنا بإذن ربّنا.)) ❸

''اللہ تعالیٰ کے نام سے ہماری مٹی، ہمارے ایک کا لعاب، ہمارے بیمار کو شفا ملے، ہمارے رب کے حکم سے۔''

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس میں یہ بیان ہے کہ دم کرتے ہوئے کسی قدر لعاب بھی پھونکنا مستحب ہے، اس کے جواز پر اجماع ہے اور جمہور صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والوں نے اسے مستحب کہا ہے۔'' ❹

امام بیضاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''طبی تحقیقات اس بات کی گواہ ہیں کہ لعاب کو مزاج کی اصلاح و تعدیل میں بڑا عمل دخل ہے اور وطن کی مٹی بھی مزاج کی حفاظت اور دفع ضرر میں بہت مؤثر ہے...... اور یہاں تک کہا کہ دم جھاڑ اور اوراد کے ایسے ایسے اثرات ہیں کہ ان کی حقیقت تک پہنچنے میں عقلیں قاصر ہیں۔

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں دم جھاڑ میں پھونک مارنے اور اس کے اسرار پر ایک لمبی بحث کی ہے اور آخر میں کہتے ہیں کہ ''المختصر دم کرنے والے کی طبیعت ان خبیث نفوس کے مقابل میں آ جاتی ہے اور برے اثرات کے زائل کرنے میں پڑھنے والے کی طبیعت، اس کے دم اور لعاب سے بڑی مدد ملتی ہے اور پڑھنے والے کا اپنے دم اور لعاب سے مدد لینا بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی بدطبع اشیاء اپنے ڈنک سے بیمار کر دیتی ہیں۔ اور اس پھونکنے میں ایک سر یہ بھی ہے کہ پاک یا خبیث طبیعتیں اس سے مدد لیا کرتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جادو گر بھی وہی کچھ کرتے ہیں جو اہل ایمان کرتے ہیں۔ الخ''

---

❶ صحيح بخاري: كتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، حديث٤٧٢٩.

❷ صحيح مسلم، كتاب السلام، باب جواز اخذالأجرة على الرقية......، حديث٢٢٠١.

❸ صحيح بخاري: كتاب الطب، باب رقية النبى ﷺ، حديث٥٤١٣.

❹ شرح النووی علی مسلم: ٧/ ٣٣٢، حديث٤٠٦٥.

جناب مہنا نے امام احمد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو قرآن کریم کسی برتن میں لکھ کر مریض کو پلاتا ہے، فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (امام احمد کے فرزند) جناب صالح کہتے ہیں کہ بسا اوقات میں بیمار ہو جاتا تھا تو والد گرامی پانی لے کر اس پر پڑھتے اور مجھے کہتے کہ اس سے پی لو اور کچھ سے اپنا منہ ہاتھ دھو لو۔

اور جو بیان ہوا یہ ان شاء اللہ آپ کے اس اشکال کا ازالہ کرنے کے لیے کافی ہے جو آپ کے علاقے میں مروج ہے کہ پانی پڑھ کر مریض کو پلایا جاتا ہے۔ وصلى الله على محمد (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: تعویذ ❶ لٹکانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: تعویذات اور گنڈے جو لٹکائے باندھے جاتے ہیں دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو قرآن کریم سے لئے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں قدیم و جدید اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض ان کی اجازت دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ اللہ عزوجل کے ان فرامین کے ضمن میں آتے ہیں جن میں فرمایا ہے کہ:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاسراء: ١٧/ ٨٢)

"اور ہم قرآن اتارتے ہیں جو شفا ہے اور رحمت ہے مومنین کے لیے۔"

اور:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ﴾ (ص: ٣٨/ ٢٩)

"یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے۔"

اور ایک برکت اس کی یہ ہے کہ کسی دکھ تکلیف کے ازالہ کے لیے اسے لٹکایا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے کچھ علماء ہیں جو کہتے ہیں کہ ان کا لٹکانا باندھنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ چونکہ نبی ﷺ سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ دکھ تکلیف کے ازالے کے لیے یہ ایک شرعی سبب ہے، اس لیے جائز نہیں ہیں۔ اور ان امور میں اصل یہ ہے کہ یہ نبی ﷺ کے قول وعمل پر موقوف ہیں، اور یہی قول راجح ہے، تعویذات خواہ وہ قرآن کریم ہی سے ہوں ان کا لٹکانا باندھنا، بیمار کے تکیے کے نیچے رکھنا یا دیواروں پر لٹکانا وغیرہ جائز نہیں ہے۔ چاہیے کہ مریض کے لیے دعا کی جائے اور براہ راست اس پر دم کیا جائے جیسے کہ نبی ﷺ کیا کرتے تھے۔ ❷

دوسری قسم وہ ہے جو قرآن کے علاوہ سے ہو، جن کے معانی و مفہوم کسی طرح سمجھ میں نہیں آتے ان کا

---

❶ ہمارے اردو ادب میں تعویذ کے ساتھ ایک لفظ "گنڈہ" بھی لکھا جاتا ہے جو راقم مترجم کے نزدیک ان خالص حرام چیزوں کے لیے ہے جو مشرکین علاج و تحفظ کے لیے لٹکاتے اور باندھتے ہیں۔ مثلاً کوڑیاں، پتھر، لکڑی، تاگے، یا طلسمات وغیرہ۔ قرآن مجید کی آیات، اسمائے الٰہیہ اور اذکار نبویہ کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ (م۔ف۔س)

❷ صحيح بخاري: كتاب المرضى، باب دعاء العائد للمريض، حديث: ٥٣٥١.

استعمال کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نہ معلوم کیا لکھا گیا ہے۔ جبکہ کچھ لوگ طلسمات اور اس طرح سے گڈمڈ کر کے لکھتے ہیں جو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتے کہ یہ کیا ہے اور نہ وہ پڑھے جاتے ہیں، تو یہ بدعت ہیں، حرام ہیں اور کسی صورت جائز نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

سوال: دم کرنے کا کیا حکم ہے اور قرآنی آیات لکھ کر مریض کی گردن میں لٹکانا کیسا ہے؟

جواب: جس مریض پر جادو ہوا ہو یا کسی اور مرض میں مبتلا ہو اس پر دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ قرآن کریم کی آیات یا نبی ﷺ سے منقول دعائیں ہوں۔ صحیح ثابت ہے کہ نبی ﷺ اپنے صحابہ کو دم کیا کرتے تھے۔ [1] ان میں سے ایک دَم کے الفاظ یہ ہیں:

((ربنا الله الذی فی السماء تقدس اسمك أمرك فی السماء والأرض، کما رحمتك فی السماء، فاجعل رحمتك فی الأرض، أنزل رحمة من رحمتك وشفاءً من شفاء ك علی هذا الوجع .)) [2]

''ہمارا رب وہ ہے جو آسمان پر ہے، تیرا نام بڑا مقدس ہے۔ تیرا حکم آسمان اور زمین میں نافذ ہے جیسے کہ تیری رحمت آسمان میں ہے، سو تو اپنی رحمت زمین میں بھی کر دے، اپنی رحمت میں سے کچھ صحت اور کچھ شفا اس دکھ پر بھی فرما دے۔''

چنانچہ اس سے بیمار شفایاب ہو جایا کرتے تھے۔ ان مسنون دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

((بسم الله یشفیك بسم الله أرقیك .)) [3]

''اللہ کے نام سے، وہ تجھے شفا دے، اللہ کے نام سے، میں تجھے دم کرتا ہوں۔''

اور ایک یہ بھی ہے کہ انسان دکھ والی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھے اور یہ دعا پڑھے:

((أعوذ بالله وعزته من شرما أجد وأحاذر .)) [4]

''اللہ کی ذات اور اس عزت کی میں پناہ چاہتا ہوں اس دکھ تکلیف سے جس میں میں مبتلا ہوں اور جس کا مجھے اندیشہ ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الطب، باب رقیة النبی ﷺ، حدیث: ٥٤١٢.

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الطب، باب کیف الرقی، حدیث: ٣٨٩٢

[3] سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب التعوذ للمریض، حدیث٩٧٢ صحیح۔ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٣٣٢، حدیث: ٢٦٨٦٤.

[4] سنن ابن ماجه: کتاب الطب باب ما عوذ به النبی، حدیث٣٥٢٢۔ صحیح ابن حبان: ٧/ ٢٣٠، حدیث: ٢٩٦٤، صحیح علی شرط البخاری.

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی دعائیں ہیں جو احادیث میں وارد ہیں اور اہل علم نے بیان کی ہیں۔

مگر ان آیات واذکار کا لکھ کر لٹکانا، تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ کچھ جائز سمجھتے ہیں اور کچھ ناجائز کہتے ہیں۔ تاہم ان کا ناجائز ہونا ہی راجح ہے۔ کیونکہ یہ عمل نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ سے صرف اتنا ہی ثابت ہے کہ آپ مریض پر دم کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا لکھ کر مریض کی گردن یا بازو میں باندھنا، لٹکانا یا تکیے کے نیچے رکھنا وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان کا کوئی ثبوت نہیں اس لیے ان کا ممنوع ہونا ہی راجح ہے۔ انسان کسی چیز کو دوسری کے لئے شریعت کی اجازت کے بغیر سبب بنائے تو اس طرح کا کام شرک کی ایک قسم شمار ہوتا ہے، کیونکہ اس میں ایک چیز کے سبب ہونے کا اثبات ودعویٰ کیا جاتا ہے جسے اللہ نے سبب نہیں بنایا۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا تعویذات کا لکھنا، قرآنی ہوں یا غیر قرآنی، اور ان کا گردن میں لٹکانا شرک ہے یا نہیں......؟

جواب: نبی ﷺ سے یہ صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ((إنّ الرقیٰ والتمائم والتولة شرك .)) ❶ (بلاشبہ دم جھاڑ، لٹکائے جانے والے گنڈے اور محبت کے گنڈے شرک ہیں) (اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا)۔ نیز احمد، ابویعلی اور حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوئی گنڈہ لٹکایا، اللہ اس کا مقصد پورا نہ کرے، جس نے کوئی کوڑی باندھی اللہ اس کا دکھ دور نہ کرے۔'' ❷ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ ''جس نے کوئی تمیمہ (گنڈہ) لٹکایا، اس نے شرک کیا۔'' ❸ اور اس معنیٰ کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔

تمیمہ کا لفظ ہر اس چیز پر استعمال ہوتا ہے جو بچوں یا بڑوں وغیرہ پر بھی اس غرض سے لٹکائی جاتی ہے کہ نظر بد، جن یا بیماری وغیرہ سے بچاؤ رہے۔ (عرب میں) کچھ لوگ انہیں جامعہ بھی کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن میں شیاطین کے نام لکھے جاتے ہیں یا ہڈیاں، منکے، میخیں لٹکائی جاتی ہیں، یا کچھ طلسمات ہوتے ہیں یعنی حروف تہجی وغیرہ۔ اس قسم کی چیزوں کے حرام ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں۔ اور اس کے بہت

❶ سنن ابی داؤد: کتاب الطب، باب فی تعلیق التمائم، حدیث ٣٨٨٣۔ صحیح سنن ابن ماجه: کتاب الطب، باب تعلیق التمائم، حدیث ٣٥٣٠ صحیح۔ المستدرك للحاکم: ٤/ ٢٤١، حدیث ٧٥٠٥۔ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٣٨١، حدیث: ٣٦١٥.

❷ المستدرك للحاکم: ٤/ ٢٤٠، حدیث: ٧٥٠١، صحیح الاسناد۔ صحیح ابن حبان: ١٣/ ٤٥٠ حدیث: ٦٠٨٦۔ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٥٤، حدیث: ١٧٤٤٠۔ مسند ابی یعلی: ٣/ ٢٩٥، حدیث: ١٧٥٩.

❸ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٥٦، حدیث: ١٧٤٥٨، اسنادہ قوی.

سے دلائل ثابت ہیں اور ان احادیث کی روشنی میں یہ عمل شرک اصغر شمار ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی ان کے متعلق یہ عقیدہ باندھ لے کہ یہ چیزیں ہی براہ راست، اللہ کی مشیت کے بغیر، از خود محافظ ہیں یا مرض دور کرتی ہیں یا کسی آفت کو ٹالتی ہیں تو یہ شرک اکبر ہوگا۔

دوسری قسم وہ ہے جو لوگ لٹکاتے ہیں قرآنی آیات اور نبی ﷺ کی دعائیں وغیرہ، تو ان میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض انہیں جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس رُقیہ (دم) کی ایک صورت ہے جو جائز ہے۔ اور کچھ اہل علم ان سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حرام ہیں۔ ان کے پاس دو دلیلیں ہیں۔ ایک وہ عام احادیث جن میں تمائم سے روکا گیا اور ان کے شرک ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ تو ضروری ہے کہ کچھ جواز اور خصوصیت کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود ہو اور وہ کہیں نہیں ہے۔

اور دَم جھاڑ کے بارے میں صحیح احادیث میں آیا ہے کہ اگر وہ قرآنی آیات اور جائز دعاؤں کے ذریعے سے ہوں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے اور ضروری ہے کہ ایسی زبان میں ہوں جو سمجھ میں آتی ہو، اور پھر ان الفاظ پر اعتماد نہ ہو بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ ایک سبب محض ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا بأس بالرقیٰ ما لم تكن شركا .)) ❶

''ان دم جھاڑ میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ شرک نہ ہوں۔''

اور خود رسول اللہ ﷺ نے اور کچھ صحابہ کرام نے بھی دم کیا ہے۔ اور فرمایا کہ

((لا رقية الا من عين أو حمة .)) ❷

''دم جھاڑ بدنظری سے ہے یا ڈنک مارنے سے۔''

اور اس معنی میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔ تمائم (جو لٹکائے جاتے ہیں) ان میں سے استثناء کی کوئی ایک بھی حدیث نہیں ہے، تو عمومی دلائل کی روشنی میں ان کو حرام کہنا واجب ہے۔

دوسری دلیل: شرک کے ذرائع کا بند کرنا۔ اور یہ شریعت اسلامیہ کا ایک اہم ترین اصول ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ہم قرآنی آیات اور مباح دعاؤں کے لکھنے اور لٹکانے کو جائز کہیں گے تو شرک کا دروازہ کھل جائے گا اور جائز تمیمے ممنوع تمائم کے ساتھ خلط ہو جائیں گے، اور ان میں فرق کرنا بڑی دقت نظری ہی سے ممکن ہو سکے گا،

---

❶ صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا باس بالرقى......، حديث ٢٢٠٠۔ المستدرك للحاكم: ٤/ ٢٣٦، حديث ٧٤٨٥، صحيح.

❷ صحيح بخاري، كتاب الطب، باب من اكتوى أوكوى غيره ......، حديث ٥٣٧٨۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة، حديث ٢٢٠۔ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٧١، حديث: ٢٤٤٨۔ اسناده صحيح.

لہٰذا یہ دروازہ بند کر دینا ہی لازمی ہے اور جو کام شرک تک پہنچانے والا ہو اسے مقفل کرنا واجب ہے۔ اور دلائل کی روشنی میں یہی قول صحیح ہے۔ واللہ الموفق (عبداللہ بن باز)

سوال: بازاروں میں کچھ ایسی دھاتی چیزیں ملتی ہیں جو بعض اوقات چاند وغیرہ کی شکل میں ہوتی ہیں، ان پر کچھ قرآنی آیات کندہ ہوتی ہیں اور اس غرض سے فروخت کی جاتی ہیں کہ بچوں کو بطور تمیمہ لٹکا دی جائیں تو انہیں نظر بد اور ڈر خوف سے بچاؤ رہتا ہے، ان کا شرعی حکم کیا ہے......؟

جواب: الحمدللہ! امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من تعلق تميمة فلا أتم الله له ومن تعلّق ودعة فلا ودع اللّٰه له .)) [1]

''جس نے کوئی تمیمہ لٹکایا، اللہ اس کا مقصد پورا نہ کرے، اور جس نے کوڑی وغیرہ لٹکائی اللہ اس کا مرض دور نہ کرے۔''

اور مسند احمد میں ایک اور روایت میں ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت آئی تو آپ نے ان میں سے نو آدمیوں کی بیعت قبول فرمالی اور ایک کی بیعت نہ لی۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے نو سے بیعت لے لی ہے اور اس کی بیعت نہیں لی، تو آپ نے فرمایا کہ اس پر تمیمہ ہے، چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ ڈالا اور وہ تمیمہ توڑ ڈالا، تب آپ نے اس سے بھی بیعت لے لی، اور فرمایا: ''جس نے کوئی تمیمہ لٹکایا اس نے شرک کیا۔'' [2] (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: کیا انسان کو نظر بھی لگ جاتی ہے؟ اس کا علاج کیسے ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس سے بچاؤ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے؟

جواب: بدنظری کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ یہ حق ہے، اور لگ جاتی ہے۔ شریعت سے اور تجربہ سے بھی یہ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾ (القلم: ٦٨/ ٥١)

''یقیناً ان منکروں کی خواہش ہے کہ اپنی تیز نگاہوں سے (بدنظری سے) آپ کو پھسلا دیں، جب کبھی قرآن سنتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں یہ تو ضرور دیوانہ ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہی تفسیر منقول ہے کہ وہ آپ کو اپنی نظر بد کا شکار بنانے کی کوشش کرتے

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٥٤، حديث: ١٧٤٤٠۔ المستدرك للحاكم: ٤/ ٢٤٠، حديث: ٧٥٠١.

[2] مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٥٦، حديث: ١٧٤٥٨۔ المستدرك للحاكم: ٤/ ٢٤٣، حديث: ٧٥١٣.

تھے ❶ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

”نظر لگ جانا حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آ سکتی ہوتی تو نظر غالب آ جاتی، سو جب تم سے غسل کروایا جائے تو اسے غسل کر دیا کرو یعنی اپنے غسل کا پانی دے دیا کرو۔“ ❷

اس مضمون میں سنن نسائی اور ابن ماجہ میں یہ روایت آئی ہے کہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ غسل کر رہے تھے، تو عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر کہہ دیا ”میں نے آج کی طرح کسی مستور کا جسم نہیں دیکھا ہے،“ تو کوئی دیر نہ گزری کہ وہ بے ہوش سے ہو کر گر پڑے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور بتایا گیا کہ انھیں بے ہوش پایا گیا ہے۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کس پر شبہ ہے؟ انہوں نے کہا عامر بن ربیعہ پر۔ تو آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرنے کی کیوں کوشش کرتا ہے، جب تمہیں اپنے بھائی سے اس کی کوئی چیز بھلی معلوم ہو تو چاہیے کہ اس کے لیے برکت کی دعا کرے۔“ پھر آپ نے پانی منگوایا، اور عامر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وضو کرے اپنے چہرے، بازو، کہنیوں تک، (اور پاؤں) گھٹنوں تک اور ازار کے نیچے سے بھی دھوئے، اور حکم دیا کہ یہ پانی اس (سہل رضی اللہ عنہ) پر چھڑک دیا جائے“ ❸ اور ایک روایت میں ہے کہ ”برتن اس کے پیچھے سے اس پر انڈیلا جائے“ ❹ اور نظر بد کے بہت سے مشاہدات بھی ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اگر کہیں کسی کو نظر بد لگ جائے تو درج ذیل شرعی علاج کیے جائیں:

ا۔ دَم کرنا: نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

((لا رقية إلا من عين أو حمة .))

”دم کرنا بدنظری میں ہے یا ڈنک میں۔“ ❺

اور حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کو ان الفاظ سے دم کیا کرتے تھے:

((بسم الله يشفيك ، باسم الله أرقيك .))

”میں تجھے اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں، ہر اس شے سے جو تجھے دکھ دیتی ہے وہ کوئی جان ہو یا کسی

---

❶ تفسیر ابن کثیر: سورة القلم، آيت: ٥١ .

❷ صحيح مسلم، كتاب السلام، باب الطب والمريض والرقى، حديث: ٢١٨٨ .

❸ سنن ابن ماجه: كتاب الطب، باب العين، حديث: ٣٥٠٩ .

❹ سنن ابن ماجه: كتاب الطب، باب العين، حديث: ٣٥٠٩ .

❺ صحيح بخاري: كتاب الطب، باب من اكتوى او ركوى غيره..... حديث: ٥٣٧٨ ـ صحيح مسلم، كتاب الايمان باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة..... حديث: ٢٢٠ .

حاسد کی آنکھ۔ اللہ تجھے شفا دے، میں اللہ کے نام سے تجھے دَم کرتا ہوں۔"❶

۲۔ غسل کروانا (یعنی اس شخص سے جس کے متعلق شبہ ہو کہ اس کی نظر لگی ہے): جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا، یہ حدیث اوپر تفصیل سے ذکر ہو چکی ہے، پھر یہ پانی مریض پر چھڑک دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس کا پیشاب یا پاخانہ یا اس کے قدموں کی خاک وغیرہ لینے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ حدیث میں صرف اس کے اعضائے وضو اور زیر جامہ کا پانی لینے کا بیان ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے رومال ٹوپی یا کپڑے کا پانی لینا بھی مراد ہو۔ واللہ اعلم

اور پیشگی طور پر نظر بد سے بچنے کے لیے کوئی شرعی بچاؤ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ یہ توکل کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ عین توکل ہے کیونکہ توکل یہی ہے کہ مشروع اور مباح اسباب، جن کا اللہ نے حکم دیا ہے یا جو جائز قرار دیئے ہیں، کا استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا جائے۔ نبی ﷺ اپنے نواسوں جناب حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو ان الفاظ سے دم کیا کرتے تھے:

((أعيذكما بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة ومن كل عين لامّة .))

"میں تم دونوں کو اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور ہر بری نظر سے جو دیوانہ بنا دے۔"❷

اور فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طرح اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کو دم کیا کرتے تھے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ نظر بد سے احتیاط کرے، کیا اس کا سنت میں کوئی ثبوت ہے؟ اور کیا یہ اللہ پر توکل کے خلاف نہیں ہے؟

جواب: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "نظر لگ جانا حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آنے والی ہوتی تو وہ نظر ہی ہوتی، اور جب تم سے غسل کروایا جائے تو غسل کر دیا کرو۔"❸

اور "نظر" سے مراد انسانی نظر ہی ہے جو بعض اوقات چیزوں پر اس طرح سے اثر انداز ہوتی ہے کہ انہیں تلف اور خراب کر دیتی ہے، اور یہ سب اللہ کے حکم اور تقدیر سے ہوتا ہے۔ اور یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اتنا ضرور ہے کچھ طبیعتوں میں کوئی شرارت سی ہوتی ہے، تو جب وہ کسی چیز کو ٹکٹکی لگا کر

---

❶ سنن ترمذی: کتاب الجنائز، باب التعوذ للمریض، حدیث: ۹۷۲۔ صحیح سنن ابن ماجه: کتاب الطب، باب ما عوذ به النبی وما عوذ به، حدیث: ۳۵۲۳.

❷ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب یزفون......، حدیث: ۳۱۹۱.

❸ صحیح مسلم: کتاب السلام، باب الطب والمریض والرقی، حدیث: ۲۱۸۸.

دیکھ لیں تو اللہ کے حکم سے اس میں کچھ ایسا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چیز خراب ہو جاتی ہے یا انسان وغیرہ بیمار ہو جاتا ہے۔

اور جائز ہے کہ ان چیزوں سے محتاط رہا جائے کہ انسان کو کسی کی نظر بد لگے اور ایسے اسباب اختیار کیے جائیں جو انسان کو اس کے شر سے محفوظ رکھیں، مثلاً تعوذ پڑھنا اور دم کرنا۔ نبی ﷺ سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو جنوں اور انسانوں کی بدنظری سے تحفظ کے لیے دم کیا کرتے تھے۔ اور جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کو بدنظری سے بچاؤ کے لیے دم کیا کرتے تھے۔ اور اس دم کے الفاظ یہ ہوتے تھے:

((باسم الله أرقيك من كل شئي يوذيك، من شر كل نفسٍ، أوعينٍ حاسد، الله يشفيك، باسم الله أرقيك.)) ❶

''میں تجھے اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو تجھے اذیت دے، وہ کوئی جان ہو یا کسی حاسد کی آنکھ، اللہ تجھے شفا دے، اللہ کے نام سے میں تجھے دم کرتا ہوں۔''

انسان پر واجب ہے کہ یہ دعائیں پڑھا کرے اور ایسے اسباب اختیار کرے جن کے ذریعے سے وہ اس سے محفوظ رہے، اور اگر یہ پریشانی آ جائے تو اس کا علاج کرے۔ اگر کسی انسان کے متعلق شبہ ہو کہ اس کی نظر لگی ہے تو اس سے کہے کہ وہ اپنا کپڑا وغیرہ دھو کر پانی دے، جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''جب تم سے دھلوایا جائے / غسل کروایا جائے تو دھو دو/ یا غسل کر دو۔ ❷ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ کوئی گنڈہ وغیرہ لٹکا لوں، کیونکہ مجھے کئی نفسیاتی پریشانیاں درپیش ہیں؟

جواب: تمیمے (گنڈے، حرام تعویذ) لٹکانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی ممانعت آئی ہے۔ البتہ قرآنی آیات سے یا مسنون دعاؤں سے دم کیا جائے، کثرت سے ذکر الٰہی کیا جائے، صالح اعمال اپنائے جائیں، شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی جائے، گناہ اور گناہ پسند لوگوں سے کنارہ کشی کی جائے، تو اس طرح سے انسان کو راحت، اطمینان اور باسعادت زندگی نصیب ہوتی ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: جوڑوں کے درد اور سوجن (روماٹیزم) کے لیے لوہے کا چھلہ یا کپڑا پہننا کیسا ہے؟

جواب: یاد رکھیے دوا شفایابی کا ایک سبب اور ذریعہ ہے، اور اسے سبب بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور سبب وہی جائز ہو سکتا ہے جسے اللہ نے سبب بنایا ہو۔ اور اسباب جو جائز اور مشروع ہیں دو طرح کے ہیں:

۱۔ شرعی اسباب مثلاً قرآن کریم کی آیات پڑھ کر پھونکنا یا دعائیں کرنا اور پھونکنا، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے

❶ سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب التعوذ للمریض، حدیث۹۷۲ صحیح۔ سنن ابن ماجه، کتاب الطب، باب ما عوذ به النبیؐ وما عوذ به، حدیث: ۳۵۲۳.

❷ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمریض والرقی، حدیث۲۱۸۸.

سورۂ فاتحہ کے بارے میں اپنے صحابی سے فرمایا تھا: ''تجھے کس نے بتایا تھا کہ یہ دَم بھی ہے؟'' ❶ اور رسول اللہ ﷺ بیماروں کے لیے دعا کرتے اور بعض اوقات پھونکتے بھی تھے، تو اللہ عزوجل آپ ﷺ کی دعا سے، جس کے لیے شفا کا ارادہ کیا ہوتا، شفا عنایت فرما دیتا تھا۔

۲- دوسری قسم کے اسباب وہ معلوم ومعروف مادی ادویات ہیں، جن کا مفید ہونا شریعت اور از روئے تجربات ثابت ہوا ہے، مثلاً شہد وغیرہ۔ اور ان دواؤں کا عملاً مؤثر ہونا ثابت ہونا چاہیے، محض وہم وخیال نہ ہو۔ اگر تجربات سے ان کا مفید ہونا ثابت ہو چکا ہو تو انہیں بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے، اللہ کے حکم سے شفا ہو جائے گی۔ اور اگر محض وہم وخیال ہی ہو کہ مریض کو بس کسی نفسیاتی راحت کا احساس ہوتا ہو اور مرض میں افاقہ لگتا ہو تو اس پر اعتماد کرنا، اور اسے دوا سمجھنا جائز نہیں، تا کہ انسان کسی طرح کے اوہام وخیالات کے درپے نہ ہو۔ تو یہی وجہ ہے کہ احادیث میں کوئی کڑا چھلہ پہننے یا دھاگہ وغیرہ باندھنے کی منع آئی ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ ان سے کوئی بیماری دور ہوتی ہے یا کسی کا دفعیہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں نہ شرعی طور پر سبب ہیں اور نہ حسی اور مادی طور پر۔ اور جن چیزوں کے متعلق ان کا سبب ہونا شرعی طور سے یا حسی اور مادی طور سے ثابت نہ ہو انہیں سبب بنانا یا سبب کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی چیزوں کو سبب سمجھنا اللہ تعالیٰ کے ملک وتدبیر میں داخل دینا ہے اور اس کے ساتھ شریک بنانا ہے۔ گویا بندہ اپنے طور پر ایسے اسباب گھڑتا ہے جن سے وہ اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ امام توحید جناب الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التوحید میں زیرعنوان "باب من الشرك لبس الحلقة والخيط ونحوها لدفع البلاء أو رفعه" اس مسئلہ کو خوب نکھارا ہے (باب ہے اس مسئلہ میں کہ آفت و مصیبت ٹالنے یا دور کرنے کی غرض سے چھلہ پہننا یا دھاگہ باندھنا شرک ہے)۔

اور میرا خیال ہے کہ سوال میں جو ذکر ہوا کہ کسی پنساری وغیرہ نے جوڑوں کی سوجن اور درد وغیرہ کے لیے جو چھلہ دیا ہے وہ اس قسم سے ہے۔ اور چھلے یا کپڑے پہننا نہ تو شرعی سبب ہیں اور نہ حسی اور مادی کہ روماٹیزم کے مریض کے لیے یہ کسی طرح مفید ہوں۔ تو اس مریض کو ان کا پہننا جائز نہیں ہے، حتیٰ کہ ان کے متعلق ثابت ہو کہ یہ شرعی سبب ہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا کسی مریض کے لیے جائز ہے کہ برتن میں قرآنی آیات لکھے، پھر انہیں دھو کر پی لے.....؟

جواب: اس بارے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سلف کی ایک جماعت یہ جائز سمجھتے تھے کہ مریض کے لیے کچھ قرآنی آیات لکھی جائیں اور پھر وہ انہیں دھو کر پی لے۔ امام مجاہد

❶ صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب ما یعطی فی الرقیة......، حدیث: ۲۱۵٦۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب جواز أخذ الاجرة علی الرقیة...... حدیث: ۲۲۰۱.

اور ابوقلابہ رحمہ اللہ سے ایسے ہی منقول ہے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے ایک خاتون کے متعلق جو زچگی کی تنگی میں تھی، کہا کہ اس کے لیے کچھ قرآنی آیات لکھی جائیں اور پھر دھوکر اسے پلادی جائیں۔ اور توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وصلی اللہ علیٰ محمد (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: وسیلے (اور طفیل) کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ ایک بڑا اہم سوال ہے، ہم چاہتے ہیں کہ تفصیل سے اس کا جواب دیا جائے۔

توسل مصدر ہے فعل توسَّلَ یتوسّلُ کا۔ یعنی کسی چیز کو وسیلہ اور ذریعہ بنانا جو انسان کو اس کے مقصد تک پہنچا دے۔

وسیلے کی دو قسمیں ہیں: ۱- صحیح اور جائز وسیلہ۔ ۲- غلط اور ناجائز وسیلہ۔ صحیح اور جائز وسیلے کی چھ صورتیں ہیں:

۱- اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ اختیار کرنا، اور اسے اس کے ناموں کا واسطہ دینا اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول: یہ کہ عمومی انداز میں مجمل طور پر اس کے ناموں کا واسطہ وسیلہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً جیسے کہ غم و پریشانی کے ازالہ کے لیے دعا میں آیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ((اللهم إنّي عبدك، إبن عبدك، ابن أمتك، ناصيتى بيدك، ماضٍ فى حكمك، عدل فى قضاءك، أسألك اللهم بكل اسم هولك سميت به نفسك، أو أنزلته فى كتابك، أوعلّمته أحدا من خلقك، أواستأثرت به فى علم الغيب عندك، أن تجعل القرآن ربيع قلبى ونور صدرى وجلاء حزنى وذهاب همى وغمى.))[1] تو اس دعا میں عمومی انداز سے اسمائے الٰہیہ کا توسل لیا گیا ہے: یعنی ((أسألك بكل اسم هو لك سميت به نفسك.)) (میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنا نام رکھا ہے)۔

اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنی حاجت اور ضرورت کے لحاظ سے کسی خاص اسم الٰہی کا واسطہ اختیار کرے۔ مثلاً اس حدیث میں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ مجھے کوئی دعا تعلیم فرمائیں جو میں نماز میں پڑھا کروں، تو آپ نے انہیں یہ دعا سکھلائی:

((اللهم إنّى ظلمتُ نفسى ظلما كثيرا، ولا يغفرالذنوب الا أنت فاغفرلى

---

[1] اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، مجھ پر تیرا حکم جاری ہے، میرے متعلق تیرے فیصلے عین عدل ہیں، میں تجھ سے اے اللہ تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے اختیار فرمایا ہے، یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا اپنے علم غیب میں تو نے اسے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ قرآن کو میرے دل کی بہار بنادے، اسے میرے سینے کا نور بنادے، میرے غموں کا ازالہ بنادے، میرے فکروں اور پریشانیوں کے دور کرنے کا ذریعہ بنادے۔ (مسند احمد بن حنبل : ۱/ ۳۹۱، حديث : ۳۷۱۲)

مغفرة من عندك وارحمنی إنك انت الغفور الرحيم .))❶

تو اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کا سوال ہے تو اس مناسبت سے اسمائے حسنیٰ میں سے ''الغفور'' اور ''الرحیم'' کا واسطہ وسیلہ لیا گیا ہے۔

توسل ووسیلہ کی یہ نوعیت اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۸۰)

''اور اللہ عزوجل کے پیارے پیارے خوبصورت نام ہیں، تو اسے ان ہی سے پکارو۔''

اور دعا میں دعائے سوال اور دعائے عبادت دونوں شامل ہیں۔

۲- دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی صفات کے واسطے وسیلے سے دعا کی جائے۔ اس میں بھی مذکورہ بالا کی طرح دو صورتیں ہیں:

پہلی یہ کہ عمومی انداز میں کہا جائے مثلاً:

((اللهم إنی أسألك باسماء ك الحسنیٰ وصفاتك العليا .))❷

پھر اپنا سوال پیش کیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دعا وسوال کی مناسبت سے کسی خاص صفت کا واسطہ دے کر دعا کی جائے مثلاً جیسے کہ حدیث میں آیا ہے:

((اللهم بعلمك الغيب وقدرتك على الخلق أحينی ما علمت الحياة خيرا لی ، وتوفنی إذا علمت الوفاة خيرا لی .))❸

اس دعا میں اللہ کی صفت علم اور قدرت کا واسطہ وسیلہ پیش کیا گیا ہے جو مطالبہ دعا کے عین مطابق ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دعا میں کسی صفت فعلی کو واسطہ بنالیا جائے تو جائز ہے مثلاً:

((اللهم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلیٰ

---

❶ دعا کا ترجمہ: اے اللہ میں اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم اور زیادتی کر چکا ہوں، اور گناہوں کو تیرے علاوہ اور کوئی نہیں بخش سکتا، سو تو مجھے اپنی طرف سے بخش دے، اور مجھ پر رحم فرما، بلاشبہ تو بے انتہا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب صفة الصلاة، باب الدعاء قبل السلام، حدیث۷۹۹)

❷ ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے تیرے خوبصورت ناموں اور عالی شان صفات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں......

❸ ترجمہ: اے اللہ تجھے تیرے علم غیب کا واسطہ اور مخلوقات پر تیری قدرت کا واسطہ، مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ تیرے علم کے مطابق میرا زندہ رہنا میرے لیے بہتر ہو، اور مجھے وفات دے اس وقت جب تیرے علم کے مطابق میرا مرجانا میرے لیے بہتر ہو۔ (سنن نسائی، کتاب صفة الصلاة، نوع آخر (من الدعاء)، حدیث: ۱۳۰۵ صحیح۔ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ٢٦٤، حدیث: ۱۸۳۵۱.

آل ابراھیم ......الخ (اس میں کما صلیت علی ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم......صفت فعلی ہے)۔

۳- تیسری قسم یہ ہے کہ انسان اپنی دعا میں اپنے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو بطور واسطہ وسیلہ پیش کرے۔ اور یوں کہے: ((اللھم انی آمنت بك وبرسولك فاغفرلی أو وفقنی .)) (اے اللہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا ہوں، سو تو مجھے بخش دے...... یا کہے کہ...... مجھے توفیق عنایت فرما)۔ یا اس طرح سے دعا کرے ((اللھم بإیمانی بك وبرسولك أسألك .)) ......(اے اللہ اس سبب سے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا ہوں، تجھ سے سوال کرتا ہوں......)۔ اسی قسم میں سے وہ دعا ہے جو سورۂ آل عمران کے آخر میں عقل مند بندوں کا معمول بتائی گئی ہے......

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍo رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِo﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۹۲-۱۹۳)

''اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی پکار لگاتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، چنانچہ ہم ایمان لے آئے ہیں، سو ہمارے گناہ معاف فرما دے، ہماری غلطیوں پر پردے ڈال دے اور ہمیں صالحین کے ساتھ موت آئے۔''

یہ لوگ اللہ عزوجل کے حضور اپنے ایمان لانے کو واسطہ وسیلہ بنا کر دعا کرتے ہیں کہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں، ان کی غلطیوں پر پردہ ڈال دیا جائے اور انہیں صالحین کے ساتھ موت آئے۔

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ کے حضور اپنا کوئی صالح عمل پیش کر کے اس کے واسطے سے دعا کی جائے۔ اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں تین آدمیوں کا قصہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے ایک سفر میں ایک غار میں پناہ لی تو اس کے دہانے پر ایک بڑا پتھر آ گیا اور وہ اس میں محبوس ہو کر رہ گئے، اس پتھر کو ہٹانا ان کے لیے ناممکن تھا، تو ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا ایک ایک صالح عمل پیش کر کے دعا کی۔ چنانچہ ایک نے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، دوسرے نے اپنی کامل عفت اور تیسرے نے اپنے مزدور کو اس کی مزدوری کامل طور پر ادا کر دینے کو پیش کیا، اور انہوں نے اس طرح دعا کی:

((اللھم إن كنتُ فعلتُ ذلك من أجلك فاخرج عنا ما نحن فيه .))

''اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہم سے یہ مصیبت جس میں ہم پھنس گئے ہیں، دور کر دے۔''

چنانچہ چٹان کا وہ ٹکڑا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ ❶ اور یہ اللہ کے حضور عمل صالح کا توسل ہے۔

۵- پانچویں صورت یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ کے حضور اپنی حالت، لاچاری اور زاری کی کیفیت کو وسیلہ بنائے، جیسے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غریب الوطنی میں دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ (القصص: ۲۸/ ۲۴)

''اے اللہ تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔''

اور سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا بھی اسی طرح کی تھی:

﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ (مریم: ۱۹/ ٤)

''اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، اور سر سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے، اور اے میرے رب میں تجھے پکار کے کبھی بدبخت نہیں ہوا ہوں۔''

الغرض توسل کی یہ سب صورتیں جائز ہیں، اور حصول مقصد کے لیے صالح اور مشروع سبب ہیں۔

۶- چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی صالح بندے سے دعا کروائی جائے، جس کے متعلق قبولیت کی امید ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات بالعموم اور کبھی خصوصیت کے ساتھ دعا کا کہا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا، جمعہ کا روز تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مال مویشی مرگئے، رستے کٹ گئے، اللہ سے دعا فرمایئے کہ ہمیں بارش عنایت فرمائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: ((اللهم أغثنا .)) تین بار کہا۔ چنانچہ آپ منبر سے نیچے نہیں آئے کہ بارش ہونے لگی حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھی سے پانی کے قطرات گرنے لگے، اور پھر پورا ایک ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ اور پھر اگلے جمعے میں وہی آدمی آیا یا کوئی دوسرا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مال مرگئے، گھر گر گئے، اللہ سے دعا کیجیے کہ اس بارش کو ہم سے روکے، چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ بلند فرمائے اور کہا: ''اے اللہ ہمارے اردگرد ہو، ہم پر نہ ہو'' چنانچہ آسمان سے جس طرف بھی آپ کا اشارہ ہوا، بادل چھٹتا چلا گیا، حتیٰ کہ جمعہ کے بعد لوگ دھوپ میں چل رہے تھے۔ ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشتری شیئًا لغیرہ بغیر اذنه فرضِیَ، حدیث۲۱۰۲۔ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب قصة اصحاب الغار، حدیث۲۷٤۳.

❷ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب الاستسقاء فی خطبة الجمعة، حدیث: ۹٦۸۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء، حدیث: ۸۷۹.

اور بے شمار واقعات ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے دعائیں کروائیں اور آپ نے کیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک بار بیان فرمایا کہ: میری امت میں سے ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جو بغیر کسی حساب اور بغیر کسی عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو دم جھاڑ نہیں کرواتے ہوں گے، لوہے سے داغ نہیں لگواتے ہوں گے، بدفالی نہیں لیتے ہوں گے اور اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے ان ہی میں سے بنا دے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ''تم ان ہی میں سے ہو۔'' [1] تو جائز توسل کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ یعنی انسان کسی صالح انسان سے، جس کی دعا مقبول ہونے کی امید ہو، دعا کروائے اور چاہیے کہ دعا کروانے والا اپنے فائدہ کے ساتھ ساتھ دعا کرنے والے کے لیے بھی فائدہ کا ارادہ رکھتا ہو، صرف اپنی غرض ہی پیش نظر نہ رکھے۔ کیونکہ آپ جب اپنے فائدہ کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کا فائدہ بھی سوچیں گے تو یہ اس کے لیے بہت بڑا احسان ہوگا۔ اور انسان جب پیٹھ پیچھے کسی کی غیر حاضری میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: "آمين ، ولك بمثل" (اللہ کرے ایسے ہی ہو، اور تمہارے لیے بھی یہی کچھ ہو)۔ چنانچہ وہ اس طرح دعا کرنے سے محسنین میں سے بن جاتا ہے اور اللہ عزوجل احسان کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

دوسری قسم ناجائز توسل ہے۔ یعنی بندہ اللہ کے حضور کوئی ایسا وسیلہ پیش کرے جو وسیلہ ہی نہیں یا شریعت کی رُو سے وہ ناجائز ہے۔ اس طرح کا وسیلہ لغو، باطل اور غیر معقول ہوگا کیونکہ وہ شریعت میں غیر منقول ہے۔ مثلاً کوئی کسی میت کو پکارے اور اس سے دعا کرے کہ وہ اس کے لیے اللہ سے دعا کرے۔ یہ وسیلہ نہ شرعی ہے اور نہ کسی طرح سے صحیح۔ کیونکہ یہ بڑی حماقت ہے کہ انسان کسی مردے سے دعا کرے کہ وہ اس کے لیے اللہ سے دعا کرے۔ کیونکہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل بھی منقطع ہوجاتے ہیں، اور اس کے لیے ناممکن ہوجاتا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کے لیے دعا کرے۔ حتیٰ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھی یہ ممکن نہیں رہتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد کبھی آپ سے آپ کی دعا کا وسیلہ نہیں لیا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب قحط پڑا تو انہوں نے اس طرح دعا کی:

((اللهم إنّا كنّا نتوسّل إليك بنبينا فتسقينا ، وإنّا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا .)) [2]

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الطب، باب من اكتوى او كوى غيره...... حديث : ٥٣٧٨۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة...... حديث : ٢٢٠ .

[2] صحيح بخاری، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام استسقاء...... ، حديث : ٩٦٤ .

''اے اللہ ہم تیرے حضور اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور تو ہمیں بارش دیا کرتا تھا، اور اب ہم تیرے حضور اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، تو ہمیں بارش عنایت فرما۔''

تب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ تو اگر میت سے دعا کرنا درست ہوتا اور جائز اور صحیح وسیلہ ہوتا تو جناب عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرتے، کیونکہ اس میں شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا، جناب عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کی بہ نسبت زیادہ مقبول ہوئی۔

غیر مشروع اور ناجائز توسل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ، یعنی قدر، شرف، بلندی، مرتبہ کے واسطہ وسیلہ سے دعا کی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر وشان دعا کرنے والے کے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے، اس کا فائدہ صرف اور صرف آپ ہی کی ذات مطہر کو ہے، دعا کرنے والے کو اس کا کیا فائدہ کہ اسے وسیلہ بنائے۔ اور پیچھے گزر چکا ہے کہ وسیلہ وہی مفید اور کارآمد ہے جو کوئی نتیجہ بھی دے۔ تمہیں اس سے کیا فائدہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ہاں بڑی قدر وشان والے ہیں؟ اگر آپ وسیلہ لینا ہی ہے تو یوں کہیے: ((اللهم بإيماني بك وبرسولك .)) (اے اللہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا، اسی واسطے......) یا یوں کہو...... اے اللہ مجھے تیرے رسول سے محبت ہے اس واسطے ......وغیرہ۔ یہی صورت جائز، مشروع اور صحیح ومفید وسیلہ کی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: فوت شدہ اولیاء وصالحین کے جاہ (شان ومرتبہ)، حق یا حرمت کے واسطے وسیلے سے دعا کرنا کیوں جائز نہیں ہے؟

جواب: ہاں، یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۷/ ۱۸۰)

''اللہ عزوجل کے پیارے پیارے نام ہیں، سو اسے ان ہی سے پکارا کرو۔''

اور فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾

(الاسراء: ۱۷/ ۱۱۰)

''کہہ دیجیے کہ تم اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے، جس سے بھی تم اسے پکارو، تو اس کے پیارے پیارے نام ہیں۔''

الغرض اس نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ ہم اس سے اس کے پاکیزہ خوبصورت ناموں اور عالی شان صفات کے ذریعے سے دعا کیا کریں۔ اور نبی کے جاہ ومرتبہ یا کسی ولی وصالح کے جاہ ومرتبہ سے دعا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اللہ عزوجل پر مخلوق میں سے کسی کا کوئی حق ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم اللہ کے اسماء وصفات یا

اپنے اعمال صالحہ کے واسطے سے سوال کریں، نہ کہ مخلوقات کی شخصیات کے واسطے سے۔ مخلوق کا اللہ پر کوئی حق نہیں کہ اس کے ذریعے، واسطے سے وسیلے سے سوال یا دعا کی جا سکے۔ جیسے کہ بعض علمائے محققین نے کہا ہے۔

ما للعباد عليه حق واجب
كلا ولا سعـــى لـديه ضــائـع
إنْ عُذّبوا فبعد له أونعموا
فبفضله وهو الكريم الواسع

''بندوں کا اس اللہ پر کوئی حق واجب اور لازم نہیں ہے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں اور کوئی کاوش اس کے ہاں بے قیمت نہیں۔ اگر یہ لوگ عذاب دیئے جائیں تو یہ اس کا عدل ہوگا، اور اگر انعام کئے گئے تو یہ اس کا فضل ہوگا اور وہ بڑی عنایت والا اور وسعت والا ہے۔''

اور دوسری جانب اگر آپ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی دعاؤں پر غور کریں تو آپ کو یہ کہیں نہیں ملے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سے پہلے کسی نبی کے جاہ یا کسی صالح کے جاہ کے واسطے سے دعا کی ہو۔ اور نہ صحابہ میں سے آپ کو کوئی ایسا ملے گا جس نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے جاہ کے واسطے سے یا ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے جاہ کے واسطے سے کبھی کوئی دعا کی ہو۔ حالانکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امت کے افضل ترین انسان ہیں۔ یہ سب اللہ کے حضور اس کے اسماء و صفات، اس کی عظمت، کمال قدرت اور یہ کہ وہ اکیلا و یکتا ہے، عظیم ہے، حمد ہے، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوًا احد ہے وغیرہ سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ کہیں یہ بیان نہیں آیا کہ انہوں نے 'نسألك بحرمة نبيّك- یا- نسألك بجاه نبيّك -یا- ببركة علىٰ بن أبى طالب -یا- بجاه علِي بن ابى طالب...... وغیرہ کے انداز میں کبھی کوئی دعا کی ہو۔ یہ سب ناجائز ہے اور کسی مخلوق کا اللہ پر قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تو نے سوال کرنا ہو تو اللہ ہی سے سوال کر، اور مدد کی ضرورت ہو تو اللہ ہی سے مدد مانگ۔'' ❶ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ افک میں ہے کہ جب ان کی براءت نازل ہوئی تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''کھڑی ہو اور نبی ﷺ کا شکریہ ادا کر'' تو اس نے کہا: نہیں بلکہ میں اللہ عزوجل کا شکر ادا کروں گی جس نے آسمان سے میری براءت نازل فرمائی۔ ❷

(مفہوم روایت)...... واللہ اعلم (عبداللہ بن حمید)

❶ سنن ترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق، حديث: ٢٥١٦۔ صحيح مسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٩٣، حديث: ٢٦٦٩، اسناده قوى.

❷ مفهوم روايت: المعجم الكبير للطبرانى: ٢٣/ ١٢٤، حديث: ١٩١١٨.

نغمات اور ترانے

سوال: ان نغموں کا کیا حکم ہے جو ہمارے نوجوانوں میں بہت مقبول ومعروف ہیں اور وہ انہیں اسلامی نغمے کہتے ہیں؟

جواب: اگر ان نغموں میں اسلامی وشرعی مضامین ہوں اور ان کے ساتھ کسی قسم کی موسیقی اور بجانے کے آلات دف، ڈھولکی وغیرہ نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ایک اور ضروری شرط ان کے جواز کی یہ بھی ہے کہ یہ شرعی مخالفات مثلاً غلو سے بھی خالی ہوں۔

علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ انہیں معمول اور عادت نہ بنالیا جائے، ورنہ یہ اپنے سننے والوں کو قرآن مجید کی قراءت سے روکنے کا باعث بن جائیں گے۔ جبکہ سنت نبویہ میں تلاوت قرآن کی بہت زیادہ ترغیب آئی ہے۔ ان نظموں ترانوں کی یہ چاٹ نوجوانوں کو بالخصوص علم نافع اور دعوت الی اللہ کے عمل سے رکاوٹ کا باعث ہوگی۔

نغموں سے دف کا استعمال عید ونکاح کے موقع پر صرف خواتین کی محافل میں جائز ہے نہ کہ مردوں کو۔

(محمد ناصر الدین البانی)

سوال: اسلامی ویڈیو کا کیا حکم ہے؟

جواب: آج کل کے حالات میں ان چیزوں کو ان ناموں کے ساتھ تسلیم وقبول کرنا ممکن نہیں ہے جبکہ ہوا وہوس بہت بڑھ گئی ہے اور معیارات بدل چکے ہیں۔ ہاں جب اللہ کا حکم ہوگا، حکومت اسلامی قائم ہوگی، اور امید ہے کہ عنقریب ایسا ہونے والا ہے، علمائے شریعت کی مجالس بنیں گی اور وہ ویڈیو کے شرعی طور پر جائز ہونے کے ضوابط پیش کریں گی، تب ان شرعی اصولوں اور علمی قواعد کی روشنی میں اس کے جواز کی بات ہو سکے گی۔ مگر آج جب ہوا وہوس کا غلبہ ہے تو اس کے جائز ہونے کا نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں اگر ہم چیزوں کے غیر حقیقی نام رکھنے کے درپے ہوں، مثلاً اسلامی بنک، اسلامی نغمے وغیرہ......تب...... [1] (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: فلمیں اور ڈرامے دیکھنے کا کیا حکم ہے جبکہ وہ اسلامی اور دینی ہوں؟

جواب: اسلام میں فلموں اور ڈراموں کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے، اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱- اولاً یہ کفار کی تقلید اور مشابہت ہے اور کافروں کا طور طریق انہیں ہی زیب دیتا ہے نہ کہ مسلمانوں کو۔ اور کفار یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ایسے ذرائع کی اشد ضرورت ہے جو انہیں نیکی کے کاموں پر برانگیختہ کریں اور ابھاریں۔ ان کے پاس ایسی کوئی شریعت نہیں ہے جیسی کہ ہمارے پاس ہے۔ والحمدللہ۔ ہماری یہ شریعت نیکی اور خیر سے مالا مال ہے۔ قرآن کریم کی ایک ہی آیت بے شمار فلموں اور ڈراموں سے بڑھ کر ہے اور ایک صاحب ایمان کو ان لغویات سے مستغنی اور بے پروا کر دیتی ہے۔

---

[1] یعنی غلط چیزوں پر "اسلامی" کا لیبل لگا کر اسے کسی طرح جائز نہیں کہا جاسکتا۔ (سعیدی)

تو جو امت حلال وحرام کو نہ جانتی ہو، ہم ان سے ان کا طور طریقہ، چلن اور ثقافت کیونکر لے سکتے ہیں؟ یہ ذرائع ان ہی کے لائق ہیں، یہ ہمیں قطعاً زیب نہیں دیتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس ان سے بڑھ کر خیر موجود ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک صحیفہ دیکھا، اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کہا کہ یہ توراۃ کا ایک حصہ ہے جو مجھے ایک یہودی نے لکھ کر دیا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: "کیا تم (ابھی سے) مضطرب اور ادھر اُدھر متوجہ ہونے لگے ہو جیسے کہ یہود و نصاریٰ مضطرب ہو گئے ہیں؟ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔" ❶

۲- ان فلموں اور ڈراموں میں جھوٹ کا عنصر ضرور شامل ہوتا ہے جس کا تاریخ اسلامی یا سیرت میں کوئی اصل نہیں ہوتا۔

۳- ان چیزوں میں مرد، عورتوں کا اور عورتیں مردوں کا روپ بھی دھار لیتی ہیں۔ اس تشبہ کے ساتھ ان کا آپس میں غیر شرعی اختلاط بھی ہوتا ہے۔

اور سیرت میں یہ صحیح واقعہ موجود ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک درخت دیکھا، جس کے ساتھ مشرک لوگ (تبرک کے طور) اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے۔ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی کوئی ذاتِ انواط مقرر کر دیجیے جیسے کہ ان کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اکبر! یہی ان کی پیروی ہے! تم نے تو وہی بات کہہ دی ہے جو قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "ہمیں بھی ایک الٰہ بنا دیجیے جیسے کہ ان کا اِلٰہ ہے" ❷ (الاعراف:۱۳۸)

خیال رہے کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کے مذکورۂ بالا مطالبہ الٰہ اور صحابہ رسول کے مطالبہ ذات انواط میں بڑا فرق ہے۔ یہودیوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں کوئی بت بنا دیں جس کی ہم عبادت کیا کریں۔ جبکہ صحابہ رسول نے صرف اس قدر کہا تھا کہ ہمارے لیے کوئی درخت مقرر کر دیں (ذات انواط کی طرح کا) جس پر ہم اپنا اسلحہ لٹکا کر برکت حاصل کر لیا کریں جیسے کہ ان مشرکین کا ہے۔ تو اتنی بات کو جس میں کہ صرف لفظی مشابہت پائی گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت برا جانا اور اس کا انکار کر دیا، اور مسلمانوں کے لیے کفار کی مشابہت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

کفار ان ڈراموں وغیرہ کے در پے کیوں ہوتے ہیں......؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس روحانی تسکین اور روح کی غذا کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہم مسلمانوں کے پاس ہے۔ سو ہمارا ان سے اس قسم کی چیزیں لینا بہت خطرناک ہے۔ تاہم دیگر آلات اور وسائل سفر وغیرہ لینا جیسے کہ گاڑیاں ہیں یا جہاز وغیرہ تو یہ

❶ مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۳۸۷، حديث: ۱۵۱۹۵۔ شعب الايمان للبيهقي: ۱/ ۱۹۹، حديث: ۱۷٦.

❷ صحيح ابن حبان؛ ۱۵/ ۹٤، حديث: ٦٧٠٢، صحيح على شرط مسلم۔ مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۲۱۸، حديث: ۲۱۹٤٧.

دوسری چیزیں ہیں جو ((من تشبه بقوم فهو منهم .)) [1] (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا) کی وعید میں نہیں آتیں۔

اور اگر ٹیلی ویژن میں کوئی ضروری چیزیں دکھلائی جائیں، تو یہ ایک آلہ ہے اور جائز وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ مگر جب اس میں ہر قسم کی بھلی بری چیزیں پیش کی جانے لگی ہیں، تو مسئلہ مختلف ہے۔ اور ہمیں مفروضوں پر نہیں رہنا چاہیے جبکہ صورت حال واقعی بڑی گھمبیر ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ سوال اس طرح کیوں نہیں کیا جاتا کہ اس ٹیلی وژن کا کیا حکم ہے جو اب ہم دنیائے عرب میں دیکھتے ہیں؟ یہ تو کبھی نہیں پوچھا جاتا کہ علمی اجتماعات کا کیا حکم ہے؟ ہمارے لوگ اس چیز کا سوال تو کرتے ہیں جو جائز ہوتی ہے، اور اس سے چشم پوشی کر لیتے ہیں جو یقینی طور پر ناجائز ہوتی ہے۔ کیا بھلا کسی ادارے نے ٹیلی ویژن پر کسی عالم کو صرف اس غرض سے پیش کیا ہے جو مسلمانوں کو صرف مسنون مناسک حج کی تعلیم دے، یا اس سے کم تر...... کسی عالم کو پیش کیا گیا ہے کہ لوگوں کو مسنون طریقۂ نماز دکھلائے تا کہ لوگ اس سے علمی فائدہ حاصل کریں؟

کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی چیزوں کا اہتمام نہیں کرتے جو مسلمانوں کے لیے یقینی طور پر مفید ہیں بلکہ اس کے برعکس ایسی ویسی باتیں پوچھتے ہیں۔ (محمد ناصر الدین البانی)

[1] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث ٤٠٣١، صحیح.

پانی اور نجاسات کے مسائل

سوال: پانی کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اس میں راجح یہ ہے کہ پانی کی دو قسمیں ہیں: پاک اور نجس۔ جو پانی کسی نجاست کے پڑنے سے بدل جائے وہ نجس اور پلید ہوتا ہے، اور جو تبدیل نہ ہو وہ پاک ہوتا ہے۔

اور اس مسئلہ میں اس کی تیسری قسم بیان کرنا کہ جو "طاہر" ہو (اور مطہر نہ ہو) اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اس کی بڑی دلیل یہی ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر طاہر ہونے کی یہ قسم بھی شریعت میں ثابت ہوتی تو بالضرور یہ بات معلوم و معروف اور مفہوم ہوتی جو احادیث میں واضح طور سے آ جاتی، حالانکہ اس مسئلے کے بیان کی از حد ضرورت تھی۔ یہ کوئی عام سا آسان مسئلہ نہ تھا۔ کیونکہ باتیں دو ہی ہیں کہ پانی ہو تو انسان طہارت (وضو، غسل) کرے گا ورنہ اسے تیمّم کرنا ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ناپاکی سے طہارت کے لیے اصل کیا چیز ہے؟

جواب: ناپاکی سے طہارت حاصل کرنے کے لیے اصل چیز پانی ہی ہے۔ خواہ صاف ستھرا ہو یا میلا بھی ہو کہ اس

میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ علماء کے اقوال میں یہ بات راجح ہے کہ پانی جب کسی پاک شے کے ملنے سے متغیر ہوگیا ہو اور ''پانی'' کہلاتا ہو تو وہ خود پاک ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرتا ہے۔ اور اگر پانی میسر نہ ہو، یا میسر ہو مگر اس کے استعمال سے ضرر کا اندیشہ ہو تو پھر تیمّم کیا جائے گا۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر پہلے چہرے پر اور پھر انہیں ایک دوسرے پر پھیر لے۔ (حدث) یعنی بے وضو یا ناپاک ہونے کی صورت میں (غسل کی بجائے) طہارت کا یہی طریقہ ہے۔ [1]

اور نجاست غلیظہ (حسی غلاظت ونجاست) سے طہارت و پاکیزگی اس طرح ہے کہ وہ جس چیز سے بھی زائل ہو جائے، پانی ہو یا کچھ اور، تو وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔ خَبَث (نجاست غلیظہ) میں طہارت کے لیے اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا عین زائل ہو جائے، پانی سے ہو، تیل سے ہو یا کسی اور مائع یا سیال سے، یا کوئی جامد بھی ہو اور اس سے پوری طرح صفائی ہو جائے تو یہ کامل طہارت ہوگی۔

البتہ کتے کے جھوٹے میں برتن کو سات بار دھونا ضروری ہے۔ اس تفصیل سے ہمیں خَبَث (نجاست ظاہرہ غلیظہ) اور حدث (نجاست معنویہ) سے پاکیزگی حاصل کرنے کا فرق معلوم ہوگیا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایسا پانی جو ایک مدت ٹھہرا رہنے سے متغیر ہوگیا ہو، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسا پانی پاک ہے، خواہ اس کا رنگ بدل گیا ہو، کیونکہ یہ کسی خارجی چیز سے متغیر نہیں ہوا ہے۔ صرف ایک جگہ رکا رہنے سے بدلا ہے۔ تو اس سے وضو کرنا صحیح ہے کوئی حرج نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حکمی نجاسات کیا ہوتی ہیں، اور ان سے پاکیزگی وطہارت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: حکمی نجاسات سے مراد وہ نجاستیں ہیں جو کسی پاک جگہ کو لگیں تو وہ ناپاک ہو جاتی ہے تو ضروری ہوتا ہے کہ اس جگہ کو دھوئیں اور اس نجاست سے اسے پاک صاف کر دیں جب صورت حال طہارت کی متقاضی ہو۔

نجاست سے طہارت، نجاست کی نوعیت اور اس جگہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے جسے یہ لگی ہو، مثلاً:

۱- جب نجاست زمین پر پڑی ہو تو پہلے اس کے عین کا ازالہ کیا جائے (اگر اس کا کوئی جرم ہو) اور پھر اس پر پانی کا ایک ڈول بہادو۔'' [2] ثابت ہوا کہ زمین پر پڑی نجاست زائل کر کے اس پر ایک بار پانی بہا دینا کافی ہے۔

---

[1] اس کی تصدیق اور وضاحت کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری: کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم، حدیث٣٤٤ و باب التیمم هل ینفخ فیها، حدیث٣٣٨۔ صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة، حدیث: ٦٨٢.

[2] صحیح بخاری: کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد، حدیث: ٢٢٠ کتاب الطهارة، باب ما جاء فی البول یصیب الارض، حدیث: ١٣٧.

۲- کتے کی نجاست (جو معنوی ہوتی ہے) اس سے طہارت کے لیے برتن کو سات بار دھونا ضروری ہے اور ایک بار مٹی سے مانجھا جائے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب تمہارے کسی کے برتن میں کتا منہ مار جائے تو چاہیے کہ اسے سات بار دھوئے، ان میں سے ایک بار مٹی سے مل کر دھوئے۔'' ❶

۳- اگر یہ نجاست زمین پر نہ ہو، اور نہ کتے کی نجاست ہو تو راجح قول کے مطابق اس نجاست کا عین اور جرم زائل کر دیا جائے، جس طرح بھی ہو، تو وہ چیز پاک ہو جائے گی۔ خواہ ایک بار دھونے سے زائل ہو یا دو، تین، چار یا پانچ بار دھونے سے۔

لیکن اگر وہ نجاست چھوٹے بچے کا پیشاب ہو، جس نے ابھی کھانا کھانا شروع نہیں کیا تو اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہوتا ہے۔ اسے ملنے اور دھونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ چھوٹے بچے کا پیشاب، جس نے ابھی کھانا کھانا شروع نہیں کیا، نجاست خفیفہ کہلاتی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کتا رکھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے چھونے سے ہاتھ پلید ہو جاتا ہے، اور وہ برتن جن میں وہ منہ مار جائے کیسے پاک کیے جا سکتے ہیں؟

جواب: کتا رکھنا جائز نہیں ہے، سوائے ان صورتوں کے جن کی صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دی ہے، اور وہ تین صورتیں ہیں: حیوانات کی حفاظت کے لیے کہ بھیڑیوں اور درندوں سے بچاؤ رہے، کھیتی کی حفاظت کے لیے کہ بھیڑ بکریوں اور دوسرے جانوروں وغیرہ سے بچاؤ رہے، اور شکار کے لیے جس سے کہ شکاری کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کتا رکھنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا وہ گھر جو شہروں کے اندر ہوتے ہیں، وہاں حفاظت کے لیے کتے رکھنے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں بلکہ حرام ہے اور ایسے آدمی کے اجر و ثواب سے روزانہ ایک یا دو قیراط ثواب کم ہوتا رہتا ہے۔ ان لوگوں پر ضروری ہے کہ ان کتوں کو اپنے گھروں سے دور کر دیں۔ ہاں اگر کوئی گھر کسی خالی جگہ میں ہو اور ارد گرد آبادی نہ ہو تو گھر اور گھر والوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہوگا۔ کیونکہ گھر والوں کی حفاظت، جانوروں اور کھیت کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے۔

اگر کتے کو ہاتھ لگ جائے یا اسے چھوا جائے تو اکثر اہل علم کے کہنے کے مطابق اگر وہ خشک ہو تو پلید نہیں ہوتا اور اگر وہ گیلا ہو تو پلید ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد ہاتھ کو سات بار دھویا جائے، ان میں ایک بار مٹی سے ہو۔ ❷ اور برتن جس میں وہ کھاتا پیتا ہے یا منہ ڈال جائے تو صحیحین کی حدیث کے مطابق اسے سات بار دھویا

❶ صحيح مسلم: كتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، حديث: ٢٧٩۔ سنن الترمذي: كتاب الطهارة، باب ما جاء في السؤر الكلب، حديث: ٨٤۔ سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب تعضير الاناء بالتراب من ولوغ الكلب، حديث: ٣٣٦.

❷ کتا اگر جسم کو چھو گیا ہے تو اسے ایک، دو یا تین بار دھونا کافی ہے۔ سات بار کا مسئلہ تب ہے جب اس نے منہ مارا ہو اور اس کا لعاب لگا ہو۔ (سعیدی)

جائے، اور ایک بار مٹی مل کر دھویا جائے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی ہی بار مٹی سے مانجھ لیا جائے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا وَلَغَ الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعا ، إحداها بالتراب .)) [1]

(مفہوم اوپر بیان ہو چکا ہے)۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: خون کے متعلق کیا حکم ہے براہ مہربانی تفصیل سے بتایا جائے؟

جواب: ۱- نجس حیوان کا خون تھوڑا ہو یا زیادہ، نجس اور ناپاک ہوتا ہے، مثلاً کتا خنزیر وغیرہ۔ خواہ یہ اس سے اس کے زندہ ہوتے ہوئے نکلے یا مرنے کے بعد۔

۲- اس جانور کا خون جو اپنی زندگی میں پاک اور مرنے کے بعد نجس سمجھا جاتا ہو، تو اس کا خون اس کی زندگی میں بھی نجس ہوتا ہے، تاہم معمولی ہو تو معاف کیا گیا ہے۔ مثلاً بکری (جو زندگی میں حلال اور پاک ہوتی ہے، مرنے سے نجس اور حرام ہو جاتی ہے) مرنے کے بعد اس کی نجاست کی دلیل یہ ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

''کہہ دیجیے کہ جو احکام میری طرف وحی کیے گئے ہیں، میں نے ان میں کوئی حرام نہیں پایا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ بالکل ناپاک ہے۔''

۳- وہ حیوان جو زندگی اور موت کے بعد ہر حال میں پاک ہوتا ہے، تو اس کا خون پاک ہوتا ہے۔ مثلاً عام علماء کے نزدیک آدمی کا خون زندگی اور موت کے بعد ہر حال میں پاک ہے۔ تاہم جمہور نے نجس کہا ہے، مگر معمولی ہو تو معاف ہے۔

۴- آدمی کے (قُبل و دُبر سبیلین) سے نکلنے والا خون نجس ہوتا ہے، یہ معمولی سا بھی معاف نہیں ہے۔ کیونکہ جب خواتین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خون حیض کے متعلق دریافت کیا، جو کپڑے کو لگ جاتا ہے تو آپ نے اس کے دھونے کا حکم دیا [2] اور اس میں کوئی تفصیل نہیں کی۔

---

[1] صحیح مسلم: كتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، حديث ۲۷۹۔ سنن الترمذی: كتاب الطهارة، باب ما جاء في سؤر الكلب، حديث: ۸۴۔ سنن النسائی: كتاب المياه، باب تعضير الاناء بالتراب من ولوغ الكلب فيه، حديث ۳۳۶.

[2] صحيح بخاری: كتاب الحيض، باب غسل دم الحيض، حديث: ۳۰۲۔ سنن النسائی: كتاب الطهارة، باب دم الحيض يصيب الثوب، حديث: ۲۹۲.

اگر جسم انسان سے، قبل دُبر کے علاوہ سے خون نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ مثلاً نکسیر یا زخم کا خون۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ سبیلین کے علاوہ سے جو بھی نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، مثلاً قے، خون، زخموں سے پیپ یا پانی وغیرہ۔

اگر کسی حلال جانور کے ذبح کیے جانے کے بعد اس کے جسم سے خون نکلے، تو وہ پاک ہوتا ہے خواہ اس کی سرخی ظاہر بھی ہو۔ مثلاً کسی نے بکری ذبح کی، تو اس کی جان نکلنے کے بعد اس کا چمڑا اتارتے ہوئے اگر اس کا خون لگ گیا تو یہ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ کوئی مضر نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: پیشاب والی جگہ خشک ہوگئی ہو، تو کیا اس کے لمس سے آدمی پلید ہو جائے گا۔ مثلاً بچے نے ایک جگہ پیشاب کیا، اور وہاں پانی نہیں بہایا گیا، اور وہ خشک ہوگیا، اور پھر اگر کوئی اس پر بیٹھ گیا اور وہ خشک ہو، تو کیا اس کے کپڑے وغیرہ پلید ہو جائیں گے؟

جواب: نجاست اگر خشک ہو اور خشک بدن یا خشک کپڑے کو چھو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بیت الخلا میں گیا، جبکہ وہ خشک ہو اور داخل ہونے والے کے پاؤں بھی خشک ہوں، تو اس میں کوئی ضرر نہیں ہے۔ نجاست تبھی مؤثر ہوتی ہے جب وہ گیلی ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہم بے دین لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ آگ کے پجاری ہیں تو کئی گائے وغیرہ کے اور اللہ عزوجل نے ایسے لوگوں کے رِجس اور نجس ہونے کا فرمایا ہے۔ تو ان کی نجاست کی کیا حقیقت ہے؟ اور کیا ہمیں ان سے علیحدہ رہنا چاہیے اور ان سے مصافحہ نہ کریں؟ اور جبکہ وہ نجس ہیں تو ان کے ساتھ مل کر کام کرنا کیسا ہے اور وہ چیزیں جنہیں وہ ہاتھ لگاتے ہیں ناپاک ہو جاتی ہیں؟ یاد رہے کہ ایسے لوگ دکانوں میں کام کرتے ہیں اور اِن کا لوگوں کے ساتھ بہت لین دین ہوتا ہے۔ براہ مہربانی وضاحت فرمائی جائے؟

جواب: اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ (التوبہ : ۹/ ۲۸) ’’مشرک تو نجس اور پلید ہیں‘‘ اور منافقین کے بارے میں فرمایا ہے ﴿فأعرضوا عنهم إنهم رجسٌ﴾ ’’ان منافقوں سے اعراض کرو، بلاشبہ یہ رِجس ہیں۔‘‘ رِجس لغت میں نجس اور پلید کو کہتے ہیں۔

مگر ان لوگوں کی پلیدی معنوی ہوتی ہے۔ یعنی یہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ضرر شبہ رساں ہیں۔ ان میں شر اور فساد پایا جاتا ہے لیکن ان کے بدن اگر صاف ہوں تو اسے حسی اور ظاہری طور پر نجس نہیں کہا جاتا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے استعمال شدہ کپڑے، اگر بظاہر پاک ہوں تو ان کا پہن لینا جائز ہے، سوائے ان کے زیر جامہ کے، کیونکہ یہ لوگ پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے ہیں بالخصوص جبکہ انہوں نے ختنے بھی نہیں کرائے ہوتے اور ایسے ہی جب وہ نجاست سے ملوث ہوں (ان سے مصافحہ اور ان کا لباس پاک ہوگا) مثلاً خنزیر پکانا یا شراب بنانا وغیرہ۔

اور ان سے مصافحہ اور ان کی بنائی ہوئی چیزوں کا استعمال جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کی بنائی ہوئی چیزوں سے استفادہ کرتے تھے مثلاً وہ کپڑے جو انہوں نے بنے ہوتے تھے............ان کی طہارت معلوم اور ظاہر ہو تو کوئی حرج نہیں اور ایسی چیزوں میں اصل یہی ہے کہ وہ پاک ہوتی ہیں۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: ہماری نوکرانی غیر مسلم ہے، کیا مجھے اس سے کپڑے دھلوانا جائز ہے جبکہ مجھے ان میں نماز پڑھنا ہوتی ہے، اور کیا میں اس کے تیار کیے ہوئے کھانے کھا سکتا ہوں، اور کیا میرے لیے جائز ہے کہ اس کے دین کو برا کہوں اور اس کا باطل ہونا واضح کروں؟

جواب: کافر سے کام کروانا اور اس سے خدمت لینا جائز ہے۔ اس سے کھانا پکوایا جاسکتا ہے اور کپڑے وغیرہ بھی دھلوائے جاسکتے ہیں۔ اس کا تیار کیا ہوا کھانا، اس کے سیے ہوئے یا اس سے دھلوائے ہوئے کپڑے پہنے جاسکتے ہیں اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ کافر کا بدن ظاہر میں صاف ستھرا ہوتا ہے، اور اس کی نجاست معنوی (اور عقیدے وعمل کی نجاست) ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافر غلاموں اور لونڈیوں سے خدمت لیا کرتے تھے، اور وہ سب چیزیں جو کافر شہروں اور ملکوں سے آتی تھیں کھاتے پیتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے بدن حسی طور پر صاف ہوتے ہیں، لیکن احادیث میں یہ ضرور آیا ہے کہ اگر وہ اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہوں، مردار اور خنزیر پکاتے ہوں تو ان برتنوں کو استعمال کرنے سے پہلے دھولیا جائے اور ان کے وہ لباس جو زیر جامہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں (جانگیا، پاجامہ وغیرہ) جو ان کی شرمگاہوں کو مس کرتے ہیں وہ بھی دھو کر استعمال کیے جائیں۔

اور ان کے دین پر طعن کرنا اور اسے برا کہنا اور اس کا باطل ہونا واضح کرنا (حق اور) جائز ہے اور مقصد یہ ہے کہ انہیں بتایا جائے کہ ان کا دین یا تو ایجاد شدہ ہے جیسے کہ بت پرستی ہے، یا تحریف وتبدیل شدہ ہے اور منسوخ ہوگیا ہے مثلاً عیسائیت، تو یہ عیب تبدیل شدہ دین پر ہے۔ بہرحال آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ انہیں اسلام کی دعوت دیں اور اسلامی تعلیمات کی وضاحت کریں، اس کے فضائل بتائیں اور اسلام اور غیر اسلام کا فرق نمایاں کریں۔

قضائے حاجت

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ بیت الخلا میں کوئی ایسا ورقہ وغیرہ ساتھ لے جاؤں جس میں کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوا ہو، خیال رہے کہ یہ کاغذ میرے لیے بڑا اہم ہوتا ہے، اسے بیت الخلا سے باہر چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں ہوتا......؟

جواب: احادیث میں آیا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نجاست کے مقامات پر اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز لے جانا جس میں اللہ کا ذکر ہو، جائز نہیں ہے۔لیکن بعض اوقات خاص حالات کے پیش نظر آدمی مجبور ہوتا ہے، اسے باہر نہیں رکھ سکتا، اسے اپنے پاس رکھنا پڑتا ہے۔تو ایسے مواقع پر یہ حکم کسی قدر اُٹھ جاتا ہے۔مگر چاہیے کہ یہ چیز مخفی اور چھپی ہوئی ہونمایاں نہ ہو۔ مثلاً انگوٹھی جس میں اللہ کا نام ہومثلاً عبداللہ عبدالرحمٰن وغیرہ، اگر اسے اتار کر باہر رکھ سکتا ہوتو بہتر یہی ہے کہ اندر نہ لے جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہوتو کم ازکم اس کے نگینے کو اندر کی جانب کر لے اور ہاتھ بند رکھے، تاکہ وہ چھپ جائے۔اس سے کچھ دلیل لی جاسکتی ہے۔

لہٰذا آپ کو چاہیے کہ اس کاغذ کو جس پر کلمہ شہادت وغیرہ لکھا ہوا ہے یا اسمائے الٰہیہ میں سے کچھ ہے تو اسے اپنی جیب وغیرہ میں چھپالیں۔اس میں کسی حد تک تخفیف ہے۔ورنہ اسے اندر نہ لے جانا اور باہر چھوڑنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا غسل خانے اور بیت الخلا میں اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے؟

جواب: حمام (غسل خانے یا بیت الخلا) میں اللہ کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ جگہ اس عمل کے لیے قطعاً نامناسب ہے۔البتہ دل میں، زبان سے بولے بغیر ذکر کرے تو کوئی حرج نہیں، چاہیے کہ باہر آجانے کا انتظار کرے۔ہاں اگر وضو کے لیے قضائے حاجت کی جگہ سے الگ جگہ بنی ہوئی ہے، تو وہاں ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: قضائے حاجت کے وقت قبلہ رُخ ہونا یااس کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھنا کیسا ہے؟

جواب: ا: اہل علم کے اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں۔کچھ تو اس طرف گئے ہیں کہ گھروں کے علاوہ عام مقامات پر قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پشت کرکے بیٹھنا حرام ہے۔اوران کی دلیل حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''پیشاب پاخانے کے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پشت، لیکن مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلیا کرو۔'' [1]

چنانچہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم علاقہ شام میں آئے تو ہم نے پایا کہ بیت الخلا کعبہ کی جانب کو بنے ہوئے تھے، تو ہم ان میں گھوم کر بیٹھتے تھے، اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔ [2] ان حضرات نے

---

[1] مشرق یا مغرب کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے لیے قبلہ جنوب کی طرف بنتا ہے یا شمال کی طرف۔اور جن لوگوں کے لیے قبلہ مغرب یا مشرق میں بنتا ہے انہیں شمال یا جنوب کی طرف منہ کرنا ہوگا۔(مترجم)

[2] صحيح بخاری، كتاب الصلاة، باب قبلة اهل المدينة واهل الشام والمشرق، حديث: ٤٩٣۔ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، حديث: ٤٦٢ .

اس حکم کو گھروں کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی محمول کیا ہے۔

۲: دوسرا قول یہ ہے کہ گھروں کے اندر...... قبلہ کی طرف منہ کر لینا یا پشت کر لینا جائز ہے۔ ان حضرات کی دلیل جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے "کہتے ہیں کہ میں ایک دن (اپنی ہمشیر) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی چھت پر چڑھا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ شام کی طرف منہ کیے، کعبہ کی طرف پشت کیے قضائے حاجت کر رہے تھے۔"[1]

۳: بعض علماء نے کہا ہے کہ گھروں کے اندر یا باہر فضا میں کہیں بھی قبلہ کی طرف نہ منہ کرنا جائز ہے اور نہ پیٹھ کرنا۔ ان کا استدلال بھی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اوپر ذکر ہوئی ہے۔ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے کئی جواب دیئے ہیں، مثلاً:

(ا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نہی سے پہلے کے حال پر محمول ہے۔

(ب) نہی کا پہلو راجح اور غالب ہے، کیونکہ نہی اصل جواز سے ناقل ہے اور جو حکم اصل جواز سے ناقل ہو وہ راجح ہوتا ہے۔

(ج) جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لیے فرمان ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آپ کا ذاتی فعل ہے۔ اور ناممکن ہے کہ آپ کے قول اور فعل میں کوئی تعارض ہو۔ کیونکہ فعل میں خصوصیت کا احتمال ہوتا ہے، اور نسیان کا احتمال بھی ہے، یا کوئی اور عذر بھی ہوسکتا ہے وغیرہ۔ بہرحال میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ:

قضائے حاجت کے لیے عام کھلی جگہوں پر قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا دونوں حرام ہیں، اور گھروں کے اندر بنے بیت الخلا میں پیٹھ کر لینا جائز ہے نہ کہ منہ کر لینا۔ کیونکہ رخ کرنے کے متعلق احادیث محفوظ ہیں، ان میں کوئی تخصیص نہیں، اور پشت کرنے کی نہی کی احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نیز پشت کر لینے کا عمل منہ کرنے کی نسبت کسی قدر ہلکا بھی ہے۔ لہٰذا، واللہ اعلم، آدمی گھروں کے اندر ہو تو اس میں کچھ تخفیف ہے۔ افضل بہرحال یہی ہے کہ حتی الامکان پشت بھی نہ کرے۔[2]، [3] (عبداللہ بن جبرین)

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، حديث: ١٤٨۔ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، حديث: ٢٦٦.

[2] ماؤں اور چھوٹے بچوں کی نگہداشت پر مامور خواتین پر لازم ہے کہ اپنے ان بچوں کو بھی قبلہ رُخ بیٹھنے یا بٹھلانے سے احتیاط کیا کریں۔ بچے تو یقیناً غیر مکلف ہوتے ہیں مگر ان کے بڑے ان امور کے یقیناً ذمہ دار ہیں۔ واللہ اعلم (ع۔ف۔س)

[3] اس مسئلہ میں اس سے آگے محدث البانی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں یہ ہے کہ صحرا اور گھروں ہر جگہ منہ کرنے یا پشت کرنے سے بچنا چاہیے اور یہ ہی راجح ہے (ع۔ف۔س)

جواب: اس حالت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا جائز نہیں ہے، آدمی خواہ جنگل اور صحرا میں ہو یا گھر یا تعمیر شدہ بیت الخلا میں۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں آیا ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم قضائے حاجت کے لیے آؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پیٹھ، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کیا کرو۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ جب ہم علاقہ شام میں آئے تو ہم نے ایسے بیت الخلا دیکھے جو کعبہ کے رُخ پر بنے ہوئے تھے، چنانچہ ہم ان میں اپنا پہلو بدل کر بیٹھتے تھے اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔'' ❶ چونکہ راوی حدیث صحابی نے اس حکم کو عام سمجھا ہے تو اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ سے استغفار کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ استنباطی دلائل بھی ہیں جو اس قول کو تقویت دیتے ہیں، مثلاً وہ احادیث جن میں ایک مسلم کو قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک رہا ہے تو آپ نے اُسے اس سے منع فرمایا۔ ❷

(محمد ناصر الدین البانی)

سوال: عورت کی پردے کی چادر اگر گھسٹتے ہوئے پلید ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے پردے کی لمبی چادر کا پلو گھسٹتے ہوئے اگر نجاست پر سے گزرتا ہے، تو اس کا حکم موزوں کا سا ہے، یعنی اگر اس نجس جگہ کے بعد وہ خشک اور پاک جگہ سے گزرتی ہے، تو اس طرح وہ موزے یا چادر پاک ہو جائیں گے، یہی قول قوی ہے۔ ❸ (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: میں نے نماز کے لیے وضو کیا اور پھر بچے کو اٹھا لیا، مگر اس کے پیشاب سے میرے کپڑے آلودہ ہو گئے، تو میں نے پیشاب والی جگہ دھو کر نماز پڑھ لی، اور وضو دوبارہ نہیں کیا۔ تو کیا اس طرح میری نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب: آپ کی نماز بالکل صحیح ہے، کیونکہ آپ کے جسم کو بچے کا پیشاب لگ جانا، آپ کے وضو کے لیے ناقص نہیں ہے، آپ پر اتنا ہی واجب ہے کہ پیشاب والی جگہ کو دھو لیں۔ (مجلس افتاء)

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب قبلۃ اھل المدینۃ واھل الشام والمشرق، حدیث: ۳۹۴۔ وصحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ، حدیث: ۲٦٤.

❷ فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ کے بجائے جن الفاظ کی روایات مجھے ملی ہیں وہ حسب ذیل ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر تھوک دیکھا تو اسے کھرچ دیا اور بعد میں صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''تم میں سے کوئی جب نماز پڑھے و اپنے سامنے کی جانب نہ تھوکے......'' ایک روایت میں ہے کہ ''اور نہ دائیں طرف تھوکے'' اگر تھوکنا ہو تو اپنی بائیں جانب یا بائیں قدم کے نیچے تھوک لے۔'' دیکھیے صحیح بخاری: ابواب المساجد، باب حك البزاق بالید، حدیث: ۳۹۸، ٤۰۰ ، صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھی عن البصاق فی المسجد، حدیث: ٥٤۷ وسنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد، حدیث: ٤۸۰ (عاصم)

❸ بشرطیکہ اس نجاست سے کپڑا گیلا نہ ہوا ہو اور خشک جگہ پر سے گزرتے ہوئے وہ نجاست اچھی طرح زائل ہو گئی ہو۔ (مترجم)

سوال: ماں کو اپنا بچہ یا بچی دودھ پلانے کے دنوں میں بہت زیادہ اٹھانا پڑتا ہے، اور بچہ بھی ماں کی گود سے نکلتا نہیں ہے، اور اِس دوران میں وہ پیشاب بھی کر دیتا ہے، تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بچے یا بچی کے دودھ پلانے کی مدت میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال وضو، نماز اور ہر وقت کپڑے تبدیل کرنے میں مشقت کے پہلو سے ہے۔

جواب: لڑکا جب تک کھانا نہ کھانے لگے اس کے پیشاب پر پانی چھڑک لیا جائے۔ اور جب کھانا کھانے لگے تو اس کا پیشاب دھویا جائے۔ اور لڑکی کا پیشاب ہر حال میں دھویا جائے، خواہ وہ کھانا کھاتی ہو یا نہ۔ اور اس کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جو صحیح بخاری، مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے۔ اور ابوداؤد میں ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بٹھلا دیا، بچہ کھانا نہیں کھاتا تھا، اور اس نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا، تو آپ نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا، اور اس جگہ کو دھویا نہیں۔" ❶ اسی طرح سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لڑکی کا پیشاب دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مار دیئے جائیں۔" ❷ جبکہ سنن ابی داؤد کی دوسری روایت میں یہ وضاحت ہے کہ "لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں جب تک وہ کھانا نہ کھاتا ہو۔" ❸ (مجلس افتاء)

سوال: بچوں کی قے کا کیا حکم ہے، پاک ہے یا پلید؟

جواب: ایسی چیزوں کا اصل حکم ان کا پاک ہونا ہے۔ صرف اس بات سے کہ یہ چیز معدہ سے خارج ہوتی ہے اور اس میں بو پیدا ہو چکی ہوتی ہے، ہم اسے نجس اور پلید نہیں کہہ سکتے۔ قے بنیادی طور پر پاک ہے اور اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور جن حضرات نے قے کو پاخانہ پر قیاس کرنے کی کوشش کی ہے تو انہیں چاہیے کہ ڈکار کو بھی دبر سے خارج ہونے والی ریح پر قیاس کریں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: عورتوں کے ہاں ولادت کے موقعہ پر ڈاکٹر یا نرس کے کپڑے زچہ کے خون اور آلائش سے آلودہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبیان، حدیث: ۲۲۳۔ وصحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیۃ غسلہ، حدیث: ۲۸۷.

❷ سنن ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب بول الصبی یصیب الثوب، حدیث: ۳۷۶۔ وسنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی بول الصبی الذی لم یطعم، حدیث: ۵۲۶.

❸ ماں کو بار بار کپڑے بدلنے کی مشقت کو خوش دل سے قبول کرنا چاہیے آخر اس کے قدموں تلے جنت بھی تو ہے اس میں اس کے لیے عظیم اجر وثواب ہے۔ اگر اس عذر سے وہ نماز چھوڑے گی یا نجس کپڑوں میں پڑھے گی تو ایک جرم عظیم اور گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوگی۔ اور نماز چھوڑنا تو کفر ہے۔ اگر وضو کے بعد جسم یا کپڑے دھونے پڑتے ہیں تو اس سے وضو قائم رہتا ہے۔ (مترجم)

ہو جاتے ہیں، کیا ان کے لیے ان کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ چونکہ یہ کام ہی اس طرح کا ہے کہ اس میں ہر نماز کے لیے بار بار کپڑے تبدیل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے؟

جواب: ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے پاک کپڑے اپنے پاس رکھا کریں، تاکہ ان نجس کپڑوں کی بجائے پاک کپڑوں میں نماز پڑھ سکیں۔ اور اس میں کوئی ایسی مشقت والی بات نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے لیے طہارت کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں علماء کے مابین مشہور اختلاف ہے۔ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے لیے طہارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ پانی خواہ اس کے وضو سے بچا ہو یا غسل سے یا استنجا سے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے منقول روایات میں سے ایک روایت یہی ہے کہ مرد کے لیے اس کا استعمال بالکل درست ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا تھا۔''❶ اور یہ بات اس روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں مرد کے لیے عورت کا بچا ہوا پانی استعمال کرنے کی منع آئی ہے۔❷ اگرچہ کئی اہل علم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

مگر اس قول (جواز) کی تائید ان عمومی ارشادات سے ہوتی ہے جن میں حکم ہے کہ پانی سے طہارت کرو، اور ان میں اس طرح کی کوئی قید اور پابندی کا ذکر نہیں ہے (کہ وہ عورت کا بچا ہوا نہ ہو)۔ لہٰذا ہر وہ پانی جو کسی نجاست سے آلودہ نہ ہوا ہو، وہ اس عام حکم میں داخل ہے، اور اللہ کا بھی حکم ہے کہ:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (المائدہ: ٥/ ٦)

''اگر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے جب تک پانی موجود ہو تیمّم کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور عورت کا مستعمل پانی، بلاشک ''پانی'' ہے۔ اور شارع علیہ السلام کسی چیز سے بغیر کسی سبب کے منع نہیں فرماتے ہیں۔ اور اسی بقیہ پانی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''پانی جنبی نہیں ہوتا ہے۔''❸ اگر مرد کے لیے عورت کے بقیہ پانی سے

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الرجل والمراة يغتسلان من اناء واحد، حديث: ٣٧٨۔ وسنن النسائى، كتاب الطهارة، باب ذكر الاغتسال فى القصعة التى يعجن فيها، حديث: ٢٤١.

❷ سنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب ذكر النهى عن ذلك (بعد باب الوضوء بفضل وضوء المراة)، حديث: ٨١ وقال الالبانى صحيح، سنن النسائى، كتاب الطهارة، باب الاغتسال بفضل الجنب، حديث: ٢٣٨ صحيح۔ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١١١، حديث: ١٧٠٥٣.

❸ سنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب الماء لا يجنب، حديث: ٦٨ وسنن الترمذى، كتاب ابواب الطهارة، باب الرخصة فى ذلك، حديث: ٦٥ وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب الرخصة بفضل وضوء المراة، حديث: ٣٧٠.

طہارت کرنا منع ہوتا، جبکہ یہ صورتیں گھروں میں بہت زیادہ پیش آتی ہیں، اور اس میں مشقت بھی ہے اور عموم بلویٰ بھی، تو بالضرور صحیح نصوص نقل ہوتیں، جن سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا۔ تو یہی بات زیادہ صحیح ہے کہ مرد کے لیے عورت کے بقیہ پانی سے طہارت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے دوسری روایت جو منقول ہوئی ہے اور متاخرین میں مشہور بھی ہے کہ جس پانی سے عورت نے طہارت کی ہو، اس بقیہ پانی سے مرد کو طہارت کرنا جائز نہیں ہے، اس بارے میں جس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے، اور وہ دیگر دلائل کے بھی خلاف ہے، بالخصوص یہ کہنا اور مقید کرنا کہ وہ پانی جو عورت نے حدث سے طہارت کے لیے استعمال کیا ہو، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کیا ریح نکلنے کی صورت میں استنجا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے؟

جواب: انسان کی دُبر سے جب ہوا نکلتی ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''آدمی اس وقت تک نہ پھرے حتیٰ کہ آواز سنے یا بو محسوس کرے۔'' ❶ مگر اس سے استنجا کرنا یعنی شرمگاہ کا دھونا لازم نہیں آتا ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی ایسی چیز خارج نہیں ہوئی ہوتی جس سے جسم کا دھونا لازم آئے۔ مگر وضو بہرحال ٹوٹ جاتا ہے، اور پھر صرف مسنون وضو کر لینا کافی ہوتا ہے۔

یہاں میں ایک اہم مسئلے کی نشاندہی کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جس سے بہت سے لوگ آگاہ نہیں ہیں۔ وہ یہ کہ بعض اوقات انسان نماز کے وقت سے پہلے پیشاب پاخانے کے لیے جاتا ہے اور استنجا بھی کر لیتا ہے، تو پھر جب نماز کا وقت آتا ہے تو کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب دوبارہ استنجا کرنا اور شرمگاہ کا دھونا ضروری ہے۔ تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ جب شرمگاہ سے کچھ نکلا اور ایک بار انسان نے استنجا بھی کر لیا، اور جسم پاک صاف ہو گیا تو اب نماز کے وقت دوبارہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ اس نے شرعی آداب و شروط کے ساتھ استنجا کر لیا ہوا ہے۔ دوبارہ استنجا تبھی لازم ہوگا جب کوئی نجاست خارج ہوگی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا استنجاء میں ٹشو پیپر استعمال کر لینا کافی ہے؟

جواب: ہاں استنجا کے لیے ٹشو پیپر استعمال کر لینا کافی ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس سے مقصد نجاست کے نقصان کا ازالہ کرنا ہوتا ہے خواہ ٹشو پیپر سے ہو، یا کسی چیتھڑے سے یا مٹی سے یا ڈھیلوں سے۔ ہاں شریعت کی منع کردہ چیزوں سے استنجا کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً ہڈیاں یا لید اور گوبر۔ کیونکہ ہڈیاں اگر ذبح کیے گئے جانور کی ہوں تو یہ جنوں کی خوراک ہوتی ہیں، اور اگر غیر ذبح شدہ جانور کی ہوں تو وہ نجس ہوتی ہیں، اور نجس چیز

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین من القبل والدبر، حدیث: ۱۷۵ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی ان من تیقن الطهارة ثم شك فی الحدث......، حدیث: ۳۶۱ وسنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب اذا شك فی الحدث، حدیث: ۱۷۷.

سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور گوبر حلال جانور کا ہو تو یہ جنوں کے حیوانات کی خوراک ہوتی ہے۔ جنوں کی وہ قوم جو نبی ﷺ کے پاس آئی تھی، اور اسلام ن قبول کیا تھا، آپ نے ان کو ایسی ضیافت دی ہے جو قیامت تک کے لیے ختم نہ ہو گی۔ فرمایا:

((لكم كل عظم ذكر اسم الله عليه، تجدونه وافر ما يكون لحما.))

''تمہارے لیے ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، تم اسے گوشت سے بھرپور پاؤ گے۔''[1]

اور اس کا تعلق غیبی امور سے ہے جو ہمیں نظر نہیں آتے، ہمیں اس پر ایمان لانا واجب ہے، ایسے ہی یہ گوبر یا لید ان کے جانوروں کا چارہ ہوتی ہے۔

اور اس حدیث سے انسانوں کی جنوں پر فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور جنوں کے باوا کو حکم دیا گیا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے مثلاً:

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ (الكهف: ١٨/ ٥٠)

''......تو سب فرشتوں نے آدم کو سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔'' (محمد بن صالح عثیمین)

وضو اور اس کو توڑ دینے والے امور

سوال: کیا وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے؟

جواب: وضو کے لیے بسم اللہ پڑھنا واجب تو نہیں ہے مگر سنت ضرور ہے۔ کیونکہ اس بارے میں جو حدیث آئی ہے اس میں نظر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس مسئلے میں کچھ ثابت نہیں ہے۔'' اور امام موصوف جیسے کہ سبھی جانتے ہیں حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ اس مسئلے میں کچھ ثابت نہیں، اور جو روایت آئی ہے اس پر دل مطمئن نہیں ہے، تو جب اس کا ثبوت ہی محل نظر ہو تو کسی صاحب علم کو روا نہیں کہ اللہ کے بندوں کو کسی ایسی بات کا پابند بنائے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ وضو کے لیے بسم اللہ پڑھنا سنت[2] ہے لیکن اگر کسی صاحب علم کے نزدیک یہ حدیث صحیح ثابت ہو تو اس کے نزدیک بسم

---

[1] 'تجدونه' کی جگہ 'يقع فى ايديكم' کے الفاظ ہیں۔ شاید شیخ صاحب نے بالمعنی روایت بیان کی ہے۔ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الجهر بالقراءة فى الصبح والقراءة على الجن، حديث: ٤٥٠۔ صحيح ابن ماجه: ١/ ٤٤، حديث: ٨٢ وصحيح ابن خبان: ٤/ ٢٨٠، حديث: ١٤٣٢.

[2] یعنی مستحب ہے۔ (مترجم)

اللہ پڑھنا واجب ہوگا۔ کیونکہ اس روایت میں جو آیا ہے کہ 'لا وضوء''وضو نہیں ہے۔'' ❶ اس میں لانفی جنس کا ہے نہ کہ نفی کمال کا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: وضو کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: شرعی اعتبار سے وضو کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جو لازمی اور واجب ہے کہ اس کے بغیر وضو ہو ہی نہیں سکتا، اللہ عزوجل کے اس فرمان میں مذکور ہے

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُوا۟ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ: ٥/ ٦)

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھولیا کرو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک، اور اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو، اور اپنے پاؤں کو بھی ٹخنوں تک دھولیا کرو۔''

اس میں چہرے کا دھونا ایک بار ہے، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی اس میں شامل ہے، اور ہاتھوں کو ایک بار دھونا ہے انگلیوں سے لے کر کہنیوں تک۔ اور ضروری ہے کہ وضو کرنے والا خیال رکھے کہ اپنے ہاتھوں کو کلائیوں اور کہنیوں سمیت دھوئے۔ کچھ لوگ غفلت کرتے ہیں اور وہ صرف اپنی کلائیوں ہی کو دھوتے ہیں، تو یہ غلطی ہے۔ پھر ایک بار سر کا مسح کرے، اور کان بھی سر کا حصہ ہیں۔ پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک ایک بار دھولے۔ یہ وہ واجبی طریقہ ہے جس سے کوئی چارہ نہیں۔

دوسری صورت وضو کی جو مستحب اور پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ وضو شروع کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھے، دونوں ہاتھ دھوئے تین بار، پھر کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تین بار، تین چلوؤں کے ساتھ۔ پھر چہرہ دھوئے تین بار۔ پھر کلائیاں دھوئے کہنیوں تک تین بار، پہلے داہنی پھر بائیں۔ پھر ایک بار سر کا مسح کرے، وہ یوں کہ اپنے ہاتھ گیلے کرلے اور انہیں شروع سر سے لے کر آخر تک پھیرتا چلا جائے اور پھر پیچھے سے آگے کو لے آئے، پھر شہادت کی انگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں (اور ان کے بٹوں میں) گھمائے اور پھر اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے باہر پھیرے۔ پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے، تین تین بار، پہلے دایاں پھر بایاں اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

((أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله، اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين.))

---

❶ حدیث مبارکہ کے مکمل الفاظ اس طرح ہیں: ((لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه)) یعنی جس نے اللہ کا نام نہ لیا (بسم اللہ نہ پڑھی) اس کا وضو ہی نہیں۔ سنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب التسمية عند الوضوء، حديث: ٢٥۔ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب ما جاء في التسمية في الوضوء، حديث: ٣٩٨.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں میں سے بنا دے۔''

چنانچہ بندہ جب یہ کرے گا اور پڑھے گا تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے۔ [1] جس سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ یہ صحیح حدیث ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: وضو میں ترتیب اور موالاۃ کا کیا مفہوم ہے، اور اس کا کیا حکم ہے؟ اگر انسان اس کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو یا بھول جائے تو کیا وہ معذور ہو گا یا نہیں؟

جواب: وضو میں ترتیب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ وضو وہاں سے اور اس طرح سے شروع کریں جہاں سے اللہ نے شروع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اللہ عزوجل نے وضو میں چہرہ دھونے کا پہلے ذکر کیا ہے، پھر بازو دھونے کا، پھر سر کا مسح اور پھر پاؤں دھونے کا بیان ہے۔ اس میں اللہ عزوجل نے چہرے سے پہلے ہاتھ دھونے کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ اس لیے پہلے ہاتھ دھونا واجب بھی نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ الغرض ترتیب سے مراد یہی ہے کہ آپ وضو میں اعضاء کو یکے بعد دیگرے اس طرح دھوئیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ترتیب سے ذکر فرمایا ہے۔ نبی ﷺ حج کے دوران میں طواف کے بعد سعی کے لیے جاتے ہوئے پہلے صفا کی طرف آئے، جب اس کے پاس آئے تو پڑھا:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ)

''تحقیق صفا اور مروہ اللہ (کے دین) کے نشانات میں سے ہیں۔''

((أبدا بما بدا الله .)) [2]

''اور میں وہیں سے ابتدا کرتا ہوں جہاں سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔''

تو آپ نے واضح فرمایا کہ میں مروہ سے پہلے صفا کی طرف اس لیے آیا ہوں کہ اللہ عزوجل نے اس کا نام پہلے لیا ہے۔

اور موالاۃ کا معنی ہے تسلسل قائم رکھنا۔ یعنی اعضائے وضو دھوتے ہوئے ان میں زیادہ وقت کا فاصلہ نہ کیا

---

[1] یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ترمذی میں مذکور ہے، سنن الترمذی، کتاب الطھارۃ، باب فی ما یقال بعد الوضوء، حدیث: ٥٥ "اللھم اجعلنی...... سے پہلے الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، حدیث: ٢٣٤.

[2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث: ١٢١٨ صحیح ابن خزیمۃ: ٤/ ٢٣٠، حدیث: ٢٧٥٧۔ مصنف ابن ابی شیبۃ: ٣/ ٣٣٥

جائے۔ مثلاً چہرہ دھویا، اب بازو دھونے ہیں، لیکن دیر کر دی، تو اس طرح سے موالاۃ (یعنی تسلسل) ٹوٹ گیا، تو اس پر واجب ہوگا کہ وضو ابتدا سے دوبارہ شروع کرے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے وضو تو کیا تھا مگر اس کے پاؤں میں ناخن برابر جگہ خشک رہ گئی تھی اور اسے پانی نہیں پہنچا تھا، تو آپ نے اس سے فرمایا: ''واپس جاؤ اور وضو اچھی طرح کرو۔''❶ آپ نے اسے حکم دیا کہ وضو دوبارہ کرے۔''❷ تو یہ دلیل ہے کہ وضو میں موالات اور تسلسل شرط ہے۔ کیونکہ وضو ایک کامل عبادت ہے اور ایک عبادت کے اجزا کو متفرق کر دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ ترتیب وموالاۃ (تسلسل) وضو کے فرائض میں سے ہیں۔ اور کسی انسان کا بھول جانا یا جاہل ہونا محل نظر ہے۔ ہمارے فقہائے حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ انسان اس قسم کے مسائل میں جہالت یا نسیان سے معذور نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی نے بھول کر چہرے سے پہلے بازو دھو لیے تو اس کا یہ بازو دھونا صحیح نہیں ہوگا، اسے وضو دوبارہ شروع کرنا پڑے گا۔ اگر وقت زیادہ ہو گیا ہو، تو چہرے کے بعد بازو دوبارہ دھونے ہوں گے (تاکہ ترتیب قائم رہے) اور خیال رہے کہ یہ قول زیادہ احتیاط اور ادائیگی واجب (براءۃ الذمہ) کے معنی پر ہے۔ اور اگر انسان سے اس کے وضو میں ترتیب قائم نہ رہی ہو خواہ بھولے سے ہو تو وہ وضو دوبارہ کرے۔ اور ایسے ہی موالاۃ یعنی تسلسل اگر ٹوٹ جائے خواہ بھول کر ہی ہو تو وضو دوبارہ کرے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: نماز اور وضو کے لیے نیت کے الفاظ بول کر کہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان اعمال کے لیے نیت کے الفاظ بولنا بدعت ہے کیونکہ یہ عمل نبی ﷺ یا آپ کے صحابہ سے منقول نہیں ہوا ہے، اس لیے اس کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ خیال رہے کہ نیت کا مقام دل ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کے بولنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: وضو کرتے ہوئے انسان کوئی عضو دھونا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی انسان وضو کرتے ہوئے کوئی عضو دھونا بھول جائے اور پھر جلد ہی یاد آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ عضو دھو لے اور پھر ترتیب کے ساتھ بعد والے اعضا دھو لے۔ مثلاً کوئی شخص وضو میں بازو دھوتے ہوئے بایاں

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب استیعاب جمیع اجزاء محل الطھارۃ، حدیث: ۲۴۳۔ سنن ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب تفریق الوضوء، حدیث: ۱۷۳۔ مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۱، حدیث: ۱۳۴۔ سنن الکبری للبیھقی: ۱۰/ ۷۰، حدیث: ۳۳۲.

❷ سنن ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب تفریق الوضوء، حدیث: ۱۷۵۔ سنن ابن ماجه، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب من توضأ فترك موضعا لم یصبه الماء، حدیث: ٦٦٦.

بازو دھونا بھول گیا اور پھر سر کا مسح کر لیا اور پاؤں بھی دھو لیے، تب اسے یاد آیا کہ اس نے بایاں بازو تو دھویا ہی نہیں تو اسے چاہیے کہ بایاں بازو دھوئے پھر اس کے بعد سر کا مسح کرے اور پاؤں دھوئے۔ ہم نے اس شخص کے لیے دوبارہ مسح کرنا اور دوبارہ پاؤں دھونا اس لیے لازم کیا ہے کہ وضو میں ترتیب لازم (واجب) ہے، اور واجب ہے کہ وضو اس طرح ترتیب سے ہو جیسے کہ اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے:

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدة: ٥/ ٦)

''اپنے چہرے دھولو، اور اپنے بازو کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کرلو اور ٹخنوں تک پاؤں دھولو۔''

اور اگر اسے بہت دیر کے بعد یہ یاد آئے تو اسے وضو دوبارہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس میں تسلسل (موالاۃ) نہیں رہا ہے۔ اور وضو کے صحیح ہونے لیے اس میں تسلسل (موالاۃ) ہونا لازمی شرط ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اگر آدمی کو محض شک ہو مثلاً وضو کر لینے کے بعد اسے شبہ ہوا کہ نہ معلوم میں نے اپنا بایاں بازو دھویا بھی ہے یا نہیں یا کلی کی ہے یا نہیں، ناک میں پانی ڈالا ہے یا نہیں، تو ایسے شک پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے چاہیے کہ جائے اور نماز پڑھے، اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ عبادت سے فارغ ہو جانے کے بعد اس میں شک وشبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر اس قسم کے شکوک کا اعتبار کیا جانے لگے تو ہم لوگوں کے لیے وساوس کا دروازہ کھول بیٹھیں گے، اور پھر ہر انسان اپنی عبادت میں شک وشبہ میں الجھ کر رہ جائے گا۔ تو یہ اللہ عزوجل کی رحمت ہے کہ ایسا شک جو عبادت سے فارغ ہونے کے بعد لاحق ہو، نا قابل توجہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ہاں اگر اسے یقین ہو تو اس کا ازالہ کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جس آدمی کا کوئی عضو نہ ہو تو وہ وضو کیسے کرے؟ اور اگر اس نے کوئی مصنوعی عضو لگوایا ہو تو کیا اسے وہ عضو دھونا ہوگا؟

جواب: اگر کسی آدمی کا اعضائے وضو میں سے کوئی عضو نہ ہو، تو اس سے اس کا دھونا یا تیمم کرنا ساقط ہے، اس پر کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لیے ادائیگی فرض کی جگہ ہی نہیں ہے تو اس پر کیا فرض ہو؟ اور اگر کوئی مصنوعی عضو لگوایا ہو، تو بھی اس کا دھونا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اس کی مثال موزوں یا جرابوں کی سی ہے، جن پر کہ مسح واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ موزے یا جرابیں انسان نے ایک موجود عضو پر پہنے ہوتے ہیں جس کا دھونا واجب ہوتا ہے۔ مگر یہ مصنوعی عضو کسی موجود عضو پر نہیں لگایا گیا ہے۔

البتہ اہل علم کہتے ہیں کہ اگر اس کا عضو جوڑ سے کٹا ہو مثلاً کلائی کہنی سے یا پاؤں ٹخنے سے کٹ گیا ہو تو اسے لازم ہے کہ بازو کا آخری کنارہ یا پنڈلی کا آخری حصہ واجبی طور پر دھوئے۔ واللہ اعلم۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کے لیے بھی مردوں کی طرح یہی سنت ہے کہ سر کا مسح کرتے ہوئے اپنے سر کی ابتدا سے شروع کر کے آخر تک لے جائے اور پھر شروع سر تک واپس لائے؟

جواب: ہاں، اس کے لیے بھی اسی طرح مسنون ہے۔ کیونکہ شرعی احکام جو مردوں کے لیے ہیں وہی عورتوں کے لیے ہیں، اور جو عورتوں کے لیے ہیں وہی مردوں کے لیے ہیں۔ الا یہ کہ جہاں کہیں علیحدہ علیحدہ کی خصوصیت آئی ہے۔ اور مجھے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں ہے جس میں عورت کے لیے اس مسئلہ میں کوئی خصوصیت (یا استثناء) ہو۔ لہٰذا عورت بھی اپنے وضو میں مسح سر کے شروع سے شروع کرے اور سر کے آخر تک لے جائے۔ بال اگر لمبے بھی ہوں تو وہ اس سے خراب نہیں ہوں گے، کیونکہ مسح کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بالوں کو زور سے دبایا جائے اور وہ گیلے ہو جائیں یا کھڑے ہو جائیں۔ نہیں بلکہ نرمی سے ہاتھ پھیرنا مقصود ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے لیے اپنے بالوں کے جوڑے پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ہاں، عورت کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ اپنے سر پر مسح کرے، خواہ اس نے بالوں کا جوڑا بنایا ہو یا ویسے ہی لٹکے ہوئے ہوں۔ مگر یہ قطعاً مناسب نہیں ہے کہ وہ ان کا جوڑا بنا کر عین چوٹی کے اوپر رہنے دے۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ صورت کہیں اس وعید میں نہ آ جاتی ہو جو اس حدیث میں آئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ونساء كاسيات عاريات رءوسهن كاسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها، وان ريحها ليوجد من مسيرة كذا كذا.))

''اور عورتیں ہوں گی (بظاہر) لباس پہنے ہوئے مگر ننگی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح جھکے ہوئے ہوں گے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو تو اتنی اتنی مسافت سے محسوس ہوتی ہوگی۔''[1] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ آدمی ایک ہی وضو سے دو فرض نمازیں پڑھ لے؟

جواب: ہاں جائز ہے۔ مثلاً اگر کسی نے نماز ظہر کے لیے وضو کیا ہو پھر عصر کا وقت آ جائے اور وہ باوضو ہو تو جائز ہے کہ اسی وضو سے نماز عصر بھی پڑھ لے، خواہ اس نے شروع میں یہ نیت نہ بھی کی ہو کہ وہ اس وضو سے دو فرض ادا کرے گا۔ کیونکہ وہ وضو جس سے اس نے ظہر کی نماز پڑھی اس سے اس کا حدث اُٹھ گیا، اور اب وہ اس وقت تک بے وضو نہیں ہوگا جب تک کہ بے وضو ہونے کا کوئی سبب پیش نہ آئے۔ اور بے وضو ہونے کے اسباب (نواقض وضو) معلوم و معروف ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] عاریات کے بعد "مميلات مائلات" کے الفاظ بھی ہیں اور بعض روایات میں "مائلات مميلات" کے۔ صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث: ۲۱۲۸۔ مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۵۵ حديث: ۸۶۵۰۔ مسند ابی هريرة رضی الله عنه.

سوال: وضو کر کے اعضا کو خشک کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: وضو کے بعد اعضا کو خشک کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ان امور میں اصل عدم منع ہے۔ یعنی عبادات کے علاوہ عام معاملات بیع وشراء اور دیگر کام کاج بالعموم حلال اور جائز ہوتے ہیں الا یہ کہ کسی سے منع کی دلیل آئی ہو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آپ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی حدیث کے بارے میں کیا کہیں گے جس میں ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے غسل کیا اور میں (میمونہ رضی اللہ عنہا) آپ کے پاس ایک رومال لے آئی، مگر آپ نے وہ واپس کر دیا اور اپنے ہاتھوں سے پانی جھاڑنے لگے۔“ [1]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ آپ کا فعل ہے، جس میں کئی احتمالات ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے وہ رومال اس قابل نہ ہو، میلا ہو، یا آپ اسے گیلا نہ کرنا چاہتے ہوں وغیرہ...... بہرحال سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا رومال پیش کرنا دلیل بنایا جا سکتا ہے کہ آپ شاید اپنے اعضا خشک کر لیا کرتے تھے، ورنہ وہ پیش ہی نہ کرتیں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کسی نے مصنوعی دانت لگوائے ہوں تو کیا وضو میں کلی کرتے ہوئے انہیں اتارنا ضروری ہے؟

جواب: اگر کسی نے مصنوعی دانت لگوائے ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ اسے ان کا اتارنا واجب نہیں ہے اور ان کا معاملہ انگوٹھی سے مشابہ ہے اور وضو کے وقت انگوٹھی کا اتارنا واجب نہیں ہے، بلکہ افضل یہ ہے کہ وہ اسے حرکت دے لے، واجب نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ انگوٹھی پہنتے تھے اور کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ اسے وضو کے وقت اتارتے بھی ہوں۔ اور یہ انگوٹھی دانتوں کی نسبت جلد تک پانی پہنچنے میں زیادہ رکاوٹ ہے (تو جب انگوٹھی کو اتارنا ثابت نہیں ہے تو دانت کیوں اتارے جائیں) بالخصوص جبکہ بعض لوگوں کے لیے یہ عمل کہ دانت اتاریں اور دوبارہ فٹ کریں بہت زیادہ مشقت کا باعث ہوتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا آدمی کے لیے واجب ہے کہ وضو سے پہلے دانتوں میں خلال کرے اور کھانے کے بقیہ ذرات نکال لے یا نہیں؟

جواب: مجھے جو بظاہر معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ وضو سے پہلے ان ذرات کا نکالنا واجب نہیں ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دانتوں کا صاف کرنا اور رکھنا وضو کا کمال اور زیادہ طہارت کا باعث ہے اور دانتوں کی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر یہ ذرات دانتوں میں رہ جائیں تو منہ سے بدبو آنے لگتی ہے۔ دانتوں اور مسوڑھوں کی بیماریاں آلیتی ہیں۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ کھانا کھا لینے کے بعد خلال کر لیا کرے تاکہ دانتوں میں رہ جانے والے خوراک کے ذرات نکل جائیں۔ مسواک بھی کیا کرے، کیونکہ کھانے سے منہ کی کیفیت بدل جاتی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب نفض الیدین من الغسل عن الجنابة، حدیث: ۲۷۲ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب صفة غسل الجنابة، حدیث: ۳۱۷.

ہے۔ اور آپ ﷺ نے مسواک کے بارے میں فرمایا ہے کہ

((السواك مطهرة للفم مرضاة للرب .))

''مسواک منہ کی صفائی اور رب جل وعلا کی رضا مندی کا سبب ہے۔''[1]

اور یہ دلیل ہے کہ جب بھی ضرورت محسوس ہو منہ کو مسواک سے صاف کر لیا جائے۔ اور علماء کا کہنا ہے کہ جب بھی منہ کا ذائقہ وغیرہ بدل جائے تو مسواک کا استعمال کرنا تاکیدی ہو جاتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: وضو کرتے وقت صابن سے منہ ہاتھ دھونا کیسا ہے؟

جواب: وضو کے وقت منہ ہاتھ کو صابن سے دھونا کوئی شرعی عمل نہیں ہے۔ بلکہ (اگر کوئی اس کا اہتمام کرتا ہے) تو تکلف اور دشواری میں پڑتا اور غلو کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

((هلك المتنطعون هلك المتنطعون .))

''تکلف اور دشواری میں پڑنے والے ہلاک ہوئے۔ تکلف اور دشواری میں پڑنے والے ہلاک ہوئے۔''[2]

آپ نے یہ تین بار فرمایا۔ ہاں اگر اعضا میلے ہوں اور صابن یا دیگر اشیائے نظافت استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ مگر بطور عادت اسے اپنا لینا تکلف اور بدعت ہے لہٰذا اس سے بچا جائے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بدرو (گندی نجس نالیوں) کا پانی بعض تحلیلات اور کیمیائی اعمال کے ذریعے سے صاف کیا جاتا ہے اور کھیتوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اس پانی کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے وضو ہو سکتا ہے، کپڑے کو لگے تو کیا کپڑا نجس ہو جاتا ہے؟

جواب: نجس پانی جب کیمیائی تحلیل کے ذریعے سے اپنی پہلی حقیقت سے بدل گیا ہے تو اب وہ دوسری حقیقت کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس وقت تک پلید نہیں ہو گا جب تک کہ نجاست پڑنے سے اس کے تین اوصاف میں سے کسی ایک میں تبدیلی نہ آ جائے یعنی ذائقہ، رنگ اور بو۔

پاک پانی کا اپنا کوئی رنگ، کوئی ذائقہ اور کوئی بو نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں ایک اصول بیان کر دیا

---

[1] سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب الترغيب فی السواك، حديث: ٥ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٤٧، مسند عائشة رضی اللہ عنہا.

[2] صحيح مسلم، كتاب العلم، باب هلك المتنطعون، حديث: ٢٦٧٠۔ سنن ابی داود، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، حديث: ٤٦٠٨ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٣٨٦، حديث: ٣٦٥٥ ومسند عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ.

گیا ہے کہ ((الماء طھور لا ینجسه شیء .)) ''پانی پاک ہے اور اسے کوئی شے نجس نہیں کرتی ہے'' ❶ اور یہی قاعدہ حدیث قلتین ❷ پر بھی جاری ہوتا ہے۔ اگر پانی قلتین (دو بڑے بڑے مشکوں کی مقدار) سے کم ہو اور اس میں کوئی نجاست پڑ جائے اور پانی اپنی حقیقت بدل جائے (ذائقہ، رنگ یا بو بدل جائے) تو وہ پلید ہوگا اور ایسے ہی اگر دو قلوں سے زیادہ ہو تو بھی۔ (محمد ناصر الدین البانی)

نواقض وضو

سوال: وہ کیا امور ہیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: نواقض وضو (وہ امور جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) کے بارے میں علماء میں کچھ اختلاف ہے۔ مگر ہم وہی ذکر کرتے ہیں جو باعتبار دلیل واضح ہیں:

(۱) **قبل یا دبر سے کچھ نکلنا**:......یعنی پیشاب، پاخانہ، مذی، منی وغیرہ جو قبل یا دبر سے نکلے، وضو توڑنے کا سبب ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اگر منی کا اخراج شہوت وجذبات کے زیر اثر ہو تو اس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ اور اگر صرف مذی ہو تو اس سے صرف شرمگاہ اور خصیتین دھونے کے بعد وضو کر لینا کافی ہوتا ہے۔

(۲) **گھری نیند**:......اگر کسی کو نیند اس طرح سے آ جائے کہ اگر ریح خارج ہو تو بھی بے خبر رہے، اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن اگر کم اور ہلکی ہو، کہ ریح خارج ہو تو اسے خبر ہو جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ لیٹ کر سوئے یا بیٹھ کر، سہارا لے کر یا بلا سہارا سوئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا دل ہوشیار ہے یا نہیں۔ اگر ہوشیار ہے کہ بے وضو ہونے کی صورت میں اسے معلوم ہو جاتا ہے تو یہ ناقض وضو نہیں ہے اور اگر اس پر غفلت طاری ہو کہ بے وضو ہونے کی اسے خبر نہ ہو تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر وضو کرنا واجب ہوگا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ بعض نیند ناقض وضو نہیں ہے بلکہ اس میں بے وضو ہو جانے (اور ہوا خارج ہو جانے) کا محض احتمال ہوتا ہے۔ تو جب آدمی سے ہوا خارج نہیں ہوئی، کیونکہ آدمی باشعور اور ہوشیار ہے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ معمولی نیند ناقض وضو نہیں ہے۔ اگر محض نیند ناقض وضو ہوتی خواہ وہ کم ہوتی یا

---

❶ سنن ابی داود، کتاب الطھارة، باب ما جاء فی بئر بضاعة، حدیث: ٦٦۔ سنن الترمذی۔ کتاب الطھارة، باب ان الماء لا ینجسه شئی، حدیث: ٦٦۔ مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۳۱ ومسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ.

❷ اس سے متعلق حدیث مبارکہ کے الفاظ اس طرح ہیں: "اذا کان الماء قلتین لم یحمل نجسا" ایک روایت میں "لم یحمل الخبث" ہے، اور ایک روایت میں "اذا کان الماء قلتین فانه لا ینجس" کے الفاظ ہیں۔ سنن ابی داود، کتاب الطھارة، باب ما ینجس الماء، حدیث: ٦٣، ٦٥۔ سنن الترمذی، کتاب الطھارة، باب الماء لا ینجسه شیء، حدیث: ٦٧ الام للشافعی: ١/ ٤، کتاب الطھارة، باب الماء الراکد.

زیادہ تو اس سے وضوٹوٹ جاتا۔ جیسے کہ پیشاب ناقض وضو ہے۔ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

(۳) **اونٹ کا گوشت کھانا:**...... جب آدمی اونٹ / اونٹنی کا گوشت کھالے، کچا ہو یا پکا ہوا تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ''کیا ہم بکری کے گوشت سے وضو کریں؟'' فرمایا چاہو تو۔ پھر پوچھا: ''کیا ہم اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟'' فرمایا: ''ہاں'' [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے گوشت سے وضو کرنے کو انسان کی مرضی پر چھوڑا ہے تو یہ دلیل ہے کہ اونٹ کے گوشت کا معاملہ انسان کی مرضی پر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنا واجب ہے خواہ کچا کھائے یا پکا ہوا، سرخ ہو یا دوسرا، اوجھری، آنتیں، کلیجی، دل یا چربی وغیرہ کچھ بھی کھائے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں فرمایا۔ اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ لوگ یہ سب کھاتے ہیں۔ اگر کوئی حکم مختلف ہوتا تو آپ ضرور بیان فرما دیتے تاکہ لوگ اپنے دین اور شریعت کے معاملے میں بابصیرت رہیں۔ اور ہمیں اپنی شریعت اسلامیہ میں ایسا کوئی جانور معلوم نہیں کہ اس کے اجزا کے متعلق کوئی مختلف حکم ہو۔ حیوان سارے کا سارا یا حلال ہوتا ہے یا حرام۔ یا تو اس سے وضو کرنا لازم آتا ہے یا نہیں آتا ہے۔ البتہ یہودی شریعت میں ایسا فرق ضرور رہا ہے جیسے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ (الانعام: ٦/ ١٤٦)

''اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی مگر جو پشت پر ہو یا انتڑیوں پر یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔''

لہٰذا علماء کا اجماع ہے کہ خنزیر کی چربی بھی حرام ہے حالانکہ قرآن مجید نے صرف گوشت کا ذکر فرمایا ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾

(المائدۃ: ٥/ ٣)

''حرام کیا گیا ہے تم پر مردار اور خون، اور خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔''

اور خنزیر کی چربی کے حرام ہونے میں مجھے کسی عالم کے متعلق معلوم نہیں کہ اس نے اختلاف کیا ہو۔ اس لیے مذکورۂ بالا حدیث جو اونٹ کے متعلق آئی ہے اس میں چربی، آنتیں اور اوجھری وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا سبیلین (قبل و دبر) کے علاوہ اگر جسم انسانی سے کچھ نکلے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

[1] صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الوضوء من لحوم الابل، حدیث: ٣٦٠۔ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٩٣، حدیث: ٢٠٩٠٧.

جواب: سبیلین (قبل و دبر) کے علاوہ جسم انسانی سے اگر کچھ خارج ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے سوائے اس کے کہ پیشاب ہو یا پاخانہ۔ اس میں اصل یہ ہے کہ کوئی چیز وضو کی ناقض نہیں ہے (سوائے اس کے جو دلیل شرعی سے ثابت ہو) تو جو آدمی اصل کے خلاف کا دعویٰ کرتا ہے اسے چاہیے کہ دلیل بھی پیش کرے۔ اور انسان کا پاک ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہے۔ اور جو چیز دلیل شرعی سے ثابت ہو، اسے دلیل شرعی ہی سے رد کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے ثابت شدہ امور کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں، کیونکہ ہم اللہ عزوجل کی شریعت کے پابند اور اس کے تحت عبادت کرتے ہیں، اپنی من مرضی سے کوئی عبادت نہیں کر سکتے۔ ہمیں کسی طرح روا نہیں کہ اللہ کے بندوں کو کسی ایسی طہارت کا پابند بنائیں جو لازم نہیں ہے، اور جو ان کی اصل طہارت واجبہ ہے اسے زائل کر دیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''نبی ﷺ نے قے کی اور پھر وضو کیا۔''[1] تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اس حدیث کو بہت سے اہل علم نے ضعیف کہا ہے، اور یہ بھی ہے کہ یہ محض ایک فعل ہے۔ اور ایک فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ امر (حکم دیئے جانے) سے خالی ہے نیز یہ دوسری حدیث کے برخلاف بھی ہے، اگرچہ وہ بھی ضعیف ہے کہ آپ ﷺ نے سینگی لگوائی اور وضو نہیں کیا۔[2] تو یہ دلیل ہے کہ قے آ جانے پر وضو کرنا واجب نہیں ہے۔

الغرض یہی قول راجح ہے کہ بقیہ بدن سے نکلنے والی کسی شے سے خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ، وضو نہیں ٹوٹتا ہے، قے ہو یا لعاب، خون ہو یا زخموں کی پیپ وغیرہ، الا یہ کہ وہ پیشاب یا پاخانہ ہو مثلاً عمل جراحی سے کوئی ایسی جگہ کھول دی گئی ہو جہاں سے پیشاب پاخانہ خارج ہوتا ہو تو ان کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا بے ہوشی طاری ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: ہاں بے ہوشی طاری ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ بے ہوشی نیند سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور گہری نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس طرح کہ اسے خبر ہی نہ ہو کہ اس سے کچھ (ہوا وغیرہ) نکلی ہے یا نہیں۔ ہاں اگر نیند ہلکی ہو تو اسے اپنے متعلق ہوش اور خبر رہتی ہے لہٰذا یہ وضو کے لیے ناقض بھی نہیں ہے۔ خواہ لیٹ کر سوئے یا بیٹھ کر، سہارا لے کر سوئے یا بغیر سہارے کے اور بے ہوشی چونکہ نیند سے قوی تر ہوتی ہے، تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے سو واجب ہے کہ وضو کرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] نبی ﷺ کی طرف منسوب ''قے کے بعد وضو کرنا'' تو معلوم نہ ہو سکا البتہ قے کی وجہ سے روزہ افطار ہو جانا (ٹوٹ جانا) تو بہرحال احادیث میں وارد ہے۔ واللہ اعلم

[2] سنن الدارقطنی:١/ ١٥٧، حديث: ٢٦ .

سوال: کیا کسی خاتون کا اپنے بالوں میں کریم استعمال کرنا یا ہونٹوں پر سرخی لگانا اس کے وضو کو توڑنے کا باعث ہے؟

جواب: کسی خاتون کا کریم استعمال کرنا یا دوسرے تیل وغیرہ لگانا اس کے وضو کے لیے کسی طرح بھی ناقض نہیں ہے بلکہ روزے پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اور ایسے ہی ہونٹوں پر سرخی لگانا وضو یا روزے کے لیے کسی خرابی کا باعث نہیں ہے۔ تاہم روزے میں یہ ضرور ہے کہ اگر اس سرخی وغیرہ کا کوئی ذائقہ ہو تو اسے اس طرح استعمال نہ کرے کہ اس کا ذائقہ حلق تک چلا جائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر مرد نے بحالت وضو اپنی ماں یا بہن وغیرہ کو ہاتھ لگایا تو کیا اس سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے خواہ وہ اس کی بیوی ہو یا کوئی اور، اس کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اور اس مسئلے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(۱) مطلقاً کسی بھی عورت کو ہاتھ لگا دے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲) مطلقاً کسی بھی عورت کو ہاتھ لگا دے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

(۳) اس میں تفصیل ہے کہ اگر تلذذ اور صنفی جذبات کے تحت ہاتھ لگائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں۔

اور ان اقوال میں سے دوسرا ہی راجح ہے کہ مطلقاً نہیں ٹوٹتا ہے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے بعض اوقات اپنی کسی زوجہ کا بوسہ لیا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔[1] اور اصولی قاعدہ ہے کہ طہارت قائم اور باقی رہتی ہے، یہ کسی واضح دلیل کے تحت ہی زائل ہو سکتی ہے۔ اور عورتوں کا لمس ایسا معاملہ ہے جو لوگوں کو گھروں کے اندر اکثر و بیشتر آتا رہتا ہے۔ اگر عورت کا لمس وضو کو توڑنے کا باعث ہوتا تو نبی ﷺ اس سے غافل نہ رہتے بلکہ یقیناً وضاحت سے بیان فرماتے۔ کیونکہ آپ ﷺ ''بلاغ مبین'' سے موصوف ہیں یعنی خوب وضاحت سے بیان فرمانے والے ہیں۔

رہا آیت کریمہ کا مفہوم جو سورۃ النساء اور المائدہ میں آئی ہے: ﴿او لامستم النساء﴾ ''یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو۔'' تو اس سے مراد مباشرت کا عملی ارتکاب ہے جیسے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے کہا ہے۔

اور اس مفہوم کے الفاظ ''لمس'' اور ''ملامسہ'' سب کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی جماع (مباشرت فعلی)۔ ہاں اگر ہاتھ لگانے سے کوئی مذی وغیرہ نکل آئے تو یقیناً وضو ٹوٹ جائے گا اور اس پر واجب ہوگا کہ اپنی شرمگاہ اور خصیتین دھوئے اور نماز کے لیے وضو کرے۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، حديث: ۱۷۸، ۱۷۹ ضعيف۔ سنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة، حديث: ۸٦ وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، حديث: ۵۰۲.

سوال: اگر کوئی ماں اپنے بچے کو طہارت کرائے اور وہ خود باوضو ہو تو کیا اسے دوبارہ وضو کرنا ہوگا؟

جواب: (۱) اگر عورت اپنے بچے یا بچی کو طہارت کرائے اور اسے اس کی شرمگاہ کو ہاتھ لگانا پڑے تو اسے دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے، وہ صرف اپنا ہاتھ دھولے۔ کیونکہ صنفی جذبات کے بغیر شرمگاہ کو ہاتھ لگا لینے سے وضو واجب نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم و معروف ہے کہ ماں جب اپنے بچے بچی کو طہارت کرواتی ہے تو اس کے ذہن میں کہیں صنفی جذبات نہیں ہوتے ہیں، تو اس صورت میں اسے نجاست سے اپنے ہاتھ دھو لینا چاہئیں اور بس۔ دوبارہ وضو کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

جواب: (۲) اگر کوئی کسی دوسرے کی شرمگاہ کو صنفی جذبات کے تحت ہاتھ لگائے تو اس سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور شہوانی جذبات کے بغیر ہاتھ لگانے میں اختلاف ہے۔ اور راجح یہ ہے کہ چھوٹے بچے بچی کی شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ یہ تسکین جذبات کی جگہ نہیں ہے، اور عملی زندگی میں اس کی ضرورت بہت زیادہ پڑتی رہتی ہے، اگر اس سے وضو ٹوٹنے کا کہا جائے تو اس سے لوگوں کو بہت زیادہ مشقت ہوگی نیز اگر اس سے وضو ٹوٹتا ہوتا تو یہ بات صحابہ اور ان کے بعد کے علماء میں بہت مشہور ہوتی۔ [1] (عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا ناخن اور بال کاٹنے اور جلد صاف کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: انسان اپنے بال کاٹے، ناخن تراشے یا جلد صاف کرے اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ میں اس سوال کی مناسبت سے یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ جسم سے بال کاٹنا یا مونڈنا تین طرح سے ہے:

۱: وہ بال جن کے دور کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے، مثلاً زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کرنے اور مونچھیں کتروانے کا حکم ہے۔

۲: وہ بال جن کا کاٹنا شریعت میں منع ہے، مثلاً داڑھی کے بال۔ آپ نے اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ "وفروا اللحى" "داڑھیاں بڑھاؤ" [2] جبکہ ابروؤں کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے۔

۳: وہ بال جن کے متعلق شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے، مثلاً سر، پنڈلیاں، بازو اور باقی جسم کے بال۔ تو جب شارع علیہ السلام ان کے متعلق خاموش ہیں تو کچھ علماء نے کہا ہے کہ ان کا مونڈنا منع ہے کیونکہ یہ اللہ

---

[1] فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ احتیاط اور افضلیت اور عموم حدیث کے باعث وضو کرنا لازم قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ آ گے آئے گا۔ (مترجم)

[2] صحيح بخاری، کتاب اللباس، باب تقليم الاظفار، حديث : ٥٥٥٣۔ المعجم الكبير للطبرانی:٥/ ١٩٥، حديث : ٥٠٦٢۔ سنن الكبرى للبيهقي : ١/ ١٥٠ ، حديث : ٦٧٢ . صحاح ستہ کی روایات میں عموماً "واعفوا اللحى" کے الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔ دیکھیے: صحيح بخاری، کتاب اللباس، باب تقليم الاظفار، حديث : ٥٥٥٤ وصحيح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث : ٢٥٩ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب اعفاء اللحية، حديث : ٢٧٦٣ .

کی خلقت کو تبدیل کرنے کے معنی میں ہے۔ اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرنا شیطان کا کام اور اس کا حکم ہے۔ اس نے عہد کیا تھا:

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ (النساء: ٤/ ١١٩)

''میں ان لوگوں کو بالضرور حکم دوں گا اور پھر وہ اللہ کی خلقت میں لازماً تبدیلی کریں گے۔''

اور بعض دوسروں نے کہا ہے کہ ان بالوں کو مونڈ لینا جائز ہے کیونکہ ان کے متعلق خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ اور شریعت میں یا تو کچھ چیزوں کے بارے میں 'حکم' ہے اور کچھ کے بارے میں 'منع' ہے اور کچھ کے بارے میں 'خاموشی' ہے۔ اگر یہ حکم ہوتا تو لازماً کہہ دیا جاتا۔ اور بحیثیت استدلال یہ بات زیادہ قوی ہے کہ جن بالوں کے متعلق ممانعت نہیں آئی ہے ان کا دور کر دینا جائز ہے۔

اور جن بالوں کے مونڈنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''مونچھیں، ناخن، زیر ناف اور بغلوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے یہ مقرر فرمایا تھا کہ ہم انہیں چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑا کریں۔''❶

مگر کچھ لوگ ہیں کہ وہ اپنے ناخن بڑھا کے رکھنا چاہتے ہیں، اور کئی ہیں کہ صرف چھنگلیا کا ناخن بڑھا کر رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس میں شریعت کی مخالفت ہے اور درندوں سے مشابہت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار آداب ذبح کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''جو خون بہا دے، اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو وہ کھا لے، سوائے دانت یا ناخن کے، دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہیں۔''❷ یعنی حبشی اپنے ناخن بڑھائے رکھتے ہیں اور ان سے چیرنے پھاڑنے کا کام لیتے ہیں مثلاً اگر کوئی خرگوش پکڑا تو ناخن ہی سے اسے چیر پھاڑ لیا، اور چھری کی طرح استعمال کر لیا۔

تو تعجب ہوتا ہے ایسے لوگوں پر کہ اپنے مہذب و مثقف ہونے کے دعوے کرتے ہیں، اپنی صفائی ستھرائی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، اور ادھر یہ حال ہے کہ ناخن بڑھائے ہوئے، بغلیں غلیظ (بال بڑھائے ہوئے) اور زیر ناف اس سے بھی بری، اور دعوے ہیں کہ ہم بڑے ترقی یافتہ ہیں، تہذیب و ثقافت اور نظافت میں ہم سب

---

❶ سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ٤٢٠٠ وسنن الترمذی، کتاب الارب، باب التوقیت فی تعلیم الاظافر واخذ الشارب، حدیث: ٢٧٥٩. بعض روایات میں چالیس دن کی جگہ چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ٢٥٨ وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب الفطرة، حدیث: ٢٩٥ وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب التوقیت فی ذلك، حدیث: ١٤.

❷ صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ما انهر الدم من القصب والمروة والحدید، حدیث: ٥١٨٤ وصحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب جواز الذبح بكل ما انهر الدم الا السن والظفر……، حدیث: ١٩٦٨ وسنن ابی داود، کتاب الذبائح، باب فی الذبیحة بالمروة، حدیث: ٢٨٢١.

سے آ گئے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جس عورت نے اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگائی ہو، اس کے وضو کا کیا حکم ہے؟

جواب: ناخنوں پر لگائی جانے والی ایسی چیز جس کی اپنی ایک تہ بھی ہو جسے کہ (عربی میں) المناکیر کہتے ہیں(اردو میں ناخن پالش یا نیل پالش کہلاتی ہے)۔عورتوں کو اپنے نماز پڑھنے کے دنوں میں، اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ طہارت (وضو غسل) کے وقت یہ چیز پانی کو جلد تک پہنچنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔اور ہر وہ چیز جو وضو اور غسل میں پانی کو جلد تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

جبکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ﴾ (المائدہ: ۵/ ٦)

''اپنے چہرے اور ہاتھ دھویا کرو۔''

تو جس عورت نے اس پالش کے ساتھ وضو یا غسل کیا تو اس نے ایک فریضہ چھوڑ دیا۔

اور جو خاتون ایام مخصوصہ میں ہو تو اسے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے الا یہ کہ کافر عورتوں کی خصوصیت ہو تو ایام مخصوصہ میں بھی اس کا استعمال جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس میں ان کافروں کی مشابہت ہوگی۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ حضرات نے اس (ناخن پالش وغیرہ) کے جائز ہونے کا اس طرح سے فتویٰ دیا ہے کہ یہ موزے پہننے سے مشابہ ہے۔لہٰذا عورت اگر مقیم ہو تو ایک دن رات اور اگر مسافر ہو تو تین دن رات تک لگا سکتی ہے۔لیکن یہ فتویٰ غلط ہے۔ ہر وہ چیز جسے لوگ اپنا بدن ڈھانپنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اسے موزوں کی طرح نہیں کہا جا سکتا ہے۔ موزوں کے متعلق شریعت کا حکم موجود ہے کہ بالعموم ضرورت کے تحت پہنے جاتے ہیں اور ان پر مسح کیا جاتا ہے۔ اور پاؤں اس بات کا محتاج ہے کہ اسے گرم رکھا جائے اور اس کی حفاظت بھی جائے کہ یہ زمین پر پڑتا ہے جہاں کنکر پتھر وغیرہ ہوتے ہیں اور ٹھنڈک وغیرہ بھی ہوتی ہے لہٰذا شریعت نے ان پر مسح کرنے کی خاص رخصت دی ہے۔ اور کچھ لوگ اسے پگڑی پر قیاس کرتے ہیں۔اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ پگڑی کا مقام سر ہے اور سر کا فریضہ مشروع ہے بلکہ خفیف ہے کہ اس پر صرف مسح کیا جاتا ہے جبکہ ہاتھوں کا حکم یہ نہیں ہے ان کے متعلق فرض یہ ہے کہ انہیں دھویا جائے، اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ عورت اپنے ہاتھوں کے دستانوں پر مسح کر لیا کرے حالانکہ دستانے بھی ہاتھ کو چھپاتے ہیں۔ تو اس لیے کسی ایسے حائل کو جو پانی کے لیے جسم تک پہنچنے میں مانع اور رکاوٹ ہو، پگڑی یا موزوں پر قیاس نہ کرے۔ بلکہ مسلمان پر واجب ہے کہ حق پہچاننے کے لیے انتہا درجے کی کوشش اور محنت کرے اور کسی فتویٰ پر پیش قدمی نہ کرے بلکہ اسے یہ شعور رہنا چاہیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں پوچھ گچھ ہوگی، کیونکہ صاحب فتویٰ

اللہ عزوجل کی شریعت کا بیان کرنے والا ہوتا ہے۔ [1]، [2]

اور اللہ عزوجل ہی راہ مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک خاتون نے وضو کیا اور پھر اپنے سر پر مہندی لگا لی اور نماز پڑھنے لگی، تو کیا اس طرح اس کی نماز درست ہوگی؟ اور اگر اس کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا اسے مہندی کے اوپر سے مسح کرنا جائز ہوگا یا وہ پہلے اپنے بال دھوئے اور پھر وضو کرے......؟

جواب: (ا) بالوں پر مہندی لگا لینا کسی طرح وضو یا طہارت کے منافی نہیں ہے۔ اگر اس نے مہندی لگا لی ہو اور اسی حالت میں وضو کرے یا کوئی اور لیپ جس کی خواتین کو ضرورت رہتی ہے، ان کے اوپر سے مسح کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، وضو بالکل صحیح ہوگا۔ البتہ طہارت کبریٰ (یعنی واجبی غسل) کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال کر اپنے بالوں کو ملے اور ہلائے، صرف مسح کرنا کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ صحیح مسلم میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے سر کے بال خوب گوندھ کر باندھتی ہوں، تو کیا میں غسل جنابت اور غسل حیض کے لیے انہیں کھولا کروں؟ فرمایا: ''نہیں، تجھے اتنا ہی کافی ہے کہ تو اس پر تین لپ پانی ڈال لیا کر، پھر باقی جسم پر پانی ڈال لیا کر، اس طرح تو پاک ہو جائے

---

[1] اور مفتی سے بھول چوک بھی ہو سکتی ہے۔

[2] ہمارے علماء نجد اور حنبلی علمائے کرام حفظہم اللہ عورتوں کے لیے ناخن پالش کے بارے میں ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جبکہ راقم اور میرے ساتھ بعض فضلائے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ یہ چیز عورتوں کے لیے عموم بلویٰ کی حیثیت سے بہت عام ہے۔ اگر کوئی عورت اس چیز کو اس نیت سے لگائے کہ جلد تک پانی نہ پہنچے تو یقیناً حرام ہے، اس کا وضو اور غسل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نیت سے نہیں بلکہ زینت کے طور پر لگائی ہے، تو اس کے ہوتے ہوئے اس کا وضو اور غسل بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ یہ چیز جلد اور جسم کا حصہ بن جاتی ہے اور کئی دنوں کے بعد اترتی یا اتاری جاتی ہے۔ دیکھئے رنگ اور پینٹ کا کام کرنے والے بھی اسی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور یہ رنگ جب تک خاص محنت سے اتارا نہ جائے اترتا نہیں ہے اور کام کے دوران میں نماز کے لیے اس رنگ یا پینٹ کا اتارنا کام کرنے والے کے لیے تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس طرح مٹی گارے کا کام کرنے والے بھی دیکھے جاتے ہیں کہ ان کے پاؤں کے ناخنوں کے کنارے گارے سے اٹے ہوتے ہیں، اور جب تک وہ محنت سے مٹی نہ اتاریں وہ اترتی نہیں ہے، اور کام کے دوران میں انہیں وضو کے لیے اس انداز سے مکلّف کرنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ تو چونکہ کام کے دوران میں یہ رنگ، پینٹ یا مٹی اور عورتوں کے لیے ناخن پالش ان کے جسم کا حصہ بن چکی ہوتی ہے، اس لیے وضو یا غسل میں ہاتھ پاؤں کا دھو لینا کہ اس پینٹ یا پالش پر سے پانی گزر جائے کافی ہے، ان کا وضو اور غسل بالکل درست ہے۔ جیسے کہ نبی علیہ السلام نے حج کے دوران میں اپنے سر پر لبدہ گوند وغیرہ کا لیپ کیا تھا، اور اس پر مسح کرتے رہے۔ زخم اور ہڈی اور پٹی پلستر وغیرہ پر جسم کا حصہ ہونے کی وجہ سے مسح کر لیا جاتا ہے اور کبھی دوا کے اوپر سے پانی بھی گزار لیا جاتا ہے۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔ (عمر فاروق السعیدی حفظہ اللہ)

جبکہ پاک و ہند اور عرب علماء کی اکثریت کا موقف نیل پالش کے ناجائز اور ناقض وضوء کے حق میں ہے۔ (طاہر نقاش)

گی۔"❶ اور اگر عورت غسل حیض کے لیے اپنے بال کھول کر دھوئے تو یہ افضل ہے، کیونکہ اس بارے میں اور بھی احادیث آئی ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

جواب: (۲) جب عورت نے اپنے سر پر مہندی کا لیپ کیا ہو تو اسے اس پر مسح کرنا درست ہے، اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ پہلے وہ اپنے بال کھولے اور پھر مہندی کے نیچے سے مسح کرے۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احرام میں نے اپنے بالوں پر لبدہ لگایا تھا❷ (گوند وغیرہ سے اپنے بال چپکا لیے تھے)۔ تو جب سر پر کوئی لیپ وغیرہ کیا ہو تو اس کا حکم بھی سر ہی کا سا ہے۔ اور یہ دلیل ہے کہ سر کی طہارت میں کسی قدر سہولت ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت نے اپنے بالوں میں تیل لگایا ہو اور پھر اس پر مسح کرے تو کیا اس کا وضو صحیح ہوگا؟

جواب: اس سوال کے جواب سے پہلے میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدہ: ٥/ ٦)

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھنے کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے دھو لیا کرو، اور اپنے بازوؤں کو بھی کہنیوں تک، اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو، اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔"

ان دھوئے جانے والے اعضاء کو دھونے کا حکم اور مسح کے اعضاء پر مسح کا حکم اس بات کو لازم ہے کہ اگر ان پر کوئی تہ دار چیز لگی ہو جو پانی کو جسم تک پہنچنے سے رکاوٹ ہو یا مسح میں رکاوٹ ہو تو اسے دور کر لیا جائے۔

اسی اصول پر ہم کہتے ہیں کہ اگر انسان وضو کرنا چاہتا ہو اور اس کے اعضائے غسل پر کوئی ایسا تیل وغیرہ ہو جس کا بطور جامد ہونے کے اپنا ایک جرم اور جسم ہو (جو پانی کے جسم تک پہنچنے میں رکاوٹ ہو) تو اس کا ازالہ ضروری ہے، اگر جرم اور تہ دار یہ تیل وغیرہ باقی رہا تو وضو نہیں ہوگا۔ اور اگر اس تیل کی اپنی کوئی تہ نہ ہو، صرف اس کا اثر باقی رہ گیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ اپنا ہاتھ (پانی کے ساتھ) اس پر پھیرے۔ کیونکہ عموماً تیل کے متعلق یہ ہے کہ یہ پانی سے علیحدہ رہتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ پانی پورے عضو تک نہ

❶ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب حکم ضفائر المغتسلة، حدیث: ۳۳۰۔ سنن ابی داود، کتاب الطھارة، باب فی الوضوء بعد الغسل، حدیث: ۲۵۱ وسنن الترمذی، ابواب الطھارة، باب ھل تنقض المراة شعرھا عند الغسل، حدیث: ۱۰۵.

❷ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والقران والافراد بالحج، حدیث: ۱۴۹۱ سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فی القران، حدیث: ۱۸۰۶ وسنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب تقلید الھدی، حدیث: ۲۷۸۱.

پہنچے جسے کہ دھویا جا رہا ہے (اس لیے اس پر ہاتھ ضرور پھیر لے)۔[1] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: خواتین کی شرمگاہ سے خارج ہونے والی رطوبت کا کیا حکم ہے، کیا یہ نجس ہوتی ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کپڑے نجس ہو جاتے ہیں؟ اور اس حالت میں ان کی ان عبادات کا کیا حکم ہے جو کئی کئی دن یا لمبے وقت تک جاری رہتی ہیں مثلاً حج وعمرہ، طواف اور مسجد کے اندر بیٹھنا وغیرہ؟ اور اس رطوبت کا کیا حکم ہے جو صنفی حرکات (بوس وکنار) کے باعث خارج ہو جاتی ہے جبکہ عملاً مباشرت نہیں ہوتی ہے۔ کیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے کہ غسل جنابت سے یا کچھ اور............؟

جواب: (حیض، نفاس اور مادۂ منویہ کے علاوہ) عورت کے قبل سے خارج ہونے والی رطوبات بھی نجس ہوتی ہیں، ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور بدن کے جس حصے یا کپڑے کو لگیں تو وہ نجس ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں عورت پر لازم ہے کہ استنجا کرے، وضو کرے، جسم کا وہ حصہ دھوئے جسے یہ لگی ہو اور کپڑا بھی دھوئے۔ اور ایک اصول قاعدہ مسلمان کے لیے یہ ہے کہ اس کے سبیلین (قبل ودبر) سے اگر کچھ ہوا خارج ہو اور وہ نماز پڑھنا چاہے تو اس پر وضو واجب ہوتا ہے۔

اور جس عورت کو مسلسل یہ عارضہ ہو تو اسے چاہیے کہ استنجا کرے، جسم کو صاف کر کے لنگوٹ اس طرح باندھے کہ باہر کچھ نہ نکلنے لگے، اور ہر نماز کے لیے نیا وضو کیا کرے اور ایسے ہی طواف کے لیے بھی۔ اور اس کے لیے مسجد میں بیٹھنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ رطوبات حیض نہیں ہیں۔ مسجد میں بیٹھنے سے مانع صرف حیض ونفاس ہے یا جنابت اور زوجین کی ملاعبت کے دوران جو خارج ہو۔ اگر وہ منی نہ ہو (جو لذت سے اور اچھل کر نکلتی ہے) تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ (صالح فوزان)

سوال: ان رطوبات کا کیا حکم ہے جو بعض اوقات عورت کی شرمگاہ سے بہ آتی ہیں؟ کیا یہ طاہر ہیں یا نجس، اور کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: بحث وتحقیق کے بعد مجھ پر یہ واضح ہوا ہے کہ اگر یہ رطوبات عورت کے مثانہ سے نہ نکلی ہوں، بلکہ رحم سے نکلی ہوں تو طاہر ہیں، لیکن اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اس نکلنے والی چیز کے لیے، جس سے وضو ٹوٹتا ہے، نجس ہونا شرط نہیں ہے۔ مثلاً ہوا کا خارج ہونا، باوجودیکہ یہ دبر سے نکلتی ہے اور اس کا اپنا کوئی جرم (جسم) نہیں

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ مسائل دور نبوت میں کسی طرح اشکال کا باعث نہیں سمجھے گئے۔ حالانکہ آپ صفائی ستھرائی کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے، اپنے صحابہ کو تلقین فرماتے تھے بلکہ جمعہ کے لیے تو بالخصوص تاکیداً کہا گیا ہے کہ گھر میں میسر دھن (تیل وغیرہ) استعمال کیا جائے۔ اس دور میں تو کہیں کسی کے ذہن میں اس کے لگانے سے وضو ہونے نہ ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ تیل کی تہ انتہائی نامعلوم ہوتی ہے اور تیل آہستہ آہستہ جلد کے اندر جذب بھی ہو جاتا ہے، اس لیے اس قسم کے اشکالات پیدا کرنا غلو اور تنطع ہے، تیل لگانے سے غسل اور وضو وغیرہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔ (عمر فاروق السعیدی عفا اللہ عنہ)

ہوتا ہے۔اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔اسی طرح عورت کے رحم سے اترنے والی اس رطوبت کا حکم ہے، اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور نماز کے وقت اس کی تجدید لازم ہے لیکن رطوبت اگر تسلسل سے نکلتی ہو تو یہ ناقض نہیں ہے مگر وضو اسی وقت کرنا چاہیے جب نماز کا وقت ہو جائے، اور پھر اس وضو سے جو فرض و نفل نماز پڑھنا چاہتی ہے یا قرآن پڑھنا چاہتی ہے جائز ہے۔ (اور دوسری نماز کا وقت آنے پر نیا وضو کرے) جیسے کہ اہل علم نے سیل البول والے کے متعلق کہا ہے۔اس رطوبت کے متعلق طہارت کی جانب سے تو یہی ہے کہ یہ طاہر ہے، اس سے جسم یا بدن نجس نہیں ہوتا مگر وضوٹوٹ جاتا ہے، الا یہ کہ یہ عمل مسلسل جاری ہو تب یہ ناقض نہیں ہے۔مگر اسے چاہیے کہ وضو اسی وقت کرے جب نماز کا وقت ہو جائے، اور لنگوٹ وغیرہ سے تحفظ حاصل کرے۔

اگر یہ رطوبت وقتاً فوقتاً آتی ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ نماز کو اس وقت تک مؤخر کر دے جب یہ نہ آ رہی ہو، الا یہ کہ نماز کے وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، تو اسے چاہیے کہ لنگوٹ وغیرہ باندھ کر وضو کرلے اور نماز پڑھے۔ چونکہ یہ رطوبت شرمگاہ سے آ رہی ہوتی ہے اس لیے اس کے قلیل یا کثیر ہونے سے قطع نظر، یہ ناقض وضو ہوتی ہے۔اور کچھ عورتوں کا یہ سمجھنا کہ ان رطوبات سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے (تو یہ غلط ہے) مجھے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہے، سوائے امام ابن حزم رحمہ اللہ کے قول کے، مگر انہوں نے اس کی کتاب وسنت یا اقوال صحابہ سے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے۔اگر ان سے کوئی دلیل مل جائے تو یہ بات حجت بن سکتی ہے۔

بہرحال خواتین کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں، اپنی پاکیزگی کا خاص خیال رکھیں۔ بلا طہارت بغیر وضو کوئی نماز قبول نہیں ہوتی خواہ کوئی سو نمازیں پڑھ ڈالے۔ بلکہ بعض علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ بلا طہارت بغیر وضو نماز پڑھنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اللہ کے احکام کے ساتھ مذاق کرنے والی بات ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: طہر کے ایام میں بعض اوقات کچھ عورتوں کو سفید پانی سا آنے لگتا ہے، کیا اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: مرد یا عورت کے سبیلین (قبل ودبر) سے کسی بھی قسم کی کوئی رطوبت خارج ہو تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾

(المائدہ: ۵/ ٦)

’’اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں، یا کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مساس کیا ہو، اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلیا کرو۔‘‘

اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ’’تم میں سے جب کوئی بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی حتیٰ کہ

وضو کر لے۔'' ❶ اور یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔ حدث کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو قبل و دبر سے خارج ہو پیشاب پاخانہ وغیرہ، ان کے علاوہ ریاح پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے مگر ریاح سے صرف وضو لازم آتا ہے۔ اور پیشاب پاخانے وغیرہ کی صورت میں وضو سے پہلے استنجا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور وضو میں چہرہ، دونوں بازو، سر اور کان کا مسح اور دونوں پاؤں کا دھونا واجب ہے، جو قرآن کریم اور سنت مطہرہ کے ظاہر سے ثابت ہے۔

اور خروج ریح کے علاوہ اونٹ کا گوشت کھانا، نیند آ جانا جس سے بے ہوشی ہو جائے اور ہاتھ سے شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو واجب ہوتا ہے مگر استنجا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور شرمگاہ کو چھونے میں آدمی خواہ اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے یا دوسرے کی شرمگاہ کو مثلاً بیوی یا بچہ بچی وغیرہ (تو اس سے وضو کرے۔) ❷ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

مسائل غسل

سوال: کیا عورت کو بھی احتلام ہو جاتا ہے؟ اگر اسے احتلام ہو تو کیا کرے؟ اور اگر وہ احتلام کے بعد غسل نہ کرے تو اس پر کیا ہے؟

جواب: بعض اوقات عورتوں کو بھی احتلام ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ بھی مردوں ہی کی طرح ہیں۔ تو جیسے مردوں کو یہ صورت درپیش آ جاتی ہے عورتوں کو بھی ہو جاتی ہے۔ مرد ہو یا عورت، اگر اسے احتلام ہو اور جاگنے پر اپنے جسم یا کپڑے پر اس کا کوئی اثر نمی وغیرہ محسوس نہیں ہوئی تو کوئی غسل نہیں ہے اور اگر کوئی نشان نمی وغیرہ محسوس ہو تو غسل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے، جب اسے احتلام ہو؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، جب یہ نمی پائے۔'' ❸

اور اگر پچھلے کئی دنوں میں ایسا ہوا ہو، مگر کپڑے یا جسم پر کوئی نمی وغیرہ نہیں پائی گئی تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی نشان پایا گیا تو (اسے چاہیے کہ غسل کرے) اور یاد کرے کہ کتنی نمازیں اس حالت میں پڑھی ہیں یا اگر رہ گئی ہیں تو ان کی قضا دے۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاۃ بغیر طهور، حدیث: ۱۳۵ وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حدیث: ۲۲۵.

❷ یہ فتویٰ احتیاط اور افضلیت کے طور پر ہے۔ جبکہ کچھ علماء بچے بچی کو استنجا کرانے کی صورت میں وضو ضروری نہیں کہتے، جیسے کہ پیچھے گزرا ہے۔ (مترجم)

❸ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم، حدیث: ۱۳۰ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المنی منها، حدیث: ۳۱۳.

سوال: غسل کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک عام اور واجب ہے، اور دوسری ہے کامل اور مسنون غسل۔ عام واجب تو یہی ہے کہ آدمی اپنے پورے جسم پر پانی بہالے، اور اس میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا بھی شامل ہے۔ لہٰذا جس نے اپنے سارے جسم پر پانی بہا لیا اس سے "حدث اکبر" کی کیفیت زائل ہوگئی اور وہ پاک ہوگیا۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّہَّرُوۡا﴾ (المائدہ: ٥/ ٦)

"اور اگر تم جنابت سے ہو تو طہارت حاصل کرو، یعنی غسل کرلو۔"

اور دوسری کامل اور مسنون صورت یہ ہے کہ آدمی (مرد ہو یا عورت) اسی طرح غسل کرے جیسے کہ نبی ﷺ کیا کرتے تھے۔ تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنے ہاتھ دھوئے، اور پھر اپنی شرمگاہ کو دھوئے اور جنابت کے اثرات ہوں تو انہیں دور کرے، پھر نماز والا کامل وضو کرے، پھر اپنے سر کو دھوئے، تین بار اسے خوب تر کرے اور پھر باقی بدن پر پانی بہالے۔ [1] اور یہ کامل مسنون غسل کا طریقہ ہے۔

سوال: ہمارے ہاں کچھ عورتیں اپنی کنگھی چوٹی کرتے ہوئے اپنے بال خوب باندھ لیتی ہیں اور غسل جنابت کے لیے اپنی مینڈھیاں کھولتی نہیں ہیں، تو کیا اس طرح ان کا غسل صحیح ہوجاتا ہے؟ اور ہمارا خیال ہے کہ اس طرح پانی بالوں کی جڑوں تک نہیں پہنچتا ہے۔ ہمارے لیے واضح فرما دیجیے۔ اللہ آپ کو عزت دے۔

جواب: اگر عورت (غسل جنابت میں اپنے بال کھولے بغیر) سر پر پانی بہالے تو کافی ہے۔ کیونکہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ اپنے سر کے بال خوب کس کے باندھتی ہوں، تو کیا غسل جنابت کے لیے انہیں کھولا کروں؟ آپ نے فرمایا:

"تجھے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کر، پھر باقی جسم پر پانی بہالے تو تو پاک ہو جائے گی۔" [2]

یہ روایت صحیح مسلم میں آئی ہے۔ تو جب عورت اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لے تو کافی ہے اور اسے اپنے بال کھولنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے کہ مندرجہ بالا حدیث میں آیا ہے۔

---

[1] حضور نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہی تھا۔ ملاحظہ فرمائیں: صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، حدیث: ٢٤٨۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب صفة غسل الجنابة، حدیث: ٣١٦

[2] صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب حکم ضفائر المغتسلة، حدیث: ٣٣٠ وسنن ابی داود، کتاب الطھارة، باب فی الوضوء بعد الغسل، حدیث: ٢٥١ وسنن الترمذی، ابواب الطھارة، باب ھل تنقض المراة شعرھا عند الغسل، حدیث: ١٠٥.

سوال: کیا جس عورت پر غسل جنابت لازم ہو، اسے اپنے بال دھونا بھی لازم ہے حتیٰ کہ پانی اس کی جلد تک پہنچ جائے؟

جواب: غسل جنابت یا دوسرے امور جن سے غسل کرنا واجب ہوتا ہے، اس میں واجب ہے کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچایا جائے۔ اور یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدہ : ٥/ ٦)

"اور اگر تم جنابت سے ہو تو طہارت حاصل کرو، یعنی غسل کرلو۔"

تو ظاہری اور اوپر سے بالوں کا دھو لینا کافی نہیں ہے بلکہ ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ سوائے اس کے کہ بال گندھے ہوئے ہوں، مینڈھیاں بنائی ہوں، تو اس صورت میں مینڈھیوں کا کھولنا واجب نہیں ہے، بلکہ واجب ہے کہ پانی تمام بالوں تک پہنچ جائے، یوں کہ اپنی مینڈھیوں کو پانی کے بہاؤ کے نیچے رکھے پھر نچوڑ لے حتیٰ کہ سب بالوں تک پہنچ جائے۔

سوال: وہ کون سے امور ہیں جن سے غسل واجب ہوتا ہے؟

جواب: غسل واجب ہونے کے کئی امور ہیں، مثلاً:

۱: مادہ منی کا خارج ہونا: شہوانی جذبات کے تحت جاگتے میں ہو یا سوتے میں۔ سوتے میں ایسا ہو تو ہر حال میں غسل واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان کو بعض اوقات اپنی خبر نہیں ہوتی ہے۔

۲: مباشرت (جماع): جب مرد اپنی اہلیہ سے ہم بستر ہو اور ختنہ ختنے میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((الماء من الماء .)) [1] "پانی پانی سے ہے۔" یعنی انزال منی سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ:

((واذا جلس بين شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل .))

"جب آدمی اپنی زوجہ کی چار شاخوں میں بیٹھے اور اس سے مشغول ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔" [2]

خواہ کسی کو انزال نہ بھی ہو۔

اور یہ مسئلہ یعنی جماع اور انزال نہ ہونا، اس کا حکم کئی لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان پر ہفتے اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب انما الماء من الماء، حدیث : ٣٤٣۔ سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی الاکسال، حدیث : ٢١٧۔ سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب الذی یحتلم ولا یری الماء، حدیث : ١٩٩ .

[2] صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب اذا التقی الختانان، حدیث : ٢٩١ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب نسخ الماء من الماء، حدیث : ٣٤٨۔ سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب وجوب الغسل اذا التقی الختانان، حدیث : ١٩١ .

مہینے گزر جاتے ہیں اور زوجین باہم مشغول ہوتے رہتے ہیں اور انزال نہیں ہوتا ہے، اور جہالت کی بنا پر غسل نہیں کرتے ہیں۔ تو یہ صورت حال بڑی تشویش ناک ہے۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول پر جو نازل کیا ہے اس کی حدود جانے اور پہچانے۔ الغرض جب شوہر اپنی بیوی سے ہم بستر ہو تو (مشغول ہونے کی صورت پر) خواہ انزال نہ بھی ہو تو دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ابھی مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوا ہے۔

۳: عورت کو حیض ونفاس کا آنا: ان عوارض کے خاتمے پر عورت کے لیے واجب ہے کہ غسل کرے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۲)

''اور حیض کے دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو، اور ان کے قریب مت جاؤ حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں، تو جب وہ خوب پاکیزگی حاصل کر لیں تو ان کے پاس آؤ، جہاں سے کہ تم کو اللہ نے حکم دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

اور احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے استحاضہ والی عورت کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے حیض کے ایام میں بقدر (نماز وغیرہ سے) رکی رہے پھر غسل کرے۔ [1] اور نفاس والی کا بھی یہی حکم ہے اور اس پر غسل واجب ہے۔

اور حیض ونفاس سے غسل کا طریقہ ایسے ہی ہے جیسے کہ جنابت سے غسل کیا جاتا ہے۔ [2] مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر یہ بیری کے پتوں سے نہائے تو یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں طہارت اور نظافت زیادہ ہے۔

اور کچھ علماء نے اسباب وجوب غسل میں ''موت'' کو بھی شمار کیا ہے۔ ان کی دلیل آپ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو آپ نے اپنی فوت ہو جانے والی بیٹی کے متعلق عورتوں کو دیا تھا کہ:

''اسے غسل دو، تین یا پانچ یا سات بار یا اس سے زیادہ، اگر ضرورت محسوس کرو تو۔'' [3]

اور ایسے ہی آپ نے اس آدمی کے متعلق فرمایا تھا جو حالت احرام میں عرفات میں اپنی اونٹنی سے گر کر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم، حدیث: ۲۲۸، کتاب الحیض، باب الاستحاضۃ، حدیث: ۳۰۶ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب المستحاضۃ وغسلها وصلاتها، حدیث: ۳۳۳.

[2] مگر ضروری ہے کہ اپنے گندھے ہوئے بال کھول لے، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے (مترجم)

[3] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یستحب ان یغسل وترا، حدیث: ۱۲۵٤۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، حدیث: ۹۳۹.

مر گیا تھا کہ:

''اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اور اسے اس کے ان دو ہی کپڑوں میں کفن دے دو۔'' ❶

تو ان حضرات نے موت کو بھی اسباب غسل واجبی میں شمار کیا ہے مگر یہ وجوب زندوں سے متعلق ہے کہ وہ اس میت کو غسل دیں جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ ورنہ میت سے تو اعمال تکلیفیہ ختم ہو چکے۔

سوال: کیا میاں بیوی کے آپس میں بوس و کنار اور ہنسی کھیل سے ان پر غسل واجب ہو جاتا ہے؟

جواب: میاں بیوی کا آپس میں محض بوس و کنار کرنے یا ہنسی کھیل اور تمتع و تلذذ سے کسی پر کوئی غسل واجب نہیں ہوتا ہے، سوائے اس کے کہ اس سے کسی کو انزال ہو جائے تو اس صورت میں غسل واجب ہو جائے گا۔ میاں کو ہو یا بیوی کو یا دونوں کو...... لیکن اگر فی الواقع مباشرت اور صنفی عمل ہو تو دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا خواہ کسی کو انزال نہ بھی ہو۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''جب شوہر اپنی بیوی کے چار شاخوں میں بیٹھے اور اس سے کوشش کرے (مشغول ہو) تو غسل واجب ہو گیا۔'' اور صحیح مسلم کے الفاظ میں صراحت ہے کہ ''خواہ انزال نہ بھی ہو۔'' ❷ اور یہ مسئلہ بہت سی عورتوں بلکہ مردوں پر بھی مخفی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مباشرت میں جب تک انزال نہ ہو، غسل واجب نہیں ہوتا۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ الغرض مباشرت عملی میں ہر حال میں غسل واجب ہے اور بوس و کنار میں یا کھیل اور تمتع و تلذذ ظاہری میں کوئی غسل نہیں الا یہ کہ کسی کو انزال ہو جائے۔

سوال: کیا میری بیوی پر غسل جنابت لازم ہو گا جبکہ ہم ہم بستر ہوں اور دخول ہو جائے مگر رحم میں انزال نہ ہو؟

جواب: ہاں اس پر غسل جنابت ہو گا جب دخول ثابت ہو جائے، کم ہو یا زیادہ، کیونکہ حدیث میں ہے:

'وإذا جلس بين شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل وإن لم ينزل'

''جب مرد اپنی اہلیہ کے چار شاخوں میں بیٹھے اور اس کے ساتھ کوشش کرے تو غسل واجب ہو گیا خواہ انزال نہ بھی ہو۔'' ❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب کیف یکفن المحرم، حدیث: ١٢٦٧ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یفعل بالمحرم اذا مات، حدیث: ١٢٠٦.

❷ صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب اذا التقی الختانان، حدیث: ٢٩١ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب نسخ الماء من الماء، حدیث: ٣٤٨۔ سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب وجوب الغسل اذا التقی الختانان، حدیث: ١٩١.

❸ صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب اذا التقی الختانان، حدیث: ٢٩١ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب نسخ الماء من الماء، حدیث: ٣٤٨۔ سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب وجوب الغسل اذا التقی الختانان، حدیث: ١٩١.

اور دوسری حدیث میں ہے:

''جب دو ختنے مل جائیں تو غسل واجب ہو گیا۔'' ❶

سوال: مرد اپنی بیوی کے چار شاخوں میں بیٹھتا ہے، ختنہ ختنے سے مل جاتا ہے، مگر آگے نہیں کرتا اور شرمگاہ سے باہر ہی اسے انزال ہو جاتا ہے تو کیا ان دونوں پر غسل ہو گا؟

جواب: اس صورت میں مرد پر غسل ہے کیونکہ اسے انزال ہوا ہے مگر عورت پر نہیں ہے۔ کیونکہ غسل واجب ہونے کے لیے دخول شرط ہے۔ اور جیسے کہ معلوم ہے کہ ختنے کا مقام حشفہ سے اوپر پیشاب کی نالی سے متصل ہے۔ تو جس طرح سوال میں پوچھا گیا ہے، عورت کے ختنہ سے ملنا تبھی ثابت ہو گا جب دخول ہو گا۔ اور جماع سے وجوب غسل کے لیے حشفہ کا غائب ہونا شرط ہے جبکہ کچھ احادیث کے الفاظ میں یہ بصراحت وارد ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((اذا التقى الختانان وتوارت الحشفة فقد وجب الغسل .))

''جب دونوں ختنے مل جائیں اور حشفہ چھپ جائے تو غسل واجب ہو گیا۔'' ❷

سوال: اس عورت کے متعلق کیا حکم ہے جسے بغیر کسی تحریک کے سیلان رطوبت کا عارضہ ہو یا کسی معمولی تحریک سے ایسے ہو جاتا ہو؟ اس سے میں بہت پریشان ہوں اور ہر روز غسل کرنا پڑتا ہے اور بہت زیادہ نہانے سے بڑی مشکل میں ہوتی ہوں جبکہ آج کل موسم بھی سردی کا ہے۔ براہ مہربانی میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: نہیں آپ کو غسل کرنا واجب نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا سبب ہے، نہ سردی میں اور نہ گرمی میں۔ غسل اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب ہم بستری ہو یا احتلام یا جاگتے میں شہوت کے زیر اثر مادہ کا اخراج ہو، یا خواب میں ہم بستری کا کوئی منظر نظر آئے اور پھر جسم پر یا کپڑے پر نمی کا اثر ظاہر ہو تو اس سے غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ورنہ ویسے ہی زرد پانی وغیرہ کا نکلنا اس سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا ہے، تو کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے جسے احتلام ہو؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، جب اسے نمی محسوس ہو۔'' ❸ تو

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فى وجوب الغسل اذا التقى الختانان، حديث: ٦٠٨ ومسند احمد بن حنبل ٦/ ٢٣٩، حديث: ٢٦٠٦٧ .

❷ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء فى وجوب الغسل اذا التقى الختانان، حديث: ٦١١ و مسند احمد بن حنبل ٢/ ١٧٨، حديث: ٦٦٧٠ .

❸ صحيح بخارى، كتاب العلم، باب الحياء فى العلم، حديث: ١٣٠ وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المراة بخروج المنى منها، حديث: ٣١٣ .

آپ نے اس خاتون سے فرمایا کہ احتلام کی صورت میں، جب وہ اپنے جسم یا کپڑے پر نمی پائے (یعنی اپنی منی)، کہ خواب میں اسے کوئی لذت محسوس ہوئی (تو اس پر غسل واجب ہے)۔ لیکن اگر خواب میں احتلام ہو (اور تلذذ پائے) مگر جسم پر یا کپڑے پر یا بستر پر کوئی نمی نہیں ہے، ایسے ہی مردوں کے لیے ہے کہ اگر اس سے مذی کا اخراج ہو، تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف وضو واجب ہوتا ہے، اور اس سے پہلے وہ اپنا جسم اور اپنا کپڑا وغیرہ صاف کر لے۔ اور یہی حال آپ (خاتون) کا ہے کہ عام حالات میں کوئی رطوبت خارج ہو، نمی محسوس ہو تو اس سے غسل واجب نہیں۔ ہاں اگر یہ شہوت کے زیر اثر ہو یا شوہر کے ساتھ مباشرت سے یا احتلام سے، تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (عبداللہ بن حمید)

سوال: کیا حالت جنابت میں اور حائضہ عورت کے لیے ایسی کتابوں یا رسالوں کو چھونا حرام ہے جن میں آیات قرآنیہ وغیرہ ہوتی ہیں؟

جواب: حالت جنابت میں (مرد ہو یا عورت) یا ایام مخصوصہ میں ہو یا کوئی بے وضو ہو، ان کیفیات میں ایسی کتابیں اور رسالے پکڑنا یا چھونا حرام نہیں ہے جن میں قرآن کی آیات وغیرہ ہوں۔ کیونکہ یہ مصحف (قرآن مجید) نہیں ہوتے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بیوی اگر اہل کتاب میں سے ہو تو کیا شوہر اسے غسل جنابت پر مجبور کر سکتا ہے؟

جواب: اس میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ اسے غسل جنابت پر مجبور کرے، جیسے کہ دیگر صفائی ستھرائی کے کاموں میں وہ اسے مجبور کرتا ہے، یا ناپسندیدہ کاموں سے دور رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ کیونکہ شوہر کی اطاعت اور اس کا (شوہر کا حق) واجب ہے اور جنابت سے غسل کرنا شوہر کا حق ہے۔ (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: جس پانی پر قرآن پڑھا گیا ہو اسے پینے یا اس سے غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر عورت اپنے ایام میں ہو یا نفاس میں، یا مرد اگر جنبی ہو تو کیا ان پر شرعی دم جھاڑ کیا جا سکتا ہے؟

جواب: جنبی آدمی کو قرآن پڑھا ہوا پانی استعمال کرنے سے پہلے غسل کر لینا چاہیے تاکہ اس پانی کی تاثیر بڑھ جائے، خواہ یہ پانی پینے کے لیے ہو یا غسل کے لیے۔ البتہ حائضہ اور نفاس والی کو اپنے مخصوص ایام میں ایسے پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اگر کچھ زیادہ دن تاخیر کی گئی تو اسے کوئی تکلیف ہو جائے۔

(عبداللہ بن جبرین)

تیمّم کے مسائل

سوال: جب پانی استعمال کرنا مشکل یا ناممکن ہو تو طہارت کیسے حاصل کی جائے؟

جواب: جب پانی کا استعمال ناممکن ہو مثلاً میسر ہی نہ ہو یا اس کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہو تو پھر تیمّم کیا جاتا

ہے۔یعنی انسان اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر پہلے چہرے پر پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر پھیر لے۔اور یہ طریقہ حدث (بے وضو ہونے) سے طہارت حاصل کرنے کے لیے ہے۔اور خبث (نجاست) سے طہارت حاصل کرنے کے لیے تیمّم نہیں ہے۔خواہ یہ نجاست جسم پر لگی ہو یا کپڑے پر یا زمین کے کسی حصے پر ہو۔ کیونکہ نجاست سے طہارت کے لیے اس جگہ کی صفائی اور نجاست کا ازالہ شرط ہے،اور اس میں عبادت ہونا شرط نہیں ہے۔لہٰذا اگر اس نجاست کا کسی طور پر بھی ازالہ ہوگیا ہو یا طہارت کی نیت کے بغیر ہی اسے دور کر دیا گیا ہو تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔مثلاً بارش ہوئی اور کسی نجس جگہ یا کپڑے وغیرہ سے وہ نجاست دھل گئی تو وہ جگہ اور کپڑا وغیرہ پاک ہو جائے گا،خواہ انسان کو اس کا علم نہ بھی ہو۔بخلاف حدث سے طہارت کے ...... چونکہ یہ عبادت ہے اور انسان اس کے ذریعے سے اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرتا ہے تو اس کے لیے نیت وارادہ ضروری ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کسی کو جنابت لاحق ہو اور وقت سخت سردی کا ہو تو کیا وہ تیمّم کر سکتا رسکتی ہے؟

جواب: اگر کسی مرد یا عورت کو جنابت لاحق ہو تو اسے غسل کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدہ: ٥/ ٦)

''اگر تم جنابت سے ہو تو طہارت حاصل کرو۔''

تو اگر رات کو سخت سردی ہو اور وہ ٹھنڈے پانی سے غسل نہ کر سکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ پانی گرم کر لے اگر ممکن ہو تو۔اور اگر یہ ممکن نہ ہو مثلاً اسے کوئی ایسی چیز نہیں مل رہی جس سے وہ پانی گرم کرے تو اس حالت میں اسے چاہیے کہ تیمّم کرے اور نماز پڑھ لے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدہ: ٥/ ٦)

''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں، یا کوئی پاخانے سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، یوں کہ اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اس سے مسح کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالنا چاہتا ہے، بلکہ وہ تو تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے، اور یہ کہ تم پر اپنی نعمت مکمل کر دے، تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔''

تو جب بندہ اس طرح سے جنابت سے تیمّم کرے گا تو وہ پاک ہو جائے گا، اور اس وقت تک پاک رہے گا جب تک کہ پانی پالے، جب اسے پانی مل جائے تو اس پر واجب ہوگا کہ غسل کرے۔جیسے کہ صحیح بخاری میں آیا

ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو قوم سے علیحدہ دیکھا کہ اس نے نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ نے پوچھا کہ "تجھے کیا رکاوٹ ہے؟" اس نے بتایا کہ میں جنابت سے ہوں اور پانی نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا: "مٹی کو لازم پکڑو، بلاشبہ تجھے یہی کافی ہے۔"[1]

پھر جب پانی مل گیا تو آپ نے اس کو پانی عنایت فرمایا اور کہا کہ "اسے اپنے اوپر انڈیل لے۔"[2] اس سے معلوم ہوا کہ تیمّم کرنے والے کو جب پانی مل جائے تو اسے پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ جنابت سے ہو یا حدث اصغر سے۔ اور جس نے تیمّم کے ذریعے سے طہارت حاصل کر لی ہو تو پھر وہ اس وقت تک طاہر شمار ہوگا جب تک کہ اسے دوبارہ جنابت لاحق نہ ہو یا پانی نہ پالے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر نماز کے وقت اسے جنابت سے تیمّم کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اسے تیمّم کے بعد دوسری جنابت کی وجہ سے ہی تیمّم کرنا پڑے گا یا حدث اصغر کی بنا پر۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کسی کو ٹھنڈے پانی سے ڈر لگتا ہو تو کیا اسے تیمّم کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ایسے آدمی کو تیمّم کر لینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ برداشت سے کام لے، صبر کرے اور وضو کے لیے گرم پانی استعمال کرے۔ ہاں اگر اسے اندیشہ ہو کہ ٹھنڈے پانی کے استعمال سے کوئی تکلیف ہو جائے گی[3] اور پانی گرم کرنے کا اس کے پاس کوئی انتظام نہ ہو تو تیمّم کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جب اس تیمّم سے نماز پڑھ لی ہو تو پھر اس کے اعادے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ارشاد الٰہی کے مطابق نماز پڑھی ہے۔ اور ہر وہ شخص جو حسب الحکم عبادت سے فارغ ہو چکا ہو تو اس پر اس کا اعادہ نہیں آتا۔

اور ٹھنڈے پانی سے محض اذیت محسوس کرنا...... عام حالات میں...... ناقابل قبول عذر ہے۔ اور بالخصوص ایسے ملکوں میں جہاں موسم بالعموم سرد ہی رہتا ہے، وہاں پانی ہوتا ہی ٹھنڈا ہے اور ٹھنڈے پانی سے آدمی کو کچھ نہ کچھ اذیت تو ہوتی ہے، مگر اس سے کسی تکلیف اور بیماری کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی کو بیمار ہو جانے کا ڈر ہو تو اس کے لیے تیمّم کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اس کے پاس پانی گرم کرنے کا کوئی ذریعہ یا انتظام نہ ہو۔ لہٰذا وہ اس تیمّم سے نماز پڑھے اور بعد میں اس پر کوئی اعادہ نہیں ہے، اور اسے یہ بھی جائز نہیں کہ انتظار کرتا رہے حتیٰ کہ سورج نکل آئے پھر پانی گرم کرے۔ حالانکہ واجب یہ ہے کہ نماز اپنے وقت پر پڑھے، اور اسی انداز

[1] صحيح بخاري، كتاب التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم يكفيه من الماء، حديث: ٣٤٤ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة، حديث: ٦٨٢.

[2] صحيح بخاري، كتاب التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم يكفيه من الماء، حديث: ٣٤٤ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة، حديث: ٦٨٢.

[3] یا بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ (مترجم)

میں ادا کرے جیسے کہ اسے حکم ہے۔یعنی اگر بغیر کسی اندیشہ یا بیماری کے وہ پانی استعمال کر سکتا ہو تو پانی استعمال کرے ورنہ تیمّم کر لے۔لیکن نماز میں تاخیر کر دینا،اس قدر کہ اس کا وقت ہی نکل جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: آدمی کو جب پانی میسر نہ ہو تو کیا اس کے لیے یہ افضل ہے کہ پانی مل جانے کی امید میں نماز کو مؤخر کر دے یا تیمّم کر کے اول وقت میں نماز پڑھ لے؟

جواب: اس بات میں تفصیل ہے:

۱: دو صورتوں میں آخر وقت تک نماز کو مؤخر کرنا راجح ہے۔

(الف)...... جب اسے معلوم ہو کہ پانی مل جائے گا،تو افضل یہ ہے کہ نماز کو مؤخر کر دے۔مگر ہم اس کا یہ تاخیر کرنا واجب نہیں کہہ سکتے،کیونکہ اس کا یہ علم کوئی حتمی اور یقینی نہیں ہے،ممکن ہے جو وہ سمجھتا ہے ویسا نہ ہو۔

(ب)...... یا اس کے نزدیک غالب گمان ہو کہ پانی مل جائے گا تو نماز کو مؤخر کر دے۔کیونکہ اس میں نماز کی ایک شرط کی حفاظت ہے یعنی پانی کے ساتھ وضو کرنا،اور اس کے بالمقابل اول وقت میں نماز پڑھنا محض ایک فضیلت کا کام ہے۔چنانچہ اس صورت میں نماز کو مؤخر کر کے وضو کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

۲: تین صورتوں میں نماز کو اول وقت میں پڑھ لینا راجح ہے:

(الف) جب آدمی کو معلوم ہو کہ پانی نہیں ملے گا۔

(ب) یا اسے غالب گمان ہو کہ پانی نہیں ملے گا۔

(ج) یا وہ متردد ہو کہ نہ معلوم پانی ملے گا یا نہیں۔

تو ان حالات میں اول وقت میں نماز پڑھ لینا راجح ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مریض کو اگر مٹی نہ ملے تو کیا اسے دیوار پر ہاتھ مار کر تیمّم کر لینا جائز ہے اور ایسے ہی فرش پر......؟

جواب: دیوار بھی "صعید" (یعنی پاک مٹی) ہی ہے۔تو دیوار مٹی کی بنی ہوئی ہو یا پتھر سے یا پختہ اینٹوں سے،اس سے تیمّم کر لینا جائز ہے۔لیکن اگر اس پر لکڑی لگا دی گئی ہو یا پینٹ (رنگ) کر دیا گیا ہو،تو ضروری ہے کہ اس پر غبار کا اثر بھی ہو۔تب اس سے تیمّم کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔اور یہ ایسے ہی ہوگا گویا اس نے زمین (یا مٹی) سے تیمّم کیا ہو۔کیونکہ مٹی زمین کا مادہ ہے،تو اگر ان پر غبار نہ ہو تو یہ چیزیں (لکڑی اور رنگ وغیرہ) "صعید" (یعنی مٹی) کی جنس سے نہیں ہیں تو ان سے تیمّم بھی جائز نہ ہوگا۔اور یہی حکم فرش کا ہے،یعنی اگر اس پر غبار ہو تو تیمّم کر لے ورنہ نہیں،کیونکہ یہ مٹی کی جنس سے نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر مریض کے جسم پر کوئی نجاست لگی ہو تو کیا وہ اس کے لیے تیمّم کر سکتا ہے؟

جواب: وہ اس کے لیے تیمّم نہیں کر سکتا۔مریض کے لیے اگر ممکن ہو کہ وہ اس نجاست کو دھو سکتا ہے،تو دھو لے،

ورنہ اسی حالت میں بغیر تیمّم کے نماز پڑھے، کیونکہ نجاست کے دور کرنے میں تیمّم کا کوئی اثر نہیں ہے۔ بلکہ مطلوب یہ ہے کہ جسم نجاست سے صاف ہو، تو اگر اس کے لیے تیمّم کرے گا تو اس سے نجاست زائل نہ ہوگی، نیز یہ بھی ہے کہ تیمّم ازالۂ نجاست کے لیے شروع نہیں کیا گیا ہے۔ اور عبادات کی بنیاد سراسر اتباع (کتاب وسنت) ہی پر ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کسی کے پاس پانی ہو مگر وہ تمام اعضاء کے دھونے کے لیے ناکافی ہو تو کیا کیا جائے؟

جواب: ایسے شخص کے ذمے ہے کہ جس قدر پانی موجود ہے اس سے اپنے اعضاء دھوئے اور باقی کے لیے مسح کرے۔ اگر یہ آدمی پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرے گا، تو اس کے لیے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ اس کے پاس پانی نہیں ہے۔ اور اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ (المائدہ:٥/ ٦) ''پس (اگر) پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرلو۔''

اور یہ فرمان ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ٦٤/ ١٦) ''اور اللہ سے ڈرو جتنا کہ تم میں طاقت ہو۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ.))

''جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جتنی تم میں اس کی طاقت ہو اس پر عمل کرو۔'' [1]

تو آدمی جب اس پانی سے جو ممکن ہوا اپنے اعضاء دھوئے گا تو اس میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوگا، اور باقی اعضاء میں وہ معذور ہوگا، تو اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور ان دونوں حکموں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ پانی کا استعمال اللہ کا تقویٰ ہے، اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرنا بھی اللہ کا تقویٰ ہے۔

اور جو ہم نے کہا اس کے لیے حدیث نبوی سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا تھا، جو زخمی ہوگیا تھا، کہ ''تجھے یہی کافی تھا کہ تیمّم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ لیتا پھر اس پر مسح کر لیتا۔'' [2]

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں بدل اور مبدل منہ دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے (یعنی تیمّم اور پانی کا استعمال) تو یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حدیث: ٦٨٥٨ و صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، حدیث: ١٣٣٧ السنن الکبری للبیهقی: ٤/ ٢٥٣، حدیث: ٨٠٠٣.

[2] سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی المجروح تیمم، حدیث: ٣٣٦ وسنن الدارقطنی: ١/ ١٨٩، ١٩٠.

ہم کہتے ہیں کہ یہاں تیمّم دھوئے گئے اعضاء پر نہیں ہے، بلکہ ان اعضاء پر ہے جو دھوئے نہیں جا سکے۔ تو یہ مسئلہ ایک اعتبار سے موزوں پر مسح کے مشابہ ہے کہ اس میں بھی کچھ اعضاء کو دھویا جا سکتا ہے اور کچھ پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ یعنی پاؤں پر جن پر موزے ہوتے ہیں تو اس میں بدل اور مبدل منہ کو جمع کیا ہوتا ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سنن فطرت / اعمال فطرت ❶

سوال: ناخن لمبے کرنے کا کیا حکم ہے، اور ان پر پالش لگانا کیسا ہے، جبکہ پالش لگانے سے پہلے میں وضو کر لیتی ہوں، اور پھر یہ چوبیس گھنٹے لگی رہتی ہے اور پھر اسے اتار دیتی ہوں؟

جواب: ناخن لمبے کرنا اور بڑھا کر رکھنا خلاف سنت ہے۔ جبکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

''فطری اعمال پانچ ہیں: ختنہ کرنا، استرا استعمال کرنا، مونچھیں کتروانا، بغلوں کے بال نوچنا اور ناخن کاٹنا۔'' ❷

اور کسی صورت یہ جائز نہیں کہ انہیں چالیس رات سے زیادہ چھوڑا جائے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ ''مونچھیں کتروانے، ناخن تراشنے، بغلوں کے بال نوچنے اور زیر ناف کی صفائی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے یہ مقرر فرمایا تھا کہ ہم انہیں چالیس رات سے زیادہ نہ چھوڑیں۔'' ❸ نیز ان کے لمبا کرنے میں بعض حیوانات کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے بلکہ کافروں کے ساتھ بھی۔ اور نیل پالش سے بچنا زیادہ افضل ہے اور وضو کے لیے اس کا اتارنا واجب ہے کیونکہ اس کی وجہ سے پانی ناخن تک نہیں پہنچتا ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: ناخن لمبے رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ناخنوں کا لمبا کرنا اگر حرام نہ بھی ہو تو مکروہ ضرور ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں متعین فرمایا ہے کہ انہیں چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑا جائے۔ اور تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو

❶ یعنی وہ اعمال وخصائل جو ایک سلیم الطبع انسان کے لیے پسندیدہ ہیں اور جمیع انبیاء علیہم السلام نے انہیں اختیار کیا اور تلقین فرمائی ہے ''سنن فطرة'' کہلاتے ہیں۔ گویا یہ انسانوں کے لیے فطری اعمال کی مانند ہیں۔ (مترجم)

❷ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، حدیث: ٥٥٥٠۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ٢٥٧۔ سنن أبی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ٤١٩٨۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ٢٥٨۔ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب الفطرة، حدیث: ٢٩٥ وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب التوقیت فی ذلك، حدیث: ١٤، بعض روایات میں چالیس راتوں کی جگہ چالیس دنوں کا ذکر ہے۔ دیکھیے وسنن أبی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ٤٢٠٠، وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب التوقیت فی تقلیم الاظافر واخذ الشارب، حدیث: ٢٧٥٩۔

بڑے مہذب اور ترقی یافتہ سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ناخنوں کو بڑھائے رکھنا کوئی عیب نہیں ہے جبکہ ان میں میل کچیل جمع ہو جاتی ہے اور انسان درندوں کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور ذبح کرنے کے سلسلے میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

''جو خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو وہ کھا سکتا ہے مگر (وہ خون بہانے کی چیز) دانت یا ناخن نہ ہو۔ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔'' [1]

مقصد یہ ہے کہ حبشی لوگ اپنے ناخنوں کو بطور چھری کے استعمال کرتے ہیں اور اس کے ذریعے سے گوشت وغیرہ کاٹتے ہیں۔ تو ناخن بڑھانا ان حبشیوں اور حیوانات کے مشابہ ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اپنے ناخنوں کو چالیس دن سے زیادہ چھوڑے رکھنا کیسا ہے؟

جواب: اس میں تفصیل ہے: اگر یہ عمل کفار کی پیروی میں ہو جن کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے تو یہ کام حرام ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو وہ ان ہی میں سے ہے۔'' [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث سے کم از کم یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ ایسا کام حرام ہے، اگرچہ اس کے ظاہر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ان کی مشابہت کرنے والا کافر ہے۔''

اور اگر ناخن بڑھانے کا سبب محض خواہش نفس ہو جیسے کہ انسان کی طبیعت میں ہوتی ہے تو یہ عمل خلاف فطرت ہے اور اس ارشاد نبوی کی مخالفت ہے جو آپ نے اپنی امت کے لیے اس مسئلہ میں مقرر فرمایا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بال یا ناخن کاٹنے کے بعد انہیں دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ بات کچھ علماء سے ذکر کی گئی ہے کہ انہوں نے بال اور ناخن کاٹنے کے بعد دفن کر دینا عمدہ اور بہتر کہا ہے اور کچھ صحابہ سے بھی یہ منقول ہے۔ اور یہ بات کہ انہیں کسی کھلی جگہ میں رہنے دینا یا کسی جگہ پھینک دینا، گناہ کا کام ہو تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ما انهر الدم من القصب والمروة والحدید، حدیث: ٥١٨٤۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب جواز الذبح بکل ما انهر الدم الا السن والظهر، حدیث: ١٩٦٨۔ سنن أبی داود، کتاب الذبائح، باب فی الذبیحة بالمروة، حدیث: ٢٨٢١.

[2] سنن أبی داود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث: ٤٠٣١ ومصنف ابن أبی شیبة: ٤/ ٢١٢، حدیث: ١٩٤٠١ ومسند احمد بن حنبل ٢/ ٥٠، حدیث: ٥١١٤، ٥١١٥.

سوال: بغلوں کے بال دور کرنا، ناخن تراشنا، مونچھیں کتروانا اور زیر ناف کی صفائی کا کیا حکم ہے؟

جواب: بغلوں کے بال دور کرنا، ناخن کاٹنا، مونچھوں کا مونڈنا اور زیر ناف کی صفائی ان فطری اعمال میں سے ہیں جن (کا اہتمام کرنے) پر اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور سابقہ نازل کردہ تمام شریعتوں میں یہ تعلیمات آئی ہیں اور ہر عقل مند انسان بشرطیکہ اس کا مزاج اور طبیعت سلیم اور محفوظ ہو...... ان اعمال کو پسند کرتا ہے اور تمام نازل کردہ شریعتوں نے ان کو اسی طرح برقرار رکھا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے ان امور کے لیے چالیس دن کی مدت معین فرمائی ہے۔ [1] لہٰذا انہیں اس سے زیادہ دن نہیں چھوڑنا چاہیے اور ہماری بات بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے جو یہ مدت متعین فرمائی ہے یہ زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ اس دوران میں اور اس مدت سے کم میں اگر ضرورت محسوس ہو تو ان کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ناخن بڑھ گئے، بغلوں یا مونچھوں کے بال زیادہ لمبے ہو گئے تو انہیں چالیس دن سے پہلے بھی اتارا جا سکتا ہے۔ چالیس دن کی مدت زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔

اور تعجب کی بات ہے کہ بعض جاہل اپنے ناخنوں کو ایک مدت تک کاٹتے ہی نہیں حتیٰ کہ وہ بہت لمبے ہو جاتے ہیں اور ان میں میل کچیل جمع ہوتی رہتی ہے۔ ان لوگوں کی فطرت مسخ گئی ہوتی ہے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کی مقرر کی ہوئی مدت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ معلوم نہیں، انہیں یہ بات کس طرح اچھی لگتی ہے حالانکہ اس میں حفظان صحت ہی نہیں، شریعت کی مخالفت بھی ہے۔ اور کئی لوگ تو اپنی چھنگلیا یا انگشت شہادت کا کوئی ایک ناخن بڑھا لیتے ہیں اور یہ بھی سراسر خطا اور جہالت ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہی عادات اپنائیں اور وہی راہ اختیار کریں جو ان کے لیے نبی ﷺ نے مقرر فرما دی ہے کہ فطری تقاضے کے تحت اپنے ناخن، مونچھیں، زیر ناف اور بغلوں کی صفائی کرتے رہا کریں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا بغلوں اور زیر ناف کی صفائی کے لیے بال صفا پاؤڈر یا کریم وغیرہ استعمال کر لینا جائز ہے؟

جواب: بغلوں اور زیر ناف کی صفائی کے لیے بال صفا پاؤڈر یا کریم کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو زیر ناف کے لیے استرا (ریزر) استعمال کرنا اور بغلوں کے بال نوچنا اور اکھیڑنا ہی افضل ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے ''فطرتی اعمال پانچ ہیں: ختنہ کرنا، استرا استعمال کرنا، مونچھیں کتروانا، ناخن تراشنا

---

[1] سنن أبی داود، کتاب الترجل، باب فی أخذ الشارب، حدیث: ۴۲۰۰، وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب التوقیت فی تقلیم الاظافر وأخذ الشارب، حدیث: ۲۷۵۹ بعض روایات میں چالیس دن کی جگہ چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ دیکھیے وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ۲۵۸۔ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب الفطرة، حدیث: ۲۹۵ وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب التوقیت فی ذلك، حدیث: ۱۴.

اور بغلوں کے بال نوچنا۔'' ❶ یہ حدیث اپنی صحت کے اعتبار سے متفق علیہ ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: لڑکیوں کے ختنہ کرنے کا کیا حکم ہے، کیا یہ مندوب ومستحب ہے یا جائز محض ہے؟

جواب: لڑکیوں کا ختنہ کرنا ایک مستحب عمل ہے بشرطیکہ شرعی طریقے سے ہو، اور احادیث میں اس کا ایک نام ''خفاض'' بھی آیا ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جنسی جذبات کم ہو جاتے ہیں۔

مستدرک حاکم اور طبرانی وغیرہ کی ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکیوں کا ختنہ کرنے والی عورت سے کہا تھا:

((اشمي ولا تنهكي فإنه أبهى للوجه، واحظى عند الزوج.))

''معمولی سا گوشت اتارو، زیادہ گہرا مت کرو، بلاشبہ یہ عمل چہرے کو پر رونق بناتا ہے اور شوہر کے لیے زیادہ رغبت کا باعث ہے۔'' ❷

اور یہ عمل بچپن ہی میں ہونا چاہیے، اور اسے سر انجام دے دینا چاہیے جسے شرعی حکم کا علم ہو اور اس کی تطبیق کر سکے۔ ❸ (صالح الفوزان)

سوال: کیا عورتوں کا ختنہ کیا جائے یا نہیں؟

جواب: الحمد للہ ...... ہاں عورتوں کا ختنہ ہونا چاہیے اور یہ محض اتنا ہی ہے کہ اس کی شرمگاہ سے ابھرا گوشت جو مرغے کی کلغی کی مانند ہوتا ہے کاٹ دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کا ختنہ کرنے والی عورت سے فرمایا تھا:

((أشمي ولا تنهكي فإنه أبهى للوجه، واحظى عند الزوج.))

''معمولی سا گوشت اتارو، زیادہ گہرا مت کرو، بلاشبہ یہ عمل چہرے کو پر رونق بناتا ہے اور شوہر کے لیے زیادہ رغبت کا باعث ہے۔'' ❹

یعنی یہ حصہ کاٹنے میں مبالغہ نہ کیا جائے۔

مرد کے ختنے میں مقصود یہ ہے کہ اسے طہارت حاصل ہو یعنی قلفہ (شرمگاہ کے گرد غلاف) میں پیشاب

---

❶ صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب قص الشارب، حديث: ٥٥٥٠۔ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٧۔ سنن أبي داود، كتاب الترجل، باب في اخذ الشارب، حديث: ٤١٩٨.

❷ حدیث میں موجود الفاظ جو میرے علم میں آئے وہ "ابھی" کی جگہ "اسری" ہے۔ واللہ اعلم (عاصم) المعجم الصغير للطبراني: ١/ ٩١، حديث: ١٢٢ والسنن الكبرى للبيهقي: ٨/ ٣٢٤، حديث: ١٧٣٤٠ .

❸ یہ عمل عورتوں کے لیے کوئی واجب نہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں اس پر عمل نہیں کیا جاتا ہے۔ البتہ دیار عرب اور افریقہ میں معلوم ومعروف ہے۔ جناب شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو جو آگے آ رہا ہے۔

❹ 'فإنه أبهى للوجه' کی جگہ 'اسرى للوجه' کے الفاظ ہیں المعجم الصغير للطبراني: ١/ ٩١، حديث: ١٢٢۔ المعجم الاوسط للطبراني: ٢/ ٣٦٨ حديث: ٢٢٥٣ والسنن الكبرى للبيهقي: ٨/ ٣٢٤، حديث: ١٧٣٤٠ .

کے جو قطرے رہ جاتے ہیں ان سے تحفظ ہو۔ اور عورت کے لیے یہ ہے کہ اس کے شہوانی جذبات اعتدال میں آجائیں۔ اگر اس کی شرمگاہ سے یہ حصہ نہ کاٹا جائے تو اس میں شہوانی جذبات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب لوگ ایک دوسرے کو گالی گلوچ میں ''ابن القلفاء'' کے لفظ سے گالی دیتے ہیں (یعنی بے ختنہ عورت جو مردوں کی طرف بہت زیادہ تاک جھانک کرنے والی ہوتی ہے) اور یہی وجہ ہے کہ تاتاری اور فرنگی عورتوں میں جو بدکاری پائی جاتی ہے وہ مسلمان عورتوں میں نہیں ہے اور اگر کسی لڑکی کا ختنہ بہت گہرا کر دیا جائے تو اس کے شہوانی جذبات انتہائی کمزور ہو جاتے ہیں اور مرد کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا ہے۔ اور اگر معمولی کاٹا جائے تو اعتدال کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ)

سوال: مردوں اور عورتوں کے لیے ختنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس مسئلے میں کچھ اختلاف ہے، اور راجح قول یہی ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے واجب اور عورتوں کے حق میں سنت ہے۔ اور اس حکم میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کے لیے اس میں ایک ایسی مصلحت ہے جس کا تعلق طہارت اور شرائط نماز میں سے ایک شرط کی تکمیل سے ہے۔ کیونکہ اگر مرد کا قلفہ (شرمگاہ کے اردگرد کا غلاف) باقی ہو تو جب سوراخ سے پیشاب نکلے گا تو قلفہ میں اس کے قطرے باقی رہ جائیں گے، اور اس سے یا تو جلن اور خارش وغیرہ ہو جائے گی، یا جب بھی وہ کوئی حرکت کرے گا اس سے کچھ نہ کچھ قطرات پیشاب کے خارج ہوتے رہیں گے اور اس طرح وہ نجس اور ناپاک ہو جائے گا اور عورت کے لیے ختنے کا زیادہ سے زیادہ فائدہ یہ ہے کہ اس کے شہوانی جذبات کم ہو جائیں (اور اعتدال پر آجائیں)، اور یہ ایک صفت کمال ہے اس میں کسی نجاست کے ازالے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اور علماء نے ختنہ واجب ہونے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ اس سے اس کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ اگر اسے ہلاکت یا بیماری کا خطرہ ہو تو یہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ کوئی بھی واجب عاجز ہونے یا کسی تلف یا ضرر کے اندیشے کے تحت واجب نہیں رہتا۔

مردوں کے حق میں ختنہ واجب ہونے کی دلیل:

۱: کئی احادیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نئے مسلمان ہونے والوں کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ وہ ختنہ کر لے (یا کرالے) [1] اور ''امر'' بنیادی طور پر وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے۔

۲: ختنہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان امتیاز کی ایک بڑی علامت ہے، حتیٰ کہ جنگوں میں مسلمان اپنے مقتولین کو ختنے کی علامت ہی سے پہچانتے تھے۔ لہٰذا یہ مسلمان ہونے کی ایک علامت ہے۔ تو جب علامت امتیاز ہے تو واجب ہوئی۔ کیونکہ مسلمان اور کافر میں امتیاز اور فرق ہونا واجب ہے۔ اور یہی وجہ

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹/ ۱۴، حدیث: ۲۰.

ہے کہ کافروں سے مشابہت حرام ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ((من تشبه بقوم فهو منهم .)) ❶
''جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔''

۳: ختنے میں جسم کا ایک ٹکڑا کاٹنا ہوتا ہے، اور جسم کا کوئی حصہ کاٹنا حرام ہے۔ اور حرام کو کسی واجب ہی کے لیے حلال کیا جا سکتا ہے، لہٰذا ختنہ واجب ہوا۔

۴: ختنہ اگر کسی یتیم کا کرنا ہو تو اس کا ذمہ دار اس کا ولی اور سرپرست ہے۔ اور ختنہ کرنا بظاہر اس یتیم کی جان اور اس کے مال میں تعدی اور ظلم کے مترادف ہے کیونکہ ختنہ کرنے والے کو اس کی اجرت دی جاتی ہوتی ہے۔ اگر یہ عمل ختنہ واجب نہ ہوتا تو اس یتیم کے مال اور جسم پر یہ تعدی اور ظلم جائز نہ ہوتا۔ یہ کچھ عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے واجب ہے۔

البتہ عورت کے لیے اس کا واجب ہونا محل نظر ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث آتی ہے کہ:

((الختان سنة في حق الرجال مكرمة في حق النساء .))

''ختنہ مردوں کے حق میں سنت اور عورتوں کے لیے کرامت اور شرافت کا باعث ہے۔'' ❷

مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اگر یہ صحیح ہوتی تو فیصل ہو سکتی تھی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

موزوں اور پٹیوں پر مسح کے مسائل

سوال: موزوں اور جرابوں سے کیا مراد ہے اور ان پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: خف سے مراد وہ لفافہ سا ہے جو چمڑے وغیرہ کا بنا ہوتا ہے اور پاؤں پر پہنا جاتا ہے (جس کا اردو ترجمہ 'موزہ' ہے)، اور جورب سے مراد وہ ہے جو روئی وغیرہ سے بنا ہوتا ہے۔ اور ان دونوں پر مسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لہٰذا جس نے یہ پہنے ہوئے ہوں ❸ اسے وضو کے لیے ان کو اتار کر پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنا افضل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور میں نے چاہا کہ آپ کے موزے اتار دوں، تو آپ نے فرمایا: ''انہیں رہنے دے، میں نے ان کو طہارت کر کے پہنا تھا۔'' ❹ چنانچہ پھر آپ نے ان پر مسح کیا۔

موزوں پر مسح کرنا قرآن حکیم اور احادیث نبویہ دونوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

❶ سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث: ٤٠٣١ ومصنف ابن أبي شيبة: ٤/ ٢١٢، حديث: ١٩٤٠١ و مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٥٠، حديث: ٥١١٤.

❷ المعجم الكبير للطبراني: ٧/ ٢٧٣، حديث: ٧١١٢۔ سنن الكبرى للبيهقي: ٨/ ٣٢٤، ٣٢٥، حديث: ١٧٣٤٣۔١٧٣٤٦ ومسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٥، حديث: ٢٠٧٣٨.

❸ بشرطیکہ وضو کر کے پہنے ہوں جیسے کہ اس حدیث میں آیا ہے اور شروط مسح کا ذکر بھی آگے آ رہا ہے۔ (مترجم)

❹ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: ٢٧٤.

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدہ : ٥/ ٦)

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو، تو اپنے چہروں کو دھولیا کرو اور بازوؤں کو کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا کرو۔''

اس آیت کریمہ 'ارجلکم' (اپنے پاؤں کو) کو دوطرح سے پڑھا گیا ہے۔ یعنی 'اَرْجُلَكُمْ' اور 'اَرْجُلِكُمْ' [ل کی زبر اور زیر کے ساتھ]۔ اگر ل پر زبر پڑھیں 'اَرْجُلَكُمْ' تو عطف ہے 'وُجُوْهَكُمْ' پر۔ تو معنی ہوں گے ''اپنے چہروں کو دھولیا کرو اور پاؤں بھی دھولیا کرو'' ...... اور اگر 'اَرْجُلِكُمْ' [ل پر زیر پڑھیں] تو اس کا عطف 'رُءُوْسِكُمْ' پر ہے، اور معنی ہوں گے اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کا بھی۔'' اور بیان ہو چکا ہے کہ پاؤں کا دھویا جانا یا مسح کیا جانا دونوں ہی سنت ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ اگر آپ کے پاؤں ننگے ہوتے تو انہیں دھویا کرتے تھے اور اگر موزے پہنے ہوتے تو ان پر مسح فرمایا کرتے تھے۔ اور سنت میں آپ کا یہ عمل تواتر سے ثابت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ پاؤں پر مسح کے مسئلے میں میرے ذہن میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس بارے میں نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ سے چالیس احادیث وارد ہیں۔ ایک منظوم حدیث کے درج ذیل ابیات ملاحظہ ہوں:

ومما تراتو حديث كذب ومن بنى لله بيتا واحتسب
ورؤية، شفاعة والحوض ومسح خفين وهذى بعض

''جو احادیث متواتر آئی ہیں ان میں سے یہ احادیث ہیں: "من كذب على متعمدا." ❶ من بنى لله مسجدا ❷ اللہ تعالیٰ کا دیدار ❸ نبی ﷺ کا شفاعت کرنا ❹ آپ کے لیے حوض کا

❶ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے کہ ''جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، یعنی پکا سمجھے۔ یہ روایت دیکھیے: صحيح بخاری، كتاب العلم، باب أثم من كذب على النبى ﷺ، حديث : ١٠٧ وسنن الترمذی، كتاب العلم، باب ما جاء فى تعظيم الكذب على رسول الله، حديث : ٢٦٥٩.

❷ یہاں نبی کریم ﷺ کے فرمان کی طرف اشارہ ہے کہ ''جس نے مسجد بنائی اللہ کی رضا کے لیے (وہ جان لے کہ) اس کے لیے اللہ نے جنت میں گھر بنا دیا۔ دیکھیے: صحيح بخاری، كتاب الصلاة، باب من بنى لله مسجدا، حديث : ٤٥٠ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل بناء المساجد، حديث : ٥٣٣

❸ اس سے مراد اہل جنت کا اللہ پاک کو دیکھنا/اللہ پاک کا دیدار کرنا ہے۔ دیکھیے: صحيح بخاری، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى، وجوه يومئذ ناظرة، حديث : ٧٤٣٤ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاتى الصبح والعصر، حديث : ٦٣٣.

❹ حضور ﷺ روز قیامت اپنی امت کی سفارش وشفاعت کریں گے۔ دیکھیے: صحيح بخاری، كتاب التوحيد، باب كلام الرب عزوجل يوم القيامة مع الانبياء، حديث : ٧٥١٠ وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب ادنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث : ١٩٣.

ہونا❶ اور موزوں پر مسح کرنا۔❷ یہ چند متواتر احادیث ہیں۔''

الغرض قرآن وحدیث کے ان دلائل کی روشنی میں موزوں پر مسح کرنا سنت ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا موزوں پر مسح کے مسئلے میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق ہے؟

جواب: اس مسئلے میں مردوں اور عورتوں کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہ اصول پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جو احکام مردوں کے لیے ثابت ہیں وہی احکام عورتوں کے لیے بھی ہیں، اور جو احکام عورتوں کے لیے ثابت ہیں وہ مردوں کے لیے بھی ہیں مگر جہاں کسی دلیل سے ان میں فرق کیا گیا ہو تو فرق ہوگا ورنہ نہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: موزوں (جرابوں) پر مسح کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: موزوں پر مسح کا طریقہ یہی ہے کہ ہاتھ (گیلا کرکے) پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے پنڈلی کی طرف لمبا کرکے پھیر لیا جائے، اور صرف موزے کے اوپر کی طرف سے۔ اور دونوں ہاتھوں سے دونوں پاؤں پر اکٹھے ہی مسح کیا جائے، یعنی دائیں ہاتھ سے دائیں پاؤں پر اور بائیں ہاتھ سے بائیں پاؤں پر، جیسے کہ کانوں کا مسح کیا جاتا ہے۔ سنت سے اسی طرح ظاہر ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہی آیا ہے کہ 'فمسح علیھما'❸ ''کہ آپ نے دونوں پاؤں پر مسح کیا۔'' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ''آپ نے دائیں پاؤں پر مسح کیا۔'' الغرض ظاہر سنت یہی ہے۔

ہاں اگر بالفرض کسی کا ایک ہاتھ کام نہ کرتا ہو تو وہ پہلے دائیں پاؤں پر مسح کرے پھر بائیں پر، اور بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے پہلے دائیں پاؤں کا اور پھر دونوں ہاتھوں سے بائیں پاؤں کا مسح کرتے ہیں۔ تو جہاں تک مجھے علم ہے اس طریقے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علماء نے یہی بتایا ہے کہ دائیں ہاتھ سے دائیں پاؤں کا اور بائیں ہاتھ سے بائیں پاؤں کا مسح کرے۔ مگر جس کیفیت سے بھی وہ موزے کے اوپر کی جانب ہاتھ پھیر لے تو اس کا مسح ہو جائے گا، لیکن جو طریقہ ہم نے عرض کیا ہے وہ افضل ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: براہ مہربانی جرابوں پر مسح کا طریقہ ارشاد فرمایا جائے، کیا یہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا صرف دائیں ہاتھ سے، یا بائیں ہاتھ سے دائیں پاؤں پر اور بائیں ہاتھ سے بائیں پاؤں پر......؟ جزاکم اللہ خیرا

❶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بہت بڑا حوض ہوگا۔ اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، حدیث: ٦٥٧٩ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا وصفاته، حدیث: ٢٢٩٢.

❷ موزوں پر مسح کرنے کے بارے بھی متعدد روایات ہیں۔ بطور مثال دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، حدیث: ٢٧٤ وسنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، حدیث: ٩٦.

❸ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، حدیث: ٢٧٤.

جواب: سنت یہی ہے کہ دائیں پاؤں پر دائیں ہاتھ سے اور بائیں پاؤں پر بائیں ہاتھ سے مسح کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إذا توضأتم فابدوا بميامنكم .)) [1]

"جب تم وضو کرو تو اپنی دائیں اطراف سے شروع کرو۔"

یہ روایت اہل سنن نے بسند صحیح روایت کی ہے۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: جب ایک مسح کرنے والے نے ایک دن رات پانچ نمازوں میں اپنی جرابوں پر مسح کیا ہو تو کیا اس کے بعد اسے اپنا مسح ختم کر دینا چاہیے؟ اور اگر جرابیں میلی ہو جائیں تو کیا پانچ نمازیں پوری کرنے سے پہلے انہیں تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ اور پھر کیا وہ ان تبدیل شدہ جرابوں پر اپنا مسح جاری رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ مقصد سوال کا یہ ہے کہ وہ سوتے وقت پاؤں کو راحت دینا چاہتا ہے، صبح فجر سے عشاء تک مسح کیا، اور عشاء سے فجر کے درمیان پاؤں کو راحت دینا چاہتا ہے۔ امید ہے کہ ہمیں وضاحت فرمائیں گے...... اللہ آپ کو توفیق دے۔

جواب: ایک صاحب ایمان کے لیے مشروع یہی ہے کہ مقیم ہونے کی صورت میں (اپنے موزوں یا جرابوں پر) ایک دن اور رات تک مسح کر سکتا ہے اور بصورت مسافر ہونے کے تین دن تین رات، جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا بیان نقل کیا ہے:

((يمسح المقيم يوما وليلة، والمسافر ثلاثة ايام بلياليها .))

"یعنی مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات مسح کر سکتا ہے۔" [2]

ایسے ہی چند دیگر احادیث میں وارد ہوا ہے۔ اور مسح کی ابتدا بے وضو ہونے کے بعد سے شمار ہوگی۔ مثلاً چاشت کے وقت بے وضو ہوا اور ظہر کے وقت وضو کیا اور موزے پہن لیے، عصر کے وقت ان پر مسح کیا تو پھر اگلی ظہر تک ان پر مسح کر سکتا ہے۔ اور جب اگلی عصر کی نماز کا وقت آئے تو انہیں اتارے اور عصر سے پہلے ان کو دھوئے اور پھر دوبارہ پہن لے اور اگلے ایک دن رات تک، بصورت مقیم ہونے کے ان پر مسح کرے۔ اور اگر ان کو آرام وراحت کے لیے اتارے مثلاً اس نے ظہر کے بعد وضو کر کے انہیں پہنا ہو اور عصر، مغرب اور عشاء کے لیے ان پر مسح کیا ہو، اور عشاء کے بعد سوتے وقت انہیں اتار دیا ہو تو فجر کے لیے اسے اپنے پاؤں دھونے

---

[1] سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في الانتعال، حديث: ١٤١٤ وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب التيمن في الوضوء، حديث: ٤٠٢ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٤، مسند أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی بر روایت شاہد جناب الشیخ نے بالمعنی بیان کی ہے۔ بہر حال دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين، حديث: ٢٧٦ وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح، حديث: ١٥٧.

ہوں گے، اور جب بھی انہیں پہننا ہو باوضو ہو کر پہنے تو دوبارہ ایک دن رات کے لیے ان پر مسح کر سکتا ہے۔ اور اسے اجازت ہے کہ جب انہیں اتارنا چاہے اتار دے، مگر جب اس کی نیت ہو کہ ان پر مسح کرنا ہے تو ضروری ہے کہ وضو کر کے ہی پہنے۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور آپ موزے پہنے ہوئے تھے، اور آپ کا ارادہ تھا کہ ان پر مسح کریں گے، تو آپ کے خادم حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے موزے اتارنا چاہے تو آپ نے ان سے کہا:

((دعهما ، فإني أدخلتهما طاهرتين .))

''انہیں چھوڑ، بلاشبہ میں نے انہیں طہارت کی حالت میں پہنا ہے۔'' ❶

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اور حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے، اور صحیح حدیث ہے، کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو تین دن رات تک اپنے موزے نہ اتاریں سوائے اس کے کہ جنابت لاحق ہو، لیکن پیشاب پاخانہ اور نیند سے (نہ اتاریں)۔'' ❷

الغرض ایک صاحب ایمان سفر کی صورت میں تین دن رات ان پر مسح کر سکتا ہے اور مقیم ایک دن رات تک، لیکن جنابت کے علاوہ میں جنابت ہو تو انہیں لازماً اتارنا ہوگا اور غسل جنابت میں اپنے پاؤں دھونے ہوں گے۔ اور یہ مدت پوری ہونے سے پہلے جب چاہے اتار سکتا ہے، جب دوسرے پہننے ہوں یا میلے ہو گئے ہوں اور انہیں دھونا مقصود ہو وغیرہ۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: موزوں پر مسح کرنے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: موزوں پر مسح کرنے کے لیے چار شرطیں ہیں:

(۱)......انہیں وضو کر کے پہنا ہو، اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا جب کہ وہ آپ کو وضو کروا رہے تھے:

((دعهما ، فإني أدخلتهما طاهرتين .))

''انہیں رہنے دے، میں نے بحالت طہارت (وضو) پہنے ہیں۔'' ❸

(۲)......دوسری شرط یہ ہے کہ موزے یا جرابیں پاک ہوں۔ اگر یہ نجس ہوں تو ان پر مسح جائز نہ ہوگا۔ اس

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث : ٢٧٤ .

❷ سنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، حديث : ٩٦۔ سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمسافر، حديث : ١٢٧ .

❸ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث : ٢٧٤ .

کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے، آپ جوتے پہنے ہوئے تھے، تو آپ نے نماز کے دوران میں اپنے جوتے اتار دیے، اور پھر بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ ان میں نجاست لگی ہوئی ہے۔[1] تو یہ دلیل ہے کہ نجس چیز کے ساتھ نماز نہیں پڑھی جاسکتی، نیز اگر نجس پر پانی کے ساتھ مسح کیا جائے گا تو مسح کرنے والا خود نجس ہوجائے گا۔

(۳)...... تیسری شرط یہ ہے کہ حدث اصغر کی وجہ سے ہی ان پر مسح کرے (یعنی ریاح، بول وبراز اور نیند)، جنابت یا ان امور سے جن سے غسل لازم آتا ہے مسح نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم سفر میں ہوں تو تین دن رات اپنے موزے نہ اتاریں، سوائے اس کے کہ جنابت ہو، اور بول وبراز یا نیند سے انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں۔''[2]

(۴)...... چوتھی شرط یہ ہے کہ مسح شرعی متعین وقت کے اندر ہو، اور وہ ہے مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات۔ جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ ''موزوں پر مسح کے لیے نبی ﷺ نے مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات مقرر فرمائے ہیں۔''[3] ان چار کے علاوہ کچھ علماء نے اور بھی شرطیں بیان کی ہیں، مگر ان میں نظر ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہر وضو کے لیے احتیاط کے پیش نظر جرابیں اتار دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ عمل خلاف سنت ہے اور رافضیوں کے ساتھ مشابہت ہے جو موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے اپنے موزوں پر مسح کیا ہے۔ اور جناب مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا، جب کہ انھوں نے آپ کے پاؤں دھونے کے لیے آپ کے موزے اتارنا چاہے تھے: ''انہیں رہنے دے، میں نے یہ باوضو پہنے ہیں۔''[4] اور پھر ان پر مسح کیا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایسی جرابیں جو پھٹ گئی ہوں یا باریک ہوں، ان پر مسح کا کیا حکم ہے؟

[1] سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی النعل، حدیث : ٦٥٠ وصحیح ابن خزیمة : ١/ ٣٨٤، حدیث : ٧٨٦ .

[2] سنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، حدیث : ٩٦۔ سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، حدیث : ١٢٧ وصحیح ابن خزیمة : ١/ ٩٩، حدیث : ١٩٦ .

[3] صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، حدیث : ٢٧٦ وسنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، حدیث : ٩٥ .

[4] صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، حدیث : ٢٧٤ .

جواب: اس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ ان پر مسح جائز ہے، خواہ پھٹ گئی ہوں یا باریک ہوں اور ان میں سے جلد نظر آتی ہو۔ کیونکہ جراب پر مسح کا جائز ہونا اس وجہ سے نہیں کہ وہ پاؤں کے لیے ساتر ہیں (چھپانے والی ہیں)۔ پاؤں ایسا عضو نہیں جیسے چھپانا واجب ہو۔ بلکہ اس سے مقصود رخصت اور سہولت دینا ہے۔ لہٰذا ہم اسے ہر وضو کے وقت انہیں اتارنے کا پابند نہیں کر سکتے، بلکہ یہی کہتے ہیں کہ آپ کو ان پر مسح کرنا ہی کافی ہے۔ اور اسی رخصت اور سہولت کے لیے موزوں پر مسح کرنا مشروع ہوا ہے۔ اور اس علت میں موزہ یا جراب دونوں ہی برابر ہیں، پھٹے ہوئے ہوں یا صحیح سالم، باریک ہوں یا موٹے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جوتوں اور موزوں پر مسح کا کیا حکم ہے؟

جواب: جوتے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ جوتا اتار کر پاؤں دھوئے جائیں۔ اور موزہ جو پاؤں کو ڈھانپتا ہے (اور پاؤں کا مخصوص لباس اور لفافہ سا ہوتا ہے) اس پر مسح کرنا جائز ہے خواہ چمڑے کا ہو یا سوتی یا اونی وغیرہ، بشرطیکہ ایسی چیز سے بنا ہو جس کا پہننا حلال ہو۔ اگر وہ ایسا ہو جس کا پہننا حلال نہیں مثلاً مرد کے لیے ریشم کا، تو اس کے لیے ایسے موزوں پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ ان کا پہننا اس کے لیے ویسے ہی حرام ہے۔ اور اگر حلال ہو تو مسح کرنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ باوضو ہو کر پہنا ہو، اور مشروع مدت کے دوران مسح کرے جو مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات ہے۔ اور اس کی ابتداء اس مسح سے ہوگی جب بے وضو ہونے کے بعد پہلی بار کرے۔ اور یہ مدت مقیم کے لیے چوبیس (۲۴) گھنٹے بعد اور مسافر کے لیے بہتر (۷۲) گھنٹے بعد ختم ہوگی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جب آدمی نے مقیم ہوتے ہوئے مسح کیا ہو، پھر سفر شروع کر دے تو کیا اس صورت میں وہ مسافر والا مسح پورا کر سکتا ہے؟

جواب: جب آدمی نے مقیم ہوتے ہوئے مسح کیا ہو پھر سفر شروع کر دے تو وہ مسافر والا مسح ہی مکمل کرے۔ اس مسئلے میں یہی قول راجح ہے۔ اگرچہ کچھ اہل علم نے کہا کہ وہ مقیم والا مسح پورا کرے لیکن راجح وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔ کیونکہ سفر شروع کرنے سے پہلے ان کی مسح کرنے کی مدت باقی تھی، اور سفر شروع کر دیا تو اس پر مسافر کا حکم ثابت ہو گیا، لہٰذا تین دن رات مسح کر سکتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ ایسے آدمی کے متعلق پہلے یہی کہا کرتے تھے کہ وہ مقیم والا مسح پورا کرے، لیکن بعد میں مذکورۂ بالا قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جب آدمی کو شک ہو کہ اس نے مسح کب شروع کیا تھا تو کیا کرے؟

جواب: اس صورت میں اسے اپنے یقین پر اعتماد کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر اسے شک ہو کہ نہ معلوم میں نے ظہر میں مسح کیا تھا یا عصر میں، تو اسے چاہیے کہ وہ اسے عصر سے شمار کرے، کیونکہ اصل ''مسح نہ کرنا'' ہے۔ اور اس اصول

کی دلیل یہ ہے کہ ((ان الاصل بقاء ما کان علی ما کان .)) ''یعنی ہر چیز کو اپنی اس اصل پر سمجھنا چاہیے جس پر وہ بنیادی طور پر ہو۔'' اور اس مسئلہ میں اصل ''عدم'' ہے یعنی اس نے مسح نہیں کیا۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ نماز کے دوران میں اسے شک ہو جاتا ہے کہ کچھ ہو گیا ہے (یعنی وضو ٹوٹ گیا ہے) تو آپ نے فرمایا کہ ''وہ نماز سے نہ پھرے حتیٰ کہ آواز سنے یا بو محسوس کرے۔''[1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جب مسح کی مدت پوری ہو جائے تو کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: مسح کی مدت پوری ہو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں جو مدت متعین فرمائی ہے وہ مسح کرنے کی ہے نہ کہ وضو ٹوٹنے یا طہارت پورا ہونے کی۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب مسح کی مدت پوری ہو گئی تو وضو بھی ٹوٹ گیا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بیان میں مسح کرنے کی مدت بیان ہوئی ہے، یعنی اس کے بعد اب مسح کرنا جائز نہیں ہو گا۔

دیکھیے جب مدت پوری ہونے سے پہلے آپ نے اپنے موزوں پر مسح کیا ہے اور آپ باوضو ہو گئے ہیں تو ایک شرعی دلیل سے باوضو ہوئے ہیں، اور جو عمل شرعی دلیل سے ثابت ہوا ہو وہ کسی شرعی دلیل ہی سے ٹوٹ یا ختم ہو سکے گا۔ اور یہاں (ہمارے اس سوال میں) وضو ٹوٹنے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اور اصل بات وضو کا قائم اور باقی رہنا ہے نہ کہ اس کا ٹوٹنا۔ اور وضو ٹوٹنے کے بارے میں بنیادی اصول وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، کہ ایک آدمی نے کہا کہ اسے نماز کے دوران میں خیال ہوتا ہے کہ وہ کچھ محسوس کرتا ہے (یعنی وضو ٹوٹ گیا ہے) تو آپ نے فرمایا:

((لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا .))[2]

''نہ پھرے حتیٰ کہ آواز سنے یا بو پائے۔''

تو آپ ﷺ نے وضو کرنا اسی شخص کے لیے واجب ٹھہرایا ہے جسے اپنے وضو کے ٹوٹنے کا یقین ہو۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وضو واجب ہونے کا سبب مشکوک ہو (جیسے کہ مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے) یا

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین من القبل والدبر، حدیث: ۱۷۵، وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی أن من تیقن الطهارة ثم شك فی الحدث، حدیث: ۳۶۱، وسنن أبی داود، کتاب الطهارة، باب إذا شك فی الحدث، حدیث: ۱۷۷.

[2] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین من القبل والدبر، حدیث: ۱۷۵، وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی أن من تیقن الطهارة ثم شك فی الحدث، حدیث: ۳۶۱، وسنن أبی داود، کتاب الطهارة، باب إذا شك فی الحدث، حدیث: ۱۷۷.

شرعی حکم معلوم نہ ہونے کے باعث شک ہو۔ بہرحال یہ آدمی جو اپنے وضو کے متعلق جاہل ہے کہ وضو ٹوٹا ہے یا نہیں، اور شرعی حکم سے جاہل ہے، تو اس کا جواب وہی ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ '' وہ نہ پھرے حتیٰ کہ آواز سنے یا بو پائے۔'' تو یہاں اسے یقین نہیں ہے لہٰذا وضو باقی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جب انسان نے اپنے موزوں پر مسح کیا ہو تو کیا اگر وہ انہیں اتار دے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا؟

جواب: آدمی نے جب اپنے موزوں یا جرابوں پر مسح کیا ہو تو ان کے اتار دینے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا، اس بارے میں یہی قول صحیح ہے۔ ہاں اس کو آئندہ کے لیے مسح کرنا جائز نہیں، بشرطیکہ وضو کر کے پہنے۔ مثلاً وضو کر کے مسح کیا اور پھر انہیں اتار دیا، اور پھر پہن لیا اور وضو ٹوٹ گیا تو ضروری ہوگا کہ اب وہ اپنے موزے اتارے، مکمل وضو کرے اور پاؤں دھوئے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمیں جاننا چاہیے کہ موزے پہننے کے لیے ضروری ہے کہ وضو کر کے پہنے جس میں اس نے اپنے پاؤں دھوئے ہوں، جیسے کہ اہل علم کے کلام سے ہمیں معلوم ہوا ہے۔

اور اس آدمی نے جب اپنے موزے پر مسح کیا تو اس کا وضو اور اس کی طہارت مکمل ہوگئی اور ایک شرعی دلیل سے ثابت ہوئی، اور جو بات شرعی دلیل سے ثابت ہوئی ہو، تو اس کا ٹوٹنا بھی کسی شرعی دلیل ہی سے ثابت ہوگا۔ اس مسئلہ میں بھی جب اس نے مسح کیا اور پھر اپنا موزہ اتار دیا اس کا وضو نہیں ٹوٹا، بلکہ وہ اپنی طہارت اور وضو پر ہے، حتیٰ کہ وضو ٹوٹنے کے معروف اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے، ہاں اگر موزہ اتار لینے کے بعد پھر پہن لیتا ہے، اور مسح کرنا چاہتا ہے تو وہ مسح نہیں کر سکے گا۔ جیسے کہ مجھے اہل علم کے کلام سے معلوم ہوا ہے۔

سوال: کھپچیوں، پلستر (یا زخم کی پٹی) پر مسح کا کیا حکم ہے؟

جواب: (عربی زبان میں ان کو جبیرہ کہتے ہیں) اور اس سے مراد وہ چیز ہے جس سے ٹوٹی ہوئی ہڈی وغیرہ جوڑی جاتی ہے۔ اور فقہا کی اصطلاح میں اس سے مراد'' ہر وہ چیز ہے جو طہارت کے مقام پر شرعی ضرورت کے تحت لگائی جائے۔'' جیسے کہ ہڈی جوڑنے کے لیے لکڑی وغیرہ کی کھپچیاں یا پلستر یا زخموں کی پٹیاں یا جو کمر درد کی صورت میں مخصوص بیلٹ وغیرہ باندھی جاتی ہے، تو ان پر مسح کر لینا غسل سے کفایت کر جاتا ہے۔ یا مثلاً کسی کی کلائی پر زخم ہو اور اس نے اس پر پٹی باندھی ہو تو وضو کے لیے وہ اس عضو کو دھونے کی بجائے اس پر مسح کر لے، اور یہ اس کا کامل وضو ہوگا اور طہارت بالکل درست ہوگی۔ اور پھر اگر کسی ضرورت سے اسے یہ پٹی یا پلستر اتارنا پڑے تو اس کی طہارت اور اس کا وضو باقی رہے گا ٹوٹے گا نہیں، کیونکہ اس وضو کا قائم ہونا شرعی دلیل کے تحت تھا، اور پٹی/پلستر اتارنے سے وضو ٹوٹ جانے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔

خیال رہے کہ کھپچیوں یا پٹی پر مسح کرنے کی دلیل اعتراض سے خالی نہیں ہے اس مسئلے میں وارد احادیث ضعیف ہیں، مگر علماء اس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ مجموعی اعتبار سے یہ درجہ صحت تک پہنچ جاتی ہیں۔

اور کچھ اہل علم نے ان کے ضعف کی وجہ سے ان احادیث کو ناقابل اعتماد ٹھہرایا ہے، مگر پھر ان کا آپس میں

اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ پلستر والی جگہ کی تطہیر ساقط ہے، اس کو دھونے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ آدمی اس سے عاجز ہے، اور کچھ نے کہا ہے کہ اس کے لیے تیمّم کرے اور مسح نہ کرے۔

مگر ان احادیث سے قطع نظر، اصل قواعد کے اعتبار سے اقرب قول یہی ہے کہ آدمی مسح کرے، اور یہ مسح اس کے لیے تیمّم سے مستغنی کرنے والا ہوگا اور تیمّم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی قابل طہارت عضو پر زخم ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں:

اول: زخم ظاہر ہو اور اسے دھونا مضر نہ ہو تو اس صورت میں اسے دھونا واجب ہے جبکہ وہ دھونے کی جگہ پر ہو۔

دوم: زخم ظاہر ہو مگر دھونا نقصان دہ ہو، مسح نقصان دہ نہ ہو، تو اس صورت میں اس پر مسح کرنا ہوگا نہ کہ دھونا۔

سوم: زخم ظاہر ہو اور اسے دھونا اور مسح کرنا دونوں ہی نقصان دہ ہوں، تو اب وہ تیمّم کرے۔

چہارم: زخم پر پٹی وغیرہ باندھی گئی ہو جیسے کہ ضرورت ہو، تو ایسی صورت میں اس پٹی پر مسح کرے، جو اس کے دھونے یا تیمّم سے کافی ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا پلستر یا پٹی پر مسح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر سب اطراف سے مسح کیا جائے؟

جواب: ہاں، اس پلستر یا پٹی پر سب اطراف سے مسح کیا جائے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ بدل کے لیے وہی حکم ہوتا ہے۔ جس کا وہ قائم مقام ہو جب تک کہ سنت سے اس کے خلاف کوئی دلیل نہ مل جائے، اور اس صورت میں مسح غسل کا بدل اور قائم مقام ہے۔ تو جب غسل پورے عضو کا ہوتا ہے تو ایسے ہی مسح بھی پورے عضو کا ہوگا البتہ موزوں پر مسح کرنے میں رخصت ہے کہ اس کے کچھ حصے پر مسح کافی ہوتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا موزوں پر مسح اور پٹی/پلستر پر مسح میں کوئی فرق ہے؟

جواب: ہاں ان دونوں مسحوں میں کئی فرق ہیں، مثلاً:

۱: موزوں پر مسح کے لیے ایک خاص مدت معین ہے، مگر پلستر پر مسح اس وقت تک ہوسکتا ہے جب تک اس کی ضرورت ہو۔

۲: پٹی/ پلستر کسی عضو کے ساتھ خاص نہیں ہے جبکہ موزے (جرابیں) پاؤں کے لیے خاص ہیں۔

۳: موزوں پر مسح کے لیے شرط ہے کہ انہیں وضو کر کے پہنا گیا ہو جبکہ پٹی/ پلستر کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔

۴: پٹی/ پلستر پر ہر طرح کے حدث (حدث اصغر و اکبر) [1] میں مسح کیا جاتا ہے جبکہ موزوں پر حدث اکبر میں مسح نہیں ہوسکتا بلکہ پاؤں کو باقی جسم کے ساتھ دھونا ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] ہر وہ کیفیت جس میں انسان پر طہارت واجب ہو حدث کہلاتی ہے۔ اگر ریح خارج ہو یا نیند آئے یا بول و براز ہو تو اس صورت میں صرف وضو لازم ہے، اس کو حدث اصغر کہتے ہیں۔ اور جن صورتوں میں غسل واجب ہوتا ہے مثلاً احتلام وغیرہ تو اس کو حدث اکبر کہتے ہیں۔ (س ر ع)

سوال: کیا پلستر یا پٹی پر تیمّم اور مسح دونوں کو جمع کیا جا سکتا ہے؟

جواب: نہیں، مسح اور تیمّم دونوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی ایک عضو کے لیے دو طہارتوں کو جمع کرنا شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ان دو صورتوں میں سے کوئی ایک کرلو۔ اور دو طہارتوں کو جمع کرنے کی شریعت میں کوئی مثال موجود نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بھی کسی بندے کو دو عبادتوں کا مکلّف نہیں ٹھہراتا ہے جبکہ اس کا سبب ایک ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

مستورات کے مخصوص مسائل

سوال: میں اپنی عمر کے چودھویں سال میں تھی کہ مجھے ماہانہ ایام شروع ہوئے، اور میں نے اس سال روزے نہیں رکھے، یہ میری اور گھر والوں کی جہالت کی وجہ سے ہوا، اور ویسے بھی ہم اہل علم سے کچھ دُور ہیں، ہمیں اس مسئلے کا علم نہ تھا اور پھر میں نے اگلے سال روزے رکھے۔ میں نے کچھ اہل فتویٰ سے سنا ہے کہ عورت کو جب ماہانہ ایام شروع ہو جائیں تو اسے روزے رکھنے لازم ہو جاتے ہیں، خواہ وہ بالغ نہ بھی ہوئی ہو، مجھے امید ہے آپ ہمیں مستفید فرمائیں گے۔

جواب: اس سائلہ نے جو اپنے متعلق بیان کیا ہے کہ اسے چودھویں سال میں ایام آنا شروع ہو گئے تھے اور اسے علم نہ تھا کہ اس سے عورت بالغ ہو جاتی ہے، تو اس وجہ سے جو اس نے اس سال روزے چھوڑے ہیں اس پر وہ گنہگار نہیں ہے، کیونکہ یہ جاہل اور لاعلم تھی، اور ایسے بندے پر گناہ نہیں ہوتا لیکن جب اسے علم ہو گیا ہے کہ اس پر روزے فرض ہیں اور فرض ہو گئے تھے، تو ضروری ہے کہ اب ان کی قضا دینے میں جلدی کرے۔ کیونکہ بلوغت کے بعد عورت پر روزے فرض ہو جاتے ہیں اور کسی عورت کا بالغ ہونا درج ذیل چار صورتوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہو جاتا ہے کہ......۱- اس کی عمر پندرہ سال ہو جائے ......۲- زیر ناف بال اُگ آئیں ......۳- اسے انزال ہو......۴- حیض آنا شروع ہو جائے۔

ان صورتوں میں سے کوئی ایک بھی ظاہر ہو جائے تو وہ عورت بالغ ہو جاتی ہے اور شرعی امور کی پابند ہوا کرتی ہے اور عبادات اس پر ایسے ہی واجب ہو جاتی ہیں جیسے کہ کسی بڑی عمر کی عورت پر ہوتی ہیں۔ (صالح فوزان)

سوال: حیض، استحاضہ اور نفاس کے خون میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب: [یہ اللہ عزوجل کی تقدیر ہے کہ خواتین کو یہ خون آتے ہیں] اِن کا مقام خروج اگرچہ ایک ہی ہوتا ہے، مگر اسباب مختلف ہوتے ہیں، تو ان کے نام بھی مختلف ہیں اور اسی طرح ان کے احکام بھی۔

حیض: ہر بالغ لڑکی کو بلوغت کے بعد اس کے رحم سے ہر ماہ باقاعدہ چند مخصوص ایام میں خون آتا رہتا ہے، اسے حیض کہتے ہیں۔

[استحاضہ: اگر یہ خون معمول کی عادت سے بہت زیادہ دن آنے لگے تو اسے استحاضہ کہتے ہیں۔] [1]

نفاس کا خون وہ ہوتا ہے جو کسی خاتون کو ولادت کے باعث آتا ہے، حمل کے وقت سے رحم میں رکا رہتا ہے اور پھر ولادت کے موقعہ پر موقعہ بموقعہ آتا رہتا ہے۔ اس کی مدت کبھی تو بہت لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی کم بھی ہوتی ہے۔ مدت کم سے کم ہونے کی کوئی تعیین نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ کی راجح قول کے مطابق کوئی تعیین نہیں ہے۔ اس کی دلیل آگے مسئلہ حیض میں ذکر ہوگی، اور فقہ حنبلی کی رُو سے جو چالیس ایام سے بڑھ جائے اور حیض کی معروف عادت کے مطابق نہ ہو تو وہ استحاضہ ہوتا ہے۔

سوال: جب کسی عورت کو حمل ظاہر ہو چکا ہو، پھر بھی وہ ماہانہ عادت کے مطابق خون دیکھے تو کیا اس پر حیض کے احکام آئیں گے؟

جواب: جب کسی عورت کے متعلق واضح ہو چکا ہو کہ وہ حمل سے ہے پھر بھی وہ اپنی عادت کے مطابق خون دیکھے تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا حاملہ کو بھی حیض آتا ہے یا نہیں؟ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا، لہٰذا حمل کے دوران جو خون ہو وہ کسی اندرونی خرابی کے باعث ہوگا اور وہ اس سبب سے عبادت نہیں چھوڑ سکتی۔

جب کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حاملہ کو کبھی حیض بھی آ جایا کرتا ہے اور یہ کسی خرابی کے باعث نہیں آتا اور وہ عورت بالکل تندرست ہوتی ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ سو اسے خون حیض ہی کہا جائے گا، اور اس پر حیض کے احکام ہی جاری ہوں گے اور ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

(عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: جب کسی عورت کے ماہانہ نظام میں کمی بیشی یا ایام میں تقدیم تاخیر کے حساب سے خرابی آ جائے، تو وہ کیا کرے؟

جواب: بعض حنبلی علماء نے جو یہ لکھا ہے کہ اس طرح کے خلل میں عورت اپنی سابقہ عادت ہی پر عمل کرے، نئی صورت پر عمل نہ کرے، حتیٰ کہ اسے یہ نئی صورت بار بار لاحق ہو، تو یہ محض ایک قول ہی ہے جس پر عمل نہیں ہے۔ بلکہ عمل اس قول صحیح پر رہا ہے جس کا ''الانصاف'' میں ذکر ہوا ہے اور عورتوں کو اس قول پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عورت جب خون دیکھے تو اپنی عبادت نماز روزے سے توقف کرے اور جب واضح طور پر پاک ہو (طہر آ جائے) تو غسل کرے اور نماز پڑھے، خواہ اس کی تاریخوں میں کسی قدر تقدیم ہو جائے یا تاخیر، اور اسی طرح خون کم آئے یا زیادہ، مثلاً اس کی عادت پانچ ایام کی تھی...... مگر کسی دفعہ سات دن آ گئے، تو یہ سات دن ہی حیض شمار کرے، اس طرف متوجہ نہ ہو کہ اس سے پہلے کیا عادت تھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے بعد کی خواتین کا اس پر عمل تھا۔ حتیٰ کہ ہمارے دور کے مشائخ کے فتاویٰ بھی یہی ہیں۔ کیونکہ وہ قول جو شروع میں بتایا

[1] قوسین کے مابین کی عبارت راقم مترجم کی طرف سے ہے۔

گیا ہے کہ عورت اپنی نئی عادت پر تبھی عمل کرے جب اسے یہ صورت تین بار درپیش ہو، یہ قول بلا دلیل ہے۔ علاوہ ازیں حیض شروع ہونے کی عمر کی بھی کوئی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ کبھی نو سال سے کم میں بھی یہ شروع ہوسکتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ عمر کی بھی حد نہیں کہی جا سکتی خواہ پچاس سال سے بھی بڑھ جائے۔ الغرض جب خون ہے تو یہ خون ہے، یہ اسے عبادات سے روک دیتا ہے کیونکہ یہ فطری قاعدہ ہے، جبکہ استحاضہ ایک عارضہ ہوتا ہے۔ (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: مجھے اپنے ماہانہ ایام میں یہ صورت پیش آتی ہے کہ پہلے چار دن خون آتا ہے، پھر تین دن کے لیے رک جاتے ہیں، اور ساتویں دن پھر شروع ہوجاتا ہے مگر پہلے سے کم، اور پھر اس کا رنگ نسواری سا ہوجاتا ہے اور بارھویں دن تک ایسے ہی رہتا ہے۔ براہ مہربانی مجھے اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں؟

جواب: آپ کے یہ سب ایام چار اور پھر چھ، یہ سب حیض کے ایام ہیں۔ آپ کو ان میں نماز روزہ موقوف کر دینا چاہیے۔ اور آپ کے شوہر کے لیے ان دنوں میں آپ کی قربت جائز نہیں ہے۔ چار دنوں کے بعد آپ کو لازم ہے کہ غسل کریں اور نماز ادا کریں۔ اور آپ ان طہر کے دنوں میں اپنے شوہر کے لیے بھی حلال ہوں گی اور روزہ بھی رکھ سکتی ہیں، بلکہ رمضان میں تو روزہ واجب ہوتا ہے، اور اسی طرح بعد کے چھ دنوں میں۔ اور پھر ان کے بعد آپ پر پاکیزہ عورتوں کی طرح غسل کر کے نماز اور روزہ واجب ہے۔ بات یہ ہے کہ ماہانہ عادت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور کبھی یہ دن اکٹھے ہوتے ہیں تو کبھی فرق سے بھی ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل سب کو اپنے پسندیدہ اعمال کی توفیق عنایت فرمائے اور ہمیں اور آپ اور سب مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور اس پر ثابت قدمی سے سرفراز کرے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: سن یاس سے کیا مراد ہے، کیا اس کا تعلق عمر کے خاص حصے سے ہے یا حیض ختم ہونے اور رک جانے کو کہتے ہیں؟

جواب: جب کسی عورت کو حیض آنا بالکل ختم ہوجائیں، اس طرح کہ ان کے دوبارہ آنے کی امید نہ رہے، تو اسے سن یاس (مایوسی کی عمر) سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا تعلق کسی متعین عمر کے ساتھ نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہوجاتی ہے مگر اسے حیض آتے رہتے ہیں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت جس کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہوچکی ہے، مگر معروف عادت کے مطابق اسے خون آتا ہے، اور ایک دوسری ہے، اس کی عمر بھی پچاس سال سے زیادہ ہے مگر غیر معروف انداز میں خون آتا ہے یعنی پیلا سا یا میلا سا ہوتا ہے...... ان عورتوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: جس عورت کو معروف عادت کے مطابق خون آتا ہے تو وہ حیض ہی ہے، اس سلسلے میں یہی قول راجح ہے

کہ حیض آتے رہنے یا اس کے بند ہو جانے کے لیے کوئی عمر معین نہیں ہے، لہٰذا اس عورت کے لیے معروف خون حیض کے احکام ہی ہیں یعنی ان دنوں میں نماز روزے سے رکی رہے، مباشرت بھی نہیں ہو سکتی، ان ایام کے بعد اسے غسل کرنا واجب ہوگا اور روزوں کی قضا دینی ہوگی وغیرہ۔

اور دوسری جسے پیلا یا میلا پانی آتا ہے، اگر یہ ان تاریخوں میں ہو جو اس کی حیض کی تاریخیں ہوتی ہیں تو یہ حیض شمار ہوگا، اگر ان ایام کے علاوہ میں آئے تو یہ حیض نہیں۔ لیکن اگر معروف خون آتا ہے خواہ تاریخیں آگے پیچھے بھی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ حیض ہی ہوگا، ان دنوں اور تاریخوں میں اسے عبادات سے توقف کرنا ہوگا اور رک جانے کے بعد غسل کرنا ہوگا۔ اس مسئلے میں راجح قول یہی ہے کہ حیض آتے رہنے یا اس کے ختم ہو جانے کی کوئی عمر معین نہیں ہے۔ اگرچہ فقہ حنبلی میں کہا جاتا ہے کہ پچاس سال کے بعد کوئی حیض نہیں ہوتا خواہ سیاہی مائل خون ہی آئے، عورت کو نماز روزہ ادا کرنا ہوگا اور اس کے ختم ہونے کے بعد کسی غسل وغیرہ کی ضرورت نہیں......تو یہ قول صحیح نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مانع حیض گولیوں کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب: مانع حیض گولیاں اگر صحت کے لیے نقصان دہ نہ ہوں تو ان کے استعمال کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس کا شوہر اس کی اجازت دے۔ تاہم جہاں تک میری معلومات ہیں ان کا استعمال عورت کے لیے نقصان سے خالی نہیں۔ کیونکہ خون حیض کا جسم سے خارج ہونا ایک فطری عمل ہے، اگر اس فطری خارج ہونے والی چیز کو اس کے وقت پر خارج ہونے سے روک دیا جائے تو یقیناً اس سے صحت پر برا اثر پڑے گا۔ علاوہ ازیں اس نقصان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خود عورت کی اپنی ماہانہ عادت بگڑ جائے گی اور پھر یہ نماز روزے کے سلسلے میں الجھن اور شک میں پڑی رہے گی، اور ازدواجی تعلقات میں شوہر کے لیے پریشانی ہوگی۔ لہٰذا میں ایسی گولیوں کے استعمال کو اگرچہ حرام تو نہیں کہتا مگر مذکورہ اسباب کے تحت پسند بھی نہیں کرتا ہوں۔

بلکہ چاہیے کہ عورت کو اللہ عزوجل کی تقدیر اور نظام پر راضی خوش رہنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آئے اور دیکھا کہ وہ آبدیدہ ہیں، جبکہ وہ عمرے کا احرام باندھ چکی تھیں، آپ نے پوچھا کہ کیا ہوا، کہیں ایام تو شروع نہیں ہو گئے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ وہ چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے۔''[1] الغرض عورت کو صبر سے کام لینا چاہیے اور اس میں بھی اللہ سے اجر کی امید رکھنی چاہیے۔ اگر اسے نماز روزے سے رکاوٹ ہو گئی ہے تو ذکر اذکار کا دروازہ کھلا ہے، اسے چاہیے کہ تسبیح و تہلیل اور دیگر اذکار میں محنت کرے، صدقہ دے، اپنے قول و فعل سے لوگوں کے ساتھ احسان کرے، اور یہ بڑی فضیلت کے کام ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب کیف کان بدء الحیض، حدیث: ٢٩٤۔ صحیح مسلم: کتاب الحج، باب بیان وجوہ الاحرام......، حدیث: ١٢١١.

سوال: اگر کوئی عورت ایسی کوئی چیز استعمال کر لے جس سے اس کے ماہانہ ایام یا نفاس کا خون بند ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر عورت کوئی ایسی گولیاں یا ٹیکہ وغیرہ لگوا لیتی ہے جس سے اس کا خون رک جائے، تو اسے چاہیے کہ غسل کرے اور وہ سب اعمال انجام دے جو پاکیزہ عورتیں اپنے طہر کے ایام میں کرتی ہیں، اس کا نماز روزہ وغیرہ سب اعمال صحیح ہوں گے۔ (عبدالعزیز ابن باز)

سوال: طہر شروع ہونے کے بعد جو کسی عورت کو زرد یا میلا سا پانی آ جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورتوں کے مسائل حیض کی مشکلات ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہ ہو۔ اور اس کا بنیادی سبب مانع حمل اور مانع حیض گولیاں وغیرہ ہیں۔ پہلے لوگوں کو اس طرح کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ عورتوں کی مشکلات شروع ہی سے موجود ہیں، لیکن اب جو صورت حال ہے انتہائی حیران کن اور قابل افسوس ہے۔

بہر حال عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ حیض کے بعد جب عورت یقینی طور پر پاک صاف ہو جائے اور پاک صاف ہونے یعنی طہر سے مراد یہ ہے کہ عورت کے جسم سے روئی کا پھایہ بالکل صاف سفید نکلے، اور یہ سفید پانی ہوتا ہے جسے کہ عورتیں پہچانتی ہیں۔ تو اس کے بعد اگر کوئی میلا پانی آ جائے یا زرد رنگ کا ہو یا کوئی نقطہ لگ جائے یا کوئی رطوبت نکل آئے تو یہ حیض نہیں ہوتا اور نہ ہی نماز روزے وغیرہ سے روکتا ہے کیونکہ یہ حیض نہیں ہوتا۔

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ ''ہم زرد رنگ کی رطوبت یا میلے پانی کو کچھ نہ سمجھا کرتی تھیں۔''[1] اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ''طہر کے بعد''[2] (ان رطوبات کو کچھ نہ سمجھتی تھیں)۔ اور سند اس کی صحیح ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ طہر کا یقین ہو جانے بعد اس قسم کی چیزوں کا ظاہر ہونا کسی عورت کے لیے کسی تشویش کا باعث نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی یہ اسے نماز روزے وغیرہ سے روکتی ہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ عورت حیض کے آخر میں جلدی کرنے سے پرہیز کرے حتیٰ کہ اسے طہر کا یقین ہو جائے۔ کیونکہ بعض عورتیں خون کم ہونے کے بعد جلدی کرتی ہیں اور طہر کا یقین کیے بغیر غسل کر لیتی ہیں۔ صحابہ کی بیویاں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بعض اوقات اپنے روئی کے پھائے بھیجتی تھیں، ان میں خون کا کچھ اثر بھی ہوتا، تو وہ انہیں کہتیں کہ: ''جلدی مت کرو حتیٰ کہ پھائے کو سفید دیکھو۔''[3] (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب الصفرة والکورة فی غیر ایام الحیض، حدیث: ٣٢٦۔ سنن ابن ماجه: کتاب الطهارة و سننها، باب ما جاء فی الحائض تری بعد الطهر الصفرة والکدرة، حدیث: ٦٤٧.

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الطهارة، باب فی المرأة تری الصفرة والکدرة بعد الطهر، حدیث: ٣٠٧۔ المستدرك للحاکم: ١/ ٢٨٢، حدیث: ٦٢١.

[3] صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب اقبال المحیض وادباره (ترجمۃ الباب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مذکور ہے) السنن الکبری للبیهقی: ١/ ٣٣٥، حدیث: ١٤٨٦.

سوال: عورت کو معروف حیض شروع ہونے سے پہلے میلا پانی آنا شروع ہوگیا، اور اس نے نماز چھوڑ دی، پھر بعد میں خون آنا شروع ہوا...... تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ "ہم طہر کے بعد زرد رطوبت یا میلے پانی کو کچھ نہ سمجھا کرتی تھیں۔"[1] تو میرے خیال میں یہ رطوبت جو حیض سے پہلے شروع ہوئی حیض نہ تھی۔ بالخصوص جبکہ وہ عادت کی تاریخوں سے پہلے آئی، اور علامات حیض مثلاً پیٹ میں مروڑ اٹھنا یا کمر درد وغیرہ بھی نہ تھیں۔ تو بہتر ہے کہ ان دنوں کو جو نمازیں اس نے چھوڑ دی ہیں، ان کی قضا دے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حیض شروع ہونے سے دو دن پہلے زرد رنگ کی رطوبت آنے لگے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر یہ زرد رطوبت حیض سے پہلے ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے (عورت پاک ہی ہے)۔ کیونکہ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "ہم زرد اور میلے رنگ کی رطوبت کو کچھ نہ سمجھا کرتی تھیں۔"[2] اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ "طہر کے بعد زرد اور میلے رنگ کی رطوبت کو کچھ نہ سمجھتی تھیں۔"[3] بالخصوص جب یہ رطوبت حیض سے بالکل جدا اور نمایاں ہو تو یہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر عورت یہ محسوس کرے کہ یہ حیض کی ابتدا ہے تو پھر اسے توقف کرنا چاہیے حتیٰ کہ پاک ہو جائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر عورت کوئی ایسی دوا استعمال کرلے جس سے خون حیض شروع ہو جائے اور نماز چھوڑ دے...... تو کیا اسے ان نمازوں کی قضا دینی ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر کوئی عورت ایسی ادویات استعمال کرے جو اس کے لیے آمد حیض کا باعث ہوں اور اسے خون آنے لگے تو اسے ان دنوں کی نمازیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حیض، خون ہے، جب آئے گا تو اس کا حکم بھی لاگو ہوگا۔ جیسے کہ مثلاً وہ اگر کوئی ایسی چیز کھالے جو مانع حیض ہو تو اسے نماز روزہ رکھنا ہوگا اور روزوں کی کوئی قضا نہ ہوگی، کیونکہ یہ ان دنوں میں حیض والی نہ تھی۔ حکم ہمیشہ اپنے سبب کے ساتھ معلق ہوتا ہے۔ اور اس سلسلے میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى﴾ (البقرة: ٢/ ٢٢٢)

---

[1] سنن ابی داؤد: كتاب الطهارة، باب فی المرأة ترى الصفرة والكدرة بعد الطهر، حديث: ٣٠٧۔ المستدرك للحاكم: ١/ ٢٨٢، حديث: ٦٢١.

[2] صحيح بخاری: كتاب الحيض، باب الصفرة والكدرة فی غيرايام الحيض، حديث٣٢٦۔ سنن ابن ماجه: كتاب الطهارة و سننها، باب ما جاء فی الحائض ترى بعد الطهر الصفرة والكدرة، حديث: ٦٤٧.

[3] سنن ابی داؤد: كتاب الطهارة، باب فی المرأة ترى الصفرة والكدرة بعد الطهر، حديث٣٠٧۔ المستدرك للحاكم: ١/ ٢٨٢، حديث: ٦٢١.

’’یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں، تو بتا دیجیے کہ یہ گندگی ہے۔‘‘

سو جب یہ خرابی پائی جائے گی اس کا حکم بھی آ جائے گا، اور جب نہیں ہوگی اس کا حکم بھی نہیں ہوگا۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا ایام حیض کے دوران میں عورت اپنا سر دھوسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

جواب: حائضہ عورت کے لیے اپنے ایام حیض کے دوران سر دھو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جو لوگ اسے ناجائز بتاتے ہیں ان کی بات درست نہیں ہے۔ بلکہ جب چاہے اپنا سر یا اپنا جسم دھونا چاہے تو دھو سکتی ہے۔ [1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مجھے اپنی ماہانہ عادت کے متعین ایام سے تین چار دن پہلے خون آنے لگتا ہے، اس کا رنگ گہرا نسواری سا ہوتا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ میں ان دنوں میں طاہر ہوتی ہوں یا غیر طاہر۔ میں بڑی تشویش میں رہتی ہوں کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

جواب: جب عورت کو اپنی ماہانہ عادت کے متعلق دنوں کی گنتی یا رنگ یا تاریخ کے اعتبار سے خوب علم ہو تو اسے اس موقعہ پر نماز چھوڑ دینی چاہیے، پھر طہر آنے پر غسل کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔ اور معروف عادت سے پہلے جو خون آتا ہے تو یہ فاسد مادہ ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ عورت نماز روزہ نہ چھوڑے، بلکہ ہر ممکن صفائی کا اہتمام کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کر کے نماز پڑھتی رہے، خواہ یہ خون مسلسل ہی آتا ہو۔ اس کا حکم مستحاضہ والا ہے۔ اگر یہ اس سے پہلے اس خون کی وجہ سے نمازیں چھوڑ چکی ہے تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ یہ اپنے ان دنوں کی نمازیں دہرائے اور ان شاء اللہ اس میں کوئی بڑی مشقت نہیں ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: اس عورت کے متعلق کیا حکم ہے جس کی معروف ماہانہ عادت چھ دن ہے مگر کبھی یہ دن بڑھ بھی جاتے ہیں؟

جواب: اگر اس عورت کی عام عادت چھ دن کی ہے مگر کبھی یہ بڑھ کر نو، دس یا گیارہ دن بھی ہو جائیں تو یہ سب حیض کے دن شمار ہوں گے اور یہ خوب پاک صاف ہونے تک نماز نہیں پڑھے گی۔ کیونکہ نبی ﷺ نے ایام مخصوصہ کے کوئی دن متعین نہیں فرمائے ہیں۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ:

---

[1] راقم مترجم کے سامنے بھی اس سے ملتا جلتا ایک سوال آیا تھا کہ کیا ایام مخصوصہ میں عورت پانی سے استنجا کر سکتی ہے، جبکہ بعض عورتیں استنجا نہیں کرتیں؟ تو فضیلۃ الشیخ کے جواب میں مذکورہ سوال کا جواب موجود ہے کہ: یقیناً عورت ان ایام میں پانی سے استنجا کرے، یہ اس کے لیے زیادہ طہارت کا باعث ہے۔ البتہ اطبا کے کہنے کے مطابق زیادہ ٹھنڈا پانی مضر ہو سکتا ہے۔ یا بعض خواتین میں حساسیت زیادہ ہوتی ہے اور وہ پانی کو نقصان دہ پاتی ہیں، تو وہ یقیناً اس سے احتراز کریں اور ڈھیلے، کپڑے یا ٹشو سے استنجا کریں۔ اور اگر اس طرح کا کوئی عارضہ نہ ہو تو پانی سے استنجا کرنا چاہیے۔ اور کسی طرح سے بھی استنجا نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے جسم اور کپڑے نجس ہو جاتے ہیں اور یہ کبیرہ گناہ ہے جو عذاب قبر کا باعث ہو سکتا ہے۔ جبکہ خون کا معاملہ فطری ہے، اس پر انسان کا اختیار نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى﴾ (البقرة : ۲/ ۲۲۲)

تو جب تک یہ خون آتا رہے عورت ناپاکی کی حالت میں ہوگی، حتیٰ کہ خوب پاک ہو جائے، پھر غسل کرے اور نماز پڑھنا شروع کرے۔ اور اگلے مہینے اگر بالفرض اس کے ایام سابقہ تعداد سے کم رہیں تو کوئی بات نہیں، اسے پاک ہونے پر غسل کر کے اپنے فرائض ادا کرنے چاہییں۔ الغرض جب حیض شروع ہو جائے اور جب تک رہے یہ نماز نہیں پڑھے گی، خواہ یہ سابقہ ایام کے مطابق ہوں یا کم یا زیادہ اور جب پاک ہو تو نماز پڑھے۔
(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کو اس کے ایام مہینے کے آخری دنوں میں آیا کرتے تھے، پھر ایسے ہوا کہ مہینے کے شروع میں آنے لگے..... تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب کسی عورت کی ماہانہ عادت میں تبدیلی آ جائے، اور ایام اپنی تاریخوں سے پہلے شروع ہو جائیں تو یہ سب حیض ہی ہے جیسے کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کو ماہانہ ایام شروع ہوئے پھر وہ پاک ہوگئی اور غسل کر لیا، تقریباً نو دنوں بعد پھر اسے خون آنے لگا اور تین دن تک اس نے نماز نہیں پڑھی، پھر وہ پاک ہوگئی اور گیارہ دن نماز پڑھی پھر اس کے بعد معروف ایام شروع ہو گئے، تو کیا درمیان میں تین دن جو اس نے نماز نہیں پڑھی ہے وہ حیض کے شمار ہوں گے یا اسے ان دنوں کی نمازیں دُہرانا ہوں گی؟

جواب: جب حیض آئے تو وہ حیض ہوتا ہے۔ خواہ دو حیضوں کے درمیان کی مدت لمبی ہو یا مختصر۔ جب ایک عورت نے حیض کے بعد غسل کر لیا ہو اور پھر پانچ یا چھ یا دس دن کے بعد یہ عمل دوبارہ شروع ہو جائے تو یہ توقف کرے اور نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ حیض ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے یہی ہے کہ جب بھی یہ پاک ہو اور پھر حیض شروع ہو جائے تو اسے توقف کرنا ہوگا۔ لیکن اگر اسے خون مسلسل ہی جاری رہے اور رکے نہیں تو یہ مستحاضہ ہوگی۔ تب اسے اپنی معروف عادت کے مطابق توقف کرنا ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک خاتون کا کہنا ہے کہ اس کی ماہانہ عادت سات آٹھ دن ہوتی ہے مگر بعض اوقات ساتویں دن نہ تو خون نظر آتا ہے اور نہ ہی طہر، تو اس حالت میں نماز روزے وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اسے جلدی نہیں کرنی چاہیے حتیٰ کہ پھایہ کو خوب صاف دیکھے جسے کہ عورتیں پہچانتی ہیں، اور یہی طہر کی علامت ہوتی ہے۔ محض خون کا رک جانا طہر نہیں ہوتا، بلکہ چاہیے کہ معلوم و معروف عادت کے دن پورے ہوں اور طہر کی علامت بھی دکھائی دے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ مجھے ایام مہینے میں دوبار آنے لگے ہیں اور ہر بار پندرہ دن سے زیادہ ہو جاتے ہیں۔ رمضان میں یہ اپنی تاریخوں سے ایک ہفتہ پہلے شروع ہو گئے مگر اس طرح کہ خون جسم سے باہر

نہیں نکلتا تھا بلکہ اندر ہی اندر ہوتا تھا، ایک ہفتہ یہی کیفیت رہی، جب کہ اس سے پہلے ایسے نہیں ہوتا تھا۔ گزشتہ چار سال سے کچھ ایسے ہی ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے مجھے میرے ایام ایک مقررہ وقت پر آتے تھے اور پانچ دن سے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ مجھے اپنے ان روزوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ کیا ان دنوں میں جب میں خون کو اپنے جسم کے اندر محسوس کرتی ہوں، باہر نہیں نکلتا ہے؟ نماز روزہ کروں یا نہیں؟

جواب: کوئی عورت اپنی نماز روزہ اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتی جب تک کہ خون اس کے جسم سے باہر نہ نکلے، اور پھر یہ مدت پندرہ دن سے زیادہ بھی نہ ہو۔ اگر خون پندرہ دن سے زیادہ جاری رہتا ہے تو اسے اس کی ماہانہ عادت کے ایام میں اضافہ سے تعبیر نہیں کریں گے (بلکہ یہ استحاضہ کہلاتا ہے)۔ تو اسے چاہیے کہ غسل کرے اور نماز روزے میں مشغول ہو۔ اور وہ جو خون اپنے جسم کے اندر (شرمگاہ کے اندر) محسوس کرتی ہے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی ہے۔ جب تک باہر نمایاں نہ ہو اسے طاہر سمجھا جائے گا اور اسے نماز روزہ رکھنا ہوگا۔

(صالح بن عبداللہ فوزان)

سوال: بیوی اگر ایام سے ہو اور شوہر اس سے مباشرت کر بیٹھے تو اس پر کیا لازم آتا ہے؟

جواب: جو شخص ماہانہ ایام کے دوران میں بیوی سے مباشرت کر بیٹھے اس پر واجب ہے کہ ایک دینار یا آدھا دینار کفارہ ادا کرے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ [1] اور یہ بہت عمدہ ہے۔ کیونکہ کفارہ جس طرح قسم توڑنے پر آتا ہے ایسے ہی کسی گناہ کے ارتکاب پر بھی ہوتا ہے، اور توقع کی جاتی ہے کہ اس سے گناہ کے عقاب میں کمی ہو جائے گی اور یہ عمل توبہ کی تکمیل کا ایک حصہ ہے۔ (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: جو آدمی اپنی بیوی سے اس کے ماہانہ ایام میں مباشرت کر بیٹھے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: الحمدللہ...... ایام حیض میں میاں بیوی کا مخصوص ملاپ کتاب و سنت کی رُو سے حرام ہے، قطعاً جائز نہیں ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾

(البقرہ: ۲/ ۲۲۲)

''یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں، تو کہہ دیجیے کہ یہ گندگی ہے، حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو۔''

اور اس سے مراد مقام حیض ہے یعنی شرمگاہ۔ اگر کوئی اس سے آگے اقدام کرتے ہوئے مباشرت کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ توبہ کرے اور آئندہ کے لیے اس سے احتراز کرے اور کفارہ بھی دے، ایک دینار یا

[1] سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی ایتان الحائض، حدیث: ۲٦٦۔ سنن الترمذی: کتاب الطهارة، باب الكفارة فی ایتان الحائض، حدیث: ۱۳٦، ۱۳۷۔ سنن الدارمی: ۱/ ۲۵۵.

آدھا دینار، اسے اختیار ہے۔ جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو آیا ہو جب کہ وہ ایام سے ہو تو ''وہ صدقہ دے ایک دینار یا آدھا دینار۔''❶ دینار سے مراد ایک مثقال سونا ہے۔ اگر یہ نہ پائے تو اس قیمت کی چاندی بھی کفایت کر جائے گی۔ (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: اگر شوہر بیوی کو بلائے اور وہ اپنے ماہانہ ایام کے آخر میں ہو، تو کیا وہ شوہر کی بات قبول کرے یا نہیں؟ اس معاملے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: یہ سوال اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو بخوبی علم ہے کہ ان مخصوص دنوں میں عورت مرد کا ملاپ جائز نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ اللہ عزوجل کے فرمان سے بصراحت ثابت ہے۔ فرمایا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۲)

''یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ یہ گندگی ہے۔ سو حیض میں عورتوں سے الگ رہو، اور ان کے قریب مت جاؤ حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں، اور جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں تو ان کو آؤ جہاں سے کہ تم کو اللہ نے حکم دیا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

اور علماء کا بھی اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ ان مخصوص ایام میں شوہر کو اپنی زوجہ سے ملاپ حرام ہے، اور بیوی پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کو اس سے روکے اور منع کرے اور اس کی بات نہ مانے اور اس کا مطالبہ تسلیم نہ کرے کیونکہ یہ ایک حرام کام ہے اور

((لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق .))❷

''اللہ عزوجل کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

تاہم بیوی کی جانب سے اس کے اس قسم کے عذر کی کیفیت میں شوہر کو اس حد تک رخصت ہے کہ مجامعت کیے بغیر تلذذ حاصل کر لے۔ لیکن اگر اس کیفیت سے انزال ہو گیا تو غسل واجب ہوگا۔ خواہ دونوں کو ہو جائے یا صرف شوہر کو ہو بیوی کو نہ ہو یا بیوی کو ہو اور شوہر کو نہ۔ الغرض جسے بھی انزال ہو گیا اسے غسل کرنا ہوگا۔

غسل واجب ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک انزال ہونا خواہ کسی سبب سے ہو۔ دوسرے مباشرت سے یعنی

---

❶ ایضاً۔

❷ مصنف ابن ابی شیبة، ٦/ ٥٤٥، حدیث : ٣٣٧١٧۔ المعجم الکبیر للطبرانی : ١٨/ ١٧٠، حدیث : ٣٨١۔ المعجم الاوسط للطبرانی : ٤/ ١٨١، حدیث : ٣٩١٧ .

شرمگاہ میں دخول سے خواہ انزال ہو یا نہ ہو...... اور یہ دوسرا مسئلہ کہ دخول ہو مگر انزال نہ ہو، اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اکثر لوگ اس سے جاہل ہیں۔

اس مناسبت سے یہ بتا دینا بھی نہایت اہم ہے کہ عورت پر جب غسل جنابت واجب ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنا سارا بدن، اپنے بال اور بالوں کے نیچے تک کو خوب دھوئے اور کوئی جگہ نہ چھوڑے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ (المائدہ : ٥/ ٦)

''اور جب تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب طہارت حاصل کرو (یعنی اچھی طرح غسل کرو)۔''

تو عورت پر واجب ہے کہ اپنا سارا جسم خوب دھوئے۔ ❶ لیکن اگر جسم پر کوئی زخم ہو اور اس پر پٹی بندھی ہو یا مثلاً کوئی پلستر وغیرہ ہو تو اس صورت میں اس پر پانی سے مسح کر لینا کافی ہوگا اور تیمّم کی کوئی ضرورت نہ ہوگی اور یہ مسح اس حالت میں غسل کے قائم مقام ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مخصوص ایام کے دوران میں مہندی لگا لینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا جب تک مہندی کا رنگ باقی رہے یہ نجس سمجھا جائے گا؟

جواب: ایام حیض میں عورت کو مہندی لگا لینا جائز ہے۔ اور حائضہ کا بدن پاک ہوتا ہے، اور اسی لیے اس سے مصافحہ وغیرہ کر لینا بھی جائز ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے پانی پیتے تھے جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بعض اوقات ایام سے بھی ہوتی تھیں۔ اور آپ اپنا دہن مبارک وہیں رکھتے تھے جہاں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لب لگے ہوتے۔ ❷ اور ایک دوسرے موقعہ پر آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔'' ❸ الغرض مہندی ایک پاک شے ہے اور پاک جسم پر لگتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: ایک عورت کی معروف عادت یہ ہے کہ اسے ایام مخصوصہ دس دن آتے ہیں۔ مگر اس رمضان میں اسے یہ

❶ راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں جنابت میں مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں ہے، صرف تین لپ پانی سر پر ڈال کر بالوں کو اچھی طرح ہلائے، یہی کافی ہے۔ فضیلۃ الشیخ نے بھی پیچھے ایسے ہی لکھا ہے۔

❷ صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث : ٣٠٠۔ سنن ابی داؤد: كتاب الطهارة، باب فى مواكلة الحائض ومجامعتها، حديث : ٢٥٩۔ سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب سؤر الحائض، حديث : ٧٠.

❸ صحيح مسلم كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث : ٢٩٨۔ سنن ابی داؤد: كتاب الطهارة، باب فى الحائض تناول من المسجد، حديث : ٢٦١۔ سنن الترمذی: ابواب الطهارة، باب الحائض تتناول الشيء من المسجد، حديث : ١٣٤.

چودہ دن تک آتے رہے اور یہ پاک نہ ہوسکی اور پھر اس کے بعد اسے سیاہ یا زرد سا خون آنے لگا اور آٹھ دن تک یہی حالت رہی مگر ان دنوں میں وہ روزے رکھتی رہی اور نماز پڑھتی رہی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کے ان آٹھ دنوں کے نماز روزے درست ہیں یا نہیں یا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: حیض کے معاملات عورتوں کو بخوبی معلوم ہوتے ہیں اور مردوں کے مقابلہ میں یہ ہی ان امور سے زیادہ آگاہ ہوتی ہیں۔ تو اگر یہ عورت جس کے ایام معروف عادت سے بڑھ گئے، جانتی اور سمجھتی ہو کہ یہ واضح طور پر حیض ہی کا خون ہے تو اسے یہی لازم ہے کہ ان دنوں میں توقف کرے اور نماز روزہ نہ کرے۔ ہاں اگر مہینے کے اکثر دن اس حالت میں گزرتے ہیں تو یہ استحاضہ ہوگا اور پھر اسے اتنا ہی توقف کرنا ہوگا جتنا کہ اس کی سابقہ معلوم ومعروف عادت ہے۔

تو اس قاعدہ کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ طہر کے بعد آٹھ دنوں کے دوران جو تبدیل شدہ خون اسے آتا رہا ہے یہ حیض کا خون نہیں تھا۔ اور یہ بعض اوقات زرد، میلے یا کبھی سیاہ رنگ کی آلائش بھی ہوسکتی ہے تو اسے حیض نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے ان دنوں کے روزے اور نمازیں بالکل صحیح اور درست ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: نماز کا وقت شروع ہو چکا تھا کہ عورت کے ایام شروع ہوگئے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا ایام حیض کے دنوں کی نمازوں کی قضا دینی ہوتی ہے؟

جواب: اگر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد حیض شروع ہوا مثلاً سورج ڈھلے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا کہ یہ کیفیت شروع ہوگئی، تو اس کے ذمے ہے کہ ان ایام کے بعد جب طہر شروع ہو اپنی اس نماز کی قضا دے۔ کیونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا اور یہ پاک تھی اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء : ٤/ ١٠٣)

''بلاشبہ نماز مومنوں پر اپنے وقت پر فرض کی گئی ہے۔''

اور اسے ایام حیض کی نمازیں دُہرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ:

((أليستْ إذا حاضت لم تصل ولم تصم .))

''کیا بھلا ایسے نہیں ہے کہ عورت جب حیض سے ہو تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے۔''[1]

اور اہل علم کا اجماع ہے کہ عورتوں کو اپنی نمازوں کو دہرانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے جو اس سے ایام حیض میں فوت ہوگئی ہوں۔

[1] صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب ترك الحائض الصوم، حديث : ٣٠٤۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بيان نقصان الايمان بنقص الطاعات، حديث : ٨٠.

اسی طرح اگر یہ صورت ہو کہ جب وہ پاک ہو اور نماز کے وقت میں سے ایک رکعت ادا کرنے کا بھی وقت باقی ہو تو وہ اس وقت کی نماز پڑھے جس میں وہ پاک ہوئی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ

''جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے ایک رکعت بھی پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔''[1]

تو جب وہ عصر کے وقت پاک ہوئی ہو اور غروب ہونے میں ایک رکعت کا وقت بھی باقی ہو تو وہ عصر کی نماز پڑھے اور اسی طرح اگر وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پاک ہوئی ہو اور طلوع ہونے میں ایک رکعت کا وقت بھی باقی ہو تو وہ اس فجر کی نماز ادا کرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کو تقریباً نو دن خون آتا رہا اور اس نے نماز چھوڑ دی، اس خیال سے کہ یہ ماہانہ ایام کا خون ہے مگر چند دن کے بعد جو خون آیا اور معلوم ہوا کہ یہی خون (جو اسے بعد میں آیا) اس کی حقیقی عادت کا خون تھا، تو کیا اسے اپنے ان پہلے دنوں کی نماز دہرانی چاہیے یا نہیں......؟

جواب: افضل یہی ہے کہ یہ اپنے ان پہلے دنوں کی نمازیں دہرائے جن میں اس نے شبہ میں پڑ کر نماز نہیں پڑھی۔ اور اگر نہ بھی دہرائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استحاضہ والی عورت کو اس کے سابقہ دنوں کی نمازیں دہرانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ:

''مجھے استحاضہ آتا ہے بڑا سخت، اور میں اس میں نماز چھوڑ دیتی ہوں، تو آپ نے اسے حکم دیا کہ تو چھ یا سات دن حیض کے بنا اور مہینے کے باقی دنوں میں نماز پڑھا کر۔''[2]

تو آپ نے اسے چھوڑی ہوئی نمازوں کے دہرانے کا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا اگر وہ یہ نمازیں دُہرا لے تو بہت بہتر ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس پر سوال اور مؤاخذہ ہو کہ تو نے مسئلہ دریافت کیوں نہ کیا تھا۔ اور اگر نہ بھی دہرائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت حیض سے تھی اور حیا کے باعث نمازیں پڑھتی رہی، اس کے اس عمل کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب وہ حیض سے ہو یا نفاس میں تو وہ نماز پڑھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح بخاری: کتاب مواقیت الصلاة، باب من ادرك من الفجر ركعة، حديث: ٥٧٩۔ صحیح مسلم: كتاب المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة......، حديث: ٦٠٨۔ سنن الترمذی: كتاب الصلاة، باب ما جاء فيمن ادرك ركعة من العصر......، حديث: ١٨٦.

[2] سنن ابی داؤد: كتاب الطهارة، باب من قال اذا قبلت الحيضة الحيضة تدع الصلاة، حديث: ٢٨٧۔ سنن الترمذی: كتاب الطهارة، باب المستحاضة تجمع بين الصلاتين بغسل واحد، حديث: ١٢٨۔ سنن ابن ماجه: كتاب الطهارة، باب ما جاء في المستحاضة التي قدعدت ايام اقرائها، حديث: ١١٥.

((أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم .)) ❶

’’کیا یہ بات نہیں ہے کہ وہ جب حیض سے ہو تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔‘‘

اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حیض والی کو روزے رکھنے یا نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ اس عورت سے جس سے یہ ہوا ہے اسے چاہیے کہ اپنے عمل سے توبہ کرے اور اللہ سے استغفار کرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ ایام حیض میں اپنے حفظ سے زبانی قرآن کریم پڑھ لیا کرے...... اور ایسے ہی کیا اسے جائز ہے کہ اپنے نوخیز بچوں کو قرآن کریم پڑھا دیا کرے جبکہ وہ خود حیض سے ہو اور بچے بھی چھوٹے ہوں اور مکاتب میں زیر تعلیم ہوں؟

جواب: حائضہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرے نہ قرآن کریم سے دیکھ کر اور نہ حفظ سے زبانی۔ کیونکہ وہ حدث اکبر کی حالت میں ہے، اور جو حدث اکبر کی حالت میں ہو جیسے کہ حیض ہے یا جنابت اسے قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ جنابت کی حالت میں تلاوت قرآن سے پرہیز کرتے تھے اور حیض بھی جنابت ہی طرح حدث اکبر ہے اور تلاوت قرآن سے مانع ہے۔ ہاں...... اگر حفظ قرآن کریم بھول جانے کا ڈر ہو کہ ایام حیض میں اگر اس نے تلاوت کئی دن چھوڑے رکھی تو یاد کیا ہوا بھول جائے گا تو اس حالت میں اسے تلاوت کی اجازت ہے۔ کیونکہ یہ ایک لازمی ضرورت ہے۔

اور ایسے ہی کسی طالبہ کا حال ہے کہ قرآن کریم کا امتحان اور پرچہ دینا ہو، اور ادھر سے اس کے ایام حیض بھی شروع ہو جائیں...... اور یہ کئی کئی دن رہتے ہیں اور اس کے لیے ناممکن ہے کہ حیض کے بعد اس کا امتحان دے سکے تو اسے بغرض امتحان اس کی تلاوت کی اجازت ہے۔ کیونکہ اگر اس سے یہ امتحان رہ گیا تو وہ فیل ہو جائے گی اور اس میں اس کا بہت بڑا نقصان ہے۔ لہٰذا طالبہ کو بھی اس کی اجازت ہے کہ امتحان وغیرہ کے لیے قرآن کریم پڑھ سکتی ہے، زبانی بھی اور قرآن کریم دیکھ کر بھی، مگر شرط یہ ہے کہ براہ راست اسے ہاتھ نہ لگائے۔

مگر اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے اس کا پڑھنا...... جبکہ وہ حیض سے ہو، تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی ایسی اہم ضرورت نہیں ہے۔ ❷ (صالح فوزان)

سوال: کیا حائضہ عورت کے لیے جائز ہے کہ مثال دینے کے لیے یا کسی مسئلے میں استدلال کے لیے قرآنی آیات پڑھ لے اور ایسے ہی آیات کریمہ یا احادیث شریفہ لکھنے کا مسئلہ ہے؟

جواب: حائضہ عورت کے لیے جائز ہے کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کرے جن میں قرآنی آیات مذکور ہوں یا ان کی

---

❶ صحيح بخاري: كتاب الحيض باب ترك الحائض الصوم، حديث : ٣٠٤۔ صحيح مسلم: كتاب الايمان، باب بيان نقصان الايمان بنقص الطاعات، حديث : ٨٠ .

❷ اس مسئلہ میں اس سے بڑھ کر واضح فتویٰ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کا ہے جو آگے آ رہا ہے۔

تفسیر کی گئی ہو یا کسی مضمون وغیرہ کی تحریر میں مثال یا استدلال وغیرہ کے لیے قرآنی آیات لکھ لے یا کسی دعا اور ورد وغیرہ میں قرآنی آیات آ جائیں۔ کیونکہ ان اعمال کو تلاوت نہیں کہا جاتا اور ایسے ہی اس کو ایسی کتابوں کو ہاتھ لگانا اور اٹھانا بھی جائز ہے جن میں قرآنی آیات ذکر کی گئی ہوں کیونکہ یہ ایک لازمی ضرورت ہے۔

(عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا حائضہ عورت کی دعا و استغفار اللہ کے ہاں قبول ہوتی ہے؟

جواب: ہاں، کیوں نہیں۔ بلکہ عورت کو اپنی اس حالت میں بھی ذکر اذکار، دعا و استغفار بہت زیادہ کرنا چاہیے اور اس کی ترغیب ہے اور اس کا شوق کرنا چاہیے، بالخصوص مبارک اوقات میں۔ تو جب قبولیت دعا کے اسباب موجود ہوں گے تو اللہ تعالیٰ حائضہ عورت ہو یا دوسرے سبھی سے قبول فرماتا ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا حائضہ عورت کے لیے جائز ہے کہ عرفہ کے روز دعاؤں کی کتاب دیکھ کر پڑھ سکے جبکہ ان میں قرآن کریم کی آیات بھی ہوتی ہیں......؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی عورت بحالت حیض یا نفاس حج کی کتاب میں سے اذکار و دعوات دیکھ کر پڑھے۔ بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ اس حالت میں عورت قرآن کریم کی تلاوت بھی کر سکتی ہے کیونکہ ایسی کوئی صحیح و صریح نص نہیں ملتی جس میں حیض اور نفاس والی عورت کو تلاوت قرآن سے منع کیا گیا ہو۔ بلکہ جو حدیث آتی ہے وہ صرف جنبی کے لیے ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی ہے۔ حائضہ اور نفاس والی کے متعلق جو حدیث آتی ہے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے مگر ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی اسمٰعیل بن عیاش حجازیوں سے روایت کرتا ہے اور حجازیوں سے اس کی روایات ضعیف قرار دی گئی ہیں۔

تاہم یہ ضرور ہے کہ حائضہ یا نفاس والی عورت اگر قراءت کرے تو قرآنِ کریم کو (براہ راست) ہاتھ نہ لگائے بلکہ زبانی پڑھے۔ اور جنبی مرد ہو یا عورت، کسی کے لیے کسی صورت جائز نہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کرے نہ دیکھ کر نہ زبانی حتیٰ کہ غسل کر لے۔

اور ان دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ جنابت کا وقت بہت مختصر ہوتا ہے اور آدمی کے لیے عین ممکن ہوتا ہے کہ اس صورت حال کے جلد ہی بعد غسل کر لے، اور اس وقت میں کوئی زیادہ تطویل نہیں ہوتی بلکہ آدمی کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے کہ جب چاہے غسل کر لے۔ اور اگر کوئی پانی استعمال کرنے سے معذور ہو تو تیمم کر کے نماز اور قراءت کر سکتا ہے۔ مگر حائضہ اور نفاس والی کا معاملہ اپنے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ ہے اور حیض و نفاس میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں لہٰذا ان کے لیے قراءت قرآن کی رخصت ہے کہ کہیں بھول ہی نہ جائیں اور قراءت کے اجر و ثواب سے محروم نہ رہیں اور کتاب اللہ سے احکام شریعت سیکھتی رہیں۔

لہٰذا ایسی کتاب/کتابوں کا ان کے لیے پڑھ لینا بطریق اولیٰ جائز ہوگا کہ اوراد و اذکار کی ایسی کتابیں پڑھ

سکیں جن میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ وغیرہ درج ہوں۔ اس مسئلہ میں یہی بات صحیح اور علماء کے مختلف اقوال میں سے زیادہ راجح ہے۔ (عبدالعزیز ابن باز)

سوال: کیا حائضہ عورت کے لیے جائز ہے کہ مساجد میں درس وغیرہ کے اجتماع میں شریک ہو جائے؟

جواب: حائضہ عورت کے لیے مسجد میں رکنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر مسجد میں سے گزرنے کی ضرورت ہو تو گزر سکتی ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ اپنے جسم سے نکلنے والی آلائش سے مسجد کو کسی طرح آلودہ نہ ہونے دے۔ تو جب اسے مسجد میں رکنا جائز نہیں ہے تو اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ درس و ذکر یا قراءت قرآن کے لیے مسجد میں جائے...... ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اگر مسجد سے باہر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں لاؤڈ سپیکر کے ذریعے سے آواز پہنچ رہی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ عورت کے لیے بجا طور پر جائز ہے کہ وہ اپنی اس حالت میں درس و ذکر یا قراءت قرآن سنے۔ جیسے کہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ بعض اوقات اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود کا سہارا لے لیتے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہوتے تھے جبکہ وہ ایام سے ہوتی تھیں۔ ❶

مگر اس حال میں عورت کا مسجد میں جانا خواہ درس و ذکر یا قراءت قرآن ہی کی غرض سے کیوں نہ ہو، جائز نہیں ہے۔ جیسے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے ایام شروع ہو گئے ہیں تو آپ نے کہا: ''کیا بھلا یہ ہمیں روکنا چاہتی ہے؟'' یعنی آپ کو خیال ہوا کہ شاید اس نے طواف افاضہ نہیں کیا ہے۔ تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ طواف کر چکی ہیں .... الخ ❷ تو یہ حدیث دلیل ہے کہ عورت بحالت حیض مسجد میں نہیں رک سکتی خواہ عبادت ہی کی نیت رکھتی ہو۔ بلکہ اس کے مقابل یہ ثابت ہے کہ آپ نے خواتین کو حکم دیا کہ وہ عید کے روز نماز عید اور ذکر میں شمولیت کے لیے عیدگاہ میں حاضر ہوں مگر حیض والیوں کو حکم دیا کہ وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک حدیث میں آیا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ ''مسجد میں سے مجھے چٹائی اٹھا دو۔'' تو میں نے کہا کہ: میں ایام سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: ''تیرا حیض تیرے ہاتھ میں

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب قراءة الرجل فی حجر امرأته وهی حائض، حدیث : ۲۹۷۔ صحیح مسلم: کتاب الحیض باب جواز غسل الحائض رأس زوجها و ترجیله ، حدیث : ۳۰۱۔ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الحائض تتناول الشیٔ من المسجد، حدیث : ٦٣٤

❷ صحیح بخاری: کتاب الحج، باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت، حدیث : ۱٦۷۰۔ صحیح مسلم: کتاب الحج، باب بیان وجوه الاحرام و انه یجوز افراد الحج...، حدیث : ۱۲۱۱۔ صحیح ابن خزیمة : ٤/ ۳۱۰، حدیث : ۲۹٥٤

نہیں ہے۔"❶ اس حدیث کی تشریح مطلوب ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی اور کوئی کام نہیں کرسکتی۔ اللہ آپ کے علم و عمل میں برکت دے۔

جواب: نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ "میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا ہوں۔"❷ اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ﴾ (النساء : ٤/ ٤٣)

"اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے لگو، اور جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کرلو، ہاں اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ نے جنابت والوں میں سے صرف "راہ گزرنے والوں" کو مسجد میں سے جانے کی اجازت دی ہے۔ اور یہی حال حائضہ عورت کا ہے، وہ بھی مسجد میں رک نہیں سکتی ہے۔ ہاں گزرتے ہوئے ایک دروازے میں سے ہوکر دوسرے دروازے سے نکل جائے، یا کوئی چیز لینے کے لیے اندر جائے اور فوراً نکل آئے مثلاً کوئی برتن یا کتاب وغیرہ اٹھانی ہو تو لاسکتی ہے۔ اسی مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "مجھے مسجد میں سے چٹائی اٹھادو۔" تو انہوں نے حائضہ ہونے کا عذر کیا، تب آپ نے فرمایا کہ "تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔"❸

لہٰذا معنی و مفہوم یہ ہوا کہ ضرورت کی کوئی چیز مسجد کے اندر سے اٹھانی ہو تو حائضہ عورت اندر جاسکتی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، مگر وہاں بیٹھنا منع ہے۔ مذکورۂ بالا آیت کریمہ اور حدیث کی روشنی میں اس حد تک رخصت ہے کہ اندر جائے اور چیز لے کر واپس آجائے۔ اور اللہ ہی نیکی کی توفیق دینے والا ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

---

❶ صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله، حديث : ٢٩٨ - سنن ابى داؤد: كتاب الطهارة، باب فى الحائض تناول من المسجد، حديث : ٢٦١ - سنن الترمذى: ابواب الطهارة، باب الحائض تتناول الشئ من المسجد، حديث : ١٣٤ .

❷ سنن ابى داؤد: كتاب الطهارة، باب فى الجنب يدخل المسجد، حديث : ٢٣٢ - صحيح ابن خزيمة: ٢/ ٢٨٤، حديث : ١٣٢٧ - السنن الكبرى للبيهقى: ٢/ ٤٤٢، حديث : ٤١٢١ .

❸ صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجهَا و ترجيله، حديث : ٢٩٨ - سنن ابى داؤد: كتاب الطهارة، باب فى الحائض تناول من المسجد، حديث : ٢٦١ - سنن ابى داؤد: كتاب الطهارة، باب فى الحائض تناول الشئ من المسجد، حديث : ١٣٤ .

سوال: کیا حائضہ عورت کے لیے ممکن ہے کہ مسجد میں درس وغیرہ کے لیے آ جائے؟

جواب: حائضہ اور نفاس والی عورت اگر مسجد کے دروازے وغیرہ کے قریب بیٹھ کر درس و وعظ وغیرہ سے استفادہ کر سکتی ہو تو جائز ہے۔ مگر مسجد کے اندر بیٹھنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

((إنّى لا أحل المسجد لحائض ولا جنب .)) ❶

''میں حائضہ عورت یا کسی جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کر سکتا۔'' (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہمارے ہاں امریکہ میں ایک مسجد ہے جس کی تین منزلیں ہیں۔ سب سے اوپر والی منزل عورتوں کے لیے ہے، اس سے نیچے اصل مسجد ہے۔ اور اس سے نیچے تہ خانہ میں حمامات ہیں، دارالمطالعہ اور عورتوں کے لیے کلاس رومز ہیں، اور ایک کمرہ عورتوں کے لیے جائے نماز بھی ہے۔ کیا حائضہ عورتوں کو اس تہ خانے میں جانے کی اجازت ہے؟

نیز اس مسجد میں ستون کچھ اس طرح ہیں جو صفوں کے درمیان آتے ہیں اور ان سے نمازیوں کی صف دو حصے ہو جاتی ہے۔ تو کیا اس سے صف ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر یہ مکمل عمارت بطور مسجد ہی تعمیر کی گئی ہے، اور اوپر نیچے کی منزلوں والے امام کی آواز بخوبی سن لیتے ہیں تو ان سب کی نماز صحیح ہے۔ اور ایسی عورتیں جو ایام سے ہوں ان کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ نیچے والی منزل میں نماز کی جگہ میں بیٹھ سکیں، کیونکہ یہ جگہ مسجد کا حصہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

''میں مسجد کو حائضہ اور نفاس والی کے لیے حلال نہیں کرتا ہوں۔'' ❷

البتہ مسجد میں سے گزرنا، کوئی چیز وغیرہ لینے کے لیے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس سے کوئی آلائش نہ گرے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ (النساء : ٤/ ٤٣)

''اور جنابت کی حالت میں (مسجدوں میں مت جاؤ) مگر راہ گزرتے ہوئے۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ انہیں مسجد میں سے کچھ پکڑا دیں تو

---

❶ سنن ابی داؤد: كتاب الطهارة، باب فى الجنب يدخل المسجد، حديث٢٣٢ صحيح ابن خزيمة: ٢/ ٢٨٤، حديث: ١٣٢٧ السنن الكبرى للبيهقى: ٢/ ٤٤٢، حديث: ١٤٢١.

❷ یہ روایت بسیار کوشش کے باوجود مجھے نہیں ملی۔ ویسے بھی نفاس والی عورت تو گھر سے نکلتی نہیں، البتہ اگر بامر مجبوری اُسے مسجد میں جانا پڑے تو قرآنی اذن ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کے تحت گزر جانے کی اجازت تو موجود ہے۔ اور لفظ ''نفاس''، حیض کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ شاید یہاں بھی معنی کے تعین میں سہو واقع ہوا ہے۔ (عاصم)

انہوں نے کہا کہ میں ایام سے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔''[1]

اگر مسجد تعمیر کرنے والے نے نچلی منزل کے متعلق مسجد نہ ہونے کی نیت کی ہو، بلکہ یہی نیت ہو جیسے کہ سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ غسل جانے، سٹور، مکتبہ اور کلاس رومز ہی ہوں گے، تو اس صورت میں یہ منزل مسجد کے حکم میں نہیں ہوگی اور حائضہ عورت اور جنبی وغیرہ کے لیے وہاں بیٹھنا جائز ہوگا۔ اور پاک جگہ پر جو غسل خانوں کے حکم میں نہ ہو، نماز پڑھنا درست ہوگا جیسے کہ عام پاک مقامات کا حکم ہے اور وہاں کوئی مانع شرعی نہ ہو اور یہ بھی ہے کہ جو آدمی یہاں (نچلی منزل میں) نماز پڑھے وہ امام کی متابعت بھی نہ کرے جبکہ وہ اوپر والی منزل میں ہے اور امام کو یا کچھ مقتدیوں کو دیکھ نہیں رہا، کیونکہ یہ جگہ مسجد کے تابع نہیں ہے۔ علماء کے اقوال میں سے راجح یہی ہے۔

اور وہ ستون جن سے صف ٹوٹ جاتی ہے، اس سے نماز میں کوئی نقص نہیں آتا لیکن اگر ممکن ہو کہ صف ان ستونوں سے آگے یا پیچھے بنائی جائے تو یہ زیادہ افضل اور بہتر ہے تاکہ صف نہ ٹوٹے۔ واللہ الی التوفیق

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: کوئی عورت اگر اپنے حیض سے عصر یا عشاء کے وقت میں پاک ہوئی ہو تو کیا اسے ان نمازوں کے ساتھ ظہر یا مغرب کی نماز بھی ادا کرنی چاہیے اس بنا پر کہ یہ نمازیں حسب ضرورت جمع کر لی جاتی ہیں......؟

جواب: اس مسئلہ میں علماء کا صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ اگر عورت اپنے حیض یا نفاس سے عصر کے وقت میں پاک ہوئی ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے ساتھ ظہر کی نماز بھی ادا کرے۔ کیونکہ معذور کے لیے ان دونوں نمازوں کا ایک ہی وقت ہے مثلاً کوئی مریض ہو یا مسافر وغیرہ۔ اسی طرح یہ عورت بھی اپنے طہر کے مؤخر ہونے کے باعث معذور ہے۔ اور یہی صورت عشا کے وقت میں ہے کہ وہ اس کے ساتھ مغرب کی نماز بھی ادا کرے۔ بعض صحابہ کرام سے یہی فتویٰ منقول ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کسی عورت نے حج تمتع کی نیت سے احرام باندھا ہو، اور پھر بیت اللہ تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے ایام شروع ہو جائیں، تو وہ کیا کرے، کیا وہ عمرے سے پہلے حج کر سکتی ہے؟

جواب: اسے چاہیے کہ اپنے احرام کی حالت میں رہے۔ اگر یہ نویں ذوالحجہ سے پہلے پاک ہو جائے اور اسے عمرہ پورا کرنا ممکن ہو تو چاہیے کہ یہ اپنا عمرہ مکمل کر لے، پھر حج کا احرام باندھے اور عرفہ کی طرف روانہ ہو جائے اور باقی اعمال حج پورے کرے۔ اور اگر یہ عرفہ سے پہلے پاک نہیں ہوتی تو اسے چاہیے کہ اپنے عمرے کو حج میں

[1] صحیح مسلم: کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجیله، حدیث: ۲۹۸۔ سنن ابی داؤد: کتاب الطهارة، باب فی الحائض تناول من المسجد، حدیث: ۲۶۱۔ سنن الترمذی، ابواب الطهارة، باب الحائض تتناول الشیئ من المسجد، حدیث: ۱۳۴

داخل کردے اور یوں نیت کرے:

((اللهم إنّی أحرمتُ بحج مع عمرتی .))

''اے اللہ میں حج اور عمرے کی نیت کرتی ہوں۔''

اور اس طرح وہ حج قران والی بن جائے گی۔ اسے لوگوں کے ساتھ مل کر عرفہ وغیرہ کا وقوف اور دیگر اعمال حج سرانجام دینے چاہییں۔ اور اس کا یہی احرام اور طواف اور صفا و مروہ کی سعی جو وہ دسویں تاریخ یا اس کے بعد کرے گی (یعنی طواف زیارت، طواف افاضہ یا طواف صدر) حج اور عمرے دونوں کے لیے کافی ہوگی اور اس کو حجِ قیران کی قربانی دینا ہوگی جیسے کہ حج تمتع والے پر واجب ہوا کرتی ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: اگر کوئی عورت بیمار ہو، اس پر بدنظری یا جادو وغیرہ کا اثر ہو تو کیا اس پر قرآن کریم یا دوسری دعاؤں سے دم کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ حیض کی حالت میں ہو...... یا کوئی مرد مریض ہو اور وہ جنابت سے ہو......؟

جواب: قرآن پڑھنے والے کے لیے تو یہ شرط ہے کہ حدث اکبر سے پاک ہو (یعنی ایسی حالت سے پاک ہو جس میں اس پر غسل لازم ہوتا ہے) جیسے کہ جنابت ہے یا حیض وغیرہ اور مریض کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ بھی پاک ہو۔ لیکن اگر عورت کو حیض کا عارضہ ہو یا ان دونوں میں وہ کسی ایسی صورت حال سے دوچار ہو تو ضرورت کے پیش نظر اس پر قرآن پڑھا جا سکتا ہے اور وہ سبب کوئی بھی ہو سکتا ہے، جن ہو یا جادو یا بدنظری وغیرہ۔ (عبداللہ بن جبرین)

استحاضہ کے مسائل

سوال: کیا استحاضہ والی عورت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو دھو لے اور لنگوٹ باندھ لے اور نماز کے لیے وضو کر لیا کرے یا اسے ہر نماز کے لیے جنابت کی طرح غسل کرنا ہوگا......؟

جواب: استحاضہ والی عورت پر واجب ہے کہ حیض کے ایام ختم ہونے پر ایک بار غسل کر لے، اس کے بعد اس پر غسل واجب نہیں ہے حتیٰ کہ پھر وہی دن آ جائیں۔ دونوں میں (جن میں کہ اسے استحاضہ آتا رہتا ہے) ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کرے۔ (یہ اس کے طہر ہی کے دن شمار ہوں گے)۔ اس مسئلہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں آئی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئیں اور بتایا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو پاک نہیں رہتی ہوں، تو کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، یہ تو ایک رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ جب تیرا حیض آیا کرے تو نماز چھوڑ دیا کر، اور جب ختم ہوا کرے تو تو اپنے سے خون دھو اور پھر ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کر، حتیٰ کہ تیرا حیض کا وقت آ جائے۔''[1]

[1] صحیح بخاری: کتاب الوضوء، باب غسل الام، حدیث: ۲۲۸۔ صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب الاستحاضة، حدیث: ۳۰۶۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب المستحاضة و غسلها وصلاتها، حدیث: ۳۳۳.

اور یہ بھی ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو سات سال تک استحاضہ آتا رہا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ غسل کریں اور فرمایا کہ "یہ ایک رگ ہے"، چنانچہ وہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔ ❶

ان دونوں حدیثوں سے استدلال اس طرح ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مطلق اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مقید ہے، تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ ایسی عورت حیض کے اختتام پر ایک غسل کرے اور پھر ہر نماز کے لیے وضو کرتی رہے، اور اس کا ہر نماز کے لیے غسل اپنی اصل پر ہے یعنی "عدم وجوب۔" اگر ہر نماز کے لیے غسل واجب ہوتا تو نبی ﷺ بیان فرما دیتے، اور یہ بیان کا موقع تھا۔ اور نبی ﷺ کے لیے یہ ناممکن ہے کہ بوقت حاجت ضروری بات سے خاموش رہیں اور اس قاعدے پر علماء کا اجماع ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں ان احادیث کے بعد فرماتے ہیں:

"خیال رہے کہ مستحاضہ پر نمازوں کے لیے یا کوئی اور غسل واجب نہیں ہے سوائے اس وقت کے جب اس کا حیض پورا ہو جاتا ہے۔ سلف و خلف کے جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ اور حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ جناب عروہ بن زبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔" انتہی

(محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: ایسی عورت کا کیا حکم ہے جب اسے اپنے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ اسے آنے والا خون نہ معلوم حیض کا ہے یا استحاضہ کا، یا اس کے علاوہ کوئی اور ہے، تو وہ کس کا اعتبار کرے......؟

جواب: اصل میں یہ ہے کہ عورت کو آنے والا خون حیض ہی کا خون سمجھا جاتا ہے جب تک کہ ثابت ہو جائے کہ یہ استحاضہ کا خون ہے۔ لہٰذا اس عورت کا بھی یہ خون حیض کا سمجھنا چاہیے۔

سوال: جس عورت کو خون آتا ہی رہتا ہو وہ نماز روزہ کس طرح سے ادا کرے؟

جواب: اس قسم کی عورتیں جنھیں تسلسل کے ساتھ خون آتا ہو، ان کا حکم یہ ہے کہ اس عارضہ کے شروع ہونے سے پہلے کی عادت کے مطابق نماز روزے سے رکی رہیں۔ مثلاً اگر کسی کی عادت یہ رہی ہو کہ اسے ہر مہینے کے شروع میں چھ دن حیض آتا تھا تو اس عارضہ کے بعد بھی وہ حسب سابق مہینے کے شروع میں چھ دن حیض کے قرار سے اور نماز روزے سے توقف کرے، جب یہ دن گزر جائیں تو غسل کرے اور نماز روزہ شروع کر دے۔

اس طرح کی عورت کے لیے طہارت اور نماز کی ادائیگی کے لیے طریقہ یہ ہے کہ اپنی شرمگاہ کو اچھی دھو کر

❶ صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب المستحاضة و غسلها وصلاتها، حديث: ٣٣٤ـ سنن الترمذي: ابواب الطهارة، باب المستحاضة انها تغتسل عند كل صلاة، حديث: ١٢٩ـ سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب ذكر الاغتسال من الحيض، حديث: ٢٠٦.

لنگوٹ باندھ لے اور وضو کرلے اور یہ سب فرض نماز کا وقت شروع ہونے پر کرے اس سے پہلے نہ کرے اور پھر نماز پڑھے۔ اور اگر فرض نمازوں کے اوقات کے علاوہ میں نوافل پڑھنا چاہتی ہو تو بھی اسے ایسا ہی کرنا ہوگا۔ اس کے لیے اس کیفیت اور مشقت کی وجہ سے رخصت ہے کہ ظہر کو عصر کے ساتھ یا عصر کو ظہر کے ساتھ جمع کرلے اور ایسے ہی مغرب کو عشاء کے ساتھ یا عشاء کو مغرب کے ساتھ جمع کرلے، اس طرح اسے یہ ساری محنت دو نمازوں کے لیے ایک بار کرنا پڑے گی۔ ایک دفعہ ظہر وعصر کے لیے اور ایک دفعہ مغرب وعشاء کے لیے اور ایک دفعہ فجر کے لیے، بجائے اس کے کہ پانچ نمازوں کے لیے پانچ بار کرے اسے تین بار کرنا ہوگی۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا اس طرح کی عورت کے لیے جائز ہے کہ فجر کے وضو سے چاشت کی نماز بھی ادا کرلے......؟

جواب: یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ چاشت کی نماز کا اپنا ایک وقت ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد نیا وضو کرے۔ کیونکہ یہ مستحاضہ کی طرح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مستحاضہ کے لیے یہی ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے۔ [1] چنانچہ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر عصر تک ہے۔ اور عصر کا وقت ظہر کا وقت ختم ہوجانے کے بعد سے لے کر سورج زرد ہونے تک ہے یا بصورت ضرورت سورج غروب ہونے تک ہے۔ اور مغرب کا وقت سورج غروب ہونے سے لے کر شفق کے غروب تک ہے۔ اور عشاء کا وقت سرخ شفق کے غروب سے لے کر آدھی رات تک ہے۔ اور فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا اس عورت کے لیے جائز ہے کہ آدھی رات کے بعد قیام اللیل (تہجد) کے لیے عشاء کے وضو سے ہی یہ نماز پڑھ لے......؟

جواب: اس عورت کو چاہیے کہ اس عارضہ سے پہلے کی عادت پر عمل کرے۔ اسے مہینے کے شروع میں چھ دن حیض کے قرار دینے چاہییں اور ان کے لیے حیض کا حکم ہوگا، اور اس کے بعد استحاضہ ہے۔ اسے غسل کرکے نماز روزہ شروع کردینا چاہیے اور خون کی پروانہیں کرنی چاہیے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے استحاضہ آتا ہے اور میں پاک نہیں رہتی ہوں، تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ ایک رگ کا خون ہے، تجھے چاہیے کہ ان ایام کے بقدر جو تجھے پہلے حیض آتا تھا نماز چھوڑے رہ، پھر غسل کر اور نماز پڑھ۔'' [2] یہ صحیح بخاری میں ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ

---

[1] سنن ابی داؤد: کتاب الطھارۃ، باب من قال تغتسل من طھر الی طھر، حدیث: ٢٩٧۔ سنن الترمذی: کتاب الطھارۃ، باب المستحاضۃ تتوضأ لکل صلاۃ، حدیث ١٢٦، ١٢٧ سنن الدارمی: ١/ ٢٠٢

[2] صحیح بخاری: کتاب الوضوء باب غسل الدم، حدیث: ٢٢٨ و کتاب الحیض، باب الاستحاضۃ، حدیث: ٣٠٦۔ صحیح مسلم: کتاب الحیض باب المستحاضۃ و غسلھا وصلاتھا، حدیث: ٣٣٣.

آپ نے ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ: ''اتنے دن رکی رہ جتنے دن کہ تجھے تیرا حیض روکے رکھتا تھا، پھر غسل کر اور نماز پڑھ۔''❶ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا استحاضہ والی عورت کے ساتھ شوہر کا ملاپ جائز ہے......؟

جواب: مستحاضہ وہ عورت ہوتی ہے جسے خون آتا رہتا ہو مگر وہ حیض یا نفاس کا خون نہ ہو، اور اس کا حکم طاہرہ عورت والا ہوتا ہے۔ یہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اپنے شوہر کے لیے بھی حلال ہے۔ اسے چاہیے کہ ہر نماز کے لیے علیحدہ وضو کیا کرے جیسے کہ سلسل البول کے مریض کا حال ہوتا ہے یا جسے ہمیشہ ریاح خارج ہوتی رہتی ہو تو ایسی عورت کو لنگوٹ وغیرہ باندھ کر اپنا بچاؤ کرنا چاہیے کہ اس کا جسم یا کپڑے آلودہ نہ ہوں۔ اور یہ مسئلہ صحیح احادیث سے اسی طرح ثابت ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

نفاس کے مسائل

سوال: نفاس والی عورت کتنے دن نماز روزے سے رکی رہے اور ان دنوں میں اس کے شوہر کے لیے اس سے کیا کچھ جائز ہے......؟

جواب: نفاس والی عورت کے کئی احوال ہیں:

۱- اس کا خون چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی رک جائے اور پھر دوبارہ نہ آئے، تو ایسی عورت خون رک جانے پر غسل کرے اور نماز روزہ شروع کر دے۔

۲- اس کا خون چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی رک جائے مگر چالیس دن پورے ہونے پر پھر دوبارہ شروع ہو جائے تو اس صورت میں جب خون رک جائے تو غسل کرے اور نماز روزہ ادا کرے اور جب دوبارہ شروع ہو تو بھی یہ نفاس ہی کا خون ہے لہٰذا نماز روزے سے رک جائے اور ان دنوں کے پورے ہونے کے بعد روزوں کی قضا دے، نماز کی نہیں۔

۳- چالیس دن پورے ہونے تک خون جاری رہے تو اس ساری مدت میں یہ نماز روزے سے توقف کرے، اور خون رکنے پر غسل کرے اور نماز روزے میں مشغول ہو۔

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ خون چالیس دن سے زیادہ تک جاری رہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- یہ مزید دن اس کے حیض کی تاریخوں میں آ جائیں......۲- یا یہ زائد دن حیض کی تاریخوں کے علاوہ ہوں۔

❶ صحیح مسلم كتاب الحيض، باب المستحاضة و غسلها و صلاتها، حديث : ٣٣٤۔ سنن ابى داؤد: كتاب الطهارة، باب من قال اذا قبلت الحيضة تدع الصلاة، حديث : ٢٨٥ .

اگر یہ زائد دن حیض کی تاریخوں کے ہوں تو اسے حیض کے دن پورے ہونے تک رکنا ہوگا۔ اگر یہ زائد دن حیض کی تاریخوں کے نہیں ہیں تو اسے غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد اگر تین بار ایسا ہو تو یہ اس کی عادت سمجھی جائے گی اور پھر اس کے مطابق کرنا ہوگا، اور ان دنوں میں اگر اس نے روزے رکھے ہوں تو ان کی قضا دینی ہوگی، نماز کی قضا کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ اضافی دن پھر دوبارہ نہ ہوں تو اسے استحاضہ سمجھا جائے گا۔ (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: نفاس کے دنوں میں شوہر کے لیے بیوی سے کیا کچھ حلال ہے؟

جواب: ان دنوں میں شوہر کے لیے اس سے تلذذ جائز ہے مگر شرمگاہ سے بچنا ضروری ہے (واجب) ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے اور میں چادر باندھ لیتی اور پھر آپ میرے ساتھ لیٹ جاتے تھے جبکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔''❶ مقصد یہ ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ میں مباشرت جائز ہے۔ اور چالیس دن پورے ہونے سے پہلے، خواہ خون رک بھی جائے، جماع مکروہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ عمل ناپسندیدہ ہے۔ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کی بیوی چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے اسے منع کر دیا۔❷ کیونکہ اندیشہ ہوتا ہے کہ مباشرت سے خون دوبارہ نہ شروع ہو جائے۔ (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: اگر کوئی عورت نفاس میں چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو کیا شوہر اس سے ملاپ کر سکتا ہے؟ اور اگر چالیس دنوں کے بعد پھر خون جاری ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ بیوی کے نفاس کے ایام میں اس سے ملاپ کرے۔ ہاں اگر وہ ان چالیس دنوں کے اندر پاک ہو جاتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ نماز پڑھے، اور اس کی نماز بالکل صحیح ہوگی اور شوہر کے لیے بھی جائز ہوگا کہ ملاپ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۲۲)

''یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے یہ ناپاکی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب مت جاؤ حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں، تو جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کو

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب معاشرة الحائض، حدیث: ۳۰۰۔ سنن الترمذی: کتاب الطهارة، باب ما جاء فی مباشرة الحائض، حدیث: ۱۳۲.

❷ مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۳۱۳، حدیث: ۱۲۰۲.

آ ؤ جہاں سے کہ تم کو اللہ نے حکم دیا ہے۔“

الغرض جب تک یہ ناپاکی اور خرابی کی صورت باقی ہو...... اور اس سے مراد خون ہے...... ملاپ جائز نہیں ہے۔ جب اس سے پاک ہو جائے یہ عمل بھی جائز ہوگا جیسے کہ نماز پڑھنا اس کے لیے واجب ہوگا۔ اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جاتی ہے تو وہ سب کام کر سکتی ہے جن سے وہ ان دنوں میں رکی رہی تھی اور ان میں سے ایک کام ملاپ بھی ہے۔ تاہم بہتر ہے کہ شوہر صبر کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ملاپ کے نتیجے میں خون پھر شروع ہو جائے، حتیٰ کہ چالیس دن پورے ہو جائیں۔

اور عورت اگر چالیس دن پورے ہونے اور اس کے پاک ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ خون دیکھے تو اسے حیض خون کا شمار کیا جائے گا، نفاس کا نہیں۔ حیض کا خون عورتوں کے ہاں معلوم و معروف ہوتا ہے، تو جب وہ اسے محسوس کرے تو یہ حیض کا خون ہوگا۔ اور اگر یہ جاری رہے اور رکے نہیں تو اسے استحاضہ کہیں گے۔ تب اسے اپنی حیض کی سابقہ عادت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور ان دنوں اور تاریخوں میں یہ توقف کرے گی، اس کے بعد غسل کرے اور نماز شروع کر دے۔ واللہ اعلم (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر عورت اپنے نفاس سے چالیس دنوں سے پہلے ہی پاک ہو جائے تو اس کے ساتھ مباشرت کا کیا حکم ہے، مثلاً اگر وہ ولادت سے ایک ماہ بعد پاک ہو جاتی ہے اور نماز روزہ شروع کر دیتی ہے تو کیا شوہر اس سے قربت کر سکتا ہے؟

جواب: ہاں، جائز ہے۔ تاہم علماء کہتے ہیں کہ چالیس دن پورے ہونے سے پہلے قربت کرنا مکروہ تنزیہی ہے (یعنی پرہیز بہتر ہے) بہرحال اگر یہ عمل ہو جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مکروہ تنزیہی میں وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ وہ ابھی ابھی ولادت کے عمل سے گزری ہے اور اس کا جسم ابھی کامل طور پر اس قابل نہیں ہے حتیٰ کہ چالیس دن پورے ہو جائیں۔ تاہم اگر یہ عمل ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ پاک ہو۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن حمید)

سوال: کیا شوہر کے لیے جائز ہے کہ بیوی کے مرحلۂ ولادت کے بعد چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاپ کر لے؟ اگر تیس پینتیس دنوں کے بعد جبکہ وہ پاک ہو چکی ہو یہ کام کر لے تو کیا اس پر کچھ لازم آئے گا؟

جواب: بیوی کے ایام نفاس میں یعنی جب تک ولادت کا خون جاری رہے، اس سے ملاپ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو ملاپ مکروہ یعنی ناپسندیدہ ہے، گناہ نہیں ہے ان شاء اللہ، بشرطیکہ

وہ کامل طور پر پاک ہو چکی ہو جس میں اس پر نماز روزہ وغیرہ واجب ہوتا ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: نفاس والی عورت اگر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی پاک ہو جائے اور روزے رکھے تو کیا اس کے یہ روزے صحیح ہوں گے؟

جواب: اس خاتون کے روزے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ کیونکہ جب پاکیزگی حاصل ہو گئی خواہ چالیس دنوں سے پہلے ہی ہو تو یہ پاک عورتوں میں شمار ہے۔ (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: اگر عورت نے نفاس سے غسل کر لیا ہو اور چالیس دن گزر جانے کے بعد اسے پھر خون جاری ہو جائے، اور اسے یقین ہو کہ یہ نفاس ہی کا خون ہے، تو یہ عورت کیا کرے......؟

جواب: جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ عورت نماز روزے سے توقف کرے، کیونکہ صحیح بات یہی ہے کہ ایام نفاس کی کوئی حد نہیں ہے، اور یہ عورت مستحاضہ نہیں ہے۔ اگر اس کا خون واضح ہو اس میں میلا پن یا پیلا پن نہ ہو تو یہ توقف کرے اور اس کا حکم نفاس والا ہی ہے۔ (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: جب کوئی عورت نفاس سے ایک ہفتے کے اندر ہی پاک ہو گئی ہو اور پھر رمضان میں مسلمانوں کے ساتھ روزے بھی رکھے لیکن اسے خون پھر شروع ہو جائے تو کیا وہ اس حال میں روزے چھوڑ دے، اور کیا اسے پہلے رکھے گئے روزوں کی اور چھوڑے دنوں کی قضا دینی ہو گی......؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ عورت اپنے ایام نفاس میں چالیس دنوں کے اندر جب تک اسے خون جاری رہے روزے نہیں رکھ سکتی۔ اگر چالیس دنوں سے پہلے ہی خون رک جائے تو غسل کرے اور روزے رکھے۔ اگر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے خون دوبارہ شروع ہو جائے تو روزے رکھنا چھوڑ دے حتیٰ کہ چالیس دن پورے ہو جائیں اور خون رکنے کے دنوں میں جو اس نے روزے رکھے ہیں، وہ بالکل صحیح ہیں کیونکہ وہ اس نے ایام طہر میں رکھے ہیں، اس مسئلہ میں علماء کا یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ (صالح بن عبداللہ فوزان)

جواب: نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں کے اندر اندر پاک ہو جائے اور چند دن روزے رکھے اور پھر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے اسے خون جاری ہو جائے تو اس نے جو روزے رکھے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ اور دوبارہ خون شروع ہونے کی صورت میں جب چالیس دن پورے ہو جائیں تو اسے واجب ہے کہ غسل کرے خواہ خون بند نہ بھی ہو۔ کیونکہ علماء کے صحیح تر قول کے مطابق نفاس کے زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہیں اور پھر اسے چاہیے کہ اس کے بعد ہر نماز کے وقت نیا وضو کر لیا کرے حتیٰ کہ خون اچھی طرح بند ہو جائے جیسے کہ نبی ﷺ نے استحاضہ والی عورت کو حکم دیا تھا۔ چالیس دن پورے ہونے کے بعد شوہر کو بھی اجازت ہے کہ اس سے تمتع کر سکے

خواہ اسے طہر واضح نہ بھی ہو۔ کیونکہ یہ خون جیسے کہ بیان کیا گیا ہے اندرونی خرابی کے باعث ہے جو نماز روزے سے رکاوٹ نہیں ہے اور نہ ہی شوہر کے لیے ملاپ سے مانع ہے۔ لیکن اگر چالیس دنوں کے بعد آنے والا خون اس کی حیض کی تاریخوں میں آ رہا ہو تو اسے حیض قرار دے کر نماز روزہ چھوڑ دے اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر عورت کو رمضان کے دنوں میں خون کے معمولی نشان محسوس ہوں اور پورے رمضان اسے یہی صورت درپیش رہے تو کیا یہ روزے رکھے اور کیا اس کے یہ روزے صحیح ہوں گے......؟

جواب: ہاں، اس کے روزے بالکل صحیح ہیں اور خون کے یہ داغ جو اسے محسوس ہوئے ہیں یہ کچھ نہیں ہیں، کیونکہ یہ دوسری رگوں سے ہیں۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس قسم کے خون کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ ویسے ہی ہے جیسے کسی کو نکسیر آ جائے اور حیض نہیں ہے۔ [1] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایسی عورت کا کیا حکم ہے کہ اسے ولادت کا درد شروع ہوا اور پھر اس وجہ سے دو تین دن نماز نہیں پڑھ سکی، مگر اسے نفاس کا خون بھی جاری نہ ہوا، تو کیا اسے اپنی ان نمازوں کی قضا دینی ہوگی......؟

جواب: ہاں اسے یہ نمازیں بطور قضا پڑھنی ہوں گی۔ کیونکہ مرض اور درد وغیرہ کی وجہ سے نماز کی فرضیت نہیں ٹلتی ہے اور پھر اسے خون نفاس بھی شروع نہیں ہوا کہ اسے نفاس کی ابتدا کہہ سکیں۔ (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: ایک عورت حاملہ ہے اور اسے رہ رہ کر درد اٹھتے ہیں اور خون بھی بہت آتا ہے مگر ولادت نہیں ہوتی ہے، تو اس کے اس خون کا کیا حکم ہے......؟

جواب: یہ خون خراب اور اندرونی خرابی کے باعث آتا ہے، اسے اس وجہ سے نماز نہیں چھوڑنی چاہیے، خواہ جاری بھی رہے۔ اسے ہر نماز کے وقت کے لیے نیا وضو کرنا ہوگا۔ واللہ اعلم (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: اگر کسی عورت کو ولادت سے تین دن یا اس سے زیادہ پہلے ہی خون شروع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے......؟

جواب: فقہاء رحمہم اللہ کا اس مسئلہ میں کہنا یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو ولادت سے پہلے خون شروع ہو جائے اور تین دن سے زیادہ یہ کیفیت رہے تو یہ اندرونی خرابی کی وجہ سے ہے، خونِ نفاس نہیں ہے اور نہ اس کے لیے نفاس کا حکم ہے۔ اور کچھ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ خواہ ولادت کی علامات بھی موجود ہوں۔ مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ بہرحال ان کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس بارے میں عورت یا عورتوں کی عادت اور ان کا عرف کیا ہے، تین دن کی کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے نہ شرعاً اور نہ عرفاً۔ بلکہ جب اسے نفاس کی ابتدا محسوس ہو کہ یہ وہی خون ہے جو حمل کے ایام میں بطن میں رکا رہا تھا تو یہ نفاس ہی ہوگا، اور نفاس کے مقدمات بعض اوقات تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے کہ بعض واقعات سے ثابت ہوا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں عرف (اور عادت) کی

[1] مصنف ابن ابی شیبة: ١/ ٨٩، حدیث: ٩٩٤.

طرف رجوع کرنا زیادہ بہتر ہے بجائے اس کے جو اِن حضرات نے بلا دلیل مقید طور پر کہہ دیا ہے۔ واللہ اعلم

(عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی)

سوال: اگر نفاس کا خون چالیس دنوں سے زیادہ تک جاری رہے تو کیا ایسی عورت کو نماز روزہ ادا کرنا ہوگا؟

جواب: اگر ولادت کے بعد عورت کو چالیس دن سے زیادہ تک خون جاری رہتا ہے اور اس کی رنگت وغیرہ تبدیل نہیں ہوتی ہے..... تو اگر زائد ایام اس کے سابقہ ایام حیض کی تاریخوں میں آئے ہیں تو یہ عورت توقف کرے اور نماز روزے سے رکی رہے۔ اور اگر یہ زائد ایام اس کے ایام حیض کی تاریخوں کے علاوہ ہیں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض کا کہنا ہے کہ اسے چالیس دنوں کے بعد غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دینا چاہیے خواہ خون آ رہا ہو، اور یہ عورت مستحاضہ کے حکم میں ہوگی۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اسے انتظار کرنا چاہیے حتیٰ کہ ساٹھ دن پورے ہو جائیں کیونکہ یہ بھی پایا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنے نفاس سے ساٹھ دنوں میں پاک ہوتی ہیں اور یہ امر واقع بھی ہے کہ کچھ کا نفاس ساٹھ دنوں تک جاری رہتا ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ ساٹھ دن تک انتظار کرے، پھر اس کے بعد اپنی سابقہ عادت ایام حیض کی طرف رجوع کرے اور حیض کے ایام میں توقف کرے۔ اس کے بعد غسل کرے اور نماز شروع کرے۔ اگر پھر بھی جاری رہتا ہے تو یہ مستحاضہ ہوگی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کو چالیس دن پورے ہونے سے پانچ دن پہلے ہی خون رک گیا، اور اس نے نماز روزہ شروع کر دیا، مگر چالیس دن پورے ہونے کے بعد خون پھر شروع ہو گیا..... تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی نفاس والی خاتون چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی پاک ہو جاتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ نماز پڑھے، رمضان ہو تو روزے بھی رکھے۔ اور یہ اپنے شوہر کے لیے بھی حلال ہوگی خواہ چالیس دن پورے نہ بھی ہوئے ہوں۔ اور سوال میں جس عورت کا پوچھا گیا ہے کہ یہ پینتیس دنوں کے بعد پاک ہوگئی ہے تو اسے بھی نماز روزہ لازماً ادا کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے یہ روزے اور نمازیں بالکل برمحل اور صحیح ہیں۔ اور پھر چالیس دن پورے ہونے کے بعد جو خون جاری ہوا ہے یہ حیض ہے، الا یہ کہ بہت زیادہ دن جاری رہے، تو اسے اپنی سابقہ عادت کے مطابق توقف کرنا ہوگا، پھر اس کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دینی چاہیے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کا خون نفاس دو ہفتے جاری رہا، اس کے بعد آہستہ آہستہ زرد رنگ کی آلائش میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا جیسے کہ ناک کی ریزش ہوتی ہے اور چالیس دنوں تک ایسے ہی رہا۔ تو یہ آلائش جو خون کے بعد آ تی رہی ہے یہ نفاس کے حکم میں ہے یا کچھ اور......؟

جواب: یہ زرد رنگ کی آلائش یا رطوبت خون نفاس کے حکم میں ہے جب تک کہ صاف واضح طور پر طہارت نہ

دیکھے۔ جب تک یہ آلائش آتی رہے یہ پاک شمار نہیں ہوگی۔ واضح طہارت دیکھنے کے بعد غسل کرے اور نماز شروع کرے خواہ یہ چالیس دنوں سے پہلے ہی ہو جائے۔ اور بعض عورتیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ انھیں چالیس دن تک رکنا ہے خواہ وہ پاک بھی ہو جائیں تو یہ غلط خیال ہے۔ عورت خواہ دس دن کے بعد پاک صاف ہو جائے اس پر نماز پڑھنا واجب ہو جاتا ہے اور ہر وہ عمل لازماً ہوتا ہے جو پاک عورتوں پر لازم آتا ہے۔ حتیٰ کہ یہاں بیوی کا ملاپ بھی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت جسے تیسرے مہینے میں اسقاط ہوا ہے، کیا وہ نفاس والی کے حکم میں ہے یا نہیں، اور اس کے لیے نماز کا کیا حکم ہے......؟

جواب: اہل علم کے ہاں معروف یہی ہے کہ جب کسی عورت کو تین مہینے کے بعد اسقاط ہو تو وہ نماز نہیں پڑھے گی کیونکہ اس سے ایک بچے کا اسقاط ہوا ہے جس کی خلقت شروع ہو چکی تھی، تو اس سے نکلنے والا خون نفاس ہی کا ہوگا، لہٰذا نماز نہ پڑھے۔ اور علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ حمل کے اکاسی دن پورے ہونے پر بچے کی خلقت واضح ہو سکتی ہے اور یہ مدت تین مہینے سے کم ہے۔ تو جب عورت کو یقین ہو کہ تین مہینے کے بعد اس کے بطن سے جو خارج ہوا ہے وہ جنین (بچہ) ہے، تو اسے آنے والا خون نفاس کا خون ہوگا۔ مگر اسّی دن سے پہلے جو ہو تو یہ خرابی کا خون ہوگا۔ اس وجہ سے یہ نماز نہیں چھوڑ سکتی۔ تو یہ سوال کرنے والی خاتون کو یاد کرنا چاہیے کہ اگر یہ اسقاط اسّی دن سے پہلے ہوا ہے تو اسے ان دنوں کی نمازیں بطور قضا پڑھنی چاہییں۔ اور اگر اسے یہ یاد نہ ہو کہ کتنے دن نمازیں چھوڑی تھیں تو اسے اندازہ لگا کر غالب گمان کے مطابق قضا دے دینی چاہیے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کے جنین کا اسقاط ہو گیا، تو اس کے بعد آنے والے خون کا کیا حکم ہے......؟

جواب: اہل علم کا کہنا ہے کہ ساقط ہونے والے جنین میں اگر انسان کی خلقت واضح ہو چکی تھی تو اس کے نتیجے میں آنے والا خون نفاس کا خون ہے۔ عورت کو ان دنوں میں نماز روزہ چھوڑ دینا چاہیے اور خوب پاک ہونے تک شوہر بھی اس سے الگ رہے۔ اور اگر ساقط ہونے والے میں انسانی خلقت واضح نہیں تھی تو یہ خون نفاس کا شمار نہیں ہوگا بلکہ یہ اندرونی خرابی کا نتیجہ ہے جو نماز روزے وغیرہ سے مانع نہیں ہے۔

اہل علم کا کہنا ہے کہ کم از کم مدت جس میں بچے کی خلقت واضح ہو جاتی ہے وہ اکاسی دن ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیان فرمایا...... اور وہ اپنی بات میں سچے ہیں اور مصدوق بھی (یعنی دوسروں نے آپ کی تصدیق کی ہے) فرمایا: تم میں سے ایک اپنی ماں کے بطن میں چالیس دن تک رہتا ہے، پھر وہ منجمد خون کا لوتھڑا بن جاتا ہے، اور اتنی ہی مدت رہتا ہے، اس کے بعد وہ گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے، اور اتنے ہی دن رہتا ہے پھر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے، اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا

ہے چنانچہ وہ اس کا رزق، عمر، عمل اور اس کا بخت آور یا بد بخت ہونا وغیرہ لکھتا ہے۔ [1]

سو اگر عورت اپنے جنین کو اسّی سے کم دنوں میں ساقط کرے تو اس کا یہ خون نفاس کا نہیں ہوگا، کیونکہ اس مدت میں جنین (بچے) کی خلقت واضح نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اس عورت کو نماز روزہ رکھنا ہوگا جیسے کہ پاک عورتیں رکھتی ہیں۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر عورت وضع حمل کی کیفیت میں ہو، اور اسے ہسپتال لے جایا گیا، اور اس کے لیے معمول کی ولادت مشکل ہوگئی تو اس کا آپریشن کیا گیا، تو کیا اس کی یہ کیفیت نفاس والی شمار ہوگی، اور اسے معین مدت تک نماز روزہ چھوڑ دینا ہوگا۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے......؟

جواب: ہاں اگر عورت کا اس کی شرمگاہ سے بسبب ولادت خون جاری ہوتا ہے تو یہ نفاس والی شمار ہوگی۔ اگر خون بالکل ہی نہیں نکلتا ہے تب یہ نفاس والی نہیں ہوگی اور اس پر نماز روزہ رکھنا فرض ہوگا۔ علماء نے ایسے ہی لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کو ولادت میں کوئی خون نہیں نکلتا ہے تو یہ نفاس والی نہیں سمجھی جائے گی۔ جیسے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس عورت کے متعلق پوچھا گیا جس نے بغیر کسی خون وغیرہ کے بچے کو جنم دیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: ''اس عورت کو اللہ نے پاک رکھا ہے۔'' یعنی یہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ولادت میں شرمگاہ سے خون جاری ہو تو یہ نفاس ہے اور اسے پاک ہونے تک توقف کرنا ہوگا۔ اس کے بعد غسل کر کے نماز شروع کرے۔ اور اگر سرے سے کچھ نہیں نکلتا ہے، تو اسے نماز پڑھنی چاہیے یہ نفاس والی نہیں ہے۔ علمائے حنابلہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن حمید)

سوال: ایام نفاس کے دوران چالیس دن تک زرد رنگ کی رطوبت سی آتی رہتی ہے، تو کیا اس صورت میں نماز روزہ رکھا جائے؟

جواب: ولادت کے بعد عورت کے جسم سے جو بھی خارج ہو مثلاً خون، زرد یا میلے رنگ کی رطوبت اور آلائش وغیرہ تو اس کا حکم نفاس کا ہے۔ کیونکہ یہی فطرت ہے حتیٰ کہ چالیس دن پورے ہو جائیں۔ اور اس کے بعد اگر معروف خون آئے اور اس میں کسی قسم کا انقطاع نہ ہو تو یہ نفاس ہی ہوگا، ورنہ استحاضہ وغیرہ ہوگا۔

(عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا نفاس والی عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایام نفاس پورے ہونے تک اپنے گھر ہی میں

---

[1] صحيح بخاري: كتاب الانبياء، باب قول الله تعالىٰ "واذ قال ربك للملائكة انى جاعل......"، حديث: ٣١٥٤۔ صحيح مسلم: كتاب القدر، باب كيفية الخلق الآدمى فى بطن امه......، حديث: ٢٦٤٣۔ سنن ابى داؤد: كتاب السنة، باب فى القدر، حديث: ٤٧٠٨.

رہے اور باہر نہ جائے......؟

جواب: نفاس والی عورت کا حکم عام مسلمان عورتوں کا سا ہے۔ حسب ضرررت اسے گھر سے باہر جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی ضرورت نہ ہو تو تمام عورتوں کے لیے افضل یہی ہے کہ اپنے گھروں کے اندر ہی رہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اور اپنے گھروں کے اندر ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے سے انداز میں اپنی زینت کا اظہار مت کرتی پھرو۔''

اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

اذان کے مسائل

سوال: عورت کے لیے اذان کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اذان کہے، اور نہ ہی یہ عورتوں کے لائق ہے۔ کیونکہ یہ ایک ظاہر اور اعلان کا عمل ہے، جو صرف مردوں سے متعلق ہے جیسے کہ جہاد وغیرہ کے اعمال صرف مردوں ہی سے متعلق ہیں۔ اگر چہ عیسائیوں نے یہ نامعقولیت اختیار کر رکھی ہے کہ عورتوں کو مردوں والے اعلیٰ مناصب اور ان کی ذمہ داریاں بھی دے دیتے ہیں انہوں نے مردوں اور عورتوں کے مابین مساوات کے نام سے یہ کام شروع کر رکھا ہے۔ [1] (محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ اذان اور اقامت کہے...... اگر عورت جنگل میں اکیلی ہو...... یا عورتوں ہی کا اجتماع ہو تو کیا وہ یہ کام کر سکتی ہے؟

جواب: عورتوں کے لیے اذان یا اقامت کہنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ کہیں مقیم ہوں یا سفر میں ہوں۔ اذان اور

[1] جو یقیناً عقل، شرع اور فطرت کے خلاف اور طبقہ خواتین پر ظلم ہے، مگر انہیں اس کا احساس تک نہیں ہے (ع۔ف۔س)

اقامت ایسے اعمال ہیں جو مردوں کے لیے خاص ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی صحیح احادیث سے ایسے ہی ثابت ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت اپنی نماز کے لیے اقامت کہہ سکتی ہے...... اور اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ہاں عورتیں اقامت کہہ سکتی ہیں۔ اگرچہ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ عورت کے لیے اذان یا اقامت کہنا جائز نہیں ہے۔ اور ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جو سنن بیہقی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((لا اذان و لا إقامة على النساء .)) [1] ''یعنی عورتوں کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہے۔''

لیکن امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف اور ان کا اپنا قول ہے، اور ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت بھی ذکر کی گئی ہے جو انتہائی ضعیف ہے کہ:

((النساء عين وعورات فاستروا عينهن بالسكوت وعوراتهن بالبيوت .)) [2]

''عورتوں میں ایک طرح کا جھول ہوتا ہے اور یہ چھپانے کے لائق ہیں۔ سو ان کے جھول کو خاموشی کے ذریعے سے اور ان کی شخصیات کو گھروں کے ذریعے سے چھپاؤ۔''

مگر اس روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے۔

رہی دلیل اس بات کی کہ عورتوں کے لیے اقامت جائز ہے، وہ حدیث ہے جسے 'حدیث مسئی الصلاۃ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو بخاری ومسلم میں روایت کی گئی ہے اور ابو داؤد میں بھی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس نمازی سے فرمایا تھا کہ:

((فتوضأ كما أمرك الله ثم تشهد وأقم .)) [3]

''پھر وضو کر جیسے کہ تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے پھر دعا پڑھ اور اقامت کہہ۔''

اور عورتیں بھی مردوں ہی کی طرح اور ان ہی کی جنس سے ہیں اور شرعی مسائل مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے بنیادی طور پر ایک سے ہیں سوائے اس کے جہاں ان میں کسی تفریق کا بیان آ جائے، اور اس مسئلہ میں

---

[1] سنن الکبری للبیہقی میں یہ روایت فضیلۃ الشیخ کے ذکر کردہ الفاظ کے بجائے "ليس على النساء اذان ولا اقامة" ہیں، دیکھیے: السنن الكبرى للبيهقي: ١/ ٤٠٨، حديث١٧٧٩

[2] یہ روایت فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ کے ساتھ مجھے نہیں مل سکی البتہ "انما النساء عيّ و عورة فكفوا عيهن بالسكوت واسة وا عوراتهن بالبيوت" کے الفاظ سے ملی ہے دیکھیے: العلل المتناهيه فى الاحاديث الواهيه، لابن جوزی:٢/ ٦٣٢ روایت نمبر ١٠٤٤، طبع دار الكتب بيروت بتحقيق خليل الميس۔ الفاظ میں معمولی فرق کے ساتھ یہ روایت کنز العمال (طبع بیروت) ١٦/ ٤٦٥ حديث ٤٤٩٦٨ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ (عاصم)

[3] سنن ابی داؤد: كتاب الصلاة، باب من لا يقيم صلبه فى الركوع......، حديث : ٨٦١۔ سنن الترمذى: كتاب ابواب الصلاة، باب وصف الصلوٰة، حديث : ٣٠٢۔ صحيح ابن خزيمة: ١/ ٢٧٤، حديث : ٥٤٥ .

تفریق کی کوئی دلیل وارد نہیں ہے۔ چنانچہ عورتوں کے لیے اقامت کہنا جائز ہوگا مگر وہیں جہاں اجنبی مرد موجود نہ ہوں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ مردوں کی موجودگی میں اذان کہے خواہ نماز کے لیے نہ بھی ہو......؟

جواب: نہیں، اس کے لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عمل شریعت کے خلاف ہے۔

سوال: کیا عورت کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ نماز کے لیے اذان اور اقامت کہے بالخصوص جب وہ گھر میں اکیلی ہو یا صرف عورتوں کے مجمع میں ہو......؟

جواب: نہیں، یہ اس کے لیے کوئی واجب نہیں اور نہ ہی جائز ہے۔

سوال: مجھے یہ تو معلوم ہے کہ عورت اقامت نہیں کہہ سکتی، لیکن اگر کیا جب وہ عورتوں کی جماعت کرا رہی ہو تو تب بھی نہیں کہہ سکتی؟

جواب: عورتوں کے لیے اقامت کہنا سنت سے ثابت نہیں ہے، خواہ وہ اکیلی اکیلی پڑھیں یا کوئی ایک ان میں سے ان کی جماعت کرائے۔ جیسے کہ ان کے لیے اذان کہنا جائز نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

نماز کی شرائط اور واجبات

سوال: عورت کا جسم جو چھپائے جانے کے لائق ہے (اور عورۃ یا ستر کہلاتا ہے) کیا نماز اور غیر نماز میں ان میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

جواب: آزاد بالغ عورت کے لیے نماز میں اس کے چہرے کے علاوہ سارا جسم قابلِ ستر ہے یعنی اسے چھپا ہوا ہونا چاہیے۔ صرف چہرہ قابل ستر نہیں ہوتا۔ بلکہ سنت یہ ہے کہ وہ اپنا چہرہ کھول کر نماز پڑھے۔ اگر وہ منہ ڈھانپ کر نماز پڑھے گی تو نماز تو ہو جائے گی مگر وہ ایک افضل عمل کی تارک ہوگی۔ اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب وہ اجنبیوں سے علیحدہ ہو۔

عورت کے قابل ستر جسم کا نماز اور غیر نماز میں یہی فرق ہے کہ نماز کے دوران میں چہرہ قابل ستر نہیں ہے، اور غیر نماز میں اجنبیوں اور غیر محرموں سے چھپانا ضروری ہے۔ اجنبیوں کے سامنے عورت کا بے پردہ اور بے حجاب ہونا حرام ہے، حتیٰ کہ طواف اور نماز کے دوران بھی...... جہاں اجنبی موجود ہوں...... چہرہ کھولنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کے حرام ہونے کی وجہ ''فتنہ'' ہے۔ عورت کا جسم اور زینت کے مقامات بالخصوص مردوں کے جذبات کو ابھارنے کا باعث بنتے ہیں، اس کے لیے ان کا نمایاں کرنا حرام ہے اور ان میں سے ایک ''چہرہ'' بھی ہے اور اس کی خصوصیت ہے۔

اگرچہ عریانی کے دلدادہ لوگوں نے چہرہ کھولنے کا کہا ہے اور اس طرح انہوں نے فتنے کا ایک بڑا دروازہ

کھولا ہے اور ہمارے کچھ ائمہ بھی اس کے قائل ہوئے ہیں، مگر حق اس لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، جہاں سے ملے اور جس سے ملے اور ائمہ کرام اپنے اجتہاد میں قابل اجر ہیں اور ان شاء اللہ معذور بھی ہیں۔ رحمہم اللہ

(محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

سوال: اگر کوئی عورت حجاب پہنے ہوئے نہ ہو اور اسے نماز پڑھنی پڑ جائے یا اس کا پردہ شرعی تقاضوں کے مطابق نہ ہو مثلاً اس کے بال کچھ ظاہر ہوں یا کسی سبب سے کچھ پنڈلیاں بھی عریاں ہو تو اس کا کیا حکم ہے......؟

جواب: پہلے تو یہ جاننا چاہیے کہ پردہ کرنا عورت پر واجب ہے، بے پردہ رہنا یا اس میں غفلت کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ سو اگر نماز کا وقت ہو جائے اور کوئی مسلمان خاتون کامل حجاب سے نہ ہو یا ویسے بے پردہ ہو تو اس میں تفصیل ہے:

۱- اگر اس کا پردہ نہ کرنا کسی مجبوری و اضطراری حالات کے سبب سے ہو، اور وہ نماز پڑھتی ہے تو اس سبب سے اس کی نماز صحیح ہو گی اور اس پر گناہ نہیں ہو گا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی ہمت سے زیادہ کا مکلّف نہیں فرماتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۶۴/ ۱۶)

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنی تمہاری ہمت ہو۔''

۲- اور اگر اس کا پردہ نہ کرنا یا کرنا اس کے اپنے اختیار سے ہو مثلاً لوگوں کی دیکھا دیکھی یا رواج کے تحت وغیرہ اور وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ ننگے رکھتی ہے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ اور اگر اجنبی مرد بھی وہاں موجود ہوں تو نماز صحیح ہے مگر یہ عمل گناہ ہے۔ اور اگر وہ پنڈلیاں، بازو اور سر کے بال بھی ننگے رکھتی ہے تو اس حال میں اس کی نماز جائز نہیں ہے، اور اگر پڑھتی ہے تو باطل ہے اور بہت بڑی گناہ گار ہے، اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک غیر محرموں کے سامنے بے پردہ ہونا اور دوسرے اسی حالت میں نماز پڑھنا۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں ایک وقت تک حجاب کے بغیر نماز پڑھتی رہی ہوں، کیونکہ مجھے اس مسئلے کا علم نہ تھا کہ نماز میں عورت کو باحجاب ہونا چاہیے، تو کیا مجھے اب ان دنوں کی نمازیں دُہرانا ہوں گی جبکہ وہ مدت بھی ایک لمبی مدت ہے، تقریباً چھ سات سال اور کیا نفل اور سنتیں بھی دہرانا ہوں گی؟

جواب: اگر بات ایسے ہی ہے جیسے کہ ذکر کی گئی ہے کہ اسے نماز میں باحجاب ہونے کا مسئلہ معلوم نہ تھا تو اسے اس گذشتہ مدت کی نمازیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے توبہ کرنی چاہیے اور دیگر اعمال صالحہ کثرت سے

کرنے چاہییں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۝﴾ (طٰهٰ : ۲۰/ ۸۲)

''میں البتہ خوب بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرلے اور ایمان لائے اور عمل صالح اپنائے اور سیدھی راہ اختیار کرلے۔''

اسی طرح کی اور بھی آیات آئی ہیں۔ اور معلوم رہے کہ عورت کے لیے نماز کے دوران اپنا چہرہ کھلا رکھنا سنت ہے بشرطیکہ وہاں اجنبی لوگ موجود نہ ہوں۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا نماز کے دوران میں اگر عورت کے کچھ بال ننگے ہوں تو کیا اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے؟

جواب: اگر نماز کے دوران میں کسی عورت کے کچھ بال یا کوئی معمولی بدن ننگا ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اسے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ لیکن بہت زیادہ بال یا جسم کا زیادہ حصہ ننگا ہو اور نماز کا وقت باقی ہو تو اکثر علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک اسے نماز دہرانی چاہیے۔ واللہ اعلم

(شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

سوال: کیا ضروری ہے کہ عورت نماز کے لیے پاجامہ/ پینٹ اتار دے، میں نے اکثر عورتوں کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے اور میری بیوی بھی ایسے ہی کرتی ہے؟

جواب: واجب ہے کہ عورت ایسے لباس میں نماز پڑھے جو اس کے سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ جیسے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

((لا يقبل الله صلاة حائض الا بخمار .)) [1]

''اللہ تعالیٰ کسی جوان بالغ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتا۔''

اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ لمبی قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ لے جبکہ اس نے نیچے کی چادر نہ باندھ رکھی ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب قمیص خوب ڈھانپنے والی ہو کہ اس کے قدموں کے اوپر تک کو چھپا لے [2] [تو درست ہے] (اسے ابو داود نے روایت کیا اور ائمہ کا کہنا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہے) اور عورت کے لیے

---

[1] سنن الترمذی: کتاب الصلاة، باب لا تقبل صلاة المرأة الا بخمار، حديث : ٣٧٧۔ سنن ابی داؤد: كتاب الصلاة، باب المرأة تصلى بغير خمار، حديث : ٦٤١۔ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب اذا حاضت الجارية لم تصل الا بخمار، حديث: ٦٥٥۔ مسند احمد بن حنبل ٦/ ١٥٠، حديث: ٢٥٢٠٨ صحيح.

[2] سنن ابی داؤد: كتاب الصلاة، باب فی كم تصلی المرأة، حديث : ٦٤٠۔ المستدرك للحاكم: ١/ ٢٥٠ حديث : ٦٣٩۔ مؤطا امام مالك: ١/ ١٤٢، حديث : ٣٦.

نماز میں اس کا سارا جسم قابل ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے۔ لیکن اگر وہاں اجنبی بھی موجود ہوں تو اسے اپنا چہرہ اور ہاتھ بھی چھپا لینے چاہییں۔ اور پاجامہ یا پینٹ اگر پاک ہو تو اس میں نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا کوئی ایسا شرعی حکم موجود ہے جس کی رُو سے عورت کو نماز کے لیے پاجامہ/ پینٹ اتار دینی لازم ہو۔ خیال رہے کہ عورت حجاب استعمال کرتی ہے اور پاجامہ/ پینٹ بھی پاک ہوتی ہے۔ اگر یہ شرعی حکم ہے تو اس کی کیا حکمت ہے؟

جواب: شریعت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس کی رُو سے عورت یا کسی اور کے لیے ضروری ہو کہ وہ نماز کے لیے پاجامہ/ پینٹ اتار دیا کرے، جبکہ وہ پاک بھی ہو۔ (مجلس افتاء)

سوال: بہت سی عورتیں غفلت کرتی ہیں اور نماز کے دوران میں ان کے بازو عریاں ہوتے ہیں، اور پاؤں بھی اور بعض اوقات کچھ پنڈلیاں بھی۔ تو کیا اس حالت میں ان کی نماز صحیح ہے؟

جواب: مسلمان عورت جو آزاد ہو اور شرعی احکام کی پابند بھی، اس پر واجب ہے کہ نماز کے دوران میں اپنے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ اپنا سارا بدن ڈھانپے۔ کیونکہ عورت سراسر چھپانے کے لائق ہے۔ اور اگر وہ نماز پڑھے اس حال میں کہ قابل ستر اعضا مثلاً پنڈلیاں، یا قدم یا سر یا ان کا کچھ حصہ ننگا ہو تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "اللہ تعالیٰ حائضہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں کرتا ہے۔"[1] (بسند صحیح)

حدیث میں وارد لفظ "حائضہ" سے مراد بالغ عورت ہے اور آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ "عورت قابل ستر ہے[2] (یعنی چھپانے کے لائق ہے)۔ سنن ابی داؤد میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا: کیا عورت اپنی لمبی قمیص (درع) اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے جبکہ اس نے نیچے کی چادر نہ باندھی ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جب اس کی درع یعنی لمبی قمیص پورے جسم کو ڈھانپنے والی ہو حتیٰ کہ اس کے قدموں کی پشت کو بھی ڈھانپ لے (تو درست ہے)[3] [اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں کہا ہے کہ اس کا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے]

---

[1] سنن الترمذی کتاب الصلاۃ، باب لا تقبل صلوۃ المرأۃ الا بخمار، حدیث : ۳۷۷۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار، حدیث : ٦٤١۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الطہارۃ، باب اذا حاضت الجاریۃ لم تصل الا بخمار، حدیث : ٦٥٥۔ مسند احمد بن حنبل ٦/ ١٥٠ حدیث : ٢٥٢٠٨ صحیح.

[2] سنن الترمذی: الرضاع، باب کراھیۃ الدخول علی المخیبات، باب منه، حدیث۱۱۷۳ صحیح ابن حبان: ۱۲/ ٤١٣، حدیث ٥٥٩٩۔ مصنف ابن ابی شیبۃ : ٢/ ١٥٧، حدیث : ٧٦١٦

[3] سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب فی کم تصلی المرأۃ، حدیث : ٦٤٠۔ المستدرك للحاکم : ١/ ٢٥٠، حدیث : ٦٣٩۔ مؤطا امام مالک : ١/ ١٤٢، حدیث : ٣٦.

لہٰذا اگر عورت کے پاس اجنبی لوگ بھی موجود ہوں تو اسے (نماز کے دوران میں) اپنا چہرہ اور ہاتھ بھی چھپانے ہوں گے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک عورت رات کو نماز پڑھتی ہے اور یہ اس کا معمول ہے، مگر بعض اوقات وہ قیام کرنے سے قاصر ہوتی ہے، اور اسے کہا گیا ہے کہ بیٹھنے والے کا اجر قیام کرنے والے کے مقابلے میں نصف (آدھا) ہوتا ہے، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب: ہاں یہ صحیح ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ:

((صلاة القاعدِ على النصف من صلاة القائم .)) ❶

''بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہوکر پڑھنے والے کے مقابلے میں آدھی ہوتی ہے۔''

لیکن اگر اس کی عادت کھڑے ہوکر پڑھنے کی ہو اور پھر وہ عاجزی اور معذوری کے باعث بیٹھ کر پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے کھڑے ہوکر پڑھنے کا ہی ثواب عنایت فرمائے گا۔ کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ

((إذا مرض العبد أو سافر كتب لهٗ من العمل ما كان يعمله وهو صحيح مقيم .)) ❷

''جب بندہ بیمار ہوجاتا ہے یا سفر میں ہوتا ہے تو اس کے لیے وہی عمل لکھے جاتے ہیں جو وہ اپنی صحت اور اقامت کے دنوں میں کیا کرتا تھا۔''

تو اگر کوئی بندہ اپنی بیماری کے باعث ساری نماز ہی بیٹھ کر پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے کامل اجر عنایت فرمائے گا۔ اس وجہ سے کہ اس کی نیت کھڑے ہوکر ہی پڑھنے کی ہے اور جس قدر اس کی ہمت ہے اس پر وہ عمل کررہا ہے تو جب وہ اس سے عاجز ہے [تو اجر سے ان شاء اللہ محروم نہیں ہے] (شیخ الاسلام ابن تیمیہ)

❶ سنن النسائی: کتاب قیام اللیل وتطوع النهار، باب فضل صلاة القائم على صلاة القاعد، حدیث: ١٦٥٩۔ سنن ابن ماجه: کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم حدیث: ١٢٣٠۔ مسند احمد بن حنبل ٢/ ١٩٢، حدیث: ٦٨٠٨.

❷ "كتب له من العمل......" کے بجائے ''روایت کے الفاظ "كتب له مثل......" "كتب له من الاجر مثل......" کے الفاظ ملے ہیں۔ شاید کہ شیخ صاحب نے روایت بالمعنی بیان کی ہے۔ واللہ اعلم
دیکھیے: صحيح بخاری: کتاب الجهاد و والسير، باب يكتب للمسافر مثل ماكان يعمل فى الاقامة، حدیث ٢٨٣٤۔ مسند احمد بن جنبل ٤/ ٤١٠، حدیث ١٩٦٩٤۔ السنن الكبرى للبيهقى: ٣/ ٣٧٤، حدیث: ٦٣٣٩.

سوال: ایک مریضہ ہے اس کی کمر میں چوٹ اور موچ کا اثر ہے، اور اس پر پلستر سا چڑھایا گیا ہے اور اب وہ کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتی ہے بلکہ مہینہ بھر ہوگیا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتی ہے اور رکوع بھی اشارے سے کرتی

ہے، تو کیا اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں، اس کی نماز بالکل درست ہے، کیونکہ وہ کھڑے ہونے سے معذور ہے اور فرض نمازوں میں قیام کرنا (کھڑے ہوکر نماز پڑھنا) فرض ہے بشرطیکہ اسے اس کی طاقت ہو۔ لہٰذا چوٹ یا موچ وغیرہ کے سبب وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہے۔ اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ کسی بیساکھی وغیرہ کے سہارے کھڑی ہوسکتی ہو تو اسے چاہیے کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے۔ چنانچہ گذشتہ دنوں میں وہ جو نمازیں اس طرح پڑھتی رہی ہے وہ درست ہیں، کیونکہ اسے اس کی قدرت نہیں تھی۔ نبی ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

((صل قائما فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب .)) [1]

''نماز کھڑے ہوکر پڑھ کر، اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل ہوکر پڑھ۔''

(عبداللہ بن جبرین)

سوال: وحشی جانوروں کے چمڑے کی فر میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: خرگوش کی فر میں نماز بلاشبہ جائز ہے۔ لومڑی کی فر میں اختلاف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے۔ اسی طرح بجو کے چمڑے میں بھی جائز ہے۔ اور جن درندوں کے چمڑوں کو پہننے سے آپ نے منع فرمایا ہے، ان کے علاوہ باقی کے چمڑوں میں نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

(شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: کیا جب میں بھولے سے کسی نجس اور پلید کپڑے میں نماز شروع کردوں اور دوران نماز مجھے یاد آئے تو کیا مجھے نماز توڑ دینی چاہیے اور اپنا کپڑا تبدیل کرنا چاہیے؟ اور وہ کون سے حالات ہیں جن میں نماز توڑنا ناجائز ہے......؟

جواب: جو شخص نماز پڑھے اور اسے معلوم ہو کہ اس کے کپڑے یا جسم پر نجاست ہے تو اس حالت میں اس کی نماز باطل ہے۔ اور اگر اسے معلوم نہ ہو حتیٰ کہ نماز پوری ہوگئی تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی اور اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اگر نماز کے دوران میں اسے یاد آئے یا معلوم ہوجائے اور اسے جلدی سے دور کرنا ممکن ہو تو چاہیے کہ نماز کے دوران میں ہی دور کردے اور اپنی بقیہ نماز پوری کرے۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ ایک بار جبریل امین علیہ السلام نے آپ کو دوران نماز میں خبر دی کہ آپ کے موزوں میں نجاست ہے، تو آپ نے فوراً اپنے موزے اتار دیئے [2] اور اس طرح آپ کی پہلے والی نماز جو پڑھی جاچکی تھی باطل نہ ہوئی...... ایسے ہی مثلاً

[1] صحیح بخاری: ابواب تقصیر الصلاۃ، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب، حدیث: ١٠٦٦۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب فی صلاۃ القاعد، حدیث: ٩٥٢۔ سنن الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ان صلاۃ القاعد علی النصف من صلاۃ القائم، حدیث: ٣٧٢.

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعل، حدیث: ٦٥٠۔ السنن الکبری للبیھقی: ٢/ ٤٣١، حدیث: ٤٠٤٨.

کسی کی پگڑی میں کوئی نجاست ہو تو وہ اسے فوراً اتار سکتا ہے اور اس پر اپنی باقی نماز کی بنا کرے۔ لیکن اگر عمل کثیر (بہت زیادہ حرکات) کا مرتکب ہونا پڑتا ہو مثلاً قمیص یا شلوار کا اتارنا وغیرہ تو اسے اپنی نماز توڑ کر، کپڑا تبدیل کر کے نئے سے سے نماز شروع کرنا ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کو یاد آ جائے کہ وہ بے وضو ہے، یا نماز کے دوران میں اس کا وضو ٹوٹ جائے یا ہنس پڑے تو اس طرح نمازی کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: ہوائی سفر کے دوران میں بچے سے ماں کے کپڑے پلید ہو گئے، اور اس جگہ کپڑے تبدیل کرنا ناممکن ہے کیونکہ دوسرے کپڑے جہاز میں سامان کے حصے میں ہیں، تو کیا اسے انہی نجس کپڑوں میں نماز پڑھ لینی چاہیے؟ یا پھر وہ انتظار کرے حتیٰ کہ جہاز زمین پر اترے، اور یہ اپنے کپڑے تبدیل کرے تب نماز پڑھے؟ اور اس وقت تک نماز کا وقت نکل چکا ہوگا......؟

جواب: اس صورت حال میں ماں کو چاہیے کہ نماز کے وقت میں اپنی نماز پڑھے خواہ اس کے کپڑے پلید ہی ہوں، کیونکہ اس وقت یہ مجبور اور معذور ہے۔ یہاں کپڑے دھونا یا تبدیل کرنا اس کے لیے ناممکن ہے۔ اور پھر اسے یہ نماز دوبارہ دہرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ٦٤/ ١٦)

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جس قدر تمہیں ہمت اور طاقت ہو۔'' (مجلس افتاء)

سوال: میں نے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد مجھے یاد آیا کہ میری تو ہوا خارج ہو چکی تھی......تو کیا میں نماز دوبارہ پڑھوں......؟

جواب: ہاں، اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جب بندے نے بلا وضو، بلا طہارت نماز پڑھی ہو، خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر، تو اس پر فرض ہے کہ اپنی یہ نماز دہرائے جب بھی اسے یاد آئے، اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: جب اجنبی اور غیر محرم موجود ہوں تو عورت نماز کس طرح پڑھے، مثلاً جیسے کہ بیت اللہ میں ہوتا ہے، یا سفر کے دوران میں کوئی ایسی مسجد نہیں ہوتی جس میں عورتوں کے لیے جگہ مخصوص ہو......؟

جواب: عورت پر واجب ہے کہ نماز کے دوران اپنے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ اپنا سارا جسم ڈھانپے اور چھپائے۔ لیکن اگر کوئی جگہ ایسی ہو جہاں اجنبی اور غیر محرم بھی موجود ہوں تو اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں سمیت سارا جسم چھپا کر نماز پڑھنی چاہیے۔ (مجلس افتاء)

سوال: بعض اوقات سیر گاہوں وغیرہ میں میری اہلیہ میرے ساتھ ہوتی ہے، اور میں نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد چلا جاتا ہوں اور یہ وہیں نماز پڑھتی ہے، تو کیا اگر اسے کوئی اجنبی نماز پڑھتے دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی......؟

جواب: نہیں، ہرگز نہیں، اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، بلکہ اگر عورت مردوں کی موجودگی میں نماز پڑھے تو نہ اس کی نماز باطل ہوگی اور نہ مردوں کی۔ تاہم اصل قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے ہونی چاہییں۔ لیکن اگر بہت زیادہ بھیڑ ہو اور اتفاق سے کوئی عورت مرد کے آگے نماز پڑھ لے تو اس عورت کی نماز باطل نہیں ہوگی بشرطیکہ اس نے شرعی حجاب لیا ہو اور اس کے جسم کا کوئی ایسا حصہ ظاہر نہ ہو جس کا اجنبیوں کے سامنے ظاہر کرنا ناجائز ہو۔ اس کی نماز بالکل صحیح ہوگی۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: عورت کے لیے نماز کے دوران اپنے ہاتھوں اور قدموں کے چھپانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نماز کے دوران ان کا چھپانا لازمی نہیں ہے کیونکہ یہ عورۃ (قابل ستر حصہ) نہیں ہے۔ اور کتاب ''الانصاف'' میں لکھا ہے کہ یہی بات درست ہے۔

اور حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ کیا عورت اپنی درع (لمبی قمیص) اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے جبکہ اس نے نیچے کی چادر نہ باندھ رکھی ہو؟ تو آپ نے فرمایا: ''جب درع (لمبی قمیص) اس قدر وسیع ہو کہ اس کے قدموں کی پشت کو بھی چھپالے (تو درست ہے)۔''[1] اس روایت سے اگرچہ عورت کے لیے نماز کے دوران اپنے پاؤں چھپانا واجب معلوم ہوتا ہے، مگر بہت سے علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہ مرفوع صحیح ہے اور نہ موقوف، لہٰذا اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اور عورت کو یہ حکم دینا کہ وہ اجنبیوں کی عدم موجودگی میں بھی اپنے ہاتھ اور قدم چھپائے (کسی صحیح) دلیل کا محتاج ہے۔ اسے یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اوڑھنی اور کامل قمیص کے ساتھ نماز پڑھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی فرمان کہ ((المرأة عورة .)) [2] (عورت چھپانے کے لائق ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ ہاتھ پاؤں کا نماز میں چھپالینا زیادہ احتیاطی ہے...... واللہ اعلم۔ (عبداللہ فوزان)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ نماز کے دوران اس کے ہاتھ ننگے ہوں......؟

جواب: جمہور علماء کے نزدیک یہ ہے کہ نماز کے دوران عورت کے ہاتھ ننگے رہ جائیں تو یہ جائز ہے۔ امام رحمہ اللہ سے ایک روایت اسی کی تائید میں آتی ہے لیکن ایک دوسری روایت میں انہوں نے حتمی طور پر یہ کہا ہے کہ ''عورت کو اپنے ہاتھ ننگے رکھنا جائز نہیں ہے۔'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث میں ہاتھ ننگے ہونے کا بیان ہے وہ اس مسئلے میں صریح نہیں ہیں۔ اور وہ حدیث جس میں ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی کم تصلی المرأة، حدیث: ٦٤٠۔ المستدرك للحاكم: ١/ ٢٥٠، حدیث: ٦٣٩۔ موطا امام مالك: ١/ ١٤٢ حدیث: ٣٦ .

[2] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب کراهية الدخول على المغيبات (باب عنه)، حدیث: ١١٧٣۔ صحيح ابن حبان: ١٢/ ٤١٣ حدیث: ٥٥٩٩۔ مصنف ابن ابی شيبة: ٢/ ١٥٧ حدیث: ٧٦١٦ .

کے لیے حاضر ہوئی اور اس نے اپنے ہاتھوں کو مہندی لگائی ہوئی تھی، ضعیف ہے۔

اور صحیح حدیث جو بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ عید کے دن، خطبہ دینے کے بعد عورتوں کی طرف تشریف لائے اور انہیں وعظ و نصیحت فرمائی اور انہیں جہنم کی آگ سے ڈرایا اور انہیں صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ کوئی عورت اپنے کنگن اتار رہی تھی اور کوئی اپنی انگوٹھی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی جھول میں ڈالتی جاتی تھیں۔[1] اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ عورتوں کے ہاتھ مرد کے سامنے ننگے تھے، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ کام اوڑھنیوں اور چادروں کے نیچے سے کیے ہوں۔ اس لیے میرے نزدیک اس مسئلہ میں امام خرقی رحمہ اللہ کا قول ہے، جو ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے کہ وہ اپنا صرف چہرہ ہی ننگا رکھے، ہاتھ ننگے نہ رکھے۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ ننگے رکھے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کوئی عورت اوڑھنی کے بغیر نماز پڑھے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا یقبل الله صلاة الحائض بخمار.))[2]

''اللہ تعالیٰ کسی جوان بالغ عورت کی نماز سر کی اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتا۔''

اس حدیث سے ثابت ہے کہ کسی عورت کی نماز اس وقت تک قبول نہیں جب تک کہ اس نے اپنے سر پر کپڑا نہ لے رکھا ہو جو اس کے سر کو ڈھانپ دے اور حدیث میں بیان کیے گئے لفظ ''حائض'' سے مراد وہ عورت ہے جو شرعی احکام کی پابندی کی عمر کو پہنچ چکی ہو اور بالغ ہو۔ یہ معنی نہیں کہ وہ حیض کی حالت میں ہو۔ کیونکہ اس حالت میں اسے نماز کی اجازت ہی نہیں ہے۔ اور یہ لفظ بطور تغلیب کے بیان ہوا ہے۔ ورنہ اگر کسی اور علامت سے ثابت ہو جائے مثلاً احتلام آ جائے تو بھی یہی حکم ثابت ہوگا وہ احکام شریعت کی مکلف ہو چکی ہے اور حدیث کا یہ بھی مفہوم ہے کہ نابالغ لڑکی نماز پڑھے تو اس کے لیے سر ڈھانپنے کی شرط نہیں ہوگی۔[3] (عبداللہ فوزان)

---

[1] فضیلۃ الشیخ نے یہ روایت بالمعنی بیان کردی ہے، بخاری میں بعینہٖ الفاظ ہیں البتہ اس کی اصل موجود ہے۔ دیکھئے: صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب والذین لم یبلغوا الحلم منکم، حدیث: ٤٩٥١ وکتاب العیدین باب العلم الذی بالمصلی، حدیث: ٩٣٤۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث: ٨٨٤، ٨٨٥.

[2] سنن الترمذی کتاب الصلاۃ، بابلاتقبل صلاۃ المرأۃ الانجمار، حدیث: ٣٧٧۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار، حدیث: ٦٤١۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الطهارۃ، باب اذا حاضت الجاریۃ لم تصل الابخمار، حدیث: ٦٥٥۔ مسند احمد بن حنبل، ٦/ ١٥٠، حدیث: ٢٥٢٠٨.

[3] اس حدیث کے مفہوم سے ہمارے ہاں کے ایک عام مشہور مسئلہ کا جواب بھی مل جاتا ہے یعنی کیا ننگے سر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سر ڈھانپنے کا حکم عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے نہیں۔ مرد اگر ننگے سر نماز پڑھ بھی لے تو جائز ہے۔ مگر عورت کے لیے کسی صورت جائز نہیں ہے۔ (س۔ع)

سوال: عورت کے لیے نماز میں ہاتھ اور پاؤں ڈھانپنے یا ننگے رکھنے کا کیا حکم ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: عورت سے متعلق اس مسئلے کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور سنن ترمذی میں بسند صحیح آئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((المرأة عورة، فإذا اخرجت إستشرفها الشيطان.)) [1]

''عورت قابل ستر ہے، جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا اور جھانکتا ہے۔''

اس میں ہے کہ عورت کا سارا بدن قابل ستر ہے سوائے اس کے جسے شریعت نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جمہور کے نزدیک عورت کا چہرہ اور دونوں ہاتھ ستر میں شامل نہیں ہیں۔ تو اسے اجازت ہے کہ نماز میں وہ انہیں نہ ڈھانپے۔ لہٰذا جمہور کے نزدیک چہرے اور ہاتھوں سے زیادہ حصے کو ننگا کرنا حرام ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت اپنے پاؤں بھی ننگے رکھ سکتی ہے اور ان کی دلیل سنت اور قیاس ہے۔

سنت کی دلیل جو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی ترجیح میں ذکر کی ہے۔

(حضرت اُمّ سلمہ)

کی حدیث ہے جو سنن ابوداؤد میں مروی ہے۔ کہتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول! کیا عورت اپنی لمبی قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ لے جبکہ اس نے نیچے چادر نہ باندھی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب اس کی قمیص پوری اور کامل ہو کہ اس کے پاؤں کی پشت کو بھی ڈھانپ لے'' (تو درست ہے)۔'' [2]

تو ہوسکتا ہے کہ عورت جب رکوع کرے تو اس کی ایڑیاں نمایاں ہو جائیں اور سجدے میں اس کے تلوے بھی ننگے ہوں گے...... لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک مجہول عورت کا واسطہ ہے۔ نیز یہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موقوف بھی مروی ہے اور اس سند میں بھی اس مجہول کا واسطہ ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قدموں کو ہاتھوں پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ جس طرح ہاتھوں کو نمایاں کرنا پڑتا ہے ایسے ہی قدموں کو بھی نمایاں کرنا پڑتا ہے۔ جمہور نے اس قیاس پر اعتراض کیا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کا نمایاں کرنا، اصل قاعدہ کے خلاف ہے۔ ان (جمہور) کے نزدیک اصل یہ ہے جو بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''عورت قابل ستر ہے'' [3] چنانچہ شریعت نے اجازت صرف چہرے اور ہاتھوں کی دی ہے۔ شریعت

---

[1] سنن الترمذي: كتاب الرضع، باب كراهية الدخول على المغيبات (باب منه) حديث: ١١٧٣۔ صحيح ابن حبان: ١٢/ ٤١٣، حديث: ٥٥٩٩۔ مصنف ابن ابي شيبة: ٢/ ١٥٧، حديث: ٧٦١٦.

[2] سنن ابي داؤد: كتاب الصلاة، باب في كم تصلى المرأة، حديث: ٦٤٠۔ المستدرك للحاكم: ١/ ٢٥٠، حديث: ٦٣٩۔ موطا امام مالك: ١/ ١٤٢، حديث: ٣٦.

[3] سنن الترمذي: الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات (باب منه) حديث: ١١٧٣۔ صحيح ابن حبان: ١٢/ ٤١٣، حديث: ٥٥٩٩۔ مصنف ابن ابي شيبه: ٢/ ١٢٧، حديث: ٧٦١٦.

میں جب کوئی حکم یا نص خلافِ قصد (اصل) آ جائے تو اس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح کے قیاسات سے اصل مقصد ضائع اور فوت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے چہرے یا ہاتھوں سے زائد اپنے جسم کا کوئی حصہ نمایاں کرے، جیسے کہ جمہور کا مذہب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک روایت یہ بھی ہے جسے امام خرقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ عورت کو ہاتھ ننگے کرنے جائز نہیں ہیں، اسے صرف چہرے کی اجازت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ دلائل جن کی رو سے بصراحت ہاتھوں کو نمایاں کرنا ثابت ہوتا ہے وہ ضعیف ہیں'' اور جو دلائل صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف توجہ نہیں کی جا سکتی۔

اور شخصی طور پر میں اسی قول کا قائل ہوں اور میرے گھر میں بھی اس پر عمل ہوتا ہے۔ ہمارے گھر کی عورتیں اپنی نمازوں میں اپنے ہاتھ ظاہر نہیں کرتی ہیں۔ اگرچہ جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اپنی نماز میں چہرہ اور دونوں ہاتھ نمایاں کر سکتی ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ نقاب اور دستانے پہن کر نماز پڑھے؟

جواب: کوئی عورت جب اپنے گھر میں نماز پڑھ رہی ہو، یا جگہ ایسی ہو جہاں اس کے صرف محرم مرد ہی ہوں، تو سنت یہ ہے کہ وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھے، تاکہ سجدے میں اس کی پیشانی اور ناک اور اسی طرح دونوں ہاتھ براہ راست زمین کو چھو سکیں۔ لیکن اگر جگہ ایسی ہو کہ اس کے اردگرد غیر محرم لوگ بھی موجود ہوں تو چہرہ چھپانا اس کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ غیر محرم سے چہرہ چھپانا واجب ہے، ان کے سامنے چہرہ کھلا رکھنا حلال نہیں ہے، جیسے کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے اور ایک صاحب عقل کی دانائی کا تقاضا بھی یہی ہے کجا کہ وہ مومن بھی ہو۔

اور ہاتھوں پر دستانے پہننا ایک شرعی عمل ہے اور صحابہ کی خواتین کے عمل سے واضح ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے والی عورتوں سے فرمایا تھا کہ ''احرام والی عورت نقاب نہ لے اور نہ دستانے پہنے۔''[1] اس فرمان سے ان عورتوں کی عادت کا پتا چلتا ہے کہ وہ دستانے پہنا کرتی تھیں (تبھی آپ نے ان سے منع فرمایا ہے)۔ لہٰذا اگر نماز کے لیے وہ دستانے پہن لے تو جائز ہے، بالخصوص جب وہاں غیر محرم بھی موجود ہوں۔ چہرے کے متعلق مزید یہ ہے کہ قیام اور قعدہ کی حالت میں تو وہ چہرہ چھپائے مگر سجدہ کرتے ہوئے اسے اپنا چہرہ ننگا کر لینا چاہیے تاکہ اس کی پیشانی براہ راست زمین پر لگ سکے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الحج، باب ما ینھی من الطیب للمحرم: حدیث: ۱۷۴۱۔ سنن ابی داؤد: کتاب المناسك، باب ما یلبس المحرم، حدیث: ۱۸۲۷، ۱۸۲۶، ۱۸۲۵۔ سنن النسائی: کتاب مناسك الحج، باب النھی عن ان تنتقب المرأۃ الحرام، حدیث: ۲۶۷۴.

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ نماز کے دوران اس کے بال اس کی پیشانی پر آئے ہوئے ہوں...... وجزاکم اللہ۔

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر وہ انہیں ہٹا لے حتیٰ کہ سجدہ زمین پر ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے اور یہی مسئلہ مرد کے لیے ہے کہ اگر سجدہ میں اس کی پگڑی یا سر کے کپڑے کا کوئی حصہ اس کی پیشانی پر ہو تو کوئی حرج نہیں ہے مگر چہرہ اور ہاتھ براہ راست زمین پر پڑیں تو زیادہ بہتر ہے، سوائے اس کے کہ کوئی خاص ضرورت ہو مثلاً زمین بہت زیادہ گرم ہو یا ٹھنڈی ہو تو کپڑے وغیرہ پر سجدہ جائز ہے، بلکہ اگر یہ کیفیت اس کے لیے زیادہ خشوع میں معاون ہو تو کپڑے وغیرہ پر سجدہ زیادہ افضل ہو گا اور عورت کے لیے واجب ہے کہ بالغ ہونے کے بعد نماز کے لیے اسے اپنا سارا جسم اور سارے بال چھپانے چاہییں، صرف چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((لا یقبل اللہ صلاۃ حائض الا بخمار .)) [1]

''اللہ تعالیٰ کسی حائضہ کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتا ہے۔''

اور یہاں حائضہ سے مراد بالغہ ہے۔　(عبدالعزیز بن باز)

اوقات نماز

سوال: نماز کے مسئلہ میں اسے اول وقت میں پڑھنے اور ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم صرف نماز ظہر سے متعلق ہے جب گرمی بہت زیادہ ہو۔ اور یاد رہے کہ ہر نماز کا اپنا اپنا وقت ہے اور اس مسئلے کے تین جواب ہیں:

جانب اول:...... اوقات نماز کے اول وآخر کی تعیین۔ اس بارے میں سب سے عمدہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، جس میں ہے کہ جبریل امین دو دن تک نبی ﷺ کے پاس آتے رہے اور آپ کو نمازوں کے اوقات تعلیم فرمائے۔ پہلے دن ان کے اول اوقات اور دوسرے دن ان کے آخری اوقات بتائے، اور پھر کہا: ''ان دو وقتوں کے درمیان وقت ہے۔'' [2] اس میں کچھ اشکال بھی ہے جو صحیح مسلم حدیث عبداللہ بن

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب لا تقبل صلوۃ المرأۃ الا بخمار، حدیث: ۳۷۷۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار، حدیث: ٦٤١۔ سنن ابن ماجه کتاب الطهارۃ، باب اذا حاضت الجاریۃ لم تصل الا بخمار، حدیث: ٦٥٥.

[2] حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت، جس کی طرف فضیلۃ الشیخ نے اشارہ کیا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ذیل میں ہے۔ دیکھیے: سنن الترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی مواقیت الصلاۃ، حدیث: ١٤٩.
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو مفصل ہے وہ دیگر کتب میں بھی موجود ہے دیکھیے: سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی المواقیت، حدیث: ۳۹۳، مسند احمد بن حنبل: ١/ ۳۳۳ فی مسند عبداللہ بن عباس.

عمرو اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہما سے حل ہوتے ہیں۔ ❶ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے عشاء کا وقت متعین ہوتا ہے کہ آیا اس کا وقت آدھی رات تک ہے جیسے کہ امام شافعیؒ اور اہل ظاہر کہتے ہیں یا نماز فجر تک، جیسے کہ امام ابوحنیفہؒ اور جمہور کا قول ہے۔ تو اس میں راجح امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ بیان ہے کہ نمازوں کے اوقات ایک دوسرے کے اندر داخل نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کے مستقل اور علیحدہ علیحدہ اوقات ہیں۔ ❷

جانب دوم:...... وہ اوقات جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان اوقات کی ابتدا میں نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ مگر یہ مجمل اور مطلق صورت ہے، جو صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''کون سا عمل اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟'' آپ نے فرمایا:

((الصلاة علی وقتها .)) ❸

''نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔''

جبکہ حاکم کی روایت کے لفظ ہیں:

((الصلاة فی اوّل وقتها .)) ❹

''نماز اپنے اول وقت میں ادا کرنا۔''

اور سند اس کی صحیح ہے۔ مگر اس عموم سے دو اوقات مستثنیٰ ہیں۔ ایک نماز ظہر، جب گرمی سخت ہو تو اسے ٹھنڈا کر کے پڑھا جائے جسے کہ ابراء کہتے ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا إشتدّ الحر فأبردوا بالصلاة، فإن شدة الحر من فيح جهنم .)) ❺

---

❶ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت صحیح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب اوقات الصلوات الخمس، حدیث: ٦١٢ میں ذکر ہے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں نہیں ملی، تاہم عشاء کے وقت کا تعین حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے واضح طور پر ہوتا ہے۔

❷ یہ الفاظ مفہومی ہیں حوالہ سابقہ میں مفصل روایت ہے۔

❸ صحيح بخاری: كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل الصلوٰة بوقتها، حدیث: ٥٢٧۔ صحيح مسلم: كتاب الايمان، باب بيان كون الايمان بالله تعالىٰ افضل الاعمال، حدیث: ٨٥.

❹ المستدرك للحاكم: ١/ ١٨٨ سنن الترمذی: كتاب الصلاة، باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل، حدیث ١٧٠ میں الفاظ ہیں "الصلاة لأول وقتها" یہ روایت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی روایت سنن ترمذی میں مذکورہ باب کے تحت ١٧٣ نمبر پر موجود ہے۔ اس کے الفاظ ہیں "الصلاة على مواقيتها۔"

❺ صحيح بخاری: كتاب مواقيت الصلاة، باب الابراد بالظهر فی شدة الحرّ، حدیث: ٥٣٣، ٥٣٤۔ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب الابراد بالظهر فی شدة الحرّ، حدیث: ٦١٥.

''یعنی جب گرمی بہت سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو، بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ میں سے ہے۔''

اور اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے جو صحیحین میں مروی ہے، کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ مؤذن نے ظہر کی اذان کہنے کا ارادہ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذرا ٹھنڈی کرلو۔'' حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھے اور آپ نے فرمایا:

''بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ میں سے ہے، تو جب گرمی سخت ہوا کرے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔'' ❶

اور دوسرا استثناء نماز عشاء کو آدھی رات تک مؤخر کرنا ہے، جہاں تک کہ لوگوں کے لیے مشقت نہ ہو، جیسے کہ حدیث میں آیا ہے اور نماز فجر کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اسے منہ اندھیرے (غلس) میں پڑھنا افضل ہے یا جب فضا میں سفیدی آ جائے (یعنی اسفار)۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے فجر کے اندھیرے میں پڑھنا ہی افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہی ہے۔

جانب سوم:...... ان اوقات کا جاننا جن میں نماز مکروہ اور ناجائز ہے اور اس مسئلے میں دو حدیثیں آئی ہیں: ایک حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ❷ سے اور دوسری عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ❸ اور دونوں ہی صحیح مسلم میں آئی ہیں۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت تقریباً تین ہفتے زیرعلاج رہی اور اس دوران نماز روزہ ادا نہیں کر سکی...... اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: آپ پر لازم ہے کہ اپنی چھوڑی ہوئی نمازیں جہاں تک ہو سکے ترتیب سے ادا کریں۔ اگر بلامشقت ایک ہی دن میں ادا کیا جا سکے تو بہتر ورنہ دنوں اور اوقات کے حساب سے تقسیم کر کے پوری کریں۔ اور جو روزے آپ نے مرض کے باعث چھوڑے تھے اور تندرست ہونے پر رکھ لیے ہیں تو اب آپ پر کچھ نہیں ہے۔

(محمد بن ابراہیم آل الشیخ)

---

❶ صحیح بخاري: کتاب مواقیت الصلاة، باب الابراد بالظھر فی السفر، حدیث: ٥٣٩۔ صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب استحباب الابراد بالظھر فی شدة الحرّ، حدیث: ٦١٦.

❷ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو اس کے بلند/واضح ہو جانے تک نماز سے رکے رہو کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر دوپہر کے وقت بھی نماز سے رکے رہو کہ اس وقت جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے۔ پھر سورج کے غروب ہونے کے وقت بھی نماز سے رکے رہو کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان غروب ہو رہا ہوتا ہے۔'' دیکھئے صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرین و قصرھا، باب اسلام عمرو بن عبسہ، حدیث: ٨٣٢.

❸ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ان تینوں اوقات کا ذکر ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین وقصرھا، باب الاوقات التی نھی عن الصلاة فیھا، حدیث: ٨٣١.

سوال: فوت شدہ نمازوں کی قضا دینے میں ترتیب کا کیا حکم ہے جب کسی کو یاد آئے کہ اس نے فجر ظہر عصر کی نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟

جواب: فوت شدہ نمازوں کے متعلق واجب ہے کہ انسان فی الفور ادا کرے اور چاہیے کہ اسی طرح ادا کرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں یعنی پہلے فجر پھر ظہر اور پھر عصر۔ (مجلس افتاء)

سوال: جب کوئی عورت اپنے حیض سے عصر یا عشاء کے وقت میں پاک ہوئی ہو تو کیا اسے اس نماز کے ساتھ ظہر یا مغرب بھی ساتھ پڑھنی چاہیے؟

جواب: (۱) جب کوئی عورت اپنے ایام سے یا نفاس سے عصر کے وقت میں پاک ہوئی ہو تو علماء کے صحیح تر قول کے مطابق اس پر واجب ہے کہ ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ادا کرے، کیونکہ معذور کے لیے ان دونوں نمازوں کا وقت ایک ہی ہے جیسے کہ کوئی مریض ہو یا مسافر اور یہ عورت بھی معذور تھی کہ اس کا ظہر شروع ہونے میں تاخیر ہوئی اور یہی صورت عشاء کے وقت میں ہے کہ اس پر واجب ہے کہ مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں ادا کرے، جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہی فتویٰ منقول ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

جواب: (۲) اس مسئلہ میں راجح قول یہ ہے کہ ایسی عورت پر صرف عصر ہی کی نماز لازم ہے، اور اس کے لیے ظہر کی نماز واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس قسم کے مسائل میں اصل براءۃ الذمہ ہے (یعنی انسان پر ذمے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، وہ اس سے بری ہے) نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، اس نے عصر کی نماز پالی۔''[1] اس میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''اس نے ظہر پالی'' اگر اس قسم کے آدمی کے لیے ظہر واجب ہوتی تو آپ ضرور بیان فرما دیتے۔ نیز اگر عورت کو ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد حیض شروع ہوئے ہوں تو اسے صرف ظہر کی نماز قضا کرنا واجب ہوگی نہ کہ اس کے ساتھ عصر بھی، حالانکہ ظہر کو عصر کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے۔ اس صورت اور سوال میں بیان کی گئی صورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا راجح یہی ہے کہ ایسی عورت کے ذمے صرف عصر کی نماز ہے جو نص اور قیاس سے ثابت ہے۔ اور یہی کیفیت اس عورت کی ہوگی جو عشاء کا وقت نکلنے سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کے ذمے صرف عشاء کی نماز ہوگی مغرب اس پر لازم نہیں ہوگی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کو بالفرض ظہر کے وقت ایک بجے ایام مخصوصہ شروع ہو گئے اور اس نے ابھی تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، تو کیا اسے پاک ہونے کے بعد اپنی اس ظہر کی نماز کی قضا دینی ہوگی؟

جواب: اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت پر یہ نماز دہرانا لازم نہیں ہے جس میں

---

[1] صحيح بخاري: كتاب مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الفجر ركعة، حديث: ٥٧٩۔ صحيح مسلم كتاب المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك تلك الصلاة، حديث: ٦٠٨.

کہ اسے ایام شروع ہوئے تھے، کیونکہ اس نے کوئی قصور نہیں کیا تھا اور وہ گناہ گار نہیں ہوئی تھی کیونکہ انسان کے لیے اجازت ہے کہ وہ نماز کے آخر وقت تک نماز مؤخر کر سکتا ہے اور بعض دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی یہ نماز دہرائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی'' ❶ کے عموم کا یہی تقاضا ہے اور اسی میں احتیاط ہے کہ وہ اس کی قضا دے اور پھر یہ ہے بھی صرف ایک نماز، اس کی قضا دینے میں کوئی مشقت بھی نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جب کوئی عورت نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد ایام مخصوصہ میں مبتلا ہو، تو کیا اسے پاک ہونے کے بعد اپنی اس نماز کی قضا دینا لازم ہوگا...... اور ایسے ہی جب ایسے وقت میں پاک ہو کہ نماز کا وقت باقی ہو......؟

جواب: اس مسئلے کے دو پہلو ہیں:

اوّل:...... جب کوئی عورت نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اپنے ایام مخصوصہ میں مبتلا ہو اور اس نے وہ نماز نہ پڑھی ہو تو اس پر واجب ہے کہ پاک ہونے پر اپنی اس نماز کی قضا دے جس کے وقت میں اسے حیض شروع ہوا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

((من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة .)) ❷

''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔''

تو جب عورت نے نماز کے وقت میں سے اتنا وقت پالیا ہو جس میں وہ ایک رکعت پڑھ سکتی ہے۔ اور اس نے وہ نماز نہیں پڑھی تھی...... تو پاک ہونے کے بعد اسے اپنی وہ نماز ادا کرنی ہوگی۔

دوم:...... اگر کوئی عورت ایسے وقت میں اپنے ایام سے پاک ہوئی ہے جب اس وقت کی نماز کا وقت باقی ہو تو اسے وہ نماز پڑھنی لازم ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی مغرب سے اتنی دیر پہلے پاک ہوتی ہے جس میں کہ وہ ایک رکعت پڑھ سکتی تھی تو اس پر عصر کی نماز پڑھنا واجب ہوگی، اور اگر وہ آدھی رات سے اتنا پہلے پاک ہوتی ہے کہ ایک رکعت پڑھ سکتی تھی تو اس پر عشاء کی نماز پڑھنا واجب ہوگی، اور اگر آدھی رات کے بعد پاک ہوتی ہے تو عشاء کی نماز واجب نہیں ہوگی، اسے فجر کا وقت ہونے پر فجر کی نماز ہی پڑھنا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا٥﴾

(النساء: ٤/ ١٠٣)

''اور جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قائم کرو، بلاشبہ نماز مؤمنین پر اپنے وقت میں فرض

---

❶ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاة، باب من ادرك من الصلوٰة ركعة، حديث: ٥٨٠۔ صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقدادرك تلك الصلاة، حديث: ٦٠٧۔ سنن الترمذی: کتاب الجمعة، باب فيمن يدرك من الجمعة ركعة، حديث: ٥٢٤. ❷ ايضاً.

کی گئی ہے۔"

یعنی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ نماز کا وقت نکال دے، یا ابھی وقت نہ ہوا ہو اور اسے پڑھ ڈالے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

نماز باجماعت کے مسائل

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک دوسری عورت کی جماعت کرائے، تو اس صورت میں مقتدی عورت کہاں اور کیسے کھڑی ہوگی؟

جواب: عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ عورتوں کی جماعت کرا سکتی ہے مگر امام خاتون ان کی صف کے درمیان کھڑی ہوگی اور اگر مقتدی عورت بھی ایک ہی ہے تو وہ اپنی امام کی داہنی جانب (اس کے ساتھ مل کر) کھڑی ہوگی۔ (مجلس افتاء)

سوال: جب کوئی عورت امامت کرائے تو وہ کہاں اور کیسے کھڑی ہو؟

جواب: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عورتوں کا کسی عورت کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نفل میں اجازت دیتے ہیں، فرض میں نہیں۔ جبکہ امام احمد، شافعی اور ابن حزم رحمہم اللہ کے نزدیک یہ عمل مستحب ہے اور سیدہ عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، بلکہ ان سے عورتوں کی فرضوں میں جماعت کرانا ثابت ہے اور یہ کہ امام صف کے درمیان کھڑی ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کہیں کسی گھر وغیرہ میں عورتوں کا اجتماع ہو، اور وہ فرض یا نفل تراویح وغیرہ باجماعت پڑھنا چاہیں تو کیا ان میں کی ایک اسی طرح آگے ہو کر نماز پڑھائے جیسے کہ مردوں کا امام کھڑا ہوتا ہے؟

جواب: عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ عورتوں کی جماعت کرائے، وہ انہیں فرض یا نفل تراویح وغیرہ پڑھا سکتی ہے۔ مگر امام عورت، مردوں کے امام کی طرح ان سے آگے نہیں کھڑی ہو سکتی بلکہ اسے پہلی صف کے درمیان کھڑا ہونا ہوگا۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک آدمی مسجد میں آیا اور پایا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں، اور صف مکمل ہے اور ایک آدمی کے شامل ہونے کی جگہ بھی نہیں ہے، تو کیا وہ صف کے پیچھے اکیلا ہی نماز پڑھے؟

جواب: ضروری ہے کہ آدمی حتی الامکان کوشش کرے کہ اس صف میں جو اس کے سامنے کھڑے ہونے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں تو آدمی کے لیے ممکن ہو سکتا ہے کہ نرمی اور لطف کے ساتھ ان کے ساتھ مل جائے۔ عین ممکن ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ہی جگہ پالے یا نرمی سے انہیں اطراف میں ملا کر اپنے لیے جگہ بنا لے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو کہ اصحاب جماعت پہلے ہی مل مل کر کھڑے ہوئے ہوں تو اس صورت میں اسے اکیلے ہی پیچھے کھڑا

ہو جانا چاہیے اور اگلی صف سے کسی آدمی کو کھینچنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ عمل نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اور جس روایت میں اس کا ذکر آیا ہے وہ مسند ابویعلی میں کمزور سند کے ساتھ آئی ہے۔ پھر اس کا نقصان یہ بھی ہے کہ آدمی جب کسی کو صف میں سے کھینچے گا تو پہلی صف میں خلل پیدا ہو جائے گا۔ اور یہ آدمی جسے صف میں جگہ نہیں مل سکتی اکیلا ہی پڑھے اور بعد میں آنے والا امام کو رکوع میں پائے تو وہ بھی رکوع میں چلا جائے تو اس نے وہ رکعت پالی، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث ((لا صلاة لمن صلی خلف الصف وحده.)) ❶ اور حدیث ((لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.)) ❷ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ❸ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ صف سے علیحدہ اکیلی نماز پڑھے جبکہ اور عورتیں بھی موجود ہوں؟

جواب: جب مسجد میں اور عورتیں بھی موجود ہیں اور امام کے ساتھ نماز پڑھ رہی ہیں، تو ان سب پر واجب ہے کہ صف بنا کر نماز پڑھیں جیسے کہ مرد کرتے ہیں۔ ہاں اگر اور کوئی نہ ہو وہ اکیلی ہو تو اکیلی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبدالرحمٰن سعدی)

سوال: کیا عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک خاتون کو امام بنالیں جو انہیں رمضان یا رمضان کے علاوہ میں نماز پڑھائے؟

جواب: ہاں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس بارے میں سیدہ عائشہ، ام سلمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے احادیث آئی ہیں اور وہ عورت جو جماعت کرائے وہ ان کی صف کے درمیان کھڑی ہو (آگے کھڑی نہ ہو) اور جہری نمازوں میں قراءت بھی جہری کرے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورتوں پر واجب ہے کہ اپنی تمام فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کیا کریں؟

جواب: عورتوں کے لیے جماعت واجب نہیں ہے۔ یہ صرف مردوں کے لیے واجب ہے۔ تاہم ان عورتوں کے

---

❶ جناب الشیخ نے یہ روایت بھی بالمعنی بیان کی ہے۔ روایات میں مذکور عبارت اس طرح ہے: "لاصلوٰة للذی خلف الصف" "لاصلوٰة لفرد خلف الصف" دیکھیے بالترتیب حسب ذیل: سنن ابن ماجه: كتاب اقامة الصلوٰة والسنة فيها، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، حديث: ۱۰۰۳۔ صحيح ابن حزيمه: ۳/ ۳۰، حديث: ۱۵۶۹۔ صحيح ابن حبان: ۵/ ۵۷۹، حديث: ۲۲۰۲. (عاصم)

❷ صحيح بخاری، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة، حديث: ۷۵٦۔ صحيح مسلم كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی كل ركعة، حديث: ۳۹٤.

❸ یعنی بقول حضرت الشیخ جس طرح امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کے لیے اس کی اس رکعت میں فاتحہ معاف ہے، اسی طرح صف میں جگہ نہ پانے والے کے لیے اکیلے نماز پڑھنے کی رخصت ہے اور رکوع کی رکعت کے مسئلہ میں ہمارے مشائخ قیام اور فاتحہ کی فرضیت کے باعث ایسی رکعت کو شمار نہیں فرماتے۔ (سعیدی)

لیے جائز ہے یا مستحب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان عورتوں میں سے کوئی ایک ان کی جماعت کرا لیا کرے، اور ان کی امام کو صف کے درمیان کھڑا ہونا چاہیے۔ (صالح فوزان)

سوال: عورتوں کے لیے باجماعت نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورتوں کا آپس میں باجماعت نماز پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ منع کرتے ہیں اور کچھ جائز کہتے ہیں اور اکثریت اسی طرف ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرا لیا کرے۔ [1] یہ روایت سنن ابوداؤد میں ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

اور بعض علماء نے عورتوں کی جماعت کو مستحب کہا ہے اور ان کی دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے۔ بعض نے اس کو غیر مستحب اور بعض نے مکروہ بھی کہا ہے اور بعض نے نفل میں اجازت دی ہے، فرضوں میں نہیں اور غالباً راجح یہی ہے کہ ان کی جماعت مستحب عمل ہے اور امام عورت کو قراءت جہری کرنی ہوگی بشرطیکہ غیر محرم اس کی آواز نہ سنتے ہوں۔ (صالح فوزان)

سوال: کیا امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ امامت کے وقت مردوں کے ساتھ عورتوں کا امام ہونے کی نیت بھی کرے، یا صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ امام ہونے کی نیت کرے، بغیر اس فرق کے کہ وہ مردوں کا امام ہے یا عورتوں کا بھی؟

جواب: امام کے لیے امام ہونے کی نیت ہی کافی ہے، کہ اس کے پیچھے لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ عورتوں کے لیے خاص نیت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازیں پڑھا کرتی تھیں اور کوئی ایسی دلیل ثابت نہیں ہے کہ آپ نے ان عورتوں کے لیے کوئی خاص نیت کی ہو۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا، پھر مسلمان ہوگیا اور ساتھ ہی میری بیوی بھی مسلمان ہوگئی۔ ایک جمعہ کے دن میں اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مسجد جانے لگا تو مجھے کہا گیا کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانا منع ہے۔ تو میں مسجد کے امام صاحب کے پاس چلا گیا اور اس سے دریافت کیا کہ مسلمان خاتون کو مسجد میں جانے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ سب عورتیں صاف نہیں ہوتی ہیں، حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں بھی مسلمان عورتیں مسجدوں میں نہیں جاتی ہیں اور انہیں مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے امام صاحب کو سورۂ جمعہ کی یہ آیت کریمہ پیش کی:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب امامة النساء، حدیث: ۵۹۱، ۵۹۲۔ صحیح ابن خزیمة: حدیث: ۱۶۷۶۔ مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۴۰۵

الْبَيْعَ ....﴾ (الجمعه : ٦٢/ ٩)

سوال یہ ہے کہ آیا یہ بات درست ہے، کیا یہ اسلام کا حکم ہے؟ حالانکہ عیسائی عورتیں اپنے گرجوں میں عبادت کے لیے جاتی ہیں تو مسلمان عورتوں کے لیے مسجدوں میں جانا کیوں جائز نہیں ہے؟ براہ مہربانی جواب عنایت فرمائیں تاکہ عام مسلمانوں کو بھی رہنمائی حاصل ہو۔

جواب: مسلمان خاتون کو بجا طور پر اس بات کی اجازت ہے کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکے، حتیٰ کہ اس کے شوہر کے لیے بھی جائز نہیں کہ جب اس کی بیوی اس سے مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع کر سکے بشرطیکہ عورت نے کامل شرعی پردہ کیا ہو اور اس کے بدن کا کوئی حصہ نمایاں نہ ہو جس پر غیر محرم کی نظر پڑنا حرام ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم سے تمہاری عورتیں مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دیا کرو۔''[1]

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''عورتوں کو ان کے مسجدوں کے حصے سے مت روکو، جب وہ تم سے اجازت لے کر جائیں۔'' یہ روایت سن کر جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے بلال رضی اللہ عنہ نے کہا ''اللہ کی قسم! ہم تو انہیں ضرور روکیں گے، اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں تجھے بتا رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تو ہے کہ کہہ رہا ہے کہ ہم انہیں روکیں گے[2] اور یہ دونوں روایتیں صحیح مسلم میں آئی ہیں۔

اگر عورت بے پردہ ہو، کہ اس کے بدن سے کچھ نمایاں ہو جس پر غیروں کی نظریں پڑنا حرام ہے یا اس نے خوشبو لگا رکھی ہو تو اس حالت میں اسے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے کجا کہ وہ مسجد جائے، کیونکہ اس میں فتنہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ ....﴾الآية (النور : ٢٤/ ٣١)

''اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کیا کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں، اور اپنی آرائش ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے، یا اپنے والد کے، یا اپنے

---

[1] صحیح بخاری: کتاب النکاح باب استئذان المرأة زوجها فی الخروج الی المسجد، حدیث : ٥٢٣٨۔ صحیح مسلم: کتاب الصلاة باب خروج النساء الی المساجد، حدیث : ٤٤٢ .

[2] صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث : ٤٤٢۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، حدیث : ٥٦٨ .

خسر کے، یا اپنے لڑکوں کے، یا اپنے خاوندوں کے لڑکوں کے، یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنے میل جول کی عورتوں کے، یا اپنے غلاموں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں، یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں، اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے، اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ نجات پا جاؤ۔''

اور سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر ستائی نہ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور احادیث میں سیدہ زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عورتوں سے) فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کے لیے آنا چاہے تو اسے اس رات خوشبو نہیں لگانی چاہیے''[1] اور دوسری روایت میں ہے ''جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آنا چاہے تو خوشبو کو نہ چھوئے۔''[2] یہ دونوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں۔

اور احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کی عورتیں فجر کی جماعت میں حاضر ہوا کرتیں تو اپنی بڑی چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں، کوئی انہیں پہچان نہ پاتا تھا۔[3]

اور یہ بھی ثابت ہے کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، فرماتی تھیں کہ ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کا یہ انداز دیکھ لیتے جو انہوں نے اب اختیار کر لیا ہے، تو آپ انہیں مسجدوں میں آنے سے یقیناً منع فرما دیتے، جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔'' عمرہ سے پوچھا گیا: کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے روک دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ: ''ہاں۔''[4]

ان بیانات سے واضح ہے کہ مسلمان خاتون جب اپنے لباس وغیرہ میں شرعی آداب کی پابند ہو، فتنہ

[1] صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ٤٤٣.

[2] ایضاً.

[3] صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، حدیث: ٨٦٧.

[4] صحیح مسلم کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ٤٤٥۔ صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، حدیث: ٨٦٩۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ذلک، حدیث: ٥٦٩.

ابھارنے کا باعث نہ بنتی ہو یا اپنی پرکشش زینت کے ذریعے سے کمزور ایمان لوگوں کو اپنی طرف مائل نہ کرنے والی ہو تو اسے مسجد میں نماز کے لیے حاضری سے روکا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس کے برخلاف اگر اس کے چلن ایسے ہوں کہ بدطینت لوگوں کو مائل کرنے والی ہو، ان کے لیے فتنے کا باعث ہو تو مسجدوں میں جانے سے اسے روکا جائے گا بلکہ گھر سے نکلنے اور عام اجتماع کے مقامات پر جانے کی بھی اسے اجازت نہیں دی جائے گی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے، بلکہ انہیں کھلی اجازت ہے اور وہ مسجد حرام میں جا کر باجماعت نماز ادا کرتی ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان کے بیٹھنے کے لیے علیحدہ جگہیں مقرر ہیں کہ وہ نماز وغیرہ میں مردوں کے ساتھ مختلط نہ ہوں۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا اس دور میں بھی عورتوں کے لیے اجازت ہے کہ وہ مسجدوں میں جا کر نماز ادا کریں......؟

جواب: ہاں، اب بھی عورتوں کے لیے جائز ہے کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔''[1] اور آپ کا ایک فرمان یہ بھی ہے کہ ''مردوں کی بہترین صفیں پہلی صفیں ہوتی ہیں، اور کم درجہ آخری صفیں ہیں، اور عورتوں کی بہترین صفیں وہ ہیں جو آخر میں پیچھے ہوں اور کم درجہ صفیں وہ ہیں جو آگے آگے ہوتی ہیں۔''[2] (مجلس افتاء)

سوال: اگر کوئی عورت اپنے ایام مخصوصہ یا ایام نفاس میں وفات پا جائے تو کیا مسجد میں اس کا جنازہ پڑھا جا سکتا ہے؟

جواب: ہاں جائز ہے، بشرطیکہ اس سے مسجد کے آلودہ ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور یہ اس لیے کہ تکلیفی احکام موت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ (محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف، الشیخ عبدالعزیز العنقری)

سوال: کیا کسی نوجوان باپردہ خاتون کے لیے، جو شرعی لباس کی بھی پابند ہو اور چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ اپنا سارا جسم ڈھانپتی ہو، اس بات کی اجازت ہے کہ اپنی سب نمازیں مسجد میں جا کر ادا کرے، اور کیا ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے شوہر کے ساتھ ہی جایا کرے؟

جواب: عورت کے لیے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھے بشرطیکہ شرعی تقاضوں کے مطابق پردہ کرتی ہو، اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی ڈھانپتی ہو، خوشبو نہ لگائے اور زینت کا اظہار نہ کرے۔

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الجمعة باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل (باب)، حدیث: ۹۰۰۔ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد......، حدیث: ٤٤٢۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، حدیث: ٥٦٧۔ مسند احمد بن حنبل، ۲/ ۷٦، ۷۷.

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب صف النساء والتاخر عن الصف، حدیث: ٥٦٧۔ سنن الترمذی: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی فضل الصف الاول: حدیث: ٦٧٨۔ سنن الترمذی: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی فضل الصف الاوّل: حدیث: ۲۲٤۔ سنن النسائی: کتاب المساجد باب ذکر خیر صفوف النساء وشر صفوف الرجال، حدیث: ۸۲۱.

کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔'' ❶ تاہم خاتون کے لیے اس کا گھر سب سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں یہ ارشاد موجود ہے: ﴿بیوتھن خیر لھن﴾ (اور ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں) ❷ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا ایسی عورتوں کے لیے جو اپنے چہروں پر نقاب بھی ڈالتی ہیں، یہ بات جائز ہے کہ اپنے چہروں کی کامل زیب و زینت (میک اپ) کے ساتھ مسجدوں میں آئیں......؟

جواب: مسند احمد اور سنن ابی داود میں ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو، اور انہیں چاہیے کہ بالکل سادہ حالت میں نکلا کریں۔'' ❸ یعنی خوشبو نہ لگاتی ہوں۔

ایسے ہی صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آنا چاہے تو خوشبو نہ لگائے'' ❹ اور خوشبو کے بارے میں نسائی اور ترمذی میں آیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مردوں کی ''طیب'' وہ ہے جس کی مہک ظاہر اور رنگ خفی ہو، اور عورتوں کی طیب (زینت) وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور مہک خفی ہو۔'' یہی اس کے لیے طیب (یعنی خوشبو اور زینت) ہے۔ لہٰذا عورت کو چاہیے کہ جب وہ گھر سے نکلے خواہ مسجد ہی جانا چاہتی ہو وہ ''خوشبو'' سے باز رہے، کیونکہ یہ چیز مردوں کے لیے فتنے کا باعث ہے۔ اور اسی بنا پر اہل علم کا کہنا ہے کہ ''ہر وہ چیز جو (عورتوں کی طرف سے) مردوں کے لیے فتنے اور آزمائش کا باعث ہو وہ اسی کے ساتھ ملحق ہے مثلاً خوبصورت لباس، خوبصورت زیور جو نمایاں ہو، اور کامل بناؤ سنگار (میک اپ) وغیرہ۔ تو گھر سے نکلتے وقت عورت کو ان چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے بالخصوص جب وہ مسجد جانا چاہتی ہو۔ کیونکہ مسجد کی حاضری اللہ کے ذکر،

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الجمعة باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل، حديث: ٩٠٠۔ صحیح مسلم کتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، حديث: ٤٤٢۔ سنن ابی داؤد: كتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الى المسجد، حديث: ٥٦٧ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٧٦، ٧٧.

❷ گھر سے باہر قریب کی مسافت تک کے لیے جیسے کہ مسجد ہے یا عزیزوں ہمسایوں کے گھر ہوتے ہیں، اگر راستہ پُر امن ہو تو کسی محرم کو ساتھ لے جانا واجب نہیں ہے، تاہم احتیاط اور ادب کے پہلو سے اگر کوئی محرم ساتھ ہو تو بہت بہتر ہے۔ جیسے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ان کے گھر چھوڑنے کے لیے گئے تھے، جبکہ آپ مسجد میں اعتکاف کیے ہوئے تھے (س ع)

❸ سنن ابی داؤد: كتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الى المسجد، حديث: ٥٦٥.

❹ صحیح مسلم: كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، حديث: ٤٤٣۔ سنن النسائی: كتاب الزينة، باب الفضل بين طيب الرجال وطيب النساء، حديث: ٥١٢٠-٥١٢١۔ سنن الترمذی: كتاب الادب، باب ما جاء فی طيب الرجال والنساء، حديث: ٢٧٨٧.

نماز اور پند ونصیحت سننے کے لیے ہوتی ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ عورت باپردہ ہو کر نکلے اور میں چاہوں گا کہ پڑھی لکھی خواتین لغت کی کتابوں میں اس فرمان رسول کا ترجمہ و مفہوم ملاحظہ کریں ((ولیخرج جن تَفِلات)) ❶ (چاہیے کہ وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں) لہٰذا مسلمان عورت کو خوشبو لگا کر اپنے گھر سے باہر نکلنا حرام ہے۔ عورتوں کی ''طیب'' وہی ہے جس میں رنگ ہو۔ اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت نے خوشبو کی دُھونی لی ہو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں حاضر نہ ہو۔'' ❷ چنانچہ جب عورتوں نے عطر لگا کر مسجدوں میں جانے کا کام شروع کیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ اٹھیں ''اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کا یہ چلن ملاحظہ فرما لیتے جو ہم نے دیکھا ہے تو آپ انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔'' ❸

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر آدمی کے ذمے کسی نماز کی قضا دینا باقی ہو تو کیا اس کے لیے قضا شدہ نماز پڑھنا افضل ہے یا نفل؟

جواب: اگر اس کے ذمے کسی واجب کی قضا دینا باقی ہو تو اس کے لیے پہلے واجب کی قضا دینا ہی افضل ہے بجائے اس کے کہ وہ نئے نوافل میں مشغول ہو۔ (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: عورت کی نماز گھر میں افضل ہے یا مسجد حرام میں؟

جواب: مرد ہوں یا عورتیں سب کے لیے نفل نماز اپنے گھر میں ادا کرنا افضل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں عموم ہے:

((افضل صلاة المرء فی بیتہٖ الا المکتوبة .)) ❹

''فرضوں کے علاوہ آدمی کی فضیلت والی نماز وہی ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے۔''

یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نوافل گھر میں پڑھا کرتے تھے، اور آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ:

((صلاة فی مسجدی هذا خیر من ألف صلاة فیما عداه الا المسجد الحرام .)) ❺

---

❶ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، حدیث: ٥٦٥ الفاظ ہیں: "تسخیر جن و هن تفلات"

❷ صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ٤٤٤ .

❸ صحیح مسلم کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ٤٤٥۔ صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، حدیث: ٨٦٩۔ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب التشدید فی ذلك، حدیث: ٥٦٩ .

❹ صحیح بخاری: کتاب الجماعة والامامة، باب صلاة اللیل، حدیث: ٦٩٨۔ صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب استحباب صلاة النافلة فی بیته، حدیث: ٧٨١۔ سنن النسائی: کتاب قیام اللیل وتطوع النهار، باب الحث علی الصلاة فی البیوت، حدیث: ١٥٩٩ .

❺ صحیح بخاری: کتاب ابواب التطوع، باب فضل الصلاة فی مسجد مکة و المدینة، حدیث١١٣٣ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدی مکة والمدینة، حدیث: ١٣٩٤۔ سنن الترمذی: کتاب ابواب الصلاة، باب أی المساجد افضل، حدیث: ٣٢٥ .

''میری اس مسجد میں ایک نماز-مسجد حرام کے علاوہ- باقی سب مساجد سے ایک ہزار گنا افضل ہے۔''

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ: مثلاً آپ مکہ میں اپنے گھر میں رہائش پذیر ہوں اور ظہر کی اذان ہو جائے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں تو بہتر یہ ہے کہ آپ ظہر کی مؤکدہ سنتیں اپنے گھر میں پڑھیں اور پھر مسجد حرام میں آئیں، وہاں آ کر تحیۃ المسجد ادا کر لیں۔

اور اسی بنا پر بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نمازوں کا جو اضافی ثواب بیان کیا گیا ہے وہ صرف فرض نمازوں سے متعلق ہے کیونکہ فرض ہی مسجدوں میں ادا کیے جاتے ہیں اور نوافل میں یہ اضافی ثواب نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ اجر و ثواب فرض و نفل سب نمازوں کے لیے عام ہے۔ اور اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسجد حرام وغیرہ میں پڑھے جانے والے نوافل گھر میں پڑھے گئے نوافل سے افضل ہوتے ہیں۔ فضیلت ان نوافل کو ہے جو گھر میں پڑھے گئے ہوں۔ لیکن اگر انسان مسجد حرام میں آئے اور تحیۃ المسجد ادا کرے تو یہ تحیۃ المسجد باقی مساجد کے مقابلہ میں ایک لاکھ تحیۃ المسجد سے افضل ہوں گے اور مسجد نبوی میں ادا کیے گئے تحیۃ المسجد مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد سے ایک ہزار گنا افضل ہوں گے۔ اور اسی طرح اگر آپ مسجد حرام میں آئی ہیں اور تحیۃ المسجد پڑھ لیے ہیں اور ابھی فرضوں کا وقت نہیں ہوا، تو اگر آپ نوافل پڑھنے لگیں تو یہ نوافل باقی مساجد کے نوافل سے ایک لاکھ گنا افضل اور بہتر ہوں گے اور اسی طرح باقی کو قیاس کر لیجیے۔ اور اسی طرح (عورتوں کے لیے) فرض نمازوں کا مسئلہ ہے کہ ان کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ گھروں میں ادا کریں۔

اور قیام رمضان کے مسئلہ میں کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اس میں افضل یہ ہے کہ عورتیں مسجدوں میں آ کر قیام کریں۔ اس کے لیے ان کا استدلال اس روایت سے ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور انہیں رمضان کا قیام کروایا۔ ❶ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایک آدمی کو حکم دیا کرتے تھے جو مسجد میں عورتوں کی امامت کرایا کرتا تھا❷ مگر میرے نزدیک اس میں توقف ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما ❸ سے منسوب دونوں اثر ضعیف ہیں، ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی اور رسول اللہ ﷺ کا اپنے گھر

❶ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، ابواب قیام اللیل، باب فی قیام شھر رمضان، حدیث: ۱۳۷۵۔ سنن النسائی: کتاب قیام اللیل و تطوع النھار، باب قیام شھر رمضان، حدیث: ۱۶۰۵۔ فضیلۃ الشیخ نے اس روایت کو بالمعنی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

❷ حضرت عمر کا اثر (روایت) دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲/ ۳۴، حدیث: ۶۱۴۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت (اثر) دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲/ ۳۴، حدیث: ۶۱۵۲۔ السنن الکبری للبیھقی: ۲/ ۲۹۴، حدیث: ۴۳۸۱۔ مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۲۵۸، حدیث: ۷۷۲۲.

❸ یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام کی بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہونا درست ہے جو پیچھے بیان کردہ آثار سے واضح ہے (عاصم)۔ واللہ اعلم

والوں کو اکٹھے کر کے قیام کروانے میں اس بات کی صراحت نہیں کہ آیا وہ مسجد میں تھا یا گھر میں؟ میرے نزدیک یہ مسئلہ قابل تحقیق ہے کہ عورت کے لیے قیام رمضان میں افضل کیا ہے، مسجد حرام یا اس کا گھر؟ یہ فرمان تو ثابت ہے کہ ''عورت کے لیے اس کا گھر افضل ہے۔'' ❶ الا یہ کہ کوئی واضح نص مل جائے جو یہ ثابت کر دے کہ عورت کے لیے مسجد حرام کی نماز افضل ہے۔ ہاں اگر وہ (عورت) مسجد حرام میں آئی ہو اور وہاں نماز میں شامل ہوئی ہو تو امید ہے وہ اس ثواب کی مستحق ہوگی جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ''مسجد حرام کی ایک نماز دیگر مساجد کے مقابلہ میں ایک لاکھ گنا افضل ہے'' ❷ لیکن اگر عورت کے گھر سے باہر نکلنے میں فتنہ ہو تو بلاشبہ اس کا گھر میں رہنا ہی افضل ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: وہ خواتین جو رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے جاتی ہیں ان کے لیے اپنی نمازیں فرض یا تراویح مسجد حرام میں ادا کرنا افضل ہے یا اپنی اقامت گاہ میں؟

جواب: سنت سے یہی ثابت ہے کہ عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھے، وہ مکہ ہو یا کوئی اور مقام۔ تاہم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو، اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں'' ❸ آپ کا یہ فرمان مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تھا اور مسجد نبوی میں نماز کی جو فضیلت ہے وہ واضح ہے اور یہ اس لیے ہے کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا اس کے لیے زیادہ باپردہ اور فتنے سے محفوظ تر ہے، لہٰذا اس کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا بہتر اور عمدہ قرار دیا گیا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے لیے رمضان کی راتوں میں کون سا عمل زیادہ فضیلت والا ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھے یا مسجد میں، جبکہ مسجد میں وعظ ونصیحت بھی ہوتی ہے اور آپ ان عورتوں سے کیا کہنا چاہیں گے جو مسجدوں میں جا کر نمازیں پڑھتی ہیں؟

جواب: عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان

''وبیوتهن خير لهن.'' ❹

---

❶ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، حدیث: ٥٦٧۔ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٧٦، ٧٧.

❷ سنن ابن ماجه: كتاب اقامة الصلوٰة والسنة فیها، باب ما جاء فی فضل الصلاة فی المسجد الحرام، حدیث: ١٤٠٦۔ مجمع الزوائد: ٣/ ٦٧٥، حدیث: ٥٨٧٣.

❸ سنن ابی داؤد: کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، حدیث: ٥٦٧۔ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٧٦، ٧٧.

❹ ایضاً۔

''اور ان عورتوں کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔''

کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات عورت کا گھر سے باہر نکلنا فتنے سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کا گھر میں رہنا ہی بہتر ہے بجائے اس کے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھے، اور وعظ و نصیحت کا سننا دوسرے ذرائع سے بھی ممکن ہے مثلاً ٹیپ ریکارڈر وغیرہ ہے۔

اور میں خواتین سے یہی کہنا چاہوں گا کہ وہ جب نماز کے لیے مسجد کی طرف جائیں تو کسی طرح کی زیب و زینت کے بغیر نکلیں اور خوشبو وغیرہ بھی نہ لگائی ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کے نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ اور کیا یہ مسئلہ مسجد الحرام اور امام کی اقتدا میں اور اکیلے نماز سب کے لیے یکساں ہے؟

جواب: عورت کے نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، یہ بات صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((يقطع صلاة المرء المسلم إذا لم يكن بين يديه مثل مؤخرة الرحل، المرأة والحمار والكلب الأسود.)) [1]

مسلمان مرد نے جب نماز کے لیے اپنے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کچھ نہ رکھا ہو تو اس کی نماز عورت، گدھے اور کالے کتے کے گزرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ لہٰذا اگر نمازی نے سترہ رکھا ہو اور کوئی عورت اس کے اور سترے کے درمیان سے گزر جائے، یا اگر سترہ نہ ہو تو وہ اس کے اور سجدے کی جگہ کے درمیان سے گزر جائے تو مرد کی نماز باطل جائے گی اور اس پر واجب ہوگا کہ وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے، خواہ وہ اپنی آخری رکعت میں پہنچ چکا ہو، اور اس میں مسجد حرام یا دیگر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس مسئلے میں راجح قول یہی ہے۔ کیونکہ احادیث عام ہیں ان میں کسی جگہ کی تخصیص یا فرق نہیں کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے الجامع الصحیح میں "باب السترة بمكة وغيرها" کے زیر عنوان یہ مسئلہ بیان فرماتے ہوئے عموم احادیث سے استدلال کیا ہے۔ لہٰذا مرد پر واجب ہے کہ جب نماز پڑھتے ہوئے اس کے اور سترے کے درمیان سے یا اس کے اور مقام سجدہ کے درمیان سے عورت گزر جائے تو اپنی نماز کا اعادہ کرے، سوائے اس کے کہ وہ امام کی اقتدا میں ہو۔ کیونکہ امام کا سترہ مقتدی کے لیے بھی سترہ ہوتا ہے۔ مقتدیوں کے آگے سے کسی کا گزر جانا جائز ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اگر انسان امام کے پیچھے نہ ہو تو کسی کا نمازی

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلى، حديث: ٥١٠ وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، حديث: ٧٠٢.

کے آگے سے گزرنا حرام ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو خبر ہو کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو اس کا چالیس .... کھڑا رہنا اس کے لیے بہتر ہو بجائے اس کے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرتا۔'' [1] مسند بزار میں یہ مدت ''چالیس سال'' [2] کی وضاحت سے آئی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مردوں کی بہترین صفیں وہ ہیں جو ابتدا میں اور آگے ہوں اور کم درجہ وہ ہیں جو پیچھے اور آخر میں ہوں اور عورتوں کی بہترین صفیں وہ ہیں جو آخر میں اور پیچھے ہوں اور کم درجہ وہ ہیں جو ابتدا میں اور آگے ہوں۔'' تو کیا جب مسجد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان پردے وغیرہ کی رکاوٹ موجود ہو تو بھی عورتوں کی صفوں میں باعتبار فضیلت یہی درجہ بندی ہوگی، یا یہ کہا جائے گا کہ اس صورت میں عورتوں کی آگے والی پہلی صفیں افضل ہوں گی؟ ہماری رہنمائی فرمائیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

جواب: بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی آخری اور پچھلی صفوں کی فضیلت مردوں سے دور ہونے کے باعث ہے۔ عورت جس قدر مردوں سے دور ہوگی اس کی عزت و کرامت کے لیے زیادہ باعث تحفظ ہے اور وہ برائی کی طرف میلان کے سبب سے زیادہ دور ہوگی لیکن اگر عورتوں کی نماز کی جگہ مردوں سے دور اور پھر ان کے درمیان دیوار یا پردے وغیرہ ہوں اور وہ عورتیں امام کی متابعت کے لیے لاؤڈ سپیکر پر اعتماد کرتی ہوں تو راجح یہی ہے کہ ان کے لیے بھی پہلی صف کی فضیلت ہوگی کیونکہ وہ اس طرح قبلہ کی طرف زیادہ قریب اور آگے ہوں گی۔ [3]

(عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہوئے بھی پاؤں کی انگلیوں کا رخ آگے قبلہ کی طرف ہونا چاہیے......؟

جواب: یہ صورت مستحب ہے واجب نہیں ہے اور میں نے کسی صاحب علم کو نہیں دیکھا کہ اس نے درمیانی اور آخری تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کو واجب کہا ہو، صرف مستحب ہونے میں فرق کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں تشہدوں میں پاؤں کا پچھا لینا مستحب ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں تشہدوں میں سرین پر بیٹھنا مستحب ہے جسے تورک کہا جاتا ہے۔ جبکہ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تفصیل ہے۔ یوں کہ درمیانی تشہد میں پاؤں بچھا کر بیٹھا جائے اور آخری میں تورک کیا جائے یعنی سرین پر بیٹھا جائے، اور یہ ہی حق

[1] صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب اثم المارين يدي المصلي، حديث: ٥١٠ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب منع المارين يدي المصلي، حديث: ٥٠٧.

[2] مجمع الزوائد: ٢/ ٦١.

[3] اس مسئلہ میں ہمارے مشائخ کی توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں صفوں کا ذکر عمومی حیثیت میں ہے اور عورت کے لیے اصل فضیلت اس بات میں ہے کہ وہ کس قدر کم وقت گھر سے باہر رہتی ہے۔ جو عورت گھر سے جلدی نکلے گی وہ مسجد میں پہلی صف میں جگہ پائے گی اور جو عین جماعت کے قریب گھر سے نکلے گی وہ آخری صفوں میں جگہ پائے گی مثلاً اگر کہیں کسی جگہ عورتوں کی صف ہی ایک ہو یا ان کی تعداد کم ہو تو مشائخ عظامؒ کی مذکورہ یہ توجیہ ہی قابل فہم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (س ع)

ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے اور امام احمد، ابوداؤد اور بخاری رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا عورتوں کی صفوں کو بھی اسی طرح سیدھا اور برابر ہونا چاہیے جیسے کہ مردوں کی ہوتی ہیں؟ اور کیا ان کی پہلی اور پچھلی صفوں کی فضیلت میں کوئی فرق ہوگا جبکہ عورتوں کی جائے نماز مردوں سے بالکل الگ تھلگ ہو؟

جواب: عورتوں کی صفوں میں وہی عمل سنت اور مشروع ہے جو مردوں کے لیے ہے، یعنی ان کو سیدھا اور برابر کیا جائے، پہلی ابتدائی صفیں مکمل کی جائیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑی ہوں اور درمیان میں خلا نہ رہنے دیں اور جب مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی پردہ وغیرہ حائل نہ ہو تو عورتوں کی بہترین اور فضیلت والی صفیں وہی ہیں جو سب سے پیچھے ہوں، اس لیے کہ وہ مردوں سے دور ہیں، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے۔ اگر ان کے درمیان فاصلہ اور پردہ وغیرہ ہو تو ظاہر یہی ہے کہ عورتوں کی افضل صف وہی ہوگی جو ابتدا میں ہو، کیونکہ وہ سبب جو فضیلت کی کمی کا باعث تھا وہ زائل ہو چکا ہے اور امام سے قریب ہونے کی فضیلت حاصل ہوگئی ہے...... واللہ اعلم

(صالح فوزان)

سوال: درمیانی تشہد میں بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ واجب ہے یا سنت؟

جواب: علماء کے صحیح تر قول کے مطابق درمیانی تشہد میں بیٹھنا واجب ہے، امام احمد، اسحاق اور ابن حزم رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث مسیئ الصلاۃ میں اس کے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ حدیث نماز کے فرائض، ارکان اور واجبات کے بیان کی بہترین دلیل ہے۔ سنن ابی داؤد میں جناب رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلاۃ (نماز میں غلطی کرنے والے) سے فرمایا تھا کہ:

((فإذا جلست فی وسط الصلاة فاطمئن .))

"جب تو نماز کے درمیان بیٹھے تو اطمینان اور سکون سے بیٹھ۔"[1]

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: درمیانی تشہد میں کہاں تک پڑھنا چاہیے، کلمہ شہادت تک یا اس کے ساتھ درود ابراہیمی بھی پڑھا جائے جیسے کہ آخری تشہد میں پڑھا جاتا ہے؟ براہ مہربانی دونوں جانب کے دلائل سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ درمیانی تشہد میں کلمہ شہادت تک ہی کافی ہے، اس کے بعد درود شریف صرف آخری تشہد میں پڑھا جائے۔ مگر نصوص احادیث دونوں تشہدوں میں اس کا پڑھنا ثابت کرتی ہیں۔ کچھ تو صحیحین میں آئی ہیں مثلاً سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر سلام کہنا جان گئے ہیں، تو آپ کے لیے صلاۃ (درود) کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا: "یوں کہا کرو:

[1] سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه فی الركوع والسجود، حديث: ٨٦٠ والمعجم الكبير: ٥/ ٣٩، حديث: ٤٥٢٨.

((اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وإنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وآل محمد كما باركت على آل ابراهيم إنك حميد مجيد.))❶

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے، تو بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لیے صلاۃ (درود) پڑھا کریں، تو ہم نماز میں آپ پر کس طرح صلاۃ پڑھا کریں؟ تو آپ خاموش ہو گئے، حتیٰ کہ ہم نے چاہا کہ کاش ہم نے آپ سے نہ ہی پوچھا ہوتا۔ پھر آپ نے فرمایا: یوں کہا کرو:

((اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وإنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وآل محمد كما باركت على آل ابراهيم إنك حميد مجيد.))❷

جناب ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے جو صحیحین میں ہے۔❸

دیکھیے ان احادیث میں درمیانی یا آخری تشہد کا کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے کہ دونوں تشہدوں کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے درود پڑھنا سنت ہے اور امام ابومحمد بن حزم رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور جمہور نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ناقابل حجت ہے کیونکہ وہ باعتبار سند ضعیف ہے اور متن سے جو مفہوم اخذ کیا گیا ہے وہ بھی کمزور ہے۔ وہ روایت یوں ہے کہ "نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب درمیانی تشہد میں بیٹھا کرتے تھے تو ایسے لگتا تھا گویا آپ کسی گرم پتھر پر بیٹھے ہوں۔"❹ اس کا راوی یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ درمیانی

❶ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الصلاة على النبی، حدیث: ٥٩٩٦ بروایت کعب بن عجرة وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الصلاة على النبی، حدیث: ٤٠٦ وسنن أبی داود، کتاب الصلاة، أبواب التشهد، باب الصلاة على النبی، حدیث: ٩٧٦.

❷ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الصلاة على النبی ﷺ، حدیث: ٤٠٥ وسنن الترمذی، تفسیر القرآن، سورة الاحزاب، حدیث: ٣٢٢٠ وسنن النسائی، کتاب صفة الصلاة، باب الامر بالصلاة على النبی، حدیث: ١٢٨٥.

❸ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب هل یصلی على غیر النبی ﷺ، حدیث: ٥٩٩٩ وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الصلاة على النبی، حدیث: ٤٠٧.

❹ سنن أبی داود، کتاب الصلاة، أبواب التشهد، باب فی تخفیف القعود، حدیث: ٩٩٥ ضعیف وسنن النسائی، کتاب صفة الصلاة، باب التخفیف فی التشهد الاول، حدیث: ١١٧٦ ضعیف۔ مسند احمد بن حنبل: ٣٨٦/١، حدیث: ٣٦٥٦ ضعیف.

تشہد میں بہت مختصر بیٹھتے تھے۔

یہ حدیث اولاً سند کے اعتبار سے کمزور ہے، اور دوسرے باعتبار معنی بھی جو اس سے نکالا گیا ہے کمزور ہے۔ دیکھیے بندہ جب آخری تشہد میں درود شریف پڑھتا ہے جیسے کہ درمیانی تشہد میں پڑھا ہے تو اس میں مزید دعائیں بھی پڑھتا ہے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ ''نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو جایا کرے تو اسے چاہیے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرے، یعنی جہنم، عذاب قبر، فتنہ مسیح دجال اور فتنہ زندگی وموت سے۔ [1] بلکہ بعض اہل علم تو اس تعوذ کے وجوب کے قائل ہیں، جیسے کہ امام ابن حزم ہیں اور جناب طاؤس نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ اس نے نماز میں یہ تعوذ نہیں پڑھا ہے تو انہوں نے اس کو حکم دیا کہ اپنی نماز دہرائے۔ [2] مگر اس مسئلے میں جمہور کی رائے زیادہ صحیح ہے کہ یہ تعوذ محض مستحب ہے (واجب نہیں)۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مسیء الصلاۃ میں اس کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور یہ حدیث مسیء الصلاۃ نماز کے ارکان و واجبات جاننے کے بارے میں اصل ہے۔ دعا کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جو صحیح مسلم میں آئی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعا پڑھی:

((اللهم اغفرلى ما قدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت وما أنت أعلم به منى، أنت المقدم وأنت المؤخر لا إله إلا أنت.))

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جو تشہد کے بیان میں ہے، اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر چاہیے کہ تمہارا ایک وہ دعا پڑھے جو اسے پسند ہو، اور اس کے ذریعے سے اپنے رب سے مانگے۔''

الغرض آخری تشہد کے بعد دعا کرنا بالخصوص مشروع اور سنت ہے۔ چنانچہ اگر بندہ یہ اذکار اور وہ دعائیں جو حضرت ابوہریرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی احادیث میں آئی ہیں سب جمع کر لے تو یہ کلمہ شہادت اور نبی علیہ السلام کے لیے صلاۃ کے برابر بن جاتی ہیں۔ اس طرح آخری تشہد مجموعی طور پر درمیانی تشہد سے دوگنا ہو جاتا ہے۔ [3]

الغرض یہ حدیث ہر لحاظ سے ضعیف ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ما یستعاذ منه، حدیث: ٥٨٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٤٧٧، حدیث: ١٠١٨٣.

[2] صحیح مسلم، کتاب المساجد مواضع الصلاة، باب ما یستعاذ منه، حدیث: ٥٩٠.

[3] اہل فضل علماء کے ہاں غیر منصوص مسائل میں استنباط واستدلال کے انداز متنوع ہیں۔ مجتہد مصیب کے لیے دو اجر اور مخطی کے لیے ایک اجر کا وعدہ ہے۔ درمیانی تشہد میں درود شریف پڑھنے کے مسئلہ میں ایک قول تو یہی ہے جو فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالمقصود صاحب حفظہ اللہ اور علامہ الالبانی رحمہ اللہ وغیرہم کا اختیار کردہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم اور جمہور ائمہ کے نزدیک یہ ہے کہ درمیانی تشہد میں کلمات تشہد سے زیادہ نہ کہا جائے۔ ہمارے ہاں بھی علمائے کرام کا معمول تقریباً یہی ہے۔ فضیلۃ الشیخ محمد امین اللہ پشاوری صاحب اپنے فتاویٰ الدین الخالص (طبع اول جلد چہارم، ص: ٣٥٦ تا ٣٥٩) میں فرماتے ہیں (خلاصہ) ⇦⇦

سوال: دیکھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک میں عورتیں مسجد میں آخری صفوں کو ترجیح دیتی ہیں جبکہ پہلی صفوں میں جگہ ہوتی ہے، چنانچہ پچھلی صفوں میں بھیڑ ہوجاتی ہے اور آگے جانے والیوں کے لیے راستہ بھی رک جاتا ہے، اور پیچھے بیٹھنے والیاں اپنے خیال میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کر رہی ہوتی ہیں کہ ''عورتوں کی آخری اور پچھلی صفیں ہی افضل ہوتی ہیں'' براہ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: اس میں کچھ تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر عورتیں ایسی جگہ نماز پڑھ رہی ہوں کہ ان کے اور مردوں کے درمیان پردہ موجود ہو تو ان عورتوں کی بھی پہلی اور ابتدائی صفیں افضل ہوں گی، کیونکہ (پچھلی صفوں کی فضیلت کا) سبب دور ہو چکا ہے اور وہ ہے فتنے کا خوف، چنانچہ ضروری ہے کہ عورتوں کی صفیں بھی اسی طرح مرتب ہوں جیسے کہ مردوں کی ہوتی ہیں۔ پہلے پہلی صف مکمل کی جائے پھر دوسری اور اسی طرح بعد والی۔ (صالح الفوزان)

سوال: عورتوں کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

⇦⇦ **پہلی حدیث** : ...... جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی نماز وتر کے بیان میں ہے، اس سے جو استدلال کیا جاتا ہے تو یقیناً درمیانی تشہد میں صلاۃ علی النبی ثابت ہے مگر نماز وتر میں...... اور معلوم ہے کہ نماز وتر کی کیفیات فرائض سے مختلف ہیں۔ لہٰذا ایک نماز کو دوسری نماز پر قیاس کرنا خالص اتباع سنت کے متلاشی کے لیے جائز نہیں ہے، اور عبادات سراسر توقیفی عمل ہے ان میں رائے وقیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہاں وتر میں رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعت کے بعد اپنے لیے صلاۃ پڑھی ہے اور دعا بھی کی ہے، تو کیا ہم دو رکعت کے بعد یہ عمل شروع کر دیں؟ کیا یہ عمل خلاف سنت نہیں ہوگا؟ جیسے کہ فضیلۃ الشیخ الالبانی رحمہ اللہ اپنی کتاب تمام المنہ، ص:۱۸۵ میں یہ لکھ آئے ہیں کہ نوافل کے اذکار کو فرائض میں پڑھنا غیر مشروع ہے۔

دوسری حدیث : ...... سنن دارقطنی (۲/۳۵۱) میں موسیٰ بن عبیدہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی تشہد التحیات الطیبات الزاکیات للہ ...... الخ سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ اس میں عموم ہے اور تشہد اول وثانی دونوں کو شامل ہے، تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے، بالخصوص جب وہ عبداللہ بن دینار سے روایت کرتا ہو، جیسے کہ التقریب میں ہے اور امام دارقطنی کہتے ہیں کہ موسیٰ بن عبیدہ اور خارجہ دونوں ضعیف ہیں۔

تیسری حدیث : ...... جو دارقطنی میں عمرو بن شمر کی سند سے عبیداللہ بن بریدہ عن ابیہ سے مروی ہے، اس کی سند میں عمرو بن شمر اور جابر دونوں ضعیف ہیں۔ نیز اس میں تشہد اول کا ذکر بھی نہیں ہے۔

چوتھی حدیث : ...... جو محمد بن اسحاق سے مروی ہے، اس کے بھی عموم سے استدلال لیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''عمومات سے استدلال کر کے بہت سی بدعات کو جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور بالخصوص خالص عبادت جیسے عمل میں عمومات سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

آخر میں فضیلۃ الشیخ محمد امین اللہ صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ '' اگر نمازی ان دلائل کی روشنی میں تشہد اول میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے صلاۃ یا دوسری دعائیں پڑھتا ہے، تو اس پر کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس سے اجتہاد میں خطا ہوئی ہے۔

ہمارے محترم شیخ حافظ عبدالعزیز صاحب علوی حفظہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور ان کے ساتھ جناب حافظ مسعود عالم صاحب کا فتویٰ بھی اس کے قریب قریب ہے، اور راقم کے نزدیک بھی جمہور کا فتویٰ اور عمل راجح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (عمر فاروق السعیدی)

جواب: عورتوں کے لیے جائز ہے اور انہیں اجازت ہے کہ گھروں سے باہر جاسکتی ہیں اور مساجد میں مردوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتی ہیں۔ مگر ان کی نماز اپنے گھروں میں زیادہ فضیلت والی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔'' [1]

اور دوسرے الفاظ میں یوں ہے:

''عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو، اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔'' [2]

چنانچہ ان کا گھروں میں رہنا اور گھروں میں نماز پڑھنا ان کے لیے زیادہ فضیلت والا ہے کیونکہ اس میں ان کے لیے زیادہ پردہ ہے۔ اور کوئی عورت جب مسجد کے لیے نکلے تو شرعی آداب کے ساتھ نکلے۔

(صالح الفوزان)

سوال: مسلمان ممالک میں کسی جگہ بعض علماء نے اس طرح کا فتویٰ دیا ہے کہ عورتوں کے لیے مسجدوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے یا یہ کہ وہ نجس ہوتی ہیں انہیں مسجدوں میں داخل ہونا جائز نہیں...... چنانچہ اس وجہ سے مسلمانوں میں بڑا اختلاف ہوتا ہے......؟

جواب: انسان مرد ہو یا عورت، زندہ ہو یا مردہ، نجس نہیں ہوتا۔ تو عورت کو بجا طور پر حق حاصل ہے کہ مسجد میں داخل ہوسکتی ہے سوائے اس کے کہ جنابت یا حیض کی کیفیت سے ہو۔ اس حال میں اسے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ راہ گزرنے والی ہو، اور اس احتیاط کے ساتھ کہ کوئی آلائش مسجد میں نہ گرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا﴾ (النساء : ٤/ ٤٣)

''بحالت جنابت (مقامات مساجد) کے قریب مت جاؤ......سوائے اس کے کہ راہ گزرنے والے ہوں حتیٰ کہ غسل کرلو۔''

رسول اللہ ﷺ کی بیویاں آپ سے ملنے کے لیے مسجد میں آیا کرتی تھیں جبکہ آپ مسجد میں اعتکاف کیے ہوتے تھے۔ اور ایک لونڈی تھی جو مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی۔ اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مردوں کو منع فرمایا ہے کہ عورتیں اگر نماز کے لیے مسجد جانا چاہیں تو انہیں مت روکو۔

((لا تمنعوا اماء الله مساجد الله.))

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، حديث : ٤٤٢ وصحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل ......، حديث : ٩٠٠ .

[2] سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، حديث : ٥٦٧ .

''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔''❶

اور آپ کا یہ فرمان بھی ثابت ہے کہ:

((خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها اولها .))

''مردوں کی بہترین صفیں وہ ہیں جو ابتدا میں ہوں اور کم درجہ وہ ہیں جو آخر میں ہوں۔ اور عورتوں کی افضل صفیں وہ ہیں جو پیچھے اور آخر میں ہوں اور کم درجہ وہ ہیں جو ابتدا میں ہوں۔''❷

اس حدیث میں ان کے لیے مسجد میں جگہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ مردوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھیں تو کہاں اور کیسے کھڑی ہوں۔ اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان بھی صحیح ثابت ہے کہ:

((اذا استأذنكم نساء كم بالليل الى المسجد فاذنوا لهن .))

''جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دیا کرو۔''❸

چنانچہ اس سلسلہ میں مجلس افتاء کی طرف سے ایک فتویٰ جاری ہو چکا ہے جو درج ذیل ہے: ''عورت کو اجازت ہے کہ جمعہ اور دیگر نمازوں کی باجماعت ادائیگی کے لیے مسجد آ سکتی ہے اور اس کے شوہر کو اس سے روکنا جائز نہیں ہے، تاہم اس کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ اور عورت کے ذمے ہے کہ باہر نکلتے ہوئے اسلامی آداب کا خاص خیال رکھے۔ ایسا لباس پہنے جو اس کے لیے خوب باپردہ ہو، باریک شفاف یا تنگ لباس نہ پہنے جو اس کے جسم کو نمایاں کرتا ہو، نکلتے ہوئے خوشبو (یا زیب وزینت اور میک اپ) سے پرہیز کرے، اور نہ ہی مردوں کے ساتھ ان کی صفوں میں اختلاط کرے، بلکہ ان سے پیچھے صف بنائے۔ عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آیا کرتی تھیں اور اپنی بڑی چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں اور مردوں

❶ صحيح بخارى، كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل، حديث: ٩٠٠ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، حديث: ٤٤٢ وسنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى خروج النساء الى المسجد، حديث: ٥٦٧ و مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٧٦، ٧٧.

❷ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف واقامتها، حديث: ٤٤٠، وسنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب صف النساء والتاخر عن الصف، حديث: ٦٧٨ وسنن الترمذى، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى فضل الصف الاول، حديث: ٢٢٤ وسنن النسائى، كتاب المساجد، باب ذكر خير صفوف النساء وشر صفوف الرجال، حديث: ٨٢١.

❸ صحيح بخارى، كتاب الاذان، باب خروج النساء الى المساجد بالليل والغلس، حديث: ٨٦٥ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد......، حديث: ٤٤٢ وسنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى خروج النساء الى المسجد، حديث: ٥٦٧.

کے پیچھے صفیں بناتی تھیں۔ اور آپ کا یہ فرمان بھی ہے کہ ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔'' ❶

اور یہ بھی فرمان ہے کہ: ''مردوں کی بہترین صفیں وہ ہیں جو شروع میں ہوتی ہیں اور کم درجہ وہ ہیں جو آخر میں ہوتی ہیں، اور عورتوں کی افضل صفیں وہ ہیں جو آخر میں اور پیچھے ہوتی ہیں اور کم درجہ وہ ہیں جو شروع میں ہوں۔'' ❷ (مجلس افتاء)

سوال: کیا عورت نماز جمعہ پڑھ لے تو ظہر کی نماز اس سے ساقط ہو جاتی ہے؟

جواب: جب کسی عورت نے امام جمعہ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی ہو تو یہ اس کے لیے نماز ظہر سے کافی ہے۔ اسے اس دن کی ظہر کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اکیلی نماز پڑھے تو اسے صرف ظہر پڑھنا ہو گی، جمعہ نہیں پڑھ سکتی۔ (مجلس افتاء)

سوال: عورت کے لیے نماز جمعہ کا حکم ہے؟ کیا یہ مردوں کی نماز کے بعد پڑھے یا پہلے یا ان کے ساتھ مل کر؟

جواب: عورت کے لیے جمعہ واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ امام جمعہ کے ساتھ ادا کرے تو بالکل بجا اور صحیح ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے گھر میں پڑھتی ہے تو ظہر کی چار رکعت ہی پڑھے گی، اور یہ نماز کا وقت ہو جانے کے بعد ہی پڑھ سکتی ہے، یعنی سورج ڈھلنے کے بعد، اور اکیلی جمعہ نہیں پڑھ سکتی۔ (مجلس افتاء)

سوال: جو شخص نماز جمعہ میں تشہد میں آ کر ملا ہو، کیا اس نے جمعہ پالیا یا وہ ظہر کی نماز پڑھے؟

جواب: جمہور علماء کے نزدیک جمعہ پانے کے لیے کم از کم یہ ہے کہ آدمی امام کو دوسری رکعت کے رکوع میں جا ملے۔ اگر انسان اللہ اکبر کہہ کر امام کو دوسری رکعت کے رکوع میں پالے تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت اور پڑھے، یہ اعتماد کرتے ہوئے کہ اس نے رکوع میں مل کر ایک رکعت پالی ہے۔ ❸

امام ابو حنیفہ اور ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ امام کو نماز میں سلام سے پہلے پالینا کافی ہے۔ میرے نزدیک جمہور کا قول راجح ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل، حدیث: ۹۰۰ وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ٤٤٢ وسنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد، حدیث: ٥٦٧.

❷ سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب صف النساء والتاخر عن الصف، حدیث: ٦٧٨ وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی فضل الصف الاول، حدیث: ٢٢٤ وسنن النسائی، کتاب المساجد، باب ذکر خیر صفوف النساء وشر صفوف الرجال، حدیث: ٨٢١.

❸ اصحاب الحدیث کثر اللہ سواء ہم کے اکثر علماء رکوع کی رکعت کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک رکوع سے پہلے قیام اور قراءۃ فاتحہ تکمیل رکعت کے لیے ضروری ہے۔ (س ع)

''جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ ایک اور ملا لے۔''❶

ان حضرات کا استدلال رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ہے:

((ان من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة .))

''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔''❷

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور صحیحین میں یہ بھی آیا ہے کہ: ((من ادرك ركعة ادرك الصلاة .)) ''جس نے ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔''❸

ان روایات کا مفہوم مخالف (بدلیل خطاب) یہ ہے کہ جو ایک رکعت سے کم پائے اس نے نماز نہیں پائی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مفہوم مخالف نہیں لیتے ہیں، کیونکہ ایک دوسری حدیث کے الفاظ اس مفہوم کے خلاف ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چل دو، سکون اور وقار اختیار کرو، جلدی مت کرو، تو جو پالو وہ پڑھ لو، اور جو رہ گئی ہو اسے پورا کر لو۔''❹

اس حدیث میں آپ نے نماز کے پالیے جانے والے حصے کو ''صلاۃ'' فرمایا ہے۔ الغرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر کوئی عورت اپنے ایام حیض میں حیا کے باعث نماز پڑھے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: حائضہ کے لیے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

❶ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان ہیں ((من ادرك من الجمعة ركعة .)) یعنی جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت پالی کے الفاظ ہیں۔ دیکھیے المعجم الكبير للطبرانی : ٩/ ٣٠٨، حدیث : ٩٥٤٦، ٩٥٤٥ والسنن الكبرى للبيهقی : ٣/ ٢٠٤، حدیث : ٥٥٣١ ومسند ابن الجعد، ص : ٢٩٠، حدیث : ١٩٥٩ .

❷ صحيح بخاری، كتاب مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، حديث : ٥٥٥ وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من ادرك ركعة من الصلاة، حديث : ٦٠٧ وسنن ابی داود، كتاب الصلاة، ابواب الركوع والسجود، باب فی الرجل يدرك الامام ساجدا، حديث : ٨٩٣ .

❸ صحيح بخاری، كتاب مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، حديث : ٥٨٠ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة، حديث : ٦٠٧۔ سنن الترمذی، كتاب الجمعة، باب ما جاء فيمن يدرك من الجمعة ركعة، حديث : ٥٢٤ .

❹ صحيح بخاری، كتاب الاذان، باب لا يسعى الى الصلاة ولياتها بالسكينة والوقار، حديث : ٦٣٦ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلاة بوقار وسكينة، حديث : ٦٠٢ وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ما جاء فی المشی الی المسجد، حديث : ٣٢٧ فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ بخاری سے ماخوذ ہیں۔

((الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم .))

''کیا یہ بات نہیں کہ عورت حیض کے دنوں میں نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزے رکھ سکتی ہے۔'' ❶

اور یہ حدیث صحیحین میں آئی ہے۔ عورت اپنے ان دنوں میں نماز نہیں پڑھ سکتی، بلکہ حرام ہے اور نہ ہی یہ صحیح ہوگی، اور نہ ہی اس پر ان دنوں کی نمازوں کی قضا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

((کنا نومر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاۃ .))

''ہم عورتوں کو روزوں کی قضا دینے کا حکم دیا جاتا تھا نہ کہ نمازوں کی قضا کا۔'' ❷

عورت کا ان دنوں میں حیا کے مارے نماز پڑھنا ایک حرام کام ہے، قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ بحالت حیض نماز پڑھے یا طہر شروع ہونے کے بعد غسل کیے بغیر نماز پڑھے۔ ہاں اگر طہر شروع ہونے کے بعد پانی موجود نہ ہو تو تیمّم کر کے پڑھے حتیٰ کہ پانی پا لے اور پھر غسل کرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا کوئی عورت اپنے ایام حیض میں اگر آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: سجدۂ تلاوت کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ آیت سجدہ سننے پر آدمی تبھی سجدہ کرے جب پڑھنے والا سجدہ کرے۔ رہا حائضہ عورت کا سجدۂ تلاوت کرنا تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ حضرات اسے سجدہ کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ لیکن اگر وہ اس سے بغرض احتیاط گریز کرے تو افضل ہے کیونکہ اکثر اہل علم نے اس سے منع کیا ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا عورت کو حالت حیض میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: عورت کو اپنی اس حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ اگر عورت حالت حیض میں نماز پڑھے گی تو اللہ کی نافرمان ہوگی اس کے لیے نماز پڑھنا حرام ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر کوئی عورت ایسی دوا استعمال کرے جو اس کا حیض جاری کردے اور وہ نماز چھوڑ دے تو کیا اسے اپنی ان نمازوں کی قضا دینا ہوگی؟

جواب: اگر عورت نے کوئی ایسی دوا استعمال کی ہو جس سے اسے خون حیض جاری ہو جائے، تو اسے اپنے ان دنوں کی نمازوں کی قضا دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حیض ایک خون ہے، یہ جب بھی آئے گا اس کا حکم بھی آئے گا۔ جیسے کہ اگر کوئی ایسی دوا کھالے جس سے حیض رک جائے تو اسے نمازیں پڑھنی ہوں گی روزے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترك الحائض الصوم، حدیث: ۳۰۴ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث: ۸۰.

❷ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب لا تقضی الحائض الصلاۃ، حدیث: ۳۲۱ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلاۃ، حدیث: ۳۳۵.

رکھنے ہوں گے، کیونکہ وہ حائضہ نہیں ہے۔ اور حکم ہمیشہ اپنی علت کے ساتھ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى﴾ (البقرة : ۲/ ۲۲۲)

''یہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ یہ ایک خرابی (نجاست) ہے۔''

تو جب یہ خرابی موجود ہوگی اس کا حکم بھی پایا جائے گا، اور جب نہیں ہوگی اس کا حکم بھی نہیں ہوگا۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا عورت پر اس کے ایام مخصوصہ کے دنوں کی نمازوں کی قضا واجب ہے اور کیا اسے ان دنوں میں صرف اپنے بال دھولینا جائز ہے؟

جواب: حائضہ عورت پر ان دنوں کی نمازوں کی کوئی قضا نہیں ہے، اور یہ حکم صریح ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اليس اذا حاضت لم تصل ولم تصم .))

''کیا یہ نہیں کہ عورت جب ایام میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزے رکھ سکتی ہے۔'' [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ اپنے روزوں کی قضا تو دیتی ہے مگر نمازوں کی قضا نہیں دیتی؟ انہوں نے جواب دیا کہ:

''ہمیں یہ کیفیت لاحق ہوتی تھی تو ہمیں اپنے روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا، نمازوں کا نہیں۔'' [2]

اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ پر ان دنوں کی نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ اور ان دنوں میں بال دھولینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ جو آپ نے سنا کہ یہ جائز ہیں یہ بات درست نہیں ہے۔ بلکہ حسب خواہش اپنا سر یا اپنا بدن دھونا چاہے تو دھوسکتی ہے۔ اسی طرح مہندی بھی لگانا چاہے تو لگا سکتی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں صبح نماز فجر کے لیے جاگی، مگر سورج نکلنے کے بعد...... اور میں نے خون دیکھا تو کیا طہر کے بعد مجھے اس نماز کی قضا دینا ہوگی یا نہیں ......؟

جواب: ہاں! اس کے ذمے ہے کہ طہر شروع ہونے پر فجر کی یہ نماز بطور قضا ادا کرے۔ کیونکہ اصل معاملہ خون نہ آنا ہے، جب خون نہیں تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے نماز کا وقت اس وقت پایا جب وہ حیض سے نہ تھی۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ خاتون نماز فجر کے لیے سورج نکلنے کے بعد بیدار ہوئی۔ انسان کو انتہائی محتاط رہنا چاہیے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترك الحائض الصوم، حدیث : ۳۰۴ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث : ۸۰.

[2] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب لا تقضی الحائض الصلاة، حدیث : ۳۲۱ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلاة، حدیث : ۳۳۵.

اور ایسے لازمی وسائل اختیار کرنے چاہئیں کہ بروقت جاگ کر نماز پڑھ سکے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حائضہ عورت کے لیے نماز روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لیے ان ایام مخصوصہ میں نماز روزہ ادا کرنا حرام ہے، اگر وہ ادا کرے بھی تو صحیح نہیں ہوں گے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم .))

''کیا یہ نہیں کہ عورت جب حائضہ ہوتی ہے تو نماز نہیں پڑھ سکتی اور روزے نہیں رکھ سکتی؟'' [1]

اور جب پاک ہو، طہر شروع ہو اسے اپنے روزوں کی قضا دینی ہوگی، نماز کی نہیں۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

''ہمیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہ کیفیت لاحق ہوتی تھی تو ہمیں روزوں کی قضا دینے کا حکم دیا جاتا تھا، نماز کا نہیں۔'' [2]

اور ان دونوں میں فرق اس لیے ہے ......واللہ اعلم...... کہ نماز چونکہ بار بار پڑھی جاتی ہے، تو اس کی قضا دینے میں بڑی مشقت تھی جو روزے میں نہیں ہے۔ (صالح الفوزان)

سوال: ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ عورت اپنے ایام مخصوصہ میں نماز روزہ ادا نہیں کر سکتی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اس بارے میں مزید نصوص واقوال دیئے جائیں جو اطمینان قلب کا باعث ہوں۔

جواب: عورت کو چاہیے کہ اپنے ایام مخصوصہ میں نماز اور روزے چھوڑ دے، اور جب طہر شروع ہو (پاک ہو جائے) تو رمضان کے جتنے دنوں کے روزے اس نے چھوڑے ہوں ان کی قضا دے، لیکن نماز کی نہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کے ناقص الدین ہونے کے بیان میں فرمایا تھا:

((الیست احداکن اذا حاضت لا تصوم ولا تصل .))

''کیا یہ بات نہیں کہ تم میں سے ایک جب ایام سے ہوتی ہے تو نہ روزے رکھتی ہے اور نہ نماز پڑھتی ہے۔'' [3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترك الحائض الصوم، حدیث: ۳۰٤ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث: ۸۰.

[2] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب لا تقضی الحائض الصلاۃ، حدیث: ۳۲۱ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلاۃ، حدیث: ۳۳۵.

[3] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترك الحائض الصوم، حدیث: ۳۰٤ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث: ۸۰.

بخاری اور مسلم میں معاذہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ایام والی عورت اپنے روزوں کی قضا دیتی ہے نمازوں کی نہیں؟ تو انہوں نے کہا: کیا تو حروریہ فرقے سے تعلق رکھتی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں میں حروریہ نہیں ہوں، لیکن میں وضاحت چاہتی ہوں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہ عارضہ ہوتا تھا تو ہمیں روزوں کی قضا دینے کا حکم دیا جاتا تھا نمازوں کا نہیں۔'' ❶

اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان اور رحمت ہے کہ نماز چونکہ روزانہ پانچ بار پڑھی جاتی ہے، اور ایام مخصوصہ بھی بالعموم ہر ماہ آتے ہیں تو اس میں عورتوں کے لیے بڑی مشقت تھی اس لیے نمازوں کی قضا دینا ان سے ساقط کر دیا گیا ہے لیکن روزے چونکہ بار بار نہیں آتے، سال میں صرف ایک بار آتے ہیں اس لیے بحالت حیض تو انہیں ان سے ساقط فرما دیا ہے، اور اس کے بعد قضا دینے کا حکم دیا ہے کیونکہ دینی مصلحت اسی میں تھی۔

(مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت کی ماہانہ عادت میں دو، تین یا چار ایام کا اضافہ ہو گیا، مثلاً اس کی سابقہ عادت چھ یا سات دن تھی مگر اب دس گیارہ یا پندرہ دن ہو گئی، اور وہ صرف ایک دن یا ایک رات ہی کے لیے پاک ہوتی ہے اور پھر حیض شروع ہو جاتا ہے، تو کیا یہ غسل کر کے نماز پڑھے یا رکی رہے حتیٰ کہ کامل طور پر پاک ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی عادت میں تبدیلی آ گئی ہے اور یہ مستحاضہ بھی نہیں ہے۔ اس صورت میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: اگر بات فی الواقع ایسے ہی ہو جیسے کہ ذکر کی گئی ہے کہ حیض صرف ایک دن یا ایک رات کے لیے رکا ہے تو اسے چاہیے کہ طہر کا جو وقت اسے ملا ہے اس میں نمازیں ادا کرے، جیسے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ:

''عورت کو خون اگر خوب سرخ اور کثرت سے آیا ہو تو نماز نہ پڑھے، اور جب ایک ساعت کے لیے بھی طہر دیکھے تو غسل کرے۔'' ❷

اور یہ بھی روایت ہے کہ'' اگر طہر ایک دن سے کم ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔'' کیونکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب لا تقضی الحائض الصلاۃ، حدیث: ۳۲۱ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلاۃ، حدیث: ۳۳۵.

❷ سنن ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب من قال اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلاۃ، حدیث: ۲۸۶۔ سنن الدارمی: ۱/ ۲۲۴، ۲۲۵، حدیث: ۸۰۰ ومصنف ابن ابی شیبۃ: ۱/ ۱۲۰، حدیث: ۱۳۶۷.

''عورتوں کو جلدی نہیں مچانی چاہیے حتیٰ کہ وہ پھایہ کو خوب سفید دیکھ لیں۔'' ❶

کیونکہ خون کسی وقت جاری رہتا اور کسی وقت رک جاتا ہے، اور محض اس کے رک جانے سے طہر ثابت نہیں ہوتا مثلاً اگر ایک گھنٹے بھر کے لیے یا اس سے کم کے لیے رکا ہو۔ صاحب مغنی (علامہ ابن قدامہ حنبلی) نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ (مجلس افتاء)

ایام نفاس میں نمازوں کے مسائل

سوال: جب عورت کو نفاس کی ابتدا ہو رہی ہو اور ان دردوں کی وجہ سے وہ دو یا تین تک نمازیں نہ پڑھ سکی ہو اور نہ ہی خون جاری ہوا ہو تو کیا اسے ان دنوں کی نمازوں کی قضا دینی ہوگی؟

جواب: ہاں، اسے یہ نمازیں پڑھنی ہوں گی کیونکہ اس قسم کی مرض یا دردوں کی وجہ سے نماز کا وجوب ساقط نہیں ہوتا بالخصوص جب خون بھی جاری نہ ہوا ہو کہ اسے نفاس کہا جائے۔ (عبدالرحمٰن سعدی)

سوال: کیا نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں سے پہلے ہی پاک صاف ہو جائے تو وہ نماز روزہ اور حج کر سکتی ہے؟

جواب: ہاں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے، حج وعمرہ کرے اور زوجین کا تعلق بھی قائم ہو سکتا ہے خواہ وہ بیس دنوں بعد ہی پاک ہو جائے، اسے چاہیے کہ وہ غسل کر کے اپنے شرعی معمولات شروع کر دے۔ اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے جو اس کی کراہت منقول ہوئی ہے وہ کراہت تنزیہی ہے، اور وہ بھی ان کا اجتہاد ہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ ان کی اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور حق وصواب یہی ہے کہ جب عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو یہ طہر بالکل صحیح ہے، ہاں اگر چالیس دنوں کے اندر دوبارہ خون شروع ہو جائے تو یہ نفاس شمار ہوگا، اور طہارت کے دنوں میں اس کا نماز روزہ اور حج وغیرہ سب صحیح ہوں گے، اور کسی کی قضا نہیں دینی ہوگی، بشرطیکہ یہ سب کچھ طہر میں کیا گیا ہو۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: عورت جب ولادت کی دردیں محسوس کرے تو کیا اسے نماز پڑھی ہوگی؟

جواب: عورت جب تک حیض ونفاس سے پاک ہے نماز کی پابند ہے۔ اگر ولادت سے ایک دو دن پہلے خون آنا شروع ہو جائے تو یہ نفاس کا حصہ ہے، اس صورت میں نماز نہیں پڑھے گی۔ لیکن اگر صرف دردیں ہوں خون شروع نہ ہو تو نماز پڑھنی ہوگی۔ جیسے کہ دوسرے مریض ہوتے ہیں کہ درد والم میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ نماز کے پابند ہوتے ہیں۔ (عبداللہ بن جبرین)

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب اقبال المحیض و ادبارہ، مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۳۰۱، حدیث: ۱۱۵۹۔ السنن الکبری للبیهقی: ۱/ ۳۳۵، حدیث: ۱٤۸٦.

سوال: نفاس والی عورت کے لیے نماز روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: نفاس والی عورت کے لیے روزہ رکھنا، نماز پڑھنا یا بیت اللہ کا طواف کرنا حرام ہے جیسے کہ حیض والی کے لیے ہے۔ لیکن اسے واجبی روزوں کی قضا دینی ہوگی جو اس سے نفاس کے دنوں میں چھوٹ گئے ہوں، جس طرح کہ حائضہ کا مسئلہ ہے۔ (صالح الفوزان)

سوال: استحاضہ والی کے لیے نمازوں کا کیا حکم ہے، کیا اسے وضو کرنا چاہیے یا غسل؟ اور کیا وضو نماز کا وقت شروع ہونے پر کرے یا اس سے پہلے بھی کر سکتی ہے؟

جواب: سوال کے پہلے حصے کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے [یعنی وہ نمازوں کی پابند ہے] اور دوسرے حصے کا جواب یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کا وقت شروع ہوجانا شرط ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نماز کا وقت شروع ہونا شرط نہیں کہتے ہیں۔ کیونکہ اس شرط کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ (المائده : ٥/ ٦)

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو......''

اور یہ کھڑا ہونا نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عمل بعض اوقات وقت شروع ہونے سے پہلے بھی ہوسکتا ہے اور بعض اوقات وقت شروع ہونے کے بعد، مثلاً اگر ایک عورت عشاء کی نماز مسجد میں ادا کرنا چاہتی ہے، اور اس نے مغرب کی نماز گھر میں پڑھی ہے، پھر اسے استحاضہ آ گیا، تو اس نے گھر ہی میں عشاء کے لیے وضو کیا اور عشاء کی اذان سے پہلے ہی مسجد کی طرف چل دی تا کہ یہ نماز مسجد میں ادا کر سکے تو اس کا یہ قیام عشاء ہی کے لیے ہے، الغرض وقت کا شروع ہونا شرط نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک خاتون جو حمل سے ہے اور نویں مہینے میں اسے سلسل البول کا عارضہ ہوگیا ہے کہ ہر وقت پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں، اور اس نے اس آخری مہینے میں نماز چھوڑ دی، تو کیا اس کا یہ عمل ترک صلاۃ (نماز چھوڑنے) کے زمرے میں آتا ہے؟ اور اس پر کیا لازم ہے؟

جواب: یہ اور اس قسم کی خواتین کو نماز چھوڑ دینا جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ اس حال میں بھی نماز پڑھتی رہیں۔ البتہ یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کر لیا کریں جیسے کہ مستحاضہ کا حکم ہے اور حتی الامکان احتیاط اور بچاؤ اختیار کریں مثلاً اپنے جسم پر روئی وغیرہ رکھا کریں اور اپنے وقت پر نماز ادا کریں۔ اور نماز کے اس وقت میں اس کے لیے جائز ہے کہ جس قدر نفل پڑھنا چاہے پڑھ سکتی ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ دو دو نمازیں جمع کر لیا کرے، مثلاً ظہر و عصر اور مغرب و عشاء، جیسے کہ مستحاضہ کا معاملہ ہوتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن : ٦٤/ ١٦)

''جہاں تک ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

اور یہ خاتون جو اپنی نمازیں چھوڑے رہی ہے اسے چاہیے کہ ان کی قضاء دے اور اپنے اس فعل سے توبہ اور اس پر ندامت کا اظہار کرے، اور یہ عزم کرے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور: ٢٤/ ٣١)

''اورتم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے ایمان والو! تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔'' (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا استحاضہ والی کے لیے جائز ہے کہ آدھی رات ہو جانے کے بعد عشاء کے وضو سے قیام اللیل کر سکے؟

جواب: نہیں، جب آدھی رات گزر جائے تو اسے لازم ہے کہ وضو نیا کرے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے تجدید وضو کی ضرورت نہیں، اور یہی راجح ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت جسے بعض رطوبات کے سیلان کا عارضہ ہے، جب فرض نماز کے لیے اس نے وضو کیا ہو تو کیا وہ اسی وضو سے نفل اور قرآن پڑھ سکتی ہے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے؟

جواب: اس نے جب نماز کا وقت شروع ہونے کی ابتدا میں وضو کر لیا ہو تو اسی وضو سے فرض نفل اور قرآن مجید وغیرہ جو بھی کرنا چاہتی ہے کر سکتی ہے، حتیٰ کہ جب دوسری نماز کا وقت آئے [تو نیا وضو کر لے]۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا مذکورۂ بالا عوارض میں مبتلا عورت فجر کے وضو سے نماز چاشت پڑھ سکتی ہے؟

جواب: نہیں، یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ نماز چاشت کا اپنا ایک وقت ہے، تو اس کا وقت شروع ہونے پر اسے نیا وضو کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ عورت مستحاضہ کی طرح ہے۔ اور آپ ﷺ نے استحاضہ والی عورت کو حکم دیا تھا کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کیا کرے۔ [1]

نماز ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر عصر تک، عصر کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر سورج زرد ہونے تک، اور حسب ضرورت غروب تک ہے، اور مغرب کا وقت سورج غروب ہونے سے لے کر سرخ شفق کے ختم ہونے تک، اور عشاء کا وقت سرخ شفق کے غروب ہونے سے لے کر آدھی رات تک ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

نماز عید کے مسائل

سوال: کیا کسی شخص کو نماز عید سے پیچھے رہنا جائز ہے جبکہ اسے کوئی عذر بھی نہ ہو، اور کیا عورت کو روکا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ عید نہ پڑھے؟

[1] سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب من قال تغتسل من طهر الی طهر، حديث: ٢٩٧۔ سنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب المستحاضة تتوضأ لكل صلاة، حديث: ١٢٧، ١٢٦.

جواب: اکثر اہل علم کے نزدیک نماز عید فرض کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ اس سے پیچھے رہ جائیں تو جائز ہے، مگر اس میں حاضر ہونا اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر عید پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، کسی شرعی عذر کے بغیر اس کا ترک کرنا انتہائی نامناسب ہے۔

اس کے مقابل کچھ اہل علم کے نزدیک نماز عید فرض عین ہے جیسے کہ نماز جمعہ میں کسی مکلّف آزاد اور مقیم آدمی کے لیے اس سے پیچھے رہنا جائز نہیں ہے۔ اور یہی قول باعتبار دلائل واضح اور حق وصواب کے قریب تر ہے۔خواتین کے لیے بھی اس اجتماع میں حاضر ہونا مسنون ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ شرعی آداب کے ساتھ باپردہ ہو کر آئیں اور خوشبو اور زیب وزینت سے احتراز کرتی ہوئی آئیں۔ صحیحین میں سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم نوجوان دوشیزاؤں اور ایام والیوں کو بھی نکال لے چلیں کہ وہ اس خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں، البتہ ایام والیاں جائے نماز سے الگ رہیں۔'' ❶

کچھ روایات میں یہ بھی ہے کہ:

''ایک خاتون بول اٹھی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے بعض کے پاس بڑی چادر نہیں ہوتی جس میں وہ باہر جاسکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاہیے کہ اس کی بہن اس کو اپنی چادر میں لپیٹ لے۔'' ❷

بلاشبہ ان احادیث میں تاکید ہے کہ عورتیں بھی عید کے لیے عیدگاہ میں نکلیں اور اس خیر اور مسلمانوں کی دعائے عام میں شریک ہوں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہمارے آج کے دور میں عورتوں کے عید کے لیے نکلنے کا کیا حکم ہے، جبکہ فتنے بہت بڑھ گئے ہیں اور کچھ عورتیں خوب بناؤ سنگار اور خوشبوئیں لگا کر نکلتی ہیں۔ اگر ہم اس کی اجازت دیں تو آپ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان کے متعلق کیا کہیں گے جس میں وہ کہتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے یہ چلن ملاحظہ فرما لیتے تو وہ انہیں روک دیتے؟

جواب: جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ عورتوں کو عیدگاہ کی طرف جانے کا کہا جائے تاکہ وہ اس خیر اور مسلمانوں کی نماز اور دعائے خیر میں شریک ہوسکیں، لیکن ان پر واجب ہے کہ انتہائی سادہ انداز میں بغیر زیب و زینت اور خوشبو وغیرہ کے نکلیں۔ انہیں یہ دونوں کام کرنے چاہئیں کہ عید کے لیے بھی نکلیں اور فتنے سے بھی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب وجوب الصلاۃ فی الثیاب، حدیث: ۳۵۱ وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین، حدیث: ۸۹۰.

❷ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب وجوب الصلاۃ فی الثیاب، حدیث: ۳۵۱ وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین، حدیث: ۸۹۰.

بچیں۔ اور جو اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی زیب و زینت اور جمال کا اظہار کرتے ہوئے نکلتی ہیں اور خوشبوئیں لگا کر آتی ہیں تو یہ سب ان کی جہالت اور ان کے ذمہ داران کی کمزوری کے باعث ہے۔ اس تقصیر کے باعث انہیں ایک عام شرعی حکم سے نہیں روکا جاسکتا کہ وہ عید کے لیے نہ جائیں۔

اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ایک معروف قاعدہ ہے کہ جب کسی جائز کام کا نتیجہ حرام کی صورت میں نکلتا ہو تو وہ جائز بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اگر عورتوں کی ایک کثیر تعداد غیر شرعی انداز میں باہر نکلتی ہو تو ہم عمومی طور پر سب کو اس سے منع نہیں کر سکتے بلکہ ہم صرف انہیں ہی روکیں گے جو شرعی آداب کی مخالفت کرتی ہیں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

متفرق مسائل

سوال: کیا نمازی سجدہ کے لیے جاتے ہوئے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھے یا ہاتھ، اور گھٹنے اس کے بعد؟

جواب: سنن ابوداود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اذا سجد احدكم فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه .))

"جب تم میں سے کوئی سجدہ کرنے لگے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے، چاہیے کہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے۔"[1]

اس حدیث کے بارے میں کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس کے الفاظ آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ یعنی راوی نے یوں کہنا چاہا تھا کہ ((وليضع ركبتيه قبل يديه .)) "چاہیے کہ وہ اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پہلے رکھے۔" کیونکہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں کے بل پر ہی بیٹھتا ہے اور اس کے گھٹنے اس کے ہاتھوں ہی میں ہوتے ہیں، نہ کہ پچھلی ٹانگوں میں، اور اونٹ اور انسان میں اس طرح سے فرق ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جب تم میں سے کوئی سجدہ کرنے لگے تو ایسے نہ بیٹھے جیسے کہ اونٹ بیٹھتا ہے۔" مفہوم واضح ہے کہ نمازی اپنے گھٹنوں کے بل نہ بیٹھے جیسے کہ اونٹ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے بلکہ چاہیے کہ نمازی پہلے اپنے ہاتھ رکھے اس کے بعد اپنے گھٹنے ٹکائے۔

اس حدیث کے برخلاف دوسرے حضرات کی دلیل بھی سنن ابی داود وغیرہ میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ سجدہ کرتے تھے تو آپ اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے

---

[1] سنن الترمذی، كتاب ابواب الصلاة، باب ما جاء فى وضع الركبتين(باب منه)، حديث : ٢٦٩۔ سنن ابی داود، كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه، حديث : ٨٤٠ وسنن النسائی، كتاب التطبيق، باب اول ما يصل الى الارض من الانسان، حديث : ١٠٩٢ .

پہلے رکھتے تھے۔"[1] مگر یہ حدیث شریک بن عبداللہ القاضی کی سند سے مروی ہے جو اگرچہ "صادق" ہے مگر علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ 'سیئ الحفظ' بھی ہے (یعنی کمزور حافظے والا ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ امام مسلم جب اس کی کوئی روایت لاتے ہیں تو کسی دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر لاتے ہیں، اور اس میں ان کا اشارہ یہ ہے کہ جب یہ اکیلا ہو تو حجت نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: آدمی سفر میں کب قصر کرے؟

جواب: کتاب اللہ یا احادیث رسول میں کوئی ایسی نص صریح موجود نہیں ہے جس میں نماز قصر کے لیے مسافت کا خاص تعین کیا گیا ہو یا وہ سفر بیان کیا گیا ہو جس میں انسان نماز قصر کرے۔ صرف ترجیح کی بات کہی جا سکتی ہے۔ اور ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کہتے ہیں کہ مطلق سفر (عام سفر) ہی وہ سفر ہے جس پر سفر اور مسافر کے احکام جاری ہوتے ہیں، جیسے کہ مرض اور مریض کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے احکام میں فرمایا ہے کہ:

﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۸۴)

"سو جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس پر دوسرے دنوں کی گنتی ہے۔"

اس آیت کریمہ میں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مرض اور بیماری کو عام اور مطلق بیان فرمایا ہے، ایسے ہی سفر کو بھی مطلق ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ہر سفر جو کم ہو یا زیادہ اس پر سفر کے احکام مرتب ہوں گے اس کی مسافت کی طرف نہیں دیکھا جائے گا۔ یہ قول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ احکام سفر میں اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ آدمی جب بغرض سفر اپنے شہر سے نکل پڑے تو اس پر سفر کے احکام جاری ہو جائیں گے اور جب وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچے تو بھی وہ وہاں مسافر ہی رہے گا جب تک کہ اقامت کی نیت نہ کرے، وہ دن کم ہوں یا زیادہ، جب اس نے اقامت کی نیت نہ کی ہو اور وہ دل میں خیال کرتا ہو کہ آج روانہ ہوں گا، کل روانہ ہوں گا تو جب تک یہ کیفیت رہے وہ مسافر ہوگا، وہ دن خواہ کتنے ہیں زیادہ کیوں نہ ہو جائیں۔

ثابت ہے کہ صحابہ کرام جب جہاد کے لیے خراسان کی طرف گئے تو واپسی کے وقت راستے میں برف باری شروع ہوگئی اور راستے بند ہو گئے تو انہیں تقریباً چھ ماہ تک رکنا پڑ گیا اور وہ اس سارے عرصے میں نمازیں قصر کرتے رہے۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: دوران نماز میں تشہد میں شہادت کی انگلی کو حرکت دینے کی کیا کیفیت ہے؟

جواب: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز میں تشہد کے

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، ابواب تفریع استفتاح الصلاۃ، باب کیف یضع رکبتیہ قبل یدیه، حدیث: ۸۳۸۔ سنن الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب وضع الرکبتین قبل الیدین فی السجود، حدیث: ۲۶۸ وسنن النسائی، کتاب صفة الصلاۃ، باب اول ما یصل الی الارض من الانسان فی سجوده، حدیث: ۱۰۸۹.

لیے بیٹھتے تو ''آپ اپنی انگشت شہادت کو حرکت دیتے تھے اور اس کے ساتھ دعا کرتے تھے۔''❶
اس حرکت کے معنی اوپر نیچے کرنا نہیں ہیں۔ یہ بات قطعاً کسی حدیث میں نہیں آئی۔ ''حرکت'' سے مراد اپنی جگہ پر حرکت دینا ہی ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے کہا "یحرکها شدیدا" ''اسے خوب حرکت دے۔'' اور کہیں کسی حدیث میں نہیں آیا کہ نمازی صرف اشهد ان لا اله الا الله کے موقعہ پر اسے اوپر کرے۔ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کسی معارض (مخالف) سے بھی بالکل محفوظ ہے۔ اور جن حضرات نے حرکت دینے کا یہ مفہوم لیا ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله کے موقعہ پر اسے حرکت دے وہ صرف رائے، اجتہاد اور استنباط سے کہتے ہیں۔ اور علماء کے نزدیک معروف قاعدہ ہے کہ جہاں نص موجود ہو وہاں اجتہاد نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل تحریک کی کیفیت وارد ہو چکی ہے کہ وہ تشہد میں بیٹھنے سے لے کر آخر تک تھی تو اس صحیح حدیث کو استنباط وغیرہ سے رد کرنا جائز نہیں ہے۔
(محمد ناصر الدین البانی)

سوال: جلسہ استراحت کا کیا حکم ہے؟ جب امام اس پر عمل نہ کرتا ہو تو کیا مقتدی کو اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے لیے بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: جلسہ استراحت سنت ہے (یعنی دوسری اور چوتھی رکعت کے لیے اٹھتے ہوئے دوسرے سجدے کے بعد تھوڑا سا بیٹھنا) اس مسئلہ میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ''زاد المعاد'' میں جو بحث کی ہے اس سے کسی قسم کا دھوکہ نہ کھایا جائے۔ وہ اس کے متعلق کہہ گئے ہیں کہ

''یہ بیٹھنا ضرورت کے تحت تھا، لوگوں کے لیے سنت وشریعت نہ تھا۔''❷

امام صاحب موصوف کا یہ قول صحیح بخاری وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح ثابت شدہ عمل کے برخلاف ہے۔❸

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا جبکہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھ کر دکھاؤں؟ صحابہ نے کہا: تم اسے ہم سے زیادہ تو نہیں جانتے ہو۔ حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا: تو پیش کرو، چنانچہ سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ کر دکھائی ......اور جب وہ دوسرے سجدے سے اٹھنے لگے تو تھوڑا سا بیٹھے یعنی جلسہ استراحت کیا...... اس کے بعد اٹھے...... اور بقیہ نماز تفصیل سے پیش کی۔ چنانچہ دوسرے صحابہ کا جواب تھا "صدقت" (تو نے سچ کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ٤٠٨، حديث وائل بن حجر رضی الله عنه، سنن الدارمی: ١/ ٣١٤، ٣١٥.

❷ زاد المعاد: ١/ ٢٤١.

❸ اس بارے میں صحیح بخاری کی روایت کتاب الاذان، باب من استوى قاعدا فی وتر من صلاته لم تهض، حدیث: ٨٢٣ کے تحت موجود ہے۔

کی نماز ایسے ہی تھی۔''❶

امام ابن قیم رحمہ اللہ یا بعض دوسرے حضرات سات صدیوں بعد اس میں علت نکالنے لگے ہیں، جبکہ سیّدنا ابوحمید ساعدی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشاہدہ فرمایا تھا، اور وہ ان حقائق سے بخوبی آگاہ تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آپ کے بڑی عمر یا فربہ ہوجانے کی وجہ سے تھا تو یہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر چھپا نہ رہتا، وہ ضرور اس بات کو سمجھ جاتے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'المجموع شرح المهذب' میں اسی سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''چاہیے کہ اس سنت کی پابندی کی جائے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔''❷

اور جب کوئی امام جلسہ استراحت نہ کرتا ہو، تو مقتدی کو اپنے امام کی پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ امام کی پیروی نماز کے واجبات میں سے ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((انما جعل الامام ليؤتم به ، فاذا كبر فكبروا ، واذا ركع فاركعوا ، واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد ، فاذا سجد فاسجدوا واذا صلى قائما فصلوا قياما واذا صلى جالسا فصلوا جلوسا اجمعين .))

''امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ تو جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، اور جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تو تم کہو ''ربنا لك الحمد'' جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو، اور جب وہ کھڑا ہوکر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہوکر پڑھو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو۔''❸ (محمد ناصر الدین البانی)

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ امام کی اقتداء لازمی اور ضروری ہے، خواہ اگر وہ کوئی رکن مثلاً قیام چھوڑ دے (تو مقتدی کو وہ چھوڑنا ہوگا)۔❹

---

❶ سنن الترمذی ، کتاب الصلاة ، باب فی وصف الصلاة ، حدیث : ٣٠٤ وسنن ابی داود ، کتاب الصلاة ، باب افتتاح الصلاة ، حدیث : ٧٣٠ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب اقامة الصلاة ، باب اتمام الصلاة ، حدیث : ١٠٦١ .

❷ المجموع : ٣/ ٤٤٣ .

❸ صحیح بخاری ، کتاب الاذان ، باب انما جعل الامام لیوتم به ، حدیث : ٦٨٩ ، بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وصحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب ائتمام المأموم بالامام ، حدیث : ٤١٤ ، ٤١١ بروایت ابی هریرة رضی اللہ عنہ .

❹ بلاشبہ امام کی اقتداء نماز کے واجبات میں سے ہے۔ مگر بیان کردہ حدیث ہی میں اس متابعت کی تفصیل بتا دی گئی ہے کہ تکبیر کہنے، رکوع میں جانے، رکوع سے اٹھنے وغیرہ میں امام سے سبقت نہیں کی جاسکتی، یہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے، جیسے کہ صحیح مسلم میں صراحت ہے 'ایها الناس ان امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام وبالانصراف فانی اراکم امامی من خلفی' (صحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب تحریم سبق الامام برکوع او سجود ونحوها ، حدیث : ٩٦١-١١٢-٤٢٧) ⇦

سوال: سنن ابی داؤد میں ہے، حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کہی، پھر قراءت کی، پھر رکوع کے لیے تکبیر کہی، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہا حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر لوٹ آئی۔''❶ کیا ہم اس حدیث سے یہ معنی لے سکتے ہیں کہ رکوع کے بعد ہاتھ بھی بائیں پر آ جائے، اور انہیں باندھ لیا جائے؟

جواب: اس حدیث میں بیان یہ ہے کہ انسان کا بدن اس طرح ہونا چاہیے جو فطری طور پر معلوم ومعروف ہے، اور ہر عضو کی اصل جگہ اس کی اصل وضع اور خلقت کے ساتھ ہے اور وہ ہے ہاتھ چھوڑ کے کھڑا ہونا۔

فائدہ:......کوئی عام نص، جس کے کئی اجزا اور پہلو ہوں، تو اس کے کسی خاص جزوی مسئلہ پر اگر سلف نے عمل نہ کیا ہو تو ہمیں بھی اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا (یہ ایک اہم قاعدہ ہے)۔

اس اہم ترین قاعدہ سے آگاہ نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر بے شمار بدعات نے راہ پالی ہے، اور جب ہم ان میں غور کرتے ہیں تو ہمیں سنت میں ان کے عمومی دلائل مل جاتے ہیں بلکہ کئی تو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں۔

مثلاً اذان سے پہلے اضافہ جسے کہیں تذکیر بالآیات بھی کہا جاتا ہے اے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے درود وسلام پڑھا جاتا ہے، ہمیں اس کے بدعت ہونے میں ذرا برابر شک نہیں ہے مگر یہ لوگ ہمیں یہ آیت سنانے لگتے ہیں:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵٦)

''اے ایمان والو! نبی پر درود پڑھا کرو اور سلام کہا کرو سلام کہنا۔''

ان کا یہ استدلال ایک عام نص سے ہے جس میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے صلاۃ وسلام کا وقت یا اس کی جگہ کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام شاطبی رحمہ اللہ نے بدعت کی دو قسمیں بتائی ہیں: ایک بدعت حقیقی اور دوسری اضافی۔

⇐ لیکن جن سنتوں کا امام تارک ہو اور مقتدی کے لیے امام پر سبقت کیے بغیر ان کو عمل میں لانا آسان اور ممکن ہو تو اسے ضرور کرنی چاہئیں، مثلاً امام رفع الیدین نہ کرتا ہو یا سینے پر ہاتھ نہ باندھتا ہو یا آمین نہ کہتا ہو یا سجدہ میں جانے کے لیے وہ اپنے گھٹنے پہلے رکھنے کا قائل ہو...... اور ایسے ہی جلسہ استراحت ہے تو ان متواتر سنتوں پر عمل کرنا مقتدی کے لیے انتہائی آسان ہوتا ہے اور امام پر کسی قسم کی سبقت بھی نہیں ہوتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اگر امام کوئی واجب یا رکن وغیرہ چھوڑ دے تو مقتدی اس پر اضافہ نہیں کرسکتا ہے۔ مثلاً وہ بھول جائے یا درمیانی تشہد یا ایک رکعت چھوڑ دے، یاد دلایا جائے مگر وہ اپنی یاد پر اعتماد کرتے ہوئے یاد دہانی قبول نہ کرے تو مقتدی کو امام کی اقتداء واجب ہوگی۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب (عمر فاروق السعیدی) علامہ رحمہ اللہ کا یہ جواب ان کے اپنے دوسرے فتوے کی روشنی میں بھی محل نظر ہے۔

❶ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب افتتاح الصلاۃ، حدیث: ۷۳۰.

بدعت حقیقی سے مراد وہ ہے جس کی کتاب و سنت میں کہیں کوئی اصلیت نہ ملتی ہو جیسے کہ جبریہ عقائد کے لوگ ہیں یا مرجئہ ہیں۔

اور اضافی بدعت وہ ہے کہ اگر آپ ایک جانب سے دیکھیں تو آپ کی اس کا کوئی اصل معلوم ہو، اور اگر دوسری جانب سے دیکھیں تو آپ کو اس کی کوئی اصل دکھائی نہ دے۔

مثلاً ہر نماز کے بعد استغفار سنت ہے، مگر اجتماعی طور پر یہ عمل کرنا اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا بدعت ہے یا سنتیں پڑھنا (مؤکدہ یا غیر مؤکدہ) ایک مشروع اور مسنون عمل ہے، تو اگر کوئی انہیں با جماعت پڑھنے لگے اور دلیل یہ دے کہ ((يد الله على الجماعة .)) ''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔'' یا حدیث ''دو آدمیوں کی نماز اکیلے کی نماز سے اور تین کی نماز اللہ کے ہاں دو کی نماز سے فضیلت رکھتی ہے۔''[1]

تو یہ دلائل عام ہیں (ان سے یہ جزوی مسائل ثابت نہیں کیے جا سکتے)۔

لہٰذا جب کسی کے سامنے کسی عام نص سے کسی معین اور خاص عمل کی مشروعیت کا مسئلہ آ جائے تو اسے چاہیے کہ سلف صالحین کے طرز عمل پر غور کرے کہ آیا انہوں نے یہ کیا ہے یا نہیں، اس سے بدعت سے محفوظ رہ کر سنت پر قائم رہا جا سکتا ہے۔

ہم اپنی اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں کہ کئی احادیث ہیں جن کے عموم سے کچھ علماء نے بعض مسائل کا استنباط کیا ہے، مگر سلف نے وہ استنباط نہیں کیا۔ چنانچہ ہمیں سلف میں صحابہ یا ائمہ میں سے کوئی ایسے لوگ نہیں ملتے جنہوں نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کو مستحب کہا ہو۔ جیسے کہ رکوع سے پہلے ان کا باندھنا تمام اہل سنت کے نزدیک سنت ہے۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: اگر کسی شخص نے بھول کر قبلہ کے علاوہ دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی ہو، اور بعد میں اس پر اس کی غلطی واضح ہو جبکہ ابھی وقت باقی ہو تو کیا وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے؟

جواب: نہیں، اسے اپنی یہ نماز دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار کچھ صحابہ کرام سے ایسے ہی ہوا تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے ہر ایک نے اپنے اندازے سے نماز پڑھی، صبح ہوئی تو ان لوگوں نے اپنا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کو بتایا، تو آپ نے ان کو نمازیں دہرانے کا حکم نہیں دیا تھا۔[2]

(محمد ناصر الدین البانی)

سوال: اگر کوئی شخص کسی شہر میں چار دن ٹھہرنے کی نیت رکھتا ہو تو کیا وہ اپنی نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب فی فضل صلاة الجماعة، حدیث : ٥٥٤ وسنن النسائی، کتاب الامامة، باب الجماعة اذا کانوا اثنين، حدیث : ٨٤٤ وصحيح ابن خزيمة : ٢/ ٣٦٦، حدیث : ١٤٧٦ .

[2] سنن ابن ماجه، اقامة الصلاة، باب من يصلی بغير القبلة، حدیث : ١٠٢٠ .

جواب: چار دن کے عدد کا اقامت کی جگہ یا سفر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اقامت اور سفر کا تعلق انسان کی نیت اور اس کے حالات کے ساتھ ہے۔ مثلاً جو کوئی کسی شہر میں تجارت وغیرہ کے لیے آیا ہو، اور اسے معلوم ہے کہ اس کا یہ تجارتی کام چار دن میں مکمل ہوگا، تو اس طرح وہ مقیم نہیں بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی نیت اور اس کا عزم یہاں سے کوچ کر جانا ہی ہے۔ [1] (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: نمازی میں تشہد کے دوران 'السلام علیك ایها النبی'' کہنا ہوتا ہے۔ کیا اس میں ان لوگوں کے لیے دلیل نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کو مدد کے لیے پکارتے اور آپ سے استغاثہ کرتے ہیں؟

جواب: نہیں اس میں ان لوگوں کے لیے قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ بالخصوص ہم سلفیوں پر اس کا کوئی اعتراض نہیں آتا ہے۔ [2]

سنن نسائی اور دارمی کی صحیح حدیث ہے:

((عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ إن الله ملائكة سياحين فى الأرض يبلغونى من أمتى السلام .)) [3]

اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ہر جگہ خطاب سنوانے کے لیے نہیں ہوتا ہے، جیسے کہ جامع ترمذی میں نیا چاند دیکھنے کی دعا میں صیغۂ خطاب آیا ہے۔

((عن طلحة بن عبيدالله رضی اللہ عنہ أن النبى ﷺ كان إذا رأى الهلال قال: اللهم أهلله علينا باليمن والايمان والسلامة والإسلام، ربى وربك الله .)) [4]

''اے اللہ اس نئے چاند کو ہمارے لیے برکت، ایمان، سلامتی اور اسلام والا بنا، میرا اور تیرا رب اللہ ہے؟''

---

[1] علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ وغیرہ اور سلف میں سے بہت سے علماء چار دن تک کے لیے قصر اور اس سے زیادہ کے لیے اتمام کا فتویٰ دیتے ہیں۔ لہٰذا جب مسافر کسی جگہ چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے بہتر صورت یہی ہے کہ قصر نہ کرے بلکہ چار چار رکعت ادا کرے۔ (فتاویٰ ابن باز (اردو) جلد اول، ص:۳۰۷)

[2] یہ صیغۂ خطاب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور اشارہ کردہ ہے اور کلمۂ تعبد ہے۔ ہم اسے اسی طرح ادا کرنے کے مکلّف ہیں بغیر اس عقیدہ کے کہ رسول اللہ ﷺ سن رہے ہیں یا آپ کو سنوایا جا رہا ہے۔ یہ تو نمازی کا استحضار ذہنی ہے کہ آپ کے ذریعے اور واسطے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کرنے کی تعلیم دی ہے اور آپ ہمارے لیے اللہ کے ہاں قرب کا اولین وآخرین واسطہ ہیں۔ آپ کے لیے امت کے افراد جہاں سے بھی درود وسلام بھیجتے ہیں وہ فرشتوں کے ذریعے سے آپ تک پہنچایا جا رہا ہے۔

[3] رواه النسائی، والدارمی: ۱/ ۱۹۱ وسنده صحيح وصححه الحاكم: ۱/ ۵۵۰ ووافقه الذهبی، مأخوذ از مشكوة المصابيح بتعليق العلامة الالبانی: ۱/ ۲۹۱.

[4] قال ابوعيسى هذا حديث حسن غريب، كتاب الدعوات، حديث: ۳۴۵۱.

الغرض بدعتی لوگوں کے بقول سلام میں صیغہ خطاب سے آپ ﷺ کا حاضر وناظر ہونا یا آپ کا براہ راست اس سلام یا استغاثہ وغیرہ کو سننا بے اصل ہے۔ ان لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ سلام کا یہ صیغہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے آپ کی وفات کے بعد غیب کے صیغہ سے پڑھنا شروع کر دیا تھا، یعنی ((السلام على النبی ورحمة الله.)) ❶

ذرا غور کیجیے کہ ہم اپنی نسبت سلف (صحابہ) کی طرف کیوں کرتے اور اپنے آپ کو سلفی کیوں کہلاتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے۔ اور اس کی رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی بھی فرمائی تھی کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، سوائے ایک کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا: وہ ''کون سا فرقہ ہوگا؟'' فرمایا: ''وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہوں گے۔'' ❷ اور ایک صحیح روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہ ''الجماعت ہوگی۔''

اور یہ سب فرقے جن کے جہنمی ہونے کا آپ نے بتایا ہے، یہ نہیں کہ وہ کتاب وسنت سے کلی طور پر بری ہوں گے، بلکہ ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

وكل يدعى وصلا بليلى
وليلى لا تقرلهم بذاك

''ہر ایک لیلیٰ سے وصل کا مدعی ہے مگر لیلیٰ ان میں سے کسی کے لیے بھی اس کا اقرار نہیں کرتی ہے۔'' ❸

تو سچا ان میں سے صرف وہی ہے جس پر اس حدیث کے الفاظ راست آئیں، جس میں آپ نے ناجی فرقے کے متعلق فرمایا ہے کہ ''یہ فرقہ وہ ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''صرف میں ہوں۔'' بلکہ آپ نے اس کے ساتھ اپنے صحابہ کو بھی شامل فرمایا ہے۔ تو یہ عطف وشراکت کیوں ہے؟ کیا یہ کافی نہ تھا کہ سنت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دے دی جاتی؟ میرے عقیدہ کے مطابق اس میں رسول اللہ ﷺ کا صحابہ اور خلفائے راشدین کا ذکر کرنا اس لیے ہے کہ کوئی مسئلہ اگر رسول اللہ ﷺ کے قلب انور پر وحی نہ کیا گیا ہو [تو اسے صحابہ اور خلفائے راشدین کے فہم اور ان کے عمل سے اخذ کیا جائے] اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں فرمائی گئی ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

❶ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، كتاب الاستئذان، باب الاخذ باليد، حديث: ٦٢٦٥، فتح الباری، كتاب الاذان، باب التشهد فى الاخرة، حديث: ٨٣١.

❷ سنن الترمذی، كتاب الايمان، باب افتراق الامة، حديث: ٢٦٤١ والمستدرك للحاكم: ٢١٨/١، حديث: ٤٤٤.

❸ ديوان الحماية: ١/١.

نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء : ٤/ ١١٥)

''جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہوجانے کے رسول اللہ ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔''

ہر فرقہ اس بات کا مدعی ہے کہ وہ کتاب وسنت پر عامل ہے۔ مگر ان کے مابین شدید اختلاف کے ہوتے ہوئے ان کو کتاب وسنت پر کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ناممکن ہے کہ آپس کا اختلاف قرآن مجید سے ماخوذ ہو۔ ہر وہ جو کتاب وسنت پر ہونے کا مدعی ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرے اور اس کی یہ دلیل اولین مومنین کی راہ میں ہوسکتی ہے۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے بغیر کسی سفر یا بارش وغیرہ کے عذر کے ظہر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کرکے پڑھی تھیں۔ ایسا کب کیا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ حدیث ایسے نہیں ہے جیسے کہ اکثر طلبہ حدیث سمجھتے ہیں کہ وہاں کوئی سبب نہ تھا۔ ضروری ہے کہ ایک مسلمان حالت اقامت میں اپنے شہر میں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا کرے، اور ایسا کرنا واجب ہے۔ ہاں جب کوئی عذر یا مشقت درپیش ہو تو اس مشقت کو دور کرنے کے لیے اس کی اجازت ہے کہ نمازیں جمع کرلی جائیں، جمع تقدیم یا جمع تاخیر۔

اس جمع میں شرعی سبب یہی ہے کہ مسلمانوں سے مشقت کا ازالہ کیا جائے۔ اور جہاں کوئی مشقت نہ ہو، وہاں نمازیں جمع نہیں کی جاسکتی ہیں۔ ضروری ہے کہ پوری حدیث پر عمل ہو۔ اور اس حدیث کا تتمہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا؟ فرمایا کہ آپ نے چاہا کہ آپ کی امت کو مشقت نہ ہو۔ [1]

چونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اقامت میں جو بارش کے عذر کے بغیر نماز پڑھی ہے تو امت کے لیے رفع جرم (مشقت دور کرنے) کی غرض سے پڑھی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عام واضح عذر نہ ہو، مگر کسی شخص کے لیے شخصی طور پر کوئی عذر ہو تو اس کے لیے یہ ہے کہ ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھ لے۔ [2] بلاوجہ جمع کرنے کا اسے حق نہیں ہے۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: میں جب نماز پڑھ رہا ہوں/رہی ہوں اور دروازے کی گھنٹی بج اٹھے، اور گھر میں میرے علاوہ اور کوئی نہ

[1] یعنی جمع صوری اختیار کرے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

[2] صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب الجمع بين الصلاتين فى الحضر، حديث : ٧٠٥، ٧٠٦۔ سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين فى الحضر، حديث : ١٨٧ .

ہوتو میں کیا کروں؟

جواب: جب آپ نفلی نماز میں ہوں تو اس میں وسعت ہے کہ آپ نماز توڑ دیں اور معلوم کریں کہ دروازے پر کون ہے۔ مگر فرضی نماز میں جلدی نہیں کرنی چاہیے سوائے اس کے کہ کوئی پریشانی کی بات ہو۔ اگر دستک دینے والے کو مطلع کرنا ممکن ہو کہ اونچی آواز سے مرد سبحان اللہ کہے اور عورت تالی بجا دے تاکہ دروازے پر آنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جو اندر ہے وہ نماز میں ہے، اور یہ بات کافی ہے، جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

((من نابه شيء في صلاته فليسبح الرجال ولتصفق النساء .))

''جیسے اپنے نماز میں کوئی عارض آجائے تو چاہیے کہ مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجا دیں۔''[1]

اگر یہ عمل مفید نہ ہو کہ دروازہ دور ہے اور آنے والا یہ آواز نہیں سن سکتا تو نفلی نماز توڑ دینا اس ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔ اور فرض نماز میں جب محسوس ہو کہ معاملہ خاص ہے تو اسے بھی توڑا جا سکتا ہے اور پھر نئے سرے سے اعادہ کرنا ہوگا۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا مسجد میں اس طرح سے سودا کرنا جائز ہے کہ مال وصول کر لیا جائے اور قیمت بعد میں مسجد سے باہر جا کر ادا کی جائے؟

جواب: نہیں یہ درست نہیں، بدعت ہے۔ اگرچہ اس طرح کا سودا ایک جائز بیع ہے کہ آپ ادھار قیمت پر چیز خریدیں یا بیچیں۔ مگر مسجد میں ایسا کرنا منع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جب تم دیکھو کہ کوئی مسجد میں بیچتا یا خریدتا ہے تو کہو، اللہ تیری تجارت کو نفع والی نہ بنائے، اور اگر کسی کو سنو کہ مسجد کے اندر اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو کہو، اللہ اسے تجھے نہ لوٹائے۔''[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح اور ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ اور عام حالات میں کسی مسلمان کو

---

[1] یہ روایت مختلف الفاظ سے مروی ہے مثلاً إذا نابكم شيء في صلاتكم فليسبح الرجال ولتصفق النساء' دیکھیے سنن الدارمی:١/ ٣٦٥، حديث : ١٣٦٤ ، صحيح ابن حبان : ٦/ ٣٩، حديث : ٢٢٦١ المعجم الكبير للطبرانی : ٦/ ١٢٩ ، حديث : ٥٧٣٩ ، 'إذا رأيكم أمر فليسبح الرجال ولتصفق النساء' المعجم الكبير للطبرانی : ٦/ ١٨٢ ، حديث : ٥٩٣٢ 'إنما التصفيح للنساء من نابه شيء في صلاته فليقل سبحان الله' دیکھیے: صحيح بخاری، أبواب العمل في الصلاة، باب رفع الايدي في الصلاة لامر ينزل به، حديث : ١١٦٠ صحيح بخاری، کی ایک روایت میں 'إنما التصفيح' کی جگہ 'إنما التصفيق' ہے دیکھیے ابواب السهم، باب الاشارة في الصلاة، حديث : ١١٧٧ مزید دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تاخر، حديث : ٤٢١ وسنن أبي داود، كتاب الصلاة تفريع أبواب العمل في الصلاة، باب التصفيق في الصلاة، حديث : ٩٤٠ .

[2] سنن الترمذی، كتاب البيوع، باب النهي عن البيع في المسجد، حديث : ١٣٢١ وسنن الدارمی : ١/ ٣٢٦ وصحيح ابن خزيمة : ٢/ ٢٧٤ ، حديث : ٥٨٢ .

بددعا دینا جائز نہیں ہے۔

ان ارشادات کی بنا پر امام ابن حزم رحمہ اللہ مسجد میں خرید وفروخت کے حرام ہونے کے قائل ہیں، اور دیگر علمائے کرام مکروہ کہتے ہیں۔ اور اصول فقہ میں یہ قاعدہ تکرار کے ساتھ آیا ہے کہ ''نہی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔'' مگر اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل اجماع ہے جیسے کہ حافظ عراقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ مسجد میں بیع ہو جاتی ہے، اسے توڑنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس اجماع کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے وہ تنزیہ کے لیے ہے، تحریم کے لیے نہیں۔ اس منع کے بارے میں مسند احمد اور سنن میں جناب عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، اور اس سے بھی کہ اس میں شعر پڑھے جائیں یا گم شدہ چیزوں کا اعلان کیا جائے، اور اس سے بھی کہ جمعہ کے روز مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھا جائے۔'' ❶ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر نماز توڑ دینا جائز ہے؟

جواب: اگر نمازی نفل نماز میں ہو تو اس مقصد کے لیے نماز توڑ دینا جائز ہے مگر مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ اور اگر نماز فرض ہو تو نماز توڑنا جائز نہیں ہے، جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے، ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: ٤٧/ ٣٣) ''اور اپنے اعمال باطل مت کرو۔'' ہاں اگر محسوس ہو کہ یہ فون نہ سننے سے کوئی انتہائی شدید نقصان ہو سکتا ہے تو اس صورت میں نماز توڑ دینا جائز ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک خاتون کا سوال ہے، کہتی ہے کہ میں نے بعض سے سنا ہے کہ اگر نماز کے دوران میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجے تو میں آلہ سماعت اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر اسے رکھ دیا کروں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ کسی اہم مصلحت کے پیش نظر نماز کے دوران عمومی طور پر کچھ عمل کر لینا جائز ہے، جیسے کہ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی وغیرہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا جبکہ دروازہ بند تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھ رہے تھے، اور دروازہ قبلہ کی جانب تھا، تو آپ کچھ چلے اور دروازہ کھول دیا اور پھر اپنی جگہ پر آ گئے۔ ❷ معلوم ہوا کہ نماز کے دوران آگے پیچھے ہونے جیسا عمل جائز ہے، اور دوسرا جو نماز نہیں پڑھ رہا ہے، نمازی کوئی بات کہے تو بھی جائز ہے۔ جس طرح کہ صحیحین میں

---

❶ سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلاة، حديث: ١٠٧٩ وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب كراهية البيع والشراء وانشار الضالة والشعر في المسجد، حديث: ٣٢٢ وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن البيع والشراء في المسجد، حديث: ٧١٥.

❷ سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، حديث: ٩٢٢، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما يجوز من المشي والعمل في --- ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٣١ مسند ام المومنين عائشه رضی اللہ عنہا.

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہوا تھا، تو میں نے دیکھا کہ آپ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہے تھے، اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بنو حرام کی کچھ عورتیں آئی ہوئی تھیں، کہتی ہیں کہ میں نے لونڈی سے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جا اور آپ کی داہنی جانب کھڑی ہو جانا اور کہنا کہ ام سلمہ عرض کرتی ہے کہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ عصر کے بعد نماز سے منع فرماتے ہیں، اور آپ ہیں کہ اب پڑھ رہے ہیں۔ اگر آپ تجھے اشارہ کریں تو پیچھے ہو جانا۔ چنانچہ لونڈی گئی اور آپ کی داہنی طرف جا کر آپ سے اسی طرح کہا جیسے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا، تو آپ نے اسے اشارہ کیا کہ پیچھے ہو جا۔ چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ قبیلہ بنی عبد قیس کا ایک وفد آ گیا تھا، انہوں نے مجھے نماز ظہر کی پہلی سنتوں سے مشغول کر دیا تھا (تو یہ وہی سنتیں ہیں)۔ [1] اس حدیث سے استدلال یہی ہے کہ لونڈی نے جب آپ سے بات کی تو آپ نے اسے پیچھے ہو جانے کا اشارہ کیا۔

ایسے ہی ایک بار آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اشارہ فرمایا تھا۔ صحیح میں مروی ہے، سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں ان کی صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ نماز کا وقت ہو گیا تو مؤذن نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نماز پڑھائیں گے، تو میں تکبیر کہوں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ چنانچہ مؤذن نے تکبیر کہی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے لگے۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور صفوں میں سے ہوتے ہوئے اگلی صف میں آ گئے، لوگوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ تالیاں بجانے لگے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہ ہوا کرتے تھے، مگر جب انہوں نے بار بار تالیاں سنیں تو وہ کچھ متوجہ ہوئے (آنکھ گھما کے دیکھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور اللہ کی حمد کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اشارہ فرمایا ہے، اور پھر وہ پیچھے ہٹ آئے حتیٰ کہ صف میں شامل ہو گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔

آپ جب نماز پڑھا چکے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تجھے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے سے کیا مانع ہوا تھا جب کہ میں نے تجھے حکم بھی دیا تھا۔'' تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ابی قحافہ کے بیٹے کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہو کر نماز پڑھاتا۔ پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا: تمہیں کیا ہوا تھا کہ تم نے اس قدر تالیاں بجائیں؟ جسے اپنی نماز میں کچھ عارضہ پیش آ جائے تو چاہیے کہ وہ ''سبحان اللہ'' کہے۔ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔ اور تالی بجانا صرف عورتوں کے لیے ہے۔''

اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((التسبیح

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٤٨.

للرجال والتصفیق للنساء .)) (سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے)

الغرض عورت کو اگر نماز کے دوران کوئی عارضہ پیش آ جائے تو اسے چاہیے کہ تالی بجا کر متنبہ کرے، وہ تکبیر نہیں کہہ سکتی بالخصوص جب غیر مرد بھی موجود ہوں، اور نہ ہی کہ نماز کے دوران اس طرح کا عمل جائز ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں بحمد اللہ تعالیٰ پانچوں نمازیں جامع مسجد میں باجماعت ادا کرتا ہوں، اور کبھی جماعت رہ بھی جاتی ہے۔ اور میرا ہمیشہ کا معمول ہے کہ میں عشاء کے بعد پانچ کی بجائے تین رکعت پڑھتا ہوں، اور اکثر شہروں اور بستیوں میں میں نے نمازیوں کو اس پر عمل کرتے دیکھا ہے۔ براہ مہربانی صحیح عمل کی رہنمائی فرمائیں، اللہ آپ کو توفیق دے۔

جواب: وتر کی کم سے کم تعداد ایک رکعت ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ اگر آپ ایک، تین، پانچ، سات، نو، گیارہ یا تیرہ رکعت یا اس سے بھی زیادہ پڑھتے ہیں تو اس میں وسعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قولی وفعلی سنت سے ایسے ہی ثابت ہے۔ اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ''زاد المعاد فی ہدی خیر العباد'' میں نماز وتر پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ مزید استفادہ کے لیے ہم آپ کو اس کے مراجعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: نماز عشاء کے بعد میں نے کچھ نمازیوں کو دیکھا ہے کہ وہ دو رکعت پڑھتے ہیں، اور کچھ تین رکعت اور میرا معمول بھی یہی ہے اور کئی پانچ رکعتیں پڑھتے ہیں، تو ان میں سے سنت کے مطابق کون سا عمل صحیح ہے؟

جواب: سنت یہ ہے کہ عشاء کے بعد دو رکعت ادا کی جائیں جو مؤکدہ سنتیں ہیں اور افضل یہ ہے کہ گھر میں ادا ہوں، اس کے بعد وتر پڑھے جائیں، ایک، تین یا پانچ۔ اور افضل یہ ہے کہ گیارہ رکعتیں ہوں، ہر دو پر سلام پھیرا جائے اور گیارھویں رکعت وتر ہو۔ اور رات کے ابتدائی، درمیانے یا آخری حصے میں جیسے بھی آسانی ہو پڑھی جائیں، اور اگر ممکن ہو تو افضل یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں ہوں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی سنت ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے رات کے سب ہی حصوں میں وتر پڑھے ہیں، ابتدا میں، درمیان میں اور آخر میں، اور آپ کا وتر سحر تک پہنچا ہے۔'' (متفق علیہ)

اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جسے اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں جاگ نہیں سکے گا تو اسے چاہیے کہ پہلے پہر ہی پڑھ لے۔ اور جسے یہ حرص ہو کہ وہ رات کے آخری میں پڑھے گا تو اسے آخر میں پڑھنے چاہئیں۔ بلاشبہ پچھلی رات کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: نماز فجر اور نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا صرف نماز وتر میں ثابت ہے، جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ آپ نے مجھے یہ دعا تعلیم فرمائی تھی۔اور نماز فجر میں ہمیشہ پابندی کے ساتھ قنوت پڑھنا، اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ ہاں اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آ پڑے تو نماز فجر اور باقی نمازوں میں بھی قنوت کیا جاسکتا ہے۔لیکن کسی آفت وآزمائش کے حالات کے بغیر اس کا نماز فجر میں پڑھنا بالکل بے اصل ہے۔ (محمد ناصرالدین البانی)

سوال: قنوت وتر میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ دعا بھی قنوت نازلہ ہی کی طرح سے ہے۔ اور قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھنا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے۔سنن الکبریٰ بیہقی میں صحیح سند سے مروی ہے۔

(الشیخ عبدالعزیز بن باز)

سوال: سب جانتے ہیں کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد، سجدوں میں، سجدوں کے درمیان اور آخری تشہد میں سلام سے پہلے کے مقامات دعاؤں کے مواقع ہیں تو کیا ان مقامات پر غیر ماثور (غیر منقول دعائیں) بھی کی جاسکتی ہیں؟

جواب: عبادت ایک توقیفی عمل ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وارشاد پر مبنی ہے) اگر ان مواقع پر انسان غیر ماثور (غیر منقول) دعائیں پڑھے گا تو اگرچہ ایک اعتبار سے یہ جائز ہے مگر اس طرح سے انسان اپنے اس نبی کی سنت چھوڑ بیٹھے گا جنہیں ''جامع کلمات'' کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

بطور مثال دیکھیے، صحیح مسلم میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فرض نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے یا فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ پڑھا کرتے تھے:

((وجهت وجهي للذي فطر السماوات والارض حنيفا مسلما وما أنا من المشركين، إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين، اللهم أنت الملك لا إله إلا أنت ربي وأنا عبدك، ظلمت نفسي واعترفت بذنبي فاغفرلي ذنوبي جميعا فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت، واهدني لأحسن الأخلاق لا يهدي لأحسنها إلا أنت، واصرف عني سيئها لا يصرف عني سيئها إلا أنت، لبيك وسعديك والخير كله في يديك والشر ليس إليك، أنا منك وإليك، فتباركت وتعاليت.))

''میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اس حال میں کہ میں اس کی طرف یکسو اطاعت گزار ہوں، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بلاشبہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا مرنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہان والوں کا پالنے والا ہے، اس

کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اس بات کا حکم کیا گیا ہے، اور میں اس کے لیے اولین اطاعت گزاروں میں سے ہوں۔ اے اللہ تو بادشاہ ہے، تیرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، تو ہی میرا رب ہے، اور میں تیرا ہی بندہ ہوں، میں نے اپنی جان پر بہت زیادتی کی ہے، میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، سو تو میرے سارے گناہ معاف فرما دے، بلاشبہ تیرے علاوہ گناہوں کو اور کوئی نہیں بخش سکتا، مجھے اچھی عادات کی رہنمائی فرما، کیونکہ اچھے اخلاق کی ہدایت تیرے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا، اور میری عادت مجھ سے پھیر دے، ان کو مجھ سے تیرے علاوہ اور کوئی نہیں پھیر سکتا۔ اے اللہ میں حاضر ہوں اور بڑا سعادت مند ہوں، خیر سراسر تیرے ہاتھوں میں ہے، برائی تیری طرف نہیں ہے۔ میں تجھ سے ہوں اور تو بڑی برکت والا اور بلندی والا ہے۔''

(ا) یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے تکبیر کہتے تو قراءت سے پہلے کچھ دیر کے لیے خاموش کھڑے رہتے۔ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول! آپ تکبیر اور قراءت شروع کرنے کے درمیان خاموش ہوتے ہیں، آپ اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ فرمایا: ((اللهم باعد بيني وبين خطاياى ...... الخ))

ان کے علاوہ ایک اور حدیث جو کئی صحابہ سے منقول ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ((سبحانك اللهم وبحمدك ...... الخ))

اور سجدوں کے درمیان حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ "رب اغفر لی ، رب اغفر لی" تکرار کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن اس کے مقابلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے کہ آپ یہ پڑھا کرتے تھے: "اللهم اغفرلی وارحمنی واهدنی وعافنی وارزقنی" تو اس حدیث کی سند میں اعتراض ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

نماز وتر کا آخری وقت

سوال: وتروں کا آخری سے آخری کون سا وقت ہے جس میں کہ یہ نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: وتر کا آخری وقت رات کے آخر میں صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''رات کی نماز دو دو رکعت ہے، تو جب تم میں سے کسی کو اندیشہ ہو کہ صبح طلوع ہونے کے قریب ہے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ پڑھی گئی ساری نماز کو وتر بنا دے گی۔'' (الشیخ عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہمارے علاقہ معادی میں ایک مبلغ ہے، اس کا کہنا ہے کہ سفر یا خوف کے بغیر بھی نماز ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کا استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہے۔ اس وجہ سے کچھ لوگ جو اپنے محلے سے

دوسرے محلے میں بھی جائیں، خواہ وہ کارکن انجینئر قسم کے لوگ بھی کیوں نہ ہوں، نمازیں جمع کرتے ہوئے ظہر کو تاخیر سے پڑھتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، تو وہ کہتا ہے کہ میرے پاس دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے ایسے کیا تھا، آپ کے پاس منع کی کیا دلیل ہے۔ براہ مہربانی ان کے قول وفعل کی تردید فرمایے۔ ان کے اس قسم کے فتوؤں سے ہمارے ہاں ایک فتنہ سا برپا ہے، اور یہ لوگ اپنے زعم میں دلیل پر چلتے ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب: جمع بین الصلاتین کے بارے میں عبادلہ ثلاثہ سے تین حدیثیں آئی ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے دو نمازوں کے علاوہ کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی ہے۔ آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں جمع کر کے پڑھیں اور فجر کی نماز اس دن اپنے وقت پر ادا کی۔'' اور میں نے اپنی تالیف ''صفة حجة النبی'' میں بیان کیا ہے کہ علقمہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مزدلفہ کی رات سوئے رہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ سوئے رہے اور فجر طلوع ہوتے ہی بیدار ہو گئے اور فجر کی اذان کہی گئی۔ انہوں نے بیان کیا کہ ''رسول اللہ ﷺ یہ نماز (فجر) اس وقت میں، صرف اسی دن، اسی جگہ، اس وقت میں ادا کرتے تھے۔'' یعنی وہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ آپ بالعموم اس وقت میں یہ نماز نہ پڑھا کرتے تھے بلکہ کچھ تاخیر کرتے تھے۔ اور اس حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ نماز فجر کو فجر کی سفیدی میں پڑھنا زیادہ افضل ہے بجائے اس کے کہ اسے فجر کے اندھیرے (غلس) میں پڑھا جائے۔ مگر جمہور اس میں ان کے خلاف ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو صورت بیان کی ہے، جیسے کہ طبرانی میں آیا ہے، اس سے جمع صوری مراد لی گئی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جو طبرانی میں ہے، اس میں ہے کہ ''نبی ﷺ ہم پر نکلے، آپ ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو جلدی پڑھتے تھے، مغرب کو مؤخر اور عشاء کو جلدی پڑھتے تھے اور ان دونوں نمازوں کو جمع کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو جمع کرنا کہا ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کوئی نماز بے وقت کر کے نہیں پڑھی ...... تو یہ دلیل ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو جمع بیان کی ہے اس سے ''جمع صوری'' مراد ہے۔ ان روایات میں ایک نکتہ یہی ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کسی روایت میں جمع کی کوئی صورت واضح نہیں کی گئی ہے اس لیے ان میں تین احتمالات ہیں۔ یا تو یہ جمع تقدیم ہو گی یا جمع تاخیر یا جمع صوری اور ان میں سے کوئی ایک ہی عمل میں آئی ہو گی۔ کیونکہ یہ عمل ایک ہی بار رہا ہے، کہیں ایسا ثابت نہیں ہو سکا کہ یہ عمل متعدد بار کا ہو۔ لہٰذا اس میں عموم نہیں ہے۔ اس حدیث اور احادیث مواقیت میں جمع کی مناسب صورت یہی ہے کہ اسے جمع صوری پر محمول کیا جائے۔

اور حدیث جبریل میں ہے کہ جبریل نے نبی ﷺ سے کہا کہ: ''ان دو وقتوں کے درمیان وقت ہے۔'' اور اللہ عزوجل کا فرمان بھی یہی ہے کہ

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾

''بلاشبہ نماز اہل ایمان پر اپنے وقت میں فرض کی گئی ہے۔''

اور آپ ﷺ کا جمع کا یہ فعل جو ہمارے پیش نظر ہے، جس میں جمع کی کوئی صورت متعین نہیں ہے کہ یہ جمع تقدیم تھی یا تاخیر یا صوری...... اور احتمال سبھی کا ہے، اور حسب قاعدہ جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے، بالخصوص جبکہ جمع صوری کا قول بھی وارد ہے، جو ان سابقہ احادیث کے موافق ہے، اور یہ بھی واجب ہے کہ نصوص کے درمیان جمع وتطبیق کی صورت نکالنی چاہیے تو ضروری ہے کہ یہی کہا جائے کہ یہ جمع صوری تھی۔

اس لیے کہ یہ جمع شکل وصورت میں ہے، (اور حقیقت میں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے) کیونکہ انسان جب ظہر کو اس کے آخری وقت میں پڑھے گا، تو اتنے میں عصر کا وقت شروع ہو جائے۔ اور اگر انسان نے وضو وغیرہ کرنا ہو تو اس سے فارغ ہو کر نماز عصر پڑھے گا۔ تو یہ شکل وصورت کے اعتبار سے جمع ہے اور شریعت نے بھی اسے جمع ہی کہا ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استحاضہ والی خاتون حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ:

''اگر تجھے یہ طاقت ہو کہ ظہر کو مؤخر اور عصر کو جلدی کر لیا کرے تو ان دونوں کے لیے ایک غسل کر کے ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھ لیا کر۔ پھر مغرب کو مؤخر اور عشاء کو جلدی کر لیا کرے تو ان دونوں کے لیے غسل کر لیا کر اور انہیں جمع کر کے پڑھ لیا کر، اور پھر اس طرح کیا کر۔''

الغرض آپ ﷺ نے اس صورت وکیفیت سے نماز پڑھنے کو ''جمع'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس پر علامہ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''اس میں بڑی مشقت ہے اور یہ جمع عذر والوں کے لیے ہے۔ اور بقول علامہ موصوف ''نمازوں کے اوقات عام لوگ تو کیا، خاص طالب علم کے لیے بھی واضح نہیں ہوتے ہیں۔'' جمہور نے ان کے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان اوقات کے ابتدا وانتہا کی خاص خاص واضح علامتیں بیان فرما دی ہیں جواز کیا تو کیا، عوام الناس کے لیے بھی مخفی نہیں ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ان سے کہا گیا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اس سے کیا ارادہ فرمایا تھا؟'' تو انہوں نے کہا'' آپ یہ چاہتے تھے کہ امت کو حرج نہ ہو (دقت نہ ہو)''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اس کے قریب قریب ہے: ((لئلا تحرج امتی صنعت ذلك .)) ''تاکہ میری امت کو مشقت نہ ہو، وہ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔''

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے افعال کی پیروی کیا کرتے تھے، مثلاً دیکھیے حدیث حدیبیہ میں ہے،

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم سے بخاری اور مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی قربانیاں نحر کر دیں اور اپنے سر مونڈ لیں تو کوئی بھی ان میں سے اپنی جگہ سے نہ ہلا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام غصے میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی پیروی کریں تو آپ کسی سے کوئی بات نہ کریں بلکہ اپنی قربانی نحر کر دیں اور پھر حجام کو بلا کر اپنے بال منڈوا لیں۔ چنانچہ آپ نے ایسے ہی کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے سب صحابہ کرام نے اپنی قربانیاں نحر کر دیں اور اپنے اپنے سر بھی منڈوا لیے۔ حتیٰ کہ بقول راوی قریب تھا کہ ہم کہیں ایک دوسرے کو قتل ہی نہ کر بیٹھیں۔ یعنی ایک دوسرے کے بال مونڈنے منڈوانے کے لیے ان کا بہت زیادہ ازدحام ہو گیا۔ [1]

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں روانہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے روزہ رکھا، تو آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی روزہ رکھا، حتیٰ کہ جب ہم لوگ کراع الغمیم نامی منزل پر پہنچے جو مدینہ منورہ کی نواحی آبادی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ لوگوں کو روزہ رکھنا دشوار ہو رہا ہے، اور وہ آپ کے فعل و عمل کے منتظر ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ عصر کے بعد کا وقت تھا اور آپ اپنی سواری پر سوار تھے۔ آپ نے پانی کا پیالہ طلب فرمایا، اپنی سواری پر ہی وہ پیالہ اپنی ہتھیلی پر رکھا، جبکہ سب لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور آپ نے یہ نوش کر لیا۔ مسند احمد میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''آپ کو کھانے پینے کی حاجت نہ تھی۔'' مگر آپ نے یہ سب کیا کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے فعل کی اقتدا کیا کرتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز دو سے زیادہ بار اول وقت سے تاخیر کر کے نہیں پڑھی ہے، حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ چونکہ صحابہ آپ کے فعل کی اقتدا کیا کرتے تھے، اور بعض اوقات انہیں کوئی مشقت بھی پیش آ جاتی تھی تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے عمل سے واضح فرما دیں کہ اس مسئلے میں وسعت ہے۔ اور یہ عمل بالکل اس عمل کے مماثل ہے کہ آپ ہر نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے، مگر فتح مکہ کے دن آپ نے پانچوں نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں۔ آپ سے کہا گیا، اور یہ کہنے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، اے اللہ کے رسول! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہ کیا کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ میں نے یہ عمداً کیا ہے [2] اور اس میں یہی ہے کہ آپ نے ایک وضو سے کئی نمازیں کے درست ہونے کا جواز واضح فرمایا۔

[1] اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صلح کے اس فیصلے پر پریشان تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے چارا نہ تھا۔ (مترجم)

[2] صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: ٢٧٧، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الرجل يصلي الصلوات بوضوء واحد، حديث: ١٧٢ وسنن الترمذي، كتاب/ ابواب الطهارة، باب أنه يصلي الصلوات بوضوء واحد، حديث: ٦١.

اور یاد رہے کہ جمع بین الصلوٰتین میں جمع صوری ہونے کا قول ائمہ اربعہ اور دیگر بہت سے ائمہ سے مروی ہے، سوائے امام محمد بن سیرین اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن کے۔

پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ حضرات جو جمع حقیقی کے قائل ہیں جیسے کہ امام محمد بن سیرین، ربیعہ بن عبدالرحمٰن اور ان کے مؤیدین مثلاً قفال اور ابن منذر وغیرہ، وہ اس کے لیے شرط کرتے ہیں کہ آدمی اس عمل کو اپنی عادت نہ بنائے، بلکہ واقعی طور پر کوئی مشقت ہو تو کبھی ایسا کر لے تو جائز ہے۔ مگر اس طرح سے جمع کرنے کو اپنی عادت بنا لینا اس کا سلف میں سے کوئی بھی قائل نہیں رہا ہے۔ اگر آدمی قواعد شریعت سے کسی قدر آگاہ ہے تو اس تفصیل کے پیش نظر اسے اپنے طرز عمل سے باز آ جانا چاہیے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں اپنے شوہر سے علم و فقہ میں کافی حد تک فائق ہوں اور وہ گویا آدھا ان پڑھ ہے جبکہ میں کلیہ شرعیہ کی طالبہ ہوں۔ تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ نماز میں اپنے شوہر کی امام بن جایا کروں؟

جواب: عورت کے لیے کسی طرح جائز نہیں کہ مردوں کی امامت کرا سکے، خواہ اس کا ان کے ساتھ تعلق شوہر، بیٹے یا باپ والا ہی کیوں نہ ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لن يفلح قوم ولوا أمرهم إمرأة .)) ❶

''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جنھوں نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔''

خواہ عورت قراءت قرآن میں ان مردوں سے کسی قدر زیادہ بڑھ کر ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((يوم القوم أقرأهم لكتاب الله .)) ❷

''قوم کی امامت وہ کرائے جو ان میں کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو۔''

اس خطاب میں مردوں کے ساتھ عورت شامل نہیں ہے۔ قوم کا لفظ مردوں کے لیے استعمال ہوا ہے، عورتوں کے لیے نہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ (الحجرات: ٤٩/ ١١)

''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے ٹھٹھا مذاق نہ کیا کرے، ہو سکتا ہے وہ ان سے افضل اور بہتر

❶ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبى صلى الله عليه وسلم الى كسرى وقيصر، حديث: ٤١٦٣ وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب لا نهى عن سب الرياح (باب منه)، حديث: ٢٢٦٢.

❷ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالامامة، حديث: ٦٧٣ وسنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب من أحق بالامامة، حديث: ٢٣٥ وسنن النسائي، كتاب الامامة، باب من أحق بالامامة، حديث: ٧٨٠.

ہو (یعنی مرد، مردوں سے مذاق نہ کیا کریں)، اور نہ عورتیں عورتوں سے ٹھٹھا مذاق کیا کریں، ہوسکتا ہے وہ ان سے افضل اور بہتر ہوں۔"

تو اللہ تعالیٰ نے افراد معاشرہ کو مردوں اور عورتوں کے دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ الغرض مسئلہ امامت میں لفظ "قوم" مردوں کے لیے ہے، اس میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔ [1] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہم سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا عورت گھر میں ریڈیو، ٹی وی پر نشر ہونے والی نماز کے ساتھ جماعت کی نیت سے فرض یا نفل نماز پڑھ سکتی ہے؟ جبکہ اسے تکبیرات اور قراءت خوب سنائی دیتی ہو۔ جیسے کہ بطور مثال ہمارا گھر دارعین میں ہے اور ریاض سے تقریباً ساڑھے تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے؟

جواب: اس طرح اقتدا جائز نہیں ہے، نماز خواہ فرض ہو یا نفل، اور خواہ امام کی قراءت اور تکبیرات بھی سنائی دیتی ہوں۔ [2] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہم لوگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہماری بعض بہنیں ہمارے آگے ویسے ہی بیٹھی رہتی ہیں، جبکہ انہوں نے نماز نہیں پڑھنی ہوتی (یعنی ایام سے ہوتی ہیں)؟

جواب: جو خاتون ایام سے ہو اسے لازم ہے کہ صفوں کے پیچھے چلی جایا کرے اور نماز کی صفیں اور یہ مقام نماز پڑھنے والیوں کے لیے چھوڑ دیا کرے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ہمارے والد کہتے ہیں کہ عورت جب فرض نماز پڑھ رہی ہو تو اس کے آگے سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں، جزاکم اللہ خیرا

جواب: نمازی خواہ مرد ہو یا عورت، اس کے لیے سترہ رکھنا سنت ہے۔ اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کے اور سترے کے درمیان سے گزرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ لیکن اگر گزرنے والی عورت ہو اور نمازی اور اس کے

---

[1] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ ہاں اگر عورتوں کی جماعت ہو رہی ہو تو ان میں وہی عورت امام بنے جو ان میں قرآن وسنت کے علم میں ان سے بڑھ کر ہو۔ (ع س)

[2] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ امام اور مقتدیوں میں جب اس طرح سے بعد اور فاصلہ ہو کہ صفیں ملی ہوئی نہ ہوں تو اقتدا جائز نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر نماز کا وقت ہو اور یہ دور کا نمازی اپنی انفرادی نماز کی نیت کر کے اس سنائی دینے والی نماز کے ساتھ ساتھ اس کی موافقت میں اپنی نماز پڑھے اور قیام، رکوع، سجود وغیرہ کی تسبیحات اور اذکار اسی تطویل کے ساتھ ادا کرے تو یہ نماز جائز ہوگی۔ اسے جماعت کی اقتدا نہیں کہیں گے۔ یہ محض موافقت ہوگی۔ جیسے کہ کوئی امی (ان پڑھ) سنتوں وغیرہ میں کسی عالم کے پہلو میں اس کے قریب کھڑا ہو کر اس کے ساتھ ساتھ قیام رکوع سجود کرتا ہے یا بچے اپنے والدین کے ساتھ کرتے ہیں تو ان کی نماز صحیح ہوتی ہے۔ اس موافقت میں مقتدی کو زیادہ خشوع اور اعتدال ارکان وغیرہ کا فائدہ ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (از افادات فضیلۃ الشیخ قاری محمد امین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم تقویۃ الاسلام اوڈانوالہ، ضلع فیصل آباد)

سترے کے درمیان سے گزرے گی تو نماز پڑھنے والے مرد یا عورت کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ ❶ سوائے اس کے کہ مسجد حرام میں ایسا ہو، یہاں اسے معاف کیا گیا ہے کیونکہ اس جگہ اس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے۔ اور اللہ کا فرمان ہے۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ٦٤/ ١٦)

''اور جہاں تک ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

اور مزید فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ٢٢/ ٧٨)

''اور اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔'' (مجلس افتاء)

سوال: جب کوئی عورت نماز پڑھ رہی ہو اور اس اثنا میں کسی کو متنبہ کرنا چاہتی ہو تو کیا کرے؟

جواب: عورت جب نماز پڑھ رہی ہو اور اسے کوئی عارضہ لاحق ہو جائے جس پر وہ کسی کو متنبہ کرنا چاہتی ہو تو اسے چاہیے کہ تالی بجا کر متنبہ کرے۔ ❷ وہ اللہ اکبر نہیں کہہ سکتی۔ الغرض نماز دوران میں اس طرح کا عمل جائز ہے، مگر وہ تسبیح یا تکبیر نہیں کہہ سکتی بالخصوص جب اجنبی لوگ بھی موجود ہوں۔ (مجلس افتاء)

سوال: عورت کو تلاوت قرآن کرتے ہوئے اگر سجدۂ تلاوت آ جائے اور اس کے سر پر اوڑھنی نہ ہو تو کیا وہ اس حالت میں سجدہ کرے یا نہیں؟

جواب: عورت کے لیے افضل اور بہتر یہی ہے کہ دوران تلاوت میں سجدہ کے لیے اس کا سر ڈھانپا ہوا ہو۔ لیکن اگر وہ یہ سجدہ ننگے سر بھی کر لے تو ہمیں امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ سجدۂ تلاوت کے لیے نماز والا حکم نہیں ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے عجز و انکسار کا اظہار ہے، اور اسی طرح کا ایک قرب کا عمل ہے جیسے دیگر اذکار اور اعمال خیر ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا سجدۂ سہو نماز میں واجب اور مسنون عمل رہ جانے کی صورت میں لازم آتا ہے یا صرف واجب عمل کے رہ جانے پر؟

جواب: آدمی اگر نماز میں کوئی واجب مستحب عمل بھول گیا ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اس بارے میں امام

---

❶ صحیح مسلم، كتاب الصلوة، باب قدر ما يستر المصلى، حديث: ٥١١ وسنن أبى داود، كتاب الصلاة، أبواب السترة، باب ما يقطع الصلاة، حديث: ٧٠٣.

❷ ایسے موقع پر متنبہ کرنے کے لیے مردوں کے لیے سبحان اللہ اور عورتوں کے لیے تالی بجانا مشروع ہے۔ دیکھیے: صحیح بخاری، كتاب العمل فى الصلاة، باب التصفيق النساء، حديث: ١٢٠٣، ١٢٠٤ وصحیح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسبيح الرجال وتصفيق المرأة إذا نابهما شيء فى الصلاة، حديث: ٤٢٢.

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے جو یقینی موقف اختیار کرتے ہوئے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو سنن ابی داود میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر سہو کے لیے سلام کے بعد سجدہ ہے۔"[1] لیکن آپ "سلام کے بعد" کے الفاظ سے صرف نظر کیجیے کیونکہ سجدۂ سہو کے لیے مقام وموقع کی احادیث کئی طرح سے ہیں، اور راجح یہ ہے کہ ہر حدیث جس موقع کے لیے وارد ہے اسی طرح سے اس پر عمل کیا جائے (یعنی جس بھول پر سجدہ سلام سے پہلے کیا، وہاں پہلے کیا جائے اور جس میں سلام کے بعد، وہاں سلام کے بعد)۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام دو رکعتیں بھول گئے تو آپ نے سلام کے بعد سجدے کیے۔[2] اور اگر بھول اس طرح کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سے نہ بھولے تھے، تو آپ کو دونوں اختیار ہیں کہ خواہ سلام سے پہلے سجدہ کر لیں یا سلام کے بعد۔ لیکن اگر مقتدی اپنے امام کے پیچھے کچھ بھول جائے تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ امام اس کا متحمل ہوتا ہے (یعنی مقتدی کو سجدے کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی)، لیکن امام صنعانی کے کہنے کے مطابق جیسے کہ انہوں نے بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں لکھا ہے ایک گروہ علماء کا خیال ہے کہ مقتدی کو سہو کی صورت میں سجدے کرنے ہوں گے۔ اور یہ امام ابو محمد بن حزم اور کچھ شافعی علماء کا مذہب ہے اور یہ امام نووی نے المجموع میں بھی لکھا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھولنے والے کو دو سجدے کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو بقول ان کے جو یہ کہتا ہے کہ امام مقتدی کی بھول کا متحمل ہو جاتا ہے، اس کی دلیل پیش کرے۔ لہٰذا مقتدی جو کچھ بھول گیا ہو اسے چاہیے کہ امام کا انتظار کرے حتیٰ کہ جب وہ سلام پھیر لے تو یہ مقتدی اپنے سہو کے سجدے کر لے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ امام اپنے مقتدی کی بھول کا متحمل ہو جاتا ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری، اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عام محدثین نے کمزور کہا ہے، کیونکہ یہ عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے مرسل ہے، یعنی:

((من كان له امام فقراءة الامام له قراءة .))[3]

"جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس مقتدی کی قراءت ہوتی ہے۔"

مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سری نمازوں میں مقتدی پر فرض ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے۔ اگر مقتدی

---

[1] سنن أبی داود، كتاب الصلاة، أبواب التشهد فی الصلاة، باب من نسی أن ليتشهد وهو جالس، حديث: ١٠٣٨ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ٢٨٠، حديث: ٢٢٤٧٠.

[2] صحيح بخاری، كتاب الادب، باب ما يجوز من ذكر الناس نحو قولهم الطويل والقصير، حديث: ٦٠٥١ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب السهو فی الصلاة والسجود له، حديث: ٥٧٣.

[3] سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا قرأ الامام فانصتوا، حديث: ٨٥٠ ومسند أحمد بن حنبل: ٣/ ٣٣٩ حديث: ١٤٦٨٤.

کسی رکعت میں قراءت فاتحہ بھول گیا ہو تو اسے چاہیے کہ انتظار کرے حتیٰ کہ جب سلام پھیر لے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی یہ رکعت دہرائے اور آخر میں دو سجدے کرے۔

اور بعض اوقات ایسا ہوسکتا ہے کہ امام انتہائی تیزی سے قراءت کرتا ہو اور مقتدی فاتحہ نہ پڑھ سکے۔ اور اگر مقتدی اطمینان سے اور ٹھہر ٹھہر کر نماز پڑھ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ فاتحہ پڑھے، خواہ امام ایک دو ارکان میں اس سے آگے بھی بڑھ جائے، تو مقتدی کو چاہیے کہ اپنے ارکان کو خفیف کر کے امام سے مل جائے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کچھ لوگ ایسی مسجدوں میں نمازیں پڑھتے ہیں جن میں قبریں ہوتی ہیں۔ ان پر اعتراض کیا جاتا ہے تو وہ ہمیں مسجد نبوی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں بھی تو قبریں ہیں؟

جواب: مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ ایسی مساجد ہیں کہ ان کے خاص شرعی احکام قیامت تک لیے ثابت ہیں۔ مسجد نبوی ان مساجد میں سے ہے جس کی طرف ہمیں شد رحال (سفر کرنے) کا حکم دیا گیا ہے۔ [1] اس میں پڑھی جانے والی نماز دوسری مساجد کی نماز کے مقابلے میں ایک ہزار گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ [2] اور یہ احکام آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح قائم اور باقی ہیں، لہٰذا دوسری مساجد کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ جس شخص نے نبی ﷺ کی قبر کو مسجد کا حصہ بنایا، میرا اشارہ ہے ولید بن عبدالملک کی طرف، اس کا عمل کوئی شرعی حجت نہیں ہے۔ اور اس پر جناب سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے انکار بھی کیا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دیگر علماء نے اس پر انکار نہ کیا ہو کہ کہیں کوئی اور بڑا فتنہ سر نہ اٹھا لے۔ جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا، اور سیدہ رضی اللہ عنہا نے امت کو بتایا کہ کعبۃ اللہ اپنی اصل ابراہیمی بنیادوں پر نہیں ہے بلکہ حجر (حطیم) میں سے چھ ہاتھ کعبہ کا حصہ ہیں۔ [3] مگر اس کے باوجود آپ نے کعبہ کو اسی طرح رہنے دیا، کیونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور وہ کعبہ میں یہ تبدیلی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر تبدیلی کی جاتی تو عین

---

[1] حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور اپنی مسجد (مسجد نبوی) کے علاوہ کسی مسجد کی طرف بغرض و بنظریۂ ثواب شد رحال (سفر) کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة، باب مسجد بيت المقدس، حديث: ۱۱۹۷ و صحیح مسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره، حديث: ۸۲۷.

[2] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: میری اس مسجد میں (پڑھی گئی) نماز ایک ہزار نماز سے بہتر ہے مسجد الحرام کے علاوہ دوسری مساجد کی نسبت۔ صحیح بخاری، كتاب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة، حديث: ۱۱۹۰، وصحیح مسلم، كتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مكة والمدينة، حديث: ۱۳۹٤.

[3] وضاحت کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها، حديث: ۱۵۰۸ وصحیح مسلم، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، حديث: ۱۳۳۳.

ممکن تھا کہ یہ ان کے لیے کسی فتنے کا باعث بن جاتی۔

چنانچہ بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب خلیفہ بنے اور انہوں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی تو انہوں نے کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کیا، جبکہ حجاج بن یوسف نے کعبہ پر منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری کر کے اسے ...... کر دیا تھا۔ مگر عبدالملک بن مروان نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے شہید کیے جانے کے بعد کعبہ کو گرا کر پھر پہلی حالت پر تعمیر کرا دیا، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر پر قائم نہ رہنے دیا۔ بعد میں جب اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بتائی گئی تو اس نے دوبارہ اس طرح تعمیر کے متعلق سوال کیا تو کہا گیا کہ اب اسے اسی طرح رہنے دو، کہیں یہ معاملہ سیاسی اکھاڑہ نہ بن جائے۔ چنانچہ اس نے بھی اسے اسی طرح رہنے دیا۔ الغرض دنیا کی کسی مسجد کو مسجد نبوی پر یا مسجد الحرام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ یہ جائز ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے گلے میں ہار لٹکا کر نماز پڑھے، یا انگوٹھی پہنے ہو یا اس کے سامنے آئینہ ہو یا کوئی تصویر ہو؟ اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں۔ اللہ آپ کو برکت دے۔

جواب: ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایسی چیز سے دور رہے جو اس کے لیے اس کی نماز میں مشغولیت اور پریشان خیالی کا باعث بن سکتی ہو، اس لیے مناسب نہیں ہے کہ شیشے یا آئینے کے سامنے نماز پڑھی جائے یا سامنے دروازہ کھلا ہوا ہو جس سے کہ نماز میں کوئی مشغولیت ہو سکتی ہو۔ اسی طرح ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں تصویریں لٹکی ہوئی ہوں یا سامنے لگائی گئی ہوں درست نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک تو ان لوگوں سے مشابہت ہے جو تصویروں کی پوجا کرتے ہیں اور دوسرے تصویر سامنے ہونے کی وجہ سے نظر اس پر پڑے گی اور نماز میں خلل ہو گا۔ ❶

اور یہ سوال کہ عورت اپنے زیور پہن کر نماز پڑھے، تو یہ بھی ان امور میں سے ہے جس سے دل اور دماغ ان میں مشغول اور الجھ سکتا ہے، تو نماز میں ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے جو بندے کو نماز سے مشغول یا غافل کرنے والی ہو۔ چاہیے کہ یہ زیورات نماز کے بعد پہن لیا کرے۔ تاہم اگر وہ یہ پہنے ہوئے نماز پڑھ بھی لیتی ہے، اور یہ کسی عمل کثیر کا باعث بھی نہیں بنتے ہیں تو اس کی نماز صحیح ہو گی۔ کیونکہ معمولی عمل نماز کے لیے کسی خرابی کا باعث نہیں ہوا کرتا ہے جیسے کہ کپڑا درست کر لینا، پگڑی ٹھیک کر لینا، یا گھڑی وغیرہ باندھ لینا وغیرہ۔

(مجلس افتاء)

سوال: کیا مشہد حسین رضی اللہ عنہ میں نماز پڑھ لینا جائز ہے یعنی وہ مسجد جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مدفون ہیں؟

❶ راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ اگر یہ تصویر کسی جاندار یا انسان وغیرہ کی ہو تو صحیح احادیث کی روشنی میں اس جگہ فرشتے نہیں آتے ہیں۔

جواب: ایسی مساجد جن میں قبریں بنی ہوئی ہیں، ان میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے بلکہ اس عمل کو باعث لعنت فرمایا ہے۔ چنانچہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت کی ہے تو شرک میں ملوث ہوگئے ہیں۔ بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی مرض الوفات میں تھے تو آپ بے چین تھے۔ سکرات کی کیفیت سے دوچار ہونے کے باعث اپنی منقش چادر کو بار بار اپنے چہرے سے ہٹا رہے تھے۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا:

((لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد .))

"اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔" [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اپنی امت کو اس طرح کے کام سے ڈرا رہے تھے اور منع کر رہے تھے کہ کہیں یہ لوگ ان کی طرح نہ کرنے لگیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں آپ سے آپ کی وفات سے پانچ دن پہلے سنا، آپ فرما رہے تھے:

((ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون من قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد، فإني أنهاكم ذلك، لأنهم شرار الخلق عند الله .))

"خبردار! جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں وہ اپنے بعض انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں اور سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم لوگ قبروں کو مسجدیں نہ بنا لینا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں، کیونکہ وہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔" [2]

(محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] صحيح بخارى، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، حديث: ١٢٦٥ وصحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهى عن بناء المساجد على القبور، حديث: ٥٢٩ وسنن النسائى، كتاب الجنائز، باب اتخاذ القبور مساجد، حديث: ٢٠٤٧ ان روایات میں 'صالحيهم' کا لفظ ہے۔ یہ لفظ مسلم کی ایک روایت میں ہے جو اس طرح ہے 'وان من كان قبلكم كانوا يتخذون من قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد، أني أنهاكم عن ذلك' "جو تم سے پہلے لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور دیگر نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔" دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب المساجد ومزيد صحيح ابن حبان: ١٤/ ٣٣٤، حديث: ٦٤٢٥ المعجم الكبير للطبرانى: ٢/ ١٦٨، حديث: ١٦٨٦.

[2] صحيح بخارى، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، حديث: ١٢٦٥ صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهى عن بناء المساجد على القبور، حديث: ٥٢٩۔ ⇦⇦

سوال: اگر میں کوئی آیت سجدہ پڑھوں یا سنوں، تو کیا اپنی اس حالت میں سجدۂ تلاوت کر سکتی ہوں کہ سر اور جسم کا کوئی حصہ نہ ڈھانپا ہو؟

جواب: ہاں اس طرح سجدہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ سر ننگا بھی ہو۔ کیونکہ راجح قول کے مطابق اس سجدے کا حکم نماز والا نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مسواک کا کیا حکم ہے؟ اور مسلمان کو کس ہاتھ سے مسواک کرنی چاہیے؟

جواب: مسواک کرنا ایک مسنون عمل ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے بہت سے فرامین میں اس کی تلقین فرمائی ہے۔ [1] رہا یہ مسئلہ کہ کس ہاتھ سے مسواک کی جائے؟ تو ہمارے سامنے اس بارے میں کوئی خاص نص نہیں ہے۔ البتہ علماء میں سے کچھ نے دائیں ہاتھ اور کچھ نے بائیں ہاتھ کا لکھا ہے، اور ان دونوں اقوال کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہے۔ بالخصوص جن حضرات نے دائیں ہاتھ کا کہا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے ہر عمل میں دائیں جانب کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ [2] (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: میں نے کچھ لوگوں سے صلاۃ حاجت اور صلاۃ حفظ القرآن کے متعلق سنا ہے تو کیا فی الواقع یہ نمازیں ہیں یا نہیں؟

جواب: یہ دونوں نمازیں صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہیں، نہ نماز حاجت اور نہ نماز حفظ القرآن۔ اس قسم کی عبادت کے ثابت کرنے کے لیے کوئی پختہ شرعی صحیح دلیل ہونی چاہیے۔ چنانچہ ہمیں ایسی کوئی صحیح شرعی حجت نہیں

⇐⇐ سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب اتخاذ القبور مساجد، حدیث: ۲۰۴۷۔ ان روایات میں 'صالحیهم' کا لفظ نہیں ہے۔ یہ لفظ مسلم کی ایک روایت میں ہے جو اس طرح ہے 'وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائهم وصالحیهم مساجد ألا فلا تتخذوا القبور مساجد أنی أنهاکم عن ذلك' ''جو تم سے پہلے لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور دیگر نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور، حدیث: ۵۳۲ مزید: صحیح ابن حبان: ۱۴/ ۳۳۴، حدیث: ٦٤٢٥ المعجم الکبیر للطبرانی: ۲/ ۱٦۸، حدیث: ۱٦۸٦.

[1] نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں عشاء کی نماز دیر سے پڑھنے اور ہر نماز کے وقت ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب السواك یوم الجمعة، حدیث: ۸۸۷ وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب السواك، حدیث: ۲۵۲ مسواک کی پابندی رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ ایک روایت میں ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، نبی محترم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے۔ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب السواك، حدیث: ۲۵۳. (عاصم)

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب التیمن فی دخول المسجد وغیره، حدیث: ٤٢٦ وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب التیمن فی الطهور وغیره، حدیث: ۲٦۸ وسنن أبی داود کتاب اللباس، باب فی الانتعال، حدیث: ٤١٤٠.

ملتی ہے اس لیے یہ غیر مشروع اور غیر مسنون ہیں۔❶ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری اہلیہ ایک صالحہ خاتون ہے، نماز روزے کا خوب اہتمام کرتی ہے، اور ہم اللہ کے مقابلے میں کسی کی صفائی اور پاکیزگی پیش نہیں کر سکتے ہیں، مگر علم میں بہت کمزور ہے۔ قراءت قرآن اس کی بہت ضعیف ہے۔ قیام اللیل میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے اور قیام کرنے پر اصرار کرتی ہے۔ مگر قراءت میں بہت غلطیاں کرتی ہے، حروف اور کلمات تک میں تبدیلی کر جاتی ہے، مثلاً ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾ (التین: ۹۵/ ۸) میں ہمزہ چھوڑ کر پڑھ جاتی ہے...... وغیرہ، تو کیا اس صورت حال میں وہ گناہ گار ہے؟ اور کیا اس کے ذمہ دار افراد بھی اس کے گناہ میں اس کے شریک شمار ہوں گے؟

جواب: صحیح حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ:

"قراءت قرآن میں ماہر بندہ اللہ کے مکرم صالح اور سفیر فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو قراءت میں اٹکتا ہے اس کے لیے دو اجر ہیں۔"❷

تو یہ خاتون جب علمی طور پر پست معیار کی ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اس کے ذمہ دار سر پرست لوگوں پر بھی کوئی وبال نہیں ہے۔ تاہم آپ کو حسب امکان کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اس بات پر مطمئن ہو جائے کہ اسی قدر قراءت کرے جو اسے اچھی طرح یاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسیئ الصلاۃ (نماز بھولنے والے اعرابی) سے فرمایا تھا کہ

---

❶ راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ بلاشبہ ان ناموں سے رسول اللہ ﷺ سے کوئی نماز ثابت نہیں ہے اور بعض لوگوں نے مختلف ناموں سے مختلف نمازیں بنا رکھی ہیں اور وہ ان کے پڑھنے پر بہت بڑے بڑے ثواب کی بشارتیں دیتے ہیں۔ مثلاً نماز قضائے عمری صلوٰۃ غوثیہ وغیرہ۔ یہ سب بے اصل اور بدعات فی الدین ہیں۔ عمومی معانی و مفاہیم کے پیش نظر اگر کوئی بندہ اپنی کسی دینی و دنیوی غرض سے اللہ کے لیے دن یا رات میں کوئی نفل پڑھے اور دعا کرے اسے کوئی خاص نام مقام متعین نہ کرے، نہ سنت رسول ثابت کرے نہ ہی اس کا ثواب مقرر و متعین کرے تو اسے بدعت بھی نہیں کہا جا سکتا ہے، جیسے کہ سنن ابی داؤد کی روایت سے امام صاحب رحمہ اللہ کا رجحان معلوم ہوتا ہے:

((عن حذيفة رضي الله عنه قال كان النبى ﷺ إذا حزبه أمر صلى.))

"کہ جب آپ کو اہم کام درپیش ہوتا تو آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔"

(ابوداود، باب وقت قيام النبى ﷺ من الليل، حديث: ١٣١٩)

امام ابوداود نے اس پر سکوت کیا ہے، اور ان کے قاعدہ کے مطابق یہ حدیث قابل عمل ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت شیخ الالبانی کے کہنے کے مطابق یہ ضعیف ہے۔ (مشكوة المصابيح، باب صلاة التطوع، حديث: ١٣٢٥)

❷ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة عبس، حديث: ٤٦٥٣ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل الماهر بالقرآن والذى يتتعتع فيه، حديث: ٧٩٨ وسنن أبى داود، كتاب سجود القرآن، أبواب فضائل القرآن، باب فى ثواب قراءة القرآن، حديث: ١٤٥٤ .

"ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن." "پھر قرآن میں سے وہ حصہ قراءت کر جو تجھے آسان لگے اور یاد ہو۔"❶

اسی طرح ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ "ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں قرآن میں سے کچھ یادنہیں رکھ سکتا ہوں، تو آپ مجھے کچھ سکھا دیجیے جو مجھے میری نماز میں کافی ہو۔ آپ نے اس سے فرمایا: یوں کہا کر "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر، ولا حول ولا قوة إلا بالله."

(ابن ماجه بروايت عبدالله بن أبى اوفى۔ اور سند اس کی حسن ہے)❷

علاوہ ازیں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ٢/ ٢٨٦)

"اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی ہمت سے زیادہ کا مکلّف نہیں ٹھہراتا ہے۔"

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس بات پر میں نے تمہیں چھوڑا ہے مجھے اسی پر رہنے دو (زیادہ سوال اور کریدمت کیا کرو)۔ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے کہ وہ سوال بہت زیادہ کرتے تھے اور اپنے نبیوں کی مخالفت کرتے تھے۔ تو جب میں نے تم کو کسی چیز سے منع کر دیا ہو تو اس سے باز رہو، اور اگر کسی چیز کا کچھ حکم دیا ہو تو جس قدر ہمت ہو اس پر عمل کیا کرو۔"❸ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت مسجد میں آئی اور دیکھا کہ ایک خاتون پہلے سے نماز پڑھ رہی ہے، اور آنے والی کو معلوم ہے کہ یہ سنتیں پڑھ رہی ہے۔ مگر آنے والی نے اس کے پیچھے جماعت کی نیت سے فرض نماز شروع کر دی تو کیا اس فرض پڑھنے والی کی نماز صحیح ہے؟ اور کیا اس وقت نماز میں وہ بلند آواز سے قراءت کر سکتی ہے؟

جواب: صحیح میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے، پھر اپنی

❶ صحيح بخارى، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم، حديث: ٧٥٧ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة فى كل ركعة، حديث: ٣٩٧.

❷ سنن أبى داود، كتاب الصلاة، باب ما يجزى الامى ......، حديث: ٨٣٢ ومسند أبى داود، الطيالسى، ص: ١٠٩ وضمن مسند عبدالله بن أبى أوفى، مسند أحمد بن حنبل: ٤/ ٣٥٣ ومسند عبدالله بن أبى أوفى.

❸ صحيح بخارى، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، حديث: ٦٨٥٨ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة فى العمر، حديث: ١٣٣٧ وسنن النسائى، كتاب مناسك الحج، باب وجوب الحج، حديث: ٢٦١٩.

قوم کے پاس آتے اور انہیں وہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ❶ یہ دارقطنی میں بھی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ نماز نفل اور مقتدی لوگوں کی فرض ہوا کرتی تھی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے، اور اہل ظاہر بھی کہتے ہیں کہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کی امامت کرائے تو یہ صحیح ہے۔ مگر جمہور علماء اس سے منع کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

((إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه.))

''امام بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، سو اس سے اختلاف نہ کیا کرو۔'' ❷

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ہمارے زیر بحث مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں وہ مقامات بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان میں مقتدی کو اپنے امام کی پیروی کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس حدیث کے اگلے الفاظ ہیں:

((فإذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا: ربنا ولك الحمد، وإذا سجد فاسجدوا، وإذا صلى قاعدا فصلوا قعودا أجمعون.))

''امام جب اللہ اکبر کہے تب تم اللہ اکبر ہو، جب وہ رکوع کرے تب تم رکوع کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہا کرو۔ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھا کرے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو۔'' ❸

اس حدیث میں علاوہ ازیں اور بھی کئی باتیں ہیں۔ الغرض اس میں حکم یہ ہے کہ مقتدی کو اپنے امام کی کامل پیروی کرنی چاہیے جو صرف ظاہری اعمال میں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ فرض پڑھے والے کے پیچھے اگر کوئی نفل پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح مسافر امام کے پیچھے کوئی مقیم نماز پڑھے تو درست ہے۔ حالانکہ ان دونوں کی رکعات میں اختلاف ہوتا ہے۔ مسافر قصر کرتے ہوئے دو رکعت پڑھتا ہے اور

❶ صحيح بخارى، كتاب الجماعة، باب إذا صلى ثم أم قوما، حديث: ٦٧٩ وصحيح مسلم، كتاب، باب القراءة فى العشاء، حديث: ٤٦٥ وسنن أبى داود، كتاب الصلاة، أبواب الامامة، باب أمامة من يصل بقول وقد صلى تلك الصلاة، حديث: ٥٩٩.

❷ صحيح بخارى، كتاب الأذان، باب إنما جعل الامام ليؤتم به...... حديث: ٦٨٩ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالامام، حديث: ٤١١ وسنن أبى داود، كتاب الصلاة، أبواب الامامة، باب الامام يصلى من قعود، حديث: ٦٠٣.

❸ ايضا..................

مقیم اس کے پیچھے چار پڑھتا ہے۔ ❶ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہے کہ آپ یہ خاموشی سے پڑھا کرتے تھے۔ اور اس مسئلہ میں یہ بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ تاہم امام کے لیے اس قدر جائز ہے کہ بسم اللہ یا دوسری قراءت میں جو نیچی آواز سے پڑھا جاتا ہے اگر کسی وقت کچھ اونچی آواز سے پڑھ لے تا کہ اس کے پیچھے مقتدیوں کو بھی تعلیم وتنبیہ ہو تو جائز ہے۔ مگر اسے ہمیشہ اونچی آواز سے پڑھنا اپنا معمول بنا لے تو یہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ صحیح سنت کے خلاف ہو گا۔ (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی نماز میں جہری قراءت کر لے اور آواز اس قدر بلند کرے کہ خود سن سکے جب کہ نماز بھی وہ ہو جس میں قراءت سری ہوتی ہے، یا سنتیں اور نوافل وغیرہ؟ اور مقصد یہ ہو کہ قرآن کریم ترتیل سے پڑھ سکے، اور اس طرح خشوع خوب ہوتا ہے، تلاوت بھولتی نہیں ہے، جبکہ قریب میں کوئی اجنبی مرد یا عورتیں بھی نہیں ہوتے؟

جواب: رات کی نماز میں، خواہ فرض ہوں یا نوافل، قراءت اونچی آواز سے کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ کوئی اجنبی مرد اس کی آواز نہ سنتا ہو جس کے لیے اس کی آواز فتنے کا باعث بن سکتی ہو۔ اگر جگہ ایسی امن واطمینان والی ہو تو رات کی نماز میں وہ قراءت جہری کر سکتی ہے۔ لیکن اگر ساتھ والوں کو الجھن ہوتی ہو تو اسے خاموشی سے پڑھنا چاہیے۔

اور دن کی نماز میں اسے قراءت خاموشی سے کرنی چاہیے۔ کیونکہ دن کی نمازیں سب سری ہیں۔ آواز بلند کرے بھی تو اس قدر کہ خود سن سکے، اور بس۔ دن کی نمازوں میں جہری قراءت خلاف سنت ہونے کے باعث غیر مستحب ہے۔ (صالح فوزان)

---

❶ راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ بلاشبہ امام اور مقتدی میں فرض اور نفل کا فرق ہو تو جماعت اور اقتدا میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے کہ شیخ صاحب موصوف نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ البتہ سوال میں جو کہا گیا ہے کہ مقتدی کو معلوم ہے کہ یہ نماز پڑھنے والا اپنی فرض نماز کی مؤکدہ سنتیں (سنن راتبہ) پڑھ رہا ہے تو ایسے آدمی کو امام بنانا اور اس کی اقتدا کرنا محل نظر ہے اور درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر کسی سے کسی وقت علم نہ ہونے کے باعث ایسا ہو گیا ہو تو کوئی بات نہیں۔ مگر عمداً جان بوجھ کر ایسا کرنا کسی صورت بھی جائز معلوم نہیں ہوتا۔ فرضوں اور ان کے بعد سنتوں میں یہ جماعت اور انفراد کا فرق اجماعی ہے۔ البتہ تہجد میں یا علاوہ ازیں عام نوافل میں ایسا کیا جائے تو بلاشبہ جائز اور مقبول ہے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جماعت نماز تہجد میں، یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک شخص کو جو تاخیر سے آیا تھا جماعت کرائی تھی (ابوداود، ترمذی) اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اوپر بیان ہوا ہے۔ اور مسائل عبادت میں عمومات سے قیاس کرنا درست نہیں سمجھا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (عمر فاروق السعیدی)

سوال: ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا عورت نماز باجماعت میں امام کے پیچھے آمین کہہ سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں، عورت بھی امام کے پیچھے نماز میں آمین کہے، کیونکہ حدیث میں اس کی تعلیم وتلقین آئی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، اور ہمیں ہمارے معمولات سکھائے، اور نماز سکھائی اور فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفیں سیدھی بناؤ، اور تم میں سے ایک تمہاری امامت کرائے۔'' ❶

صحیح مسلم میں حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے اس کی تفصیل یوں وارد ہے، فرمایا کہ:

''قوم کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کی قراءت میں سب سے بڑھ کر ہو۔ اگر قراءت میں برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو سنت کا زیادہ عالم ہو۔ اگر سنت کے علم میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو ہجرت کرنے میں ان میں سے سب سے قدیم ہو۔ اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ اور کوئی کسی دوسرے کے حلقہ اقتدار میں اس کی امامت نہ کرائے، اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے، سوائے اس کے کہ وہ اجازت دے۔ تو جب نماز کا وقت ہو جائے تو اپنی صفیں سیدھی اور درست بناؤ اور تم میں کا ایک تمہاری امامت کرائے۔ جب وہ تکبیر کہے تم تکبیر کہو، اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور جب وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم سب ''آمین'' کہو، تمہاری دعا قبول ہوگی ...... الخ ❷

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تم سب آمین کہا کرو۔ بلاشبہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' ❸

تاہم عورت کے لیے یہ ہے کہ آمین کہنے میں اپنی آواز بہت پست رکھے، اور ضروری ہے کہ ''آمین'' کہے تاکہ سنت پر عمل پیرا ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث: ٤٠٤ وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، أبواب التشهد، حديث: ٩٧٢ وسنن النسائي، كتاب صفة الصلاة، باب قوله ربنا ولك الحمد، حديث: ١٠٦٤.

❷ اس بارے میں میرے علم کے مطابق حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی نسبت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہی مفصل ہے حوالہ کے لیے دیکھیے سابقہ روایت کا حاشیہ۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسلم کے حوالہ سے آخری بیان کردہ الفاظ نہیں ملے۔ دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب المساجد مواضع الصلاة، باب من احق بالامامة، حديث: ٦٧٣.

❸ صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب جهر الماموم بالتامين، حديث: ٧٨٢ وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب جهر الامام بآمين، حديث: ٩٢٨.

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ فجر، مغرب کی پہلی اور عشاء کی سنتوں میں اونچی آواز سے قراءت کرے؟ [1]

جواب: ہاں جائز ہے اور یہ ایسا کرسکتی ہے، خواہ اس کے قریب اس کے محرم بھی موجود ہوں یا صرف عورتیں ہی ہوں، قراءت اونچی کر لینا مستحب ہے۔ لیکن اگر قریب میں اجنبی مرد ہوں تو چاہیے کہ قراءت خاموشی سے کرے۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ جہر کے موقع پر قراءت سری کرنا یا سری کے موقع پر جہری قراءت کر لینے سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، اور یہ عمل سنت مستحبہ ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

[1] مترجم جناب پروفیسر صاحب کو یہاں سہو ہوا ہے۔ فتویٰ کے اصل الفاظ اس طرح ہیں: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ فجر کی دونوں رکعات اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعات میں سری (پوشیدہ/آہستہ) قراءت کرلے؟ یا بلند آواز سے قراءت کر لینا مستحب ہے؟ اور اگر اس کے قریب اجنبی (مرد) ہوں تو اس پر لازم ہے جہری قراءت کے موقع پر سری قراءت اور سری کے موقع پر جہری قراءت کر لینے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ صرف مستحب عمل ہے۔ (عاصم)

کتاب الجنائز

خواتین اور جنازہ اور زیارت قبور کے احکام و مسائل

سوال: کوئی شخص اپنے مرنے کی دعا کرے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: موت مانگنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی تمنا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی شخص کسی دکھ تکلیف آ جانے کی وجہ سے مرنے کی ہرگز تمنا نہ کرے، اگر ضروری ہی چاہے تو یوں کہے:

((اللهم أحيني ما كانت الحياة خيرا لي وتوفني إذا كانت الوفاة خيرا لي .))

''اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک میرا زندہ رہنا میرے لیے بہتر ہو، اور مجھے وفات دے جب میرا مرجانا میرے لیے بہتر ہو۔''[1]

اسی طرح آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

((اللهم بعلمك الغيب وقدرتك على الخلق أحيني ما علمت الحياة خيرا لي وتوفني إذا كانت الوفاة خيرا لي .))

---

[1] صحيح بخارى، كتاب المرضى، باب نهى تمنى المريض الموت، حديث: ٥٣٤٧ و صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعا، باب تمنى كراهة الموت يضر نزل به، حديث: ٢٥٨٠ وسنن ترمذى، كتاب الجنائز، باب النهى عن التمنى للموت، حديث: ٩٧٠ ومسند احمد بن حنبل: ٣/ ١٠١، حديث: ١١٩٩٨ .

”اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندہ رہنا میرے لیے بہتر ہو، اور مجھے وفات دے اس وقت جب میرا مر جانا میرے لیے بہتر ہو۔“ ❶

ہم آپ کو یہ دعا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ آپ کے حالات درست فرمائے اور وہ کچھ مقدر فرمائے جس میں آپ کے لیے ہر طرح کی خیر وصلاح، اور عاقبت بہترین ہو۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: عورت جو وفات پا گئی ہو۔ یا اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ہو، اس کے ہاتھوں میں مہندی لگانا کیسا ہے؟

جواب: میرے علم کے مطابق اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: بعض فقہاء کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد میاں بیوی کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: یہ رائے سنت کے بالکل خلاف ہے، اس لیے اس کی طرف قطعاً توجہ نہیں دینی چاہیے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہم کچھ لوگوں سے سنتے ہیں جو کہتے ہیں کہ وفات ہو جانے کے بعد بیوی اپنے شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے، شوہر کو اجازت نہیں کہ وہ مرنے کے بعد اسے دیکھ سکے اور نہ وہ اسے قبر ہی میں اتار سکتا ہے؟

جواب: شرعی دلائل ثابت کرتے ہیں کہ بیوی کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ وہ اپنے فوت ہونے والے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اور اسے دیکھ بھی سکتی ہے۔ اور اسی طرح شوہر کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے۔ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غسل دیا تھا۔ ❷ حتیٰ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ انہیں ان کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی غسل دیں۔ ❸ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے فوت شدہ شوہر کو دیکھ لے، یا یہ دیکھنا اس کے لیے حرام ہے؟ اور اسی طرح کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے غسل دے دے جب کہ اور کوئی نہلانے والے موجود نہ ہوں؟

جواب: بیوی کے لیے جائز ہے کہ اپنے فوت ہو جانے والے شوہر کو دیکھ سکتی ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسے غسل دے سکتی ہے۔ زوجین کو فوت ہو جانے کے بعد ایک دوسرے کو غسل دینے کے مسئلے میں علماء کا یہی قول صحیح اور راجح ہے، خواہ دوسرے غسل دینے والے موجود بھی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

---

❶ صحيح ابن حبان:٥/ ٣٠٤، حديث : ١٩٧١ ومسند احمد بن حنبل ٤/ ٢٦٤، حديث : ١٨٣٥١۔ صحيح المستدرك للحاكم:١/ ٧٠٥، حديث : ١٩٢٣ ...... وتوفنى إذا علمت الوفاة خيرا لى، کے الفاظ کے ساتھ، سنن نسائی، كتاب صفة الصلاة، حديث : ١٣٠٥ .

❷ البداية والنهاية : ٧/ ٣١٩ . ❸ البداية والنهاية : ٦/ ٣٣٣ .

''اگر ہمیں اپنے معاملے کا پہلے علم ہوتا جس کا بعد میں علم ہوا، تو ہم ازواج خود ہی رسول اللہ ﷺ کو غسل دیتیں۔'' ❶

اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے اپنی زوجہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو وصیت کی تھی کہ وہی انھیں غسل دیں۔ ❷ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا۔ اور اسی طرح حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ ام عبداللہ رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔ ❸

اور یہ بھی جائز ہے کہ شوہر اپنی فوت ہونے والی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ اہل علم کے نزدیک یہی قول صحیح تر ہے۔ ابن منذر کی روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خود ہی غسل دیا تھا، اور صحابہ میں یہ بات مشہور بھی ہوئی تھی، اور کسی نے ان پر کوئی انکار نہ کیا تھا، لہٰذا یہ اجماع صحابہ ہوا۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کی میت کو غسل دے؟

جواب: واجب ہے کہ عورت کی میت کو عورتیں ہی غسل دیں، مردوں کے لیے عورتوں کو غسل دینا جائز نہیں ہے، سوائے شوہر کے، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ اور اسی طرح مرد کی میت کو مرد ہی غسل دیں، عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے، سوائے بیوی کے، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔

احادیث میں وارد ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور سیّدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غسل دیا تھا۔ ❹ (صالح فوزان)

سوال: کیا کم عمر لڑکی کو کوئی مرد غسل دے سکتا ہے؟

جواب: جو لڑکی سات سال سے کم عمر ہو اسے کوئی بھی مرد غسل دے سکتا ہے، خواہ اس کا محرم ہو یا غیر محرم۔ کیونکہ وہ شرعاً قابل ستر نہیں ہوئی۔ اور اسی طرح کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ چھوٹے لڑکے کو غسل دے سکتی ہے جو سات سال سے کم عمر ہو۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہمارے ہاں ایک عورت للہ فی اللہ میّتوں کو غسل دیا کرتی تھی، مگر اب وہ انکار کر دیتی ہے، اور کہتی ہے کہ اس سے میرے دل میں میّتوں کے بارے میں سختی سی آنے لگی ہے اور رقت ختم ہو رہی ہے۔ کیا آپ اس کی اس رائے کی تائید فرمائیں گے؟

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى غسل الرجل امراته، حديث: ١٤٦٤.

❷ المستدرك للحاكم: ٣/ ٦٦، حديث: ٤٤٠٩.

❸ المعجم الاوسط للطبرانى: ٦/ ٢٨٢.

❹ دیکھیے: البداية والنهاية: ٦/ ٣٣٣، ٧/ ٣١٩ المستدرك للحاكم: ٣/ ١٧٩، حديث: ٤٧٦٩

جواب: اس خاتون کو چاہیے کہ میتوں کو غسل دینے میں اللہ سے اجر وثواب کی نیت رکھے اور ثابت قدمی سے کام لے، بالخصوص جبکہ اس کی ضرورت بھی ہے، اور اس کی اس کام میں اچھی شہرت ہے اور وہ اسے بخوبی انجام دے سکتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص جب تک اپنے کسی (بہن) بھائی کی ضرورت میں اس کا مددگار ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوگا۔''❶

صحیح مسلم میں ہے:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔''❷

اسی معنی ومفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث آئی ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: جو عورت حالت احرام میں فوت ہو جائے، اسے کس طرح کفن دیا جائے؟

جواب: جو عورت حالت احرام میں فوت ہو اس کا کفن عام عورتوں ہی کی طرح ہے، یعنی ازار (نیچے کی چادر)، اوڑھنی، قمیص اور دو لفافے، اور پھر اس کا چہرہ ڈھانپ دیا جائے لیکن اس پر نقاب نہ ڈالا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے احرام والی کو نقاب لینے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن نقاب کے علاوہ اوڑھنی یا لفافے وغیرہ سے اس کا چہرہ ڈھانپنا جائز ہے، اور احرام کی وجہ سے اسے خوشبو بھی نہ لگائی جائے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورتیں کسی میت کا جنازہ پڑھ سکتی ہیں؟

جواب: مسلمان میت کا جنازہ پڑھنا مردوں عورتوں سب کے لیے ایک شرعی حق ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو کسی جنازے میں شریک ہو حتیٰ کہ اس پر نماز پڑھی جائے تو اس کے لیے ایک قیراط اجر ہے، اور جو اس کے ساتھ رہا حتیٰ کہ اسے دفن کیا گیا تو اس کے لیے دو قیراط ہے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! دو قیراط سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دو بڑے پہاڑوں کے مانند۔''❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم، حدیث: ۲۳۱۰ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۵۸۰ المعجم الکبیر للطبرانی: ۵/ ۱۱۸، حدیث: ۴۸۰۵.

❷ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم، حدیث: ۲۳۱۰ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۵۸۰ صحیح ابن حبان: ۲/ ۲۹۱، حدیث: ۵۳۳ اسناده صحیح ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۹۱، حدیث: ۵۶۴۶، اسناده صحیح.

❸ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتی تدفن، حدیث: ۱۲۶۱ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلاة علی الجنازه واتباعها، حدیث: ۹۴۵ وسنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی ثواب من صلی علی جنازه، حدیث: ۱۵۳۹ صحیح، وصحیح ابن حبان: ۷/ ۳۴۷، حدیث: ۳۰۷۸، اسناده صحیح.

مگر عورتوں کے لیے جنازوں کے پیچھے جانا جائز نہیں ہے، انہیں اس سے منع آئی ہے۔ صحیحین میں سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ:

''ہمیں جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے، مگر واجب نہیں کیا گیا۔'' ❶

رہا نماز جنازہ میں شریک ہونا، تو اس سے عورت کو منع نہیں کیا گیا ہے، خواہ یہ جنازہ مسجد میں ہو، یا گھر میں، یا جنازہ گاہ میں، خواتین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد نبوی میں جنازوں میں شریک ہوتی تھیں، اور بعد میں بھی یہ معمول رہا ہے اور زیارت قبرستان، یہ صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے ❷ جیسے کہ اموات کو قبرستان لے جانا مردوں کے ساتھ خاص ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ❸ اور اس میں حکمت، واللہ اعلم، یہ ہے کہ عورتوں کا قبرستان جانا، خود ان کے لیے یا دوسروں کے لیے فتنے کا باعث ہوسکتا ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما چکے ہیں:

''میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے، جو مردوں کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن ہو۔'' ❹ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: عرض یہ ہے کہ نماز جنازہ کی مسنون ترکیب بیان فرمائیں، اکثر لوگ اس سے آگاہ نہیں ہیں۔

جواب: نماز جنازہ کی ترکیب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے، یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہے، پھر تعوذ پڑھے، پھر بسم اللہ اور فاتحہ اور کوئی چھوٹی سورت یا چند آیات کی تلاوت کرے، پھر دوسری تکبیر کہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود پڑھے، جیسے کہ نماز کے آخر میں پڑھا جاتا ہے (درود ابراہیمی)، پھر تیسری تکبیر کہے اور میت کے لیے دعا کرے، اور افضل یہ ہے کہ یہ دعا پڑھے:

❶ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب نهى النساء عن اتباع الجنائز، حديث: ٩٣٨ وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى اتباع النساء الجنائز، حديث: ١٥٧٧ وصحيح المعجم الكبير للطبرانى، حديث: ٢١٢٢٧۔ المعجم الاوسط: ٣/ ٣٤١، حديث: ٣٣٤١.

❷ یہ موقف محل نظر ہے۔ شیخ محمد بن عبدالمقصود حفظہ اللہ اور شیخ البانی رحمہ اللہ کے فتاوی میں جواز ثابت کیا گیا ہے جیسے کہ آگے آ رہا ہے۔ (سعیدی)

❸ سنن ترمذى، ابواب الصلاة، باب كراهية ان يتخذ على القبر مسجدا، حديث: ٣٢٠ ضعيف۔ سنن نسائى، كتاب الجنائز، التغليظ فى اتخاذ السرج على القبور، حديث: ٢٠٤٣ ضعيف۔ صحيح ابن حبان: ٧/ ٤٥٢، حديث: ٣١٧٨ اسناده حسن، زوارات القبور کے الفاظ سے۔ سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى النهى عن زيارة السآء القبور، حديث: ١٥٧٤ قال الالبانى: حسن.

❹ صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب ما يتقى من شوم المرأة، حديث: ٤٨٠٨۔ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب اكثر اهل الجنة الفقراء، حديث: ٢٧٤٠ صحيح ابن حبان: ١٣/ ٣٠٦، حديث: ٥٩٦٧، اسناده صحيح۔ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٢٠٠، حديث: ٢١٧٩٤ اسناده صحيح.

((اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا، وذكرنا وانثانا، اللهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الايمان .)) ❶

''اے اللہ! ہمارے زندوں کو بخش دے اور ان کو جو فوت ہو چکے ہیں، اور ان کو جو حاضر ہیں اور انہیں بھی جو غائب ہیں، ہمارے چھوٹوں کو اور بڑوں کو، ہمارے مردوں اور عورتوں کو (سب کو بخش دے)، اے اللہ! تو ہم میں سے جسے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ، اور جس کو تو وفات دے اسے ایمان پر موت دے۔''

((اللهم اغفر له وارحمه، وعافه واعف عنه، واكرم نزله، ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد، ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس، اللهم أبدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من أهله، وزوجا خيرا من زوجه، اللهم أدخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار .)) ❷

''اے اللہ! اس میت کو بخش دے، اس پر رحم فرما، اس کو آرام وراحت دے، اس کو معاف فرما دے، اس کی میزبانی بہت عمدہ بنا، اور اس کے داخل ہونے کی جگہ کو وسیع کر دے اور اسے پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھو ڈال، اور گناہوں سے ایسے صاف کر دے جیسے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! اسے اس گھر کے بدلے بہترین گھر، اور اس اہل سے بڑھ کر بہترین اہل بدل دے۔ اے اللہ! اسے جنت میں داخل فرما اور عذاب قبر اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

"وافسح له قبره ونور له فيه" ❸ "اللهم لا تحرمنا أجره، ولا تضلنا بعده" ❹

''اور اس کی قبر کو خوب کھلی کر دے، اور روشن بنا دے، اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھ اور

---

❶ سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما يقول فی الصلاة على الميت، حديث : ۱۰۲۴۔ صحیح سنن ابی داود، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث : ۳۲۰۱۔ (الفاظ کے فرق اور اضافہ کے ساتھ)، حدیث : صحیح۔ مسند احمد بن حنبل : ۵/ ۲۹۹، حديث : ۲۲۶۰۷ رجاله ثقات رجال الشيخين.

❷ صحیح مسلم، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت فی الصلاة، حديث : ۹۶۳ وسنن النسائی، كتاب الجنائز، باب الدعاء، حديث : ۱۹۸۳ صحيح، مسند احمد بن حنبل : ٦/ ٢٣، حديث : ٢٤٠٢١.

❸ سنن أبی داود، كتاب الجنائز، باب تغميض الميت، حديث : ۳۱۱۸ صحيح، صحيح ابن حبان : ۱۵/ ۵۱۵، حديث : ۷۰۴۱.

❹ یہ الفاظ اللهم اغفر لحينا وميتنا ...... دعا کا حصہ ہیں دیکھیے : سنن أبی داود، كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث : ۳۲۰۱ صحيح۔ وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی الدعاء فی الصلاة على الجنازة، حديث : ۱۴۹۸ صحيح۔ یہ الفاظ ایک دوسری دعا میں بھی ہیں۔ السنن الكبرى للبيهقى : ٤/ ٤٠، حديث : ٦٧٥٤.

اس کے بعد گمراہ نہ کر۔''

اور یہ سب دعائیں آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے صحیح ثابت ہیں۔ اور اگر کوئی دوسری دعائیں بھی کرے تو جائز ہے، مثلاً یوں کہے:

((اللهم إن كان محسنا فيزد في إحسانه، وان كان مسيئا فتجاوز عن سيئاته .))

''اے اللہ! اگر یہ نیکوکار تھا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ فرما، اور اگر خطاکار تھا تو اس کی غلطیوں سے درگزر فرما۔''

((اللهم اغفر له، وثبته بالقول الثابت .)) ❶

''اے اللہ! اسے بخش دے اور قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھ (یعنی لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ)۔''

پھر چوتھی تکبیر کہے اور قدرے توقف کے بعد دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے 'السلام علیکم رحمتہ اللہ' کہے۔

اور یہ بھی سنت ہے کہ امام مرد میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو اور عورت کے کمر کے بالمقابل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جناب انس اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ مرد کے سینے کے سامنے کھڑا ہونا سنت ہے اور چاہیے کہ میت کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے متعلق فرمایا ہے:

''یہ مسلمانوں کا قبلہ ہے، ان کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی۔'' ❷ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی گئی حدیث 'نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا' کا کیا مفہوم ہے؟ (یعنی ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا ہے، مگر واجب نہیں کیا گیا)؟

جواب: معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک خواتین کے لیے جنازوں کے پیچھے جانے کی منع کوئی تاکیدی نہیں ہے۔ ویسے فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے والی نہی میں حقیقتاً حرمت یعنی حرام ہونے ہی کا مفہوم ہوا کرتا ہے۔ آپ کا فرمان ہے:

((ما نهيتكم عنه فاجتنبوه، وما أمرتكم به فأتوا منه ما استطعتم .))

''جس چیز سے میں نے تمہیں منع کر دیا ہو، اس سے باز رہا کرو، اور جس کا حکم دیا ہو وہ کیا کرو جتنی

❶ المستدرك للحاكم: ١/ ٥١١، حديث: ١٣٢٨ السنن الكبرى للبيهقي: ٤/ ٤٠، حديث: ٦٧٥٤.

❷ ان الفاظ کے ساتھ مجھے روایت نہیں ملی، البتہ بیت اللہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قبلہ کہا ہے۔ دیکھیے: صحيح بخاري، ابواب القبلة، باب قبلة اهل المدينة واهل الشام، حديث: ٣٨٤

تمہاری ہمت ہو۔'' ❶

مذکورہ بالا حدیث میں یہی ہے کہ عورتوں کے لیے قبرستانوں میں جنازوں کے پیچھے جانا حرام ہے مگر ان کا نماز جنازہ میں شریک ہونا بالکل جائز ہے، جیسے کہ مردوں کے لیے حکم ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کوئی خاتون فوت ہو جائے، اور اس کے اپنے اقارب نہ ہوں تو کیا دوسرے اجنبی لوگ اسے قبر میں اتار سکتے ہیں؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس کے اپنے اولیاء موجود بھی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک لخت جگر کو ان کے غیر محرم لوگوں ہی نے قبر میں اتارا تھا حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ (والد) موجود تھے۔ ❷

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا میت کو زندہ آدمی کی طرف سے کوئی نیک کام ہدیہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب: (۱) ہاں زندوں کی طرف سے میت کو وہ اعمال پہنچتے ہیں، جن کا شریعت میں بیان آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب ابن آدم فوت ہو جاتا ہے، تو اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین کے: صدقہ جاریہ، یا کوئی علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔'' ❸

علاوہ ازیں اور بھی احادیث ہیں جن میں ہے کہ صدقہ، دعا، حج، عمرہ، اور وہ علم جو مرنے والا اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہو وہ اسے پہنچتا ہے۔ لیکن نماز، قراءت قرآن، طواف اور نفلی روزوں کا میت کے لیے ہدیہ کرنا مجھے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہے۔ اس لیے ان کا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''جو کوئی ایسا عمل کرے جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو، تو وہ مردود ہے۔'' ❹ (عبدالعزیز بن باز)

---

❶ صحيح بخارى، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله، حديث: ٦٨٥٨۔ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب توفيره صلى الله عليه وسلم وترك اكثار سؤاله، حديث: ١٣٣٧۔ السنن الكبرى للبيهقى: ١/ ٢١٥، حديث: ٩٧٠.

❷ یہ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ عثمان تھیں۔ ان کو حضرت ابوطلحہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتارا تھا۔ دیکھیے: صحيح بخارى، كتاب الجنائز، باب قول النبى يعذب الميت ببكاء اهله عليه، حديث: ١٢٢٥، فتح البارى: ٣/ ١٥٨، السنن الكبرى للبيهقى: ٤/ ٥٣، حديث: ٦٨٣٨.

❸ صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، حديث: ١٦٣١۔ سنن ترمذى، كتاب الاحكام، باب فى الوقف، حديث: ١٣٧٦۔ صحيح وسنن أبى داود، كتاب الوصايا، باب فيما فى الصدقة عن الميت، حديث: ٢٨٨٠ صحيح۔ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٧٢، حديث: ٨٨٣١ اسناده صحيح.

❹ صحيح بخارى، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا عل صلح جور فالصلح مردود، حديث: ٢٥٥٠ وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة، حديث: ١٧١٨ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٤٦، حديث: ٢٥١٧١ واسناده صحيح.

جواب: (۲) وہ اعمال خیر جن کا شریعت مطہرہ میں بیان آیا ہے میت کو ہدیہ کرنا جائز ہے۔ مثلاً صدقہ، دعا، قرض کی ادائیگی اور حج وعمرہ۔ جب آدمی فوت ہوگیا ہو یا زندہ بھی ہو مگر بڑھاپے کی وجہ سے (حج وعمرہ) نہ کرسکتا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اس کی صحت مندی کی امید نہ ہو تو اس کی طرف سے حج وعمرہ ہوسکتا ہے، کیونکہ بہت سی احادیث میں ان کا ثبوت ملتا ہے، اور قرآن کریم میں عام مسلمانوں کے لیے دعا کا ثبوت موجود ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت ہوچکے ہوں، مثلاً اللہ کا یہ فرمان:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآئُوْا مِن مْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

(الحشر: ۵۹/ ۱۰)

’’اور جو ان کے بعد آئے ہیں دعا کرتے ہیں: اے رب ہمارے! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لانے میں سبقت لے چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان داروں کے متعلق کوئی کینہ (وحسد) نہ رہنے دے، بلاشبہ تو بے انتہا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔‘‘

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے ’’جب ابن آدم فوت ہوجاتا ہے تو سوائے تین چیزوں کے اس کے تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں: صدقہ جاریہ، علم نافع اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔‘‘ [1]

اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک آدمی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں اچانک فوت ہوگئی ہے اور وصیت نہیں کرسکی، اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرتی، تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے اجر ملے گا؟‘‘ [2]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے لیے اپنے ماں باپ کے لیے ان کے فوت ہوجانے کے بعد، حسن سلوک کا کوئی ذریعہ باقی ہے، کہ میں ان کے لیے کوئی نیکی کروں؟ فرمایا: ہاں! ان کے لیے دعا کرنا، استغفار کرنا، ان کے جانے کے بعد ان کے عہد (وعدہ) کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا، اور ان عزیزوں سے صلہ رحمی کرنا کہ ماں باپ کے رشتہ کے بغیر ان کے ساتھ حسن سلوک

[1] صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، حديث: ١٦٣١ وسنن ترمذى، كتاب الاحكام، باب فى الوقف، حديث: ١٣٧٦ صحيح، سنن أبى داود، كتاب الوصايا، باب فيما جاء فى الصدقة عن الميت، حديث: ٢٨٨٠ صحيح، مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٧٢، حديث: ٨٨٣١ اسناده صحيح.

[2] صحيح بخارى، كتاب الوصايا، باب يستحب لمن يتوفى فجاة ان يتصدقوا، باب: ٢٦٠٩ وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت اليه، حديث: ١٠٠٤ وسنن النسائى، كتاب الوصايا، باب اذا مات الضجاة هل يستحب لاهله ان يتصدقوا عنه، حديث: ٣٦٤٩ صحيح، صحيح ابن حبان: ٨/ ١٤٠، حديث: ٣٣٥٣ اسناده صحيح.

نہ کیا جاسکتا تھا۔ ❶ اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ زندوں کے کچھ اعمال اموات کے لیے مفید ہوتے ہیں اور کچھ مفید نہیں ہوتے؟

جواب: یہ امور رسول اللہ ﷺ کے بتانے پر موقوف ہیں، جنہیں ''امور توقیفیہ'' کہا جاتا ہے، ان میں انسان کی اپنی رائے اور قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ انسان صرف وہی کچھ کرسکتا ہے جس کی دلیل موجود ہو، جیسے کہ ایک عام قاعدہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ:

((من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد .))

''جو ہمارے اس معاملہ دین میں کوئی نئی بات ایجاد کرے گا، وہ مردود ہے۔'' ❷ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا ہم اپنے فوت شدہ والدین کے لیے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں، جزاکم اللہ خیرا

جواب: ماں باپ کے فوت ہوجانے کے بعد ان کی اولاد یا کوئی دوسرا ان کے لیے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں ان کے لیے دعا واستغفار اور صدقہ یا حج وعمرہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن نماز کوئی کسی کے لیے یا کسی کی طرف سے ادا نہیں کرسکتا۔ ہاں مسلمان میت کے لیے اس کے دفن سے پہلے نماز جنازہ ضرور ہے۔ اگر کہیں ایسا ہو کہ کوئی دفن سے پہلے اس کے لیے جنازہ نہیں پڑھ سکا ہے تو دفن کے بعد بھی پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ جب دفن کو ایک مہینہ سے زیادہ نہ گزرا ہو، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے لیے اس کی قبر پر جنازہ پڑھا تھا، اور اس پر ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ ❸

اس طرح طواف کی سنتیں بھی پڑھی جائیں گی، لیکن یہ وہی شخص پڑھ سکتا ہے جو کسی دوسرے کی طرف سے حج یا عمرہ کر رہا ہو، تو طواف کے بعد مسنون دو سنتیں بھی پڑھے گا، اور یہ طواف کے تابع ہیں۔

اور اس مسئلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ عبادات سب کی سب توقیفی ہیں، یعنی کوئی عبادت نہیں کی جاسکتی سوائے اس کے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں اپنے والدین کے لیے جو بالکل اَن پڑھ ہیں، قرآن کریم پڑھنا اور انہیں بخشنا چاہتا ہوں، کیا یہ

---

❶ سنن أبی داود، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین، حدیث : ٥١٤٢ ضعیف وسنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب صل من کان أبوك يصل، حدیث : ٣٦٦٤ ضعیف۔ مسند احمد بن حنبل : ٣/ ٤٩٧ ، حدیث : ١٦١٠٣ ، اسناده ضعیف .

❷ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فلصلح مردود، حدیث : ٢٥٥٠ وصحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، حدیث : ١٧١٨ وسنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، حدیث : ٤٦٠٦ صحیح۔ ومسند احمد بن حنبل : ٦/ ٢٤٠ ، حدیث : ٢٦٠٧٥ واسناده صحیح .

❸ سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر، حدیث : ١٠٣٧ صحیح .

میرے لیے جائز ہے؟ اور کیا کسی پڑھے لکھے کے لیے بھی قرآن پڑھ کر بخش سکتا ہے اور کیا یہ کام ایک سے زیادہ آدمیوں کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ یا آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ قرآن کریم پڑھ کر ماں باپ یا کسی دوسرے کو بخشا جا سکے۔ اللہ عزوجل نے قرآن مجید پڑھنا اس لیے مشروع فرمایا ہے کہ اس سے نفع واستفادہ حاصل کیا جائے، اس کے معانی میں غور وفکر کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص: ۳۸/ ۲۹)

''یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، بڑی برکت والی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور عقل منداس سے نصیحت پائیں۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۹)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے بڑھ کر سیدھا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ (حم السجدة: ۴۱/ ۴۴)

''کہہ دیجیے یہ قرآن اہل ایمان کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔''

اور ہمارے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے: ''قرآن کریم پڑھا کرو، بلاشبہ یہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔''[1]

اور آپ نے فرمایا ہے کہ: ''قیامت کے روز قرآن کریم اور قرآن والوں کو لایا جائے گا جو اس پر عمل کرتے رہے، سورۂ بقرہ اور آل عمران ان کے آگے آگے ہوں گی جیسے کہ دو بدلیاں ہوں، یا پرندوں کے دو جھنڈ، یہ اپنے اہل سے دفاع کریں گی۔''[2]

الغرض قرآن کریم تدبر اور عمل کے لیے نازل ہوا ہے، عبادت وتلاوت کے لیے نازل ہوا ہے کہ اس کی کثرت سے تلاوت کی جائے، نہ اس لیے کہ اموات یا دوسروں کے لیے ہدیہ کیا جائے اور انہیں بخشا جائے۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، حديث: ٨٠٤۔ السنن الكبرى للبيهقي: ٢/ ٣٩٥، حديث: ٣٨٦٢.

[2] صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقره، حديث: ٨٠٥ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٨٣، حديث: ١٧٦٧٤.

میرے علم میں قرآن وحدیث میں ایسی کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ اسے ماں باپ یا دوسروں کے لیے بخشا جا سکتا ہے۔ بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا، جس کے متعلق ہمارا کوئی ارشاد نہ تھا تو وہ مردود ہے۔''❶

اگرچہ اہل علم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ قرآن کریم پڑھ کر بخشنا جائز ہے، اس طرح اور بھی کچھ اعمال صالحہ میتوں یا دوسروں کو بخشے جا سکتے ہیں، اور وہ اسے دعا اور صدقہ پر قیاس کرتے ہیں، مگر مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں پہلا قول ہی صحیح ہے (کہ اس کا بخشنا جائز نہیں ہے)۔ کیونکہ اگر تلاوت قرآن کا ہدیہ کرنا اور بخشنا جائز ہوتا تو سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام) ضرور اس پر عمل کرتے۔

اور عبادات کے مسئلہ میں قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ عبادت سراسر توقیفی عمل ہے، اس کے لیے قرآن کریم یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صریح نص ہونی چاہیے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں واضح آیا ہے۔

اور یہ مسئلہ کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جاتا ہے، اس کے لیے دعا کی جاتی ہے، دوسرے کی طرف سے حج اور عمرہ کرنا، اور میت کے ذمے روزوں کا ادا کرنا، یہ سب ایسی عبادتیں ہیں کہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بالکل صحیح ہیں۔ جس کی طرف سے حج وعمرہ کیا جا رہا ہے وہ یا تو فوت ہو چکا ہو، یا انتہائی بوڑھا ہو، یا ایسا مریض ہو کہ اس کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق (عبدالعزیز بن باز)

زیارت قبور

سوال: درج ذیل مسائل میں شریعت اسلامی کی رو سے ہماری رہنمائی فرمائیں کہ کچھ لوگ قبروں کی زیارت کے لیے جاتے ہیں، اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے واسطے وسیلے سے دعائیں کرتے ہیں اور کچھ وہاں بکرے، مینڈھے نذر کرتے ہیں، جیسے کہ سید بدوی، شیخ حسن یا سیدہ زینب کی قبروں پر کیا جاتا ہے؟

جواب: زیارت قبور کی کئی صورتیں ہیں:

(۱)......ایک تو مشروع اور مطلوب ہے کہ آدمی قبرستان جائے، اموات کے لیے دعا کرے، کہ خود اسے موت یاد آئے اور بندہ آخرت کی تیاری کرے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ'' قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرو، بلاشبہ اس سے تمہیں آخرت یاد آئے گی۔''❷ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کا یہ معمول بھی تھا۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، حدیث: ۲۵۵۰ وصحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، حدیث: ۱۷۱۸ ومسند احمد بن حنبل: ۶/ ۱۴۶، حدیث: ۲۵۱۷۱ واسناده صحیح.

❷ سنن الدارقطنی: ۴/ ۲۵۹، حدیث: ۶۹ مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۳۵۵، حدیث: ۲۳۰۵۵ وصحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربه فی زیارة قبر امه، حدیث: ۹۷۶.

اور یہ زیارت مردوں کے لیے خاص ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔ عورتوں کے لیے قبرستان جانا جائز نہیں، بلکہ انہیں اس سے روکنا واجب ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کے لیے جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ [1] اور یہ بھی ہے کہ عورتوں کے اس عمل میں خود ان کے لیے فتنے کا ڈر ہے یا وہ دوسروں کے لیے فتنے کا باعث ہوسکتی ہیں اور ان میں صبر کا مادہ بہت کم ہوتا ہے، اور ایسے مواقع پر یہ جزع فزع [2] ان پر غالب ہوتی ہے۔

ایسے ہی ان عورتوں کے لیے قبرستان میں جنازوں کے پیچھے جانا جائز نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ''ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا ہے، مگر آپ نے (اس منع کو) ہم پر واجب اور لازم نہیں فرمایا۔'' [3] یہ حدیث دلیل ہے کہ عورت کو قبرستان جانے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں خود ان کے لیے فتنے کا ڈر ہے یا وہ دوسروں کے لیے فتنے کا باعث ہوسکتی ہیں، اور ان میں صبر بھی کم ہوتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ کسی کام سے نہی میں بنیادی طور پر اس کے حرام ہونے کے معنی ہوتے ہیں، اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۵۹/ ۷)

''رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو، اور جس سے منع کر دیں اس سے باز رہو۔''

اور میت کے لیے دعا کرنا مردوں عورتوں سب کے لیے مشروع اور جائز ہے، جیسے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، اور مذکورہ بالا حدیث میں سیدہ اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ ''ہم عورتوں کو قبرستان جانے کی ممانعت کو واجب اور لازم نہیں فرمایا گیا۔ اس میں ان کے لیے قبرستان جانے کا جواز نہیں ہے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس کام سے روک دینا ہی اس منع کے لیے کافی ہے۔ اور ان کا یہ جملہ '' ہم پر واجب نہیں فرمایا'' یہ ان کا اپنا اجتہاد اور گمان ہے، اور ان کے اجتہاد کو فرمان رسول کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] سنن ترمذی، أبواب الصلاة، باب كراهية ان يتخذ على القبر مسجدا، حديث: ۳۲۰ ضعيف۔ سنن نسائی، كتاب الجنائز، باب التغليظ فی اتخاذ السرج على القبور، حديث: ۲۰۴۳ ضعيف، صحيح ابن حبان: ۷/ ۴۵۲، حديث: ۳۱۷۸ اسناده حسن، زاوارات القبور کے الفاظ کے ساتھ صحیح ہے دیکھیے سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی النهی عن زيارة النساء القبور، حديث: ۱۵۷۴ صحيح: قال الالبانی: حسن

[2] یہ مسئلہ کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا حرام ہے، ہمارے بعض علمائے حنابلہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے، مگر بعض دوسرے ائمہ وعلماء بشروط وضوابط جائز کہتے ہیں، جیسے کہ آگے والے فتوے میں آرہا ہے، اور ہماری بھی یہی رائے ہے۔ (سعیدی)

[3] صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب نهی النساء عن اتباع الجنائز، حديث: ۹۳۸ وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی اتباع النساء الجنائز، حديث: ۱۵۷۷۔ صحيح، المعجم الكبير للطبرانی، حديث: ۲۱۲۲۷۔ المعجم الاوسط للطبرانی: ۳/ ۳۴۱، حديث: ۳۳۴۱.

(۲)..... زیارت قبور کی دوسری قسم جو جائز نہیں ہے، یہ ہے کہ آدمی قبرستان جائے اور ان اموات سے دعا واستغاثہ کرے، اس کے لیے کوئی نذر و نیاز پیش کرے یا کوئی جانور ذبح کرے، یہ بالکل ناجائز اور شرک اکبر ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے اور اس کے ساتھ یہ بھی ملحق ہے کہ زیارت کرنے والا کسی قبر پر جا کر اپنے لیے دعا مانگے، نماز پڑھے یا تلاوت کرے۔ یہ بھی بدعت ہے اور ناجائز ہے اور شرک کے وسائل میں سے ہے۔ تو اس طرح زیارت قبور کی تین قسمیں ہوئیں:

۱: پہلی قسم سنت اور جائز ہے کہ آدمی ان اموات کے لیے دعا کرے اور اسے آخرت یاد آئے۔

۲: دوسری قسم یہ کہ قبر پر جا کر اپنے لیے دعا کرے، نماز پڑھے، یا کوئی قربانی وغیرہ کرے تو یہ بدعت ہے اور شرک کا وسیلہ ہے۔

۳: تیسری قسم کہ آدمی میت کے لیے نذر و نیاز پیش کرے، کوئی جانور ذبح کرے اور اس سے اس میت کا قرب چاہے، یا اللہ کو چھوڑ کر اس میت سے دعائیں کرے یا کسی طرح کی مدد طلب کرے، تو یہ سب شرک اکبر ہے۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔

ان بدعی زیارتوں سے دور رہنا واجب ہے، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ قبر کسی ولی کی ہو یا نبی اور صالح کی۔ اور اس مسئلہ میں وہ سب شامل ہیں جو جاہل لوگ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کرتے ہیں، آپ سے دعائیں مانگتے ہیں یا مدد وغیرہ مانگتے ہیں۔ اسی طرح جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کی قبروں پر کیا جاتا ہے۔ اور مدد اللہ ہی سے ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: عورت کے لیے زیارت قبور کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی عورت کا کوئی قریبی عزیز فوت ہو جائے تو کیا وہ شرعی آداب کے ساتھ باپردہ جنازہ کے ساتھ جا سکتی ہے؟

جواب: جمہور اہل علم کے مطابق عورت کے لیے زیارت قبور جائز ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایتیں آئی ہیں۔ ایک میں انہوں نے اس عمل کو حرام کہا ہے، اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کے لیے جانے والیوں پر لعنت کی ہے۔"[1] مگر یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے، بلکہ اس سے صحیح تر وہ روایت ہے جو امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

'لعن زوارات القبور' "یعنی آپ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے کہ جو بہت کثرت سے قبروں کی زیارت کے لیے جاتی ہیں۔"[2]

---

[1] سنن ترمذی، ابواب الصلاة، باب کراهیة ان یتخذ علی القبر مسجدا، حدیث: ۳۲۰ ضعیف۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب التغلیظ فی اتخاذ السرج علی القبور، حدیث: ۲۰۴۳.

[2] مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۳۷، حدیث: ۸۴۳۰ اسناده حسن وسنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عن زیارة النساء القبور، حدیث: ۱۵۷٦ حسن.

اور لفظ زائرات اور زوارات میں بڑا فرق ہے [یعنی زائرات عمومی میں زیارت کرنے والی، اور زوارات سے مراد وہ ہے جو بہت زیادہ کثرت سے زیارت کو جائے]۔ زوارات مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت زیادہ کثرت سے قبروں پر آنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت کبھی کبھار زیارت قبور کے لیے جائے تو اس کے لیے جائز ہے اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) دلیل عام: صحیح مسلم میں حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب ان کی زیارت کے لیے جایا کرو، بلاشبہ اس سے آخرت یاد آتی ہے۔'' ❶

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، اور اپنے اردگرد اصحاب کو رلایا، پھر فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ اپنی ماں کے لیے مغفرت کی دعا کروں، تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی، پھر میں نے اللہ سے اس کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مجھے دے دی گئی۔ سو قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرو، بلاشبہ اس سے موت یاد آتی ہے۔'' ❷ یہ ایک عام دلیل ہے۔

اس کے ساتھ ایک خاص دلیل بھی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں جب قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہا کروں؟ (اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک عورت ہی ہیں) تو آپ نے ان سے فرمایا: یوں کہا کرو:

((السلام علی أهل الدیار من المومنین والمسلمین، ویرحم الله المستقدمین منا ومنكم والمتاخرینی، انا إن شاء الله بكم للاحقون.))

''سلامتی ہو ان گھروں والوں پر، اہل ایمان اور مسلمانوں پر، اللہ رحم فرمائے ان پر جو آگے چلے گئے ہم میں سے اور تم میں سے، اور پیچھے رہنے والوں پر بھی، اور ہم بھی ان شاء اللہ بالضرور تمہارے ساتھ آ ملنے والے ہیں۔'' ❸

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربه عزوجل فی زیارة قبر امه، حدیث: ۹۷۷۔ سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب الرخصة فی زیارة القبور، حدیث: ۱۰۵٤۔ صحیح سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی زیارة القبور، حدیث: ۳۲۳۵ صحیح.

❷ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربه عزوجل فی زیارة قبر امه، حدیث: ۹۷٦ وسنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی زیارة القبور، حدیث: ۳۲۳٤ صحیح۔ صحیح ابن حبان: ۷/ ٤٤٠، حدیث: ۳۱٦۹ صحیح.

❸ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ما یقال عند دخول القبور، حدیث: ۹۷٤ وسنن النسائی، کتاب الجنائز، باب الامر بالاستغفار للمومنین، حدیث: ۲۰۳۷ صحیح۔ صحیح ابن حبان: ۱٦/ ٤٥، حدیث: ۷۱۱۰ صحیح.

اور صحیحین میں آیا ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے بیٹے کی قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی اور نوحہ کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور صبر سے کام لے۔'' وہ بولی، دور ہو مجھ سے، تجھے وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے۔'' دراصل وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان نہ پائی تھی۔ بعد میں جب اسے بتلایا گیا کہ یہ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، تو وہ آپ کے پاس حاضر ہوئی، گویا کہ مر رہی ہو، اس وجہ سے کہ اس نے آپ کو نامناسب جواب دیا تھا۔ وہ آئی اور اجازت مانگی، اسے وہاں کوئی دربان نظر نہ آیا، پھر وہ آپ سے ملی اور بولی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو پہچان نہ پائی تھی، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''صبر ہمیشہ صدمے کی ابتدا میں ہوتا ہے۔'' ❶

الغرض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عورت پر اس کے نوحہ کرنے پر انکار فرمایا، اپنے بیٹے کی قبر پر آنے پر انکار نہیں فرمایا۔ اسی سے امام قرطبی رحمہ اللہ نے لیا ہے کہ'' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو کثرت سے قبروں پر جاتی ہوں، کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ وہ اس طرح اپنے شوہر کے حقوق میں قصور کریں، یا آتے جاتے میں بے پردگی کی مرتکب ہوں، یا شرعی محرمات کی مرتکب ہوں جو کبیرہ گناہ ہیں، مثلاً نوحہ کرنا، منہ پر طمانچے مارنا اور ندبہ کرنا وغیرہ۔ اگر عورت ان افعال سے پرہیز کرے تو اسے زیارت قبور کی اجازت ہے، کیونکہ یہ بھی یاد آخرت کی اسی طرح محتاج ہے جیسے کہ مرد محتاج ہیں۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ'' یہی قول اس لائق ہے کہ اس کا عقیدہ رکھا جائے۔''

البتہ جنازوں کے ساتھ جانا، تو وہ احادیث جن میں عورتوں کے لیے اس کی منع آئی ہے، ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دو حدیثیں آتی ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے، اس میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک میت والوں کے ہاں گئی تھیں، جب واپس لوٹیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو کہاں تھی؟ انہوں نے کہا: اہل فلاں کا ایک آدمی فوت ہوگیا ہے، تو میں ان کے ہاں تعزیت کے لیے گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: شاید کہ تو ان کے ساتھ کدی (قبرستان) بھی گئی ہوگی؟ انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ! آپ نے فرمایا: ہاں اگر تو نے یہ کیا ہوتا تو جنت کو نہ دیکھ سکتی حتیٰ کہ تیرے باپ کا دادا اسے دیکھتا (یعنی عبدالمطلب، جو مسلمان نہیں تھا)۔ ❷ یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث صحیح ہے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور، حدیث: ۱۲۲۳۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فی الصبر علی المصیبة عند الصدمة، حدیث: ۹۲۶۔ سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب الصبر عند المصیبة، حدیث: ۳۱۲٤ صحیح، مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۱٤۳، حدیث: ۱۲٤۸۰ صحیح.

❷ سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب التعزیة، حدیث: ۳۱۲۳ ضعیف۔ سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب النهی، حدیث: ۱۸۸۰ ضعیف، مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۱٦۸ ضعیف.

جو صحیح بخاری میں آئی ہے، کہتی ہیں کہ ''ہم عورتوں کو جنازوں کے ساتھ ان کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا ہے مگر واجب اور لازم نہیں کیا گیا۔''❶

الغرض یہ منع کوئی حتمی اور شدید نہیں ہے، اس سے حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا، صرف کراہت اور ناپسندیدگی ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا عورت کے لیے جنازے کے پیچھے جانا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، لیکن اگر چلی بھی جائے تو گنہگار نہ ہوگی۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: عورت کی میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کی قبر کو ڈھانپنے کا حکم ہے، اور اسے کب تک ڈھانپے رکھنا چاہیے؟

جواب: بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ عورت کی میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کی قبر کو ڈھانپ لیا جائے، تاکہ عورت کی جسامت وغیرہ ظاہر نہ ہو، مگر یہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ڈھانپے تو یہ اس پر اینٹیں برابر کیے جانے تک ہونا چاہیے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے لیے زیارت قبور کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورتیں مردوں ہی کی جنس سے ہیں۔ جو چیز مردوں کے لیے جائز ہے وہ عورتوں کے لیے بھی جائز ہے اور جو ان کے لیے مستحب ہے وہ عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے، سوائے اس کے جسے کسی خاص دلیل نے مستثنیٰ کر دیا ہو۔

اور زیارت قبور کے مسئلہ میں ایسی کوئی خاص دلیل نہیں ملتی ہے جو عورتوں کے لیے اس عمل کو بالخصوص حرام بتاتی ہو۔ بلکہ صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ واقعہ آیا ہے، جس میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خاموشی سے بستر سے نکل کر بقیع کی طرف تشریف لے گئے تاکہ اہل قبور کے لیے دعا فرمائیں، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلی گئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس ہونے لگے تو یہ بھی واپس ہولیں، جب آپ تیز چلے تو یہ بھی خوب تیز چلیں اور اپنے بستر میں آ دبکیں اور اوپر سے رسول اللہ ﷺ بھی آن پہنچے جبکہ ان کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ پھر فرمایا: ''کیا تو سمجھتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر ظلم کرے گا؟ میرے پاس ابھی جبریل آئے تھے اور کہا کہ: آپ کا رب آپ کو سلام کہہ رہا ہے، اور آپ کو حکم دیتا ہے کہ بقیع کی طرف جائیں اور ان لوگوں کے لیے استغفار کریں۔''❷

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: (تعجب ہے) اے اللہ کے رسول! میں کہاں تھی اور آپ کہاں تھے، پھر انہوں نے دریافت کیا کہ ''میں جب قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہا کروں؟'' تو آپ نے

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب نهی النساء عن اتباع الجنائز، حدیث: ۹۳۸ وسنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی اتباع النساء الجنائز، حدیث: ۱۵۷۷ صحیح.

❷ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ما یقال عند دخول القبور والدعا لاهله، حدیث: ۹۷٤ وسنن النسائی، کتاب الجنائز، باب الامر بالاستغفار للمومنین، حدیث: ۲۰۳۷ صحیح.

فرمایا: ''...... یہ کہا کرو۔''❶

اورحدیث 'لعن الله زوارات القبور' مکی دور کی ہے، اوراس کی دلیل وہ معروف حدیث ہے 'كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها' اوراس میں شک نہیں کہ یہ نہی عام مدینہ منورہ میں نہ تھی، بلکہ مکہ میں تھی کیونکہ لوگ شرک سے نئے نئے نکل رہے تھے، اس لیے تصور نہیں کیا جاسکتا کہ یہ نہی مدینہ میں ہوئی ہو۔ اور آپ کا فرمان 'أي فزوروها' ممکن ہے مکہ میں کہا گیا ہو لیکن خواہ مکہ میں کہا گیا ہو یا مدینہ میں، ہے بہرحال اس نہی کے بعد کا جو مکہ میں تھی۔ اس موقع پر مذکورہ بالا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا (جس میں زیارت قبور کی دعا کا بیان ہے) قابل توجہ ہے۔ اگر ہم کہیں کہ حدیث 'كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها' حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد کی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا منسوخ ہو، مگر یہ انتہائی بعید بات ہے۔

اور راجح یہ ہے کہ آپ نے مکہ میں زیارت قبور سے منع فرمایا، پھر اس مکی دور کے آخر میں یا مدنی دور کی ابتدا میں اجازت دی اور فرمایا 'ألا فزوروها' اس تمہید کے بعد اس میں شک نہیں رہتا کہ پہلی نہی عام مردوں اور عورتوں سب کو شامل تھی، اور جب رخصت دی گئی تو بھی مردوں عورتوں کو دی گئی۔ تو یہاں دیکھنا چاہیے کہ...... 'لعن الله زوارات القبور' والی حدیث کب کی ہے؟ اگر یہ عورتوں کو اجازت ملنے کے بعد کی ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ عورتوں کے لیے اس مسئلہ میں دو بار نسخ ہوا ...... مگر منسوخہ مسائل میں ہمیں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی (کہ کوئی حکم دو بار منسوخ ہوا ہو)۔

اور بالاختصار اس بات سے قطع نظر کہ 'لعن الله زوارات القبور' کا فرمان عورتوں کو مردوں کے ساتھ اجازت کے بعد تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا موقع کون سا ہے، جس میں انہوں نے اجازت طلب کی اور انہیں دے دی گئی؟ کیا یہ 'لعن الله' کے بعد تھی یا پہلے؟

اگر کہا جائے کہ یہ اس سے پہلے تھی، اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ نہی خاص عورتوں کے لیے تھی، جو قبرستان بڑی کثرت سے اور بار بار جاتی ہیں۔

پھر عورتوں کے لیے زیارت قبور کو بالعموم حرام کیونکر کہا جا سکتا ہے جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہی ہیں، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی! (محمد ناصر الدین البانی)

سوال: کچھ لوگ مزاروں اور اولیاء کی قبروں پر جاتے ہیں، اس بارے میں آپ کیا رہنمائی فرماتے ہیں؟

جواب: ضروری ہے کہ ان لوگوں کو زیارت قبور کے شرعی آداب سکھائے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو ارشاد فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو یوں کہا کریں:

((السلام عليكم أهل الديار من المومنين والمسلمين ، إنا إن شاء الله بكم

❶ ایضا............

للاحقون، نسأل الله لنا ولكم العافية .))

''سلامتی ہو تم پر اے گھروں والو! مومنو اور مسلمانو! اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ آ ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے آرام وراحت کا سوال کرتے ہیں۔''❶

ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

((السلام عليكم دار قوم مومنين وأتاكم ما توعدون غدا مؤجلون، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد .))

''سلامتی ہو تم پر اے مومن قوم کے گھروں والو! تمہیں تو وہ حاصل ہو چکا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اور آنے والے کل تک کے لیے مہلت دیے گئے ہو، اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ آ ملنے والے ہیں، اے اللہ بقیع غرقد والوں کو بخش دے۔''❷

اور ایک روایت میں یوں ہے:

((يرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين يغفر الله لنا ولكم، أنتم سلفنا ونحن بالأثر .))

''اللہ رحم فرمائے ان پر جو ہم میں سے آگے گئے اور جو پیچھے رہ گئے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سب کو بخش دے۔ تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے ہیں۔''❸

یہ اور اس معنی کی دوسری احادیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ زیارت قبور کا شرعی طریقہ کیا ہے، اور مقصد کیا ہے۔ یعنی ان اموات کے لیے دعا کی جائے اور زیارت کرنے والا خود اپنی موت اور آخرت کو یاد کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''قبروں کی زیارت کیا کرو، بلاشبہ یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں۔''❹

اور قبروں پر قبے، تعمیرات یا مسجدیں بنانا...... یہ جائز نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبياءهم مساجدا .))

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، حديث : ٩٧٥ وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب فيما يقال اذا دخل المقابر، حديث : ١٥٤٧ صحيح مسند احمد بن حنبل : ٥/ ٣٥٣، حديث : ٢٣٠٣٥ .

❷ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور الدعا لاهلها، حديث : ٩٧٤ ومسند احمد بن حنبل : ٦/ ١٨٠، حديث : ٢٥٥١٠ .

❸ سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يقول الرجل اذا دخل المقابر، حديث : ١٠٥٣ حديث : حسن .

❹ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ربه في زيارة قبر امه، حديث : ٩٧٦ وسنن دارقطني : ٤/ ٢٥٩، حديث : ٦٩ وسنن ترمذي، كتاب الجنائز، باب الرخصة في زيارة القبور، حديث : ١٠٥٤ صحيح .

''لعنت کرے اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کو، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔'' ❶

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((لا تدع صورة الا طمستها ولا قبرا مشرفا الا سويته .))

''کوئی تصویر نہ چھوڑنا مگر اسے مٹا ڈالنا، اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اسے برابر کر دینا۔'' ❷

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ نے قبروں کو چونا گچ کرنے (پختہ بنانے)، ان پر بیٹھنے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' ❸

لہٰذا قبروں پر کوئی تعمیر، قبہ یا مسجد اور سجدگاہ بنانا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اسے پختہ بنانا یا اس پر بیٹھنا جائز ہے، اور اس کی بھی اجازت نہیں کہ اس پر چادریں چڑھائی جائیں۔ قبر محض ایک بالشت بھر اونچی ہونی چاہیے تاکہ نظر آئے کہ یہ قبر ہے تاکہ اس کی بے ادبی نہ ہو اور لوگ اس پر نہ چلیں۔ چنانچہ ہر صاحب علم پر لازم ہے کہ اپنے بھائیوں کو یہ مسائل بتائیں اور سکھائیں، علماء کی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ کی شریعت سکھائیں اور مومن ہمیشہ اہل علم سے علم حاصل کرتے ہیں۔ اور جو شخص قبرستان کی زیارت کے لیے آئے، صاحب علم پر لازم ہے کہ اسے سکھائے کہ قبرستان کی زیارت کا شرعی طریقہ یہ ہے۔ اور قبر پر کوئی تعمیر کرنا، یا قبر والے سے سوال کرنا، یا قبر کی مٹی سے برکت حاصل کرنا، یا قبر کو چومنا یا اس کے پاس نماز پڑھنا، یہ سب دین میں نئے کام ہیں (بدعت ہیں)، قبر کے پاس نماز پڑھنا یا دعا یا قراءت قرآن کرنا بدعت ہے۔ بلکہ قبر سے برکت حاصل کرنا یا شفاعت چاہنا یا بیماری سے شفا کی دعا کرنا یہ شرک اکبر کی قسمیں ہیں۔

اگر کوئی یوں کہے: اے میرے آقا! اللہ کے ہاں میری شفاعت کر، یا میت کو پکارے کہ میری مدد کر یا میرے مریض کو شفا دے وغیرہ تو یہ اعمال قطعاً جائز نہیں ہیں۔ کیونکہ میت کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین صورتوں کے: صدقہ جاریہ، یا علم جس سے نفع ہوتا ہو، یا صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔ ❹

❶ صحيح بخاری، كتاب الصلاة، باب الصلاة فی البيعة، حديث: ٤٣٦، وكتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبر، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد على القبور، حديث: ٥٣٠ وسنن ابی داود، كتاب الجنائز، باب فی البناء على القبر، حديث: ٣٢٢٧.

❷ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب جعل القطيفة فی القبر، حديث: ٩٦٩ وسنن الترمذی، كتاب الجنائز، باب تسوية القبر، حديث: ١٠٤٩.

❸ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهی عن تجصيص القبر والبناء عليه، حديث: ٩٧٠ وسنن ترمذی، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی كراهية تجصيص القبور، حديث: ١٠٥٢.

❹ صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، حديث: ١٦٣١۔ سنن الترمذی، كتاب الاحكام، باب ما جاء فی الوقف، حديث: ١٣٧٦ وسنن ابی داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء فی الصدقة عن الميت، حديث: ٢٨٨٠.

لیکن اس سے شفا طلب کرنا یا دشمن کے خلاف نصرت چاہنا یا شفاعت، تو یہ شرک اکبر کے اعمال ہیں، جو میتوں سے حاصل نہیں کیے جا سکتے، بلکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے، اور اپنے لیے یوں کہے: اے اللہ مجھے شفا دے، مجھے عطا فرما، اے اللہ میرے حق میں اپنے نبی کی سفارش قبول فرما، اے اللہ میرے حق میں اپنے فرشتوں کی شفاعت قبول فرما، یا اہل ایمان کی شفاعت قبول کر، تو جائز ہے، کیونکہ اس انداز میں دعا اور سوال اللہ عزوجل سے ہے۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں اور ایک دوسرے کو شریعت کی باتیں سکھائیں، اور علماء کا بھی فریضہ ہے کہ اپنے عوام کو اللہ کی شریعت سے آگاہ کیا کریں، اور ان میں سے زیارت قبور کا شرعی طریقہ بہت اہم ہے۔ انہیں بتایا جائے کہ قبروں پر کسی قسم کی تعمیر یا قبے بنانا یا مسجدیں بنانا یا قبر کے پاس نماز پڑھنا یا قرآن کی تلاوت کرنا وغیرہ یہ امور بدعت ہیں اور شرک اکبر کا وسیلہ ہیں۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: تعزیت کے شرعی آداب کیا ہیں؟

جواب: کسی مسلمان کی تعزیت کرنا مستحب ہے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((من عزى مصابا فله مثل اجره .))

''جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی، تو اس کے لیے اسی جتنا اجر ہے۔''❶

مگر کوئی یوں کہے: افسوس کہ کم عمری میں فوت ہو گیا، یا اس کی عمر کس قدر کم رہی، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر بڑھائے وغیرہ جیسے جملے بولنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اہل میت کو کوئی پاکیزہ عمدہ دعا دینی چاہیے، مثلاً:

((اعظم الله أجرك وأحسن عزاك وغفر لميتك .))

''اللہ آپ کا اجر و ثواب زیادہ کرے، آپ کو تسلی اور صبر دے اور فوت ہونے والے کو بخش دے۔''

اور عمر کے کم یا زیادہ ہونے کی بات کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اور احادیث میں جہاں کہیں اس کا ذکر آیا ہے تو وہاں ''برکت'' مراد ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ عمر میں کمی یا زیادتی اس صحیفے میں ہوتی ہے جو فرشتوں کے پاس ہوتے ہیں، مگر اللہ عزوجل کے ازلی علم میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

اور آیا لوح محفوظ میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں اور اس بارے میں وارد نصوص میں اسی طرح تطبیق دی جاتی ہے (کہ اللہ عزوجل کے ازلی علم میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں) اور اہل میت کے لیے کھانا تیار کرنا حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مستحب عمل ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ''آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، انہیں ایک ایسی خبر آئی ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے۔'' لیکن یہ تبھی صحیح ہے جب ہدیہ کرنے والا اپنے دل

❶ سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی اجر من عزی مصابا، حدیث: ۱۰۷۳

کی خوشی سے یہ کام کرے۔ (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: عورت کی میت کو غسل دینے کے لیے نہلانے والوں کی شرعی ترتیب کیا ہے، اور کیا جائز ہے کہ کوئی کافر مسلمان عورت کو غسل دے؟ اور کیا قبر میں اتارنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کے قریبی عزیز ہی ہوں؟ یا کوئی دوسرے بھی یہ کام کر سکتے ہیں؟ ہمارے ہاں قبرستان کے گورکن یہ کام کرتے ہیں، تو کیا اگر وہ عورت کی میت کو قبر میں اتاریں تو جائز ہے؟

جواب: عورت کی میت کو غسل دینے کے لیے اس سے تعلق رکھنے والی خواتین جو بھی ہوں، حسب درجات یہ فریضہ سرانجام دیں، جو بھی یہ کام بخوبی کر سکتی ہوں۔ اور کوئی اجنبی خاتون غسل دے خواہ اس کی رشتہ دار نہ بھی ہو تو جائز ہے۔ بلکہ اس کے شوہر کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اسے غسل دے سکتا ہے۔

اور یہ مسئلہ کہ کوئی کافر کسی مسلمان کو غسل دے، یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک عبادت ہے، اور عبادت کا کام کسی کافر سے کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

اور تیسرا مسئلہ کہ عورت کو قبر میں کون داخل کرے، تو کوئی بھی مسلمان جو یہ کام اچھے طریقے سے کر سکتا ہو، اسے قبر میں اتار سکتا ہے خواہ وہ اس کا محرم نہ بھی ہو۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ساس (بیوی کی ماں) کو غسل دے؟ اور وہ کون سی عورتیں ہیں جن کے لیے جائز ہے کہ مرد انہیں غسل دے سکتے ہیں؟

جواب: واجب یہ ہے کہ اس کی بیٹی ہی اسے غسل دے۔ اور عورت کو اس کا شوہر بھی غسل دے سکتا ہے، یا اس کی محرم رشتہ دار عورتیں۔ علمائے کرام نے اس مسئلہ میں یہ ترتیب پیش کی ہے: یعنی شوہر اپنی بیوی کو غسل دے۔ اور بعض نے محرم رشتہ دار عورتیں کہا ہے کہ یہ عورتیں شوہر پر مقدم ہیں۔ اور اس کی دلیل کہ شوہر غسل دے سکتا ہے، مسند احمد اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کی جانب سے واپس آئے، اور مجھے سر درد تھا، میں کہہ رہی تھی ہائے میرا سر!! تو آپ نے کہا: بلکہ ہائے میرا سر، تجھے کیا فکر ہے، اگر تو مجھ سے پہلے مر بھی گئی تو میں تجھے غسل دوں گا، اور کفن پہناؤں گا، تیرا جنازہ پڑھوں گا اور تجھے دفن کر دوں گا...... الخ" [1]

اور اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ اس کے بعد محرم رشتہ دار عورتوں کی باری ہے، اور ان میں سے بھی بعض علماء نے ذوات الارحام عورتوں کو اولیت دی ہے، مثلاً ماں، بیٹی، پوتی، بھتیجی، بہن پھوپھی، خالہ۔ پھر ان کے بعد دوسری جو ذوات الارحام نہیں ہیں، مثلاً چچا کی بیٹی، پھوپھی زاد، خالہ زاد، پھر ان

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب غسل الرجل امرأته......، حديث: ١٤٦٥ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٨٨، حديث: ٢٥٩٥٠.

کے بعد دوسری اجنبی عورتیں۔ اور اگر شوہر نہ ہو اور محارم اور غیر محارم عورتیں بھی نہ ہوں، حتیٰ کہ اجنبی عورتیں بھی نہ ہوں تو اس صورت میں علماء سے روایات مختلف ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایسی عورت کو تیمّم کرا دیا جائے اور اس پر کفایت کی جائے، اور بعض کا خیال ہے کہ محرم مردوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے غسل دے سکتے ہیں، بشرطیکہ اس پر پردہ کیا جائے، پانی اوپر سے ڈالا جائے، اور داماد غسل دے تو یہ حرام ہے جبکہ اس کی بیٹی بھی موجود ہو۔ اس صورت میں بیٹی پر واجب ہے وہی اسے غسل دے، یا دیگر قرابت دار یا کوئی اور اجنبی عورت، اگر ذوات الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ میت کو غسل اور کفن دے سکے جبکہ وہ خود ایام میں ہو؟

جواب: ہاں جائز ہے۔ عورت اگر اپنے ماہانہ ایام میں بھی ہو تو وہ عورت کی میت کو غسل یا کفن دے سکتی ہے۔ بلکہ اپنے شوہر کو بھی غسل دے سکتی ہے۔ اور اس کا اپنے مخصوص ایام میں ہونا اس کے لیے اس کام سے کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

میت پر نوحہ اور بین کرنا

سوال: کچھ عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی میت والے کے ہاں تعزیت کے لیے آتی ہیں تو چیختی چلاتی اور ہائے وائے کرتی ہیں، خود روتی ہیں اور گھر والوں کو بھی رلاتی ہیں۔ کیا ان کا یہ عمل نوحہ میں شمار ہوتا ہے؟

جواب: ہاں، اس کام کے نوحہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور اسے توجہ سے سننے والی پر لعنت فرمائی ہے [1] لہٰذا اس طرح کا کام حلال نہیں ہے۔ بلکہ گھر والوں کو جائز نہیں ہے کہ وہ اسے اس طرح کرنے کی اجازت دیں۔ بلکہ ان پر لازم ہے کہ اگر وہ ہمیشہ اسی طرح ہی کرتی ہو تو اسے گھر سے باہر نکال دیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میت پر نوحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: میت پر نوحہ کرنا حرام ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی کسی میت پر بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے اونچی اونچی آواز سے روئے، ہائے وائے پکارے، کپڑے پھاڑے، رخسارے پیٹے، بال نوچے، منہ کالا کرے یا نوچے وغیرہ۔ یہ سب اعمال نوحہ کہلاتے ہیں، جن میں اللہ کی تقدیر اور اس کے فیصلوں پر ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ صحیحین میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية .))

[1] سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی النوح، حدیث: ۳۱۲۸ ضعیف، مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۶۵، حدیث: ۱۱۶۴۰.

''جو اپنے رخسارے پیٹے یا دامن پھاڑے اور جاہلیت کی سی آواز بلند کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''❶

اور یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے صالقہ، حالقہ اور شاقہ سے اپنی براءت کا اظہار کیا ہے۔❷

صالقہ سے مراد وہ عورت ہے جو کسی مصیبت میں اپنی آواز بلند کرے۔

حالقہ وہ ہے جو مصیبت میں اپنے بال منڈوا دے۔ اور

شاقہ وہ ہے جو مصیبت میں اپنے کپڑے پھاڑے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور اسے غور سے سننے والی پر لعنت فرمائی ہے۔''❸

اے مسلمان بہن! تم پر واجب ہے کہ کسی مصیبت میں ان حرام کاموں سے دور رہو، صبر سے کام لیا کرو، اور اللہ سے اجر وثواب کی امیدوار بنو، تاکہ یہ مصیبت تمہارے لیے گناہوں کا کفارہ بن جائے اور تمہارے اجر و ثواب میں اضافے کا باعث ہو۔ ہاں اس قدر جائز ہے کہ اگر آواز بلند کیے بغیر رونا آئے تو کوئی حرج نہیں، اور کوئی ایسے حرام کام نہ کیے جائیں جن میں اللہ کی تقدیر اور فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہو۔ اور اللہ ہی مدد دینے والا ہے۔ (صالح فوزان)

سوال: تعزیت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا تعزیت کے لیے تقریبات کا مخصوص ہالوں وغیرہ میں اہتمام کرنا جائز ہے؟ ہم امید کرتے ہیں کہ جواب مدلل ہوگا۔

جواب: کسی میت والوں کے ہاں تعزیت کے لیے جانا سنت ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ سائلہ کا مقصد ان ماتمی اور تعزیتی اجتماعات کے بارے میں پوچھنا ہے جو اس مقصد کے لیے اہتمام سے برپا کیے جاتے ہیں❹ ورنہ محض تعزیت اور اہل میت کو تسلی وتشفی دینا، یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

(اہتمام کے ساتھ) تعزیتی اور ماتمی اجتماعات، ان سے علمائے اہل سنت قدیم ہوں یا جدید، سب ہی نے منع کیا ہے اور ان کو بدعت کہا ہے۔ جو تفصیل چاہتا ہے اسے امام شافعی رحمہ اللہ کا قول دیکھنا چاہیے جس کا خلاصہ یہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب، حدیث: ۱۲۹٤ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب...... حدیث: ۲۸۵۔ صحیح مسلم میں لطم الخدود، کی جگہ ضرب الخدود ہے اور بخاری کی ایک روایت میں بھی ضرب الخدود ہے، حدیث: ۱۲۹۸.

❷ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما ینهی عن الحلق عند المصیبة، حدیث: ۱۲۹٦ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب، حدیث: ۲۸۷.

❸ یہ روایت صحیح مسلم میں مجھے نہیں ملی، البتہ سنن ابی داود، میں موجود ہے۔ دیکھیے سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی النوح، حدیث: ۳۱۲۸.

❹ یعنی میت والے گھر میں اکٹھے ہو کر بیٹھے رہنا، دور ونزدیک سے لوگوں کا اجتماع وراجتماع آنا یا بلانا، پھر آنے والوں کے لیے کھانے وغیرہ کا اہتمام اور اسے خیرات کا نام دینا جو ہمارے ہاں تیجے، ساتویں، دسویں، بیسویں یا چالیسویں وغیرہ کے نام سے معروف ہیں۔ (سعیدی)

ہے کہ:

''میت کی تعزیت و ماتم کی خاطر اجتماع کرنے کو میں مکروہ سمجھتا ہوں، کیونکہ اس سے اہل میت کے لیے ان کا غم غلط ہونے کے بجائے اور تازہ ہوتا ہے، بلکہ ان لوگوں پر مادی بوجھ بھی پڑتا ہے۔ حالانکہ اس بارے میں ایک اثر بھی وارد ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''ہم لوگ (صحابہ) اہل میت کے ہاں جمع ہونے اور بعد از دفن کھانے کا اہتمام کرنے کو نیاحہ (نوحہ) میں سے شمار کرتے تھے۔'' ❶

اور نوحہ کرنا حرام ہے۔ جمہور اہل اصول اور اہل حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ صحابی کا یہ کہنا کہ ''ہم شمار کرتے تھے، یا ہم کیا کرتے تھے، یا ہم سمجھا کرتے تھے'' وغیرہ الفاظ مرفوع حدیث کا حکم رکھتے ہیں، خواہ بیان کرنے والا اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی طرف نسبت کرے یا نہ کرے۔ جیسے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا عورتوں کی طہارت کے سلسلے میں یہ اثر ہے کہ:

''طہر شروع ہونے کے بعد ہم زرد پانی آنے کو یا میلے پانی کو کچھ نہ سمجھا کرتی تھیں۔'' ❷

جناب سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں اپنی دائیں کلائی کو بائیں کلائی کے اوپر رکھا کریں۔ ❸

الغرض ماتمی اجتماعات حرام ہیں۔ اور اہل میت کو کیا کرنا چاہیے؟ اہل علم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنے کاروبار زندگی اور مشاغل میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ اور انہیں تعزیت کیسے پیش کی جائے؟ اس سلسلے میں سنت یہ ہے جیسے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوۂ موتہ میں ان کے والد جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، انہیں ایک ایسی خبر آئی ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے۔'' ❹

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى النهى عن الاجتماع الى اهل الميت، حديث: ١٦١٢ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٢٠٤، حديث: ٦٩٠٥.

❷ صحيح بخارى، كتاب الحيض، باب الصفرة والكدره فى غير ايام الحيض، حديث: ٣٢٦ وسنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب فى المرأة ترى الصفرة والكدرة بعد الطهر، حديث: ٣٠٧ وسنن النسائى، كتاب الحيض، باب الصفرة والكدرة، حديث: ٣٦٨.

❸ صحيح بخارى، كتاب الاذان، باب وضع التمنى على اليسرى فى الصلاة، حديث: ٧٤٠ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ٣٣٦، حديث: ٢٢٩٠٠.

❹ سنن ابى داود، كتاب الجنائز، باب صفة الطعام لاهل الميت، حديث: ٣١٣٢ وسنن الترمذى، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى الطعام يصنع لاهل الميت، حديث: ٩٩٨ وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى الطعام يبعث الى اهل الميت، حديث: ١٦١٠.

تو سنت اسی قدر ہے جو مٹتی جا رہی ہے، اور جب بھی لوگ کوئی بدعت ایجاد کرتے ہیں تو اس کے بدلے میں ان سے کوئی نہ کوئی سنت اٹھا لی جاتی ہے۔ یہ تعزیتی و ماتمی اجتماعات بقول امام شافعی رحمہ اللہ بدعت میں شمار ہیں۔ اور امام نووی رحمہ اللہ "المجموع" میں فرماتے ہیں" اس سے باز رہیے، یہ (خیر القرون) کا قدیم کا عمل نہیں ہے، یعنی نیا اور بدعت کا ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میت عورت کی چار پائی پر آہنی جنگلہ سا رکھنا کہ اس کی جسامت چھپی رہے، کیسا ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں عورت کی میت کے لیے زیادہ پردہ ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مردوں، عورتوں یا بچوں کا جنازہ پڑھاتے ہوئے امام کو کس طرح کھڑا ہونا چاہیے؟

جواب: مرد کے جنازے کے لیے امام کو اس کے سر کے سامنے اور عورت کے لیے اس کی کمر کے مقابل کھڑا ہونا چاہیے، میت خواہ بڑی ہو یا چھوٹی، اور یہی حکم بچے اور بچی کا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میت کا جنازہ پڑھاتے وقت میت کے نام کا اعلان کرنا کیسا ہے، وہ مرد ہو یا عورت جبکہ مجمع زیادہ ہو؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاکہ لوگ دعا میں مرد کے لیے مذکر صیغے اور عورت کے لیے مونث صیغے پڑھ سکیں۔ اگر یہ اعلان نہ بھی کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جنازہ پڑھنے والوں کو حاضر میت کی نیت سے دعا پڑھنی چاہیے، اور ان کی نماز بالکل صحیح ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کوئی عورت اپنے نفاس کی حالت میں فوت ہوگئی ہو، اور بچہ بھی فوت ہوگیا ہو تو نماز جنازہ میں انہیں کس ترتیب سے رکھا جائے؟

جواب: اگر کوئی عورت بحالت نفاس فوت ہوگئی ہو اور بچہ بھی اس کے ساتھ ہو اور نماز جنازہ کے لیے انہیں لایا جائے، تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر وہ بچہ لڑکا ہو تو امام کی طرف اس لڑکے کو رکھا جائے گا، اور اگر وہ لڑکی ہو تو اس کی ماں امام کی طرف رکھی جائے گی۔ کیونکہ ماں اس سے بڑی ہے، اور بڑے کی فضیلت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر (ایک چھوٹے سے فرمایا تھا) 'کبر کبر' "بڑے کو بات کرنے دے، بڑے کو بات کرنے دے۔"[1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا مرد عورت کے کفن کا ذمہ دار ہے؟

جواب: راجح قول یہی ہے کہ مرد اپنی بیوی کے کفن کا ذمہ دار ہے، جبکہ وہ صاحب وسعت ہو۔

(محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح بخاری، ابواب الجزیة والموادعة، باب الموادعه والمصالحة، حدیث: ٣٠٠٢ وصحیح مسلم، کتاب القسامة والمحاربین، باب القسامة، حدیث: ١٦٦٩ وسنن ابی داود، کتاب الدیات، باب القتل بالقسامه.

سوال: عورت کو قبر میں اتارنے کا فریضہ کون سرانجام دے؟

جواب: اگر عورت نے کسی کو وصیت کی ہو کہ فلاں میرے دفن کا اہتمام کرے، تو اس صورت میں ہم اس کی وصیت پر عمل کریں گے۔ اگر اس نے کسی کو وصیت نہ کی ہو تو اس کے اقارب یا محارم میں سے جو یہ کام اچھی طرح سے کرسکتا ہو، وہ اسے قبر میں اتارے۔ اگر اس کے اقارب ومحارم نہ ہوں، یا اچھی طرح سے یہ نہ کر سکتے ہوں، یا قبر میں اترنے سے گھبراتے ہوں تو کوئی بھی آدمی یہ کام کرسکتا ہے۔

اور یہ کوئی شرط نہیں کہ میت کو قبر میں اتارنے کے لیے اس کے محارم میں سے ہونا چاہیے۔ بلکہ کوئی بھی آدمی یہ کام کرسکتا ہے، خواہ وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی دختر (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ) کی وفات ہوگئی تو آپ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے، اور ان کے دفن کا موقعہ آیا، تو آپ نے فرمایا:

"تم میں سے کس نے آج رات اپنے اہل سے مقاربت نہیں کی ہے؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ قبر میں اتر جائیں۔" ❶

باوجودیکہ نبی ﷺ بحیثیت والد اور جناب عثمان رضی اللہ عنہ ان کے شوہر دونوں ہی حاضر اور موجود تھے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر میت عورت ہو تو دعائے جنازہ میں اس کے لیے صیغہ مذکر سے دعا پڑھی جائے: "اللهم اغفر له............" یا صیغہ مونث سے "اللهم اغفر لها......"؟

جواب: اس کے لیے دعا صیغہ تانیث کے ساتھ ہونی چاہیے، اور یوں کہا جائے ...... 'اللهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها ......' الخ اگر سامنے دو میتیں ہوں تو صیغہ تثنیہ سے کہا جائے گا ...... اللهم اغفر لهما ...... الخ اگر زیادہ میتیں ہوں تو ہم کہیں گے: ...... اللهم اغفر لهم ...... الخ اگر وہ سب عورتیں ہوں تو ہم کہیں گے ...... اللهم اغفر لهن ...... الخ اگر مرد اور عورتیں ہوں تو صیغہ مذکر کو ترجیح دی جائے گی اور کہیں گے ...... اللهم اغفر لهم ...... الخ۔ الغرض دعا میت یا اموات کے لحاظ سے ہو اور ضمیر بدل لی جائے۔ اور اس کی نظیر بعض وجوہ سے یہ حدیث ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسند احمد وغیرہ میں غم واندوہ کی دعا وارد ہے ...... اس میں ہے کہ 'اللهم انی عبدك ابن عبدك ابن امتك ......' ❷ تو اس میں عورت یوں کہے گی اللهم انی امتك بنت عبدك، بنت امتك ...... الخ

(محمد بن صالح عثیمین)

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی یعذب المیت ببکاء اهله علیه، حدیث: ۱۲۲۵ وایضا باب من یدخل قبره المرأة، السنن الکبری للبیهقی: ٤/ ٥٣، حدیث: ٦٨٣٨.

❷ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٣٩١، حدیث: ٣٧١٢ ضعیف۔ صحیح ابن حبان: ٣/ ٢٥٣، حدیث: ٩٧٢ اسناده صحیح.

سوال: اگر جنازہ پڑھنے والے کو معلوم نہ ہو کہ میرے سامنے میت مرد ہے یا عورت، تو کیا وہ دعا میں مذکر کے صیغے پڑھے یا مونث کے؟

جواب: مقصد کے اعتبار سے دونوں ہی جائز ہیں یعنی اگر اللھم اغفر له کہے گا تو مراد ہوگا ...... یہ شخص یا یہ میت ......اور اگر اللھم اغفر لھا کہے گا......تو مراد ہوگا یہ جنازہ۔ الغرض دونوں ہی جائز ہیں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا دعائے جنازہ جو بڑوں کے لیے پڑھی جاتی ہے، بچے کے لیے بھی پڑھی جاسکتی ہے؟

جواب: نہیں، بچے کے لیے یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ اس قدر ضرور آیا ہے کہ بچے کا جنازہ پڑھا جائے، اس کے لیے دعا کی جائے یا اس کے ماں باپ کے لیے دعا کی جائے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سوار آدمی جنازے کے پیچھے چلے، اور پیدل جہاں چاہے، پیچھے، آگے، دائیں بائیں میت کے قریب ہو، اور چھوٹا بچہ، اس کا جنازہ پڑھا جائے اور اس کے ماں باپ کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے۔''[1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میت کو قبر میں کس طرح سے اتارا جائے؟

جواب: میت کو اٹھا کر قبر کی پائینتی کی طرف سے قبر میں اتارا جائے، پہلے اس کے پاؤں داخل کیے جائیں اور سر بعد میں۔ یہی طریقہ افضل ہے۔ ابو اسحاق کی روایت ہے کہ حارث رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ان کا جنازہ پڑھائیں، چنانچہ انہوں نے ہی پڑھایا اور پھر ان کی قبر کو پائینتی کی طرف سے لحد میں اتارا اور کہا: ''یہ سنت ہے۔''[2] بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں ایک جنازے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، چنانچہ انہوں نے میت کے متعلق کہا اور اسے قبر کی پائینتی کی طرف سے داخل کیا گیا۔[3] سند اس کی صحیح ہے، جیسے کہ احکام الجنائز البانی میں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب المشی امام الجنازة، حدیث: ٣١٨٠ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٢٤٧، حدیث: ١٨١٨٧.

[2] سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب کیف یدخل المیت قبرہ، حدیث: ٣٢١١۔ السنن الکبری للبیهقی: ٤/ ٥٤، حدیث: ٦٨٤٤.

[3] مسند احمد بن حنبل: ١/ ٤٢٩، حدیث: ٤٠٨١.
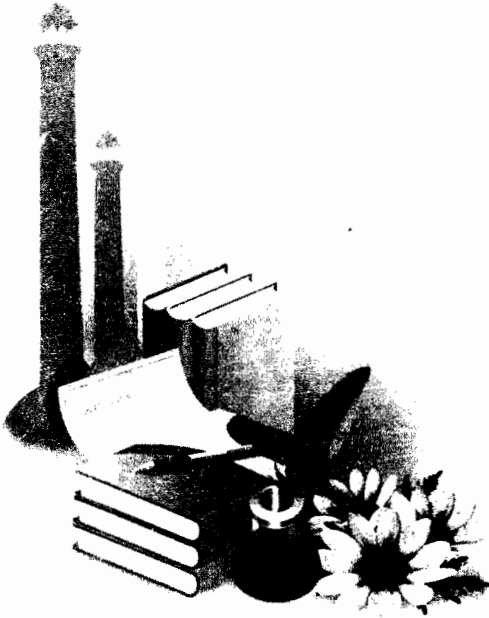
کتاب الزکاۃ

خواتین اور زکاۃ کے احکام ومسائل

سوال: کئی دکانوں کے پاس بالعموم کچھ عورتیں بیٹھی ہوتی ہیں جو بظاہر بہت ہی فقیر اور محتاج معلوم ہوتی ہیں، کیا انہیں زکاۃ دے دینا جائز ہے؟

جواب: آدمی کے لیے یہ بالکل جائز اور بجا ہے کہ وہ اپنی مال زکاۃ اور صدقہ فطر اس شخص کو دے دے جو اس کے غالب ظن کے مطابق زکاۃ کا مستحق ہو، خواہ بعد میں معلوم ہو جائے کہ یہ شخص زکاۃ کا مستحق نہ تھا، اس کی زکاۃ ان شاء اللہ مقبول ہوگی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''ایک آدمی اپنا صدقہ لے کر نکلا اور ایک آدمی کو دے دیا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک غنی اور مال دار کو صدقہ دیا گیا ہے، تو اس صدقہ دینے والے نے دوسری رات پھر صدقہ دیا، جو ایک چور کے ہاتھوں پر جا پڑا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس صدقہ دینے والے نے تیسری رات پھر صدقہ دیا جو ایک زانیہ اور فاحشہ کے ہاتھوں میں جا پڑا، تو صبح کو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات ایک فاحشہ اور زانیہ کو صدقہ دیا گیا ہے۔ تو اس آدمی سے کہا گیا: تیرا صدقہ مقبول ہے۔ وہ غنی اور مالدار جسے صدقہ ملا ہے شاید نصیحت پائے اور وہ بھی صدقہ کرنے لگے، اور چور شاید اسے یہ مال کافی ہو جائے اور چوری

سے باز آ جائے، اور فاحشہ بدکارہ بھی شاید نصیحت پائے اور بدکاری سے باز آ جائے۔" [1]

تو اس حدیث میں دلیل ہے کہ اگر آدمی اپنے ظن غالب کے مطابق جسے وہ زکاۃ کا مستحق سمجھتا ہو، اپنی زکاۃ دے دے تو یہ بالکل جائز ہے، خواہ بعد میں معلوم بھی ہو جائے کہ یہ جسے زکاۃ دی گئی ہے اس کا مستحق نہیں تھا اور یہ اس قاعدہ کی بنیاد پر ہے جو کہا جاتا ہے کہ "دین آسان ہے، اور اس میں آسانی ہے۔" چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جب آپ صدقہ فطر کے لیے کوئی چیز خریدیں اور ان لوگوں کو دے دیں جو ان دکانداروں کے اردگرد بیٹھے ہوتے ہیں اور طالب ہوتے ہیں کہ ان کو صدقہ دیا جائے، تو اس میں آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سونے چاندی اور زیورات کی زکاۃ

سوال: وہ زیورات جو عورت عام طور پر پہنے ہوتی ہے، کیا ان پر زکاۃ واجب ہے؟

جواب: سونے چاندی کے وہ زیورات جو عورت کے زیر استعمال ہوں، اور وہ اپنے وزن میں نصاب کو پہنچتے ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے، تو ان پر زکاۃ واجب ہے، اور علماء کے اقوال میں سے یہ قول ہی صحیح تر ہے۔

(مجلس افتاء)

سوال: بعض عورتیں سونا پہننے میں بہت اسراف کرتی ہیں، اگرچہ یہ ان کے لیے حلال ہے۔ اس سونے میں ان کے لیے زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب: فرامین رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں سونا اور ریشم عورتوں کے لیے حلال کیے گئے ہیں اور مردوں کے لیے حرام ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

((اهل الذهب والحرير لاناث أمتي وحرم على ذكورها.))

امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ زیورات میں زکاۃ کے مسئلہ میں کچھ علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ان میں زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ کچھ کا کہنا ہے کہ وہ زیورات جو عورت بالعموم استعمال کرتی ہے اور حسب ضرورت عاریہ بھی دے دیتی ہے، اس میں زکاۃ واجب نہیں ہے۔ جبکہ دوسرے کہتے ہیں کہ واجب ہے۔ اور یہ دوسرا قول ہی حق اور صحیح ہے، بشرطیکہ یہ زیورات نصاب کو پہنچتے ہوں اور ان پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے۔ عام دلائل کا تقاضا یہی ہے۔

نصاب:...... سونے کی زکاۃ کے لیے نصاب بیس مثقال یعنی بانوے (۹۲) گرام سونا ہے، اور چاندی کا

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب اذا تصدق على غنى وهو لا يعلم، حديث: ١٤٢١ وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب ثبوت اجر المتصدق وان وقعت الصدقة فى يد فاسق، حديث: ١٠٢٢.

نصاب ایک سو چالیس مثقال ہے۔ جب کسی خاتون کے زیورات گلو بند، چوڑیاں، کنگن وغیرہ بانوے گرام سونے کے وزن کے برابر ہوں تو اس میں زکاۃ واجب ہے، چالیسواں حصہ، ہر سال یعنی ایک ہزار سے پچیس۔ ❶

☆ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی اور اس کی بیٹی بھی ساتھ تھی اور بیٹی کے ہاتھ میں دو کنگن تھے۔ آپ نے اس عورت سے پوچھا: ''کیا ان کی زکاۃ دیا کرتی ہو؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تو کیا تجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ اللہ تجھے قیامت کے دن ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دے؟'' راوی حدیث جناب عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پھر اس عورت نے یہ کنگن اتار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیے اور کہنے لگی: یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ ❷

☆ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سونے کے کنگن پہنا کرتی تھیں، کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز (اور خزانہ) ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اس مقدار کو پہنچ جائے کہ تو اس میں سے زکاۃ دے، اور پھر دیتی رہے تو یہ کنز اور خزانہ نہیں ہیں۔'' ❸ [حاکم نے اسے صحیح کہا ہے]

☆ سنن ابی داود میں بسند صحیح ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے ہاتھوں میں چاندی کی چوڑیاں تھیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میں نے آپ کے لیے زینت کے لیے پہنی ہیں۔ آپ نے پوچھا: ''تو کیا ان کی زکاۃ دیتی ہو؟'' میں نے عرض کیا: نہیں، یا کچھ اور...... تو آپ نے فرمایا: ''تجھے آگ سے یہی کافی ہیں۔'' ❹ [بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

یہ حدیث دلیل ہے کہ جس زیور کی زکاۃ نہ دی جائے وہ کنز اور خزانہ شمار ہوتا ہے، جس پر اس کے مالک کو قیامت کے دن عذاب ہوگا۔ اللہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کچھ طلائی زیورات جو میں ایک مدت پہلے پہنا کرتی تھی، وہ میں نے چار ہزار ریال میں فروخت کر دیے

❶ سونے کا دینار ۴،۲۵ گرام کا بتایا جاتا ہے۔ اس طرح ۲۰ مثقال کے ۸۵ گرام بنتے ہیں۔ اور چاندی کا درہم ۲،۹۷۵ گرام کا کہا جاتا ہے۔ اس طرح اس کا نصاب ۵۹۵ گرام ہوگا۔ واللہ اعلم۔

❷ سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب الکنز ما ھو؟ و زکاۃ الحلی، حدیث: ۱۵۶۳۔ صحیح وسنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الحلی، حدیث: ۲۴۸۱ صحیح.

❸ سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب الکنز ما ھو؟ وزکاۃ الحلی، حدیث: ۱۵٦٤ حسن۔ السنن الکبری للبیھقی: ٤/ ۸۳ حدیث: ۷۰۲۵.

❹ سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب الکنز ما ھو؟ وزکاۃ الحلی، حدیث: ۱۵٦۵.

ہیں، مگر اس کی زکاۃ ادا نہیں کی میں آپ سے امید کرتی ہوں کہ مجھے وضاحت سے بتائیں گے کہ اس کی زکاۃ کیسے دوں؟

جواب: اگر آپ کو زکاۃ واجب ہونے کا علم اس زیور کو فروخت کرنے کے بعد ہوا ہے، تو آپ پر کچھ نہیں ہے۔ اگر آپ کو پہلے علم تھا تو اس رقم میں سے ایک سال کی زکاۃ پچیس ریال فی ہزار کے حساب سے ادا کر دیں، اور سابقہ سالوں کی زکاۃ بھی مارکیٹ میں ریٹ معلوم کر کے ادا کریں۔ اور یہی واجب ہے کہ جو سکہ بازار میں رائج اور معروف ہے، اس کے مطابق اپنی زکاۃ ادا کریں۔ اگر آپ کو زکاۃ کا یہ مسئلہ صرف آخری سال میں معلوم ہوا ہے تو پھر اسی آخری ایک سال کی زکاۃ ادا کر دیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایسے زیورات جو خالص سونے کے نہیں ہیں بلکہ نگینوں اور بعض قیمتی پتھروں سے مرقع ہیں، ان کی زکاۃ کیسے ہوگی؟ کیا ان نگینوں اور پتھروں کا سونے کے ساتھ وزن ہوگا، یا کیسے، کیونکہ سونے سے ان کو علیحدہ کرنا مشکل ہے؟

جواب: زکاۃ سونے ہی میں واجب ہے، اور قیمتی پتھر موتی، الماس وغیرہ ان میں زکاۃ نہیں ہے۔ اور جو زیورات گلو بند وغیرہ سونے اور جواہرات وغیرہ کے ملے جلے ہوں تو اس عورت کو یا اس کے اولیاء کو خوب غور سے دیکھ بھال کر سونے کا اندازہ لگانا چاہیے یا تجربہ کار سناروں کو دکھا کر اندازہ لگوا لینا چاہیے، تو جو مقدار غالب گمان کے مطابق ہو، وہی معتبر ہے۔ اگر وہ نصاب کو پہنچتی ہو تو زکاۃ دی جائے۔ اور سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی بانوے گرام ہے، اور ہر سال اس میں سے چالیسواں حصہ یعنی ہر ہزار میں سے پچیس ریال زکاۃ ادا کرنی چاہیے۔ اہل علم کے اقوال میں سے یہی قول صحیح تر ہے۔

اور اگر یہ زیور تجارت کے لیے ہو تو اس صورت میں اس میں جڑے قیمتی پتھروں کی قیمت بھی لگوائی جائے اور ان کی زکاۃ دی جائے جیسے کہ بقول جمہور علماء دیگر اموال تجارت کی زکاۃ دی جاتی ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک عورت کے پاس زیورات ہیں اور نصاب کو پہنچتے ہیں، سعودی ریالوں میں وہ اس کی زکاۃ کیسے ادا کرے اور کتنی ادا کرے؟

جواب: اس عورت پر لازم ہے کہ ہر سال ماہر سناروں سے اپنے زیورات کی قیمت لگوائے، یا اس میں مستعمل قیراط وغیرہ کا حساب لگوائے، اور بازار کی حاضر قیمت کے اعتبار سے اس کی زکاۃ ادا کرے۔ اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ وہ اس کی بوقت خرید کی قیمت معلوم کرے۔ بلکہ زکاۃ اسی پر ہوگی جو ادائیگی زکاۃ کے وقت حالیہ قیمت ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا زیورات کی زکاۃ ان کی قیمت خرید کے حساب ہوگی، یا ادائیگی زکاۃ کے وقت اس کے وزن اور قیمت

کے حساب سے؟

جواب: زیورات کی زکاۃ میں ان کی قیمت خرید کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ سال گزرنے کے بعد ان کی حالیہ موجودہ قیمت کے لحاظ سے زکاۃ ادا کی جاتی ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ بیوی اپنے زیورات کی زکاۃ اپنے شوہر کو دے دے۔ حالانکہ وہ ملازم ہے اور معقول تنخواہ لیتا ہے، مگر کافی مقروض بھی ہے؟

جواب: جائز ہے کہ بیوی اپنے زیورات یا دیگر اموال کی زکاۃ اپنے شوہر کو دے دے بشرطیکہ وہ فقیر یا مقروض ہو اور ادائیگی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور عمومی دلائل سے یہی ثابت ہے۔ مثلاً اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبة: ۹/ ۶۰)

''صدقات یعنی زکاۃ وخیرات مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان زکاۃ کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے، اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں، اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے۔ یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔''

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ میرا شوہر میری طرف سے میرے مال کی زکاۃ ادا کر دے، جبکہ یہ مال اسی نے مجھے دیا ہے؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ میں اپنے بھانجے کو زکاۃ دوں؟ میری بہن کا شوہر فوت ہو چکا ہے، اور اس کا یہ بیٹا بھرپور جوان ہے اور اپنی شادی کی فکر میں ہے...... برائے مہربانی اس میں میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اگر آپ کے پاس بمقدار نصاب سونا چاندی یا کوئی اور مال زکاۃ موجود ہے تو زکاۃ ادا کرنا آپ پر واجب ہے۔ لیکن اگر شوہر پر آپ کی طرف سے آپ کی اجازت سے یا والد یا بھائی وغیرہ ادا کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ آپ اپنے بھانجے کی مال زکاۃ سے اس کی شادی وغیرہ میں مدد کر دیں بشرطیکہ وہ اس کے اخراجات برداشت کرنے سے عاجز ہو۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا کسی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ماں کو زکاۃ دے؟

جواب: مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی زکاۃ اپنے ماں باپ یا اپنی اولاد کو دے سکے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالص مال میں سے ان پر خرچ کرے جب وہ اس کے ضرورت مند ہوں، اور یہ خرچ دینے

کی استطاعت بھی رکھتا ہو۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنی بیٹی کو زکاۃ دے دوں جبکہ وہ اس کی محتاج ہے؟

جواب: زکاۃ کے بارے میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس میں زکاۃ کا مستحق ہونے کا وصف پایا جاتا ہو اسے زکاۃ دینا جائز ہے [اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ یہ افراد اس کے اصول (ماں باپ) یا فروع (اولاد) نہ ہوں]۔ تو اس بنیاد پر آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی زکاۃ اپنی بیٹی یا اس کی اولاد کو دے سکے۔ اس بارے میں افضل اور احتیاط یہی ہے کہ وہ یہ زکاۃ بیٹی کے شوہر کے حوالے کرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کا سوال ہے کہ میرے والد کی آمدنی میں حلال وحرام ملا جلا ہے تاہم حلال غالب اور حرام قلیل ہے، تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ اپنے لیے کوئی ملازمت ڈھونڈ لوں۔ اور عنقریب میری شادی ہونے والی ہے تو کیا میں اپنے والد کے مال میں سے اپنے جہیز کے لیے کچھ لے سکتی ہوں؟

جواب: اگر آپ کے والد کی آمدنی ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ نے بیان کیا کہ اس میں حلال وحرام ملے ہوئے ہیں مگر حلال غالب اور حرام قلیل ہے، تو جمہور علماء کے قول کے مطابق آپ کو اس میں سے لے لینا جائز ہے، بشرطیکہ اس نیت سے لیں کہ حلال میں سے لے رہی ہیں، اور اپنے جہیز کے لیے لینا بھی آپ کو جائز ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک آدمی کی بہن ایک تنگدست آدمی سے بیاہی گئی ہے، تو کیا اس بہن کو اپنے بھائیوں سے زکاۃ لے لینا جائز ہے؟

جواب: بیوی کا خرچ اصل میں اس کے شوہر کے ذمے ہے۔ اگر شوہر فقیر اور تنگدست ہو، تو اس بیوی کے بھائیوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی اس بہن کو زکاۃ دے دیں تاکہ وہ اپنی ذات، اپنے تنگدست شوہر اور اس کی اولاد پر خرچ کر سکے۔ بلکہ یہ بیوی اگر اس کے پاس کوئی ایسا مال ہو جس پر زکاۃ واجب ہوتی ہو، تو یہ اپنے مال کی زکاۃ اپنے شوہر کو دے سکتی ہے تاکہ وہ اپنے عیال پر خرچ کر سکے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے شوہر کو بتائے بغیر اپنے ذاتی خاص مال میں سے کسی فوت شدہ عزیز کی طرف سے صدقہ دے؟ اگر وہ یہ صدقہ شوہر کے مال میں سے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ذاتی مال میں سے اللہ کی رضا کے لیے اپنے کسی فوت شدہ عزیز کی طرف سے صدقہ کر سکتی ہے۔ چونکہ یہ اپنے ذاتی مال میں سے خرچ کر رہی ہے اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ایسا کرتی ہے تو یہ بالکل بجا اور جائز ہے، اور اسے یہ حق حاصل ہے، اور صدقہ ایک نیک عمل ہے، اگر اللہ تعالیٰ قبول فرما لے تو میت وغیرہ کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے، اور شوہر کے مال میں سے بھی ایسا صدقہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسے اپنے شوہر کی طبیعت اور مزاج کا علم ہو کہ وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ لیکن اگر شوہر کو اس پر

اعتراض ہو تو اس کے مال میں سے صدقہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مجلس افتاء)

سوال: اس بارے میں کیا حکم ہے کہ بیوی اپنے گھر کے اخراجات میں سے کچھ چھپا لے یا بچا لے (پس انداز کر لے) اور اپنی ذات پر یا گھر کی دوسری ضروریات پر خرچ کر دے جبکہ شوہر کو اس کا علم نہ ہو؟ اور اگر وہ اس کے مال میں سے کچھ اپنے خاندان کو دے دیتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیوی اپنے گھر کے اخراجات میں سے کچھ چھپا کر اپنے خویش و اقارب کو دے تو اگر دی گئی چیز یا مال معمولی ہو، جس کے متعلق عموماً درگزر کیا جاتا ہے، یا وہ سمجھتی ہو کہ شوہر کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا تو اس کی اجازت ہے۔ اور اگر وہ اپنی ذات کے لیے لیتی ہے اور شوہر بخیل ہو کہ وہ اسے اس مقصد کے لیے لازمی اخراجات نہ دیتا ہو، جبکہ وہ یہ دینے کا پابند ہے، تو بیوی کو اجازت ہے کہ وہ اسے بتائے بغیر مناسب حد تک لے سکتی ہے تاکہ اپنی ذات پر خرچ کر سکے، جیسا کہ صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ نے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! میرا شوہر ابوسفیان بخیل آدمی ہے، مجھے وہ اس قدر نہیں دیتا ہے جو مجھے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، سوائے اس کے جو میں اس کو بتائے بغیر لے لوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اس قدر لے لیا کرو جو معروف (مناسب) انداز میں تجھے اور تیرے بچوں کے لیے کافی ہو۔'' [1]

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک آدمی کی کئی قرابت دار خواتین جو شادی شدہ ہیں مثلاً چچا زاد، ماموں زاد، یا خالہ زاد وغیرہ اور ان کے شوہر صاحب وسعت نہیں ہیں، حتیٰ کہ ان عورتوں کی بعض خاص ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتی ہیں، تو کیا انہیں زکاۃ دینا جائز ہے؟

جواب: یہ بات واضح ہے کہ زکاۃ کے مستحق فقراء اور مسکین لوگ ہوتے ہیں۔ اور یہ عورتیں جن کے متعلق سوال کیا گیا ہے، ضروری ہے کہ ان کے حالات جانے جائیں۔ اگر ان عورتوں کی خاص ضرورتوں سے مراد ان کا کھانا پینا اور لباس ہے اور ان کے شوہر یہ لازمی اخراجات نہیں دے سکتے ہیں تو بلاشبہ انہیں زکاۃ دی جا سکتی ہے۔ اور اگر لازمی اخراجات سے مراد زیورات حاصل کرنا ہے، تو اس مقصد کے لیے انہیں زکاۃ نہیں دی جا سکتی۔

(مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت کا حق مہر تین ہزار ریال ایک مدت تک اسے نہیں دیا گیا، اور اب وہ کہتی ہے کہ اگر میں اس سب مدت کی زکاۃ دوں تو یہ مال بہت جلد ختم ہو جائے گا...... تو اس صورت میں وہ کیا کرے؟

جواب: اگر شوہر فقیر اور تنگ دست ہو تو اس صورت میں بیوی پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ شوہر کے ذمے حق

---

[1] صحيح بخاري، كتاب النفقات، باب اذا لم ينفق الرجل فللمرأة ان تاخذ......، حديث ٥٣٦٤ (دارالسلام) وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب قضية هند، حديث: ١٧١٤ (بيروت).

مہر کی زکاۃ ادا کرے۔ اور یہی حکم قرض کا ہے۔ یعنی جو کسی فقیر اور تنگدست کے ذمے ہو تو قرض خواہ پر اس کی زکاۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ قرض خواہ اس مقروض سے اپنا قرضہ واپس لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا ہے، اور فقیر کا حق واجب ہے کہ اسے مہلت دی جائے، اور ان حالات میں اس سے مطالبہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس مقصد کے لیے اسے قید کرنا جائز ہے، بلکہ واجب ہے کہ جب قرض خواہ کو معلوم ہو کہ اس کا مقروض فقیر اور محتاج ہے تو اس سے درگزر کرے اور ادائیگی کا مطالبہ نہ کرے، اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ اس صورت میں مقروض کو قید کیا جائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہمارے ہاں گھر میں ایک نوکرانی ہے، کیا اس کے ذمے ہے کہ وہ صدقہ فطر ادا کرے؟

جواب: گھر میں کام کرنے والی خادمہ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنا صدقہ فطر دے، کیونکہ وہ مسلمانوں میں سے ہے، لیکن کیا اس کا یہ صدقہ خود اس کے ذمے ہے یا اس کے گھر والوں کے ذمے، جن کے ہاں وہ کام کرتی ہے تو اصل یہ ہے کہ یہ صدقہ خود اس کے اپنے ذمے ہے، لیکن اگر گھر والے اس کی طرف سے ادا کر دیں تو کوئی حرج نہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ماں باپ نے کچھ سونا بصورت زیورات اپنی بیٹیوں کے تصرف میں دیا ہوا ہے، کیا ان کا سونا ماں کے زیور کے ساتھ ملا کر اس سب کی زکاۃ ادا کی جائے یا ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ ہوگی؟

جواب: اگر کسی عورت کے پاس زیورات ہوں جو نصاب کو پہنچتے ہوں تو اس پر فرض ہے کہ اس کی زکاۃ ادا کرے، اور بیٹیوں کو جو کچھ سونا دیا ہو جو نصاب کو نہیں پہنچتا، تو ہم اس کو اس کے ساتھ جمع نہیں کریں گے، کہ اس سب کی زکاۃ دیں، بلکہ ہر بیٹی کی ملکیت مستقل ہے، اسے کسی دوسرے کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔ [1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا ہم اپنی زکاۃ افغان مجاہدین کو دے سکتے ہیں؟

جواب: ہاں، جائز ہے کہ جس کے پاس زکاۃ کا مال ہو سونے، چاندی یا تجارتی اموال وغیرہ سے، وہ اسے ان افغان مجاہدین کو دے سکتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ ان معروف مدوں میں

[1] راقم مترجم کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ اگر یہ بیٹی یا بیٹیاں غیر شادی شدہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں، اور ان کو دیے گئے سونے پر ماں باپ کو کامل تصرف ہو جیسے کہ ہمارے ہاں بالعموم ہوتا ہے مثلاً کوئی تبادلہ کرنا یا حسب ضرورت فروخت وغیرہ کرنا، تو اس صورت میں ماں اور بیٹیوں کا سونا جمع کیا جائے گا اور پھر اس مجموعے میں سے زکاۃ ادا کی جائے گی، جیسے کہ مشترکہ زیور والوں کے لیے قاعدہ ہے کہ..... 'ولا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع خشية الصدقة'..... لیکن اگر بیٹی اپنے گھربار والی ہو، جس کے سونے پر ماں باپ کو بالعموم تصرف نہیں ہوتا ہے تو اس صورت میں ان کی ملکیت علیحدہ اور مستقل ہوگی اور ہر کوئی اپنے زیر ملکیت کی زکاۃ کا پابند ہے۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب (عمر فاروق السعیدی)

سے ہے جن میں زکاۃ خرچ کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبة : ٩/ ٦٠)

''صدقات یعنی زکاۃ وخیرات مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان زکاۃ کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے، اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں، اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے۔ یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔''

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنی زکاۃ اپنے بہن بھائیوں کو دے دوں جو تنگ دست ہیں، جبکہ ان کی کفالت ہمارے والد صاحب کی وفات کے بعد ہماری والدہ محترمہ کرتی ہیں؟ اور کیا یہ بھی جائز ہے کہ میں اپنی زکاۃ اپنے ان بہن بھائیوں کو دے دوں جو ایسے تنگ دست نہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس کے ضرورت مند ضرور ہیں، ویسے میں اپنی زکاۃ بالعموم اجنبی لوگوں ہی کو دیا کرتا ہوں۔

جواب: اجانب کی بجائے اپنے عزیز واقارب کو زکاۃ دینا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ قرابت دار کو صدقہ دینا دوہرے اجر کا باعث ہے۔ یعنی ایک صدقے کا اور دوسرے صلہ رحمی کا، بشرطیکہ یہ عزیز ایسے اقارب نہ ہوں جن پر خرچ کرنا آپ پر واجب ہے [1] کہ آپ ان کو زکاۃ دے کر اپنا وہ خرچ بچانا چاہیں جو آپ پر شرعاً لازم ہے، تو اس صورت میں ان اقارب کو آپ کا زکاۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔

اور اگر یہ کیفیت ہو کہ یہ بہن بھائی جن کا آپ نے ذکر کیا ہے، فقیر اور محتاج ہیں، اور آپ کا مال ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے تو آپ کے لیے جائز ہے کہ اپنی زکاۃ بھی انہیں دے دیں۔ اور ایسے ہی اگر ان عزیزوں پر دوسرے لوگوں کے قرضے ہوں، اور آپ اپنی زکاۃ میں سے ان کے قرض ادا کر دیں تو جائز ہے۔ کیونکہ کسی قرابت دار کے ذمے کسی طرح واجب نہیں ہے کہ وہ اپنے قرابت دار کا قرض ادا کرے۔ اس لیے اگر آپ ان کا کوئی قرض اپنی زکاۃ سے ادا کر دیں تو یہ جائز ہوگا خواہ یہ قریبی آپ کا اپنا بیٹا یا والد ہی کیوں نہ ہو، اور اس نے کسی کا قرض دینا ہو اور یہ ادائیگی کی وسعت نہ رکھتا ہو، لیکن شرط وہی ہے جو اوپر ذکر ہوئی، کہ اس طرح سے آپ ان پر کیے جانے والے اپنے لازمی شرعی اخراجات کو بچانے والے نہ ہوں۔ اگر اس طرح سے آپ اپنی کوئی بچت کر رہے ہوں تو آپ کا اس کو اپنی زکاۃ دینا جائز نہ ہوگا تاکہ اس عمل کو اپنے قرابت داروں کی لازمی

[1] مثلاً ماں باپ، اولاد یا بیوی وغیرہ۔

کفالت سے روگردانی کا ذریعہ اور بہانہ نہ بنا لیا جائے، کہ وہ پہلے قرض لے لیں اور پھر یہ ان کے (اپنی زکاۃ) سے قرض ادا کرتا پھرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت نے ایک مرد سے بیس ہزار ریال حق مہر پر شادی کی، مگر شوہر نے حق مہر بیوی کے حوالے نہیں کیا، دس سال گزرنے کے بعد اب اس نے یہ مال دیا ہے، تو اب اس کی زکاۃ کیسے ادا ہو؟

جواب: اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ اس مال میں ہر سال زکاۃ واجب ہے، بشرطیکہ شوہر مالدار اور غنی ہو، کیونکہ یہ مال شوہر کے پاس موجود (اور امانت) کے حکم میں ہے۔ مگر اس کی ادائیگی تب ہی ہوگی جب یہ مبلغ اس کے ہاتھ میں آئے گا۔ اور اگر وہ ہر سال اپنے دوسرے مال کے ساتھ اس قرض کی زکاۃ بھی ادا کر دیا کرے تو جائز ہے۔ لیکن اگر شوہر ٹال مٹول کرنے والا یا تنگ دست ہو [اور ادا نہ کرتا ہو یا نہ کرسکتا ہو] تو پھر عورت کے ذمے اس کی کوئی زکاۃ نہیں ہے، خواہ دس سال بھی گزر جائیں، کیونکہ عورت اپنے اس مال سے عاجز ہے، اور پھر جب اسے وصول کرلے تو صرف اس آخری وصول والے سال کی زکاۃ ادا کرے گی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک آدمی شادی کرنا چاہتا ہے، اور اس کے پاس اخراجات اس قدر نہیں ہیں کہ وہ یہ فریضہ نبھا سکے، تو کیا ایسے آدمی زکاۃ کے مال سے مدد کرنی جائز ہے کہ وہ اپنی شادی کر سکے؟

جواب: اگر کوئی انسان اپنی فقیری اور تنگ دستی کے باعث شادی نہ کر پا رہا ہو، تو جائز ہے کہ مال زکاۃ سے اس کی مدد کی جائے، کیونکہ نکاح شادی انسان کی لازمی ضروری میں سے ہے کہ آدمی اس ذریعے سے عفیف اور پاک دامن ہوسکتا ہے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی تنگ دست کی مال زکاۃ سے شادی کرا دی جائے، یا شادی کے اخراجات میں مدد کر دی جائے، کیونکہ یہ ان ضرورت مندوں میں سے ہے جن کے متعلق قرآن کریم نے صراحت سے فرمایا ہے کہ ان کو زکاۃ دی جائے۔ (صالح بن فوزان)

جواب: کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم اپنی زکاۃ کچھ مستحقین کو دوسرے ملک میں بھیج دیں؟ کیونکہ میں یہاں مملکت عربیہ سعودیہ میں عارضی طور پر مقیم ہوں۔ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اللہ آپ کو برکت دے۔

جواب: اگر مصلحت راجح ہو کہ دوسرے ملک میں فقر و فاقہ بہت زیادہ ہو یا اپنے مسلمان عزیز و اقارب بہت زیادہ محتاج ہوں تو مال زکاۃ کو دوسرے ملک یا شہر میں منتقل کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ کام محض محبت بڑھانے اور اپنی تعلق داری مضبوط بنانے کے لیے کرنا جبکہ ان سے زیادہ مستحق لوگ آپ کے ارد گرد موجود ہوں، اور آپ انہیں جانتے بھی ہوں۔ اور آپ انہیں محروم کر دیں تو یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر ارد گرد کے لوگوں کے بارے میں مستحق زکاۃ ہونے میں شبہ ہو اور دوسرے ملک میں قرابت دار زیادہ مستحق ہوں، اور وہ اس لائق بھی ہوں کہ ان کا تعاون کیا جائے، اور وہ اس کے منتظر بھی رہتے ہوں تو ان کی طرف زکاۃ بھیج دینی زیادہ بہتر ہے، اور ایسے قرابت داروں پر صدقہ کرنا دگنا اجر کا باعث ہے، ایک صدقہ کا اور دوسرے صلہ رحمی کا۔ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین)

سوال: ایک شخص کو میں نے کچھ قرض دیا، مگر سال بھر ہونے کو آیا ہے کہ اس نے ادا نہیں کیا، تو کیا میں اس کی زکاۃ ادا کروں یا نہیں؟ یا انتظار کروں حتیٰ کہ وصول ہو جائے، اور پھر اسی کی زکاۃ ادا کروں؟

جواب: اگر یہ قرض کسی ایسے شخص کے پاس ہے جو غنی اور مال دار ہے اور آپ اس پوزیشن میں ہیں کہ جب چاہیں اس سے اپنا قرض واپس لے سکتے ہیں، تو اس میں ہر سال زکاۃ واجب ہے، کیونکہ یہ مال بمنزلہ امانت کے ہے اور آپ اپنا یہ مال اس کے پاس چھوڑے ہوئے ہیں تاکہ اس کو آسانی رہے، یا آپ کو اس کے وصول کرنے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ قرض کسی ایسے شخص کے پاس ہے جو تنگ دست ہے یا آدمی ٹال مٹول کرنے والا ہے یا وہ ایسے حالات میں نہیں کہ یہ قرض ادا کر سکے تو اس میں راجح یہی ہے کہ اس میں زکاۃ نہیں ہے، حتیٰ کہ آپ اسے وصول کر لیں، جب آپ وصول کر لیں تو اس آخری ایک سال کی زکاۃ ادا کر دیں، خواہ یہ مال ایسے آدمی کے پاس کئی سال رکا رہا ہو۔ واللہ اعلم۔ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین)

سوال: ہمارا ایک قریبی عزیز فقیر اور تنگ دست ہے، ہم اسے سالانہ زکاۃ دیتے ہیں۔ ہم نے ایک مدت پہلے اسے زکاۃ کے دنوں سے پہلے کچھ رقم دی، لیکن وہ اب تک اسے لوٹا نہیں سکا ہے، اور اس پر کئی سال گزر گئے ہیں اور ہم نے مطالبہ بھی کیا ہے، تو کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ یہ رقم اسے معاف کر دیں اور اسے اس زکاۃ میں سے شمار کر لیں جو ہم ان شاء اللہ اسے اس سال دیں گے؟

جواب: اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ مقروض کے ذمے قرض کی وصولی سے تاخیر یا مایوسی کی صورت میں اسے زکاۃ میں شمار کر لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ زکاۃ ایسا مال ہے جو فقراء و محتاجین کو ان کے فقر و احتیاج کے باعث دیا جاتا ہے۔ ہاں اگر اسے زکاۃ دی جائے اور پھر وہ وہی مال ان دینے والوں کو اپنے قرض کی ادائیگی میں لوٹا دے تو جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی محبت بڑھانے وغیرہ کا عنصر شامل نہ ہو۔ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین)

سوال: کیا تجارتی مال کی زکاۃ میں وہی مال بطور زکاۃ دیا جائے، یا اس مال کی قیمت لگا کر نقدی کی صورت میں ادا کی جائے؟

جواب: اس مسئلہ میں اہل علم میں کچھ اختلاف ہے۔ حنبلی اور بہت سے دوسرے علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قیمت کی صورت میں زکاۃ ادا کرنا جائز ہے۔ یعنی سارے مال کی قیمت لگائی جائے پھر اسی کے حساب سے نقد زکاۃ ادا کی جائے۔ جبکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ اسی مال تجارت میں زکاۃ ادا کرنا جائز ہے۔ مگر معمول پہلی بات ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ (عبداللہ بن حمید)

سوال: مال مستفاد کی زکاۃ کیسے ادا کی جائے؟ مثلاً ماہانہ ملنے والی تنخواہیں، دوران سال حال میں ہونے والے منافع اور عطیات وغیرہ۔ کیا انہیں باقی مال کے ساتھ ملا کر سال کے آخر میں ایک ہی بار زکاۃ ادا کی جائے یا جب یہ حاصل ہوں اور نصاب کو پہنچتے ہوں تو زکاۃ دی جائے، یا باقی مال کے ساتھ ملایا جائے خواہ سال کی مدت

پوری نہ بھی ہو؟

جواب: اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں، مگر ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ آدمی کو جب بھی کوئی ایسا مال حاصل ہو تو اسے پہلے موجود مال کے نصاب کے ساتھ شامل کر لیا جائے، تو جب نصاب کا سال پورا ہونے پر آئے تو اس سب مال کی زکاۃ ادا کر دی جائے، دوران سال میں شامل ہونے والے مال کے لیے سال کا پورا ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس کے برخلاف کیا جائے تو اس میں بڑی دقت پیش آتی ہے، اور اسلام کا قاعدہ ہے کہ:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج : ۲۲/ ۷۸)

''اللہ نے تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی۔''

ورنہ آدمی کے ذمے ہوگا، بالخصوص جب وہ مال دار اور تاجر ہو، کہ ہر روز یہ تفصیل لکھے کہ فلاں فلاں مال اس اس مقدار سے حاصل ہوا ہے۔ اور پھر زکاۃ کی ادائیگی کے لیے بھی اسے حساب رکھنا پڑے گا کہ اس مال پر سال پورا ہو گیا ہے اور اس پر نہیں ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں بے پناہ مشقت اور پریشانی ہو گی۔

(محمد ناصر الدین البانی)

6

کتاب الصوم

خواتین اور روزوں کے احکام ومسائل

روزہ واجب ہونے کی شرطیں
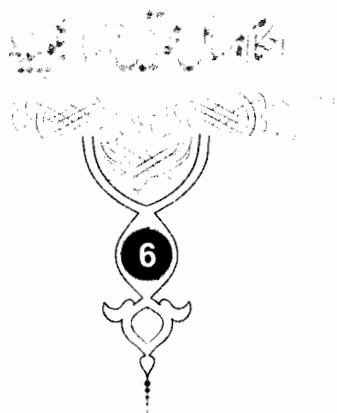
سوال: میں اپنی عمر کے چودھویں سال میں تھی کہ مجھے ایام مخصوصہ شروع ہوئے۔ چونکہ مجھے اور میرے گھر والوں کو ان مسائل کا اچھی طرح علم نہ تھا، اس لیے میں نے اس سال روزے نہیں رکھے بلکہ اگلے سال رکھے، اور اب میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ لڑکی کو جب ماہانہ ایام شروع ہوجائیں تو اسے روزے رکھنے واجب ہوجاتے ہیں، خواہ وہ بلوغت کی عمر کو نہ پہنچی ہو۔ براہ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: اس دوشیزہ نے جو اپنے متعلق بتایا ہے کہ اسے ماہانہ ایام چودھویں سال شروع ہوئے اور اسے علم نہیں تھا کہ اس طرح ایک بچی بالغ ہوجاتی ہے، تو اس صورت میں اسے اس سال کے روزے چھوڑنے کا گناہ نہیں ہے، کیونکہ یہ جاہل تھی، اور جاہل اور ناواقف پر گناہ نہیں ہے، لیکن اب جب اسے اس مسئلہ کا علم ہوگیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ ان چھوڑے گئے روزوں کی قضا دے اور اپنی اولین فرصت میں یہ روزے رکھے کیونکہ بچی جب بالغ ہوجائے تو اس پر روزے فرض ہوجاتے ہیں، اور کسی لڑکی کا بالغ ہونا درج ذیل چار باتوں سے ثابت ہوتا ہے:

۱۔ اس کی عمر پندرہ سال ہوجائے۔ ۲۔ زیر ناف بال اُگ آئیں۔

۳۔ اسے انزال (منی) ہو۔ ۴۔ یا ماہانہ ایام (حیض) شروع ہو جائیں

ان میں سے کوئی صورت بھی ہو تو اس سے لڑکی بالغ ہو جاتی ہے، شرعی احکام کی پابند بنتی ہے اور عبادات اس پر فرض ہو جاتی ہیں جیسے کہ کسی بڑی عمر کی عورت پر واجب ہوتی ہیں۔ تو میں اس لڑکی سے کہوں گا جو حائضہ ہونے کے بعد روزے نہیں رکھ سکی کہ اب روزے رکھے اور اپنی پہلی فرصت میں رکھے تا کہ اس گناہ کا ازالہ ہو جائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک لڑکی پر روزے رکھنے کب فرض ہوتے ہیں؟

جواب: لڑکی جب شرعی ذمہ داریوں کی عمر کو پہنچ جائے (یعنی بالغ ہو جائے) تو اس پر روزے رکھنے فرض ہو جاتے ہیں۔ اور لڑکی کا بالغ ہونا، ان چیزوں سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ عمر پندرہ سال ہو جائے۔ ۲۔ زیر ناف سخت بال اُگ آئیں۔

۳۔ اسے انزال (منی) ہو۔ ۴۔ یا ماہانہ ایام (حیض) شروع ہو جائیں۔

۵۔ یا حمل ہو جائے۔

جب ان علامات میں سے کوئی ایک بھی ثابت ہو جائے تو اسے روزے رکھنے لازم ہوں گے، خواہ اس کی عمر دس سال ہی ہو۔ کیونکہ بہت سی لڑکیوں کو دسویں گیارھویں سال میں ماہانہ ایام شروع ہو جاتے ہیں، مگر اس کے گھر والے اسے چھوٹی عمر کی سمجھ رہے ہوتے ہیں، اور اسے روزوں کا پابند نہیں کرتے، اور یہ ایک بڑی غلطی ہے۔

الغرض لڑکی کو جب ایام آنے شروع ہو جائیں تو وہ بالغ ہوتی ہے اور شرعی ذمہ داریاں کی پابند ہو جاتی ہے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: میری ایک بیٹی جس کی عمر تیں سال ہے، اس کے بچے بھی ہیں، مگر وہ عقلی طور پر بیمار ہے، چودھویں سال سے اسے یہ عارضہ ہوا ہے۔ پہلے اسے یہ عارضہ کچھ وقت کے لیے ہوتا تھا اور پھر وہ ٹھیک ہو جاتی تھی، اور اب کی بار خلاف عادت ایسے ہوا ہے کہ تین ماہ ہونے کو آئے ہیں کہ وہ اس میں مبتلا ہے۔ نماز تو کیا، وہ وضو بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتی ہے، سوائے اس کے کہ کوئی اس کو بتلاتا رہے تو کچھ کر لیتی ہے۔ اب رمضان آیا ہے تو اس نے ایک روزہ رکھا اور وہ بھی کوئی ٹھیک طرح سے نہ تھا، پھر اس کے بعد اس نے کوئی روزہ نہیں رکھا۔ براہ مہربانی مجھے اس بارے میں رہنمائی فرمائیں کہ میرے ذمے کیا ہے اور اس پر کیا واجب ہے جبکہ میں اس کا ذمہ دار ہوں؟ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب: اس عورت کی جو حالت آپ نے بیان کی ہے اگر فی الواقع ایسی ہی ہے، تو اس پر کوئی نماز روزہ واجب نہیں ہے، نہ ابتداء فرض ہے اور نہ پھر اس کی کوئی قضا، جب تک کہ وہ اسی صورت حال سے دوچار رہے۔ اور آپ ولی امر پر بھی کچھ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ اس کی خدمت کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے، اور ہر شخص اپنے زیر سرپرستی لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔''❶

اور اگر وہ بعض اوقات میں اس مرض سے افاقہ میں ہو اور اپنے فہم و شعور میں ہو تو اس وقت کی نماز اس پر فرض ہو گی، اور اسی طرح رمضان کے ایام میں جب وہ صحیح سلامت اور باشعور ہو تو روزہ اس پر فرض ہو گا، جتنے دن وہ صحت مند رہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں جب تیرہ سال کی نوعمر لڑکی تھی تو میں نے رمضان کے روزے رکھے، ان میں سے چار دن بسبب ایام مخصوصہ افطار کیا، مگر میں نے حیا سے کسی کو بتایا نہیں اور ان دنوں کی قضا نہیں دی ہے، اور اب اس بات کو آٹھ سال ہونے کو آئے ہیں۔ اب میں اس بارے میں کیا کروں؟

جواب: آپ نے اس قدر طویل مدت تک قضا نہ دے کر بہت بڑی خطا کی ہے، اور ماہانہ ایام (حیض) ایسی چیز ہے جو اللہ عزوجل نے حوا کی بیٹیوں پر مقدر فرمایا ہوا ہے۔ انسان کو اپنے دین کے مسائل دریافت کرنے میں حیا کو رکاوٹ نہیں بنانا چاہیے۔ آپ پر واجب ہے کہ اولین فرصت میں اپنے ان چار دنوں کے قضا روزے رکھو، اور اس قضا کے ساتھ ساتھ ہر دن کے بدلے ایک یا...... مسکینوں کو کھانا بھی کھلاؤ، وہ طعام جو آپ کے علاقے میں عام اور معروف ہو، اس کی مقدار دو صاع ہونی چاہیے۔❷ (عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین)

سوال: ایک عورت دریافت کرتی ہے کہ میں اپنی عمر کے بارھویں سال میں رمضان سے پہلے بالغ ہو گئی تھی مگر باقاعدہ روزے چودھویں سال میں رکھنے شروع کیے۔ کیا مجھے ان گزشتہ سالوں کے روزے رکھنے ہوں گے؟

جواب: آپ پر واجب ہے کہ گذشتہ سالوں میں بالغ ہونے کے بعد جو رمضان کے روزے آپ نے چھوڑے ہیں، ان کی قضا دیں، خواہ اکٹھے رکھیں یا تھوڑے تھوڑے کر کے متفرق طور پر، اور اللہ سے استغفار کر دیں اور توبہ کریں کہ آپ نے رمضان میں بغیر کسی عذر شرعی کے ایک بڑی معصیت کا ارتکاب کیا اور روزے چھوڑ دیے، امید ہے اللہ تعالیٰ بخش دے گا، اور اس نے فرمایا ہے:

﴿...... وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور: ٢٤/ ٣١)

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو، اے ایمان والو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الجمعة، باب الجمعة فی القرى والمدن، حديث: ٨٥٣ وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الامام العادل، حديث: ١٨٢٩ وسنن أبی داود، كتاب الخراج والفیء والامارة، باب ما يلزم الامام من حق الرعية، حديث: ٢٩٢٨.

❷ محسوس ایسے ہوتا ہے کہ شیخ صاحب ﷾ نے اس سوال کے جواب میں روزوں کی قضا کے ساتھ جو فدیہ کہا ہے وہ سابقہ مدت تک غفلت کے ازالہ کے لیے ہے یا شاید ائمہ حنابلہ کا مذہب ہے کہ اگر ایک سال سے تاخیر ہو جائے تو قضا کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی دے۔ واللہ اعلم۔ ورنہ اصل قضا دینا یہ ہے، جیسے کہ آگے ایک فتویٰ میں شیخ ابن عثیمین ؒ نے ائمہ احناف کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے صرف قضاء دینا فرمایا ہے۔ (سعیدی)

اور فرمایا:

﴿وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی﴾ (طه:۲۰/ ۸۲)

''اور میں بخشنے والا ہوں اس بندے کو جو توبہ کرلے، ایمان لائے، نیک عمل کرے اور سیدھی راہ اختیار کرے۔'' (مجلس افتاء)

وہ عذر جن کی بنا پر روزہ چھوڑا جا سکتا ہے

سوال: اگر کوئی عورت طلوع فجر کے بعد فوراً پاک ہوجائے، تو کیا اسے اس دن کا روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ اور پھر وہ اس کی قضا دے؟

جواب: اگر کوئی عورت طلوع فجر کے بعد پاک ہوتی ہے، تو اس کے لیے اس دن کے روزے کے بارے میں دو قول ہیں:

پہلا یہ ہے کہ اسے اپنا باقی دن روزے سے رہنا چاہیے، مگر وہ اسے روزہ شمار نہ کرے، اور اس کے ذمے ہوگا کہ اس دن کی قضا دے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق یہی قول مشہور ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اسے باقی دن کا روزہ رکھنا کوئی لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ اپنے اس دن کی ابتدا میں حائضہ تھی، اسے اس وقت روزہ رکھنا جائز نہ تھا، لہٰذا باقی دن میں اسے روزہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور یہ وقت بھی اس کے لیے غیر محرم ہے، یہ اس بات کی پابند تھی کہ دن کی ابتدا میں روزہ نہ رکھے، بلکہ اس پر روزہ رکھنا حرام تھا۔ اور شرعی روزہ یہی ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ آدمی عبادت کی نیت سے طلوع فجر سے لے کر غروب تک روزے کے منافی چیزوں سے دور رہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ پہلے قول کے مقابلے میں یہی قول راجح ہے، اور بقیہ دن میں روزہ رکھنا اس پر کوئی لازم نہیں ہے۔ البتہ دونوں اقوال کی روشنی میں اس دن کی قضا اس پر لازم ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت نے روزہ رکھا اور مغرب کی اذان سے ذرا پہلے اسے ماہانہ ایام شروع ہوگئے، تو کیا اس سے اس کا روزہ باطل ہوگیا؟

جواب: اگر اسے یہ کیفیت سورج غروب ہونے سے پہلے شروع ہوئی ہے تو اس کا روزہ باطل ہوگیا، اسے اس کی قضا دینی ہوگی، اور اگر سورج غروب ہونے کے بعد ہوئی ہو (خواہ اذان نہ بھی ہوئی ہو) تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، اور اسے کوئی قضا نہیں دینی ہوگی۔ (مجلس افتاء)

سوال: میری والدہ کی عمر ساٹھ سال ہونے کو ہے، اور جب سے ان کی میرے والد سے شادی ہوئی ہے انھوں نے اپنے ایام مخصوصہ کے روزوں کی قضا نہیں دی ہے، بلکہ میرے والد انھیں یہ کہتے رہے ہیں کہ چونکہ تو ماں

ہے اور تیرے بچے ہیں لہٰذا تو ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کر۔ اور اس طرح سے جو مدت گزری ہے وہ بیس سال ہے اور ہر رمضان کے تقریباً سات روزے فوت ہوئے ہیں۔ اب ان کے ذمے کیا ہے؟ کیا ان فوت شدہ روزوں کی قضا دیں یا صدقہ ہی کافی ہے، اور اس کی مقدار کیا ہو؟

جواب: آپ کی والدہ کے ذمے ہے کہ جتنے رمضان کے مہینوں کے جتنے روزے ایام مخصوصہ کے مطابق فوت ہوئے ہیں وہ یہ روزے رکھے، اور قضا کے ساتھ ہر دن کے بدلے ایک ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائے، جس کی مقدار ہر روزے کے حساب سے آدھا صاع ہو (یعنی سوا کلو)، اور یہ طعام قضا کی تاخیر کا کفارہ ہے۔ اور اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے حالات کے تحت یہ روزے متواتر رکھے یا متفرق، دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اور آپ کے والد نے جو بغیر علم کے فتویٰ دیا ہے، انھوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ (صالح فوزان)

سوال: اگر کسی عورت کو روزے کے دن غروب سے پہلے ایسے محسوس ہو کہ ماہانہ ایام کا خون آنے لگا ہے، مگر ظاہر نہ ہو، یا ویسے ہی درد ہو، تو اس کے اس دن کا روزہ صحیح ہوگا یا اسے اس کی قضا دینی ہوگی؟

جواب: جب کوئی عورت اپنے طہر کے ایام میں ہو اور روزہ رکھے ہوئے ہو اور اسے محسوس ہو کہ جیسے ایام کا خون آنے لگا ہے، مگر فی الواقع مغرب کے بعد ہی جسم سے خارج ہو، یا درد محسوس کرے اور خون مغرب کے بعد خارج ہو، تو اس کا اس دن کا روزہ بالکل صحیح ہوگا، اور اسے اس کی قضا دینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اور نفلی روزہ ہونے کی صورت میں اس کا ثواب بھی ضائع نہیں ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری اہلیہ دو ماہ کے حمل سے ہے، رمضان کے ابتدا میں عشا کے بعد اسے خون کا ایک قطرہ لگ گیا اور پھر چند دنوں کے بعد مغرب سے پہلے ایک قطرہ لگ گیا، خون کا رنگ خوب گہرا تھا، مگر وہ اس کے باوجود روزے رکھتی رہی ہے؟

جواب: اگر کوئی خاتون حمل سے ہو اور اسے کوئی خون آجائے، اور اس طرح نہ ہو جو حمل سے پہلے آتا تھا، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ایک دو قطرے ہو یا اس سے زیادہ بھی۔ کیونکہ دوران حمل میں اگر اس طرح کا کوئی خون آجائے تو یہ فاسد خون ہوتا ہے۔ ہاں اگر حمل سے پہلے کی طرح عادت کا خون آئے تو یہ حیض ہوگا۔ اور اگر کبھی کبھار اس طرح کا کوئی خون آجائے تو عورت کو اپنی نماز روزہ ادا کرتے رہنا چاہیے، اور یہ بالکل صحیح ہوں گے، اور اس پر کوئی قضا وغیرہ نہیں ہوگی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا حیض اور نفاس والی عورتیں رمضان کے دن میں کھا پی سکتی ہیں؟

جواب: ہاں انہیں اجازت ہے کہ رمضان کے دن میں کھا پی سکتی ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ اگر گھر میں بچے وغیرہ ہوں تو ان سے پوشیدہ طور پر کھائیں، تاکہ ان کے لیے اس مسئلہ میں کوئی الجھن نہ ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کوئی حیض یا نفاس والی عورت فجر سے پہلے پاک ہو جائے اور غسل فجر کے بعد کرے، تو کیا اس کا روزہ

صحیح ہوگا؟

جواب: ہاں، اگر کوئی حیض یا نفاس عورت والی فجر سے پہلے پاک ہو جاتی ہے اور غسل فجر کے بعد کرتی ہے، تو اسے روزہ رکھنا ہوگا۔ اور یہ اس مرد کے مشابہ ہے جسے فجر کے وقت جنابت لاحق ہو، تو اس کا روزہ رکھنا بالکل درست ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۸۷)

''(اب تمہیں اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو اور وہ چیز طلب کرو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے (یعنی اولاد)، اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری، رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔''

جب اللہ عزوجل نے میاں بیوی کو طلوع فجر تک صنفی تعلق کی اجازت دی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ غسل طلوع فجر کے بعد ہوگا۔ اور احادیث میں بھی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بعض اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح ہوتی جبکہ آپ اپنے اہل سے جنابت سے ہوتے اور آپ نے روزہ رکھا ہوا ہوتا، [1] یعنی آپ غسل جنابت طلوع فجر کے بعد ہی کرتے تھے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا مجھے اس حالت میں روزہ رکھنا جائز ہوگا جب کہ میں صبح کو اٹھوں اور جنابت سے ہوں؟

جواب: ہاں، بالکل صحیح ہے، اور اس کی دلیل کتاب اللہ سے یہ ہے:

﴿....فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ....﴾ (البقرة: ۲/ ۱۸۷)

''(اور اب تمہیں اختیار ہے کہ) اپنی بیویوں سے مباشرت کر سکتے ہو، اور طلب کرو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے (یعنی اولاد)، اور کھا پی سکتے ہو حتیٰ کہ صبح کی سفید دھاری، رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے، پھر رات کے لیے روزہ پورا کرو......''

یعنی رات کے وقت میں صبح کی سفید دھاری نمایاں ہونے تک یہ اعمال کیے جا سکتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی صبح کے ابتدائی لمحات میں یقیناً جنبی ہی ہوگا۔

اور صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (بعض اوقات) نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح فجر کے وقت میں اٹھتے تو

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم، حديث: ۱۹۳۰ وصحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلوع عليه الفجر وهو جنب، حديث: ۱۱۰۹.

مباشرت کی وجہ سے جنابت سے ہوتے، نہ یہ کہ آپ کو احتلام ہوا ہوتا، اور آپ رمضان کا روزہ رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ ❶ اور صحیح مسلم میں ایک اور حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا ''اے اللہ کے رسول! مجھے نماز کا وقت ہوجاتا ہے جب کہ میں جنابت سے ہوتا ہوں، کیا روزہ رکھوں؟'' آپ نے فرمایا: ''مجھے بھی نماز کا وقت ہوجاتا ہے اور جنابت سے ہوتا ہوں، اور روزہ رکھتا ہوں۔'' اس آدمی نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ ہماری طرح نہیں ہیں، آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ اللہ نے معاف کر دیے ہوئے ہیں۔'' تو آپ نے فرمایا: ''میں، اللہ کی قسم! تم سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا اور اللہ کے متعلق زیادہ جاننے والا ہوں۔'' ❷ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا حیض اور نفاس والی عورت روزہ رکھ سکتی ہے؟

جواب: حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے روزہ رکھنا حرام ہے، اس پر واجب ہے کہ دوسرے دنوں میں ان کی قضا دے، جیسے کہ صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، بیان کرتی ہیں کہ

''ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا، نماز کی قضا کا نہیں۔'' ❸

اور ان کا یہ بیان اس عورت کے سوال کے جواب میں تھا جب اس نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ روزوں کی قضا تو دیتی ہے، نمازوں کی نہیں؟ تو اس کے جواب میں سیدہ رضی اللہ عنہا نے واضح کیا کہ یہ امور توقیفی ہیں (یعنی شریعت کے بیان پر موقوف ہیں) جن میں اللہ اور رسول کے فرمان پر عمل ہوتا ہے۔ (صالح فوزان)

سوال: ایک عورت جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے، ولادت کے بعد پہلے تین مہینے اسے کوئی خون نہیں آیا، اس کے بعد رات کے وقت کچھ معمولی خون آیا، مگر دن کو نہیں آیا، اور دو رات ایسے ہوا اور عورت روزے رکھتی رہی، پھر خون آیا اور باقاعدہ ماہواری کا عمل شروع ہوگیا، تو کیا ان دو دنوں کے روزے جن کی راتوں میں خون آیا تھا صحیح ہیں؟

جواب: اگر معاملہ ایسے ہی ہو جیسے کہ خاتون نے بیان کیا ہے کہ خون صرف رات کو آیا ہے، تو ان دو دنوں کے روزے بالکل صحیح ہیں۔ رات کو خون آنے یا رک کر دوبارہ شروع ہونے کا ان دو دنوں کے روزوں پر کوئی اثر نہیں، یہ دونوں روزے بالکل صحیح ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت ولادت کے بعد ایک ہفتے ہی میں نفاس سے پاک ہوگئی اور اس نے عام مسلمانوں کے ساتھ

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم، حديث: ١٩٣٠ وصحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، حديث: ١١٠٩.

❷ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، حديث: ١١١٠

❸ صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، حديث: ٣٣٥.

روزے رکھنے شروع کر دیے مگر چند دنوں کے بعد اسے پھر خون شروع ہو گیا، تو کیا اسے اس حالت میں روزے چھوڑ دینے چاہییں؟ اور کیا گزشتہ دنوں کے روزے جو وہ رکھ چکی ہے ان کی قضا بھی اسے دینی ہوگی؟

جواب: اگر نفاس والی کوئی خاتون چالیس دنوں سے پہلے ہی پاک ہو جائے اور روزے رکھنے لگے، اور ان چالیس دنوں کے اندر خون پھر دوبارہ آنے لگے، تو جو روزے اس نے رکھ لیے ہیں وہ صحیح ہوں گے، اور دوبارہ خون جاری ہونے پر اسے نماز روزہ چھوڑ دینا لازم ہے، کیونکہ یہ خون نفاس کا ہے، حتیٰ کہ وہ کامل طور پر پاک ہو جائے یا چالیس دن پورے ہو جائیں۔ نفاس کے بارے میں علماء کا یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور جب چالیس دن پورے ہو جائیں تو اسے چاہیے کہ غسل کر کے پاک ہو جائے اور نماز روزہ شروع کر دے، خواہ خون آتا بھی رہے۔ یہ فاسد خون ہوتا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ اسے چاہیے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کیا کرے، حتیٰ کہ خون بالکل رک جائے۔ یہ مسئلہ اس طرح ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے استحاضہ والی عورت کو ارشاد فرمایا تھا۔ [1] اور چالیس دن پورے ہونے کے بعد (اگر خون جاری بھی رہے تو) شوہر کو جائز ہے کہ اس سے تمتع کرے۔ ہاں اگر یہ خون چالیس دن پورے ہونے کے بعد ان تاریخوں میں آیا ہو جن میں کہ اسے حیض آتا تھا، تو اسے حیض شمار کیا جائے گا اور اسے نماز روزہ ترک کر دینا ہوگا۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میری بیوی کے ہاں رمضان المبارک سے ہفتہ پہلے ولادت ہوئی، اور رمضان سے پہلے وہ پاک بھی ہو گئی، تو کیا اس کے روزے صحیح ہیں یا اسے ان کی قضا دینی ہوگی؟ اہلیہ کا کہنا ہے کہ اس نے بحالت طہر روزے رکھے ہیں۔

جواب: اگر معاملہ ایسے ہی ہے جیسے کہ بیان ہوا ہے کہ آپ کی اہلیہ رمضان المبارک میں طہر سے تھی اور اس نے روزے رکھے ہیں تو یہ بالکل ٹھیک اور درست ہیں، اس کے ذمے کسی قسم کی کوئی قضا نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک خاتون نے رمضان المبارک میں بچے کو جنم دیا، رمضان کے بعد بچے کو دودھ پلانے کی بنا پر وہ روزہ کی قضا نہیں دے سکی، بلکہ اسے حمل ہو گیا، اور اگلے رمضان میں دوسرے بچے کی ولادت ہو گئی، تو کیا ایسی حالت میں جائز ہے کہ قضا کے روزوں کی بجائے رقم تقسیم کر دے؟

جواب: اس عورت پر واجب ہے کہ اپنے چھوڑے ہوئے روزوں کے مطابق روزے رکھے، خواہ دوسرے رمضان کے بعد ہی ہوں، کیونکہ پہلے اور دوسرے رمضان میں وہ عذر کی بنا پر قضا نہیں دے سکی۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ سردیوں کے موسم میں اگر وہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھے تو اسے مشقت ہوگی، اگرچہ وہ اپنے بچے کو دودھ بھی پلا رہی ہو۔ اسے چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، نیکی کے کام میں حرص کرے اور اگلا رمضان آنے سے

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب من قال تغتسل من طهر إلى طهر، حديث: ٢٩٧ وسنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب المستحاضة، تتوضأ لكل صلاة، حديث: ١٢٦، ١٢٧.

پہلے پہلے گزشتہ روزوں کی قضا دے لے۔ اللہ ہمت اور طاقت دینے والا ہے، اس پر یا اس کے دودھ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا، اور اگر فی الواقع ایسا نہ ہو سکے تو اسے آئندہ رمضان تک تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جو خاتون حمل سے ہو یا اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو، اگر وہ رمضان میں روزے نہ رکھے تو اس پر کیا لازم ہے؟ اگر وہ اس کے بدلے کھانا کھلائے تو کس قدر چاول کافی ہوں گے؟

جواب: حمل والی یا دودھ پلانے والی عورت کے لیے رمضان کا روزہ چھوڑنا حلال نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ واقعی معذور ہو۔ اگر عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑے تو اسے ان دنوں کی قضا دینی واجب ہے اور اتنے ہی دنوں کے روزے رکھے جتنے اس نے چھوڑے ہوں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مریض کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرة : ۲/ ۱۸٦)

''اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔''

اور یہ دونوں مریض کے حکم میں ہیں۔ اور اگر انہیں بچے کا خوف ہو اور اس کی وجہ سے روزہ چھوڑیں، تو انہیں قضا دینے کے ساتھ ساتھ ہر روزے کے بدلے ایک ایک مسکین کا کھانا بھی دینا چاہیے، گندم، چاول یا کھجور وغیرہ جو غلہ بھی بالعموم کھایا جاتا ہو۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ان پر ہر صورت میں سوائے قضاء روزے کے اور کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ کھانا کھلانے کے وجوب کی قرآن وسنت سے کوئی دلیل ثابت نہیں ہے، اور اصل چیز ذمہ فرض کی ادائیگی ہی ہے، حتیٰ کہ مزید کے لیے کوئی دلیل ثابت ہو اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے اور یہی قوی ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری بیوی گزشتہ تین چار رمضان کی قضا نہیں دے سکی ہے کہ وہ حمل یا رضاعت کی وجہ سے معذور تھی، اور اب بھی بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ اس کا سوال ہے کہ کیا وہ ان تین چار رمضان کے مہینوں کے روزوں کی قضا میں کھانا کھلا سکتی ہے، کیونکہ اس قدر زیادہ روزے رکھنا اس کے لیے بہت مشکل ہیں؟

جواب: عورت کے لیے حمل یا رضاعت میں مشقت کے باعث قضا دینے میں تاخیر ہوگئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسے چاہیے کہ عذر زائل ہونے پر جلد از جلد قضا روزے رکھے، کیونکہ یہ مریض کے حکم میں ہے، اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرة:۲/ ۱۸۵)

''......اور جو بیمار ہو یا سفر میں، تو اس پر ہے کہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرے۔''

اور یہ عورت کھانا نہیں کھلا سکتی۔ (مجلس افتاء)

ایسے عذر جن کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز نہیں

سوال: میں ایک نوجوان دوشیزہ ہوں، میرے امتحانات رمضان میں آ گئے، اور مضامین بڑے سخت اور مشکل تھے۔ اگر میں روزے رکھتی تو پڑھ نہیں سکتی تھی، اس لیے چند دن کے روزے چھوڑ دیے۔ براہ مہربانی میری رہنمائی فرمائیں کہ اب کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف فرما دے؟ جزاکم اللہ خیرا

جواب: آپ پر لازم ہے کہ اپنے گناہ سے توبہ کرو، اور جو روزے چھوڑے ہیں ان کی قضا دو۔ اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرما لیتا ہے، اور خالص توبہ جس سے گناہ مٹتے ہیں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے گناہ چھوڑ دیا جائے، اور اللہ کی عظمت اور اس کی پکڑ کے خوف سے چھوڑا جائے، جو ہو چکا اس پر ندامت اور شرمندگی ہو، اور آئندہ کے لیے پختہ عزم ہو کہ دوبارہ ایسا نہیں ہوگا، اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو (ان کا حق واپس کیا جائے یا) ان سے معاف کرا لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

''اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو، تاکہ فلاح پا سکو۔''

اور فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا﴾ (التحریم:٦٦/ ٨)

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ کرو، توبہ کرنا خالص۔''

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ''توبہ سابقہ غلطیوں کو ختم کر دیتی ہے۔''[1]

اور حقوق العباد کے سلسلے میں فرمایا:

''جو شخص اپنے بھائی پر کوئی زیادتی کر بیٹھا ہو، اس کی بے عزتی کی ہو یا مال لیا ہو تو چاہیے کہ اس دن کے آنے سے پہلے پہلے اس کی معافی تلافی کرا لے، اس دن سے پہلے کہ جب نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم۔ اگر اس (ظالم) کی نیکیاں ہوئیں تو اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے لی جائیں گی، اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو اس (مظلوم) کی برائیاں لے کر اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی۔''[2]

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں بیمار ہوگئی اور رمضان المبارک کے روزے نہ رکھ سکی۔ کچھ شفا ہوئی اور میں نے سمجھا کہ روزے رکھ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ، حدیث: ٢٢٨ (مفھوم الحدیث وشرحہ)

[2] صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل فحللھا، حدیث: ٢٣١٧ وسنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب شأن الحساب و القصاص، حدیث: ٢٤١٩.

لوں گی مگر صرف بارہ روزے ہی رکھ سکی اور باقی کے لیے ہمت نہ رہی۔ میں نے اس کے بعد بھی روزے رکھنے کی کوشش کی ہے، مگر تکلیف ہو جانے کی وجہ سے ممکن نہیں ہو رہا۔ تو اب میں اپنے ان بقیہ روزوں کے متعلق کیا کروں؟ اس بارے میں میری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب: آپ کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے ہمت اور برداشت سے کام لیں، اور روزے رکھنے کی کوشش کریں اور صبر کریں، اس میں بڑا عظیم اجر و ثواب ہے۔ لیکن آپ تم روزے رکھنے سے عاجز ہیں، اور انتہائی مشکل ہو، یا اس سے مرض بڑھتا ہو اور افاقہ کی امید نہ ہو تب فدیہ دیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ اگر پھر مرض ختم ہو جائے اور روزے رکھنے کی طاقت ہو تو احتیاط یہی ہے کہ ان فوت شدہ روزوں کی قضا بھی دیں۔ اللہ عزوجل آپ کو شفا دے۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: ہم کئی لوگ بیماری کے باعث ہسپتال میں داخل ہیں، اور کئی ایک روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں، مگر ڈاکٹروں نے ہم سب کو جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے، روزے رکھنے سے منع کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس میں تمہاری صحت کا نقصان ہے، علاج اور روزہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، تو کیا ہم ڈاکٹروں کی پروا کیے بغیر روزہ رکھیں یا اپنے آپ کو معذور سمجھیں اور ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے حتیٰ کہ اللہ ہمیں یہاں سے خلاصی دے۔ اور یہاں ہسپتال میں کچھ لوگوں کو دو دو اور تین تین مہینے ہو گئے ہیں، کیا ایسے لوگوں کے لیے جائز ہے کہ ہر روزے کے بدلے مسکین کو کھانا کھلایا کریں اور قضا دینے سے رخصت ہو، یا صحت مند ہونے کے بعد ان دنوں کی قضا دینا ضروری ہے؟

جواب: جب آپ لوگ بیمار ہیں اور ہسپتال میں داخل ہیں، تو روزہ چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ کسی کو روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہو۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی اپنے مرض کی ابتدا میں ہو یا درمیان میں یا آخر میں یا صحت یابی کی ابتدا میں، مگر اندیشہ ہو کہ کہیں مرض دوبارہ عود نہ کر آئے۔ کیونکہ آیت کریمہ:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا....﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۸۵)

میں عموم ہے۔ ساتھ ہی غور کرنا چاہیے کہ روزہ چھوڑنے کی وجہ آیت کریمہ میں یہ بتائی گئی ہے کہ:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۸۵)

''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے، کسی تنگی اور مشقت کا ارادہ نہیں کرتا۔''

اگرچہ اس مسئلہ کے اور کئی جوانب بھی ہیں مگر یہ جواب آپ کے سوال کے مطابق ہے۔

اور جس شخص سے رمضان کے روزے بیماری کے باعث چھوٹ گئے ہوں، اس پر صحت یابی کے بعد اگر وہ روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو، ان دنوں کی قضا سے زیادہ کچھ نہیں ہے، بشرطیکہ صحت یابی کے سال رمضان آنے سے پہلے پہلے سابقہ رمضان کی قضا دے دے۔ اگر بلا عذر اس سے اگلے رمضان تک تاخیر کرے گا تو اسے

قضا کے ساتھ ساتھ ہر روز کے بدلے ایک مسکین کا کھانا بھی دینا ہوگا یعنی گندم کا ایک مد (تقریباً اڑھائی پاؤ) یا کوئی دوسرا طعام ہو تو آدھا صاع (پانچ پاؤ جو یا چاول وغیرہ)۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک مریض کے معدے میں زخم ہیں اور وہ آٹھ سال سے اس کا علاج کرا رہا ہے اور ڈاکٹروں نے اسے روزہ رکھنے سے منع کیا ہوا ہے تاکہ مرض بڑھ نہ جائے۔ اگر وہ روزہ رکھ بھی لے تو پھر وہ کئی روز کے لیے پڑ رہتا ہے، تو ایسے مریض کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس مریض کے لیے جس کا یہ حال بیان کیا گیا ہے اسے روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اگر امید ہو کہ یہ صحت یاب ہو جائے گا تو اسے صحت یابی کے بعد اپنے ان دنوں کی قضا دینی ہوگی، اور اگر اس کا امکان نہ ہو تو اسے روزۂ رمضان کے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہیے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ڈاکٹر حضرات بعض بیماریوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان میں روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جاتا ہے یا شفایابی میں تاخیر ہو جاتی ہے، اور وہ ایسے مریضوں کو روزہ رکھنے سے منع کرتے ہیں مثلاً سینے یا سانس کی بیماری وغیرہ میں، تو ایسے مریضوں کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: جب معالج انتہائی لائق، قابل اعتماد اور غیر متہم ہوں، اور اپنے علم و تجربہ کی روشنی میں یہ بات کہتے ہوں تو مریض کو ان کے کہنے پر روزہ چھوڑ دینے کی رخصت ہے۔ بعض علماء نے ایسے معالج کا مسلمان ہونا شرط کہا ہے، اور کچھ علماء کے نزدیک اس کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: میں رمضان کے مہینے میں حمل سے تھی، اور پھر بیس رمضان تک مجھے خون بھی آتا رہا، مگر اس کے باوجود میں روزے رکھتی رہی، مگر جب مجھے ہسپتال جانا پڑا تو میرے چار روزے چھوٹ گئے، جو میں نے رمضان کے بعد رکھ لیے۔ کیا مجھے ان پچھلے دنوں کے روزے دوبارہ رکھنے ہوں گے جبکہ بچہ ابھی میرے شکم میں ہے؟ براہ مہربانی اس بارے میں میری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب: آپ کا حمل کے ایام میں روزے رکھنا جبکہ آپ کو خون بھی آتا رہا، اس کا آپ کے روزوں پر کوئی اثر نہیں ہے، آپ کے روزے بالکل صحیح ہیں جیسے کہ استحاضہ والی معاملہ ہوتا ہے۔ اور ہسپتال میں جو روزے رہ گئے اور پھر وہ آپ نے رمضان کے بعد رکھ لیے، یہی آپ کے کافی ہیں، دوبارہ کسی قسم کے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: اگر شوہر رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے بوس و کنار کرے، تو کیا اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ اس بارے میں وضاحت فرمائیں، جزاکم اللہ خیرا

جواب: روزے کی حالت میں میاں، بیوی کا بوسہ لے، کھیل کود کرے، یا اس کے ساتھ لیٹ بھی جائے مگر مباشرت اور جماع نہ ہو تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے متعلق ثابت ہے کہ آپ

روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے یا ساتھ لیٹ جایا کرتے تھے۔ ❶ لیکن اگر آدمی کو اندیشہ ہو کہ ان حرکات سے وہ حرام میں واقع ہو جائے گا اور اسے اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں رہے گا، تو ان حرکات کا مرتکب ہونا مکروہ ہے۔ اور اگر بالفرض انزال منی ہو جائے تو بھی لازم ہے کہ روزہ پورا کرے اور بعد میں اس کی قضا دے۔ اور جمہور اہل علم کے بقول اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ لیکن اگر صرف مذی کا اخراج ہوا ہو تو اس سے روزہ خراب نہیں ہوتا ہے، اس بارے میں علماء کا صحیح تر قول یہی ہے، کیونکہ اصل روزے کا صحیح سالم رہنا اور باطل نہ ہونا ہے، اور مذی جیسی چیز سے بچنا محال ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں ایک نوجوان ہوں، اور رمضان کے دن میں اپنی اہلیہ سے مباشرت کا مرتکب ہوا ہوں، کیا میں کھجور خرید کر کے صدقہ کر دوں، کیا یہ کافی ہو گا؟

جواب: اگر یہ نوجوان دو ماہ متواتر روزے رکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ دو ماہ متواتر روزے رکھے۔ اور ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ اللہ اس کی مدد فرمائے۔ انسان جب کسی چیز کا عزم کر لے تو وہ اس کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر سستی دکھائے اور کام کو بھاری سمجھے تو اس کا پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے دنیا میں کچھ ایسے اعمال مشروع فرمائے ہیں کہ اگر بندہ وہ کر لے تو اس سے آخرت کا عذاب دور ہو سکتا ہے۔ ہم اس بھائی کو یہی کہیں گے کہ دو ماہ متواتر روزے رکھے۔ اگر سمجھے کہ اب گرمی ہے اور دن لمبے ہیں تو عنقریب سردی آنے والی ہے، اس وقت تک اسے مؤخر کیا جا سکتا ہے۔

اور بیوی کا حکم بھی شوہر جیسا ہے، جبکہ وہ شوہر کی حرکات پر راضی اور اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ لیکن اگر وہ بالکل مجبور کر دی گئی تھی، شوہر کی گرفت سے بچنا اس کے لیے ناممکن تھا، تو اس کا روزہ مکمل ہوا، اس پر کوئی کفارہ نہیں اور نہ کوئی قضا ہے۔ ❷ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک آدمی رمضان کے دنوں میں اپنی اہلیہ پر واقع ہوا، اور تین دن تک ایسے کرتا رہا۔ اب اس پر کیا واجب ہے؟ اللہ آپ کو اجر دے۔

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الحيض، باب مباشره الحائض، حديث: ٣٠٢ وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الازار، حديث: ٢٩٣ وسنن الترمذی، كتاب الطهارة، باب ما جاء فی مباشرة الحائض، حديث: ١٣٢.

❷ فضیلۃ الشیخ رحمہ اللہ کا یہ جواب محل نظر ہے، بیوی کا روزہ چونکہ جبراً فاسد کرا دیا گیا ہے تو اس پر گناہ کوئی نہیں ہو گا، مگر ایک روزہ اسے رکھنا پڑے گا۔ جیسے کہ اگر کوئی کسی کو پکڑ کر جبراً اس کے منہ میں کچھ ٹھونس کر اسے کھلا دے یا مثلاً کسی کی نماز اگر تڑوا دی جائے تو اسے اپنی نماز دوبارہ پڑھنی ہو گی الا یہ کہ اسے کوئی موقعہ ہی نہ دیا جائے جیسے کہ امریکیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جیلوں میں ایسے ظلم ڈھائے ہیں ونسال اللہ العافیہ (سعیدی)

جواب: اگر کوئی شخص روزہ رکھ کے مباشرت کرتا ہے، تو یہ ایک بہت بڑی نافرمانی اور گناہ ہے۔ اس پر واجب ہے کہ اس گناہ سے توبہ کرے، ان دنوں کے روزوں کی قضا دے، اور اس کے ساتھ اس پر مغلظ (بھاری اور شدید) قسم کا کفارہ بھی واجب ہے، یعنی ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر نہ کر سکے تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ہر مسکین کو آدھا صاع (اڑھائی کلو) طعام ملنا چاہیے، اور جتنے دن یہ کام کیا، اتنے دن کا کفارہ ادا کرے...... واللہ اعلم۔ (صالح فوزان)

سوال: ایک عورت بوقت مباشرت اپنے اندر مانع حمل دوا رکھتی ہے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اگر اس عمل کے بعد غسل کر لے، اور وہ دوا نہ نکالی ہو تو کیا اس کی نماز اور روزہ جائز ہوگا؟

جواب: اگر دوا اس کے جسم کے اندر ہے (اور اس نے غسل کر لیا ہے) تو اس کی نماز روزہ بالکل صحیح ہے۔ مگر یہ مسئلہ کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں، تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا نہ کیا کرے۔ واللہ اعلم۔ (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: رمضان کے دن میں سرمہ یا بعض دیگر زینت کی چیزیں استعمال کرنا (میک اپ کرنا) کیسا ہے، کیا ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: روزے کی حالت میں سرمہ استعمال کرنا، خواہ عورت لگائے یا مرد، اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ علماء کا صحیح تر قول یہی ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ روزہ دار اسے رات کو استعمال کرے۔ اور اسی طرح صابن اور تیل یا کریم وغیرہ کا استعمال بھی جائز ہے یعنی جو چہرے کی ظاہری جلد کے لیے نقصان دہ ہو تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں بعض اوقات جدید انداز کی زیب وزینت (میک اپ) کر لیا کرتی ہوں، کیا یہ چیزیں کسی طرح میرے روزے پر اثر انداز تو نہیں ہوتی ہیں؟

جواب: اگر کوئی عورت زیب وزینت کے لیے تیل، کریم یا لوشن وغیرہ استعمال کرے، چہرے پر لگائے یا جسم کے کسی اور حصے پر، تو بالکل جائز ہے، اس سے اس کے روزے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: دمہ (ضیق النفس) کے مریضوں کو ایک دوا سونگھنے کے لیے دی جاتی ہے، کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: دمہ (یا ضیق النفس) کے مریضوں کو جو دوا دی جاتی ہے کہ وہ پمپ اپنے منہ پر رکھ کر سانس اندر کھینچتے ہیں، جو پھیپھڑوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور معدے میں نہیں جاتی، یہ چیز کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ کسی طرح مشابہ نہیں ہے، بلکہ یہ ان داؤں کے مشابہ ہے جو احلیل میں ٹپکائی جاتی ہے یا سرمہ ہے یا حقنہ وغیرہ، کہ یہ چیزیں جسم یا دماغ کے اندر جاتی تو ہیں لیکن منہ یا ناک کے ذریعے سے نہیں جاتیں۔

روزے دار کے لیے ان چیزوں کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان سے روزہ نہیں

ٹوٹتا اور کچھ دوسرے کہتے ہیں کہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ ان سب کا اتفاق ہے کہ یہ چیزیں ''کھانا پینا نہیں کہلاتی ہیں۔'' تاہم جو انہیں روزے کے لیے مفطر کہتے ہیں وہ انھیں ماکولات ومشروبات کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ اس معنی میں کہ یہ چیزیں جسم کے اندر جاتی ہیں اور آدمی اپنے اختیار سے انہیں اپنے جسم کے اندر پہنچاتا ہے، اور ہر وہ چیز جو آدمی اپنے اختیار سے اپنے جسم کے اندر پہنچائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ نے وضو کے بارے میں فرمایا کہ ''کلی کرو اور ناک میں خوب پانی چڑھاؤ، سوائے اس کے کہ تم روزے سے ہو۔'' [1] اس میں آپ نے روزے دار کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ وہ کلی یا ناک میں پانی دینے میں مبالغہ نہ کرے، مبادا پانی اندر چلا جائے۔ اگر اندر چلا گیا تو اس سے روزہ خراب ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز بندہ اپنے اختیار سے اپنے جسم کے اندر داخل کرے گا اس سے اس کا روزہ خراب ہو جائے گا۔

اور جن علماء کے نزدیک ان سے روزہ خراب نہیں ہوتا، جیسے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور کچھ دوسرے علماء بھی ہیں، وہ ان چیزوں کو ماکولات ومشروبات پر قیاس کرنا صحیح نہیں سمجھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ دلائل شرعیہ میں کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ جو چیز دماغ میں چلی جائے یا فطری منافذ کے علاوہ سے بدن کے اندر جائے تو روزہ دار کے لیے مفطر بن جائے گی۔ لہٰذا جب ان چیزوں کا مفطر ہونا ثابت نہیں ہوگا تو ان پر شرعی حکم بھی نہیں لگایا جاسکتا کہ ان سے روزہ ٹوٹ جائے۔ اور انہیں ان چیزوں کی طرح نہیں کہا جاسکتا جو حلق یا معدہ کے اندر جا کر روزہ خراب کرتی ہیں، خواہ ان کا داخل ہونا منہ کے ذریعے سے ہو اور ناک میں مبالغہ کیے بغیر پانی دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے۔ منہ غذا کے لیے اندر جانے کا فطری راستہ ہے، لیکن اگر ناک کے ذریعے سے کوئی چیز حلق کے اندر اتر گئی تو اس کا حکم بھی منہ ہی کا ہوگا۔ بلکہ اب تو بعض اوقات ناک کے ذریعے سے غذا معدے میں پہنچائی جاتی ہے، لہٰذا ناک اور منہ کا حکم ایک ہی ہے۔

الغرض ظاہر یہ ہے کہ دمہ کی یہ دوا جو سانس کے ذریعے سے کھینچ کر لی جاتی ہے کسی طرح بھی ''کھانے پینے'' کے حکم میں شمار نہیں ہے، اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: عورت نے روزہ رکھا ہوا ہو اور طبی ضرورت کے تحت اگر لیڈی ڈاکٹر اس کی اندام نہانی میں اپنا ہاتھ داخل کرے تو اس صورت میں اس عورت اور لیڈی ڈاکٹر کے روزے کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: کچھ فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ روزے کے دوران میں بندے کے لیے جائز نہیں کہ اپنے جسم کے اندر کوئی چیز داخل کرے، اگر کوئی ایسا کرے تو اس سے اس کا روزہ باطل ہو جائے گا، مثلاً اگر کسی نے استنجا کرتے

[1] سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی الاستنثار، حديث: ١٤٢ـ سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم، حديث ٧٨٨ ومسند أحمد بن حنبل: ٤/ ٣٣ ومسند لقيط بن صبرة رضی الله عنه.

ہوئے اپنی انگلی اپنی دبر میں کر دی تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، یہی حال عورت کا ہے۔مگر ان کے مقابل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں امام ابن حزم رحمہ اللہ پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مسلمانوں کا دین نہیں ہے، اللہ عزوجل نے ہمیں اپنے پیٹ میں کچھ داخل کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہمیں کھانے، پینے، مباشرت اور عمداً قے کرنے سے روکا ہے (اور یہی بات حق ہے) لہٰذا اس عورت اور اس کی طبیبہ (لیڈی ڈاکٹر) کا روزہ بالکل صحیح ہے۔اگر کسی عورت نے اپنے جسم کے اندر کوئی شافہ وغیرہ رکھا ہو، یا کسی مرد کے لیے اس طرح کی کوئی صورت پیش آ جائے، یا پیشاب وغیرہ نکالنا پڑے تو اس سے روزہ خراب نہیں ہوگا۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر شوہر رمضان کے دن میں بیوی سے مباشرت کرے، اور بیوی کو مجبور کر دے تو ان کا کیا حکم ہے؟ خیال رہے کہ یہ غلام آزاد کرنے یا متواتر روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ یہ دونوں اپنے کاروبار معیشت میں مشغول ہیں، تو کیا انہیں کھانا کھلا دینا کافی ہوگا، اور اس کی مقدار کیا ہو؟

جواب: اگر شوہر اپنی بیوی کو عمل مباشرت پر مجبور کر دے جبکہ دونوں روزے سے ہوں، تو اس صورت میں بیوی کا روزہ صحیح ہوگا، اس پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں۔البتہ شوہر کے ذمے کفارہ ہے کیونکہ وہ رمضان کے دن میں (بحالت روزہ) اس عمل کا مرتکب ہوا ہے، اور اس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ متواتر روزے رکھنا ہے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، جیسے کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔[1] شوہر کو قضا کا ایک اور روزہ بھی رکھنا ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک خاتون جو حمل سے تھی، ماہ رمضان آ گیا تو وہ نویں مہینے میں تھی، مہینے کی ابتدا میں اسے پانی سا آنے لگا، خون نہیں تھا، اور وہ اس کیفیت میں روزے رکھتی رہی تو کیا اسے ان دنوں کی قضا دینی ہوگی جن میں اس نے اس حالت میں روزے رکھے؟

جواب: اگر صورت حال فی الواقع ایسی ہی تھی جو بیان کر گئی ہے، تو اس کے روزے بالکل صحیح ہیں، اس کے ذمے کوئی قضا وغیرہ نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں گزشتہ رمضان میں بیمار تھی اور بیماری کے باعث بعد میں قضا نہیں دے سکی، بلکہ اس رمضان میں بھی شاید روزے نہیں رکھ سکوں گی۔گزشتہ قضا نہ دے سکنے کا اور اس رمضان میں روزے نہ رکھ سکنے کا کیا کفارہ ہے؟ جزاکم اللہ خیرا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب إذا جامع فی رمضان ولم یکن له شیء ......، حدیث: ۱۹۳۶ وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نهار رمضان، حدیث: ۱۱۱۱ وسنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی کفارة الفطر فی رمضان، حدیث: ۷۲٤.

جواب: ایسا مریض جس کے لیے روزے رکھنے مشکل ہوں، روزے چھوڑ دینا جائز ہے، اور جب صحت یاب ہو، ان رہ جانے والے روزوں کی قضا دے دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۸۵)

''جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں اُن کی گنتی پوری کرے۔''

اور یہ خاتون جس نے یہ سوال پوچھا ہے، اسے بھی بیماری کے باعث روزہ چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بیمار اور مسافر کو اللہ نے روزہ چھوڑ دینے کی رخصت دی ہوئی ہے، اور اللہ عزوجل اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کو اسی طرح پسند کرتا ہے جیسے کسی نافرمانی کا مرتکب ہونا اسے ناپسند ہے۔ آپ کے ذمے صرف قضا دینا ہے۔ اللہ آپ کو شفا دے اور ہر برائی سے بچائے رکھے۔ ہماری اور آپ کی سب کی خطاؤں کی ستر پوشی فرمائے۔ آمین! (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میری بیوی گزشتہ رمضان میں بیمار تھی، اس نے بائیس روزے رکھے مہینہ پورا ہونے میں آٹھ دن باقی تھے کہ تکلیف بڑھ گئی حتیٰ کہ رمضان کے چند دن بعد وفات پا گئی۔ یہ فرمائیں کہ رمضان کے جو روزے وہ نہیں رکھ سکی، اس کا ہم کیا کریں؟ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب: یہ خاتون جو رمضان میں بیمار رہی، اور بیماری کے باعث روزے نہیں رکھ سکی، بلکہ بیمار رہی حتیٰ کہ وفات پا گئی، اس کے جو روزے رہ گئے ہیں اس پر کچھ نہیں ہے، کیونکہ روزے چھوڑنے میں اس نے قصور نہیں کیا اور پھر بعد میں قضا دینے میں بھی اس نے قصور نہیں کیا۔ کیونکہ قضا دینے میں بیماری حائل رہی، لہٰذا اس کے ذمے کچھ نہیں ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا ہے۔'' (مجلس افتاء)

سوال: جس کسی مسلمان پر رمضان کے روزے ہوں، اور وہ فوت ہو جائے اور قضا نہ دے سکا ہو تو کیا کیا جائے، کیا اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں یا کھانا کھلا دیا جائے؟ اور اگر یہ روزے نذر کے ہوں تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص وفات پا جائے اور اس کے ذمے رمضان کے روزے ہوں جو وہ بیماری کے باعث نہ رکھ سکا ہو، تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں:

ایک حالت یہ کہ بیماری متواتر اور مسلسل رہی ہو، کہ اسے قضا دینے کا موقعہ ہی نہ ملا ہو، تو اس صورت میں اس پر کچھ نہیں ہے۔ نہ قضا دینا اور نہ کھانا کھلانا، کیونکہ وہ اپنی وفات تک معذور رہا ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اسے بیماری کے بعد صحت ہو گئی ہو، اور پھر وہ قضا نہ دے سکا حتیٰ کہ دوسرا رمضان آ گیا، اور پھر فوت ہو گیا، تو اس کے متعلق واجب ہے کہ اس کے ہر دن کے روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو

کھانا کھلا دیا جائے، کیونکہ اس نے صحت یابی کے بعد قضا دینے میں قصور کیا حتیٰ کہ دوسرا رمضان آ گیا اور پھر وفات پا گیا۔ اور یہ مسئلہ کہ آیا کوئی شخص دوسرے کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے یا نہیں، اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ البتہ نذر کا روزہ ہو تو وہ اس میت کی طرف سے رکھا جائے، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزہ ہو۔'' ❶

اور ایک روایت ہے:

''نذر کا روزہ فوت ہو جانے والے کی طرف سے اس کا ولی رکھے۔'' ❷ (مجلس افتاء)

سوال: میری عمر پچاس سال ہے، میرے ذمے پندرہ دن کے روزے باقی ہیں، اور یہ ستائیس سال پہلے اس وقت چھوٹ گئے تھے جب میرے ہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی تھی، اور میں اس موقعہ پر ان کی قضا نہیں دے سکی۔ تو کیا اب میں یہ قضا کر سکتی ہوں، اور کیا مجھ پر اس کا گناہ بھی ہوگا؟ براہ مہربانی میری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب: آپ نے اپنے ان روزوں کی قضا میں جو تاخیر کی ہے اس پر اللہ سے توبہ کریں، اور آپ پر واجب ہے کہ ان دنوں کی قضا دیں، اور ساتھ ہی ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو آدھا صاع (سوا کلو) طعام بھی دیں، وہ طعام جو آپ کے ہاں معروف ہو۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: گزشتہ سالوں میں میں ایک بار اپنے ماہانہ ایام کے روزوں کی قضا نہیں دے سکی تھی، اور اب تک نہیں دے سکی جب کہ اس پر کئی سال گزر گئے ہیں۔ اب میں اپنے ذمہ روزوں کی قضا دینا چاہتی ہوں، مگر یاد نہیں کہ وہ دن کتنے تھے، تو میں کیا کروں؟

جواب: تمہارے ذمے تین باتیں ہیں:

(اول):...... یہ کہ اس قدر زیادہ تاخیر کرنے پر اللہ سے توبہ کریں، اور اس غفلت اور سستی پر ندامت کا اظہار کریں اور عزم کریں کہ آئندہ ایسے نہیں کریں گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور:٢٤/ ٣١)

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو، اے مومنو! تاکہ فلاح پاؤ۔''

---

❶ صحيح بخاري. كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: ١٩٥٢ وصحيح مسلم، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت. حديث: ١١٤٧ وسنن ابي داود، كتاب الايمان والنذور، باب ما جاء فيمن مات وعليه صيام، حديث: ٣٣١١.

❷ نذر کا روزہ میت کی طرف سے اس کے ولی کو رکھنے کا حکم دیا۔ سنن ابی داود، كتاب الايمان والنذور، باب قضاء النذر عن الميت، حديث: ٣٣٠٨.

یہ تاخیر معصیت ہے اور اس پر توبہ واجب ہے۔

(دوم):...... جلد از جلد اپنے غالب گمان کے مطابق ان دنوں کی قضا دو۔ اگر تمہارا خیال ہو کہ یہ دس دن تھے تو دس دن کے روزے رکھو یا اس طرح کم وبیش کا جو گمان ہو اس کے مطابق روزے رکھو۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة:٢/ ٢٨٦)

''اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی ہمت سے زیادہ کا مکلّف نہیں ٹھہراتا۔''

اور یہ بھی فرمایا کہ:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن:٦٤/ ١٦)

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس قدر ہمت رکھتے ہو۔''

(سوم):...... اگر تمہیں طاقت ہو تو ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا بھی کھلاؤ، یا اس کے بقدر خرچ ایک ہی مسکین کو دے دو، لیکن اگر بوجہ فقر اس کی طاقت نہ ہو تو سوائے روزہ رکھنے اور توبہ کرنے کے تم پر اور کچھ نہیں ہے۔ اگر کھانا کھلاؤ تو ہر دن کے بدلے آدھا صاع طعام (تقریباً ڈیڑھ کلو) دینا ہوگا جو تمہارے علاقے میں معروف ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک عورت بعمر پچاس سال شوگر کی مریضہ ہے، اس وجہ سے اسے روزے رکھنے بہت مشکل ہوتے ہیں، مگر وہ روزے رکھتی رہی ہے، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ رمضان میں ایام حیض کے دنوں کی قضا دینی ہوتی ہے، اور اب اس پر تقریباً دو سو دنوں کے روزے بنتے ہیں۔ تو یہ کیا کرے جبکہ صحت کی حالت اوپر بیان کی گئی ہے؟ کیا گزشتہ روزے اس سے معاف ہیں یا اسے روزے رکھنے ہوں گے اور روزے داروں کو بھی افطار کرانا ہوگا؟ اور کیا بہت سے روزے داروں کو افطار کرایا جائے یا کسی ایک مسکین کو یہ طعام دے دیا جائے؟

جواب: اس عورت کی صحت اگر ایسے ہی ہے جیسے کہ بیان کی گئی ہے کہ بڑھاپے یا بیماری کے باعث اسے روزہ رکھنا مشکل ہے، تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے اور گزشتہ چھوڑے ہوئے دنوں کا شمار کیا جائے اور ان کے حساب سے کھانا دیا جائے، اور اسی طرح اس موجودہ رمضان میں بھی اگر اسے روزہ رکھنا مشکل ہو اور شفایابی کی بھی امید نہ ہو تو ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا جائے۔ [1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں گزشتہ چھ سال سے ''لولب'' استعمال کرتی رہی ہوں، اور میں ہر ماہ تقریباً ایک ہفتہ اپنے ایام حیض شمار کرتی تھی۔ مگر اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے ایام پانچ دن ہوتے ہیں، تو اب ان دو دنوں کا کیا کروں جن میں کہ نہ روزے رکھتی رہی ہوں اور نہ نماز پڑھی ہے، جبکہ مدت چھ سال گزر چکی ہے؟

[1] اور یہ بھی جائز ہے ان دنوں کی تعداد کے حساب سے کسی ایک مسکین کو خرچ دے دیا جائے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

جواب: اس عورت کے ذمے ہے کہ جس قدر ایام کے روزے اس نے نہیں رکھے ہیں، ان کی قضا دے، اور نماز کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔ ❶ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میری والدہ نے رمضان میں ایک دن فجر کی اذان کے فوراً بعد دوا کھائی، میں نے اگرچہ اسے کہا تھا کہ اس وقت دوا کھانے سے آپ کا روزہ نہیں ہوگا۔ تو اب اس روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مریض اگر رمضان میں طلوع فجر کے بعد دوا لے گا تو اس کا اس دن کا یہ روزہ صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے عمداً جان بوجھ کر افطار کیا ہے، البتہ اسے (اس وقت کے احترام میں) باقی دن کچھ کھانا پینا مناسب نہیں ہے۔ لیکن اگر بیماری کے باعث وہ ایسا نہ کر سکے تو کوئی حرج بھی نہیں، اسے اس دن کی قضا دینی ہوگی۔ اور کسی بیمار کو رمضان کے روزے میں دوا کھانا اسی صورت میں جائز ہوتا ہے جب اشد ضرورت ہو، مثلاً موت کا اندیشہ ہو تو اسے دوا لینا حلال ہوگا، اور بحالت مرض روزہ چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کہتی ہے کہ میں اپنی بلوغت کے ابتدائی سالوں میں اپنے گھر والوں کے سامنے تو روزہ رکھ لیتی تھی مگر پھر چھپ کر کھاتی پیتی رہتی تھی اور ایسا تین سال تک ہوتا رہا۔ اب شادی کے بعد میں نے توبہ کر لی ہے۔ اب اگر قضا کرنا چاہتی ہوں تو شوہر کہتا ہے کہ تمہیں صرف توبہ کافی ہے، توبہ سے پچھلے گناہ مٹ جاتے ہیں، اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ روزہ رکھ کے تو مجھے اور بچوں کو نظر انداز کرے گی، تو اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ کیا روزے رکھوں یا ایک سو اسّی (۱۸۰) مسکینوں کو کھانا کھلا دوں؟

جواب: اس عورت نے اگر ابتدا سے روزہ شروع ہی نہیں کیا تھا، تو اسے اس کی قضا دینے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایک بڑا اہم فقہی قاعدہ ہے کہ:

"جن عبادتوں کے اوقات معین اور محدود ہیں، اگر انسان بلا عذر یہ وقت نکال دے اور وہ فریضہ ادا نہ کرے، تو بعد میں وہ اس سے قبول نہیں ہوتا۔"

چنانچہ اس عورت نے ابتدا میں روزے کی نیت نہیں کی تھی تو اب اس پر قضا بھی نہیں ہے (البتہ توبہ ضرور کرے)۔ توبہ پچھلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ لیکن اگر روزے کی نیت کرتی رہی ہے اور دن کے وقت میں روزہ توڑتی رہی ہے تو اس کے ذمے ہے کہ ان دنوں کی قضا دے، اور شوہر کو بھی اس سے منع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قضا واجب ہے اور واجب کی قضا سے روکنے کا شوہر کو کوئی حق نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کچھ عورتوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ ان پر رمضان آ جاتا ہے، اور انہوں نے اپنے گزشتہ رمضان کے روزوں کی قضا نہیں دی ہوتی، ایسی عورتوں پر کیا واجب ہے؟

جواب: ایسی عورتوں کو چاہیے کہ اللہ سے توبہ کریں اور آئندہ کے لیے اس قصور سے پرہیز کریں۔ اور کسی کے

❶ یعنی توبہ کرے اور آئندہ کے لیے محتاط رہے۔ (سعیدی)

لیے جائز نہیں ہے کہ اگر اس پر رمضان کے روزے باقی ہوں تو انہیں اس قدر مؤخر کر دے کہ نیا رمضان آ جائے، ہاں اگر عذر شرعی ہو تو الگ بات ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں:

''میرے ذمے رمضان کے روزے باقی ہوا کرتے تھے، تو میں انہیں شعبان سے پہلے قضا نہیں کر سکتی تھی......'' ❶

اس میں دلیل ہے کہ دوسرے رمضان کے بعد تک گزشتہ رمضان کے روزوں کی تاخیر جائز نہیں ہے۔ الغرض ایسی عورتوں کو چاہیے کہ اللہ سے توبہ کریں اور جلد از جلد اپنے سابقہ بقیہ روزوں کی قضا دیں، اگرچہ اس دوسرے رمضان کے بعد ہی سہی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک خاتون کو گزشتہ رمضان میں حمل کے باعث اپنے اکیس روزے چھوڑنے پڑ گئے، اور اب دوسرا رمضان آ گیا ہے مگر یہ اپنے سابقہ روزوں کی قضا نہیں دے سکی ہے، تو اب اس کے ذمے ان دنوں کے روزوں کی قضا ہوگی یا قضا کے ساتھ کفارہ بھی دینا ہوگا؟

جواب: اس عورت کے ذمے صرف ان روزوں کی قضا دینا ہے، کیونکہ یہ حمل کے باعث معذور تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے ہاں رمضان کے بعد ہی ولادت ہوئی ہوگی۔ اور ایسی عورتیں جو حمل سے ہوں یا بچے کو دودھ پلا رہی ہوں، انہیں روزہ چھوڑ دینے کی رخصت ہے، جیسے کہ مسند احمد اور سنن میں روایت ہے، صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو آدھی نماز اور حمل والی اور دودھ پلانے والی کو روزے کی رخصت دی ہے۔'' ❷

اور اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اس عورت نے عذر شرعی کے بغیر روزے چھوڑے حتیٰ کہ دوسرا رمضان آ گیا تو جمہور کے نزدیک اسے ان ایام کی قضا کے ساتھ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا بھی واجب ہے، یہ قصور کوئی مرد کرے یا عورت، سب کے لیے یہی حکم ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اگر اس پر اگلا رمضان آ جائے اور پچھلے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں تو یہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ اسے چاہیے کہ اللہ سے توبہ کرے، اپنے گناہ کی معافی مانگے اور ان ایام کی قضا دے۔ ان دنوں کے بدلے مسکینوں کو کھانا کھلانا وغیرہ واجب نہیں۔ اس طرح کا کھانا لازم کرنا ایک مالی جرمانہ ہے، جس کے لیے صریح نص یا اجماع ہونا چاہیے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب متی یقضی قضا رمضان، حدیث: ١٨٤٩ (بیروت) وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب قضا رمضان فی شعبان، حدیث: ١١٤٦ وسنن ابی داود، کتاب الصیام، باب تاخیر قضا رمضان، حدیث: ٢٣٩٩ صحیح.

❷ سنن ابی داود، کتاب الصیام، باب اختیار الفطر، حدیث: ٢٤٠٨ وسنن الترمذی، کتاب الصوم، باب الرخصة فی الافطار للحبلی والمرضع، حدیث: ٧١٥ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٢٤٧، حدیث: ١٩٠٦٩.

"کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔"[1]

اور فرمایا:

"کسی مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا وہی مال حلال ہے جو وہ اپنے دل کی خوشی سے دے۔"

الغرض کھانا کھلانے کو لازم کرنا اس کی کوئی دلیل نص یا اجماع سے ثابت نہیں ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت پوچھتی ہے کہ جب سے اس پر روزے فرض ہوئے ہیں یہ رمضان کے روزے رکھ رہی ہے، مگر ماہانہ ایام کے جو روزے چھوٹ جاتے تھے، ان کی قضا نہیں دیتی رہی، اور اب تو اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کس قدر ایام کے روزے اس کے ذمے ہیں، اب اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: انتہائی افسوس کی بات ہے کہ اہل ایمان خواتین میں اس طرح کی جہالت بھی موجود ہے کہ وہ اپنے ان فرض روزوں کی قضا دینے سے غافل ہیں۔ یا تو انہیں اس مسئلہ کا علم ہی نہیں اور وہ اس سے جاہل ہیں، یا ویسے ہی غفلت اور کسل مندی ہے، اور یہ دونوں صورتیں ایک بڑی مصیبت ہیں۔ جہالت کا علاج یہ ہے کہ علم حاصل کیا جائے، اور غفلت کا علاج یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ، اس کا ڈر، سزا کا خوف اور ایسے اعمال کی طرف جلدی کی جائے جن میں اس کی رضا مندی ہو۔

الغرض اس عورت پر واجب ہے کہ جو کچھ ہو چکا اس سے توبہ کرے، اللہ سے معافی مانگے، اور جہاں تک اسے یاد پڑتا ہو، ان ایام کے بقدر قضا دے، اس سے ان شاء اللہ یہ بری الذمہ ہو جائے گی، اور امید ہے کہ اس کی توبہ بھی قبول ہو گی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اس بات میں کیا حکمت ہے کہ عورت اپنے ماہانہ ایام کے روزوں کی تو قضا دیتی ہے مگر نمازوں کی نہیں؟

جواب: اس مسئلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ اسے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ سر انجام دے اور جن سے بچنے کا کہا گیا ہے ان سے دور رہے، اس سے قطع نظر کہ اس امر و نہی کی حکمت اسے معلوم ہو یا نہ ہو، اور یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انہی چیزوں کا حکم دیا ہے جن میں ان کی مصلحت اور خیر ہے اور انہی چیزوں سے منع فرمایا ہے جن میں ان کی بھلائی ہے۔ بلکہ شریعت سراسر حکمت اور مصلحتوں سے بھرپور ہے، اللہ تعالیٰ ان سے جو چاہتا ہے بندوں کو کسی طرح خبردار کر دیتا ہے، تاکہ ان کا ایمان اور بڑھ جائے اور جو چاہتا ہے، اس سے آگاہ نہیں فرماتا ہے، تاکہ اس میں بھی ایمانداروں کا ایمان تسلیم و رضا کے باعث مزید بڑھ جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نماز دن رات میں پانچ بار پڑھی جاتی ہے، اگر اس کی قضا دینی مشروع کر دی جاتی تو

[1] صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة والاداب، باب تحریم ظلم المسلم، حدیث: ٢٥٦٤ وسنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث: ٢٨٨٢.

عورت کے لیے اس میں ایک بھاری مشقت تھی۔ اور سچ فرمایا ہے رب العزت نے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (النساء: ٤/ ٢٨)

''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے، اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔'' (مجلس افتاء)

سوال: ایک خاتون بیمار تھی اور گزشتہ دو رمضان یہ روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی، اب اس کی صحت قدرے بہتر ہے اور روزے بھی رکھے ہیں تو کیا اسے گزشتہ رمضان کے مہینوں کے روزے رکھنے لازم ہیں یا ان کی بجائے صدقہ دے دے؟ خیال رہے کہ یہ عورت ہر مہینے تین روزے رکھتی رہی ہے۔

جواب: اس عورت پر واجب ہے کہ ان دو مہینوں کے روزوں کی قضا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرة: ٢/ ١٨٥)

''جو شخص بیمار ہو یا سفر پر، تو اس کے ذمے ہے کہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرے۔''

اور سائلہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ ہر مہینے تین روزے رکھتی رہی ہے، تو اگر اس کی نیت یہ تھی کہ یہ رمضان کی قضا کے روزے ہیں، تو یہ نیت صحیح ہے، لہٰذا اسے باقی ماندہ روزے رکھنے لازم ہیں۔ لیکن اگر اس کی نیت نفل روزے کی تھی تو اس سے فرض کی ادائیگی نہیں ہوئی، اس کے ذمے ہے کہ دو مہینے مکمل روزے رکھے، چونکہ قضا دینے میں تاخیر بیماری کی وجہ سے ہوئی ہے اس لیے اسے قضا دینے کے ساتھ کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(مجلس افتاء)

سوال: میری والدہ بڑی عمر کی ہیں، رمضان سے کچھ پہلے بیمار ہو گئیں، اور بیماری نے انھیں بہت نڈھال کر دیا، وہ رمضان کے صرف پندرہ روزے ہی رکھ سکی ہیں، اس کے بعد انہیں روزے رکھنا بہت مشکل ہو گیا، حتیٰ کہ اب وہ قضا دینے کی طاقت بھی نہیں رکھتیں، تو کیا ان کی طرف سے صدقہ دے دینا درست ہے؟ اس غرض سے روزانہ کا کتنا صدقہ دیا جائے؟ خیال رہے کہ میں ہی ان کی کفالت کرتا ہوں۔ اگر والدہ کے پاس صدقہ کے لیے کچھ نہ ہو تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ دے سکتا ہوں؟

جواب: جو شخص بہت زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری جس سے صحت یابی کی امید نہ ہو، کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو، تو اس کے لیے جائز ہے کہ افطار کرے، روزہ نہ رکھے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (البقرة: ٢/ ١٨٤)

''اور جو لوگ روزہ پورا کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، وہ فدیہ دے دیں، ایک مسکین کا کھانا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ بڑی عمر کے بوڑھے مرد اور عورت کے لیے رخصت کے طور پر نازل ہوئی ہے کہ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو

کھانا کھلا دیا کریں۔ [1]

لہٰذا آپ کی والدہ کے ذمے یہ ہے کہ وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے، جو طعام علاقے میں معروف ہے۔ اگر وہ انتہائی مسکین ہوں نہ دے سکتی ہوں تو ان کے ذمے کچھ نہیں ہے، اور اگر آپ ان کی طرف سے کھلائیں تو یہ بہت بڑا احسان ہے اور اللہ عزوجل احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک خاتون جو پابندی سے شوال کے روزے رکھا کرتی ہے، ایک سال رمضان کی ابتدا میں اس کے ہاں بچے کی ولادت ہوگئی، جس کی وجہ سے وہ شوال میں پاک ہوئی اور رمضان کے روزوں کی قضا دینے لگی، تو کیا وہ شوال کے روزوں کی قضا بھی دے، خواہ شوال کا مہینہ گزر ہی جائے، یا اسے صرف رمضان کی قضا ہی دینی چاہیے، اور کیا شوال کے روزے ہمیشہ رکھنے لازم ہیں؟

جواب: شوال کے روزے رکھنا سنت ہیں، فرض نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد چھ روزے شوال میں بھی رکھ لیے تو یہ گویا زمانہ بھر کے روزے ہوئے۔'' [2]

یہ حدیث دلیل ہے کہ ان روزوں کو مسلسل یا متفرق طور پر دونوں طرح رکھا جا سکتا ہے، کیونکہ الفاظ مطلق ہیں، تاہم جلد رکھ لینے میں فضیلت ہے، جیسے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اعتکاف طور کے بیان میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا تھا:

﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ﴾ (طه: ٢٠/ ٨٤)

''اور میں تیری طرف جلدی آ گیا ہوں، اے میرے رب، تاکہ تو راضی ہو۔''

علاوہ ازیں اور بھی کئی آیات اور متعدد احادیث میں خیر کے معاملات میں سبقت اور جلدی کرنے کی ترغیب آئی ہے، اور ان روزوں کو ہمیشہ رکھنا کوئی واجب نہیں ہے، لیکن افضل ضرور ہے۔ آپ علیہ السلام کا فرمایا ہے:

''اللہ عزوجل کے ہاں وہی عمل زیادہ محبوب ہے جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے خواہ وہ قلیل اور تھوڑا ہی ہو۔'' [3]

---

[1] صحیح بخاری، كتاب التقسيم، سورة البقرة: ٤٢٣٥ المستدرك للحاكم: ١/ ٦٠٦، ١٦٠٧، ١٦٠٦.

[2] صحیح مسلم، كتاب الصوم، باب استحباب صوم ستة ايام من شوال، حديث: ١١٦٤ وسنن ابى داود، كتاب الصيام، باب فى صوم ستة ايام من شوال، حديث: ٢٤٣٣.

[3] صحیح مسلم، كتاب الصيام، باب صيام النبى فى غير رمضان ......، حديث: ٧٨٢ بعض روایات میں ہے: 'اللہ کے رسول کے ہاں وہ عمل زیادہ محبوب ہے ......' دیکھیے: صحیح بخاری، كتاب الرقاق، باب القصد و المداومة على العمل، حديث: ٦٠٩٧۔ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٧٦، حديث: ٢٥٤٧٨.

اور شوال کے روزوں کی قضا ماہ شوال کے گزر جانے کے بعد مشروع نہیں ہے، کیونکہ اس سنت کا وقت خاص ہے، لہٰذا اگر وہ کسی عذر سے چوک جائے یا بغیر عذر کے، اس کے بعد اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا میرے شوہر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ مجھے نفل روزوں سے منع کرے مثلاً شوال کے چھ روزے ہیں، اور کیا اس سلسلے میں مجھے کوئی گناہ ہوگا؟

جواب: عورت کے لیے احادیث میں یہ تلقین وارد ہے کہ جب اس کا شوہر حاضر ہو تو اسے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ اسے اس دوران میں اس سے استمتاع کی حاجت پیش آ سکتی ہے۔ اگر وہ بلا اجازت روزہ رکھ لے، تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کا روزہ چھڑوا دے اگر اسے تمتع کی ضرورت ہو۔ اور اگر شوہر کو اس کی حاجت نہ ہو تو بیوی کو روزہ افطار کرانا مکروہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں شوہر کو بیوی کے روزے کا کوئی ضرر نہیں ہے اور نہ بچوں کی خدمت اور تربیت میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے یا کسی دودھ وغیرہ پلانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ نفلی روزے خواہ شوال کے ہوں یا دوسرے، سب کا حکم ایک ہے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: شادی شدہ عورت کے لیے نفلی روزے رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: شادی شدہ عورت کا شوہر جب حاضر ہو تو اسے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''کسی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس کا شوہر حاضر ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے۔''[1]

اور کچھ روایات میں یہ استثنا آئی ہے: ''کہ سوائے رمضان کے۔''[2] یعنی رمضان کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر شوہر نے نفل روزے کی اجازت دے دی ہو، یا شوہر حاضر و موجود نہ ہو، یا شوہر ہی نہ ہو، تب اسے نفل روزے رکھنے کی کھلی اجازت ہے، بالخصوص ان دنوں کی جن میں نفل روزہ رکھنا مستحب ہے، مثلاً سوموار، جمعرات اور ہر قمری مہینے میں تین دن، شوال کے چھ روزے، ذی الحج کے نو روزے، عرفہ کا روزہ اور عاشورۂ محرم کا روزہ، اس طرح کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد ایک دن کا روزہ رکھے۔ (صالح فوزان)

سوال: ایسی گولیاں استعمال کرنے کا کیا حکم ہے جو ماہانہ ایام روکنے کا باعث ہوتی ہے اور مقصد یہ ہو کہ رمضان

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب صوم المرأة باذن زوجها تطوعا، حدیث: ٥١٩٢ وصحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ما انفق العبد من مال مولاه، حدیث: ١٠٢٦ وسنن ابن ماجه، کتاب الصوم، باب فی المرأة تصوم بغیر اذن زوجها، حدیث: ١٧٦١.

[2] سنن ابی داود، کتاب الصیام، باب المراة تصوم بغیر اذن زوجها، حدیث: ٢٤٥٨ سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی کراهیة صوم المرأة الا باذن زوجها، حدیث: ٧٨٢۔ سنن ابن ماجه، کتاب الصیام، باب فی المرأة تصوم بغیر اذن زوجها، حدیث: ١٧٦١.

کے روزے لوگوں کے ساتھ رکھے جا سکیں؟

جواب: میں ان سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ مجھے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا ہے کہ ان گولیوں سے عورت کی صحت پر بہت برا اثر ہوتا ہے۔ چونکہ ماہانہ نظام ایک ایسا فطری عمل ہے جو اللہ عزوجل نے حوا کی بیٹیوں پر مقدر فرمایا ہوا ہے، لہٰذا اس خاتون کو چاہیے کہ اللہ کے لکھے پر قناعت کرے، جب مانع نہ ہو روزے رکھے، اور جب یہ شرعی رکاوٹ آ جائے تو روزے چھوڑ دے اور اللہ کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کرے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں ایک ایسی عورت ہوں کہ مجھے میرے ایام مہینے کے آخر میں آتے ہیں، تو اس طرح رمضان المبارک میں میں ایک بہت بڑی خیر سے محروم رہ جاتی ہوں۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ گولیاں استعمال کرلوں، جو مانع ایام ہوتی ہیں، اور میں نے اپنے ڈاکٹر سے پوچھا ہے، اس کا کہنا ہے کہ ان کا کوئی نقصان نہیں ہے؟

جواب: میں انھیں اور اس اجنبی خواتین سے، جنہیں ماہ رمضان میں ایام مخصوصہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کہنا چاہوں گا کہ ان سے جو نمازیں اور قراءت قرآن وغیرہ چھوٹ جاتے ہیں، یہ سب اللہ عزوجل کے قضا وقدر کے فیصلے ہیں، چاہیے کہ انہیں صبر سے قبول کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی فرمایا تھا، جب کہ وہ اس کیفیت سے دوچار تھیں کہ

''یہ وہ چیز ہے جو اللہ عزوجل نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے۔'' [1]

لہٰذا ہم بھی اس خاتون سے یہی کہیں گے کہ یہ مخصوص ایام جو اللہ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیے ہیں ان پر صبر کریں اور اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق مانع ایام گولیاں خاتون کی صحت پر منفی اثرات ڈالتی ہیں، ان سے عورت کے رحم میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، بلکہ ان ادویات کی وجہ سے رحم میں پرورش پانے والے جنین کی شکل وصورت تک بگڑ جاتی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ روزے کی حالت میں کھانے کا ذائقہ چکھ لے؟

جواب: اس مسئلے کا حکم یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو جائز ہے، مگر ضروری ہے کہ پھر فوراً تھوک دے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہ اس کی والدہ کی عمر تقریباً پینسٹھ برس ہو رہی ہے اور گزشتہ انیس سال سے اس کے ہاں کوئی ولادت نہیں ہوئی ہے لیکن پچھلے تین سال سے اسے مسلسل خون آنے کا عارضہ ہو گیا ہے، شاید یہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسك کلها الا الطواف بالبیت، حدیث : ۲۹۹ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان وجوه الاحرام و انه یجوز افراد الحج والتمتع، حدیث : ۱۲۱۱ وسنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فی افراد الحج، حدیث : ۱۷۸۲ .

تکلیف اسی توقف کا نتیجہ ہو۔ اور اب رمضان آ رہا ہے، رمضان کے ایام میں یہ کیا کرے؟ یہ اور اس جیسی خواتین کو آپ کیا نصیحت فرمائیں گے؟ وجزاکم اللہ خیرا

جواب: اس جیسی خواتین جنہیں مسلسل خون آتا ہو (جسے کہ استحاضہ کہا جاتا ہے) اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی عورت کو اس عارضہ کے شروع ہونے سے پہلے جو اس کی عادت تھی کہ جن ایام و تواریخ میں اسے حیض آتا تھا، اتنے دن نماز روزہ چھوڑ دے، مثلاً اس کی عادت تھی کہ مہینے کے شروع میں چھ دن حیض ہوتا تھا، تو اسے اب بھی ہر مہینے اتنے دن توقف کرتے ہوئے نماز روزہ چھوڑ دینا چاہیے۔ جب یہ دن پورے ہو جائیں تو اب اسے غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دینا چاہیے۔ اس طرح کی صورت میں عورتوں کے لیے نماز کی کیفیت یہ ہے کہ یہ اپنے زیریں جسم کو خوب دھو کر اور صاف کر کے لنگوٹ وغیرہ باندھ لیں، اور پھر وضو کریں، اور یہ وضو انہیں فرض نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد کرنا چاہیے۔ اگر فرض نمازوں کے اوقات کے علاوہ نفل پڑھنا چاہے تو بھی اسی طرح کرے۔ اس مرض اور طہارت کی مشقت کے پیش نظر اسے جائز ہے کہ ظہر و عصر، اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر لیا کرے، تاکہ اسے یہ محنت دو نمازوں کے لیے ایک بار کرنی پڑے، اور فجر کے لیے ایک بار کرے گی۔ یعنی پانچ بار کی بجائے اسے یہ عمل تین بار کرنا ہو گا۔

میں مسئلہ دوبارہ دہرا دوں کہ یہ عورت جب طہارت (وضو) کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ شرمگاہ کو دھو کر کسی کپڑے وغیرہ کا لنگوٹ باندھ لے، حتیٰ کہ خون کا نکلنا کم ہو جائے، پھر وضو کرے اور نماز پڑھے (ظہر عصر کو جمع کرتے ہوئے) ظہر کی چار رکعت اور عصر کی چار رکعت پڑھے، پھر مغرب کی تین اور عشاء کی چار رکعتیں پڑھے، اور فجر کی دو رکعتیں (فرض) پڑھے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ عورت نماز نہیں چھوڑ سکتی جیسے کہ بعض عوام سمجھتے ہیں، بلکہ دو نمازیں جمع کرے خواہ جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر۔ اور اگر اسی وقت میں اس وضو کے ساتھ سنتیں اور نفل پڑھنا چاہے تو بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت نے نذر مانی ہے کہ اگر اس کا حمل محفوظ رہا اور سلامتی کے ساتھ بچے کی ولادت ہوئی تو یہ ایک سال روزے رکھے گی۔ چنانچہ اس کا حمل محفوظ رہا ہے اور بچے کی ولادت بھی خیریت سے ہو گئی ہے مگر عورت اب اپنی نذر کے معاملے میں عاجزی کا اظہار کر رہی ہے کہ سال بھر روزے رکھنا اس کے لیے بہت مشکل ہے۔

جواب: اس میں شک نہیں کہ کسی اطاعت کی نذر ماننا عبادت ہے، اور اللہ عزوجل نے ایسے اہل ایمان کی مدح فرمائی ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ (الدھر: ٧٦/٧)

"یہ اہل ایمان وہ ہیں جو اپنی نذریں پوری کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہو گی۔"

اور احادیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے نذر مانی ہو کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا، اسے چاہیے کہ اللہ کی اطاعت (عبادت) کرے،
او جس نے یہ نذر مانی ہو کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اسے معصیت کا کام نہیں کرنا چاہیے۔'' ❶

احادیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے نذر مان لی کہ وہ بوانہ مقام پر ایک اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

''کیا اس جگہ جاہلیت کا کوئی بت تو نہ تھا جس کی عبادت کی جاتی رہی ہو؟ کہا کہ نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا یہ جگہ اہل جاہلیت کی کسی عید کا مقام تو نہ تھی؟ کہا گیا۔ نہیں، تب آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرلو، بلاشبہ ایسی نذر کا کوئی پورا کرنا نہیں ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو، اور نہ اس چیز میں جس کا ابن آدم مالک نہ ہو۔'' ❷

اور اس سوال میں جو پوچھا گیا ہے کہ عورت نے سال بھر روزے رکھنے کی نذر مانی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سال بھر مسلسل روزے رکھنا ''صیام دہر'' کی قسم سے ہے یعنی یہ زمانہ بھر روزے رکھنا ہے اور صیام دہر مکروہ اور ناجائز عمل ہے۔ صحیحین میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس نے زمانہ بھر روزے رکھے، اس نے نہ روزے رکھے نہ افطار کیا۔'' ❸

اور اس میں شک نہیں کہ کسی مکروہ عبادت کو عمل میں لانا رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے، لہٰذا ایسی نذر کا پورا کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی ایسی نذر مان لے جو مکروہ اور ناجائز قسم کی عبادت ہو مثلاً ہر رات کا کامل قیام، یا ہر ہر دن کا مسلسل روزہ وغیرہ تو ایسی نذر کا پورا کرنا درست نہیں ہے۔

لہٰذا اس عورت کو اسے اپنی قسم کا کفارہ دینا چاہیے یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، ہر مسکین کے لیے آدھا صاع (سوا کلو یا ڈیڑھ کلو) کھجور وغیرہ ہونی چاہیے، یعنی طعام ایسا ہو جو علاقے کی اکثریت استعمال کرتی ہو۔ اگر

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر، باب النذر فی الطاعة، حدیث: ٦٦٩٦ وسنن ابی داود، کتاب الایمان والنذر، باب النذر فی المعصية، حدیث: ٣٢٨٩ وسنن الترمذی، کتاب النذور والایمان، باب من نذر ان یطیع الله فلیطعه، حدیث: ١٥٢٦ .

❷ سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب ما یومرمن خاء النذر، حدیث: ٣٣١٣ المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ١٣٤١ .

❸ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب ثلاثة ایام من کل شهر ....، حدیث: ١١٦٢ وسنن ابی داود، کتاب الصیام، باب فی صوم الدهر تطوعا، حدیث: ٢٤٢٥ فضیلۃ الشیخ نے فرمایا: کہ یہ روایت صحیحین میں ہے جبکہ صحیح مسلم سے تو بعینہ الفاظ ملتے ہیں البتہ صحیح بخاری میں یہ الفاظ کہ ''نہ اس نے افطار کیا'' مجھے نہیں ملے البتہ ''نہ اس نے روزہ رکھا'' کے الفاظ صحیح بخاری میں ضرور موجود ہیں۔ دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم داود علیه السلام، حدیث: ١٨٧٨ (عاصم)

اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزے رکھے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایسی مسلمان عورتوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو رمضان کی راتیں ٹیلی ویژن، ریڈیو یا ڈش کے سامنے بیٹھ کر جاگ کر گزارتی ہیں، یا بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں، یا سوتے رہنا ہی ان کا کام ہوتا ہے، انہیں آپ کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب: مسلمان آدمی، مرد ہو یا عورت، اس کے لیے لازم ہے کہ ماہ رمضان کا پوری طرح احترام کرے، اپنے اوقات اللہ کی اطاعت میں مشغول رکھے، اللہ کی نافرمانیوں اور برائیوں سے ہمیشہ بچتا رہے، اور رمضان میں تو یہ اور بھی تاکید ہے کیونکہ یہ ایام بڑی عزت اور احترام والے ہیں اور راتوں کو فلمیں دیکھتے ہوئے جاگتے رہنا، ٹیلیویژن، ریڈیو یا ڈش وغیرہ دیکھنے میں مشغول رہنا یا گانے بجانے یا دیگر لہو و لعب میں مشغول ہونا ایسے کام ہیں جو رمضان یا غیر رمضان سب ہی اوقات میں حرام ہیں مگر رمضان میں ان کی حرمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اور ان چیزوں کے ساتھ ساتھ ناجائز طور پر جاگتے رہنا، شرعی واجبات سے غافل رہنا اور دن میں نمازوں سے غفلت کرتے ہوئے سوئے رہنا یہ مزید دوسرے گناہ ہیں۔ اور گناہوں کا حال یہ ہے کہ ایک کے بعد دوسرا ہوتا چلا جاتا ہے یا ایک گناہ دوسرے گناہ کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

اور عورتوں کا بلاوجہ بازاروں میں نکلنا حرام ہے سوائے اس کے کہ کوئی اہم ضرورت ہو، اور لازم ہے کہ اسی قدر باہر رہے جتنی کہ ضرورت ہو، اور شرط ہے کہ باہر نکلتے ہوئے باپردہ ہو، باوقار ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچے، بلاوجہ اجنبیوں سے گفتگو نہ کرے، سوائے اس کے کہ جتنی لازمی ضرورت ہو، فتنے کا باعث نہ بنے، اور بالخصوص رات کو دیر تک باہر رہنا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز کے وقت میں یہ سوئی رہے گی یا اپنے شوہر اور اپنی اولاد کے حقوق میں قصوروار ہوگی۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: وہ کیا امور یا وسائل ہیں جنہیں اختیار کر کے کوئی مسلمان خاتون رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کما سکتی ہے؟

جواب: اہم ترین ذرائع یا وسائل، جو کسی بھی مسلمان، مرد ہو یا عورت، کے لیے رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کا باعث اور معاون ہو سکتے ہیں، درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ کا خوف اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ عزوجل بندے کے تمام طرح کے اعمال، افعال، اقوال حتیٰ کہ ارادوں تک سے آگاہ ہے، اور ان پر وہ بندے کا محاسبہ کرے گا۔ بندے کو جب کامل طور پر یہ شعور حاصل ہو جاتا ہے تو وہ یقیناً اللہ کی اطاعت میں مشغول ہو جاتا ہے، نافرمانیوں سے بچتا ہے اور گناہوں سے توبہ کرنے میں جلدی کرتا ہے۔

۲۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت، کیونکہ اس سے دل نرم ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل کا

فرمان ہے:

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾

(الرعد: ۱۳/ ۲۸)

''اللہ کے منتخب بندے وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔خبردار! اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔''

۳۔ ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا جو اللہ سے دور کرنے والی اور دل کو سخت کر دینے والی ہوں، اور اس سے مراد ہے ہر طرح کے گناہ، بدقماش لوگوں سے میل جول، حرام کھانا، اللہ کے ذکر سے غفلت اور گندی فلمیں وغیرہ دیکھنا۔

۴۔ اور عورت کے لیے بالخصوص یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہے، انتہائی ضرورت کے علاوہ باہر جانے سے اجتناب کرے، اور اپنی ضرورت پوری ہو جانے پر فوراً گھر واپس آ جائے۔

۵۔ رات کو پوری نیند لینا۔ بندہ جب رات کو بر وقت سو جاتا ہے تو اسے پچھلی رات قیام کے لیے اٹھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور دن کے وقت مناسب نیند لے، تاکہ نمازیں بر وقت ادا کر سکے، اور اپنے اوقات کو نیکی اور اطاعت کے کاموں میں مشغول کرے۔

۶۔ زبان کو غیبت، چغلی، جھوٹ اور حرام گفتگو سے بچائے اور اس کی بجائے اللہ کے ذکر میں مشغول کرے۔

(صالح فوزان)

سوال: بازار، مارکیٹ یا بعض دکانوں پر ایسا ہو جاتا ہے کہ مردوں کو عورتوں سے بات چیت کرنا پڑتی ہے، یا کبھی کسی سے ہاتھ وغیرہ مس کر جاتا ہے، تو ایک روزے دار مرد کے لیے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب کسی مرد کی بات چیت کسی اجنبی خاتون سے کسی شبہ سے بالا ہو، یا اس میں لطف اندوزی مقصود نہ ہو مثلاً کسی چیز کے بھاؤ تاؤ کی بات ہو، یا راہ پوچھنے یا بتلانے وغیرہ کی ضرورت پڑ جائے یا بلا ارادہ ہاتھ وغیرہ چھو جائے تو یہ چیز رمضان یا غیر رمضان میں جائز ہے۔لیکن اگر اس گفتگو میں نیت اور ارادہ ہی لطف اندوزی کا ہو تو یہ ناجائز ہے خواہ رمضان میں ہوں یا رمضان کے علاوہ، البتہ رمضان میں اس کی ممانعت اور سخت ہوگی۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا رمضان کے دنوں میں حرام گفتگو کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: جب ہم اللہ عزوجل کا یہ فرمان مبارک پڑھتے ہیں:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔''

تو ہمیں روزہ فرض کیے جانے کی حکمت معلوم ہوتی ہے، اور وہ ہے اللہ کا تقویٰ حاصل ہونا، اس کا ڈر اور اس کی عبادت کرنا، اور تقویٰ سے مراد ہی یہ ہے کہ انسان ہر طرح کے حرام کام چھوڑ دے، جس میں اوامر و احکام کا سرانجام دینا اور ممنوعات سے بچنا شامل ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان میں ثابت ہے کہ:

''جو بندہ جھوٹ بات نہیں چھوڑتا، جھوٹ پر عمل سے باز نہیں رہتا اور جہالت کا مرتکب ہوتا ہے، ایسے بندے کے بارے میں اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''❶

لہٰذا روزے دار پر لازم آتا ہے کہ ناجائز گفتگو اور حرام کاموں سے پرہیز کرے، غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، چغلی سے پرہیز کرے، حرام خرید و فروخت بلکہ ہر طرح کے حرام سے اجتناب کرے۔ جب انسان پورا ایک ماہ ان امور کی پابندی کرے گا تو امید ہے کہ بقیہ سال کے دنوں میں بھی اس کا نفس ٹھیک رہے گا۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے روزے دار اپنے روزہ دار یا بے روزہ ہونے میں کوئی فرق نہیں کرتے، ان کی عادت میں کوئی فرق نہیں آتا، پہلے کی طرح ہی وہ جھوٹ، دھوکہ اور حرام گفتگو وغیرہ کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، انہیں اس بات کا شعور ہی نہیں ہوتا کہ انہیں اپنے روزے کا احترام بھی کرنا ہے۔ اور ان اعمال سے اگرچہ روزہ ٹوٹتا تو نہیں ہے لیکن اجر و ثواب ضرور کم ہو جاتا ہے، اور عین ممکن ہے کہ گناہ و ثواب کے تقابل میں روزے کا اجر بالکل ہی ضائع ہو جائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا شوال کے چھ روزے رمضان کی قضا دینے سے پہلے رکھے جا سکتے ہیں؟ اور کیا سوموار اور جمعرات کے روزے ماہ شوال میں اس نیت سے رکھے جا سکتے ہیں کہ رمضان کی قضا ہوں اور سوموار جمعرات کے روزے بھی؟

جواب: شوال کے چھ روزوں کا اجر و ثواب اسی صورت میں ہے جب انسان نے رمضان کے پورے روزے رکھے ہوں۔ اگر کسی کے ذمے رمضان کے روزے رہتے ہوں تو اسے شوال کے روزے ان کی قضا دینے کے بعد ہی رکھنے چاہئیں، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''جو رمضان کے روزے رکھے پھر ان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے۔''❷

لہٰذا ہمارا کہنا یہ ہے کہ جس کے ذمے رمضان کی قضا باقی ہو وہ پہلے یہ قضا دے پھر شوال کے روزے رکھے اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ شوال کے روزے سوموار اور جمعرات کے دنوں میں رکھے ہیں تو ایسے آدمی کو شوال کے روزوں اور ان دنوں (سوموار و جمعرات) کے روزوں کا ثواب بھی مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ تعالیٰ: واجتنبوا قول الزور، حدیث: ٦٠٥٧ وسنن ابن ماجه، کتاب الصیام، باب ما جاء فی الغیبة والرفث للصائم، حدیث: ١٦٨٩.

❷ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستة ایام من شوال..... حدیث: ١١٦٤ وسنن ابی داود، کتاب الصیام، باب فی صوم ستة ایام من شوال، حدیث: ٢٤٣٣

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر بندے کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔''❶

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میرا چھوٹا بچہ روزہ رکھنے پر اصرار کرتا ہے، حالانکہ روزہ اس کے لیے بوجہ صغرسنی اور کمزوریِ صحت نقصان دہ ہے، تو کیا میں اس پر اس بارے میں سختی کر سکتی ہوں کہ وہ روزہ نہ رکھے؟

جواب: جب بچہ چھوٹا ہو، بالغ نہ ہوا ہو تو اسے روزہ رکھنا فرض نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ رکھ سکتا ہو اور اسے مشقت نہ ہوتی ہو تو اس سے روزہ رکھوانا چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے چھوٹے بچوں کو روزے رکھواتے تھے، حتیٰ کہ بعض اوقات وہ اس وجہ سے روتے تو انہیں کھلونے وغیرہ دے کر بہلاتے تھے۔

اور اگر ثابت ہو کہ روزہ اس صغیر السن کے لیے نقصان دہ ہے، تو اسے اس سے روکنا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان چھوٹے بچوں کو ان کی مصلحت کے پیش نظر ان کے مال دینے سے منع فرمایا ہے، اس اندیشے کے تحت کہ وہ اپنا مال ضائع کر بیٹھیں گے۔ تو اس کے مقابلے میں بدن کا نقصان زیادہ قابل اہتمام ہے، لہٰذا اسے روزہ رکھنے سے روکا جائے، مگر اس معاملے میں سختی سے کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ بچوں پر سختی کرنا تربیتی نقطہ نظر سے مناسب نہیں ہوتا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ ''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں'' تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو بندہ رمضان میں فوت ہو جائے وہ بلا حساب جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے؟

جواب: نہیں معاملہ ایسے نہیں ہے، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنت کے دروازے عمل کرنے والوں کی فرحت اور خوشی کے لیے کھولے جاتے ہیں تاکہ ان عمل کرنے والوں کو ان میں داخلے کی ترغیب ہو، اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں تاکہ اہل ایمان نافرمانیوں سے بچتے رہیں اور ان میں داخل نہ ہوں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ رمضان میں وفات پانے والا بلاحساب جنت میں داخل ہوگا، بلکہ بلا حساب جنت میں جانے والوں کے اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں کہ:

''یہ وہ لوگ ہیں جو (شرکیہ وبدعیہ) دم جھاڑ نہیں کرواتے، داغ نہیں لگواتے، بدفالی نہیں لیتے اور اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله، حدیث: ۱ وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قوله: انما الاعمال بالنیة، حدیث: ۱۹۰۷

❷ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ومن یتوکل علی الله فهو حسبه، حدیث: ٦٤٧٢ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة، حدیث: ۲۱۸

ان اوصاف کے ساتھ ساتھ وہ تمام اعمال صالحہ بھی سرانجام دیتے ہیں جو ان پر فرض اور واجب ہیں۔
(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا کسی عورت کے لیے اعتکاف بیٹھنا جائز ہے؟

جواب: عورت کا اعتکاف کرنا جائز ہے، اور ہر مسجد میں یہ عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کے اعتکاف میں کوئی فتنہ نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی فتنہ ہو تو یہ عورت اعتکاف نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اصولی قاعدہ ہے کہ اگر کسی مستحب عمل کے نتیجے میں کوئی ممنوع بات ظاہر ہوتی ہو تو اس مستحب عمل سے روکنا واجب ہوگا جیسے کسی مباح عمل کے نتیجے میں کوئی ممنوع بات سامنے آتی ہو تو اس سے منع کرنا واجب ہوگا۔

اگر بالفرض عورت کے مسجد میں اعتکاف کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے کہ مسجد حرام ہے کہ اس میں عورتوں کے لیے اعتکاف کی کوئی جگہ خاص نہیں ہے، اور اعتکاف والی عورت یقیناً سوئے گی رات کو سوئے یا دن میں، اور عورت کا مردوں کے درمیان سونا، جو ادھر ادھر آتے جاتے ہوں، ایک بڑا فتنہ ہے (اس صورت میں اسے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی) لیکن اگر اس قسم کا کوئی فتنہ نہ ہو تو اس کا اعتکاف کرنا بالکل صحیح ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: روزے کی حالت میں خوشبو سونگھنے اور عطر استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: روزے کی حالت میں خوشبو سونگھنے یا عطر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر عود وغیرہ کا دھواں (بخور) سانس کے ذریعے سے اپنے اندر کھینچنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ دھویں کا اپنا ایک جرم ہوتا ہے جو معدے تک پہنچتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں نے سحری کے وقت طلوع فجر کا اندازہ لگایا اور مجھے محسوس ہوا کہ ابھی رات ہے، صبح صادق طلوع نہیں ہوئی، پھر میں سحری کھانے لگی، مگر اسی اثناء میں میں نے فجر کی اذان سنی، تو میں نے منہ کا لقمہ گرا دیا اور روزے کی نیت کر لی، تو کیا میرا یہ روزہ صحیح ہوا؟

جواب: آپ کا روزہ صحیح ہے، کیونکہ آپ نے طلوع فجر کے بعد کچھ نہیں کھایا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: صوم وصال سے کیا مراد ہے، اور کیا یہ جائز ہے؟

جواب: ''صوم وصال'' سے مراد یہ ہے کہ آدمی دو دن مسلسل متصل روزے رکھے اور درمیان میں کوئی افطاری وغیرہ نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[1] البتہ یہ رخصت دی ہے کہ ''جو وصال کرنا چاہتا ہے وہ سحر تک کر لے۔''[2] تو سحری تک وصال کر لینا جائز ہے، مشروع یا سنت نہیں ہے۔ اس کے بالمقابل

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الوصال، حدیث: ۱۹٦۲ وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال، حدیث: ۱۱۰۲.

[2] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الوصال الی السحر، حدیث: ۱۹٦۷.

آپ ﷺ نے (افطار کا وقت ہو جانے پر) روزہ کھولنے میں جلدی کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ''لوگ جب تک افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے خیر پر رہیں گے۔''❶ بہرحال آپ نے صرف سحری تک وصال کرنے کی رخصت دی ہے، اور جب صحابہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ وصال کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''میں تمہاری طرح سے نہیں ہوں۔''❷ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ''سحری کھایا کرو، بلاشبہ سحری میں برکت ہے۔''❸ سحری میں برکت ہے۔'' کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: سحری کرنے میں دو طرح کی برکتیں ہیں۔ ایک شرعی، دوسری بدنی۔ شرعی برکت یہ ہے کہ انسان رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کر کے آپ کی اقتدا کرتا ہے، اور بدنی برکت یہ ہے کہ انسان کو غذا مل جاتی ہے اور روزہ پورا کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے کا کیا حکم ہے؟ اور جو آدمی کسی روزے دار کو کھاتا پیتا دیکھے تو کیا اس پر واجب ہے کہ اسے اس کا روزہ یاد دلائے؟

جواب: جو شخص روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لے، اس کا روزہ بالکل صحیح ہے، اور اگر اس اثناء میں اسے یاد آ جائے تو اس پر واجب ہے کہ فوراً اس سے رک جائے اور منہ کا لقمہ یا گھونٹ فوراً پھینک دے۔ بھولے سے کھا پی لینے سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کے صحیح ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''جو بھول گیا اور وہ روزے سے ہوا اور کھا یا پی لیا، تو اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے، بلاشبہ اللہ نے ہی اسے کھلایا پلایا ہے۔''❹

---

❶ صحيح بخارى، كتاب الصوم، باب تعجيل الافطار، حديث: ١٩٥٧ وصحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور وتاكيد استحبابه واستحباب تاخيره وتعجيل الفطر، حديث: ١٠٩٨ وسنن الترمذى، كتاب الصوم، باب ما جاء فى تعجيل الافطار، حديث: ٦٩٩.

❷ صحيح بخارى، كتاب الصوم، باب الوصال، حديث: ١٩٦١-١٩٦٤ وصحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهى عن الوصال، حديث: ١١٠٢، ١١٠٣.

❸ صحيح بخارى، كتاب الصوم، باب بركة السحور من غير ايجاب، حديث: ١٩٢٣ وصحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور و تاكيد استحبابه واستحباب تاخيره، حديث: ١٠٩٥ وسنن الترمذى، كتاب الصوم، باب ما جاء فى فضل السحور، حديث: ٧٠٨.

❹ صحيح بخارى، كتاب الصوم، باب الصائم إذا اكل أو شرب ناسيا، حديث: ١٩٣٣ وصحيح مسلم، كتاب الصيام، باب اكل الناس وشربه وجماعة لا يفطر، حديث: ١١٥٥ وسنن ابى داود، كتاب الصيام، باب من اكل ناسيا، حديث: ٢٣٩٨

اور ''بھول'' ایک ایسی صفت ہے کہ اگر انسان اس میں کسی ممنوع کا ارتکاب کر بیٹھے تو اللہ اس کا مواخذہ نہیں کرتا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة: ٢/ ٢٨٦)

''اے ہمارے رب! ہمارا مواخذہ نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں۔''

اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا: ''میں نے یہ بات قبول کی۔''

اور جو کوئی کسی روزے دار کو کھاتا پیتا دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ اسے یاد دلائے کیونکہ یہ ''تغییر منکر'' کی ایک صورت ہے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو چاہیے کہ اپنے دل سے اسے برا جانے......'' [1]

اور اس میں شبہ نہیں کہ روزہ دار کا روزے کی حالت میں کھانا یا پینا ایک غلط کام ہے۔ لیکن یہ آدمی خود بوجہ بھول کے معذور ہے اور اس پر پکڑ نہیں ہے، لیکن دیکھنے والا اس پر خاموش رہے، اس میں اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: روزے کی حالت میں ٹیکہ لگوانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: علاج کے لیے استعمال کیے جانے والے ٹیکوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اکل و شرب یعنی غذا کا فائدہ دیتے ہیں۔ یہ روزے دار کے لیے مفطر کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ نصوص شرعیہ کے معنی و مفہوم جب کسی بھی صورت میں پائے جائیں تو نص والا حکم اس پر منطبق ہو جاتا ہے [ٹیکوں کی اس قسم میں غذا کے معنی پائے جاتے ہیں]۔

اور دوسری قسم ٹیکوں کی وہ ہے جو غذا کا فائدہ نہیں دیتے، یہ مفطر نہیں ہیں، کیونکہ اس صورت میں نص کے کوئی معنی و مفہوم لفظاً یا معناً نہیں پائے جاتے۔ یہ نہ کھانا ہیں اور نہ پینا اور نہ ہی معنوی طور پر یہ اس طرح کا فائدہ دیتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ جب تک کسی شرعی دلیل کے تحت کوئی چیز روزے کے لیے مفسد ثابت نہ ہو، روزہ صحیح رہے گا۔ [2] (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان، حديث: ٤٩ وسنن النسائي، كتاب الايمان، باب تفاضل اهل الايمان، حديث: ٥٠١١.

[2] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ ٹیکے جن میں سوئی کے ذریعے سے دوا جسم کے اندر پہنچائی جاتی ہے، اگر غذائی فائدہ نہ بھی دے تو دوا کا فائدہ ضرور دیتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے مرض کے دفعیہ میں جسم کو طاقت ملتی ہے، اس لیے انہیں صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ اور بیرونی طور پہ جن چیزوں کی شریعت نے اجازت دی ہے وہی جائز ہیں، مثلاً غسل کرنا، مالش کرنا، کلی کرنا، کان یا آنکھ میں دوا ڈالنا یا سینگی لگوانا وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال: کیا روزے کی حالت میں بطور دوا غرارہ کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے؟

جواب: اگر کوئی چیز حلق سے نیچے نہ جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا ہے، تاہم اس سے اجتناب کرنا چاہیے، سوائے اس کے کہ انتہائی مجبوری ہو۔ اور جب تک کوئی چیز حلق سے نیچے نہیں جاتی آدمی مفطر نہیں ہوتا۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کوئی آدمی روزہ دار ہوتے ہوئے جھوٹی گواہی دے تو کیا اس سے اس کا روزہ صحیح رہے گا؟

جواب: جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے کہ آدمی کوئی ایسی گواہی دے جس کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں یا خلاف حقیقت گواہی دے۔ اس سے روزہ باطل تو نہیں ہوتا ہے مگر اجر بہت کم ہو جاتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا روزے کے ظاہری و معاشرتی فوائد بھی ہیں؟

جواب: ہاں، اس کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً لوگوں کا آپس میں امت واحدہ ہونے کا شعور اجاگر ہوتا ہے کہ ہم ایک امت ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں کھاتے اور ایک ہی وقت میں روزہ شروع کرتے ہیں۔ اغنیاء اور مالداروں کو اللہ کی نعمتوں کا احساس ہوتا ہے اور وہ فقراء ومحتاجین سے تعاون کرتے ہیں۔ اس میں شیطان کے بندے پر حملہ آور ہونے کا اندیشہ بہت کم ہوتا ہے، تقویٰ کے حصول میں مدد ملتی ہے اور افراد ملت کے مابین ربط و ضبط بہت قوی ہو جاتا ہے وغیرہ۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: سفر کی وہ کیا مقدار ہے جس میں ایک روزہ دار اپنا روزہ افطار کر سکتا ہے؟

جواب: ایسا سفر جس میں آدمی کے لیے روزہ افطار کرنا اور نماز قصر کرنا جائز ہوتا ہے، اس کی مقدار تراسی کلومیٹر ہے۔ اور بعض علمائے کرام سفر کی کوئی حد معین نہیں کرتے۔ بلکہ ہر وہ مسافت جو عرف عام میں سفر کہلاتی ہو وہ سفر ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ جب تین فرسخ کی مسافت کا سفر کرتے تو نماز قصر کیا کرتے تھے۔ [1]

علاوہ ازیں کوئی ایسا سفر جو کسی حرام مقصد کے لیے ہو اس میں نماز قصر نہیں ہو سکتی اور نہ روزہ افطار کیا جا سکتا ہے، کیونکہ معصیت و نافرمانی اور رخصت میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جبکہ کچھ علماء ایسے بھی ہیں جو سفر اطاعت اور سفر معصیت میں کوئی فرق نہیں کرتے، کیونکہ دلائل عام ہیں۔ اور علم اللہ کے پاس ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہم لوگ ایک ایسے ملک اور علاقے میں رہائش پذیر ہیں کہ یہاں غروب آفتاب رات کے ساڑھے نو، دس بجے ہوتا ہے، تو ہم افطار کس وقت کیا کریں؟

---

[1] صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب قصر الصلاة بمنى، حديث: ٦٩١ وسنن ابى داود، كتاب الصلاة، ابواب صلاة المسافر، باب متى يقصر المسافر، حديث: ١٢٠١۔ مسند احمد بن حنبل: ٣/ ١٢٩، حديث: ١٢٣٣٥.

جواب: چونکہ آپ لوگوں کے ہاں رات دن چوبیس گھنٹے کے ہیں اس لیے آپ کو افطار اس وقت کرنا ہوگا جب سورج غروب ہو۔ اور روزہ آپ پر فرض ہے، خواہ دن لمبا ہی کیوں نہ ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بعض علمائے کرام ایسے مسلمانوں پر بہت طعن کرتے ہیں جو روزے رکھتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے۔ نماز کا روزے سے کیا تعلق ہے؟ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ آخرت میں باب الریان سے گزرنے والوں کے ساتھ شامل ہوں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک رمضان دوسرے رمضان تک ما بین کے لیے کفارہ ہوتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب: جو لوگ آپ پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ آپ روزے تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے، وہ حق پر ہیں۔ کیونکہ نماز اسلام کا ستون ہے، اس کے بغیر اسلام قائم نہیں ہوسکتا، نہ قائم رہ سکتا ہے، بلکہ تارک نماز کافر ہے، ملت اسلام سے خارج ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کافر سے روزہ، صدقہ، حج یا دیگر اعمال صالحہ میں سے کچھ بھی قبول نہیں فرماتا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۹/ ۵۴)

"(اور ان منافقوں) کے خرچ (یعنی اموال) کے قبول ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا کفر کیا ہے، نماز کو آتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔"

لہٰذا اگر آپ روزے رکھتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے تو ہمارا کہنا بھی یہی ہے کہ آپ کے روزے سراسر باطل ہیں، ان کا آپ کو اللہ کے ہاں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یہ آپ کو اس کے ہاں کوئی قربت یا درجہ نہیں دلا سکتے۔ اور آپ نے جو یہ سمجھا ہے کہ ایک رمضان دوسرے رمضان تک مابین کے لیے کفارہ ہے، تو آپ نے حدیث کو کما حقہ سمجھا ہی نہیں ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا کامل فرمان یوں ہے: "پانچ نمازیں، اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک، اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، مابین کے لیے کفارہ ہوتے ہیں، جب کبائر سے اجتناب کیا جائے۔"[1]
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے رمضان تک مابین کے لیے کفارہ ہونے کے لیے شرط یہ فرمائی ہے کہ "کبائر سے اجتناب کیا جائے۔" بھلا ترک نماز سے بڑھ کر بھی کوئی کبیرہ گناہ ہوگا؟ بلکہ ترک نماز تو کفر ہے۔ اس کے لیے کس طرح ممکن ہے کہ آپ کے روزے آپ کے لیے کفارہ بنیں۔ آپ کے روزے نامقبول ہیں، محترم بھائی! آپ کو چاہیے کہ اپنے اللہ سے توبہ کریں اور نماز جو اس نے (پہلے) فرض کی ہے اس کی پابندی کریں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الصلوات الخمس الی الجمعۃ و رمضان الی رمضان. حدیث: ۲۳۳ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۵۹، حدیث: ۸۷۰۰.

روزے اس کے بعد ہیں۔

نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں تلقین فرمائی تھی کہ ''لوگوں کو تمہاری سب سے پہلے یہی دعوت ہونی چاہیے کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ یہ قبول کرلیں، تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں......''[1] تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (شہادت توحید و رسالت کے بعد) سب سے پہلے نماز سے ابتدا فرمائی، اس کے بعد زکاۃ کا فرمان ہے......۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت جو ایام حیض میں تھی پاک ہوگئی اور صبح کو روزہ رکھ لیا مگر غسل طلوع فجر کے بعد کیا اور پھر نماز پڑھی اور اس دن کا روزہ پورا کرلیا، کیا اسے اس دن کے روزے کی قضا دینی ہوگی؟

جواب: اگر کوئی حائضہ عورت طلوع فجر سے پہلے پاک ہوگئی ہو، خواہ ایک منٹ پہلے ہی پاک ہو، اور اسے یقین ہو کہ وہ اب پاک ہوگئی ہے، اور رمضان کے دن ہوں، تو اسے واجب ہے کہ روزہ رکھے، اور اس کا اس دن کا روزہ بالکل صحیح ہوگا، اور اس دن کی کوئی قضا اس کے ذمے نہیں ہے، کیونکہ اس نے بحالت طہارت روزہ رکھا ہے، غسل خواہ طلوع فجر کے بعد کرے، اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے کہ اگر کوئی مرد فجر کے وقت میں جنبی ہو، مباشرت سے یا احتلام وغیرہ سے، تو اس کو چاہیے کہ سحری کھائے اور روزہ رکھے، غسل خواہ طلوع فجر کے بعد کرے، اس کا روزہ بالکل صحیح ہوگا۔

اس مناسبت سے میں ایک اور مسئلہ سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ کئی عورتیں سمجھتی ہیں کہ اگر انہیں افطار کے بعد عشاء سے پہلے حیض آجائے، تو ان کا اس دن کا روزہ باطل ہوجاتا ہے، اس بات کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اگر حیض غروب آفتاب کے بعد آئے، خواہ ایک منٹ بعد ہی آجائے تو اس دن کا روزہ بالکل درست اور صحیح ہوگا۔

(محمد بن صالح عثیمین)

****

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا توخذ کرائم اموال الناس، حدیث: ۱۳۸۹ وصحیح ابن حبان: ۱/ ۳۷۰، حدیث: ۱۵۶ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام، حدیث: ۱۹ وسنن ابی داود، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمة، حدیث: ۱۵۸۴۔

حج کی شرطیں

سوال: عمرے کا شرعاً کیا حکم ہے، اگر یہ واجب ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ عمرہ واجب ہے، اور دوسرا قول ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ یہی کہتے ہیں اور راجح بھی یہی ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے اس فرمان میں

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: ۳/ ۹۷)

"اور لوگوں پر اللہ کے لیے (حق واجب) ہے بیت اللہ کا حج کرنا، جو اس تک جانے کی طاقت رکھتا ہو۔"

میں حج واجب فرمایا ہے نہ کہ عمرہ۔ البتہ (دوسرے فرمان کے بموجب) ان کا پورا کرنا واجب ہے، مگر یہ اس کے لیے ہے جو اس عمل کو شروع کر چکا ہو۔ ابتداءً صرف حج ہی فرض ہے۔ نیز سب احادیث صحیحہ میں بھی وجوب حج ہی کا ذکر آیا ہے۔ اور عمرہ میں تقریباً وہی اعمال ہیں جو حج میں ہوتے ہیں، یعنی احرام باندھنا، بیت اللہ کا طواف،

صفا اور مروہ کی سعی اور حلال ہونا، اور یہ سب حج میں ہوتے ہیں۔ جب بات تقریباً ایک ہی ہے تو حج کے اعمال کو اللہ نے دو بار فرض نہیں فرمایا ہے نہ دو طواف نہ دو بار سعی۔ اور طواف وداع حج کا رکن نہیں ہے نہ ہی یہ حج کا تتمہ ہے، بلکہ یہ ایک علیحدہ واجب عمل ہے، یعنی جو شخص مکہ سے روانہ ہو رہا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ یہ وداعی عمل کرے۔ اسی لیے جو شخص مکہ میں مقیم ہو اس پر طواف وداع نہیں ہے۔ اس مسئلے میں یہی قول صحیح ہے۔ اور اس کا واجب ہونا اس بنیاد پر ہے کہ مکہ سے نکلتے ہوئے بندے کا آخری عمل طواف بیت اللہ ہونا چاہیے جیسے کہ مکہ میں داخل ہونے والے کے لیے بعض علمائے کرام احرام کو واجب کہتے ہیں۔ وہ (عمرہ) اسلام کے ساتھ واجب نہیں ہوتا، جیسے کہ حج واجب ہوتا ہے۔

اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مکہ میں مقیم تھے انہوں نے عمرہ نہیں کیا تھا (یعنی حج کے ساتھ)، نہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں اور نہ ہی خلفاء کے دور میں، بلکہ مکہ میں رہتے ہوئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے دور میں (حج کے بعد) سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور کسی نے عمرہ نہیں کیا، اور اس کا بھی ایک سبب تھا۔ [1] (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

سوال: جو شخص حج کرے اور عمرہ نہ کرے، بلکہ عمرہ چھوڑ دے، بھول کر یا عمداً، تو کیا اس سے عمرہ ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں کیا منقول ہے؟

جواب: الحمد للہ رب العالمین، عمرہ واجب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ مذہب شافعی میں یہ دو قول ہیں تو امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں ہیں، اور ان کے اصحاب کے ہاں مشہور یہ ہے کہ عمرہ واجب ہے۔ تاہم اکثر کا قول یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔ جیسے کہ امام مالک رحمہ اللہ ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ دو قول مروی ہیں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے۔ اور جس شخص نے حج کر لیا ہو اور عمرہ نہ کیا ہو، اس پر کچھ نہیں ہے، خواہ وہ اسے جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول کر۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حج بیت اللہ کو فرض کیا ہے اور فرمایا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: ۳/ ۹۷)

''اور لوگوں کے ذمے ہے کہ اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کریں، جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔''

اور قرآن کریم میں وارد لفظ ''حج'' عمرے کو شامل نہیں ہے، بلکہ اس کا حج کے ساتھ اس طرح سے ذکر فرمایا ہے کہ جب بندے نے ان کا ارادہ کر لیا ہو تو انہیں پورا کرے۔ فرمایا:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۹۶)

---

[1] اس کا سبب ایام ماہواری کا آ جانا تھا، دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبیت، حدیث: ۳۰۵۔

’’اور پورا کرو حج اور عمرے کو اللہ کے لیے۔‘‘

اور فرمایا:

﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۵۸)

’’جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ، تو اس پر صفا اور مروہ کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔‘‘

مقصد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اتمام (پورا کرنے) کا حکم دیا تو فرمایا کہ حج وعمرہ کو پورا کرو۔ اور یہ آیت کریمہ باتفاق علماء حدیبیہ کے سال یعنی ہجرت کے چھٹے سال اور آل عمران کی آیت (وجوب حج کے سلسلہ میں) نویں یا دسویں سال نازل ہوئی تھی، اور اسی موقعہ پر حج فرض کیا گیا تھا۔

صحیح تر قول یہی ہے کہ حج بعد میں فرض ہوا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ یہ چھٹے سال فرض ہوا تھا، ان کا استدلال اسی آیت کریمہ سے ہے جس میں اتمام کا حکم ہے۔ مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دراصل اس میں حکم ہے کہ جو شخص یہ عمل شروع کر چکا ہو وہ اسے پورا کرے۔ اس میں حج وعمرہ کے شروع کرنے کا حکم نہیں ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کے نزول سے پہلے جب حدیبیہ کا عمرہ کیا، تو اس وقت تک حج یا عمرہ فرض نہیں کیا گیا تھا، پھر جب مشرکین نے آپ کو روک دیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس میں حج وعمرہ کے مکمل کرنے کا حکم دیا گیا اور محصر کے احکام بتائے گئے کہ جسے بیت اللہ سے روک دیا گیا ہو وہ اسے پورا کرے۔ اور اسی لیے تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ حج وعمرہ جب شروع کر دیا گیا ہو تو انہیں پورا کرنا لازم ہے۔ ان کے مقابلے میں روزہ، نماز اور اعتکاف کے بارے میں اختلاف ہے۔

اور عمرہ کے اعمال حج ہی کی طرح کے ہیں یعنی احرام، طواف، سعی اور پھر حلال ہو جانا، اور یہی اعمال حج میں بھی ہوتے ہیں، اور حج اللہ نے ایک بار فرض فرمایا ہے، دو بار نہیں۔ بلکہ کوئی بھی فریضہ ایسا نہیں جو دو بار فرض کیا گیا ہو۔ اور طواف وداع حج کا حصہ نہیں ہے۔ یہ (طواف وداع) اسی بندے کے لیے ہے، جو مکہ سے روانہ ہونا چاہتا ہو۔ لہٰذا جو مکہ میں مقیم ہو اس پر یہ طواف نہیں ہے۔ اور حاجیوں میں سے بھی ہر ایک پر فرض نہیں ہے بلکہ حائضہ عورت سے یہ ساقط ہے۔ اگر وہ یہ نہ کر سکے تو قربانی اس سے کفایت کر جاتی ہے اور اس کے ترک سے حج باطل نہیں ہوتا ہے، بخلاف اس کے جو طواف فرض ہے یا وقوف عرفات ہے (اس کے بغیر حج نہیں ہے) اور سعی صفا ومروہ ایک بار ہے، یوم النحر میں رمی جمرات ایک ایک بار ہے اور حلق و تقصیر بھی ایک ہی بار ہے۔ تو اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ عمرے میں حج والے اعمال ہیں، اور اعمال حج اللہ نے ایک بار فرض کیے ہیں نہ کہ دو بار، تو عمرہ فرض نہیں ہے۔

اس موضوع پر جو ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ’’عمرہ ایک چھوٹا حج ہے......‘‘ [1] اس سے بعض علمائے

[1] صحیح ابن حبان: ۱۴/ ۵۰۱، حدیث: ۶۵۵۹۔ المستدرک للحاکم: ۱/ ۵۵۲، حدیث: ۱۴۴۷ وسنن الدارقطنی: ۲/ ۲۸۵ حدیث: ۲۲۲.

کرام نے وجوب عمرہ کی دلیل لینے کی کوشش کی ہے حالانکہ اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں دو حجوں کا بیان ہے یعنی اکبر اور اصغر کا جیسے کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر آیا ہے: ﴿يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾ (التوبة: ۹/ ۳) بخلاف عمرے کے کہ اس کا کوئی وقت معین نہیں ہے، اسے سال کے سب مہینوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ (ایک اور انداز سے بھی غور کیجیے کہ) عمرہ اور حج آپس میں ایسے ہیں جیسے کہ وضو اور غسل۔ غسل جنابت والے کے صرف غسل ہی کافی ہوتا ہے۔ جمہور کے نزدیک اسے وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ تو اسی طرح عمرہ اور حج ہے، اور یہ ایک ہی طرح کی دو عبادتیں ہیں، ایک بڑی ہے اور دوسری چھوٹی۔ جب بڑی ادا کر دی گئی تو چھوٹی کا ادا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ تاہم چھوٹی کا ادا کرنا افضل واکمل ضرور ہے جیسے کہ غسل کے ساتھ وضو کرنا افضل واکمل ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے بھی ایسے ہی کیا تھا، بلکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے حج کو تمتع بنا لیں اور فرمایا: ''عمرہ حج میں داخل ہو چکا، قیامت تک کے لیے.....'' [1] واللہ اعلم۔

(شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ)

سوال: کیا کسی مسلمان عورت کے لیے جائز ہے کہ اگر اس کے اپنے اقربا میں سے کوئی محرم موجود نہ ہو تو وہ قابل اعتماد خواتین کی معیت میں حج کے لیے چلی جائے؟ یا مثلاً اس کا والد فوت ہو چکا ہو تو اپنی والدہ، خالہ یا پھوپھی کی معیت میں روانہ ہو جائے یا کسی قابل اعتماد اجنبی کو اپنے ساتھ لے لے جو بطور محرم اس کے ساتھ رہے اور اسے حج کروائے؟

جواب: اس مسئلے میں صحیح یہ ہے کہ سفر حج کے لیے عورت کو اپنے شوہر یا کسی محرم مرد کی معیت کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ اس کی پھوپھی ہو یا خالہ یا والدہ۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو یا کوئی محرم مرد۔ اگر کوئی محرم نہ ملے تو جب تک یہ صورت رہے اس پر حج فرض نہیں ہے، کیونکہ اس کے لیے شرعی اعتبار سے ایک لازمی شرط مفقود ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران: ۳/ ۹۷)

''اور لوگوں کے ذمے ہے کہ اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کریں، وہ جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

اور اس خاتون کو شرعی استطاعت حاصل نہیں ہے یعنی اس کا محرم نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میرے محرم مرد رشتہ دار سب ہی اپنے اپنے کاموں میں اس طرح سے پھنسے ہوئے ہیں کہ کوئی بھی سفر حج

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی، حدیث: ۱۲۱۸ وسنن ابی داود، کتاب المناسك فی افراد الحج، حدیث: ۱۷۹۰ سنن الترمذی، کتاب الحج، باب العمرة أواجبة هی أم لا، حدیث: ۹۳۲

میں میرے ساتھ نہیں جا سکتا ہے، میں نے بہت کوشش کی ہے مگر ہر ایک سے مجھے جواب نفی ہی میں ملا ہے۔ تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنی بھاوج اور دیگر خواتین کے ساتھ حج کے لیے چلی جاؤں، جبکہ میری بھاوج کا شوہر یعنی میرا بھائی فوت ہو چکا ہے۔ میں بحمد اللہ شرعی امور کی پابند با پردہ خاتون ہوں اور میں اپنی کوئی پاکیزگی بیان نہیں کر رہی، اور میں نے پہلی بار ہی حج کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب: اگر صورت حال ایسے ہی ہے جیسے کہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کا شوہر یا دیگر محرم رشتہ دار سفر حج میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتے ہیں، تو آپ پر حج واجب نہیں ہے، جب تک کہ صورت یہی رہے۔ کیونکہ آپ کے لیے شوہر یا کسی اور محرم کا ہونا ایک لازمی شرط ہے جو سفر حج میں آپ کے ساتھ ہو، اس کے بغیر آپ کے لیے سفر حج حرام ہے۔ علمائے کرام کے اقوال میں سے صحیح تر قول یہی ہے، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

((لا تسافر امرأة الا مع ذی محرم .)) [1]

''یعنی کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''

ہاں اگر آپ کا بھائی اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا تو اس کی معیت میں آپ کا سفر بالکل صحیح تھا، کیونکہ بھائی آپ کا محرم ہے۔ بہر حال آپ کو دوسرے نیک صالح اعمال میں حرص اور کوشش کرنی چاہیے جن میں سفر نہیں کرنا پڑتا، اور صبر سے کام لیں اور امید رکھیں کہ اللہ عزوجل آپ کے لیے یہ عمل آسان بنا دے گا اور یہ کہ آپ شوہر یا کسی اور محرم کی معیت میں آپ حج کر سکیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: ہمارے ہاں امریکہ میں کچھ عورتیں ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں اور حج کرنا چاہتی ہیں، ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: کسی شخص کے لیے محض اسلام کا دعوی کر لینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ کسی شرعی عدالت سے اس دعوے کا شرعی ثبوت مہیا کیا جائے، جس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان عورتوں کے دعوی اسلام کو اگر بالغرض قبول کر بھی لیا جائے تو آپ کے لیے یہ مسئلہ مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ حج اسی مسلمان پر فرض ہوتا ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔ جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: ۳/ ۹۷)

اور عورتوں کے لیے استطاعت میں یہ ایک لازمی شرط ہے کہ حج کے لیے اپنے ملک سے آنے اور واپس

---

[1] یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔ دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ، حدیث: ۱۳۴۱۔ مسلم اور دیگر کتب حدیث میں اس کی ہم معنی بہت سی روایات ہیں، بخاری میں بھی الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ موجود ہیں۔ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب من اکتتب فی جیش فخرجت امراته حاجة ......، حدیث: ۳۰۰۶. (عاصم)

جانے تک کے لیے ان کا محرم ساتھ ہو۔ اگر وہ محرم نہیں پاتی ہے، تو اس سے وجوب حج ساقط ہے۔ اور اسے ایسے سمجھا جائے گا کہ اسے راہ پانے کی استطاعت نہیں ہے۔ (شیخ محمد بن ابراہیم)

سوال: میری پھوپھی بعمر ستر سال میرے اور میرے شوہر کے ساتھ رہ رہی ہے، میرا شوہر میری پھوپھی کا محرم نہیں ہے، تو کیا میرا شوہر سفر حج یا عمرہ میں اس کا محرم ہو سکتا ہے؟

جواب: آپ کا شوہر آپ کی پھوپھی کا محرم نہیں ہے، اور اس کا آپ کے ساتھ ایک گھر میں رہنا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ آپ کی غیر حاضری میں آپ کا شوہر اس کے ساتھ علیحدہ نہ ہو۔ (شیخ محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت کا بیٹا ہے جس کی عمر تیرہ سال ہے، تو کیا یہ عورت ایک اجنبی مرد اور اس کے گھر والوں کی معیت میں حج کے لیے جا سکتی ہے؟

جواب: الحمد للہ کوئی حرج نہیں کہ یہ عورت آپ لوگوں کی معیت میں فریضہ حج ادا کر سکتی ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اس کا تیرہ سالہ بیٹا موجود ہے اور ساتھ ہی قابل اعتماد دوسری خواتین بھی موجود ہیں۔ اگرچہ اس بچے میں محرم ہونے کی شرطیں کامل نہیں ہیں، مگر دوسری قابل اعتماد خواتین کی معیت سے اس کی یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اور کئی فقہائے کرام قابل اعتماد خواتین کی معیت میں سفر حج جائز کہتے ہیں۔ (شیخ محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا کوئی عورت قابل اعتماد خواتین کی معیت میں حج کر سکتی ہے؟

جواب: کچھ اہل علم کا یہ فتویٰ ہے (کہ عورت قابل اعتماد عورتوں کی معیت میں حج کے لیے جا سکتی ہے) مگر حالات کے اختلاف سے شرعی فتویٰ بھی مختلف ہو جایا کرتا ہے۔ اور آج کل جب معاشرتی فساد اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے، تو اس قول کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرنی چاہیے اور عورتوں کو بھی کوئی دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، اور کسی اجنبی کو آزادانہ اپنے ہاں آنے جانے کی اجازت دے کر اپنی غیرت نہیں کھو دینی چاہیے۔ اور جب لوگوں میں دین داری بھی نہیں ہے، تو انہیں اپنے امور کسی اجنبی کے حوالے نہیں کرنے چاہییں۔

ہاں اگر سفر کم مسافت کا ہو تو بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے (کہ عورت بلا محرم سفر کر سکتی ہے)۔ ان کا استدلال حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی (سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا) کے قصے سے ہے۔ وہ مدینے کے اطراف میں باہر اپنی زمینوں پر چلی جایا کرتی تھیں۔ اور بات بھی ایسے ہی ہے۔ تاہم یہ امور بھی لوگوں کی غیرت، دین کے تمسک اور علاقے کے احوال پر مبنی ہیں، اور عورتوں کے تحفظ کا معیار بھی مختلف ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورتوں کو کبھی تو کسی حیلے بہانے سے، یا کسی ساز باز کے تحت، راستوں میں اغوا کر لیا جاتا ہے یا گھروں سے بھگا لیا جاتا ہے۔ (شیخ محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ حج کا پروگرام بنایا تھا، مگر ماہ شعبان میں شوہر وفات پا گیا، تو کیا اب اس کے لیے حج پر جانا درست ہے؟ (جبکہ یہ ابھی اپنے ایام عدت میں ہے)

جواب: ائمہ اربعہ کے بقول یہ عورت عدت وفات کے دنوں میں حج کے لیے سفر نہیں کر سکتی ہے۔
(شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: اگر کسی عورت کا محرم سفر حج کے دوران میں فوت ہو جائے تو وہ عورت کیا کرے؟

جواب: ایسی عورت کا قریب میں کوئی محرم موجود ہو تو چاہیے کہ وہ اسے وہاں سے لے آئے، ورنہ اکیلی ہی سفر کر لے، خواہ محرم نہ بھی ہو، تاہم کسی ایسی جگہ نہ جائے جہاں اس کے لیے کوئی خطرہ ہو۔ (شیخ محمد بن ابراہیم)

سوال: مجھے اپنے شوہر کے ساتھ چالیس سال ہونے کو آئے ہیں۔ میں جب اسے حج کا کہتی ہوں تو مان جاتا ہے مگر عین موقعہ پر انکار کر دیتا ہے۔ ان لوگوں نے گائے بکریاں پال رکھی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کی ہی خدمت کرتی رہوں۔ میرے شوہر نے پانچ حج کر لیے ہیں۔ میری بھی خواہش ہے کہ حج کروں، تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ اپنے دامادوں کے ساتھ حج کرنے چلی جاؤں؟ خیال رہے کہ میں نے ایک داماد کے ساتھ حج کے لیے جانے کا کہا ہے تو شوہر نے انکار کر دیا ہے اور اجازت نہیں دی۔

جواب: اگر آپ کے حالات شوہر کے ساتھ ایسے ہی ہیں جیسے کہ بیان کیے گئے ہیں اور آپ نے ابھی تک فریضہ حج ادا نہیں کیا ہے یا عمرہ بھی نہیں کیا ہے، تو آپ پر واجب ہے کہ اپنے ان محرموں کے ساتھ جن کا آپ نے ذکر کیا ہے حج کے لیے چلی جائیں، خواہ شوہر اجازت نہ بھی دیتا ہو۔ کیونکہ آپ کا طاقت ہوتے ہوئے حج چھوڑنا حرام ہے، اور اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: اس عورت کے فریضہ حج کا کیا حکم ہے جسے اس کا شوہر اجازت نہ دیتا ہو؟

جواب: فریضہ حج تب ہی فرض ہوتا ہے جب استطاعت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں اور ان میں شوہر کی اجازت ہونا شامل نہیں ہے، اور نہ ہی شوہر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بیوی کو اس سے روکے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ اس واجب کی ادائیگی میں اس کے ساتھ تعاون کرے۔ (مجلس افتاء)

سوال: فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے حج میں محرم کا خرچ عورت کے ذمے ہے، اس سے ان کی کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے ان کی مراد یہ ہے جیسے کہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ عورت اپنے اس محرم کے مصارف سفر اور زاد راہ کے اخراجات بھی برداشت کرے۔ ''زاد سفر'' سے مراد ہر وہ خرچ ہے جس کی سفر میں ضرورت ہو سکتی ہے مگر دیگر حاجات جو اس سفر کا لازمی حصہ نہیں، وہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: ایک عورت انتہائی فقیر اور نابینا ہے اور اس نے حج نہیں کیا ہے، کیا اس کی طرف سے حج کیا جائے؟

جواب: اگر یہ عورت سواری پر سوار ہو سکتی ہے تو فریضہ حج خود ادا کرے، اور آج کل تو ہر ایک کو سوار ہونے کی سہولت حاصل ہے، تو ضروری ہے کہ وہ خود اپنا حج کرے کیونکہ اس کی اولاد یا دوسرے محرم موجود ہیں، خواہ وہ دور

ہی رہتے ہیں۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر کوئی عورت محرم کے بغیر حج کرے تو کیا اس کا حج باطل ہے؟

جواب: نہیں حج تو باطل نہیں ہوتا، بلکہ (بلامحرم سفر کرنے کا باعث) عورت گناہ گار ہے۔ (محمد ناصرالدین البانی)

سوال: ایک مسکین عورت نے کچھ اجنبی لوگوں کی معیت میں حج کیا ہے، جبکہ وہ اپنے کئی قریبیوں سے کہہ چکی تھی کہ میرے ساتھ حج کے لیے چلو، مگر انہوں نے انکار کر دیا، تو کیا اس کا حج صحیح ہوا یا نہیں؟

جواب: اس کا حج صحیح ہے، البتہ اسے بلامحرم سفر کرنے کی بنا پر گناہ گار سمجھا جائے گا، کیونکہ دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ تو اسے چاہیے کہ اپنی اس تقصیر پر اللہ سے معافی مانگے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک عورت جو اپنی نیکی اور پاکیزگی میں مشہور ہے اور متوسط عمر کی ہے یا بڑھاپے کے قریب ہے، اس کا کوئی محرم نہیں ہے، اور شہر کے معزز لوگوں میں سے ایک جو اپنی نیکی اور بھلائی میں معروف ہے، حج کے لیے جا رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کی عزیز رشتہ دار خواتین بھی ہیں، کیا اس عورت کو ان لوگوں کے ساتھ حج کے لیے چلے جانا جائز ہے، کیونکہ اس کا کوئی اور محرم نہیں ہے؟ جبکہ مالی طور پر یہ عورت کامل استطاعت رکھتی ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمایئے، ہمارا چند ساتھیوں کا اس بارے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب: اس عورت کو محرم کے بغیر حج کے لیے جانا جائز نہیں ہے، خواہ اس کے ساتھ دوسری عورتیں اور قابل اعتماد مرد موجود بھی ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بار اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: ''کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔'' تو صحابہ میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! میری بیوی حج کے لیے روانہ ہو گئی ہے، جبکہ میرا نام فلاں فلاں غزوے میں لکھا جا چکا ہے؟'' تو آپ نے فرمایا: ''جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔'' [1]

اس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے یہ بالکل نہیں پوچھا کہ وہ امن میں ہے یا نہیں، یا اس کے ساتھ قابل اعتماد عورتیں یا مرد ہیں یا نہیں۔ جبکہ حالات کا تقاضا یہی تھا (کہ وہ امن میں تھی اور اس کے رفقائے سفر بھی قابل اعتماد تھے) اور شوہر کا نام ایک غزوہ میں لکھا چکا تھا، اس کے باوجود آپ نے اسے حکم دیا کہ سفر جہاد چھوڑ دے اور اپنی بیوی کے ساتھ جائے۔

اور اہل علم نے لکھا ہے کہ اگر عورت کے ساتھ محرم نہ ہو تو اس پر حج فرض نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر وہ بلا حج کیے جائے مر جائے تو اس کے ترکے میں سے حج کروانا واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ اپنی زندگی میں غیر مستطیع اور غیر قادر تھی، اور اللہ نے حج اسی پر فرض کیا ہے جو طاقت رکھتا ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب من اکتتب فی جیش فخرج امرأته حاجة ......، حدیث: ۳۰۰۶ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیره، حدیث: ۱۳۴۱.

سوال: جب کسی عورت کا محرم نہ ہو تو کیا اس کے بغیر اس کا حج صحیح ہوگا؟ اور کیا سمجھ دار چھوٹا بچہ اس کا محرم بن سکتا ہے؟

جواب: اس عورت کا حج صحیح ہے البتہ بلامحرم سفر کرنے میں وہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمان ہوئی ہے۔ کیونکہ آپ کا ارشاد ہے: ''کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''[1]

اور چھوٹا بچہ جو ابھی بالغ نہیں ہوا وہ محرم بننے کے لائق نہیں ہے، کیونکہ وہ خود نگرانی اور سرپرستی کا محتاج ہے۔ جس کی اپنی یہ حالت ہو وہ دوسرے کا ولی اور سرپرست کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ محرم مرد ہو، بالغ ہو اور عاقل ہو، اور جو ایسا نہ ہو وہ محرم نہیں ہوسکتا۔

یہاں ایک بات کہنا ضروری ہے کہ بہت افسوس ہے کہ کچھ عورتیں ہوائی جہاز کے سفر میں غفلت سے کام لیتی ہیں اور محرم کے بغیر سفر کرتی ہیں، اور اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں کہ ان کے ایک محرم نے اسے ہوئی اڈے تک پہنچا دیا ہے جہاں سے جہاز نے پرواز کی ہے اور اگلے ائیرپورٹ سے جہاں یہ جہاز اترے گا دوسرا محرم اسے وصول کرلے گا۔ مگر یہ سبب انتہائی کمزور اور مخدوش ہے، کیونکہ پہلا محرم اسے جہاز کے اندر تک نہیں پہنچاتا ہے بلکہ وہ اسے لاؤنج اور انتظار گاہ تک ہی پہنچاتا ہے، اور عین ممکن ہے کہ پرواز متاخر ہوجائے، تو اس طرح یہ اکیلی عورت انتہائی پریشان ہوگی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی سبب سے جہاز اپنی منزل مقصود کے ائیرپورٹ پر اتر بھی جائے مگر استقبال کرنے والا محرم آگے نہ پہنچ سکے۔ اس کے کئی سبب ہوسکتے ہیں۔ اسے نیند آجائے یا بیمار ہوجائے یا کسی رش میں پھنس جائے، وغیرہ کئی طرح کے اسباب ہوسکتے ہیں کہ وہ ائیرپورٹ پر نہ آسکے۔ اور پھر اگر اس طرح کی کوئی رکاوٹ نہ بھی ہو، مگر اکیلی عورت اپنی سیٹ پر پہنچتی ہے تو عین ممکن ہے کہ اس کے پہلو میں کوئی ایسا مرد آجائے جیسے اللہ کا کوئی خوف نہ ہو اور وہ اسے ورغلانے کی کوشش کرے، اور عورت اس کے بھرے میں آجائے اور پھر اس سے کوئی فتنہ سرزد ہوجائے۔

الغرض عورت پر واجب ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ اور ساتھ ہی مردوں پر واجب ہے کہ اللہ سے ڈریں اور اپنی خواتین، جن کے یہ مسئول اور ذمہ دار ہیں، ان کے حقوق میں قصور وار نہ بنیں اور اپنی غیرت اور اپنے دین کا سودا نہ کریں۔ اللہ نے ان عورتوں کو آپ کے ہاتھوں میں امانت بنایا ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾

(التحریم : ٦/٠٠)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من اکتتب فی جیش فخرج امراته حاجة ......، حدیث: ٣٠٠٦ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراة مع محرم الی حج وغیره، حدیث: ١٣٤١.

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچالو، جس کا ایندھن لوگ ہوں گے اور پتھر، اس پر بڑے تند خو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں، اللہ انہیں جو حکم دے دے اس کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا میری بیوی کے لیے جائز ہے کہ خاص میرے مال سے حج کرے، جبکہ وہ اس سے پہلے اپنا یہ فرض ادا کر چکی ہے؟

جواب: بلاشبہ یہ جائز ہے، خواہ وہ اپنا یہ فریضہ پہلے ادا کر چکی ہو، اور اللہ آپ کو اس احسان کی جزا دے گا۔

(مجلس افتاء)

سوال: ہمارے گھر میں ہماری ایک خادمہ ہے، کیا یہ جائز ہے کہ جب ہم حج اور عمرے کے لیے یا کسی دوسرے ملک جائیں تو اسے اپنے ہمراہ لے جائیں، جب کہ کوئی اس کا محرم نہیں ہوگا؟ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب: کیا بھلا یہ خادمہ عورت نہیں ہے؟ جب یہ عورت ہے تو کس بات نے اسے رسول اللہ ﷺ کے عام فرمان سے خارج کیا ہے کہ

''کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''[1]

ہاں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ گھر والوں کے چلے جانے کے بعد اس کا اکیلے رہنا مشکل ہے، اور شہر میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی حفاظت کرے گا، تو اس حالت میں ضرورت کے پیش نظر یہ گھر والوں کے ساتھ جا سکتی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

مواقیت حج

(یعنی وہ مقامات اور منزلیں جہاں سے حج کے لیے احرام باندھا جاتا ہے)

سوال: کیا مسلمان کے لیے جائز ہے کہ عمرہ کے لیے میقات سے پہلے ہی احرام باندھ لے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، جیسے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے فتویٰ دیا تھا کہ ایسا کرنا سنت سے تجاوز کرنا ہے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: میں نے رمضان کے روزے (سعودی عرب کے شہر) جدہ میں رکھے، اور پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من اکتتب فی جیش فخرج امراته حاجة ......، حدیث: ٣٠٠٦ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراة مع محرم الی حج وغیره، حدیث: ١٣٤١

باندھ کر اعمال حج پورے کیے، کیا مجھے فدیہ دینا پڑے گا؟

جواب: نہیں، اس پر یا اس کے ساتھ والوں پر، جنہوں نے ایسا کیا، کوئی فدیہ نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ہم لوگ حج کے ارادے سے یمن سے چلے، اور حج سے دس دن پہلے طائف پہنچ گئے، پھر ہمارا ارادہ ہوا کہ ہم پہلے مدینے چلے جائیں، لہٰذا احرام باندھے بغیر میقات سے گزر کر مدینے چلے گئے، تو کیا ہمارے اس فعل سے ہم پر کچھ لازم آتا ہے؟

جواب: یہ لوگ جو میقات سے احرام کے بغیر گزرے ہیں، اگر انہوں نے احرام کے کپڑے پہن رکھے تھے اور عمرے کا تلبیہ کہہ لیا تھا اور آگے گزر گئے تو یہ گناہ گار ہیں۔

اور یہ مسئلہ کہ ان پر دم (قربانی) لازم ہو، اس میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا موقف یہی ہے کہ جب کوئی بغیر عذر شرعی کے میقات سے گزر جائے تو اس پر دم ہے (یعنی قربانی کا فدیہ ہے)۔ مگر میں شخصی طور پر اس سے مطمئن نہیں ہوں کہ حج یا عمرے کی ہر قسم کی چھوٹی بڑی غلطی پر دم کا لازم ہونا کہوں، جب تک کہ کوئی نص شرعی ثابت نہ ہو۔

جبکہ عام علماء نے اس میں توسع اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی بندہ عمداً یا بھول کر یا جہالت سے کوئی غلطی کر جائے تو وہ اس پر دم لازم کر دیتے ہیں۔ اور ان حضرات کا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر ہے، جو فی الحقیقت صحیح ہے، مگر ہمیں صحیح بخاری میں اس کے برخلاف ملتا ہے کہ ایک اعرابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ عمرے کا تلبیہ کہہ رہا تھا، جبکہ جبہ پہنے ہوئے تھا اور وہ خوشبو میں بسا ہوا تھا، تو آپ نے اسے فرمایا کہ جبہ اتار دے اور خوشبو کو اپنے سے خوب دھو اور اپنے عمرے میں وہی کچھ کر جو تو اپنے حج میں کرتا ہے۔ [1]

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب بندہ عمرے کی نیت کر کے میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے تو یہ بلاشبہ گناہ کا کام ہے۔ بعض علماء تو اس پر دم کا فدیہ لازم کرتے ہیں، مگر ہم اس پر کوئی دم نہیں سمجھتے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: میں عمرہ کے لیے جا رہی تھی، جب میرا میقات سے گزر ہوا تو میں ایام سے تھی، چنانچہ میں نے احرام نہیں باندھا، اور پھر مکہ میں اسی طرح رہی، حتیٰ کہ جب میں پاک ہوگئی تو مکہ ہی سے میں نے احرام باندھا، تو کیا میرا یہ عمل جائز تھا، یا اب مجھ پر کیا واجب ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، جو عورت عمرہ کے لیے جا رہی ہو اسے احرام کے بغیر میقات سے گزرنا جائز نہیں، خواہ وہ ایام سے ہی ہو۔ اس کیفیت میں بھی اس کا احرام صحیح اور جائز ہے۔ اس کی دلیل سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا

[1] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب، حدیث: ۱۵۳۶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خوشبو کو تین دفعہ دھو کر ختم کرنے کا حکم دیا۔ سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب فی الخلوق للمحرم، حدیث: ۲۷۱۰.

واقعہ ہے اور یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ حج وداع کے موقعہ پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ (میقات مدینہ) میں پڑاؤ کیے ہوئے تھے تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاں ولادت ہوئی، تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوایا کہ وہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: غسل کرے اور کپڑے سے لنگوٹ کس لے اور احرام باندھے۔'' ❶ اور خون حیض کا حکم نفاس کا سا ہی ہے۔ تو جو عورت حیض سے ہو اور اس کا گزر میقات سے ہو اور اس کی نیت حج یا عمرہ کی ہو، ہم اسے کہتے ہیں کہ وہ غسل کرے، لنگوٹ کس لے اور احرام کی نیت کرے اور ایسی عورت بحالت احرام جب مکہ پہنچے تو بیت اللہ میں نہ جائے اور جب تک پاک نہ ہو جائے طواف نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا، جب کہ انہیں عمرہ کے دوران میں ایام شروع ہو گئے تھے:

''تم وہی کچھ کرو جو حاجی کرتا ہے، صرف یہ ہے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا حتیٰ کہ پاک ہو جاؤ۔'' ❷

اور صحیح بخاری میں اس سے مزید ہے کہ:

''وہ جب پاک ہو گئیں تو بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی۔'' ❸

اس سے معلوم ہوا کہ عورت نے حج وعمرہ کا احرام باندھا ہو اور وہ ایام سے ہو یا طواف سے پہلے اسے ایام شروع ہو جائیں تو وہ نہ طواف کرے اور نہ صفا و مروہ کی سعی، حتیٰ کہ پاک ہو اور غسل کر لے۔ لیکن اگر عورت طواف کر چکی ہو اور طواف کے فوراً ہی بعد اسے ایام شروع ہو جائیں تو اس صورت میں وہ صفا و مروہ کی سعی کر سکتی ہے، اور پھر وہ اپنے بال کاٹ کر حلال ہو جائے۔ کیونکہ صفا مروہ کی سعی کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

حج کی اقسام ❹

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں حج افراد، تمتع کی نسبت زیادہ افضل ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما افراد ہی کیا

❶ سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب النفساء والحائض تهل بالحج، حديث: ٢٠١٣.

❷ صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب تقضي الحائض المناسك كلها الا طواف بالبيت، حديث: ٣٠٥ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان وجوه الاحرام وانه يجوز افراد الحج، حديث: ١٢١١.

❸ صحيح بخاري، كتا ب الحج، باب كيف تهل الحائض والنفساء، حديث: ١٥٥٦.

❹ حج کی تین صورتیں ہیں: (۱) حج افراد (۲) حج تمتع (۳) حج قیران۔

(۱)......افراد یہ ہے کہ آدمی صرف حج کی نیت سے احرام باندھے، اور پھر جتنے دن بھی گزریں احرام ہی میں رہے حتیٰ کہ دسویں تاریخ کو قربانی کر کے حلال ہو۔

(۲)......تمتع یہ ہے کہ حاجی پہلے عمرے کی نیت سے احرام باندھے، مکہ پہنچ کر طواف اور صفا مروہ کی سعی کے بعد حجامت کرا کے حلال ہو جائے، اور پھر بعد میں آٹھویں ذی الحج کو دوبارہ حج کا احرام باندھے اور حج کے اعمال پورے کرے۔ یہ تمتع کہلاتا ہے۔

(۳)......اور قران یہ ہے کہ حاجی شروع ہی سے عمرے اور حج دونوں کی نیت کر کے ایک ہی احرام باندھے، پہلے عمرہ کرے اور حلال نہ ہو حتیٰ کہ حج کے اعمال سے فارغ ہو۔ یہ قران کہلاتا ہے (سعیدی)

کرتے تھے۔ اگر تمتع افضل ہوتا تو یہ حضرات ضرور اس سے آگاہ ہوتے۔ اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: حج افراد جس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ دوسرے درجے میں ہے، ممکن ہے بعض حالات میں افضل ہو، لیکن ہم اسے کلی طور پر قران اور تمتع سے افضل کہہ دیں، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ حضرات دراصل اپنے مذہب کی تائید ہی کے لیے بحث کرتے ہیں، سنت کی تائید نہیں چاہتے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا ہے، اور خوب واضح طور پر فرمایا کہ اگرچہ میں نے قران کیا ہے مگر افضل تمتع ہی ہے۔ اس کی دلیل آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے:

((لو استقبلت من أمری ما استدبرت لما سقت الهدی ولجعلتها عمرة .))

''اگر مجھے اپنے اس معاملے کا پہلے علم ہو جاتا جو بعد میں معلوم ہوا ہے تو میں قربانی ساتھ لے کر نہ آتا اور اسے میں عمرہ بنا لیتا۔''❶

اگر یہ بات صحیح ہو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عام حالات کے تحت حج افراد کیا ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ جس کی رسول اللہ ﷺ نے ترغیب دی ہے اور صحابہ کو جس کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة ، وشبك بین اصابعه .))

''عمرہ قیامت کے لیے حج میں داخل ہو چکا ہے۔ اور آپ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری کے اندر ڈال کر اشارہ فرمایا۔''❷

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ افراد باطل ہے، لیکن قطعی طور پر کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا عمل نہیں ہے۔ لہٰذا ہم ہر حاجی کو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ وہ تمتع کرے اور بالضرور تمتع ہی کرے۔ اگر دوسری نوع کا ارادہ ہو تو قران کرے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا کہ ذوالحلیفہ سے قربانیاں ساتھ لی تھیں۔ لیکن قربانی ساتھ لیے بغیر قران کرنا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ سب سے واضح فرمان تو یہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ: ''عمرہ قیامت تک کے لیے حج میں داخل ہو چکا ہے......'' یہ ایک عام حکم تھا، اس طرح نہیں جیسے کہ

❶ سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب صفة حج النبی صلی الله علیه وسلم، حدیث: ۱۹۰۵ وسنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب حجة رسول الله صلی الله علیه وسلم، حدیث: ۳۰۷٤.

❷ شیخ کے ذکر کردہ یہ الفاظ صحیح ابن حبان: ۹/ ۲۵۰ حدیث: ۳۹٤۳ میں ہیں جبکہ یہ روایت دیگر کتب احادیث میں بھی بسند صحیح موجود ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی صلی الله علیه وسلم، حدیث: ۱۲۱۸۔ سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فی افراد الحج، حدیث: ۱۷۹۰ وسنن الترمذی، کتاب الحج، باب العمرة أواجبة هی أم لا، حدیث: ۹۳۲.

بعض صحابہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ''تمتع صحابہ رسول سے خاص تھا'' وہ یوں کہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا جبکہ آپ مروہ پہاڑی پر تھے، آپ نے لوگوں سے فرمایا تھا کہ ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی قربانی ساتھ لایا ہوں تو میں بھی تمہارے ساتھ حلال ہو جاتا ......'' سراقہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارا یہ تمتع کیا اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے، عمرہ حج میں قیامت تک کے لیے داخل ہو چکا۔''[1] (ناصر الدین الالبانی)

سوال: کیا حج تمتع والا (قربانی نہ پانے کی صورت میں) مدینہ منورہ جا کر روزے رکھ سکتا ہے؟

جواب: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے کہ جو عمرہ کر کے مدینہ آ چکا ہے یا آنا چاہتا ہے، تو اس کے لیے ہم کہتے ہیں کہ آیت کریمہ کا ظاہر مفہوم یہ ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۹۶)

''تو جو حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے، اور جس کو نہ ملے وہ تین روزے حج میں رکھے۔''

جس آدمی نے حج کے مہینے میں عمرہ کیا ہو اور پھر قربانی نہ پانے کی صورت میں ان مہینوں کے اندر تین روزے رکھ لے، تو اس نے مذکورہ بالا فرمان پر عمل کر لیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہر تمتع کرنے والا، جسے قربانی کی وسعت نہ ہو، موجودہ حالات میں میں اسے نصیحت کرتا ہوں کہ روزہ رکھنے میں جلدی نہ کرے، حتیٰ کہ قربانی کا دن آ جائے اور اسے یقین ہو جائے کہ قربانی نہیں مل سکتی (تب روزے رکھے) کیونکہ عین ممکن ہے کہ جسے شروع میں قربانی میسر نہ تھی، بعد میں اللہ اس کے لیے قربانی کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔ اور اگر بالفرض اس نے پہلے روزے رکھ لیے اور پھر بعد میں قربانی مل گئی تو اسے قربانی کرنی ہوگی، کیونکہ یہ اب صاحب وسعت ہو گیا ہے۔

الغرض ایسے آدمی کو روزہ رکھنے میں احتیاط کرنی چاہیے، حتیٰ کہ قربانی کا دن آ جائے۔ اگر اس دن تک قربانی نہ ملے تو روزے رکھے اور اللہ کا فرمان بھی اسی طرح ہے کہ

﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۹۶)

''حج کے دوران میں تین روزے رکھے۔''

یعنی ذبح کے دن کے بعد۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: گزشتہ سالوں میں ہم حج کے لیے گئے تو ہمارے ساتھ ایک بوڑھی خاتون تھی جو خاصی بیمار تھی۔ اس کے

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبى ﷺ، حديث: ۱۲۱۸ وسنن ابى داود، كتاب المناسك، باب فى افراد الحج، حديث: ۱۷۹۰ وسنن الترمذى، كتاب الحج، باب العمره أواجبة هى أم لا، حديث: ۹۳۲.

ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔ ہم لوگوں نے پہلے عمرے کا احرام باندھا کہ بعد میں حج کا احرام باندھیں گے۔ جب ہم حرم میں پہنچے تو اللہ کی قدرت، بڑھیا اپنا طواف پورا نہ کر سکی اور پھر صفا ومروہ کی سعی بھی نہیں کی کیونکہ وہ بیمار تھی اور ازدحام بہت زیادہ تھا۔ پھر ہم لوگ منیٰ اور عرفات گئے، اور اس بڑھیا نے بھی تمام اعمال حج پورے کیے سوائے طواف وداع کے، اور اس کی بیٹی نے بھی اپنی ماں کی طرح ہی کیا، تو کیا اس کا حج صحیح ہے، یا اس پر کچھ لازم ہے؟

جواب: اس عورت سے جو کچھ ہوا، اس پر کچھ نہیں ہے۔ اس سے یہی ہوا ہے کہ اس نے حج کو عمرے پر داخل کر دیا ہے اور اس طرح وہ قران والی ہوگئی اور قیران والے کے لیے ایک طواف اور ایک سعی ہی ہے، اور یہ طواف وسعی حج اور عمرے دونوں کے لیے کافی ہے۔ اور اس کی بیٹی نے جو اپنی ماں کی طرح کیا ہے تو اس کا حکم بھی اس کی ماں جیسا ہے۔ البتہ طواف وداع کرنا ضروری تھا، خواہ اسے گردنوں پر اٹھا کر کرایا جاتا، اور اس طواف میں سعی نہیں ہوئی۔ چونکہ ان دونوں نے طواف وداع نہیں کیا ہے تو ان دونوں کے ذمے فدیہ ہے۔ ان کی طرف سے مکہ میں قربانی کی جائے جو یہاں کے فقراء میں تقسیم ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

حج وعمرے کے اعمال

سوال: پہلے پہلے طواف میں حجر اسود کو بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: سنت یہ ہے کہ حجر اسود پر بھیڑ نہ کی جائے، اور بالخصوص عورتوں کے لیے تو یہ مسنون نہیں ہے، جس طرح کہ رمل ہے (یعنی پہلے طواف کے پہلے تین چکروں میں آہستہ آہستہ دوڑنا) یہ عورتوں کے لیے نہیں ہے۔ عورتوں کو بیت اللہ سے دور رہنا چاہیے، قریب نہیں آنا چاہیے، کیونکہ عورت سراسر پردہ ہے، اور حجر اسود کے بوسے میں مردوں سے دھکم پیل ہوتی ہے، اور عورت کے لیے پردہ کرنا ایک لازمی عمل ہے اور اس کے مقابلے میں حجر اسود کو بوسہ دینا یا رمل کرنا یہ مندوب ہے (یعنی اگر کر لیا جائے تو جائز اور ثواب ہے ورنہ کچھ نہیں ہے)۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: عورت کے لیے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر ازدحام اور بھیڑ ہو تو اس کا حکم حجر اسود کو بوسہ دینے جیسا ہے (جیسے کہ اوپر بیان ہوا)۔ چونکہ عورت سراسر پردہ ہے، اس لیے اسے بچنا چاہیے۔ اور علامہ ابن رشد نے لکھا ہے کہ ”یہ عمل عورت کے حق میں بالاجماع مندوب ومستحب نہیں ہے۔“ مگر مجھے اس اجماع کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔ البتہ ائمہ کرام یہی لکھتے ہیں کہ ”عورت مردوں کے ساتھ بھیڑ نہ کرے۔“ تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عورت حجر اسود کو بوسہ دے سکتی ہے، بشرطیکہ جب طواف کرنے والی عورتیں ہی ہوں یا ازدحام نہ ہو۔ اور علامہ ابن رشد نے جو لکھا ہے تو وہ کم از

کم جمہور کا قول ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: عورت کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صفا ومروہ پر نہ چڑھے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ائمہ کے کلام میں یہ ہے کہ اس کے حق میں زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ عورت اکیلی جائے (یعنی مردوں کے ساتھ بھیڑ نہ کرے)۔ ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشقت والا عمل اگر معمولی ہو تو عورت کو وہ معاف ہے، تاہم زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورت اعمال حج میں سے کچھ نہ چھوڑے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ (اس رخصت کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے) اہم مشقت والے کام بھی نہ چھوڑ بیٹھے۔ اور عوام الناس میں سے بعض سے کبھی کوئی مسنون عمل رہ جاتا ہے تو وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ان کا باطل ہوگیا ہے اور ان کے دل میں ایک خلش سی باقی رہ جاتی ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا طواف قدوم میں رمل کرنا مردوں کے لیے خاص ہے یا یہ حکم عام ہے کہ عورتیں بھی کریں؟

جواب: طواف قدوم میں رمل صرف مردوں کے لیے خاص ہے۔ یہ حکم عورتوں کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی ان پر صفا مروہ کی سعی میں تیز دوڑنا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورتیں صفا مروہ کی سعی میں سبز ستونوں کے درمیان دوڑیں یا نہیں؟

جواب: ان ستونوں کے مابین عورتوں پر دوڑنا نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ مرد جو ان عورتوں کے ساتھ ہو، وہ بھی نہ دوڑے اور انہیں اکیلا نہ چھوڑے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ گئی مگر وہاں پہنچنے کے ایک دن بعد میں سخت بیمار ہوگئی اور اعمال عمرہ پورے نہ کر سکی، البتہ بیت اللہ کے سات چکر اور اسی طرح صفا ومروہ کی سعی کر لی تھی، مگر ہمیں روضہ رسول پر مدینہ منورہ جانا ممکن نہ ہو سکا اور ہم واپس آ گئے، اس کا مجھے بہت غم اور افسوس ہے، تو کیا ہمارا یہ عمرہ کامل ہوا ہے؟

جواب: یہ اعمال جو اس عورت نے کیے ہیں یعنی طواف اور سعی۔ اس کے لیے ایک عمل باقی ہے یعنی بالوں کا کاٹنا۔ اگر اس نے یہ تین عمل کیے ہوتے یعنی طواف، سعی اور بال کاٹنا، تب اس کا عمرہ کامل ہوتا۔

زیارت مدینہ منورہ یہ عمرہ کے تکمیلی اعمال میں سے نہیں ہے، اور نہ ہی عمرہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے۔ بلکہ زیارت مسجد نبوی ایک مستقل عمل ہے، آدمی کو جب بھی ممکن اور آسان ہو، کر لے۔ اس عورت کے عمرے میں سے جیسے کہ اس نے سوال میں بتایا ہے، ایک عمل بال کاٹنا باقی ہے۔ اور بال کاٹنے کے لیے وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ اگر اب بھی کاٹ لے تو اس کا عمرہ پورا ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر اس نے سعی صفا ومروہ کے فوراً بعد سفر نہیں کیا تھا، بلکہ مکے میں رکی رہی تھی تو اس کے ذمے طواف وداع بھی ہے۔ اگر آدمی صفا مروہ کی سعی اور بال کٹوانے کے فوراً بعد سفر کرے تو اس پر طواف وداع نہیں ہے۔ اور صحیح قول یہی ہے کہ (اگر عمرے والا مکہ میں رکا رہا ہو تو روانگی کے وقت) اس پر طواف وداع ضروری

ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عمومی فرمان ہے:

((لا ینفر أحد حتی یکون آخر عهده بالبیت .))

''کوئی شخص مکہ سے روانہ نہ ہو حتیٰ کہ اس کا آخری عمل بیت اللہ کے ساتھ ہونا چاہیے (یعنی طواف)۔''❶

اورعمرہ حج ہی کی مانند ہے، سوائے ان چیزوں کے جن کا فرق ثابت ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

((اصنع فی عمرتك ما أنت صانع فی حجك .))

''تو اپنے عمرے میں وہی کچھ کر جو اپنے حج میں کرتا ہے۔''❷

عمرہ گویا ایک چھوٹا حج ہے۔ جو امور حج میں واجب ہیں عمرے میں بھی واجب ہیں، سوائے ان کے جن کی دلیل ثابت ہو مثلاً وقوف عرفات، رمی جمار یا منیٰ میں رات گزارنا۔

تو اس خاتون کے لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ سعی کے فوراً بعد روانہ ہو چکی تھی تو اس پر طواف وداع نہیں تھا، کیونکہ یہ عمل ہی بیت اللہ کے ساتھ اس کا آخری عمل تھا۔ لیکن اگر اس کے بعد یہ مکہ میں رکی رہی تھی تو اس نے یہ قصور کیا ہے۔ اور اس نے جو کہا ہے کہ ''قبر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہیں کر سکی'' یعنی اس کا ارادہ تھا کہ مدینہ منورہ جائے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کی زیارت کرے، تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ زیارت قبور کے لیے سفر کا اہتمام کرنا جائز نہیں ہے، قبریں خواہ کوئی سی ہوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد، المسجد الحرام ومسجدی هذا والمسجد الاقصی .))

''تین مسجدوں کے علاوہ کہیں کے لیے پالان نہ کسے جائیں (یعنی سفر کا اہتمام نہ کیا جائے) مسجد حرام، میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ۔''❸

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب طواف الوداع، حدیث: ۱۷۵۵ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، حدیث: ۱۳۲۷ وصحیح ابن خزیمة:٤/ ۳۲۷، حدیث: ۳۰۰۰.

❷ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب، حدیث: ۱۵۳٦ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یباح للمحرم بحج او عمرة وما لا یباح، حدیث: ۱۱۸۰ وسنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب فی الخلوق للمحرم، حدیث: ۲۷۱۰.

❸ صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکه والمدینة، باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکة، حدیث: ۱۱۸۸ وسنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فی اتیان المدینة، حدیث: ۲۰۳۳۔ صحیح سنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب ای المساجد افضل، حدیث: ۳۲٦۔ صحیح و سنن نسائی، کتاب المساجد، باب ما تشد الرحال الیه من المساجد، حدیث: ۷۰۰ صحیح ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کا ذکر پہلے ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، کتاب الحج، باب لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد، حدیث: ۱۳۹۷.

مقصد یہ ہے کہ عبادت کی غرض سے ان مقامات کے علاوہ اور کہیں کا سفر نہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے صرف یہی تین مقامات ہی مخصوص ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جو عورت بہت ضعیف ہو اس کے لیے مزدلفہ میں رات گزارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: سنت یہ ہے کہ آدمی مزدلفہ کی رات طلوع فجر تک مزدلفہ ہی میں گزارے۔ وہاں اول وقت میں نماز فجر ادا کرے، پھر مشعر الحرام کے پاس وقوف کرے حتیٰ کہ فضا طلوع آفتاب سے پہلے خوب سفید ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی کمزور ہو جیسے کہ عورتیں اور چھوٹے بچے وغیرہ تو انہیں چاند غروب ہونے کے بعد جلدی روانہ ہو جانے کی رخصت ہے۔ اور جو قوی اور صحت مند ہوں، انہیں طلوع فجر سے پہلے نماز فجر پڑھنے اور مشعر الحرام کے پاس وقوف کیے بغیر نہیں نکلنا چاہیے۔ اور وادی مزدلفہ ساری ہی مقام وقوف ہے، تاہم مقام ''قزح'' زیادہ افضل ہے، اور یہ وہاں ایک چھوٹی پہاڑی ہے، جہاں کہ آج کل لوگ وقوف کرتے ہیں، وہاں ایک عمارت بھی بنی ہوئی ہے۔ اکثر فقہائے کرام نے خاص اسے ہی مشعر الحرام کا نام دیا ہے۔ (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: ان عورتوں کا کیا حکم ہے جو ضعفاء کے ساتھ غروب قمر کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو جاتی ہیں اور یہاں آ کر بھیڑ سے بچنے کے لیے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارتی ہیں؟

جواب: امام الموفق ابن قدامہ رحمہ اللہ المغنی میں فرماتے ہیں کہ ضعیفوں اور عورتوں کو پہلے روانہ کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما ان حضرات میں سے ہیں جو کمزوروں کو پہلے روانہ کر دیا کرتے تھے۔ امام عطاء بن ابی رباح، ثوری، شافعی، ابوثور رحمہم اللہ اور اہل رائے یہی کہتے ہیں۔ اور ہمیں اس مسئلے میں کسی کی مخالفت معلوم نہیں ہے۔ اور اس میں ان کمزوروں کے ساتھ نرمی اور ازدحام کی مشقت کا ازالہ ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کی اقتدا ہے۔ [1]

امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں کہتے ہیں:

> ''دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمی جمرہ کا وقت طلوع آفتاب کے بعد ہے۔ اور عورتیں اور دیگر ضعفاء کے لیے رخصت ہے اور جائز ہے کہ سورج کے طلوع سے پہلے رمی کر لیں۔'' [2]

امام نووی رحمہ اللہ مجموع الفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ عورتوں اور دیگر ضعفاء کو مزدلفہ سے آدھی رات کے بعد سورج نکلنے سے پہلے جلدی روانہ کر دیا جائے، تاکہ یہ لوگوں کے ازدحام سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کر لیں۔''

---

[1] المغنی لابن قدامة : ٥/ ٢٨٦ ، طبع دار عالم الکتب ، الریاض ، الطبعة الثالثة .

[2] نیل الاوطار : ٥/ ٧٣ ، اداره القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی .

پھر اس کے بعد اس کی تائید میں احادیث ذکر کی ہیں۔ (صالح الفوزان)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ حج یا عمرے میں اپنا سر منڈوا لے؟

جواب: عورت کے لیے صرف اس قدر ہے کہ حج یا عمرے میں اپنے بالوں کے سرے سے ایک پور کے برابر بال کاٹ لے۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے "عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ اپنے بال کاٹے، منڈوائے نہیں، اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

امام ابن منذر کہتے ہیں کہ "اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ اور عورتوں کا سر منڈانا ان کے حق میں مثلہ ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کے لیے سر منڈوانا نہیں ہے۔ ان کے لیے صرف یہ ہے کہ وہ اپنے بال کاٹ لیں۔" [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ عورت اپنا سر منڈوائے۔" [2]

امام احمد رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ عورت اپنی سب لٹوں سے پور برابر بال کاٹ لیا کرے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، شافعی، اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے سنا، ان سے سوال کیا گیا کہ کیا عورت اپنے سر کے سب بالوں سے کاٹے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، اسے چاہیے کہ اپنے سب بال آگے کی طرف اکٹھے کر کے ان کے کناروں سے انگلی کے پور کے برابر کاٹ لے۔ امام نووی رحمہ اللہ مجموع الفتاویٰ میں فرماتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ عورت کو سر منڈوانے کا نہ کہا جائے، بلکہ اس پر یہی ہے کہ بال تھوڑے کاٹ لے۔ سر منڈانا عورتوں کے حق میں بدعت اور مثلہ ہے۔" (صالح الفوزان)

سوال: کیا عورت کے لیے ضروری ہے کہ حج کے لیے کوئی خاص رنگ کے کپڑے پہنے؟

جواب: عورت کے حج کے لیے کوئی خاص لباس (یا خاص رنگ) نہیں ہے۔ اسے اپنی عادت کے کپڑے پہننے چاہئیں جو اس کے بدن کو ڈھانپ لیں اور خاص زینت نہ ہو اور نہ ہی مردوں کے ساتھ مشابہت ہو۔ احرام والی عورت کو بس یہی ہے کہ برقع، چہرے کے لیے خاص سلا ہوا نقاب اور ہاتھوں کے دستانے نہ پہنے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنا چہرہ اپنے برقع اور نقاب کے بغیر ڈھانپے، اسی طرح ہاتھوں کو بھی دستانوں کے بغیر ڈھانپے۔ کیونکہ یہ قابل ستر ہیں، اس لیے انہیں ڈھانپنا چاہیے۔ عورت کو بحالت احرام چہرہ اور ہاتھ ڈھانپنے سے منع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ برقع، نقاب اور دستانوں کے استعمال سے روکا گیا ہے۔ [3] (صالح الفوزان)

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الحج، باب الحلق والتقصیر، حدیث: ١٩٨٤، ١٩٨٥.

[2] سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی کراهیة الحلق للنساء، حدیث: ٩١٥۔ مسند البزار: ٢/ ٣٢، حدیث: ١١٣٧.

[3] سنن النسائی، کتاب المناسك الحج، باب النهی عن ان تنتقب المراة الحرام، حدیث: ٢٦٧٤ وسنن ابی داود، کتاب المناسك، باب ما یلبس المحرم، حدیث: ١٨٢٥، ١٨٢٦، ١٨٢٧.

واجبات حج

سوال: کیا منیٰ میں راتیں گزارنا واجب ہے یا سنت مؤکدہ؟

جواب: ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ منیٰ میں راتیں گزارنا واجب ہے۔ کیونکہ ہم پاتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے عذر والوں کے علاوہ کسی کو بھی منیٰ سے باہر رہنے کی اجازت نہیں دی تھی، [1] مثلاً جو مکہ میں پانی پلانے کی خدمت میں تھے یا جو اونٹ بکریاں چرانے والے تھے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: ایک عورت نے اپنے حج کے تمام اعمال پورے کیے، سوائے جمرات کو کنکریاں مارنے کے، اس وجہ سے کہ اس کے پاس چھوٹا بچہ تھا، تو اس نے اس کے لیے دوسرے کو وکیل بنایا کہ اس کی طرف سے کنکریاں مار دے۔ تو اس کا کیا حکم ہے جبکہ اس کا یہ حج فرضی ہے؟

جواب: اگر اس عورت کے ساتھ کوئی ایسا نہ تھا جو اس بچے کو سنبھال سکتا اور اس وجہ سے اس نے اپنا وکیل بنایا کہ اس کی طرف سے کنکریاں مارے، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا تھا جو اس کے بچے کو سنبھال سکتا تھا تو اس کا وکیل بنانا جائز نہ تھا، خواہ یہ حج فرض تھا یا نفل۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا چھوٹے بچوں پر بھی قربانی آتی ہے؟

جواب: جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو حج کروائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ اس سے حج کے تمام احکام عمل میں لائے جیسے کہ وہ خود کر رہا ہے، اور ان میں سے ایک قربانی بھی ہے۔ اگر اسے قربانی میسر نہیں ہے تو اس کے لیے وہی حکم ہے جو اس کی اپنی ذات کے لیے ہے۔ یعنی اس کی طرف سے روزے رکھے۔ اس مسئلے میں فہم استنباط سے ہماری سمجھ میں یہی آیا ہے...... واللہ اعلم۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: کیا رات کے وقت میں جمرات کو کنکریاں ماری جا سکتی ہیں؟

جواب: ہاں، طلوع فجر تک یہ ہو سکتا ہے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: ایک حاجی جس کے ساتھ کچھ جوان عورتیں بھی ہیں، وہ ازدحام اور بھیڑ سے بہت گھبراتی ہیں، اور حج میں ازدحام بے انتہا ہوتا ہے، عورتوں کے متعلق بالخصوص ڈر رہتا ہے کہ کہیں کوئی گر نہ جائے اور پھر اس کی موت واقع ہو جائے، تو کیا ایسی عورتوں کو رمی جمرات کی کوشش کرنی چاہیے یا وہ اپنے کسی قریبی کو وکیل بنا دیں؟ اور اگر وہ عید کے روز طلوع آفتاب سے پہلے جمرۂ عقبہ کو خود رمی کریں اور باقی جمرات کے لیے وکیل بنائیں تو کیسا ہے؟

جواب: جو شخص جمرات کو کنکریاں مارنے سے عاجز ہو، اس کے لیے جائز ہے کہ کسی کو وکیل بنا دے جو اس کی

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی الرخصة للرماة ان یرموا یوما و یدعوا یوما، حدیث: ٩٥٤، ٩٥٥۔ سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب تاخیر رمی الجمار من عذر، حدیث: ٣٠٣٦، ٣٠٣٧.

طرف سے یہ عمل سرانجام دے۔ اور اس بارے میں جمرۂ عقبہ یا دوسرے جمرات سب برابر ہیں۔ اور وکیل کوئی بااعتماد آدمی ہونا چاہیے۔ اور جن نوجوان عورتوں کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، اگر انہیں ازدحام سے خوف ہو تو وہ کسی دوسرے کو وکیل بنا دیں، کوئی حرج نہیں۔ اور جمرۂ عقبہ کو عید کی رات آخر رات میں طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے ضعیفوں کو اس کی اجازت دی تھی۔ [1] (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت نے حج کیا اور حج کے تمام اعمال پورے کیے، صرف بھول سے یا جہالت سے بال نہیں کاٹ سکی، حتیٰ کہ اپنے ملک پہنچ گئی، اور وہ سب کام کرنے لگی ہے جو محرم کے لیے منع ہوتے ہیں۔ اب اس کے ذمے کیا ہے؟

جواب: اگر معاملہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس عورت نے حج کے تمام امور سرانجام دیے ہیں، صرف بال نہیں کاٹے، بھولے سے یا جہالت سے رہ گئے ہیں، تو اب اس پر یہی ہے کہ جب اسے یاد آ گیا ہے تو تکمیل حج کی نیت سے اپنے بال کاٹ لے، خواہ اپنے ملک پہنچ چکی ہو۔ ہم اللہ سے سب کے لیے نیکی کی توفیق اور قبول کی دعا کرتے ہیں اور اگر اس کے شوہر نے بال کاٹنے سے پہلے اس سے مباشرت کر لی ہے تو اس کے ذمے ایک خون ہے، یعنی ایک بکری کی قربانی ہے یا ایک اونٹنی یا گائے کا ساتواں حصہ ہے جو مکہ میں ذبح ہو اور یہاں کے مساکین میں تقسیم ہو۔ ہاں اگر مباشرت حرم سے نکلنے کے بعد ہوئی، اپنے ملک میں یا کہیں اور، تو جہاں چاہے ذبح کرے اور مساکین میں تقسیم کر دے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا طواف وداع، طواف افاضہ سے کفایت کر سکتا ہے؟ اگر کسی نے اسے طواف وداع تک مؤخر کر دیا ہو تو کیا اسے ایک ہی طواف کافی ہو گا یا دو طواف کرنے ہوں گے؟

جواب: اگر کسی نے طواف افاضہ نہ کیا ہو اور پھر طواف وداع کرے تو یہ اس کے طواف افاضہ سے کفایت کر جائے گا، خواہ اس کے بعد سعی بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، جیسے کہ تمتع والا کرتا ہے۔ اور اگر اس کے بعد ایک اور طواف وداع کے لیے بھی کر لے تو یہ بہتر اور افضل ہے۔ (مجلس افتاء)

ممنوعات احرام

سوال: اللہ تعالیٰ نے حاجیوں کے لیے سلا ہوا لباس پہننا کیوں حرام کیا ہے، اور اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: اولاً: حج اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں پر فرض کیا ہے جو مکلّف ہوں اور بیت اللہ تک پہنچ سکتے ہوں۔ یہ اسلام کا بنیادی رکن ہے اور زندگی میں ایک بار کرنا فرض ہے۔ تو چونکہ یہ دین کا ایک لازمی اور ضروری عمل ہے

[1] سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی الرخصة للرماة ان یرموا یوما ویدعوا یوما، حدیث: ٩٥٤، ٩٥٥۔ سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب تاخیر رمی الجمار من عذر، حدیث: ٣٠٣٦، ٣٠٣٧.

اس لیے مسلمان پر لازم ہے کہ اسے اسی طرح ادا کرے جیسے کہ اللہ نے اسے فرض فرمایا ہے، اور نیت بھی یہ ہو کہ اللہ کو راضی کرنا ہے، اور یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ عزوجل نے جو شریعت لازم فرمائی ہے، یا جس قدر بھی اس کے کام ہیں وہ سب حکمت بھرے ہیں، اور اللہ عزوجل اپنے بندوں کے لیے بے انتہا رحیم ہے، اس نے کوئی ایسی چیز شریعت نہیں بنائی جس میں ان کی دنیا یا آخرت کا فائدہ نہ ہو۔ اللہ کے ذمے شریعت اور بندے کے ذمے اس کے لیے تسلیم ورضا ہے۔

ثانیاً: حج وعمرہ میں اَن سلا لباس پہننے میں کئی حکمتیں ہیں، مثلاً اس میں یوم قیامت کی یاد کہ لوگ اس دن بے لباس ننگے اٹھائے جائیں گے، لباس ان کو بعد میں دیا جائے گا، اور آخرت کی یاد کا ایک بہت بڑا درس ہے۔ اس میں نفس مارنے کی مشق ہوتی ہے، اور اسے یاد دہانی کرانا ہے کہ تواضع صفائی ہو۔ اس ذریعے سے نفس میں یہ شعور پیدا کرنا مقصود ہے کہ بنی آدم آپس میں سب برابر ہیں۔ نیز بندے کو خوش لباس اور دوسروں سے افضل واعلیٰ ہونے کے مزاج سے نکالنا مطلوب ہے۔ اور اس میں فقراء ومساکین کے ساتھ مساوات وہمدردی کا اظہار بھی ہے۔ الغرض اس میں یہ اور اس طرح کی کئی حکمتیں ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: میرے والد صاحب نے گزشتہ سال حج کیا، مگر وہ بہت زیادہ مریض تھے کہ احرام بھی نہیں باندھ سکے تھے، تو ان پر کیا واجب ہے؟

جواب: اگر کسی حاجی نے کسی اہم سبب سے اپنے عام لباس میں احرام باندھا ہو، مثلاً سخت سردی یا کسی بیماری کی وجہ سے، تو شرعاً اسے اس کی اجازت ہے۔ اگر اس نے سلا ہوا لباس پہننا ہو تو اس کے ذمے ہے کہ تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے جو علاقے میں بالعموم استعمال ہوتا ہو، ہر مسکین کو آدھا صاع (سوا کلو، ڈیڑھ کلو) طعام ملنا چاہیے یا بکری ذبح کرے جو قربانی کے قائم مقام ہو۔ اور یہی حکم اس آدمی کا ہے جو احرام میں اپنا سر ڈھانپ لے۔ روزے تو آدمی کہیں بھی رکھ سکتا ہے، البتہ کھانا کھلانا یا بکری ذبح کرنا تو یہ حرم مکی میں ہونا چاہیے۔ (مجلس افتاء)

سوال: اس آدمی کا کیا حکم ہے جو حج کے دوران میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لے؟

جواب: محرم آدمی کو دوران احرام میں اپنی بیوی سے مباشرت، جماع یا اس موضوع کی گفتگو کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

(البقرۃ: ۲/ ۱۹۷)

"جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے، نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔"

اور ﴿فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ''جو حج کا احرام باندھ لے۔'' لیکن جو آدمی اعمال حج مکمل کر چکا ہو یعنی عید کے روز (دس ذوالحجہ) کو جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکا ہو، (قربانی کر کے) اپنا سر منڈوا لیا ہو اور پھر طواف افاضہ کر لیا ہو، اگر اس پر صفا مروہ کی سعی باقی رہتی ہو تو سعی بھی کر لے، تو ایسے آدمی کے لیے اپنی بیوی سے اس طرح کا استمتاع (مباشرت وغیرہ) جائز ہے جو اللہ نے حلال کیا ہے۔ (صالح الفوزان)

سوال: ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ جدہ سے حج کے لیے روانہ ہوئی، حج کے تمام اعمال پورے کیے، مگر آخر میں جب مکہ آئی تو اسے ایام مخصوصہ شروع ہو گئے اور پھر وہ طواف افاضہ اور طواف وداع کیے بغیر جدہ چلی گئی، اور جب وہ پاک ہوئی تو زوجین کا ملاپ بھی ہو گیا۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس عورت کا اپنے اعمال حج پورے کیے بغیر جدہ چلے جانا بالکل غلط تھا، اسے چاہیے تھا کہ مکہ میں رکتی، حتیٰ کہ پاک ہوتی اور بقیہ اعمال پورے کرتی، جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک زوجہ سے فرمایا تھا جو اس صورت حال سے دوچار تھی: 'أحالستنا هي؟'' ''کیا یہ ہمیں روکے رکھے گی؟''[1] بہرحال اب اس پر یہ ہے کہ دوبارہ مکہ آئے، عمرہ کرے، عمرے کا طواف اور صفا ومروہ کی سعی کے بعد اپنے بال کاٹے، پھر اس کے بعد طواف افاضہ اور طواف وداع (بطور قضا) کرے۔ اگر یہ فوراً وہاں سے روانہ ہو گی تو یہ طواف، طواف وداع بھی شمار ہو جائے گا۔ اور یہ جو طواف افاضہ سے پہلے روانہ ہوئی تھی، اس کا تو اس پر کچھ نہیں ہے مگر طواف افاضہ سے پہلے جو میاں بیوی کا ملاپ ہوا ہے، اس میں اس پر یہ ہے کہ ایک بکری بطور فدیہ قربان کرے، یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: میں نے گزشتہ سال حج کیا ہے۔ اور حج کے تمام ارکان پورے کیے ہیں، سوائے طواف افاضہ اور وداع کے، کیونکہ میں شرعی طور پر معذور تھی، لہٰذا میں اپنے گھر مدینہ منورہ چلی آئی اور نیت یہ تھی کہ کچھ دنوں بعد آ کر طواف کر لوں گی۔ چونکہ مجھے دینی مسائل کا کچھ زیادہ علم نہیں ہے، اس لیے میں ہر چیز سے حلال ہو گئی، جو دوران احرام میں منع ہوتی ہیں۔ اور کچھ حضرات سے دوبارہ واپس جا کر طواف کرنے کا پوچھا تو انہوں نے کہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے، بلکہ تو نے اپنا حج خراب کر لیا ہے، لہٰذا اب تجھے اگلے سال دوبارہ حج کرنا ہو گا، اور ایک گائے یا اونٹنی بھی ذبح کرنی ہو گی۔ تو کیا یہ صحیح ہے اور کیا اور مسئلہ اسی طرح ہے؟ یا اس کا کوئی اور حل بھی ہے؟ وضاحت فرمائیں کہ مجھ پر کیا واجب ہے۔ جزاکم اللہ تعالی

جواب: یہ ایک بڑی مصیبت ہے کہ کچھ لوگ بغیر علم کے فتوے دینے لگتے ہیں۔ آپ کے ذمے یہی ہے کہ مکہ مکرمہ جائیں اور طواف افاضہ کر لیں۔ اور طواف وداع آپ کے ذمے نہیں تھا کیونکہ آپ شرعی عذر سے تھیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع، حدیث: ۱۳۲۸ وصحیح بخاری، کتاب الحج، باب اذا حاضت المراۃ بعد ما افاضت، حدیث: ۱۷۵۷ یہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حائضہ پر طواف وداع لازم نہیں ہے۔اس حدیث میں ہے کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ (مکہ سے نکلتے ہوئے) ان کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے، تاہم آپ نے حائضہ عورت سے تخفیف فرمائی۔''❶

اور یہ بھی ہے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق آپ کو بتایا گیا کہ انہوں نے طواف افاضہ کر لیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ''پھر تو اسے روانہ ہو جانا چاہیے۔''❷ یہ دلیل ہے کہ حائضہ سے طواف وداع ساقط ہے۔ مگر طواف افاضہ آپ کے لیے واجب ہے۔ اور چونکہ آپ جہالت کی بنا پر پوری طرح حلال ہو گئی ہیں، تو اس کا بھی آپ کو کوئی ضرر نہیں ہے، کیونکہ انسان اگر جہالت کی بنا پر کسی ممنوع کا مرتکب ہو تو وہ معاف ہے۔ اہل ایمان کو قرآن مجید میں وارد یہ دعا سکھائی گئی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرة: ٢/ ٢٨٦)

''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا غلطی کر بیٹھے ہوں، تو ہماری پکڑ نہ کر۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''میں نے قبول کیا۔''

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (الاحزاب: ٣٣/ ٥)

''جو بات تم سے غلطی سے ہو گئی ہو، اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں، لیکن جو تمہارے دلی قصد و ارادے سے ہو (تو اس کی پکڑ ہے)۔''

الغرض تمام ممنوعات اگر کوئی احرام والا جہالت یا بھول یا کسی کے مجبور کیے جانے سے کرے، تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ اور جب عذر دور ہو جائے تو واجب ہے کہ اس عمل سے باز آ جائے جس کا وہ مرتکب ہو رہا ہو۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت پردے کی چادر کو اپنے چہرے سے دور رکھنے کے لیے لکڑی وغیرہ کی کوئی ایسی چیز استعمال کرے جو کپڑے کو اس کے چہرے سے دور رکھے، اس کا کیا حکم ہے؟

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الحج، باب طواف الوداع، حديث: ١٧٥٥ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، حديث: ١٣٢٧.

❷ صحيح بخاری، كتاب الحج، باب الادلاج من المحصب، حديث: ١٧٧١ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، حديث: ١٢١١.

جواب: عورت کو پردے کی خاطر اپنی چادر کو چہرے سے دور رکھنے کے لیے کوئی لکڑی یا کوئی پگڑی وغیرہ رکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اور ان چیزوں کا استعمال بدعت ہے۔ اور بعض حضرات جو یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ "عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔" یا عورت کے چہرے کو کپڑا نہیں لگنا چاہیے، یہ اس صراحت کے ساتھ کسی حدیث میں نہیں آیا۔ اور مذکورہ بالا روایت صحیح بھی نہیں ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر عورت کے چہرے کو کپڑا مس کر بھی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ واجب ہے کہ جب اجنبی لوگ سامنے آئیں تو وہ اپنا چہرہ چھپائے۔ اور کپڑا لگنے کی صورت میں اس پر کوئی فدیہ وغیرہ نہیں ہے۔

عورت کو چہرہ چھپانا مطلقاً منع نہیں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام میں تھیں، قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے، تو ہم میں سے ایک اپنے کپڑے کو اپنے سر سے اپنے چہرے پر لٹکا لیتی تھی، اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول لیتی تھیں۔"[1] اور اس میں انہوں نے کسی فدیے وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: اس عورت کا کیا حکم ہے جس کے سر کے بال احرام کے دوران میں نہ چاہتے ہوئے بھی ٹوٹتے ہوں یا گرتے ہوں؟

جواب: اگر محرم، مرد ہو یا عورت، اس کے سر سے وضو کرتے ہوئے یا غسل کرتے ہوئے بال ٹوٹیں یا گریں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بلا عمد ناخن ٹوٹ جائے یا مرد کی ڈاڑھی یا مونچھوں سے بال گرتے ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ منع یہ ہے کہ جان بوجھ کر عمداً (احرام کی حالت میں) بال یا ناخن کاٹنا جائز نہیں ہے۔ اور جو از خود ٹوٹتے یا گرتے ہوں تو وہ مردہ بال ہوتے ہیں جو معمولی حرکت سے گرنے لگتے ہیں، ان کا کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ احرام حج کے دوران میں اپنے کپڑے تبدیل کر لے؟ اور کیا احرام کا کوئی خاص لباس ہوتا ہے؟ اور عورت کے لیے احرام کے دوران میں نقاب اور دستانوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: محرمہ عورت کے لیے جائز ہے کہ دوران میں احرام اپنا لباس کسی بھی ضرورت سے تبدیل کر سکتی ہے اور جن کپڑوں میں احرام کی نیت کی تھی انہیں بدل لینا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا لباس نہیں ہے۔ یہ کوئی سے بھی کپڑے پہن سکتی ہے، صرف پابندی یہ ہے کہ نقاب نہ لے اور نہ دستانے پہنے۔ نقاب سے مراد وہ خاص کپڑا ہے جو عورتیں اپنے چہرے کے پردے کے لیے استعمال کرتی ہیں، اور اس میں آنکھوں سے دیکھنے کے لیے سوراخ رکھے ہوتے ہیں۔ اور دستانے معروف ہیں جو ہاتھوں پر پہنے جاتے ہیں۔

اور مردوں کے احرام کے لیے خاص لباس ہے یعنی ایک نیچے باندھنے کی چادر (ازار) اور دوسری کندھوں

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الحج، باب فی المحرمة تغطی وجهها، حدیث: ۱۸۳۳.

پر ڈالنے کے لیے۔ مرد قمیص، شلوار، پگڑی، کوٹ اور موزے نہیں پہن سکتے، اور ان کے لیے بھی جائز ہے کہ اپنی چادر بدلنا چاہیں تو دوسری چادر لے سکتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت احرام کی حالت میں دستانے اور جرابیں استعمال کر سکتی ہے؟

جواب: حج کے دوران میں عورت جرابیں استعمال کر سکتی ہے، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کو اس سے منع نہیں فرمایا ہے۔ البتہ ہاتھوں کے دستانے تو ان کا استعمال جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ نے احرام میں ان کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ ❶ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت بحالت احرام برقع پہنے یا اپنا چہرہ لپیٹے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: برقع کے لیے تو یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کے لیے بحالت احرام نقاب لینے سے منع فرمایا ہے۔ ❷ تو اس طرح برقع بالاولیٰ منع ہوا۔ البتہ وہ اپنے چہرے کو اپنی اوڑھنی اور چادر سے کامل طور پر چھپا سکتی ہے، جبکہ اس کے ارد گرد اجنبی لوگ موجود ہوں۔ اور جب اجنبی موجود نہ ہوں تو وہ اپنا چہرہ کھلا رکھے۔ یہی سنت اور افضل ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: احادیث میں آیا ہے کہ عورت حالت احرام میں نقاب نہ لے اور نہ دستانے پہنے، تو کیا وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ ننگے رکھے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عورت بحالت احرام نقاب نہ لے اور نہ دستانے پہنے۔" ❸ یعنی عورت کے لیے احرام کے دوران میں نقاب باندھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے پاس سے اجنبی مرد گزرتے ہیں تو اس پر واجب ہے کہ ان سے اپنا چہرہ نقاب لیے بغیر چھپائے، یعنی سر کے کپڑے سے، اوڑھنی یا چادر سے ❹ جیسے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں عورتیں کرتی تھیں۔ کیونکہ نقاب چہرے کا خاص لباس ہے جیسے کہ قمیص بدن کا لباس ہے۔ اسی طرح ہاتھوں کا لباس دستانے بھی حالت احرام میں استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ مگر اجنبی پاس سے گزریں تو اپنی پردے کی چادر وغیرہ سے اپنے ہاتھ چھپائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

❶ سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب النهی عن ان تنقب المراة الحرام، حدیث: ٢٦٧٤ وسنن ابی داود، کتاب المناسك، باب ما یلبس المحرم، حدیث: ١٨٢٥، ١٨٢٦، ١٨٢٧ وصحیح بخاری، کتاب الحج، باب ما ینهی من الطیب للمحرم، حدیث: ١٧٤١.

❷ ایضاً.

❸ ایضاً۔

❹ اس کیفیت کو ہمارے ہاں گھونگٹ نکالنا کہتے ہیں۔ (مترجم)

احرام کے دوران میں ایام شروع ہو جائیں اور خون آنے لگے

سوال: ایک عورت سفر حج کے لیے روانہ ہوئی، اور پانچ دن بعد ایام مخصوصہ شروع ہو گئے، میقات پر پہنچ کر اس نے غسل کیا اور احرام کی نیت کر لی۔ مکہ پہنچی تو اسی کیفیت میں تھی، لہٰذا حرم سے باہر رہی اور حج وعمرہ کا کوئی عمل نہیں کیا۔ پھر منیٰ گئی، وہاں پاک ہو گئی اور اعمال حج وعمرہ بحالت طہر ادا کیے۔ اور پھر جب یہ طواف افاضہ کر رہی تھی کہ اسی دوران میں میں خون شروع ہو گیا، اور بہ تقاضائے حیا اس نے کچھ نہیں بتایا، اور اعمال حج پورے کر لیے۔ اپنے شہر پہنچ کر اس نے اپنی کیفیت کا بتایا ہے، تو اب اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس معاملے کا حکم یہ ہے کہ طواف افاضہ کے دوران میں جو خون اسے آیا ہے، اگر یہ حیض تھا، جسے یہ اپنی طبیعت اور دردوں وغیرہ کے انداز سے جانتی ہو گی، تو یہ طواف درست نہیں ہوا، اس پر لازم ہے کہ مکہ جائے تا کہ طواف افاضہ کر سکے۔ لہٰذا یہ میقات سے عمرے کا احرام باندھے، طواف، سعی کر کے عمرہ مکمل کرے، اس کے بعد طواف افاضہ کرے۔

اور اگر یہ خون طبعی معروف حیض نہیں تھا، بلکہ پریشانی و ازدحام دیکھ کر گھبراہٹ کی وجہ سے تھا جو بعض اوقات اتفاقاً آ جایا کرتا ہے، تو اس کا یہ طواف درست ہے، بالخصوص ان حضرات کے نزدیک جو طواف کے لیے طہارت شرط نہیں کہتے۔

اور پہلی صورت میں اگر اسے دوبارہ مکہ آنا ممکن نہ ہو، مثلاً دور کے ملک سے آسان نہیں ہو سکتا ہے، تو اس کا حج (ان شاء اللہ) صحیح ہے، کیونکہ اس نے جو کیا، اس سے زیادہ وہ نہیں کر سکتی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں حج کے لیے گئی تو مجھے ماہواری شروع ہو گئی، مجھے شرم آئی اور میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا، اور میں حرم میں جاتی رہی، نمازیں پڑھتی رہی، طواف اور سعی بھی کی۔ اب مجھ پر کیا ہے؟ خیال رہے کہ یہ ماہواری مجھے نفاس کے بعد آئی تھی۔

جواب: عورت جب ایام حیض میں ہو یا نفاس میں، اسے نماز پڑھنا حلال نہیں ہے، خواہ وہ مکہ میں ہو یا اپنے شہر میں یا کسی اور جگہ۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

''کیا یہ بات نہیں کہ عورت جب حیض سے ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے۔''[1]

اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حائضہ نہ روزے رکھ سکتی ہے نہ نماز پڑھ سکتی ہے۔

لہٰذا اس عورت سے جو ہوا، اسے چاہیے کہ اللہ سے توبہ کرے اور معافی مانگے۔ اس حالت میں جو طواف

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، حديث: ٣٠٤ وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب نقصان الايمان بنقص الطاعات، حديث: ٧٩.

اس نے کیا ہے وہ غلط ہے، البتہ صفا ومروہ کی سعی صحیح ہے۔ کیونکہ اس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ حج کے دوران میں طواف میں سے (اگر کوئی) صفا مروہ سعی کر لے، تو اس کی سعی صحیح ہے۔ اس عورت پر واجب ہے کہ طواف دوبارہ کرے، کیونکہ طواف افاضہ حج کے ارکان میں سے ہے، اور حلت ثانیہ اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔

اسی بناء پر اس کے لیے یہ ہے کہ اگر یہ عورت شادی شدہ ہو تو جب تک طواف نہ کر لے شوہر اس سے ملاپ نہیں کرسکتا اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو طواف مکمل کر لینے سے پہلے اس کا عقد نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں اپنی بیوی کے ساتھ ینبع سے عمرہ کے لیے روانہ ہوا، جدہ پہنچے تو بیوی کو ایام شروع ہو گئے، للہذا میں نے اکیلے ہی عمرہ کیا، میری بیوی نہیں کرسکی، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: آپ کی بیوی کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ انتظار کرے حتیٰ کہ پاک ہو جائے، اس کے بعد ہی وہ عمرہ کرسکتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا (جبکہ انہیں طواف افاضہ کے بعد یہی عارضہ شروع ہو گیا تھا: ''کیا یہ ہمیں روکے رکھے گی؟'' آپ کو بتایا گیا کہ یہ طواف افاضہ کر چکی ہیں، تو آپ نے فرمایا: ''تب اسے روانہ ہو جانا چاہیے۔''[1]

اس واقعہ میں آپ کا یہ فرمانا کہ ''کیا یہ ہمیں روکے رکھے گی؟'' دلیل ہے کہ اگر عورت طواف افاضہ سے پہلے ماہواری کے عارضہ میں مبتلا ہو جائے، تو انتظار کرے حتیٰ کہ پاک ہو پھر ہی یہ طواف کرسکتی ہے۔ اور طواف عمرہ کا بھی یہی حکم ہے، جو طواف افاضہ کہلاتا ہے، کیونکہ یہ طواف عمرے کا رکن ہے، اسے انتظار کرنا ہے حتیٰ کہ پاک ہو پھر طواف کرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اس خاتون کے حج کا کیا حکم ہے جب اسے دوران حج میں ماہواری آ جائے؟

جواب: اس طرح سے سوال کا جواب دینا ممکن نہیں ہے، حتیٰ کہ معلوم ہو کہ اسے ماہواری کب شروع ہوئی۔ کیونکہ بعض اعمال حج ایسے ہیں کہ ماہواری ان سے مانع اور رکاوٹ نہیں ہے، اور بعض سے یہ رکاوٹ ہے۔ مثلاً اس حالت میں طواف نہیں کیا جاسکتا، سوائے اس کے کہ عورت پاک ہو، البتہ اس کے علاوہ دیگر اعمال کیے جاسکتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت عمرے کے لیے آئی مگر ایام شروع ہو گئے، اور اس کا محرم فی الفور واپسی کے لیے مجبور ہے، اور عورت کے لیے مکہ میں رکنا ممکن نہیں، کیونکہ یہاں اس کا کوئی عزیز نہیں ہے، تو یہ کیا کرے؟

جواب: اگر یہ عورت مملکت عربیہ سعودیہ کی شہری ہے تو اسے چاہیے کہ بحالت احرام اپنے گھر چلی جائے، اور

[1] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الادلاج من المحصب، حدیث: ۱۷۷۱ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، حدیث: ۱۲۱۱.

حالت احرام ہی میں رہے، پھر پاک ہونے کے بعد دوبارہ آئے اور عمرہ مکمل کرے۔ کیونکہ اسے دوبارہ آنے میں کوئی دشواری نہیں ہے کہ اسے کسی قسم کے پاسپورٹ ویزہ وغیرہ لینے کی ضرورت ہو۔

لیکن اگر یہ غیر ملک سے آئی ہو اور واپس آنا مشکل ہو تو اس کے لیے یہ ہے کہ خوب حفاظت سے لنگوٹ باندھے، بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرلے اور بعد میں اپنے بال کاٹ کر اپنا عمرہ مکمل کر لے۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ یہ طواف اس حالت میں اس کی ایک اشد ضرورت ہے اور اہم ضرورت کے تحت بعض ممنوعات حلال ہو جایا کرتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اس عورت کا کیا حکم ہے کہ مکہ پہنچنے کے بعد اسے ماہواری شروع ہو جائے اور اس کے گھر والے واپسی کے لیے تیار ہوں، تو کیا وہ لوگ انتظار کریں یا سفر کریں؟ سفر خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اسے ماہواری طواف شروع کرنے سے پہلے آجائے تو اسے انتظار کرنا چاہیے حتیٰ کہ پاک ہو، اس کے بعد ہی یہ طواف کرے اور اپنا عمرہ مکمل کرے۔ ہاں اگر اس نے احرام کے وقت عذر کی شرط کر لی ہو اور یوں کہا ہو: ''اگر مجھے کسی عذر نے روک لیا ہو تو میں وہیں حلال ہو جاؤں گی جہاں یہ مجھے روکے گا'' تو اس صورت میں یہ حلال ہو جائے، اور اپنے گھر والوں کے ساتھ روانہ ہو جائے، اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حائضہ عورت احرام کی رکعتیں کیسے پڑھے؟ اور کیا اس کے لیے جائز ہے کہ قرآن حکیم کی آیات اپنے دل میں پڑھتی اور دہراتی رہے؟

جواب: پہلے تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ احرام کے لیے کوئی نماز نہیں ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول، فعل یا توثیق سے کسی طرح بھی یہ مشروع نہیں فرمایا کہ احرام کے لیے نماز ہوتی ہے۔

دوسرے، یہ عورت اگر اسے احرام سے پہلے ایام شروع ہوئے ہیں، تو اس کے لیے یہی ہے کہ وہ اسی حالت میں احرام کی نیت کر لے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جبکہ انھیں ذی الحلیفہ مقام پر نفاس کا عارضہ پیش آ گیا تھا، کہ وہ غسل کرے، کپڑے سے لنگوٹ باندھ لے اور احرام کی نیت کرے۔ [1] یہی حکم حائضہ کا ہے، اور یہ جب تک پاک نہ ہو احرام کی حالت میں رہے گی، پاک ہونے کے بعد ہی بیت اللہ کا طواف اور سعی کر سکے گی۔

اور رہا قرآن کریم کا پڑھنا تو جائز ہے کہ حائضہ عورت کسی ضرورت اور مصلحت کے تحت قرآن کریم پڑھ سکتی ہے، لیکن صرف عبادت اور تقرب الی اللہ کے لیے، بغیر کسی مصلحت اور ضرورت کے، تو بہتر یہ

[1] سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب النفساء والحائض تهل بالحج، حديث : ٢٩١٣ وسنن النسائى، كتاب مناسك الحج، باب اهلال النفساء، حديث : ٢٧٦٢ .

ہے کہ نہ پڑھے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک خاتون کو طواف افاضہ سے پہلے ایام شروع ہو گئے، اور پھر پاک نہ ہو سکی حتیٰ کہ اس کے قافلے والوں کے کوچ کا وقت آ گیا، اور اس کے لیے ان سے پیچھے رہنا بھی ممکن نہیں کہ پاک ہونے کے بعد طواف کر سکے۔ تو کیا اس کی یہ صورت ''شرعی ضرورت'' کہلائے گی یا نہیں؟ اور اگر اس صورت میں اسے طواف کی اجازت ہے تو کیا اسے دم دینا واجب ہو گا یا نہیں؟ اور کیا اس حالت میں طواف سے پہلے اسے غسل کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر عورت قافلے والوں سے علیحدہ نہ رہ سکتی ہو تو کیا اس حالت میں اس پر حج واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر واجب نہ ہو تو کیا اس کے لیے طواف کرنا مستحب ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں اللہ آپ کو اجر جزیل سے نوازے۔

جواب: یہ مسئلہ کہ طواف صحیح ہونے کے لیے طہارت شرط ہے یا نہیں، اس بارے میں علمائے کرام کے دو مشہور قول ہیں:

(۱)......طواف کے لیے طہارت شرط ہے جیسے کہ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ سے ایک روایت ہے۔

(۲)......شرط نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اگر کوئی بحالت جنابت، حدث یا نجاست اٹھائے ہونے کی حالت میں طواف کر لے تو اس کا طواف کافی ہو جائے گا، اور اسے ایک دم دینا ہو گا۔ لیکن اصحاب احمد کا اختلاف ہے کہ آیا یہ رخصت صرف معذور کے لیے ہے مثلاً کوئی اپنا جنبی ہونا بھول گیا ہو (یا دوسرے کے لیے بھی ہے؟) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر بحالت حیض یا جنابت طواف کیا ہو تو اسے ایک اونٹنی دینی ہو گی۔

اور یہ عورت جسے بحالت حیض ہی طواف کرنا پڑے تو اس کا عذر اولیٰ تر ہے۔ کیونکہ حج ان (حائضہ یا جنبی) پر واجب ہے۔ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ حائضہ سے حج ساقط ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی شریعت میں ایسی کوئی گنجائش ہے کہ کسی واجب کے سلسلے میں اگر کوئی عجز عارض آ جائے تو اس سے وہ واجب ساقط ہو جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کے لیے لازمی طہارت سے عاجز ہو (تو کسی نے نہیں کہا کہ اس سے نماز ساقط ہے)۔

سو یہ حائضہ عورت اگر مکہ میں رہ سکتی ہو تو اس پر واجب ہے کہ رک جائے حتیٰ کہ پاک ہو اور پھر طواف کر کے روانہ ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اسے دوبارہ آنا واجب ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے لیے حج کا سفر دو بار واجب کیا گیا ہے جو بلاشبہ خلاف شریعت ہے (شریعت نے حج ایک ہی بار واجب کیا ہے)۔

اور جب یہ عورت اپنے قافلے کے ساتھ روانہ ہونے کے لیے مجبور ہے، اور حیض بھی اپنی عادت کے مطابق آیا ہے، اور ممکن نہیں کہ یہ کسی طرح پاکیزگی میں طواف کر سکے، تو اصول شریعت اس بات پر مبنی ہیں کہ عبادات کی جن شروط کے بجا لانے سے بندہ عاجز ہو، وہ اس سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی نمازی ستر عورۃ کے سلسلے میں یا استقبال قبلہ سے معذور ہو یا نجاست سے تحفظ ناممکن ہو (تو اس سے یہ شرائط ساقط ہیں)۔ اسی

طرح اگر کوئی ازخود طواف سے عاجز ہو یا سوار ہو کر بھی نہ کر سکتا ہو تو اسے اٹھا کر طواف کرایا جائے گا۔

اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لیے بلا طہارت طواف جائز ہے، خواہ وہ غیر معذور بھی ہو، جیسے کہ اصحاب ابی حنیفہ رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں، تو ان کا قول اس کے عذر کے پیش بہت اولی اور لائق قبول ہے اور رہا غسل کرنا، اگر وہ کر لے تو بہت بہتر ہے، جیسے کہ کوئی حیض یا نفاس والی احرام کے لیے کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک عورت نے حج کیا اور طواف افاضہ سے پہلے اسے ماہواری کے ایام شروع ہو گئے، اور جب اس کے رفقائے سفر کی روانگی کا وقت آیا تو اس نے اپنے ولی کو اپنا وکیل بنایا کہ میری طرف سے طواف افاضہ اور سعی کرے، چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا اور پھر وہ اپنے ملک روانہ ہو گئے۔ کیا اس عمل میں وکالت جائز ہے؟ خیال رہے کہ یہ حج نفلی تھا۔

جواب: فقہاء کے کلام میں بظاہر اس عمل کا جواز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ حج نفلی ہو، اور جسے وکیل بنایا ہو وہ اس سال اپنے حج اور اعمال حج سے فارغ ہو چکا ہو۔ اور یہ بالخصوص ضرورت کے وقت ہی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت کو آٹھویں ذوالحجہ کو نفاس آ گیا، مگر اس نے ارکان حج پورے کر لیے سوائے اس کے کہ طواف افاضہ اور سعی نہ سکی۔ پھر دس دن بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ پاک ہو رہی ہے، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ غسل کر کے باقی ارکان پورے کر لے؟

جواب: (۱) ہاں، اگر بالفرض اسے آٹھویں ذوالحجہ کو نفاس آ جاتا ہے تو وہ حج کر سکتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کر لے، اور دوسرے اعمال حج جو حاجی کرتے ہیں مثلاً کنکریاں مارنا، قربانی کرنا اور بال کاٹنا وغیرہ ادا کرے۔ اور اس پر طواف افاضہ اور سعی رہ جائے گی تو اسے پاک ہونے تک مؤخر کر دے۔ تو اگر وہ دس دن بعد یا اس سے بھی بعد یا اس سے پہلے ہی پاک ہو جائے تو اسے غسل کر کے نماز روزے کے اعمال کرنے چاہییں اور طواف اور سعی بھی کرے۔ اور نفاس سے طہارت کی کم از کم کوئی معین مدت نہیں ہے۔ بعض اوقات عورتیں دس دن میں یا اس سے بھی کم میں پاک ہو جاتی ہیں۔ مگر زیادہ سے زیادہ کی مدت معین ہے جو چالیس دن ہیں۔ جب چالیس دن پورے ہو جائیں تو اگر خون جاری بھی ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ یہ خون فاسد ہے، یہ عورت اپنے آپ کو پاک شمار کرے اور غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دے، اور یہ اپنے شوہر کے لیے بھی حلال ہو گی۔ اور صفائی میں خوب اہتمام کرے کہ لنگوٹ وغیرہ باندھ کر رکھا کرے اور ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھ لیا کرے، جیسے کہ

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اس کی تلقین فرمائی تھی۔ ❶ (عبدالعزیز بن باز)

جواب: (۲) اس عورت کو اس وقت تک طواف کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اسے اپنی طہارت کا یقین نہ ہو جائے۔ کیونکہ سوال میں ذکر کیے گئے الفاظ "پاک ہو رہی ہے" سے سمجھ میں آتا ہے کہ وہ دس دن بعد کامل طور پر پاک نہیں ہوئی، البتہ طہارت شروع ہوئی ہے، تو ضروری ہے کہ یہ کامل طور پر خوب پاک ہو، اس کے بعد ہی وہ غسل کرے اور طواف وسعی کرے۔ ہاں اگر وہ اس سے پہلے سعی کر لیتی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حج کے دوران میں پوچھا گیا تھا کہ ایک آدمی نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے؟ (اس کا کیا حکم ہے) فرمایا: "کوئی حرج نہیں۔" ❷ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کو طواف افاضہ سے پہلے حیض یا نفاس شروع ہو گیا، تو کیا اسے مکہ میں رکنا ضروری ہے، حتیٰ کہ پاک ہو اور پھر طواف کر کے جائے، یا جائز ہے کہ جدہ وغیرہ چلی جائے اور پھر جب پاک ہو تو آ کر طواف کر جائے؟

جواب: اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ وہ مکہ میں رہ سکتی ہے تو اسے طہر آنے تک مکہ ہی میں رکنا چاہیے، حتیٰ کہ وہ اپنا حج مکمل کر کے جائے۔ اگر رکنا ممکن نہ ہو تو جائز ہے کہ اپنے محرم کے ساتھ جدہ یا طائف وغیرہ چلی جائے، پھر بعد میں اپنے محرم کی معیت میں آئے اور بقیہ اعمال پورے کر کے جائے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے اور اسی طرح کسی عاجز یا مریض کے لیے طواف وداع لازم ہے؟ میں نے یہ مسئلہ منیٰ میں، جب میں اس سے دوچار تھی، علماء سے پوچھا تھا۔ علمائے کرام کا جواب بڑا مختلف تھا، کچھ نے کہا ضروری نہیں اور کچھ نے کہا ضروری ہے؟

جواب: حائضہ اور نفاس والی پر طواف وداع نہیں ہے۔ مگر مریض اور عاجز کو طواف کروایا جائے خواہ اٹھا کر ہی کروانا پڑے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"تم میں سے کوئی شخص ہرگز واپس نہ جائے حتیٰ کہ اس کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہو۔" ❸

صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

"لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری عمل بیت اللہ کے ساتھ ہونا چاہیے، مگر حائضہ عورت کے

---

❶ سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب من روی ان الحیضة اذا ادبرت لا تدع الصلاة، حدیث: ۲۸۷ وسنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی المستحاضة انها تجمع بین الصلاتین بغسل واحد، حدیث: ۱۲۸.

❷ سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فیمن قدم شیئا قبل شیء، حدیث: ۲۰۱۵ صحیح، وصحیح ابن خزیمة: ٤/ ۲۳۷، حدیث: ۲۷۷٤.

❸ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب طواف الوداع، حدیث: ۱۷۵۵ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع، حدیث: ۱۳۲۷ وصحیح ابن خزیمة: ٤/ ۳۲۷، حدیث: ۳۰۰۰.

لیے رعایت ہے۔''[1]

اور ایک دوسری روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ نفاس والی حائضہ کی طرح ہے، اس پر طواف وداع نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا حائضہ عورت مسجد حرام میں داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: حائضہ مسجد میں نہیں جا سکتی ہے، سوائے اس کے کہ راہ گزرنے والی ہو، لیکن طواف، تسبیح وتہلیل یا سماع ذکر کے لیے اس کا رکنا جائز نہیں۔ اور اگر اثنائے طواف میں اسے محسوس ہو کہ شاید خون آنے لگا ہے، تو وہ طواف میں جاری رہے حتیٰ کہ اسے یقین ہو جائے کہ خون نکل آیا ہے، تب اسے وہاں سے نکل آنا واجب ہے، اور پھر انتظار کرنا چاہیے حتیٰ کہ پاک ہو جائے۔ پاک ہونے کے بعد نئے سرے سے طواف شروع کرے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کی جگہ حرم مسجد کا حصہ ہے؟ کیا حائضہ وہاں رک سکتی ہے؟ اور کیا جو سعی کی جگہ سے مسجد میں داخل ہو وہ تحیۃ المسجد پڑھے؟

جواب: ظاہر یہ ہے کہ سعی کرنے کی جگہ مسجد حرام میں سے نہیں ہے، اسی لیے یہاں درمیان میں فرق کے لیے چھوٹی سی دیوار بنا دی گئی ہے اور اس میں بڑی خیر ہے۔ اگر یہ حصہ مسجد سے ملا دیا جاتا تو عورت جسے سعی کے دوران میں یہ عارضہ ہو جائے اسے سعی میں جاری رہنا منع ہوتا۔ اسی لیے میں یہ فتویٰ دیا کرتا ہوں کہ اگر کسی خاتون کو طواف کے بعد سعی کے دوران میں یہ عارضہ ہو وہ اسے مکمل کرے، کیونکہ یہ جگہ مسجد کا حصہ نہیں ہے۔ اور رہا اس جانب سے مسجد کے اندر جانے پر تحیۃ المسجد کا مسئلہ، تو کہا جا سکتا ہے کہ جو پڑھے بہتر ہے اور جو نہ پڑھے اس پر کوئی حرج نہیں، تاہم بہتر یہ ہے کہ اس موقع کو غنیمت جانے اور نماز پڑھ لے، کیونکہ یہاں کی نماز کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جس عورت کو عرفہ کے دن ایام شروع ہو جائیں، وہ کیا کرے؟

جواب: جس عورت کو عرفہ کے روز ایام مخصوصہ شروع ہو جائیں، اسے اعمال حج میں جاری رہنا چاہیے، اور وہ کچھ کرے جو حاجی کرتے ہیں۔ مگر جب تک پاک نہ ہو، طواف بیت اللہ نہیں کر سکے گی۔[2] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جو عورت اپنے شوہر کی وفات کے باعث عدت کے دنوں میں ہو، کیا وہ حج کے لیے جا سکتی ہے؟ اور اسی

---

[1] أیضاً۔

[2] جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت، حديث: ٣٠٥ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان وجوه الاحرام وانه يجوز افراد الحج، حديث: ١٢١١.

طرح عدت طلاق کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو عورت اپنے شوہر کی وفات کے باعث عدت کے دنوں میں ہو، وہ اپنے گھر سے باہر نہیں رہ سکتی اور جب تک عدت پوری نہ ہو حج کا سفر نہیں کر سکتی، اور یہ اس کیفیت میں ''غیر مستطیع'' ہوگی، اور اسے اپنے گھر میں رہنا واجب ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾
(البقرۃ: ۲/ ۲۳۳)

''اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، تو ان بیویوں پر ہے کہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں۔''

اس عورت کے لیے انتظار کرنا واجب ہے حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے۔

اور اس کے علاوہ دوسری عدت مثلاً عدت طلاق کی صورت میں، اگر طلاق رجعی ہو تو یہ عورت بیوی ہونے کے حکم میں ہے، اس لیے اسے اپنے شوہر سے اجازت لینا ہوگی، اور بہتر ہے کہ شوہر اسے سفر حج کی اجازت دے دے جبکہ وہ اپنے کسی محرم کے ساتھ سفر کر رہی ہو۔

اور طلاق بائنہ والی کے لیے بھی سنت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے گھر میں ٹھہرے، اور اگر شوہر موافقت کرے تو وہ حج کے لیے جا سکتی ہے، کیونکہ اس کی یہ عدت شوہر کے حقوق میں سے ہے۔ اگر اس کی اجازت سے حج کے لیے جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت نے عمرے کا احرام باندھا، مگر طواف و سعی نہ کر سکی تھی کہ اسے ایام مخصوصہ شروع ہو گئے، اور پھر وہ اپنے گھر لوٹ آئی اور احرام کھول دیا، تو اس پر کیا ہے؟

جواب: جس عورت نے عمرے کا احرام باندھا اور پھر حیض آ گیا اور طواف و سعی سے پہلے ہی احرام کھول دیا، تو اگر یہ عورت ان مسائل سے لاعلم اور جاہل تھی، اور شوہر نے اس وقت تک اس سے مباشرت نہیں کی تو اس پر واجب ہے کہ حیض کے دن پورے ہونے کے بعد اپنا عمرہ مکمل کرے۔ یعنی اہتمام سے غسل کرے جیسے کہ جنابت سے ہوتا ہے، پھر طواف، سعی صفا مروہ اور اس کے بعد کچھ بال کاٹ کر حلال ہو، اور اس پر اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اور اگر زوجین کا ملاپ ہو گیا ہو تو اس کا عمرہ باطل ہو گیا۔ اس پر واجب ہے کہ اس کے بدلے نیا عمرہ کرے اور اس میقات سے احرام باندھے جہاں سے پہلے عمرے کے لیے باندھا تھا اور عمرہ پورا کرے، اور اس کے ساتھ ایک دنبہ جو کم از کم چھ ماہ کا ہو یا سال بھر کا بکرا یا بکری فدیہ دے جو مکہ میں ذبح کیا جائے اور وہاں مساکین میں تقسیم ہو۔ اور اگر یہ عورت اپنے احرام سے حلال نہیں ہوئی تھی تو اس پر یہ ہے کہ وہ طہارت کے بعد اپنا عمرہ مکمل کرے اور بال کاٹ لینے کے بعد حلال ہو۔ اس کا عمرہ حیض کی وجہ سے کسی طرح

بھی باطل نہیں ہوا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا کوئی عورت کسی دوسرے کی طرف سے حج کر سکتی ہے؟

جواب: عورت کے لیے جائز ہے کہ کسی دوسری عورت کی طرف سے حج کر سکتی ہے خواہ وہ اس کی بیٹی ہو یا کوئی اور، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور اسی طرح ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ عورت کسی مرد کی طرف سے بھی حج کر سکتی ہے، جیسے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ خثعم کی عورت سے فرمایا تھا کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے حج کرے، جبکہ اس نے پوچھا تھا کہ: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کا فریضہ حج میرے والد کو اس حالت میں پہنچا ہے کہ وہ بہت ہی بوڑھا ہے۔'' اور آپ نے اسے اجازت دی کہ وہ اپنے والد کی طرف سے حج کرے۔ [1]

تاہم یہ ضرور ہے کہ مرد کا احرام عورت کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(شیخ الاسلام ابن تیمیہ)

سوال: ایک عورت ایک میت کی طرف سے عوض لے کر حج کرنا چاہتی ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: جائز ہے، وہ حج کر سکتی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور یہ خاتون جو حج کرنے جا رہی ہے اگر اس کی نیت حج کرنا اور میت کو نفع پہنچانا ہے، تب تو صحیح ہے اور اس کے لیے اجر وثواب بھی ہے، لیکن اگر اس کی نیت صرف پیسے بٹورنا ہی ہو تو اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: میری پھوپھی جو وفات پا گئی ہے اپنی زندگی میں خوب مالدار تھی، مگر اس نے حج نہیں کیا تھا، تو کیا اب ضروری ہے کہ اس کے مال میں سے خرچ لے کر حج کیا جائے، یا ویسے ہی اس کی طرف سے حج کر لیا جائے؟

جواب: واجب ہے کہ اس کے مال ہی سے خرچ لے کر اس کی طرف سے حج کیا جائے۔ لیکن اگر آپ اپنے طور پر اس کی طرف سے حج کریں اور اس کے مال میں سے خرچ نہ لیں اور اس کے لیے ہدیہ کریں تو بھی جائز ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: اگر ازدحام انتہائی زیادہ ہو کہ اس کی وجہ سے موت وغیرہ کا ڈر ہو تو رمی جمرات وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر ازدحام شدید ہو کہ اس میں موت یا ہڈی ٹوٹنے یا بیمار ہو جانے وغیرہ کا اندیشہ ہو تو ان اعذار سے شرعی فریضہ ساقط نہیں ہو جاتا ہے، صرف اس قدر ہے کہ خائف (کمزور، بیمار اور عورتیں بچے وغیرہ) رمی جمرات میں اپنا نائب بنا سکتے ہیں، جیسے کہ مریض اور عاجز وغیرہ کا مسئلہ ہے۔ اور یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ جو عذر اصل حاجی کے لیے ہے وہی عذر اس کے نائب کے لیے بھی ہے (تو شرعی فریضہ ساقط نہیں ہونا چاہیے۔ اصل یہ ہے

---

[1] صحيح بخارى، كتاب الحج، باب وجوب الحج وفضله، حديث: ١٥١٣ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب الحج عن العاجز، حديث: ١٣٣٤، ١٣٣٥ وسنن ابى داود، كتاب المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، حديث: ١٨٠٩.

کہ یہ ایک رخصت اور رعایت ہے جو شریعت نے دی ہے) اصل حاجی اور اس کے نائب میں صحت مندی، قوت اور صلاحیت کا فرق موجود ہے۔ اگر ان اعذار کی وجہ سے مطلقاً ان اعمال کے چھوڑنے کی اجازت دے دی جائے تو شاید آدھے حاجی بھی رمی وغیرہ نہ کریں۔ بہرحال ان مشکلات سے نکلنے کی راہیں موجود ہیں مثلاً رمی کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کیا جا سکتا ہے جب ازدحام نہ ہو یا بہت کم ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا میری والدہ کے لیے جائز ہے کہ میرے والد (یعنی اپنے شوہر) کی طرف سے حج کرے؟ خیال رہے کہ میری والدہ اپنا فرضی حج کر چکی ہے۔

جواب: جب آپ کی والدہ اپنا فریضہ حج ادا چکی ہیں تو کوئی حرج نہیں کہ وہ آپ کے والد کی طرف سے حج کریں۔ [1] (محمد بن ابراہیم)

سوال: میری حقیقی بہن ایک مدت ہوئی فوت ہو چکی ہے، اور میں اس کی طرف سے حج وعمرہ اور زیارت قبر رسول ﷺ کے لیے جانا چاہتی ہوں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: آپ کی بہن اگر شرعی احکام کی مکلّف تھی تو آپ کے لیے جائز ہے کہ اس کی طرف سے حج وعمرہ کریں، بشرطیکہ آپ نے اپنا حج وعمرہ کر لیا ہو۔

اور زیارت قبر رسول کا مسئلہ، تو اس کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام ، والمسجد الاقصى ومسجدی هذا .))

"(سفر کے لیے) پالان صرف تین مسجدوں کی طرف کسے جائیں: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد (مسجد نبوی)۔" [2]

لہٰذا سفر مسجد نبوی کی نیت سے ہونا چاہیے، اور پھر انسان جب یہاں آئے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صاحبین پر بھی صلاۃ وسلام پڑھے، اور اس مسجد نبوی کے سفر میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک نوجوان نے بلوغت سے پہلے اپنا حج کیا۔ بعد از بلوغت اس کے والد نے اس سے کہا کہ جاؤ اور اپنے دادا کی طرف سے حج کرو۔ چنانچہ بچے نے بہ نیت تمتع اپنے دادا کی طرف سے عمرے کا احرام باندھا۔ آٹھ

---

[1] ظاہر ہے کہ حج بدل فرض اسی صورت میں ممکن ہے جب اصل فرد وفات پا گیا ہو یا حیات ہو اور ادائیگی سے عاجز ہو۔ اور نفلی میں بعض نے رخصت دی ہے۔ فتویٰ آگے آ رہا ہے۔ (سعیدی)

[2] صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکة و المدینة، باب مسجد بیت المقدس، حدیث: ١١٩٧۔ سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب فی اتیان المدینة، حدیث: ٢٠٣٣ صحیح، وسنن الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ای المساجد افضل، حدیث: ٣٢٦ صحیح۔

ذوالحجہ آئی تو اسے بتایا گیا کہ تیرا پہلا حج جو تو نے بلوغت سے پہلے کیا ہے وہ نفلی تھا، تم پر واجب ہے کہ اب پہلے اپنا حج کرو، اور یہ حج تمہاری اپنی طرف سے ہوگا۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟ یہ نوجوان متمتع ہوگا یا مفرد، کیونکہ اس نے عمرہ اپنے دادا کی طرف سے کیا ہے؟

جواب: اسے جو کچھ کہا گیا ہے وہ صحیح ہے۔ اور حدیث شبرمہ میں ایسے ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تھا: ''کیا تو نے اپنی طرف سے حج کرلیا ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: ''اپنی طرف سے حج کرو، پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔'' ❶ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے عمرہ کرلیا ہے یا نہیں، یہ عمرہ اس نوجوان کی اپنی طرف سے بن جائے گا۔ جز کا حکم کل والا ہوتا ہے۔

ملاحظہ:...... ہم سمجھتے ہیں کہ اس حدیث میں شبرمہ جن کی طرف سے حج کیا جا رہا تھا وہ بیمار اور حج سے عاجز تھے، اور انھوں نے اپنے عزیز کو وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے حج کرے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: میری ہمشیر وفات پا گئی ہے، اس کی عمر پچیس سال تھی اور اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اس کی وفات اپنے والد سے پانچ سال پہلے ہوگئی تھی۔ ہم نے بعض علماء سے پوچھا ہے کہ کیا اس پر حج واجب ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، کیونکہ یہ والد سے پہلے فوت ہوئی ہے اور شادی بھی نہیں کی تھی۔ خیال رہے کہ شادی کے معاملے وہ خود ہی انکاری تھی۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے جس میں اللہ کی رضا ہو، اور جو درست ہو۔

جواب: اگر صورت واقعہ ایسے ہی ہے جیسے کہ بیان ہوئی تو آپ پر اس کی طرف سے حج کرنا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ اس پر احسان کرتے ہوئے اس کی طرف سے حج کریں تو بہت بہتر عمل ہے۔ ہاں اگر اس کا اپنی زندگی میں مال تھا کہ اس سے وہ حج کرسکتی تھی تو واجب ہے کہ تقسیم ترکہ سے پہلے اس کے مال میں سے حج کیا جائے۔ ❷ (مجلس افتاء)

سوال: کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے جبکہ وہ بقید حیات ہوں؟ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنی بیوی کی طرف سے حج کروں جبکہ وہ زندہ ہے؟

جواب: کسی زندہ فرد کی طرف سے حج وعمرہ بدل کرنے میں تفصیل ہے۔ اگر یہ حج وعمرہ فرض ہو تو اس میں کسی کو نائب نہیں بنایا جا سکتا مگر صرف اس صورت میں جائز ہے کہ آدمی خود ادا کرنے سے قاصر ہو، مثلاً بہت زیادہ بوڑھا ہو یا دائم المرض ہو، ایسا کہ اعمال حج وعمرہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو اور نہ ہی شفایابی کی کوئی امید ہو، تب تو

---

❶ سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب الرجل یحج عن غیرہ، حدیث: ١٨١١ وسنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب الحج عن المیت، حدیث: ٢٩٠٣.

❷ سوال میں جو صورت بیان ہوئی ہے کہ وہ عورت غیر شادی شدہ تھی اور والد سے پہلے فوت ہوگئی تھی تو معلوم رہے کہ حج واجب ہونے کے لیے یہ کوئی شرط نہیں اور نہ ہی حج ساقط ہونے کا یہ کوئی عذر ہے۔ (مترجم سعیدی)

جائز ہے کہ کوئی دوسرا اس کی طرف سے حج وعمرہ اسلام (یعنی فرض) ادا کر دے، کیونکہ خود اس کے لیے ادائیگی انتہائی مشکل ہے۔ لیکن اگر یہ نفلی حج ہو یا عمرہ تو اس میں وسعت ہے۔ کوئی حرج نہیں کہ کوئی دوسرا اس کی طرف سے ادا کرے۔ تاہم کچھ علماء کے نزدیک بہتر بلکہ واجب ہے کہ بندہ خود کرے جبکہ وہ ادائیگی کے قابل ہو، خواہ یہ نفل ہی ہو۔ (مجلس افتاء)

اعمال عبادت پر اجرت وعوض لینے کا مسئلہ

سوال: ایک آدمی اپنی فوت شدہ بیوی کی طرف سے ایک آدمی کو حج کے لیے بھیجنا چاہتا ہے، مگر یہ نائب آدمی شیعہ ہے، جبکہ وہ فوت ہونے والی سنی تھی۔ کیا متوفیہ کو پورا ثواب مل جائے گا، جیسے کہ اگر وہ اپنی زندگی میں خود کرتی؟ اور ایسے نائب کا کیا ثواب ہوتا ہے؟

جواب: اس متوفیہ کی طرف سے نیابت حج کے لیے کسی کو بھیجنا بالکل جائز اور صحیح ہے۔ صحیح بخاری میں ہے، باب من مات وعلیه نذر:

> ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی مگر وہ فوت ہوگئی ہے۔ تو آپ نے پوچھا: اگر اس کے ذمے قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا یا نہیں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: تو اس کی طرف سے حج کر، اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔''[1]

علاوہ ازیں امام بخاری رحمہ اللہ نے الجامع الصحیح میں یہ باب (مسائل) ذکر کیے ہیں کہ ''مرد عورت کی طرف سے حج کرے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میری والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی، مگر حج کرنے سے پہلے ہی وہ فوت ہوگئی ہے، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا: کیوں نہیں، اس کی طرف سے حج کر۔ بھلا اگر والدہ پر قرضہ ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتی یا نہیں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا (قرض) ادا کر، اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ کے لفظ "اقضوا" (ادائیگی کر) مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (شرح صحیح بخاری) میں لکھتے ہیں: ''اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرد عورت کی طرف سے یا کوئی عورت مرد کی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ صرف ایک حسن بن صالح کا اختلاف ذکر

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب من مات وعلیه نذر، حدیث: ٦٦٩٩.

[2] صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج والنذور عن المیت، والرجل یحج عن المرأة، حدیث: ١٨٥٢.

کیا گیا ہے۔“ ❶

اور یہ مسئلہ کہ کوئی شیعہ، کسی سنی (مرد وعورت) کی طرف سے حج بدل کرے تو یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس نائب میں ایک شرط مفقود ہے، جو حج کے لیے بڑی اہم ہے یعنی ”عادل ہونا“۔

علامہ ابن حجر ہیثمی نے ”فتاوی کبریٰ“ میں لکھا ہے کہ ”ولی پر واجب ہے کہ جس آدمی کو خرچ دے کر روانہ کیا جا رہا ہو وہ عادل ہو، معتمد قول یہی ہے کیونکہ یہ نائب دوسرے کی طرف سے عمل کرتا ہے۔ اور جو دوسرے کی طرف سے کچھ کر رہا ہو، اسے احتیاط لازم ہے، اور جو نا قابل اعتماد ہو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ میت کی طرف سے حج کرے گا خواہ بظاہر اس کے عمل درست ہی ہوں۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور نیت دل کا عمل ہے جس سے آگاہی نہیں ہوسکتی۔“ علامہ صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں: ”اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی فرق نہیں، جس عمل کے لیے کسی کو اجرت یا عوضانہ دیا جا رہا ہے وہ فرض حج ادا کرے یا نفل، یا اسی طرح اس کا بچہ ہونا بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہ عمل اصل میں خواہ نفل ہی سہی مگر وصیت کے بعد واجب الادا ہو گیا ہے، اور جس کی ادائیگی واجب ہو وہ کسی فاسق کے کرنے سے ادا نہیں ہو گا، کیونکہ ایسا آدمی امین نہیں، کیونکہ ان کا تعلق نیت سے ہوتا ہے، اور نیت سے کوئی آگاہ نہیں ہوسکتا۔“ جب وصی آدمی کوئی ممنوع تصرف نہیں کر سکتا، تو دوسرے امور وسائل میں اس کی ممانعت اور زیادہ اولیٰ ہوگی۔ اور متوفیہ کو اس حج کا ثواب ملنا، تو ظاہر نصوص سے ثابت ہے کہ اسے ان شاء اللہ پورا اجر ملے گا، جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ سے فرمایا تھا: ”اپنے باپ کی طرف سے حج کر۔“ ❷ یا ایک عورت سے فرمایا تھا: ”اپنی والدہ کی طرف سے حج کر۔“ ❸ اس میں یہ بیان ہے کہ اس کا یہ حج میت ہی طرف سے ہوگا، اور اس کا ثواب اس میت کے لیے ہوگا۔

ان نصوص کی روشنی میں امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”کتاب الروح“ میں ان لوگوں کی تردید کی ہے، جو سمجھتے ہیں کہ جس کی طرف سے حج کیا گیا ہو، اس کو صرف رقم خرچ کرنے کا ثواب ملے گا، اور جو نائب ہو کر حج کر رہا ہے اسے حج کا ثواب ملے گا، خواہ یہ نفل ہی ہو۔ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے مسائل امام احمد میں ایک روایت ایسے ہی نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ ”میں نے امام احمد سے سنا کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: میں اپنی والدہ کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہوں، تو آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا مجھے بھی حج کا ثواب ملے گا؟ کہا: ہاں، تو اس کی طرف سے قرض ادا کرنے والا ہوگا۔“

---

❶ فتح الباری: ٤/ ٦٥، حدیث: ١٨٥٢، طبع دارالنشر الاسلامیة، لاهور.

❷ سنن ابی داود، کتاب المناسك، باب الرجل یحج عن غیره، حدیث: ١٨١٠ وسنن الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیت، حدیث: ٩٣٠.

❸ صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج والنذور عن المیت. حدیث: ١٨٥٢ وسنن الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیت، حدیث: ٩٢٩.

مگر ظاہر یہ ہے کہ نیابت میں حج کرنے والے کو بھی پورے حج کا ثواب ملتا ہے، جیسے کہ طبرانی اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من حج عن میت فللذی حج عنه مثل اجره ومن فطر صائما مثل اجره ومن دعا ابی خیر فله مثل فاعله .))

''جو کوئی کسی میت کی طرف سے حج کرے، تو حج کرنے والے کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا کروانے والے کا ہے۔ اور جو کسی روزے دار کا روزہ افطار کروائے تو افطار کرانے والے کو اتنا ہی ثواب ہے جتنا کہ روزے دار کا ہے۔ اور جو کسی خیر کے کام کی دعوت دے تو اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا کہ اس خیر کے کرنے والے کا ہے۔'' [1]

اعمال عبادت پر عوض لینا دینا:

اور میت کی طرف سے اجرت لے کر حج کرنے کے بارے میں فتاویٰ کبریٰ لابن حجر (۲:۹۶۔۹۷) میں یوں ہے کہ ''عوض وبدل پر حج وغیرہ کرنے کا باعث اگر صرف مال ہی ہو، کہ اگر یہ نہ ہوتا تو یہ حج نہ کرتا، تو ایسے آدمی کے لیے کوئی ثواب نہیں ہے، ورنہ اس (حج کرنے والے) کے لیے اتنا ہی ثواب ہے جتنا کہ اس نے آخرت کی نیت کی ہے۔'' اختیارات شیخ الاسلام ابن تیمیہ میں یوں ہے: ''مستحب یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے حج کرنے والا عوض اور بدل لے، اس نیت سے کہ حج کر سکے، نہ اس نیت سے کہ اسے عوض اور بدل ملے۔ جس شخص کی نیت ہو کہ وہ مشاعر حج دیکھ کر میت کو اجر و ثواب پہنچانا چاہتا ہے تو وہ حج کرنے کے لیے عوضانہ لے لے۔ اور یہی حکم ہے ان تمام روزینوں کا جو کسی صالح عمل پر ملتے ہیں۔ اور وہ شخص جس کی اصل نیت دین ہو مگر دنیا اس کے لیے ایک وسیلہ ہو، اور وہ شخص جس کی اصل نیت دنیا ہو مگر دین کو اس کے لیے وسیلہ بنایا ہو، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری قسم کے آدمی کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور یہ مسئلہ کہ ایسے اعمال جن کا عامل ان اعمال کے ذریعے سے اللہ کا مقرب بنتا ہے، کیا یہ بلا نیت تقرب وعبادت کیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ تو جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ بلا نیت تقرب نہیں کیے جا سکتے، ان کے نزدیک ان پر عوض لینا دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عوضانے کی وجہ سے یہ عبادت نہ رہیں گے۔ اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور اللہ تعالیٰ وہی اعمال قبول فرماتا ہے جن میں اس کی رضا مندی کی نیت کی گئی ہو۔ اور جو حضرات ان پر عوض و بدل لینا دینا جائز سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اعمال بلا نیت تقرب وعبادت بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''چونکہ اس میں عمل کروانے والے کا نفع اور فائدہ ہے اس لیے ان پر عوضانہ لیا دیا جا سکتا ہے۔'' (محمد بن ابراہیم)

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی : ٦/ ٦٩ ، حدیث : ٥٨١٨ .

سوال: میری والدہ سات حج کر چکی ہیں، کیا میں (بحیثیت بیٹی) ان کی طرف اور حج کر سکتی ہوں؟

جواب: ہاں آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اپنی والدہ کی طرف سے آٹھواں یا اس سے زائد حج کر سکتی ہیں۔ اور یہ اس کے لیے ایک بڑی نیکی ہے اور آپ کے لیے بھی بڑا اجر ہے بشرطیکہ آپ کے پہلے اپنا حج کر چکی ہوں۔ میں اللہ عزوجل سے دعا گو ہوں کہ مجھے اور آپ کو دین کی کما حقہ سمجھ اور اس پر ثابت قدمی عنایت فرمائے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ کوئی عورت، مرد کی طرف سے حج وعمرہ ادا کرے؟

جواب: یہ بالکل درست ہے کہ عورت، مرد کی طرف سے حج وعمرہ ادا کر سکتی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاویٰ میں فرماتے ہیں: "علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی عورت دوسری عورت کی طرف سے حج کر سکتی ہے، خواہ وہ اس کی بیٹی ہو یا کوئی اور۔ اور ایسے ہی ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ عورت مرد کی طرف سے حج کرے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ خثعم کی عورت کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے والد کی طرف سے حج کرے، جبکہ اس عورت نے بیان کیا تھا کہ اللہ کا فریضہ حج میرے والد کو اس حالت میں آیا ہے کہ وہ بہت ہی بوڑھے ہیں، تو آپ نے اس بیٹی کو حکم دیا کہ اپنے والد کی طرف سے حج کرے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ مرد کا احرام عورت کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتا ہے۔ [1] (صالح الفوزان)

سوال: میری والدہ کی عمر ستر سال کے قریب ہے اور وہ ٹیکسی وغیرہ پر تھوڑا سا سفر بھی نہیں کر سکتی ہیں۔ دوران سفر میں وہ بے ہوش سی ہو جاتی ہیں، کہ انھوں نے فریضہ حج ادا نہیں کیا ہے۔ تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنے مال سے ان کی طرف سے حج کروں؟ اور میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں۔

جواب: اگر صورت حال ایسے ہی ہے جیسے کہ بیان کی گئی ہے تو آپ کے لیے جائز ہے کہ اپنی والدہ کی طرف سے اپنے مال سے حج کریں یا کروائیں۔ بلکہ والدہ کے لیے نیکی اور ان کے ساتھ احسان کے پیش نظر آپ کے لیے یہ عمل بڑا تاکیدی ہے، کیونکہ وہ خود حج کر نہیں سکتی، اور اس حالت میں نیابت حج بالکل جائز ہے۔

(مجلس افتاء)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ جانور ذبح کرے، اور پھر اس کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: (ا) عورت کے لیے جانور ذبح کرنا اسی طرح جائز ہے جیسے کہ مرد کے لیے ہے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ ثابتہ ہے [2] اور پھر اس ذبیحہ کا گوشت کھانا بھی حلال ہے، بشرطیکہ وہ عورت مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو اور شرعی طریقے پر ذبح کرے، خواہ مرد موجود بھی ہوں تب بھی اس کا ذبیحہ جائز ہے۔

---

[1] مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیة: ۲۶/ ۱۳ ـ ۱٤.

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الذبائح، باب ذبيحة المراة، حديث: ۳۱۸۲.

ذبیحہ حلال ہونے کی ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ مرد نہ ہوں تو وہ ذبح کرے۔ (عبدالعزیز بن باز)

(۲) ہاں جائز ہے کہ عورت قربانی وغیرہ ذبح کرسکتی ہے، کیونکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ عبادات میں مرد اور عورتیں شریک ہیں (اوران کا حکم ایک ہے) سوائے کسی ایسی بات کے جو دلیل سے ثابت ہو۔ اوراس مسئلے میں ثابت ہے کہ ایک لونڈی وادی سلع میں بکریاں چرایا کرتی تھی کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو زخمی کر دیا، تو لونڈی نے دھاردار پتھر لے کر بکری کو ذبح کر دیا، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ ❶

(محمد بن صالح عثیمین)

متفرق مسائل

سوال: ایک عورت کے پاس ایک ہزار درہم ہیں، اوراس کی نیت یہ ہے کہ اس رقم سے اپنی بیٹی کو کپڑے خرید کر دے۔ کیا یہ افضل ہے کہ اسے کپڑے لے دیے جائیں یا وہ اس سے حج کرے؟

جواب: ہاں جب یہ رقم ایک ہزار درہم ہے، تو اس سے حج کرنا چاہیے، اور جو باقی بچے، اگر چاہے تو بیٹی کی شادی کر دے، کیونکہ حج ایک لازمی فریضہ ہے، بشرطیکہ اس کا ولی اس مال سے بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ (شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: کیا کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ حالت احرام میں برقع پہنے؟ میری اہلیہ حج کے دوران میں برقع پہنے رہی۔ واپس آئی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ تیرا حج مقبول نہیں ہے، اس لیے کہ تو برقع پہنے رہی ہے۔ اور کیا حالت احرام میں عورت خوشبو لگا سکتی ہے؟ اور کیا اس کے لیے جائز ہے کہ حج میں مانع حیض گولیاں کھا سکے؟

جواب: (۱) عورت کے لیے احرام کی حالت میں برقع پہننا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت نقاب نہ پہنے اور نہ ہی دستانے۔'' ❷ اور جو لاعلمی کی وجہ سے احرام میں برقع پہنے رہی ہے، اس پر کچھ نہیں ہے اوراس کا حج صحیح ہے۔

(۲) احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگانا جائز نہیں ہے خواہ مرد لگائے یا عورت۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ایسا کوئی کپڑا نہ پہنو جسے زعفران یا ورس لگا ہو۔'' ❸ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ''میں نے رسول

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الوكالة، باب اذا بصر الراعی او الوكيل شاة تموت، حديث: ٢٣٠٤ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٧٦، حديث: ٥٤٥٤ .

❷ صحيح بخاری، كتاب جزاء الصيد، باب ما ينهى من الطيب للمحرم، حديث: ١٧٣٧ وسنن النسائی، كتاب مناسك الحج، باب النهي عن ان تنتقب المراة الحرام، حديث: ٢٦٧٤ وسنن ابی داود، كتاب المناسك، باب ما يلبس المحرم، حديث: ١٨٢٥، ١٨٢٦، ١٨٢٧ .

❸ صحيح بخاری، كتاب الحج، باب ما لا يلبس المحرم من الثياب، حديث: ١٥٤٢ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب ما يباح للمحرم بحج او عمرة لبسه، حديث: ٢٧٩١ .

اللہ ﷺ کو ان کے احرام کے وقت، احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگائی اور ایسے ہی ان کے حلال ہونے کے وقت، بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے۔" ❶ اور آپ نے اس آدمی کے متعلق فرمایا جو اپنے احرام میں فوت ہو گیا تھا کہ: "اسے خوشبو لگانا۔" ❷

(۳) اور عورت کے لیے جائز ہے کہ حج کے دوران میں مانع حیض گولیاں کھا سکتی ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: حالت احرام میں عورت کے لیے سونا پہننا کیسا ہے مثلاً انگوٹھیاں وغیرہ کہ اکثر حالات میں یہ غیر محرم کے لیے ظاہر بھی ہوتی ہیں؟

جواب: جائز ہے کہ عورت حالت احرام میں سونا وغیرہ پہن سکتی ہے، بشرطیکہ حد اسراف میں داخل نہ ہو، انگوٹھیاں ہوں یا کنگن وغیرہ۔ لیکن اس پر لازم ہوگا کہ اسے اجنبیوں سے چھپائے تا کہ کسی فتنے کا باعث نہ بنے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

حج وعمرہ کی نیت کر کے اسے توڑا نہیں جا سکتا

سوال: ایک عورت نے جو مملکت عربیہ کے جنوب میں ایک شہر میں رہائش پذیر ہے، رمضان سے تین دن پہلے اس نے عمرے کی نیت کی، احرام بھی باندھ لیا، مگر میقات پہنچنے سے پہلے اس نے اپنی نیت بدل لی، اور یہ کہا کہ میں رمضان میں عمرہ کرلوں گی۔ پھر وہ مکہ گئی مگر عمرہ اس نے رمضان ہی میں کیا اور پھر حلال ہوئی۔ کیا اس کا یہ عمل صحیح ہے؟ اور کیا یہ نیت فسخ کرنے پر کچھ لازم آتا ہے؟

جواب: یہ عمل صحیح نہیں، کیونکہ انسان جب حج یا عمرے میں داخل ہو جائے تو اسے اپنا یہ عمل بغیر کسی شرعی سبب کے توڑنا حرام ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (البقرة : ۱۹۶/۲)

"حج اور عمرہ اللہ کی رضا کے لیے پورا کرو، اگر راستے میں روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو پیش کرو۔"

اسے چاہیے کہ اپنے اس قصور سے توبہ کرے، اور اس کا عمرہ صحیح ہے، خواہ اس نے اس کے فسخ کی نیت بھی کی تھی، مگر اس سے یہ فسخ نہیں ہو سکتا، اور یہ حج کے خصائص میں سے ہے، جو دوسرے اعمال میں نہیں ہے، کہ مثلاً کوئی حج کو باطل کرنے کی نیت کرے تو وہ باطل نہیں ہوتا، جیسے کہ دوسری عبادتیں باطل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً

❶ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الطب عند الاحرام، حدیث : ۱۵۳۹ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الطیب قبیل الاحرام، حدیث : ۱۱۸۹ .

❷ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب کیف یکفن المحرم، حدیث : ۱۲۶۷ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یفعل بالمحرم اذا مات، حدیث : ۱۲۰۶ .

روزے دار نے اپنا روزہ باطل کرنے کی نیت کی تو وہ باطل ہو جائے گا۔ نمازی اپنی نماز باطل کرنے کی نیت کرے تو باطل ہو جائے گی۔ وضو کرنے والا اپنے وضو کے دوران میں اپنے وضو کے باطل کرنے کی نیت کر لے تو وہ باطل ہو جائے گا۔ مگر عمرہ کرنے والا اپنے عمرے کے دوران میں اسے باطل کرنے کی نیت کرے، یا حاجی تلبیہ کہتے ہوئے اسے باطل کرنے کی نیت کرے تو یہ باطل نہیں ہوں گے۔ اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ ''نسک (حج وعمرہ) آدمی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوتے۔'' اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اس عورت نے جس وقت عمرہ کی نیت کر لی اور احرام باندھ لیا تو عمرے کی تکمیل تک وہ احرام ہی میں رہی اور اس کی فسخ کرنے کی نیت غیر مؤثر رہی۔ اور اب یہ سوال، کہ کیا اس عورت نے رمضان میں عمرہ پایا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے رمضان میں عمرہ نہیں پایا، کیونکہ اس کا احرام رمضان سے تین دن پہلے سے تھا، اور رمضان میں عمرے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا احرام ابتداء سے لے کر آخر تک رمضان میں ہو۔ اس کی ایک دوسری مثال: ایک آدمی شعبان کی آخری گھڑی میں میقات پر پہنچا، اور عمرے کا احرام باندھا، اور ادھر سورج غروب ہو گیا اور رمضان شروع ہو گیا، پھر وہ حرم میں آ کر طواف، سعی اور قصر کرتا ہے، تو کیا اس نے رمضان میں عمرہ پا لیا؟

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اس نے رمضان میں عمرہ نہیں پایا، کیونکہ اس کی ابتداء احرام رمضان شروع ہونے سے تھی۔

ایک اور مثال: ایک آدمی نے رمضان کے آخری دن میں سورج غروب ہونے سے پہلے احرام باندھا، اور پھر عید کی رات میں طواف، سعی وغیرہ کی تو کیا اس نے رمضان میں عمرہ کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے بھی رمضان میں عمرہ نہیں کیا، کیونکہ اس نے اپنے عمرے کا ایک جز رمضان کے بعد ادا کیا ہے۔ اور رمضان میں عمرہ تبھی ہو گا جب ابتدائے احرام سے لے کر آخر تک تمام اعمال رمضان میں ہوں۔

تو اس خاتون کے لیے ہمارے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا عمرہ صحیح ہے مگر اس نے اپنا یہ عمرہ رمضان میں نہیں پایا، اور اسے یہ بھی درست نہیں ہے کہ احرام توڑ کر واپس جائے۔ اگر یہ اسے باطل کرنے کی نیت بھی کرے گی تو یہ باطل نہیں ہو گا، خواہ یہ اپنے سلے ہوئے کپڑے بھی پہنے۔ کیونکہ یہ عورت ہے اور عورت سلے ہوئے کپڑے ہی پہنتی ہے، سو جو چاہے پہنے۔ اگر بالفرض کوئی اور ممنوعہ کام بھی کرتی ہے، تو اس پر کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ جاہل اور لاعلم ہے۔ اور وہ انسان جو اپنی جہالت، نسیان یا اکراہ کی وجہ سے احرام کی مخالفات کا مرتکب ہو اس پر کچھ نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کسی کو عید کے روز (دس ذوالحجہ کو) طواف افاضہ کرنے میں دیر ہو جائے اور تاخیر سے منیٰ میں پہنچے، مثلاً رات کے ایک بجے کے بعد، تو کیا اس پر کوئی دم فدیہ وغیرہ ہو گا؟

جواب: میں اس پر کوئی دم فدیہ وغیرہ نہیں پاتا۔ اور اصل یہ ہے جہاں دلیل نہ ہو وہاں کوئی وجوب نہیں ہوتا ہے، اور اس مسئلے میں کوئی دلیل نہیں۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: ایک خاتون کے لیے کون سا عمل افضل ہے، مطاف میں بھیڑ کے اندر طواف کرنا، یا مردوں سے دور کسی علیحدہ جگہ میں کسی اور عبادت میں مشغول ہونا؟

جواب: حج وعمرہ کے ایام میں افضل یہ ہے کہ آدمی بار بار طواف نہ کرے، یہ حکم مردوں کے لیے ہے تو عورتوں کے لیے تو بالاولیٰ ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حج یا عمرہ کی غرض سے مانع حمل گولیوں کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ یا صرف حمل سے بچاؤ کے لیے ان کا استعمال کیسا ہے، جبکہ حمل اس عورت کے لیے ضرر کا باعث ہو؟

جواب: کسی انتہائی مجبوری کے بغیر میں مانع حمل گولیوں کے استعمال کے حق میں نہیں ہوں۔ مثلاً خاتون انتہائی ضعیف الجسم ہو، اور اس بچاؤ کی ضرورت مند ہو تو وہ استعمال کرسکتی ہے، مگر ضروری ہے کہ شوہر کی موافقت حاصل کرے، کیونکہ نسل کے لیے جس طرح عورت کا حق ہے، مرد کا بھی حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ مرد اپنی آزاد عورت سے اس کی مرضی کے بغیر عزل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ عزل کا طریقہ بھی مانع حمل ہے۔ میں سب خواتین کو یہی نصیحت کروں گا کہ مانع حمل گولیوں سے احتراز کریں۔ اولاد کی کثرت انتہائی بابرکت اور نفع آور ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیم پر عمل ہے۔ تاہم حج وعمرہ کی ادائیگی میں پرسکون رہنے کے لیے، اس کے استعمال میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عارضی صورت ہے، اور اس بارے میں طبیب وڈاکٹر کی رائے ضرور لے لینی چاہیے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری اہلیہ کو ضیق الرحم کا عارضہ ہے، اس کے ہاں طبعی ولادت نہیں ہوتی ہے۔ تین بچے ہوئے ہیں اور تینوں ہی آپریشن سے ہوئے ہیں، اور حمل سے اسے از حد تکلیف ہوتی ہے۔ تو کیا اس صورت میں اسے مانع حمل ادویات استعمال کرلینی جائز ہیں، تاکہ وہ اس کیفیت سے محفوظ رہے؟

جواب: اس صورت میں اسے مانع حمل ادویات استعمال کرلینی جائز ہیں تاکہ اسے راحت ملے۔ کیونکہ تیسرے آپریشن کے بعد رحم کی دیوار بہت متاثر ہوجاتی ہے اور اس کے پھٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کا ارادہ کیا، اور اس اندیشے سے کہ کہیں دوران حج میں ایام مخصوصہ نہ شروع ہوجائیں میں نے اس لیے مانع حیض گولیاں حاصل کرلیں۔ پھر اس طرح ہم نے نہایت سکون سے اپنا حج مکمل کیا۔ والحمد للہ۔ مگر حج کے بعد ۱۴۰۷/۱۲/۱۷ھ سے اسے ایام شروع ہوئے ہیں جو تاحال تا دم تحریر ۱۴۰۸/۲/۲۳ھ جاری ہیں۔ ڈاکٹروں نے اس سے پہلے متنبہ کیا تھا کہ یہ مانع حیض گولیاں آپ کو بعد میں پریشان کرسکتی ہیں۔ تو میرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ حیض ہے یا کچھ اور، اور کیا اسے نماز پڑھنی ہے یا نہیں؟

جواب: آپ کی اہلیہ کو اس قدر طویل ایام سے آنے والا خون حیض نہیں ہے، بلکہ یہ استحاضہ ہے۔ اس کے ذمے یہ ہے کہ اسے اپنی سابقہ عادت کے مطابق ہر مہینے اتنے دن توقف کرنا چاہیے (نماز روزہ ادا نہ کرے) پھر ان ایام کے گزرنے کے بعد غسل کرے اور نماز شروع کر دے اور ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا کرے اور ساتھ ہی حتی الامکان لنگوٹ وغیرہ سے تحفظ حاصل کرے، اور اگر اس نے ایام حیض کے علاوہ کی نمازیں چھوڑی ہیں تو ان کی قضا دے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا ایسے ذرائع استعمال کرنا جائز ہے جو عورت کے لیے مانع حمل ہوں یا اس میں وقفہ بڑھاتے ہوں؟ اور ان کا استعمال کب جائز ہے جبکہ ان سب ذرائع میں نقصانات بھی ہوتے ہیں؟ اور کیا چھوٹے بچے کا جس کی عمر چند مہینے ہو، نئے حمل کی وجہ سے دودھ چھڑا دینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

جواب: عورت کے لیے جائز ہے کہ اگر وہ ضرورت محسوس کرتی ہو تو وقتی طور پر ایسے ذرائع اختیار کر سکتی ہے جو اس کے لیے مانع حمل ہوں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
''ہم عزل کیا کرتے تھے جبکہ قرآن بھی نازل ہو رہا تھا۔'' ❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کا نہ حکم دیا نہ اس سے منع فرمایا۔

خیال رہے کہ کچھ وقت تک کے لیے حمل کو روک دینا بھی تین پہلو رکھتا ہے یعنی کہیں مباح ہوگا اور کہیں مکروہ یا حرام۔

حرام اس صورت میں ہے جب کوئی فقر یا اندیشہ فقر کی وجہ سے اس طرح کرے۔ اس پر علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔ اور صحیح مسلم میں سیدہ جداوہ بنت وہب اسدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''یہ مخفی طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔'' ❷

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عزل کی رخصت والی حدیث کا ناسخ قرار دیا ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لیکن اس قسم کی مختلف احادیث کو مہمل ٹھہرانے کی بجائے قابل عمل کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ چاہیے کہ ان احادیث میں جمع و تطبیق کی صورت نکالی جائے۔ جمہور علماء کا یہی اصول ہے۔

جمہور کے نزدیک ''واد'' (زندہ درگور کرنا) اہل جاہلیت کا معمول تھا اور وہ یہ کام فقر یا اندیشہ فقر کی بنا پر

---

❶ صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب العزل، حديث: ٥٢٠٨، ٥٢٠٩ وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب حكم العزل، حديث: ١٤٤٠ (صحیح مسلم میں ہے کہ اسحاق بن ابراہیم نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ اگر کسی چیز سے روکا جانا ہوتا تو قرآن ہمیں اس عمل سے ضرور روکتا)۔

❷ صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة، حديث: ١٤٤٢.

کرتے تھے، جیسے کہ قرآن مجید نے ذکر کیا ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ﴾ (الانعام: ۶/ ۱۵۱)

''اپنی اولادوں کو فقر کی وجہ سے قتل مت کرو، ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔''

﴿وَ لَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۱)

''اپنی اولادوں کو فقر کے ڈر سے قتل مت کرو، ہم انہیں رزق دیں گے اور تمہیں بھی دے رہے ہیں۔''

سو اگر کوئی یہ کام فقر یا اندیشہ فقر کے تحت کرے تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا، اور اگر کوئی کسی اور دینی یا دنیاوی غرض سے کرے تو دیکھا جائے گا، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں معلوم کیا، تو آپ نے ان کو معذور جانا، اور ان کی مصلحت کے پیش نظر انہیں رخصت دے دی۔

اور بعض اوقات کچھ چیزوں میں نفع وضرر کے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ تو اگر ضرر کا پہلو غالب ہو جیسے کہ شراب اور جوئے میں ہے تو شریعت اسے حرام کہتی ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۱۹)

''یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔''

اس صورت میں ان کے فوائد کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اور اگر کوئی ایسی چیز ہو کہ اس میں نفع وضرر برابر برابر ہوں تو بھی اسے حرام کہا جانا چاہیے، کیونکہ ضرر کا دور کرنا نفع حاصل کرنے کی نسبت زیادہ راجح ہوتا ہے۔ اور جہاں نفع اور فائدہ، اس کے نقصان کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اسے مباح کہا جاتا ہے اور اکثر ادویات اسی قاعدہ کے ضمن میں آتی ہیں۔ مثلاً عقاقیر (جڑی بوٹیاں) کہ ان میں کسی قدر ضرر بھی ہوتا ہے کہ یہ جگر یا گردوں پر اثر انداز ہوتی ہیں مگر ان کے دیگر فوائد غالب اور زیادہ ہوتے ہیں، جو بالعموم دوا کے ساتھ بیان کیے گئے ہوتے ہیں۔

تو ہمارے اس مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے کہ مانع حمل ادویات بعض اوقات خواتین کے لیے کسی قدر نقصان دہ بھی ہوتی ہیں، لیکن اکثر اطبا کا کہنا ہے کہ یہ عوارض مثلاً سر چکرانا یا متلی ہونا وغیرہ، یہ صرف ابتدا میں ہوتے ہیں ہے، جو آہستہ آہستہ دور ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے مقابل کچھ اور چیزیں بھی ہیں مثلاً لولب، اس کے مضرات اس کے فوائد کی نسبت کہیں کم ہیں۔ بہر حال جب ان چیزوں کے فوائد زیادہ اور مضرات بہت کم اور وقتی ہوں تو ان کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۲)...... اور دوسرا سوال کہ بچے کو قبل از وقت دودھ چھڑانے میں گناہ ہونا، اس سبب سے کہ اس کی ماں

حمل سے ہے، تو یہ جائز ہے، اگرچہ بچے کو بنیادی طور پر پورے دو سال کے لیے دودھ پلایا جانا چاہیے، جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

(البقرۃ: ۲/ ۲۳۳)

''مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، یہ اس کے لیے ہے جو رضاعت پوری کرنا چاہیں۔''

اس ارشاد میں اس معاملے کو'' ماں باپ کے چاہنے'' کے ساتھ معلق اور مشروط ٹھہرایا گیا ہے، جو دلیل ہے کہ قبل از وقت دودھ چھڑانا جائز ہے۔ اور طبی طور پر بھی مسلم ہے کہ حمل سے دودھ کی غذائیت میں فرق آ جاتا ہے، کیونکہ شکم مادر میں پرورش پانے والا نیا بچہ اپنی مطلوبہ غذا کا کافی حصہ لے لیتا ہے، اگرچہ ماں کو کیلشیم اور دیگر مقویات اپنی غذا میں لینی پڑتی ہیں، مگر بچہ اس کے باوجود ماں کی ہڈیوں اور بطن سے اپنی ضروریات کشید کر لیتا ہے، اور دودھ پینے والے بچے کے دودھ کے فوائد میں بہت کمی آ جاتی ہے۔

تاہم احادیث میں وارد ہے جیسے کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: '' قریب تھا کہ میں غیلہ سے منع کر دوں (یعنی ایام رضاعت میں ماں حاملہ ہو) مگر میں نے دیکھا ہے کہ اہل فارس یہ کرتے ہیں اور ان کو کوئی ضرر نہیں ہوتا۔''[1] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں اپنی والدہ اور دادی کو عمرہ کے لیے لے کر آیا۔ جب ہم طواف کرنے لگے تو میں نے دیکھا کہ وہ برقعے پہنے ہوئے تھیں، تو میں نے انہیں کہا کہ یہ اتار دیں، اور پردے کی چادر چہرے پر لٹکائیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حکم یہ ہے کہ عورت جب احرام باندھ لے تو اسے برقع پہننا جائز نہیں ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا عورت کے لیے یہی حکم ہے کہ ((لا تنتقب المراۃ .))[2] ''یعنی حالت احرام میں نقاب یا برقع نہ پہنے۔''[3]

اور برقع نقاب سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے جہالت سے پہن لیا ہو اور اس کا خیال تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو اس پر کچھ نہیں ہے، نہ فدیہ ہے اور نہ کوئی گناہ، اور نہ ہی عمرے میں کوئی نقص آیا ہے، کیونکہ یہ جاہل اور لاعلم تھی، اور احرام کے دوران میں دیگر پابندیوں کا یہی حکم ہے مثلاً کوئی جہالت سے یا بھول کر اپنا سر

[1] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز الغیلة، حدیث: ١٤٤٢ .

[2] سنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب النهی عن ان تنتقب المراة الحرام، حدیث: ٢٦٧٤ وسنن ابی داود، کتاب المناسك، باب ما یلبس المحرم، حدیث: ١٨٢٥، ١٨٢٦، ١٨٢٧ .

[3] مگر چہرے کے پردے کے لیے سر کی چادر کو آگے لٹکائے، جیسے کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ چہرے کا پردہ فرض واجب ہے۔ (سعیدی)

منڈوا لے، یا سلا ہوا لباس پہن لے، یا خوشبو استعمال کر بیٹھے، یا کوئی دوسرا اس کو ان کاموں پر مجبور کر دے اور اسے کرنا پڑے تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ کوئی فدیہ ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: دیکھا جاتا ہے کہ بعض طواف کرنے والے اپنی عورتوں کو دھکے دے دے کر حجر اسود کے بوسے کے لیے انہیں آگے بڑھاتے ہیں۔ اس مسئلہ میں کیا افضل ہے، حجر اسود کا بوسہ لینا، یا مردوں کی بھیڑ سے دور رہنا؟

جواب: اگر سائل نے یہ عجیب (اور مکروہ) منظر دیکھا ہے، تو میں نے اس سے بڑھ کر دیکھا ہے کہ کئی لوگ فرض نماز کا سلام پھرنے سے پہلے ہی حجر اسود کے بوسے کے لیے بھاگ اٹھتے ہیں، اور اس طرح ان کی نماز باطل ہو جاتی ہے، جو اسلام کا عظیم ترین رکن ہے، اس کے مقابلے میں ایک ایسا عمل کرنا چاہتے ہیں جو کسی طرح واجب نہیں ہے، بلکہ یہ اسی صورت میں مسنون ہے جب بندہ طواف کر رہا ہو۔ اور یہ ایک ایسی جہالت ہے جس میں لوگوں کا ایک بڑا طبقہ مبتلا ہے، جس پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا صرف طواف کے دوران ہی میں سنت ہے۔ مستقل طور پر بلا طواف اس کے سنت ہونے کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ اگر کسی کو اس بارے میں کوئی علم ہو تو مجھے آگاہ کر دے۔ جزاکم اللہ خیرا

الغرض حجر اسود کا بوسہ طواف کی سنتوں میں سے ہے، اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس میں کسی کے لیے کوئی اذیت نہ ہو۔ نہ خود طواف کرنے والے کے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے۔ اگر اس میں اذیت ہو تو اس کا دوسرا طریقہ ہے جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے کہ انسان اسے صرف ہاتھ لگا لے اور پھر اپنے ہاتھ کو چوم لے۔ اگر اس میں بھی اذیت ہو تو تیسرا طریقہ یہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مشروع فرمایا ہے کہ حجر اسود کی طرف اشارہ کر لے، ایک ہاتھ سے، دو ہاتھوں سے نہیں۔ اپنے داہنے ہاتھ سے، صرف اشارہ کرے اور پھر چومے نہیں۔ [1] اس مسئلہ میں سنت یہی ہے۔ مگر معاملہ بہت گھمبیر ہے، اور پریشان کن۔ جیسے کہ سائل نے پوچھا ہے کہ مرد اپنی عورتوں کو حجر اسود کی طرف دھکیلتا ہے۔ ممکن ہے وہ عورت حمل سے ہو، یا بوڑھی ہو، یا نوجوان ہو، جو ایسا نہیں کر سکتی۔ اور بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ وہ بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر آگے بڑھاتا ہے۔ تو یہ سب صورتیں غلط ہیں۔ اس سے گھر والوں کو اذیت ہو سکتی ہے، اور مردوں کے ساتھ دھکم پیل ہوتی ہے۔ اور یہ صورتیں کہیں تو حرام ہیں اور کہیں مکروہ۔

مختصر یہ کہ آدمی کو ایسے نہیں کرنا چاہیے، جبکہ اس میں بحمد اللہ بہت وسعت ہے، تو آپ کو چاہیے کہ وسعت سے کام لیں، اپنے اوپر شدت اور سختی نہ کریں ورنہ اللہ عزوجل بھی شدت کرے گا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ یہ بھی ہے کہ اگر نہ پہنچ سکتے تو حجر اسود کو چھڑی (عصا) لگا کر اسے چوم لیتے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الحج، باب استلام الرکن بالمحجن، حدیث: ۱۶۰۷ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب الجواز الطواف علی بعیر وغیرہ، حدیث: ۱۲۷۵۔

سوال: کیا سب ہی عورتوں کو ضعیف اور کمزور سمجھا جاتا ہے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات غروب قمر کے بعد وہاں سے جانے کی اجازت دی تھی؟

جواب: نہیں، سب ہی عورتوں کو ''عاجز اور ضعیف'' قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ''عجز'' ایک خاص وصف ہے جو کسی بھی عورت یا مرد میں ہو سکتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل ''قدرت اور قوت'' کا وصف ہے جو مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمنا کیا کرتی تھیں کہ کاش میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی ہوتی جیسے کہ حضرت نے لی تھی کہ فجر سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہو جائے۔[1] تو اس مسئلہ میں اعتبار قوت اور قدرت کا ہے، خواہ یہ مردوں میں ہو یا عورتوں میں۔

لحج، باب استحباب تقديم وفع الضعفة من النساء، حديث: ١٢٩٠.

اور جس حاجی کے لیے جائز ہے کہ وہ مزدلفہ سے قبل فجر روانہ ہو جائے، اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہاں منیٰ میں پہنچتے ہی کنکریاں مار لے، اسے سورج طلوع ہونے تک انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر انتظار کر لے تو افضل ضرور ہے۔ اور قبل از وقت روانگی سے مقصد یہی ہے کہ ازدحام سے محفوظ رہے۔

اور جو انسان طاقت ور اور قدرت رکھتا ہے، اسے نماز فجر پڑھنے کے بعد ہی وہاں سے روانہ ہونا چاہیے جیسے کہ نبی ﷺ نے کیا تھا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

[1] صحيح بخاری، كتاب الحج، باب من قدم ضعفه اهله بليل، حديث: ١٦٨١ وصحيح مسلم، كتاب ا

8
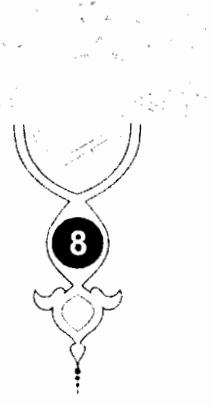
کتاب النکاح

خواتین اور نکاح وشادی کے احکام ومسائل

سوال: ایک آدمی پہلے سے دیے گئے پیغام نکاح پر پیغام دیتا ہے، کیا یہ عمل جائز ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: الحمد للہ، صحیح احادیث میں نبی ﷺ سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ:

''کسی آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام دے یا اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے۔'' [1]

اس لیے ائمہ اربعہ اور دیگر سبھی کے نزدیک متفقہ طور پر یہ کام حرام ہے۔ البتہ اگر اس صورت میں نکاح ہوجائے تو اس بارے میں دو رائیں ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ایسا نکاح باطل ہے اور یہ مروی ہے امام مالک رحمہ اللہ سے، اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب لا یبیع علی بیع اخیه ولا یسوم علی سوم اخیه، حدیث: ۲۰۳۳ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها أو خالتها فی النکاح، حدیث: ۱۴۹۸۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی کراهیة ان یخطب الرجل علی خطبة أخیه، حدیث: ۲۰۸۱۔ مسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۸۹، حدیث: ۱۰۳۵۱۔ فتویٰ میں ذکر کردہ الفاظ مسند احمد کی روایت کے ہیں البتہ اس کے ہم معنیٰ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ روایات دیگر کتب میں بھی موجود ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ سے یہی آیا ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ حرام وہ عمل ہے جو عقد سے پہلے ہے یعنی خطبہ اور پیغام دینا۔ اور جو حضرات اس عقد کو باطل کہتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب پیغام دینا حرام ہے تو نکاح کرنا بالاولیٰ حرام ہوا۔ بہرحال دونوں جانب کے ائمہ متفق ہیں کہ پیغام پر پیغام دینے والا اللہ اور اس کے رسول کا عاصی اور نافرمان ہے۔ اگرچہ ان میں سے کچھ اصحاب کا اس مسئلے میں قدرے اختلاف بھی ہے۔ بہرحال جانتے بوجھتے کسی نافرمانی اور معصیت پر اصرار کرنا بندے کی دینداری، اس کی عدالت اور اس کا مسلمانوں کا والی ہونے کے بارے میں بہت بڑا عیب ہے۔

(شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

سوال: لڑکی والوں نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ وہ اس سے شادی کر دیں گے مگر وہ آدمی سفر پر گیا تو ان لوگوں نے لڑکی کی شادی کسی اور سے کر دی؟

جواب: یہ مسئلہ کہ ایک نوجوان نے اپنی چچا زاد سے نکاح کا پیغام دیا، پھر وہ خود سفر پر روانہ ہو گیا، اور جب یہ مدت لمبی ہو گئی تو لڑکی کے بھائیوں نے اس کی دوسری جگہ شادی کر دی۔ صورت واقعہ ایسی ہی ہو جیسے کہ ذکر کی گئی ہے تو چاہیے تھا کہ وہ لوگ اس پیغام دینے والے کے ساتھ کوئی مفاہمت کرتے، تاکہ وہ جلدی آ جاتا اور شادی کر دی جاتی یا اگر اسے واپسی میں دیر ہوتی تو یہ لوگ معذور ہوتے۔ لیکن اس واقعہ میں محض پیغام ہی دیا گیا تھا اور عقد نہیں ہوا تھا، اور وعدہ کیا گیا تھا کہ جب وہ واپس آئے تو شادی کر دیں گے، تو جب واپسی میں تاخیر ہو گئی اور اس لڑکی کی رضا مندی سے دوسرے سے نکاح کر دیا گیا تو یہ نکاح صحیح ہے۔ لڑکی والوں پر اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اگر انہیں کوئی مہر وغیرہ پیشگی دیا گیا تھا تو وہ واپس کر دیں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا کسی کے لیے جائز ہے کہ للہ فی اللہ اپنی بیٹی کا نکاح کر دے اور کچھ بھی حق مہر نہ لے؟

جواب: نکاح کے لیے مابین کچھ نہ کچھ مال کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ (النساء: ٤/ ٢٤)

''اور تمہارے لیے پیچھے ذکر کی گئی عورتوں کے علاوہ دوسری عورتیں حلال ہیں کہ تم اپنے مالوں (حق مہر) کے ذریعے سے حاصل کرو۔''

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے جو آپ نے اس صحابی سے فرمایا تھا جس نے اس عورت سے نکاح کی خواہش کی تھی جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کیا تھا: ''کوئی مال تلاش کر خواہ لوہے کا چھلا ہی ہو۔''[1]

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق، حدیث: ٤٨٥٤ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق وجواز کونه تعلیم قرآن وخاتم حدید، حدیث: ١٤٢٥ وسنن ابی داود، کتاب النکاح، باب التزویج علی العمل یعمل، حدیث: ٢١١١ وسنن الترمذی، کتاب النکاح، باب مهور النساء (باب منه)، حدیث: ١١٤

اور اگر کوئی انسان لازمی مہر کے بغیر کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس پر مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ انسان اس شرط پر نکاح کر لے کہ وہ عورت کو قرآن، حدیث یا دیگر مفید علوم کا ایک حصہ پڑھائے گا۔ کیونکہ نبی ﷺ نے مذکورہ بالا واقعہ میں جب اس خواہش مند کو کچھ بھی مال نہ ملا تو آپ نے اس سے اس عورت کا نکاح اس شرط پر کر دیا کہ وہ اسے قرآن کریم پڑھا دے۔ [1]

اور مہر عورت کا حق ہوتا ہے، اور اگر وہ از خود اس سے دست بردار ہو جائے بشرطیکہ وہ رشیدہ یعنی سمجھدار اور اپنے نفع نقصان کو سمجھتی ہو، تو یہ جائز ہے، اس بارے میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾ (النساء: ٤/ ٤)

''اور عورتوں کے مہر ان کی خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں، تو اسے ذوق وشوق سے کھا لو۔'' (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ اپنی بیٹی یا بہن کو ملنے والے حق مہر سے کسی اور کی شادی کرے؟

جواب: بیٹی یا بہن کو ملنے والا مہر اس (بیٹی یا بہن) کا اپنا ذاتی ملکیتی حق ہوتا ہے۔ اگر وہ سارے کا سارا یا اس میں سے کچھ اپنی خوشی اور شرعی اعتبار کے اختیار سے دے تو جائز ہے۔ اور اگر وہ نہیں دیتی تو لینا جائز نہیں ہے، نہ کم نہ زیادہ۔ البتہ باپ کے لیے ایک خصوصیت ہے کہ وہ اس میں سے اس قدر لے سکتا ہے کہ اسے نقصان نہ ہو، اور یہ بھی درست نہیں کہ وہ یہ لے کر کسی ایک بچے کو دے دے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ: ''بہترین پاکیزہ مال جو تم کھاتے ہو وہی ہے جو تمہاری اپنی کمائی سے ہو، اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہی ہے۔'' [2] (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا حق مہر کو مؤخر کیا جا سکتا ہے، اور کیا اس میں زکاۃ واجب ہوگی؟

جواب: حق مہر کو مؤخر کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدة: ٥/ ١)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق، حدیث: ٤٨٥٤ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق وجواز کونه تعلیم قرآن وخاتم حدید، حدیث: ١٤٢٥ وسنن ابی داود، کتاب النکاح، باب التزویج علی العمل یعمل، حدیث: ٢١١١ وسنن الترمذی، کتاب النکاح، باب مهور النساء(باب منه)، حدیث: ١١٤.

[2] سنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب ان الوالد یاخذ من مال ولده، حدیث: ١٣٥٨۔ سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، حدیث: ٢٢٩٠ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ١٧٩، حدیث: ٦٦٧٨ ومصنف ابن ابی شیبة: ٧/ ٢٩٤، حدیث: ٣٦٢١٣.

''اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔''

کسی عہد، معاہدہ اور اقرار کو پورا کرنا یہی ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے اور جو شرط کی ہے، وہ بھی پوری کی جائے۔ کسی بھی معاملہ یعنی عہد، معاہدہ، اقرار (ایگریمنٹ) کا پورا کرنا اس کی شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ تو جب کسی نے سارے کا سارا حق مہر مؤخر کیا ہو یا اس کا کچھ حصہ تو اس میں حرج نہیں، لیکن اگر اس کی تاریخ مقرر کی گئی ہو تو اس تاریخ تک ادا کرنا لازم ہے۔ اور اگر تاریخ معین نہ ہو تو علیحدگی کی صورت میں مثلاً طلاق، فسخ یا موت وغیرہ کی صورت میں فوراً ادا کرنا ہوگا۔ اور حق مہر مؤجل میں اگر شوہر غنی اور مالدار ہو تو عورت کو زکاۃ دینی واجب ہوگی، اور اگر وہ فقیر ہو تو لازم نہیں ہے۔

اگر لوگ یہ مسئلہ سمجھ جائیں اور قبول کر لیں یعنی حق مہر مؤخر اور مؤجل بھی ہوسکتا ہے تو بہت سے لوگوں کے لیے شادی کا مسئلہ آسان ہو جائے۔

اور عورت کے لیے جائز ہے کہ اس مہر مؤجل سے دست بردار بھی ہو جائے، بشرطیکہ وہ سمجھدار ہو۔ لیکن اگر شوہر اسے مجبور کرے یا طلاق کی دھمکی دے کر اس سے معاف کرائے تو یہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ عورت کو مہر معاف کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حق مہر کب واجب ہوتا ہے، عقد نکاح سے یا رخصتی اور دخول سے؟

جواب: عورت کے لیے کامل مہر ان صورتوں میں ثابت ہوتا ہے کہ زوجین کو خلوت حاصل ہو جائے، یا جماع یا ہم بستری ہو یا وفات ہو جائے۔ اگر کسی کا کسی عورت سے عقد نکاح ہو گیا ہو اور پھر انہیں لوگوں سے علیحدہ خلوت بھی میسر آ گئی ہو اور پھر خواہ وہ طلاق ہی دے دے تو اسے حق مہر پورا ادا کرنا ہوگا، اسی طرح باقی دوسری صورتیں ہیں۔

اسی طرح یہ صورت بھی ہے کہ اگر عقد ہو گیا ہو، خواہ وہ ایک دوسرے سے نہ ملے ہوں، نہ دیکھا ہو، یا کوئی باہم بات چیت نہ کی ہو اور مرد کی وفات ہو جائے، تو اس عورت کو عدت وفات گزارنی ہوگی، یہ اس کی وراثت کی حقدار ہوگی اور اگر حق مہر معین نہ ہوا ہو تو مہر مشکل کی حقدار ہوگی۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس پر ناک بھوں چڑھائیں اور کہیں کہ یہ کیسے اور کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ان کا آپس میں کوئی ملاپ نہیں ہوا یا ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (عقد نکاح ہو جانے کے بعد وہ اس کی بیوی ہے) اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾

(البقرة: ٢/ ٢٣٤)

''اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، تو ان بیویوں پر ہے کہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں (یعنی عدت گزاریں)۔''

یہ اس کی بیوی ہے خواہ ان کی ملاقات نہیں بھی ہوئی۔

سوال: یہاں ایک اور سوال ہے کہ اگر عقد نکاح ہو گیا ہو اور پھر شوہر اسے خلوت اور ملاپ سے پہلے ہی طلاق دے دے تو اس کے لیے آدھا حق مہر ہے، اگر بوقت عقد مقرر کیا گیا ہو۔ ورنہ اگر مقرر نہ ہوا ہو تو اس کے لیے اور عدت کوئی نہیں ''متعہ'' ہے (یعنی کم از کم ایک جوڑا کپڑے) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ (الاحزاب: ٣٣/ ٤٩)

''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر مساس سے پہلے انہیں طلاق دے دو، تو تمہارے لیے ان کے ذمے کوئی عدت نہیں جو وہ گزاریں۔''

اور فرمایا:

﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (البقرۃ: ٢/ ٢٣٧)

''اور اگر تم انہیں مساس سے پہلے ہی طلاق دے دو، اور حق مہر مقرر کر چکے ہو تو اس کا آدھا (ادا کرنا) ہے جو تم نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، ہاں اگر وہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں اس کی گرہ ہے۔''

(محمد بن صالح عثیمین)

زوجین کی باہمی رضا مندی

سوال: عورت اگر راضی ہو کہ اس کی شادی اس سے بڑی عمر کے آدمی سے کر دی جائے؟

جواب: ہمیں آپ کا مکتوب ملا جس میں آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ لوگوں کا اتفاق ہوا ہے کہ آپ ایک چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، لڑکی کی عمر اکیس سال اور آپ کی عمر باون سال ہے، اور لڑکی کی اس سے پہلے شادی ہوئی تھی اور اس نے ایک بچے کو بھی جنم دیا ہے۔ اس شادی پر وہ لڑکی اور اس کے گھر والے سبھی راضی ہیں جبکہ کچھ لوگوں کو آپ کی عمروں کے فرق کی وجہ سے اعتراض ہے۔

سو اگر لڑکی سمجھدار اور عقل مند ہے اور اس شادی پر رضا مند ہے اور اس کے اولیاء بھی راضی ہیں اور آپ اس کے کفو بھی ہیں تو شرعاً اس شادی میں قطعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جو اعتراض کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت سات سال تک اپنے شوہر کے ساتھ رہی اور اب وہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ راضی نہیں ہے؟

جواب: آپ کے مکتوب اور لف شدہ اوراق اور صریح گواہیوں کی روشنی میں کہ عورت سات آٹھ سال تک اپنے شوہر کے ساتھ رہی ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نکاح صحیح تھا۔ لہٰذا اس کے برخلاف جو شہادات ہیں کہ عورت کا رہہ اور اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے، ناقابل توجہ ہیں۔ ہاں ان میں جمع ومطابقت یہ ہوسکتی ہے کہ شاید یہ ابتدا میں ناپسند کرتی تھی، پھر قبل ازعقد راضی ہوگئی، یا یہ پہلے راضی تھی پھر جب زواج مکمل ہوا تو یہ ناپسند کرنے لگی۔ بہرحال اس کا اس طویل مدت تک اس شوہر کے ساتھ رہنا، جبکہ اس کی رضامندی کی صریح شہادتیں بھی موجود ہیں، دلیل ہیں کہ یہ نکاح صحیح تھا۔ لیکن اگر ان کا باہمی اکٹھا رہنا مشکل ہو اور آپ مناسب سمجھیں کہ ان کو علیحدہ ہو جانا چاہیے، تو ان کے سامنے یہ صورت رکھ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ یہ علیحدگی ان دونوں کی رضامندی سے ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک لڑکی جو پہلے نکاح سے بیوہ ہوچکی ہے، اور اب اس کا والد اس کے مرضی کے بغیر اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: اگر صورت حال یہی ہو جو آپ نے ذکر کی ہے تو اس کا یہ دوسرا نکاح صحیح نہیں ہے، کیونکہ نکاح صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ میاں بیوی راضی ہوں، اور بالخصوص بیوہ بیٹی جب اس کی عمر نو سال سے زیادہ ہو تو اس کا باپ اس پر اس مسئلہ میں جبر نہیں کرسکتا ہے۔ اس میں یہی ایک قول ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: بیوہ بیٹی پر اگر اس کا باپ نکاح کے سلسلے میں جبر کرے تو؟

جواب: اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنی بیوہ بیٹی کو اس کے چچا زاد کے ساتھ جبراً بیاہ دیا ہے، لڑکی بیوہ، بالغہ اور خوب سمجھ بوجھ والی ہے اور اس نکاح کو دس سال ہو رہے ہیں اور ان کا ملاپ نہیں ہوا ہے، اور لڑکی اس پر راضی نہیں ہے، اور اب وہ اذیت محسوس کرتی ہے اور اصرار کرتی ہے کہ میرا نکاح فسخ کر دیا جائے، تو اس سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جب حقائق یہی ہیں تو اس کی یہ شادی صحیح نہیں ہے۔ صحت نکاح کی شروط میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی راضی ہوں۔ اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک راضی نہ ہو تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ باپ کا اپنی چھوٹی اولاد پر یا اگر وہ غیر عاقل ہوں یا لڑکیاں کنواری ہوں، نکاح کے سلسلہ میں جبر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ لیکن اگر لڑکی بیوہ ہو، بالغہ اور عاقلہ ہو تو بلا اختلاف باپ (یا کوئی اور بھی) اس پر جبر نہیں کرسکتا ہے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ سیدہ خنساء بنت حرام انصاریہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ ان کے باپ نے اس نکاح جبراً کر دیا تھا جبکہ وہ بیوہ تھیں، اور انھیں یہ نکاح ناپسند تھا، تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئیں تو آپ نے ان کا نکاح رد

کر دیا تھا۔ [1] (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک باپ نے اپنی صغیر السن بیٹی ایک آدمی کو ہبہ کر دی۔ پھر جب باپ فوت ہو گیا اور لڑکی بھی بالغ ہو گئی تو یہ اپنے باپ کے ہبہ کا انکار اور اسے رد کرتی ہے، اور اس آدمی سے جسے یہ ہبہ کی گئی تھی راضی نہیں ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر صورت حال یہی ہے جو ذکر کی گئی ہے تو یہ ہبہ کسی طرح صحیح نکاح نہیں ہے، اور محض اتنی سی بات سے یہ لڑکی اس آدمی کی بیوی نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ اس میں عقد نکاح کی شرطیں موجود نہیں ہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: اس لڑکی کا کیا حکم ہے جو نکاح کے فسخ کرنے کا مطالبہ کرتی ہے حالانکہ اس کی رضا مندی کے دلائل موجود ہیں؟

جواب: اس مسئلہ میں کہ لڑکی فسخ نکاح کا مطالبہ کرتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ اس نکاح پر راضی نہیں، اور شوہر کا اس کے ساتھ ملاپ بھی نہیں ہوا ہے، تو اس نکاح میں ایک طرح سے شبہہ موجود ہے، لڑکی اور اس کے ولی کے بیانات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ لڑکی جو کہتی ہے اس میں کچھ صداقت بھی ہے لیکن اگر عقد کے وقت یا اس کے بعد لڑکی کی رضامندی ثابت ہو تو اسے لازمی طور پر اس شوہر کے ہاں بھیجا جائے۔ ورنہ (اگر اس کی رضا ثابت نہ ہو تو) یہ عقد فاسد سمجھا جائے گا۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا یتیم لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کیا جا سکتا ہے؟

جواب: یتیم لڑکی کا نکاح اس کا بھائی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا ہے۔ بیوہ یا مطلقہ کی اجازت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اپنی زبان سے بول کر رضا مندی کا اظہار کرے۔ لیکن کنواری کی اجازت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ خاموش رہے، یا ''نہیں'' نہ کہے۔ اور اگر اس کی ماں، خالہ یا بہن موجود ہوں اور وہ اس کی طرف سے، اس کے اپنے بولنے سے پہلے ہی کہہ دیں کہ ''یہ راضی ہے'' تو اس کی رضامندی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب اذا ازوج الرجل ابنته وھی کارھة فنکاحھم مردود، حدیث : ٤٨٤٥ وسنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی الثیب، حدیث : ٢١٠١ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب الثیب یزوجھا وھی کارھة، حدیث : ٣٢٦٨ وسنن الدارمی : ٢/ ٢٨٧، حدیث : ٢١٩٢ ومسند احمد بن حنبل : ٦/ ٣٢٨، حدیث : ٢٦٨٢٩۔ فتویٰ میں اس صحابیہ کے باپ کا نام ''حرام'' ذکر کیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔ ان کا نام دارمی کے ایک نسخہ میں حزام جبکہ سنن الدارمی کے ایک نسخہ (مطبوعہ مکہ)، المعجم الکبیر للطبرانی کی ایک روایت، السنن الکبری للبیھقی اور صحیح بخاری کے ایک نسخہ (مطبوعہ دارالسلام) میں حذام ہے اور امام بخاری، حافظ ابن حجر، ابوداود، ترمذی، نسائی، شافعی، احمد بن حنبل، ابن جارود اور دور حاضر کے نامور عظیم محقق الشیخ شعیب الارناؤط وغیرہ نے ''حذام'' بیان کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ دیکھیے : التاریخ الکبیر : ٢/ ٣٧٦، ترجمہ نمبر ٢٨٢٥ الاصابه : ٧/ ٦١١، ترجمہ نمبر : ١١١٠٤ مسند شافعی : ١/ ١٧٢ حدیث : ٨٢٨ مسند احمد بن حنبل : ١/ ٣٦٤، تحت حدیث : ۳۴۴۰ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب.(عاصم)

ہاں اگر اندیشہ ہو کہ اس کے بھائی یا اس کے ولی نے اس پر جبر کرنا چاہا ہو، تو اس صورت میں اس کی رضا مندی کی شہادت لینی پڑے گی۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر لڑکی یوں کہے کہ اگر میرا یہ ولی راضی ہے تو میں بھی راضی ہوں، تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: ہاں، اگر لڑکی یہ بات کہنے کے بعد بھی راضی رہے اور اپنی اس بات (رضا مندی) سے پھرے نہیں تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ اصل اعتبار اس کی اپنی رضا مندی کا ہے، بالخصوص ولی جب باپ کے علاوہ کوئی اور ہو۔

(عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کیا لڑکی کو اس کے ناپسندیدہ رشتے پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟

جواب: نہیں، لڑکی کو اس کا باپ یا ماں بھی اس کے ناپسندیدہ رشتے پر مجبور نہیں کر سکتے ہیں، خواہ انہیں اس کا دین پسند ہی ہو۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

ولی

سوال: ایک بیوہ کو ایک ایسے آدمی نے پیغام نکاح دیا ہے جو تمباکو نوشی کرتا ہے، یہ عورت اگرچہ سمجھ دار ہے، اس پر راضی ہے، مگر اس کے ولی راضی نہیں ہیں، تو کیا اس کی اس کے شادی کر دی جائے؟

جواب: اس کے اولیاء کو چاہیے کہ وہ اسے اس نکاح سے باز رکھیں، کیونکہ یہ ان کے لیے ایک عار ہے، اور اللہ کی معصیت بھی۔ ممکن ہے انہیں بعد میں اس پر عار دی جائے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ہمیں آپ کا مکتوب ملا ہے کہ آسٹریلیا کی ایک لڑکی نے بغیر ولی کے اپنا نکاح کیا ہے، اس کے حق مہر کا تعین بھی نہیں ہوا ہے، اور اس نکاح کے گواہوں میں ایک مسلمان مرد اور ایک عیسائی عورت ہے، جو اس کی ماں ہے، علاوہ اس کی مجلس نکاح میں چند دوسری عیسائی عورتیں اور اس لڑکی کی ساتھی موجود تھیں، اور ایک اس نکاح کی رجسٹرار عیسائی عورت تھی۔ چار سال بعد یہ عورت مسلمان ہوگئی ہے اور اس کے اس شوہر سے دو بچے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ نکاح صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح نہیں تو اس کو کس طرح صحیح کیا جا سکتا ہے؟ اور یہ نماز کیسے پڑھے جبکہ اسے سوائے انگریزی زبان کے اور کچھ نہیں آتا؟

جواب: جس انداز سے یہ نکاح ہوا ہے یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں لڑکی کا کوئی ولی نہیں تھا اور دو گواہ بھی نہیں ہیں۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ”ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے۔“ [1] اور اس طرح عقد میں حق مہر کا بھی ذکر نہیں ہوا ہے، یہ بھی درست نہیں ہے۔ اور اس نکاح کی تصحیح اس طرح ہے کہ اس عورت کا ولی

[1] صحیح ابن حبان ۹/ ۳۸٦، حدیث: ٤٠٧٥۔ سنن الدارقطنی: ۳/ ۲۲۱، حدیث: ۱۱۔ السنن الکبری للبیھقی: ۷/ ۱۲٤، حدیث: ۱۳٤۹٤.

نکاح رجسٹرار کے پاس حاضر ہو اور اس شوہر کے ساتھ اس کی رضامندی اور اجازت سے نکاح کیا جائے اور دو عادل گواہ بھی حاضر ہوں۔ اگر اس کا ولی موجود نہ ہو تو حاکم شرعی اس کا ولی ہے، یہ عورت اسے اجازت دے اور پھر اس کا نکاح کیا جائے۔ اور جو پہلے ہو چکا، اس کا ان پر کچھ نہیں ہے، اور ان کی یہ اولاد بھی شرعی ہے، ان کا اپنے باپ سے نسب بالکل صحیح ہے، کیونکہ یہ دونوں سابقہ عقد کو صحیح ہی سمجھتے تھے، اور ان دونوں کا یہ ملاپ (فقہی اصطلاح میں) شبہ کا ملاپ ہے اور مسئلہ نماز میں اس عورت کو جلد از جلد فاتحہ اور دیگر لازمی اذکار یاد کرائے جائیں۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا کوئی دوشیزہ اپنے والد کی اجازت کے بغیر شادی کر سکتی ہے؟ اور نوجوان لڑکے لڑکیوں کے آپس میں ٹیلی فون پر رابطے ہوتے ہیں یا دوستی کے نام پر خط لکھے جاتے ہیں، ان کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: عورت کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ اپنے والد کی اجازت کے بغیر شادی کرے، کیونکہ وہ اس کا ولی ہے، اور ان معاملات میں سب سے بڑھ کر بہتر سوچ رکھتا ہے۔ تاہم باپ کو بھی جائز نہیں ہے کہ جب اس کی بیٹی کسی صالح کفو کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو تو وہ اس کو رد کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "جب تمہارے پاس کوئی شخص (نکاح کی غرض سے) آئے جس کا دین وامانت تمہارے نزدیک پسندیدہ ہو تو اس سے شادی کر دو، اگر تم نہیں کرو گے تو زمین میں ایک بڑا فتنہ وفساد ہو جائے گا۔"[1]

اور بیٹی کو لائق نہیں ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کے لیے اصرار کرے جسے اس کا والد ناپسند کرتا ہے، کیونکہ والد اس کی نسبت زیادہ وسیع النظر ہے، اور لڑکی کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ شاید اس سے شادی نہ کرنے میں بہتری ہو اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۱۶)

"ہوسکتا ہے کہ تم کسی شے کو پسند کرو اور (درحقیقت) وہ تمہارے لیے بری ہو۔"

نیز اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کرے کہ وہ اس کے لیے کوئی صالح بر مقدر فرما دے۔ اور کسی نوجوان لڑکی کو روا نہیں ہے کہ اس کے اور کسی لڑکے کے مابین دوستی کے نام پر ٹیلی فون پر یا خط کتابت کا رابطہ ہو۔ کیونکہ ان چیزوں کے نتائج ناپسندیدہ ہو سکتے ہیں، لڑکا غلط طور پر اس پر ڈورے ڈال سکتا ہے اور لڑکی بھی اس عمل سے حیا باختہ ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں اور بھی کئی خطرات ہیں۔ (صالح فوزان)

سوال: وہ لونڈیاں جنہیں حکومت نے آزاد کیا ہو، ان سے نکاح کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

---

[1] سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب اذا جاءکم من ترضون دینه فزوجوه، حدیث: ۱۰۸۴ و۱۰۸۵۔ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الاکفاء، حدیث: ۱۹۶۷۔ المستدرك للحاکم: ۲/ ۱۷۹، حدیث: ۲۶۹۵.

جواب: وہ لونڈیاں جنہیں حکومت نے آزاد کیا ہو،[1] اور اس کا کوئی ولی نسب مثلاً والد، بیٹا یا بھائی وغیرہ موجود نہ ہو تو علاقے کا قاضی (مجسٹریٹ) اس کا عقد نکاح کرا سکتا ہے، بشرطیکہ اس آدمی میں لازمی شرعی شروط پائی جاتی ہوں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت اپنے والد کے ساتھ یمن سے طائف آئی، یہاں اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا اور خود ریاض چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد شوہر نے اس لڑکی کو طلاق دے دی تو وہ اپنے والد کے پاس ریاض چلی آئی، پھر والد کی وفات بھی ہو گئی۔ اب نہ اس کا والد ہے اور نہ شوہر۔ اس کے دو پدری بھائی ہیں جو یمن میں ہیں۔ عدت ختم ہونے کے بعد ایک یمنی نے اسے نکاح کا پیغام دیا ہے تو کیا یہ عورت اس مقصد کے لیے کسی کو اپنا وکیل بنا سکتی ہے، یا ضروری ہے کہ اس کے بھائی وکیل بنائیں؟ یا انہیں خود یمن سے ریاض آنا ہوگا؟

جواب: اس مسئلہ میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں، یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس کے بھائی خود آئیں، اگر آ نہیں سکتے تو کسی کو وکیل بنائیں، اگر یہ بھی مشکل ہو یا اس میں طویل انتظار کرنا پڑتا ہو تو علماء کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت کا ولی غائب ہو اور اس کا آنا مشکل ہو تو اس کا دور کا ولی اس کی شادی کر دے، اور کوئی بھی ولی موجود نہ ہو تو حاکم (قاضی، جج) اس کا ولی ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ: ''سلطان (حاکم) اس کا ولی ہے جس کا اور کوئی ولی نہ ہو۔''[2] تو یہ عورت بسبب اولیاء نہ ہونے کے یا بہت زیادہ دور ہونے کے ایسے سمجھی جائے گی گویا اس کا کوئی ولی نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت کی شادی اس کے بھائی نے کر دی، اور باپ نے بھی بعد میں اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا، تو نکاح کی تصحیح کے لیے کیا کیا جائے؟

جواب: اگر کسی بھائی نے اپنے والد کی وکالت کے بغیر اپنی بہن کی شادی کر دی ہو تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے، خواہ بعد میں باپ نے اپنی رضا مندی کا اظہار کر بھی دیا ہو۔ اب اس نکاح کی تصحیح اس طرح ہو گی کہ اس کا باپ خود اس کا عقد جدید کرے یا اپنی طرف سے وکیل بنائے خواہ اسی بھائی کو ہی وکیل بنا دے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک دوشیزہ کا نکاح اس کے چھوٹے چچا نے کر دیا ہے جبکہ بڑا چچا بھی موجود ہے؟

---

[1] یہ مسئلہ آج کل کے حالات میں ہمارے ہاں کچھ اس طرح ہے کہ بعض اوقات ہمسایہ ملکوں سے عورتوں کو مختلف حیلے بہانوں سے دوسرے ملکوں میں دھکیل دیا جاتا ہے، اور پھر یہ عورتیں نہ تو واپس جا سکتی ہیں اور نہ ہی یہاں ان کا کوئی والی وارث ہوتا ہے۔ کبھی تو وہ غلط ہاتھوں میں بیچ دی جاتی ہیں اور کبھی دار الامان میں محبوس کر دی جاتی ہیں۔ تو اس جواب میں ان کے مسئلے کا حل موجود ہے۔ (مترجم)

[2] سنن ابی داود، كتاب النكاح، باب فی الولی، حدیث: ٢٠٨٣ وسنن الترمذی، كتاب النكاح، باب لا نكاح الا بولی، حدیث: ١١٠٢۔ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب لا نكاح الا بولی، حدیث: ١٨٧٩ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٥٠، حدیث: ٢٢٦٠.

جواب: آپ کا مکتوب ملاحظہ ہوا کہ ایک کنواری لڑکی جو گونگی بہری ہے، اس کا والد یا بھائی کوئی نہیں ہے، البتہ چچا ہیں، اس کے لیے ایک آدمی نے نکاح کا پیغام دیا تو اس کے چھوٹے چچا نے اس کا نکاح کر دیا جبکہ بڑا چچا بھی موجود ہے، اور آپ نے اس کے نکاح کے متعلق دریافت کیا ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

اگر معاملہ ایسے ہی ہے کہ اس لڑکی کا باپ یا بھائی موجود نہیں ہیں، یا بھتیجے بھی نہیں ہیں تو اس کے چھوٹے چچا نے جو اس کا نکاح کر دیا ہے صحیح ہے، خواہ بڑا چچا موجود ہی ہے، بشرطیکہ یہ چھوٹا چچا بالغ اور عادل ہو اور کسی کفو سے اس کا نکاح کیا ہو اور لڑکی کی رضامندی بھی لی گئی ہو۔ اولیاء جب متعدد ہوں اور ایک درجے میں ہوں تو کسی ایک کی طرف سے اپنی تولیہ کا نکاح کر دینا صحیح ہوتا ہے۔ البتہ بڑی عمر والے کو ترجیح دینا صرف مستحب ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک یتیم لڑکی ہے، اس کا بھائی بارہ سال کا ہے، تو اس کے ماموں نے اس کا نکاح کر دیا ہے، یہ ماموں اس کا عصبہ [1] ابعد ہے، دوسرے رشتہ دار عصبہ موجود ہیں، مگر معلوم نہیں کہ کون زیادہ قریبی ہے، اس نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب: ماموں اس مقصد کے لیے ولی نہیں ہے اور نہ وہ بھائی جو ولایت سے قاصر ہو۔ اس کے شرعی ولی قریب ترین عصبہ ہیں جو راشد یعنی ہر طرح سے اس کے خیر خواہ ہوں۔ تو چاہیے کہ اگر وہ قرابت میں برابر ہوں تو یہ کسی ایک کو اپنے عقد کے لیے اجازت دے۔ اور جیسے کہ آپ نے ذکر کیا کہ وہ ماموں لڑکی کا عصبہ ہے، اگر یہی سب سے قریبی بنتا ہو، یا اس ماموں کو بھی اس کے کسی اقرب عصبہ کا علم نہ ہو تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ اور اگر معلوم ہو کہ ماموں سے قریب تر عصبہ حاضر موجود ہے تو یہ عقد صحیح نہیں ہوگا، ضروری ہے کہ ان زوجین میں تفریق کی جائے، اور پھر اس اقرب عصبہ کی زیر ولایت لڑکی کی رضا سے عقد کی تجدید کی جائے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک لڑکی کے چچا زاد نے اس کا نکاح کر دیا ہے جبکہ لڑکی کا بھائی بعمر پندرہ سال موجود ہے، اور اس نے اس نکاح پر اعتراض بھی کیا ہے کہ وہ اس پر راضی نہیں، اور اس چچا زاد کے پاس نہ اس بھائی کی طرف سے نہ لڑکی کے والد کی طرف سے کوئی وکالت نامہ ہے؟

جواب: جب لڑکی کا حقیقی بھائی موجود ہے جس کی عمر پندرہ سال ہے اور وہ اچھی سمجھ بوجھ والا ہے، ان مسائل میں کفو اور مصالح کو سمجھتا ہے اور شہر کے اندر حاضر موجود بھی ہے، تو ولی وہی ہے۔ اس طرح یہ نکاح ولی نہ ہونے کے باعث فاسد ہے۔ ضروری ہے کہ ان زوجین میں تفریق کرائی جائے اگر وہ اکٹھے رہ رہے ہوں۔ ورنہ بھائی کی ولایت میں نئے عقد کے بغیر ان کا ملاپ صحیح نہیں، بشرطیکہ اس بھائی میں ولی ہونے کی شرطیں موجود ہوں۔

---

[1] ''عصبہ'' سے یہاں وہ مرد رشتہ دار مراد ہے جس کے ساتھ رشتے میں درمیان کوئی عورت حائل نہ ہو، مثلاً بیٹا، پوتا، باپ دادا، چچا وغیرہ اس کی کئی صورتیں ہیں جو علم وراثت میں ملاحظہ ہوں۔

اگر یہ بھائی اپنے اس چچا زاد ہی کو تمام لوگوں کی رضا مندی سے تجدید عقد کے لیے اپنا وکیل بنا دے تو مقصود حاصل ہو گیا اور رکاوٹ دور ہو گئی۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک آدمی ایک دوشیزہ کے لیے نکاح کا پیغام دیتا ہے، مگر اس کا ولی اس لڑکی کو نکاح سے باز رکھنے کے لیے انکار کر دیتا ہے، اس بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب: اولیاء پر واجب ہے کہ جب انہیں ان کے زیر کفالت لڑکیوں کے ہم پلہ (کفو) پیغام نکاح دیں، اور لڑکیوں کا بھی ان کی طرف میلان ہو تو اس کام میں جلدی کیا کریں۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ''جب تمہیں کوئی ایسا شخص پیغام دے جس کا دین واخلاق پسندیدہ ہو تو اس سے شادی کر دو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں ایک بڑا فتنہ وفساد ہو گا۔'' [1]

اور لڑکیوں کو نکاح سے صرف اس وجہ سے باز رکھنا کہ وہ اپنے چچا زاد یا دوسروں کی طرف راغب نہیں ہیں، یا اس طمع میں کہ مال زیادہ ملے یا اس قسم کے دوسرے سبب ہوں، تو اللہ ورسول نے ان باتوں کو شریعت نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اولوا الامر حکام وقضاۃ پر واجب ہے کہ اگر کہیں ایسے اولیاء کا پتہ چلے تو ان کا ہاتھ پکڑیں (اور ان کے اس حق ولایت سے انہیں محروم کر کے) ان کی بجائے حسب درجات دوسرے اولیاء کو اجازت دیں کہ وہ ان کے نکاح کریں تاکہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور حق وانصاف کا بول بالا ہو اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جو اس قسم کے اولیاء کی طرف سے ظلم اور رکاوٹوں کی وجہ سے حرام میں پڑتے ہیں ان کا تحفظ اور بچاؤ کیا جا سکے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اس صورت حال کا کیا حکم ہے جب باپ اپنے بیٹے کی شادی کسی غیر صالحہ لڑکی سے کرنا چاہتا ہو؟ اور اگر بیٹا باپ کی بات کو ٹھکرا دے اور کہے کہ میری شادی کسی صالحہ سے کریں، تو کیا حکم ہے؟

جواب: باپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ بیٹے کو اس کی ناپسندیدہ لڑکی سے شادی کے لیے مجبور کرے، خواہ یہ عیب دینی ہو یا اخلاقی۔ کتنے ہی ماں باپ ہیں جنہیں اس طرح سے جبر کرنے پر پچھتانا پڑا ہے۔ باپ اس وجہ سے جبر کرتا ہے کہ یہ میری بھتیجی ہے، اس لیے اس سے شادی کر لو، یا یہ تمہارے اپنے قبیلے کی ہے وغیرہ۔ صرف اس وجہ سے بیٹے پر بھی لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی بات مانے اور نہ ہی باپ کو لائق ہے کہ بیٹے پر جبر کرے۔ اور ایسے ہی اگر بیٹا کسی صالحہ لڑکی سے شادی کرنا چاہ رہا ہو اور باپ اس کے لیے رکاوٹ بنے تو بیٹے کو اس مسئلے میں اس کی اطاعت لازم نہیں ہے۔ ایسے معاملات جن میں باپ کا کوئی نقصان نہیں اور بیٹے کا ان میں مفاد ہے، ان میں بیٹے پر باپ کی اطاعت لازم نہیں ہے۔ اگر ہر بات میں ہم باپ کی اطاعت کو لازم کر دیں حتیٰ کہ جن میں باپ کا کوئی ضرر نہیں ہے تو اس سے بہت سے مفاسد سامنے آئیں گے۔ تاہم بیٹے کو بھی چاہیے کہ اپنے والد

[1] سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب اذا جاءکم من ترضون دینه فزوجوه، حدیث: ۱۰۸۴، ۱۰۸۵۔ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الاکفاء، حدیث: ۱۹۶۷ والمستدرك للحاکم: ۲/ ۱۷۹، حدیث: ۲۶۹۵.

کے ساتھ مدارات سے کام لے اور جہاں تک ہو سکے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جب نکاح کے سب شروط مکمل ہوں، سوائے اس کے کہ ولی اور ہونے والا شوہر ایک دوسرے سے دور الگ الگ شہروں میں ہوں تو کیا ٹیلیفون پر عقد نکاح کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اس بات کے پیش نظر کہ آج کل نکاح وشادی کے معاملات میں بہت زیادہ دھوکہ بازی ہونے لگی ہے اور دیکھا گیا ہے بعض لوگ دوسروں کی گفتگو کی نقالی بڑی مہارت سے ہو بہو کرنے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں، بلکہ بعض تو ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ ایک پوری جماعت یعنی کئی کئی افراد کی آواز اور گفتگو اور ان کی مختلف زبانیں تک ایک ہی وقت میں ادا کر لیتے ہیں، پردے میں ہونے کی وجہ سے دوسری طرف والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ کئی لوگ ہیں، حالانکہ وہ صرف ایک ہی ہوتا ہے جو آوازیں بدل بدل کر باتیں کر رہا ہوتا ہے۔

اور شریعت اسلامیہ میں، دیگر معاملات کے مقابلے میں عصمتوں کے تحفظ میں بہت زیادہ احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے، لہٰذا مجلس افتاء یہ رائے رکھتی ہے کہ عقد نکاح کے ایجاب وقبول میں ٹیلیفون مکالمات (جو پردے میں ہوتے ہیں) پر اعتماد نہ کیا جائے، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں عصمتوں کے تحفظ کے معاملہ میں بہت زیادہ احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے، تاکہ کوئی ہوا پرست اور دھوکے باز اس بہانے سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھا سکے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک لڑکی اپنی شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے، اس کا کوئی ولی نہیں ہے اور نہ ہی شہر میں کوئی قاضی یا جج ہے، تو کیا اس کام کے لیے حاکم شہر، قاضی یا مجسٹریٹ کا قائم مقام بن سکتا ہے؟

جواب: کسی عورت کے عقد نکاح کے لیے سب سے اہم تر اور اولیٰ اس کا باپ ہے پھر دادا یا اس سے اوپر تک، پھر عورت کا بیٹا یا پوتا نیچے تک، پھر اس کا حقیقی بھائی، پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ وہ عصبات ہیں جیسے کہ وراثت میں ان کی درجہ بندی ہے، پھر ان کے بعد سلطان ہے، اور کوئی حاکم شرعی (قاضی یا مجسٹریٹ) ہی سلطان کا نائب ہو سکتا ہے۔ امیر جسے حاکم اداری کہتے ہیں، اس کی نیابت صرف اداری امور اور قاضی کے فیصلوں کی تنفیذ تک ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ امیر کسی عورت کا، جس کا کوئی ولی نہ ہو، ولی نہیں بن سکتا بلکہ یہ ذمہ داری قاضی یا مجسٹریٹ کی ہے۔ اور ہمارے شہروں میں ایسا کوئی شہر نہیں ہے جہاں قاضی نہ ہو۔ اگر اس میں نہ ہو تو لازماً یہ آبادی کسی دوسرے شہر کے تابع ہوگی جس میں قاضی موجود ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت کا باپ، بھائی اور باپ کی طرف سے نکاح کے لیے وکیل بھی موجود ہے، مگر وہ اپنا اور اپنے باپ کا نام بدل کر گواہ پیش کرتی ہے، اور دعویٰ کرتی ہے کہ جس آدمی نے مجھے طلاق دی تھی وہ مجھ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے، اور ایک اجنبی آدمی پیش کر دیتی ہے اور دعویٰ کرتی ہے کہ یہ میرا بھائی ہے، پھر اسی کے مطابق تحریر ہو جاتی ہے مگر پھر سب کچھ جو اس نے کیا ہے ظاہر ہو گیا اور قاضی کے سامنے بھی اس کا جھوٹ ثابت

ہو گیا تو کیا اسے تعزیر لگائی جائے؟ اور کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کا تعارف کرایا اور جس نے دعویٰ کیا کہ وہ اس عورت کا بھائی ہے، اور جن لوگوں نے گواہوں کا تعارف کرایا، انہیں بھی تعزیر لگائی جائے؟ اور کیا یہ تعزیر حاکم لگائے یا محتسب کا نائب؟

جواب: اس عورت کو بڑی سخت تعزیر لگائی جانی چاہیے۔ اگر ولی امر تکرار کے ساتھ تعزیر لگائے تو بہت بہتر ہے، جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس قسم کے معاملات میں جس میں کئی طرح کے حرام کا ارتکاب کیا گیا ہوتا تھا، تکرار کے ساتھ تعزیر لگاتے تھے۔ پہلے دن سو درے، دوسرے دن سو درے اور تیسرے دن سو درے۔ اس تفریق کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مجرم کا کوئی عضو شل نہ ہو جائے۔ اس عورت نے اپنا باپ بدلا ہے، ایک اجنبی کو اپنا بھائی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جو اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور طرف اپنا نسب جوڑے یا (کوئی غلام) اپنے مالکوں کے علاوہ غیروں سے اپنی نسبت ملائے تو اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اللہ اس سے کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کرے گا۔''[1]

حضرت سعد اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے:

''جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر سے جوڑا اس پر جنت حرام ہے۔''[2]

بلکہ اس سے بھی سخت ترین وعید ثابت ہوئی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص جانتے بوجھتے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے اپنا نسب جوڑے، تو وہ کافر ہوا، اور جو کسی ایسی چیز کا مدعی بنے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے، اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب فیمن تولی غیر موالیه أو ادعی الی غیر ابیه، حدیث: ۲۱۲۷ وسنن ابن ماجه، کتاب الوصایا، باب لا وصیة لوارث، حدیث: ۲۷۱۲۔ مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۲۳۸، حدیث: ۱۸۱۱۱۔ فتویٰ میں ذکر کیے گئے الفاظ مسند احمد کی روایت کے ہیں، دیگر کتب میں یہ روایت الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مروی ہے۔ (عاصم) ایک روایت میں 'یقبل الله منه' کے بعد 'یوم القیامة' کے الفاظ بھی ہیں۔ دیکھیے مسند احمد حنبل: ۱/ ۸۱، حدیث: ۶۱۵۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة ودعاء النبی فیها بالبرکة، حدیث: ۱۳۷۰۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف، حدیث: ۴۰۷۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیه وهو یعلم، حدیث: ۶۳۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الرجل یتمنی الی غیر موالیه، حدیث: ۵۱۱۳۔ سنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب من ادعی الی غیر ابیه او تولی غیر موالیه، حدیث: ۲۶۱۰۔ اس روایت کے راوی حضرت سعد اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہما ہیں جبکہ فتویٰ میں ''ابوبکر'' لکھا گیا ہے جو سہو ہے اور احادیث میں یہ الفاظ ہیں: ''............ سے جوڑا، اور وہ جانتا بھی ہو......''

بنالے، اور جو کوئی کسی کو کافر کہے یا اللہ کا دشمن کہے (اور وہ ایسا نہ ہو) تو یہ باتیں اس کہنے والے ہی پر لوٹ آتی ہیں۔"❶

ان احادیث میں ایسی باتوں پر انتہائی سخت تشدید اور وعید آئی ہے، ان کا مرتکب اس لائق ہے کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ یا اسی طرح کی کوئی اور سزا دی جائے۔ مزید یہ کہ اس عورت نے گواہوں کو دھوکہ دیا اور انہیں جھوٹی گواہی میں ملوث کیا اور پھر ایک باطل نکاح کیا۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ بغیر ولی کے نکاح باطل ہوتا ہے، اور جو ایسا کرے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے ہوئے تعزیر لگاتے ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ ایک گروہ تو اس کو رجم کرنے کو بھی کہتا ہے۔ اور حضرات مطلق طور پر بلا ولی نکاح جائز بتلاتے ہیں۔ وہ بھی اس انداز سے نسب بدلنے اور جھوٹا ولی بنانے کو قطعاً جائز نہیں کہتے ہیں۔ تو ان باتوں پر بالاتفاق سزا ہے۔

اس عورت کو اپنے متعلق جھوٹ بولنے پر بھی سزا دی جائے، اور اس دعوے پر بھی کہ یہ شخص پہلے اس کا شوہر تھا اور اس نے طلاق دے دی تھی۔ اور اس شوہر کو اور وہ آدمی جس نے دعویٰ کیا کہ وہ اس عورت کا بھائی ہے، انہیں بھی سزا دی جائے۔ کہ اس کی شادی ہوئی تھی، پھر طلاق ہوئی، اور اب ولی حاضر نہیں ہے، چاہیے کہ ان سب کو سخت سزا دی جائے، بلکہ فقہائے کرام کی یہ صریح ہے کہ جھوٹے گواہ کا منہ کالا کیا جائے۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ایسے ہی کیا کرتے تھے، اس اشارہ کے تحت کہ جھوٹے کا منہ کالا ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اسے سواری پر الٹے منہ بٹھایا جائے، اس مفہوم سے کہ اس جھوٹے گواہ نے بات بدلی ہے، اور پھر شہر میں گھمایا جائے تاکہ اس کی شہرت ہو کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

ان کو تعزیر لگانا کسی خاص حاکم سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ولی امر میں سے جو بھی مسئول اور ذمہ دار ہو اور یہ کام کرسکتا ہو، حاکم، محتسب وغیرہ کوئی بھی یہ کام کرسکتا ہے۔

اور اس قسم کے حالات میں جب کہ عورتوں میں فتنہ وفساد بہت زیادہ ہو رہا ہے یہ سزائیں دینا بہت ضروری ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"لوگ جب کوئی برائی دیکھیں اور پھر اس کی اصلاح نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ کی طرف سے سزا ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔"❷ (امام ابن تیمیہ)

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیه وهو یعلم، حدیث : ٦١۔ مسند احمد بن حنبل : ٥/ ١٦٦، حدیث : ٢١٥٠٣۔ السنن الکبری للبیهقی : ٧/ ٤٠٧، حدیث : ١٥١١٢ .

❷ سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر، حدیث : ٤٠٠٥ ومسند احمد بن حنبل : ١/ ٢، حدیث : ١، مسند ابی یعلی : ١/ ١١٩، حدیث : ١٣١ .

آداب نکاح

سوال: نکاح کے اعلان کی غرض سے اگر عورتیں دف بجائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح کے اعلان اور شہرت کی غرض سے عورتوں کا دف بجانا مستحب ہے۔ مگر ضروری ہے کہ عمل صرف عورتوں کے اندر ہو، اس کے ساتھ کوئی اور موسیقی یا آلات لہو اور گانے بجانے والیوں کی آوازیں نہ ہوں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس مناسبت سے کچھ شعر پڑھ لیں، مگر اس طرح کہ مردوں تک آواز نہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''نکاح میں حلال اور حرام کے درمیان فرق دف اور آواز ہی کا ہے۔''[1]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں: ''اس میں دلیل ہے کہ نکاح کے مواقع پر دف بجا لینا اور اشعار وغیرہ پڑھ لینا جائز ہے مثلاً (جیسے کہ احادیث میں آیا ہے) 'اتیناکم اتیناکم.....' وغیرہ۔ نہ وہ گانے جو شر و فساد کے جذبات کو برانگیختہ کرتے ہیں، جن میں عورتوں کے حسن و جمال، شراب وشباب اور بے حیائی کا تذکرہ ہوتا ہے یہ چیزیں جیسے دوسرے مواقع پر حرام ہیں، نکاح میں بھی حرام ہیں۔ ایسے ہی دوسرے گانے بجانے وغیرہ بھی۔ (صالح فوزان)

سوال: ہمارے ہاں بعض علاقوں میں ایسے ہوتا ہے کہ جب کوئی نوجوان کسی خاندان میں نکاح کا پیغام دیتا ہے تو لڑکی کا والد بیش قیمت مہر کی شرط رکھتا ہے، اور پھر جب نکاح ہو جاتا ہے تو لڑکی اس کے شوہر کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیتا ہے، اور مطالبہ کرتا ہے کہ لڑکا اس باپ کی خدمت کرے۔ اس طرح لڑکی بھی انتہائی اذیت میں پڑتی ہے۔ تو کیا لڑکی کو اپنے شوہر کے گھر چلے جانا چاہیے یا باپ ہی کے گھر رہے؟ اس قسم کے بہت سے واقعات سے بڑی مشکلات دیکھنے میں آتی ہیں۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ لوگوں کو ان امور میں حق وصواب کی رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے کہ بیٹیوں کے مہروں میں تخفیف اور میانہ روی اپنائیں اور اسی طرح ولیموں کا معاملہ ہے، تاکہ ہر فریق آسانی اور سہولت کے ساتھ شادی کا مرحلہ طے کر لے، اور خیر کے اس کام میں ایک دوسرے کو تعاون ملے، نوجوان اور دوشیزائیں عفیف اور پاک دامن رہیں۔

ہم نے اس موضوع پر نصیحت، خیر خواہی اور تواصی بالحق کے جذبے سے کئی بار لکھا ہے اور ہیئۃ کبار العلماء کی جانب سے بھی کئی قرار دادیں اور نشریے شائع کیے گئے ہیں، ان کا موضوع ومضمون یہی تھا کہ نکاحوں میں مہر کم رکھے جائیں، ولیموں میں تکلف نہ کیا جائے اور عوام کو ترغیب وتشویق دی گئی ہے کہ نوجوان کے لیے نکاح کا

---

[1] سنن النسائی، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح بالصوت وضرب الدف، حدیث: ٣٣٦٩ وسنن الترمذی، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، حدیث: ١٠٨٨ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٢٥٩، حدیث: ١٨٣٠٥.

مرحلہ جہاں تک ہو سکے آسان بنایا جائے۔ اور اب بھی میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے یہی کہوں گا کہ نوجوانوں کے لیے اس فریضہ کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے تعاون کریں تاکہ نکاح اور شادیاں بہت زیادہ ہوں، سفاح اور بدکاری کا قلع قمع ہو، نوجوان اور دوشیزائیں اپنی نظروں کی حفاظت کر سکیں اور ان کی عصمتیں محفوظ رہیں۔ اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کا عظیم ترین ذریعہ نکاح وزواج ہی ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((یا معشر الشباب! من استطاع منکم البائة فلیتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم، فإنه له وجاء.))

''اے نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ شادی کر لے، بلاشبہ یہ اس کے لیے آنکھ نیچی رکھنے اور عصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھا کرے، یہ اس کے جذبات کو کچل دیں گے۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ: ''جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت میں ہو، اللہ عزوجل اس بندے کی ضرورت میں (اس کے ساتھ) ہوگا۔''[2]

ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں:

((واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیه.))

''اللہ عزوجل اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہے۔''[3]

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نیکی وتقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا معاون بننے کا حکم دیا ہے، اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءة فلیصم، حدیث: ٤٧٧٩، وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه، حدیث: ١٤٠٠ وسنن النسائی، کتاب الصیام، باب ذکر الاختلاف علی محمد بن ابی یعقوب فی حدیث ابی امامة فی فضل الصائم، حدیث: ٢٢٤٢ وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح، حدیث: ١٨٤٥.

[2] صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، حدیث: ٢٣١٠ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب تحریم الظلم، حدیث: ٢٥٨٠ وسنن الترمذی، کتاب الحدود، باب الستر علی المسلم، حدیث: ١٤٢٦ وسنن ابی داود، کتاب الادب، باب المواخاة، حدیث: ٤٨٩٣.

[3] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، حدیث: ٢٦٩٩۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی المعونة للمسلم، حدیث: ٤٩٥٦، وسنن الترمذی، کتاب الحدود، باب الستر علی المسلم، حدیث: ١٤٢٥ وسنن ابن ماجه، کتاب الایمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل العلماء، حدیث: ٢٢٥.

ایسے صالح بندے جو حق کی بات کہتے اور صبر سے کام لیتے ہوں، ان کی اللہ نے بہت مدح فرمائی ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (العصر : ۱۰۳/ ۱۔۳)

''قسم ہے زمانے کی، بلاشبہ انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور جو ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے اور صبر کی تاکید کرتے ہیں۔''

اور یقیناً مہر کم کرنے اور ولیموں میں تخفیف کرنے کے معاملے میں لوگوں کا تعاون کرنا اور باتوں کی تلقین و تاکید کرنا اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں شامل ہے۔ اگر حق مہر کم ہوں اور ولیموں کے تکلفات مختصر ہوں تو اس میں یقینی فائدہ یہی ہوگا کہ شرعی نکاح بہت کثرت سے ہوں گے، بے نکاح لڑکے لڑکیوں کی کثرت میں کمی آئے گی، ان کی نظریں پاکیزہ اور جھکی رہیں گی، عصمتیں محفوظ ہوں گی، فواحش کی راہیں بند ہوں گی اور امت مسلمہ کی گنتی بڑھے گی، جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''محبت کرنے والی زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے شادیاں کرو، بلاشبہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''[1]

اور ایسے باپ یا بھائی جو نکاح ہو جانے کے بعد اپنی بیٹیوں یا بہنوں کو ان کے شوہروں کے ساتھ روانہ نہیں کرتے اور مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ لڑکا ان کی خدمت کرے، ان کی بھیڑ بکریاں یا اونٹ وغیرہ چرائے، تو یہ ایک بہت برا اور غلط کام ہے، جو کسی صورت جائز نہیں ہے۔ بلکہ ولی امر (حاکم) کا فرض ہے کہ ایسے امور میں لوگوں کی مدد کرے جن سے زوجین کے اکٹھے رہنے اور ان کے آپس کے حالات عمدہ اور بہترین ہو سکتے ہیں۔ جس طرح کہ اس کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ ایسے حالات سے ان لوگوں کو متنبہ کرے اور بچائے جو ان میں فرقت وافتراق کا باعث بن سکتے ہوں، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی رکاوٹ ہو۔

اور میں عورتوں اور لڑکیوں کے اولیاء اور سرپرستوں کو تاکید کرتا ہوں کہ اپنی ان لڑکیوں اور عورتوں کی شادیاں ان کے ہم پلہ افراد سے کرنے میں تاخیر نہ کیا کریں، خواہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں، بلکہ اس بارے میں ان کی حتی الامکان مدد کریں، اور اللہ کے اس فرمان پر عمل کریں:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (النور : ۲٤/ ۳۲)

[1] سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب من تزوج الولود، حدیث : ۲۰۵۰ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراهیة تزویج العقیم، حدیث : ۳۲۲۷ والمستدرك للحاکم : ۲/ ۱۷٦، حدیث : ۲٦۸۵۔ بعض روایات میں ہے'' میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسرے انبیاء پر فخر کروں گا۔'' مسند احمد بن حنبل : ۳/ ۱۵۸، حدیث : ۱۲٦۳٤ وصحیح ابن حبان : ۹/ ۳۳۸، حدیث : ٤۰۲۸.

''اور تم میں وہ لوگ جن کی شادیاں نہیں ہوئی ہیں ان کے نکاح کر دو اور اسی طرح اپنے غلام اور لونڈیوں کے بھی، اگر یہ فقیر ہوئے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا، اور اللہ بڑی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔''

اللہ عزوجل نے اس آیت کریمہ میں یہ حکم دیا ہے کہ مسلمان معاشرے میں جو لوگ نکاح کے بغیر ہوں (کنوارے، رنڈوے، طلاق یافتہ وغیرہ) حتیٰ کہ غلام اور لونڈیاں جو صالح ہوں، سب کو نکاح والی زندگی گزارنی چاہیے۔ اور فرمایا: اللہ کا فرمانا اور خبر دینا عین حق اور سچ ہے کہ اللہ کا فضل حاصل کرنے کے لیے ایک عظیم سبب نکاح بھی ہے، اور اس میں شوہروں اور اولیاء کو تسلی دی گئی ہے اور یقین دلایا گیا ہے کہ فقر اور تنگی کوئی ایسا سبب نہیں ہے جو نکاح وشادی کے لیے مانع یا رکاوٹ ہو، بلکہ یہ تو غنا اور رزق کا ایک بہت بڑا ذریعہ اور سبب ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: شادیوں کے موقع پر دلھنوں کے لیے تیار کیے جانے والے ان خاص لہنگوں یا غراروں کا کیا حکم ہے جو اس قدر لمبے ہوتے ہیں کہ یہ ان کے پیچھے گھسٹتے جاتے ہیں، اور بعض اوقات تو یہ تین تین میٹر لمبے ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی وہ رقمیں جو شادی اور رخصتی کے مواقع پر گانے بجانے والیوں کو دی جاتی ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لباس کے متعلق سنت یہ ہے کہ وہ پردے اور پاؤں چھپانے کی غرض سے اپنا کپڑا ایک ہاتھ تک لمبا رکھ سکتی ہے، اس سے زیادہ نہ کرے۔ اس سے زیادہ لٹکانا خواہ وہ دلھن کے لیے ہو یا کسی دوسری کے لیے غلط اور ناجائز ہے۔ اور قیمتی کپڑوں میں اپنا مال ناحق خرچ کرنا ہے۔ چاہیے کہ لباس میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کی جائے۔ یہ قطعاً ناروا ہے کہ بلاوجہ ان کپڑوں پر میناکاری کی جائے اور ڈھیروں مال غلط طرح سے بہا دیا جائے جس کا امت کو دین ودنیا میں کوئی فائدہ نہیں۔

اور گانے بجانے والی عورتیں انہیں بڑی بڑی رقمیں پیش کر کے لانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ لیکن عمومی طور پر اگر کوئی عورت گائے کہ نکاح کا اعلان ہو، خوشی کا اظہار ہو، دف بجائی جائے تو یہ جائز ہے، بلکہ مستحب ہے، بشرطیکہ حدود شریعت میں ہو، کسی شر اور فتنے کا باعث نہ ہو، اور یہ ہو بھی صرف عورتوں کے درمیان، اور چاہیے کہ تھوڑے وقت کے لیے ہو، یہ نہ ہو کہ ساری ساری رات اسی کام میں گزر جائے، آواز بھی اونچی نہیں ہونی چاہیے۔ الغرض ایسے گیت جن میں دولھا، دلھن اور ان کے گھر والوں کی مدح وغیرہ کی اچھی باتیں ہوں، اور ان شرطوں کے ساتھ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ کے دور میں ہوتا تھا۔

لیکن اس کام کے لیے باقاعدہ گانے والیوں کو بلانا اور انہیں بڑی بڑی رقمیں دینا، ایک غلط اور ناجائز کام ہے۔ اسی طرح اونچی اونچی آوازوں سے لوگوں کو اذیت دینا، ساری ساری رات جاگنا، حتیٰ کہ فجر کی نماز بھی ضائع ہو جائے، ایسا غلط اور برا کام ہے کہ اس کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: 'انا لیس لی ان ادخل بیتا مزوقا' (1) کے کیا معنی ومفہوم ہیں؟ اور کیا ''تزویق'' حرمت کے معنی میں ہے؟

جواب: ''تزویق'' کے معنی ہیں ''مزین کرنا، زینت دینا'' اور حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ''مجھے یہ لائق نہیں ہے کہ میں کسی زیب وزینت والے گھر میں داخل ہوں۔'' اور اس میں حرمت کے معنی نہیں ہیں بلکہ تنزیہ کے معنی ہیں جو مقام نبوت ورسالت کے شایان شان ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان جس قدر درجات کمال میں بلند ہوگا اسی قدر وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش پا کی پیروی کرنے والا ہوگا اور وہی راہ چلے گا جو رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ تھی، اور اس سے بچے گا اور دور رہنے والا ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کی ناپسندیدہ اور مکروہ تھی۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: وہ پارٹیاں اور اجتماعات جو ہوٹلوں میں کیے جاتے ہیں، ان کے بارے میں آنجناب کی کیا رائے ہے؟

جواب: ہوٹلوں (یا ہالوں) میں برپا کی جانے والی پارٹیوں اور اجتماعات میں بہت سے امور قابل مواخذہ ہیں اور کئی مکروہات دیکھنے میں آتی ہیں، مثلاً سب سے بڑھ کر یہاں اسراف کیا جاتا ہے اور بہت سے اخراجات ایسے کیے جاتے ہیں جن کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرے یہاں اجتماع کرنے میں بہت سے تکلفات کرنے پڑتے ہیں اور نفری بڑھانے کے لیے ان ان لوگوں کو بلانا پڑتا ہے جن کی درحقیقت ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ تیسرے ان جگہوں پر بالعموم مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، جو انتہائی معیوب اور غلط کام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجلس کبار العلماء کی طرف سے ایک قرارداد جلالۃ الملک کے ہاں پیش کی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ شادی کے اجتماعات اور دیگر پارٹیاں ہوٹلوں میں منعقد کرنے پر پابندی لگائی جائے۔ چاہیے کہ لوگ اپنے ولیمے وغیرہ گھروں میں کیا کریں، اور ہوٹلوں کے تکلّفات سے پرہیز کریں۔ کیونکہ ان مقامات پر ولیمے کرنے سے کئی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ ایسے ہی شادی ہال وغیرہ ہیں، جو لوگ بڑی بھاری بھاری رقموں سے حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ قرارداد لوگوں سے خیر خواہی کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ کہ لوگ اعتدال پسندی کی طرف آئیں اور اسراف وتبذیر (فضول خرچی) سے پرہیز کریں، اور اس لیے کہ متوسط طبقہ کے لوگوں میں سے ایک متوسط آمدنی والا جب دیکھتا ہے کہ اس کا ایک قریبی اپنے ولیمے کے لیے ہوٹل یا ہال کا بندوبست کر رہا ہے اور ایک بڑی تعداد کو دعوت دے رہا ہے تو اس کو بھی اس کی دیکھا دیکھی یہ کرنا پڑتا ہے اور پھر اسے بے پناہ اخراجات اور قرض کے زیر بار ہونا پڑتا ہے، یا پھر وہ اس بڑے خرچ کے ڈر سے شادی وغیرہ کو لیٹ کر دیتا ہے۔

اس لیے میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے کہتا ہوں کہ اپنے یہ اجتماعات ہوٹلوں یا مہنگے ہالوں میں منعقد کرنے سے اجتناب کریں یا پھر سستے قسم کے ہال حاصل کریں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ پروگرام اپنے

(1) سنن ابن ماجه، كتاب الاطعمة، باب اذا رأى الضيف منكرا رجع، حديث: ٣٣٦٠ وسنن ابى داود، كتاب الاطعمة، باب اجابة الدعوة اذا حضرها مكروه، حديث: ٣٧٥٥ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ٢٢١، حديث: ٢١٩٧٦.

گھروں میں ہوں یا اپنے کسی قریبی کے گھر میں کر لیے جائیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کوئی شخص ایام حیض میں مباشرت (جماع) کا مرتکب ہو تو اس پر کیا لازم ہے؟

جواب: جو شخص کسی حائضہ سے مباشرت (جماع) کا مرتکب ہو تو اس پر واجب ہے کہ ایک دینار یا آدھا دینار کفارہ دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسے ہی مروی ہے۔ [1] کفارہ جیسے قسم توڑنے پر آتا ہے، ایسے ہی گناہ کے ارتکاب پر بھی آتا ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اس گناہ کی سزا میں تخفیف ہو جائے، اور یہ تکمیل توبہ کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: عورت کی دُبر میں مباشرت کا کیا حکم ہے، یا جو ایام حیض یا نفاس میں یہ کام کرے؟

جواب: یہ قطعاً حلال اور جائز نہیں ہے کہ عورت کی دبر میں مباشرت کی جائے یا جب وہ حیض یا نفاس کے ایام میں ہو۔ یہ کام کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ○ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾

(البقرة: ٢/ ٢٢٢-٢٢٣)

"یہ لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: یہ گندگی ہے، تو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو، اور ان سے مقاربت مت کرو حتیٰ کہ پاک ہو جائیں، اور جب خوب پاک ہو جائیں تو ان کو آؤ جہاں سے کہ تم کو اللہ نے حکم دیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، اور ان سے بھی جو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہوں۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، تو آؤ اپنی کھیتی کو جہاں سے چاہو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ایام حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہنا واجب ہے، اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کی جائے۔ تو حیض کے علاوہ نفاس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس حالت میں ان سے جماع حرام ہے۔ اور بیوی جب غسل کر کے خوب پاک ہو جائے تو شوہر کو اس سے مقاربت کرنا جائز اور حلال ہے، جہاں سے کہ اللہ نے حکم کیا ہے، یعنی قبل میں (آگے کے حصہ میں) اور یہی کھیتی کی جگہ ہے۔ دبر (پیچھے کا حصہ) گندگی اور نجاست کی جگہ ہے، کھیتی کی جگہ ہرگز نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو یہ شریعت

[1] سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی کفارة من اتی حائضا، حدیث: ٢١٦٨ وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، وسننها، باب فی کفارة من اتی حائضا، حدیث: ٦٤٠ وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب یحب علی من اتی حلیلیته فی حال حیضتها، حدیث: ٢٨٩ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٢٩، حدیث: ٢٠٣٢.

میں واضح معصیت اور کبیرہ گناہ ہے۔ سنن ابی داؤد اور نسائی میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ملعون ہے وہ شخص جو اپنی عورت کو اس کی دبر میں آتا ہے۔''❶ جامع ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کی طرف نظر نہیں فرمائے گا جو کسی مرد کو آئے یا عورت کی دبر میں مباشرت کرے۔''❷ اور سند اس کی صحیح ہے۔

دُبر میں مباشرت عورت سے ہو یا مرد سے، یہ وہ حرام کام ہے جو قوم لوط کیا کرتی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا یہ بیان قرآن مجید میں محفوظ ہے:

﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾

(العنكبوت : ٢٩/ ٢٨)

''تم لوگ ایسی بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں کسی نے نہیں کی۔''

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((لعن الله من عمل قوم لوط قالها ثلاثا .))

''اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو قوم لوط کا عمل کرے، تین بار فرمایا۔''❸

تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے تمام کام جو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرائے ہیں، ان سے اجتناب کریں۔ بالخصوص شوہروں کے لیے یہ ہے کہ وہ اس حرام کے بالکل قریب نہ جائیں اور بیویوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو اس منکر عظیم (بہت بڑے کبیرہ گناہ) کا قطعاً موقع نہ دیں کہ وہ حیض نفاس کے ایام میں یا دبر میں مباشرت کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ سب مسلمانوں کو اپنی پاکیزہ شریعت کی مخالفت سے عافیت اور سلامتی میں رکھے، بلاشبہ وہی سب سے عظیم اور برتر ہے جس سے دعائیں کی جاتی ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا بیوی کے ساتھ اس کے ایام حیض میں مجامعت ہو سکتی ہے؟

جواب: نہیں، یہ بات باجماع مسلمین قطعاً ناجائز ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے:

---

❶ سنن ابی داود، كتاب النكاح، باب فی جامع النكاح، حديث : ٢١٦٢ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٤٤٤، حدیث : ٩٧٣١- سنن النسائی الکبریٰ : ٥/ ٣٢٣، حدیث : ٩٠١٥.

❷ سنن الترمذی، كتاب الرضاع، باب كراهية اتيان النساء فی ادبارهن، حديث : ١١٦٥- صحيح ابن حبان : ١٠/ ٢٦٦، حديث : ٤٤١٨، مسند ابی یعلی : ٤/ ٢٦٦، حديث : ٢٣٧٨.

❸ مسند احمد بن حنبل : ١/ ٣٠٩، حديث : ٢٨١٧، ايضا : ١/ ٣١٧، حديث : ٢٩١٧ والمستدرك للحاكم : ٤/ ٣٩٦، حديث ٨٠٥٢ ومسند ابی یعلی : ٤/ ٤١٤، حدیث : ٢٥٣٩.

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرة : ۲/ ۲۲۲)

''یہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے یہ نجاست ہے، سو حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے مقاربت نہ کرو حتیٰ کہ پاک ہو جائیں، تو جب خوب پاک ہو جائیں تو آؤ ان کو جہاں سے کہ تم کو اللہ نے حکم دیا ہے۔''

اس مسئلے پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حیض کے دنوں میں بیوی سے مباشرت کرنا حلال نہیں ہے۔

اور یہ جو آپ نے بیان کیا ہے کہ ایک قابل اعتماد عالم نے اسے جائز قرار دیا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مابین کوئی حائل اور موجود ہو [1] تو یہ آدمی جلد باز ہے یا حدیث نبوی سے جاہل ہے جس نے ایسا فتویٰ دیا ہے۔ ایسے آدمی سے پوچھا جا سکتا ہے کہ بالفرض اگر کوئی مرد کنڈوم (غبارہ) چڑھا کر کسی اجنبی عورت سے مجامعت کرے تو کیا یہ زنا ہوگا یا نہیں؟! (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک شوہر نے اپنی بیوی سے ملاپ کیا جبکہ نفاس سے بیس دن گزر چکے تھے جبکہ اس نے مسجد میں کسی صاحب سے درس سنا ہے کہ عورت اگر نفاس کے چالیس دنوں سے پہلے ہی پاک ہو جائے اور خون بند ہو جائے تو اسے چاہیے کہ غسل کر کے نماز وغیرہ شروع کر دے۔ سوال یہ ہے کہ چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی مقاربت کی صورت میں شوہر پر کیا لازم ہے؟

جواب: اکثر اہل علم کے نزدیک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن رات ہے جیسے کہ سنن ابی داؤد میں آیا ہے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے دریافت کیا کہ نفاس والی عورت کتنے دن توقف کرے؟ فرمایا: ''چالیس دن سوائے اس کے کہ اس سے پہلے ہی پاک ہو جائے۔'' [2] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اصحاب رسول اور ان کے بعد اہل علم کا اجماع ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن نماز چھوڑے رہے، ہاں اگر اس سے

---

[1] **فائدہ**: ......ایام حیض میں شوہر کے لیے اس حد تک تو جائز ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ بوس و کنار کرے، اکٹھے لیٹ جائیں مگر جنسی عمل حرام ہے۔ جیسے کہ سنن ابی داود وغیرہ میں ثابت ہے کہ: 'عن ميمونة قالت أن النبى ﷺ كان يباشر المراة من نسائه وهى حائض إذا كان عليها إزار إلى انصاف الفخذين أو الركبتين تحتجز به' (سنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب فى الرجل يصيب منها ما دون الجماع، حديث : ۲۶۷). "عن عائشة رضى الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يأمرنا فى فوح حيضتنا أن نتزر ثم يباشرنا وأيكم يملك أربه كما كان رسول الله ﷺ يملك أربه'(حديث : ۲۷۳) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم جب اپنے حیض کے شدت کے ایام میں ہوتیں تو آپ ہمیں حکم دیتے کہ چادر باندھ لیں، پھر آپ ہمارے ساتھ لیٹ جایا کرتے۔ مگر تم میں سے کون ہے جو اپنے جذبات پر ضبط رکھ سکے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضبط کر سکتے تھے۔

[2] سنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب المستحاضة يغشاها زوجها، حديث : ۳۱۱، سنن الدارقطنى : ۱/ ۲۲۳، حديث : ۸۰.

پہلے وہ پاک ہو جائے تو غسل کرے اور نماز شروع کر دے۔" ❶

نفاس کے دنوں میں ملاپ کرنا جب کہ خون آ رہا ہو، ایسے ہی ہے جیسے کہ ایام حیض میں ملاپ کرے۔ اور جو اس کا مرتکب ہوا ہو اسے چاہیے کہ اللہ سے استغفار کرے اور اس کی طرف توبہ کرے اور بطور کفارہ ایک دینار یا آدھا دینار ادا کرے۔ جیسے کہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند جید (عمدہ) مروی ہے۔ ❷ اور دینار کی مقدار سعودی جنیہ کے اعتبار سے (۴/۷) ہے۔ مثلاً اگر سعودی جنیہ کی قیمت ستر ریال ہو تو یہ چالیس ریال یا بیس ریال فقراء میں تقسیم کرے۔

اور اگر یہ عمل ان دنوں میں ہوا ہو کہ جب خون رک چکا تھا اور عورت نے غسل کر لیا تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے، خواہ چالیس دن پورے نہ بھی ہوئے ہوں۔ (مجلس افتاء)

سوال: اس شخص کے متعلق کیا حکم شرعی ہے جو اپنی بیوی سے اس کی دبر میں ملاپ کرے جبکہ وہ اس مسئلے کی شرعی حیثیت سے جاہل بھی ہو؟

جواب: مرد کے لیے حرام ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس کی دبر میں جماع کرے۔ اگر کسی سے لاعلمی میں ایسا ہوا ہو تو وہ معذور ہے، اور اس کا جرم معاف ہے بشرطیکہ اس کی حرمت کا علم ہو جانے کے بعد اس سے باز آ جائے۔

حرام ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد، بخاری اور مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، یہودی کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو اس کی دبر کی جانب سے اس کی قبل میں جماع کرے اور وہ حاملہ ہو جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔" ❸ تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۳)

"تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، تو اپنی کھیتیوں کو جہاں سے جی چاہے آؤ۔"

اور مسلم شریف میں ہے "خواہ وہ اوندھے منہ ہو یا اس کے علاوہ، بشرطیکہ قبل میں مجامعت کرے۔" ❹ اور آیت کریمہ نے واضح کیا کہ کوئی سی بھی حالت ہو جائز ہے، چت لیٹی ہوئی ہو یا اوندھے منہ، بشرطیکہ دخول قبل

---

❶ سنن الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب کم تمکث النفساء تحت، حدیث: ۱۳۹.

❷ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی کفارۃ من اتی حائضا، حدیث: ۲۱۶۸۔ سنن ابن ماجه، کتاب الطھارۃ وسننھا من اتی حائضا، حدیث: ٦٤٠ وسنن النسائی، کتاب الطھارۃ، باب یجب علی من اتی حلیلته فی حال حیضتھا، حدیث: ۲۸۹ ومسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۲۹ حدیث: ۲۰۳۲.

❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ، حدیث: ٤٢٥٤ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز جماعة امراته فی قبلھا من قدامھا ومن وراءھا، حدیث: ۱٤۳٥ وسنن الترمذی، کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ، حدیث: ۲۹۷۸۔ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النھی عن اتیان النساء فی ادبارھن، حدیث: ۱۹۲٥.

❹ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز جماعة امرأته فی قبلھا من قدامھا، حدیث: ۱٤۳٥.

میں ہو۔ اور اس میں دلیل صحابہ کرام کا فہم ہے، جبکہ وہ خالص عرب تھے۔ اور اللہ عزوجل نے عورتوں کو "کھیتیاں" قرار دیا ہے، جہاں سے کہ اولاد کی توقع کی جاتی ہے۔ اگر کوئی دبر میں یہ عمل کرے تو ادھر سے اولاد کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ آیت کریمہ کا سبب نزول اور اس میں حمل کا ذکر اور بچے کا بھینگا ہونا وغیرہ، یہ سب چیزیں (قبل سے متعلق ہیں) دبر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ کی تفسیر میں بیان کرتی ہیں کہ...... "جب دخول (قبل کے) ایک ہی سوراخ میں ہو۔"[1] امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

علاوہ ازیں بیوی سے اس کی دبر میں مجامعت سے منع کے بارے میں کئی احادیث وارد ہیں، مثلاً مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تاتوا النساء فی اعجازهن، أو قال، أدبارهن.))

"عورتوں کو ان کی دبروں میں مت آیا کرو۔"[2]

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

((لا تاتوا النساء فی أستاههن فإن الله لا يستحى من الحق.))

"عورتوں کو ان کی پیٹھوں میں مت آیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا ہے۔"[3]

(مجلس افتاء)

سوال: جو عورت اوندھے منہ سوتی ہو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس طرح سے سونا شیطان کا سونا ہے۔ لیکن اگر کوئی پیٹ کی تکلیف وغیرہ کی وجہ سے سوئے تو کوئی حرج نہیں۔ ورنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہی پسندیدہ اور قابل اتباع ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے (سونے کے آداب میں) مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تو اپنے بستر پر آنے کا ارادہ کرے تو وضو کر جیسے کہ نماز کے لیے کیا کرتا ہے، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جا اور یہ دعا پڑھ:

((اللهم اسلمت نفسى إليك، ووجهت وجهى إليك وفوضت أمرى إليك

---

[1] سنن الترمذی، کتاب التفسیر سورة البقرة، حدیث: ۲۹۷۹ ومسند احمد بن حنبل: ۶/ ۳۰۵، حدیث: ۲۶۶۴۳۔ سنن الدارمی: ۱/ ۲۷۲، حدیث: ۱۱۱۹، ومصنف ابن ابی شیبة: ۳/ ۵۱۷، حدیث: ۱۶۶۶۹.

[2] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب کراهیة اتیان النساء فی ادبارهن، حدیث: ۱۱۶۶۔ مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۸۶، حدیث: ۶۵۵۔ سنن الدارمی: ۱/ ۲۷۶، حدیث: ۱۱۴۲۔ یہاں حضرت علی سے مراد حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (عاصم)

[3] شعب الایمان للبیہقی: ٤/ ٣٥٥، حدیث: ٥٣٧٥۔ مصنف عبدالرزاق: ١١/ ٤٤١، حدیث: ٢٠٩٥٠.

وألجأت ظهري إليك رغبة ورهبة إليك ، لا ملجأ ومنجى منك إلا إليك ، آمنت بكتابك الذي أنزلت وبنبيك الذي أرسلت .))

''اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے حوالے کر دی، اور اپنا چہرہ تیری طرف پھیر لیا، اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا، میری کمر کو تیرا ہی سہارا ہے، میری رغبت اور شوق تیری ہی طرف ہے اور ڈرتا بھی تجھی سے ہوں۔ تجھ سے (بھاگ کر) کہیں کوئی جائے پناہ اور نجات نہیں مگر تیرے ہی پاس۔ میں ایمان لایا اس کتاب پر جو تو نے نازل کی اور تیرے اس نبی پر جو تو نے بھیجا ہے۔'' [1]

اگر تو اس رات میں مر گیا تو فطرت پر مرے گا۔

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ثابت ہے کہ آپ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسار تلے رکھا کرتے تھے۔ [2]

الغرض اس خاتون کو چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اختیار کرے اور شیطان کی طرح سونا چھوڑ دے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: جب ایک جوڑے کے مابین عقد نکاح ہو چکا ہو، مگر باقاعدہ رخصتی نہ ہوئی ہو تو شوہر کے لیے اپنی بیوی سے کیا کچھ حلال ہے؟

جواب: (جب عقد نکاح ہو چکا تو اب) وہ شوہر ہے، اور اس کے لیے اپنی بیوی سے وہ سب کچھ حلال ہے، جو رخصتی کے بعد ہوتا ہے، یعنی دیکھنا، بوسہ لینا، خلوت میں اٹھنا بیٹھنا، اس کی معیت میں سفر اور مباشرت بھی۔

(مجلس افتاء)

سوال: وہ کیا شرعی آداب ہیں جن کا مجھے اپنے شوہر کے ساتھ لحاظ رکھنا ضروری ہے، جس کا میرے ساتھ عقد شرعی ہو چکا ہے (مگر باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی) یعنی ہمارا خلوت میں ہونا وغیرہ، اس کی معیت میں کسی علمی مجلس میں جانا یا سیر وغیرہ کے لیے نکلنا؟

جواب: اگر آپ کا ولی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ آپ کا یہ شوہر آپ کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھے، تو یہ جائز

---

[1] صحيح بخاری ، كتاب الوضوء ، باب فضل من بات على الوضوء ، حديث : ٢٤٤۔ صحيح مسلم ، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار ، باب ما يقول عند النوم واخذ المصجع ، حديث : ٢٧١٠۔ سنن ابی داود ، كتاب الادب ، ابواب النوم ، باب ما يقول عند النوم ، حديث : ٥٠٤٦۔ سنن الترمذی ، كتاب الدعوات ، باب فی انتظار الفرج (باب منه) ، حديث : ٣٥٧٤ .

[2] سنن النسائی ، كتاب الصيام ، باب صوم النبی بابی هو وامی وذكر اختلاف الناقلين للخير ، حديث : ٢٣٦٧۔ مسند احمد بن حنبل : ٦/ ٢٨٧ ، حديث : ٢٦٥٠٤ .

ہے۔لیکن اگر آپ کے ولی نے اس پر یہ شرط عائد کی ہو کہ وہ بعض امور ومعاملات پورے کرنے کے بعد آپ کے ساتھ علیحدہ ہو تو ولی کو یہ حق حاصل ہے، مثلاً مکان اور جہیز وغیرہ کا انتظام کرنا۔ کیونکہ خلفائے راشدین کے نزدیک ''خلوت'' سے مراد ''دخول'' ہی ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میرا عقد نکاح ہو چکا ہے، اور میرا شوہر جسے ہم ایک فاضل شخصیت سمجھتے ہیں، اس نے مجھ سے کہا ہے کہ عقد ہو جانے کے بعد زوجین میں ملاپ کے حرام ہونے پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، یہ مسئلہ بس اجتہادی ہے، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں یہ صورت نہ ہوتی تھی۔ اور علماء میں سے بعض رخصتی کی شرط کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔ تو اس مسئلے میں حق وصواب کیا ہے؟ اور اس نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو میری وارث ہوگی؟ اس بارے میں صحیح کیا ہے؟

جواب: ان تمام مسائل کا مرجع شریعت ہی ہے۔ اگر کسی میاں بیوی کا آپس میں جنسی ملاپ نہیں ہوا ہے، تو شوہر کی وفات کی صورت میں عورت اس کی وارث ہوگی، اور اسے باتفاق علماء عدت وفات گزارنی ہوگی۔ اور مسئلہ مباشرت (قبل از رخصتی)، تو صحیحین میں یہ حدیث ثابت ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن أحق الشروط أن يوفى به ما استحللتم به الفروج .))

''سب شرطوں میں سے اہم ترین شرط جو پوری کیے جانے کے لائق ہے، وہ ہے جس سے تم کوئی عصمت اپنے لیے حلال بناتے ہو۔''[1]

اگر پیغام دینے والے سے لڑکی کے ولی نے کہا ہو کہ میں تجھے اپنی بیٹی نکاح کر دیتا ہوں اس شرط پر کہ جب تک تو مکان کا انتظام نہیں کر لیتا تو اس پر داخل نہیں ہوگا۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ شرط صحیح ہے یا باطل۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط صحیح ہے اور شریعت کہتی ہے کہ سب شرطوں سے بڑھ کر پوری کیے جانے کے لائق وہ شرط ہے جس سے تم نے عصمتوں کو حلال کیا ہو۔ اور اب اگر یہ شخص عقد کے بعد یہ کہتا ہے کہ یہ شرط باطل ہے تو اس طرح یہ عقد بھی باطل ہو جائے گا۔

اصول فقہ میں شرط کی تعریف یہ ہے کہ جس کے نہ ہونے سے چیز کا عدم لازم آتا ہو، مگر اس کے ہونے

[1] صحيح بخاری، كتاب الشروط، باب الشروط فی المهر عند عقد النكاح، حديث : ۲۵۷۲، وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الوفاء بالشروط فی النكاح، حديث : ۱۴۱۸ وسنن النسائی، كتاب النكاح، باب الشروط فی النكاح، حديث : ۳۲۸۱ وسنن ابی داود، كتاب النكاح، باب الرجل يشترط لها دارها، حديث : ۲۱۳۹ وسنن الترمذی، كتاب النكاح، باب الشرط عند عقد النكاح، حديث : ۱۱۲۷ فتویٰ میں مذکور الفاظ سنن النسائی کی روایت کے ہیں اور مسلم کے الفاظ کے زیادہ قریب ہیں البتہ دوسری کتب میں الفاظ کا معمولی فرق ہے۔ (عاصم)

سے چیز کا وجود یا عدم لازم نہ ہو۔ مثلاً وضو نماز کے لیے شرط ہے، جب تک وضو نہ ہو کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا، وضو کے بغیر نماز معدوم اور باطل ہوگی (مگر وضو کر لینے کے بعد نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا ضروری نہیں ہے) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاویٰ میں ایسے ہی فرمایا ہے اور اصولی حضرات ایسے ہی کہتے ہیں۔

اس صاحب نے پہلے خود ہی ایک شرط قبول کی، اور نکاح ہو جانے کے بعد کہتا ہے کہ یہ شرط باطل ہے، اس طرح تو نکاح باطل ہو جائے گا، کیونکہ یہ ایک باطل شرط پر مبنی ہے۔ [1] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا منگیتر جس کے ساتھ عقد نکاح ہو چکا ہو، کے سامنے بالوں یا زینت کا اظہار کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس لڑکی کی ماں اس کے منگیتر کے سامنے اپنا چہرہ کھول سکتی ہے؟

جواب: ہاں یہ جائز ہے، ابن القوصی کے علاوہ سبھی ائمہ اسے جائز کہتے ہیں۔ اسی طرح لڑکی کی ماں کے لیے بھی جائز ہے کہ اس لڑکے کے سامنے اپنا چہرہ کھول سکتی ہے اگرچہ وہ نقاب کو واجب ہی سمجھتی ہو۔ کیونکہ جب لڑکی کے ساتھ کسی کا عقد ہو جائے تو لڑکی کی ماں اس کے لیے ابدی طور پر حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا ماں کے ساتھ ملاپ ہو چکا ہو تو بیٹیاں اس آدمی کے لیے حرام ہو جاتی ہیں، اگرچہ بعض اہل علم کے نزدیک اس میں کچھ استثناء موجود ہے، مگر پہلی صورت کہ بیٹی کے ساتھ نکاح سے ماں حرام ہو جاتی ہے، اس میں اجماع ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

حقوق الزوجین

سوال: اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر سفر پر چلی جائے، تو اس کی واپسی کا خرچہ کس کے ذمے ہوگا؟

جواب: جس نے اس کو اس کام پر آمادہ کیا ہو اس کے ذمے ہے کہ اسے واپس بھی لائے، وہ خود گئی ہو یا کوئی دوسرا لے گیا ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت کو اس کے شوہر نے بغیر کسی خاص وجہ کے اپنے والد کے گھر سے نکال دیا، پھر والد نے اسے

---

[1] مذکورہ بالا حدیث عین حق ہے اور واجب ہے کہ نکاح کی شرط پوری کی جائے۔ مگر یہ کہنا کہ شرط پوری کیے بغیر نکاح ہی باطل ہے، یہ محل نظر ہے۔ مثلاً اسی مذکورہ حدیث کی رو سے شوہر مکان مہیا نہ کر سکا اور اس نے اپنی اس بیوی سے ملاپ کر لیا، یا کسی صورت اپنی اس بیوی کو لے بھاگا تو کیا اس جوڑے کو "زنا کار" کہا جائے گا اور ان پر شرعی حد نافذ ہوگی؟ ظاہر ہے کہ یہ زانی نہیں ہیں، ان پر کوئی حد نہیں ہوگی، یہ شخص صرف ایک جرم کا مرتکب ہوا جو شرعی ہے اور اضافی بھی، کہ حسب وعدہ شرط مکان مہیا نہیں کیا.......... اسے کہا جائے گا کہ اپنی شرط پوری کرو، ورنہ بیوی کو طلاق دو۔

یہی وجہ ہے کہ بعض علمائے کرام نے شرطوں کی دو قسمیں بتائی ہیں: شرط صحت، شرط کمال۔ مسئلہ نکاح میں ولی کا ہونا شرط صحت ہے، ولی کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں ہے۔ اور حق مہر شرط کمال ہے۔ اگر حق مہر کے معاملے میں شوہر دھوکہ کرے تو یہ جھوٹ اور دھوکہ ہوگا، جس کی سزا کسی دوسری صورت میں ہوگی نکاح وہ حیث الاصل صحیح ہوگا۔ (مترجم السعیدی)

واپس لانے کی بہتیری کوشش کی مگر عورت نے جانے اور اس کے باپ نے بھیجنے سے انکار کر دیا، اب وہ نان و نفقہ کا مطالبہ کرتی ہے تو کیا اس مدت میں خرچہ دیے جانے کا حق رکھتی ہے؟

جواب: اگر اس عورت کے پاس اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کا کوئی معقول شرعی عذر نہ ہو تو کسی خرچے کی مستحق نہیں ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی عذر ہو جس کی بنا پر وہ دعویٰ کرتی ہو کہ اس سبب کی وجہ سے میں گھر سے نکلی تھی، تو یہ ایک متنازع معاملہ ہے، جس کا تعلق عدالت سے ہے (تو دلائل کی روشنی میں جو بات عدالت طے کرے اس کے مطابق عمل ہوگا)۔ البتہ بچوں کے خرچ اخراجات وہ شوہر کے ذمے ہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا بیوی کی وفات کی صورت میں اس کا کفن شوہر کے ذمے ہے؟

جواب: صحیح بات یہی ہے کہ بیوی کا کفن شوہر ہی کے ذمے ہے، بیوی خواہ غنی ہو یا تنگدست۔ چونکہ یہ گھر کے لازمی اخراجات کا ایک حصہ ہے اور حسن معاشرت کا تقاضا بھی یہی ہے، اور لوگ بھی اس کیفیت کو بہت برا سمجھیں گے بالخصوص جب بیوی تنگدست اور شوہر غنی ہو، اور وہ (اس فرض سے اعراض کرتے ہوئے) کہے کہ اس کا کفن میرے ذمے نہیں ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: بہت سی عورتیں اپنے مطالبات میں شوہروں پر بہت بوجھ ڈال دیتی ہیں حتیٰ کہ اسے اس غرض کے لیے قرض کا زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ اور بہت سی عورتیں اس بار میں لا پروائی سے کہہ دیتی ہیں کہ یہ تو ہمارا حق ہے۔ کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟

جواب: سوچ اور عمل کا یہ انداز بہت برا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا﴾ (الطلاق: ٦٥/ ٧)

”چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت سے خرچ کرے اور جس کا رزق تنگ ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اس کو دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اتنا ہی مکلّف کرتا ہے جتنا اس نے اس کو دے رکھا ہو۔“

تو کسی خاتون کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنے شوہر سے اس کی وسعت سے زیادہ کا مطالبہ کرے، بلکہ اگر وہ طاقت رکھتا ہو تب بھی اسے اتنا ہی مطالبہ کرنا حلال ہے جو عرف کے مطابق ہو۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء: ٤/ ١٩)

”ان عورتوں کے ساتھ معروف (اور بھلے طریقے) کے ساتھ زندگی گزارو۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٢٨)

''اور ان عورتوں کے استحقاقات بھی اس کی مثل ہیں جو معروف انداز میں ان کے واجبات اور فرائض ہیں۔''

اور شوہروں کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ خرچ اخراجات کے سلسلے میں معروف اور واجب سے بخیل بن جائیں۔ کیونکہ بعض شوہروں کو دیکھا گیا ہے کہ از حد بخیلی کی وجہ سے وہ لازمی اخراجات سے بھی کنارہ کش رہتے ہیں، تو اس صورت میں عورت کو اجازت ہے کہ اس کے مال سے خواہ بغیر بتائے بھی لینا پڑے تو لے سکتی ہے (مگر معروف اور جائز حد تک)۔ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ ایک بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے ہیں جو میرے اور بچوں کے لیے کافی ہو، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((خذي ما يكفيك من ماله ويكفي بنيك بالمعروف .))

''تو اس کے مال سے اس قدر لے لیا کر جو تجھے اور تیرے بچوں کو معروف انداز میں کافی ہو۔''[1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کو اس کے شوہر نے زندگی میں اس کا حق مہر اور دیگر مالی حقوق ادا کر دیے، تا کہ وہ اور اس کی اولاد اس سے فائدہ اٹھائیں۔ بعد میں اگر کوئی شخص اس عورت سے اس کا مدعی بنے اور اس سے قسم اٹھوانا چاہے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اس ظلم سے بچنے کے لیے قسم اٹھا لے؟

جواب: اگر شوہر نے بیوی کو اپنی اس اولاد کے لیے جو اس سے ہے، کوئی ہبہ دیا ہو اور وہ قبضے میں لے لیا گیا ہو اور اس میں کسی پر کوئی ظلم بھی نہ کیا ہو تو یہ ہبہ بالکل صحیح ہے، کسی کو حق نہیں ہے کہ اس کے متعلق جھگڑا کرے۔ اور اسی طرح اس نے اولاد کا حصہ اس عورت کے حوالے کر دیا ہو، اور عورت ان تصرفات کی اہل ہو تو کسی کو حق نہیں ہے کہ اس میں جھگڑا کرے، اور عورت کو قسم بھی اٹھانی پڑے تو اٹھا لے کہ میرے پاس میت کا کوئی حق نہیں ہے...... واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک عورت جو اپنے شوہر، اولاد اور گھر کے معاملات میں بڑی بے پروا ہے، حق ادا نہیں کرتی بلکہ مطالبہ کرتی ہے کہ مجھے نوکرانی لا کر دی جائے، اس کا یہ مطالبہ کس حد تک قابل قبول ہے؟

---

[1] صحيح بخاری، كتاب النفقات، باب اذا لم ينفق الرجل فللمرأة ان تاخذ بغير ما يكفيها وولدها، حديث: ٥٠٤٩ وصحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب قضية هند، حديث: ١٧١٤ وسنن أبی داود، كتاب الاجارة، باب فی الرجل باخذ حقه من تحت يده، حديث: ٣٥٣٢ وسنن النسائی، كتاب آداب القضاة، باب قضاء الحاكم علی الغائب اذا عرفه، حديث: ٥٤٢٠۔ فتویٰ میں ذکر کیے گئے الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ کے زیادہ قریب ہیں تاہم یہ روایت دوسری کتب احادیث میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ متعدد مقامات پر مروی ہے۔ (عاصم)

جواب: گھروں میں نوکرانیاں رکھنا اور اس کا مطالبہ کرنا فخر ومباہات کی علامت بنتا جا رہا ہے حالانکہ حقیقتاً اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس وجہ سے بسا اوقات گھر والے یا جوان اولاد کے اس کے ساتھ بدکاری کے حادثات پیش آ جاتے ہیں، جس طرح کہ اجنبی مردوں کو گھروں میں لے آیا جاتا ہے اور پھر وہ گھر کی عورتوں کے لیے فتنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لیے انتہائی اشد ضرورت کے علاوہ نوکر یا نوکرانیوں کو گھروں میں لانا مناسب نہیں ہے۔ اگر از حد ضروری ہو تو چاہیے کہ اس مو کے ساتھ اس کا محرم بھی ہو۔

اور یہ بیوی جو شکایت کرتی ہے کہ گھر کا کام کاج بہت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے نوکرانی مہیا کی جائے، تو اس کے شوہر کو چاہیے کہ وہ اس سے کہے کہ میں ایک اور مسلمان عورت سے شادی کر لیتا ہوں جو تیری ان کاموں میں مدد کیا کرے گی۔ اس طرح وہ اپنے اس مطالبے سے دست کش ہو جائے گی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ ایک مرد کے لیے یہ ایک مفید اور نافع دوا ہے۔ بیویاں جس قدر زیادہ ہوں گی اتنی ہی فضیلت ہے۔ اگر مرد ان کے واجبات ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو ایک پر قناعت کی بجائے تعداد بڑھانے کا سوچے۔ جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے:

''محبت کرنے والی بچے جننے والیوں سے نکاح کرو، بلاشبہ میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔'' ❶

اور اگر کسی مرد کو اندیشہ ہو کہ بیویوں کے مابین چپقلش ہوگی، تو ہم اسے کہیں گے کہ وہ تیسری شادی کر لے، اس سے پہلی دو کے درمیان جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ یہ ہمارا مشاہدہ ہے اور اس لیے زبان زد عام ہے کہ تین والے دو والیوں کی نسبت آسانی میں ہیں۔ اور اگر تین میں نزاع ہوتا ہو تو چوتھی لے آئے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک بیوی کے کیا حقوق ہیں اور اس کے ذمے فرائض کیا ہیں؟

جواب: بیوی کے لازمی واجب حقوق کچھ تو ایسے ہیں جن کی شریعت میں کوئی خاص تعیین نہیں ہے، بلکہ ان کا تعلق عرف اور معاشرت سے ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء : ٤/ ١٩)

''ان عورتوں کے ساتھ معروف (اور بھلے طریقے) کے ساتھ زندگی گزارو۔''

---

❶ صحیح ابی داود، کتاب النکاح، باب من تزوج الولود، حدیث : ٢٠٥٠، وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراھیة تزویج العقیم، حدیث : ٣٢٢٧۔ المستدرك للحاکم : ٢/ ١٧٦، حدیث : ٢٦٨٥۔ بعض روایات میں ہے ''میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسرے انبیاء پر فخر کروں گا۔'' مسند احمد بن حنبل : ٣/ ١٥٨، حدیث : ١٢٦٣٤۔ صحیح ابن حبان : ٩/ ٣٣٨، حدیث : ٤٠٢٨.

اور فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة : ٢/ ٢٢٨)

''اور ان عورتوں کے استحقاقات بھی اس کی مثل ہیں جو معروف انداز میں ان کے واجبات اور فرائض ہیں۔''

جو حقوق عرف معاشرہ میں رائج اور معلوم ہوں وہ واجب ہیں، اور جو رائج اور معروف نہ ہوں وہ واجب نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ شریعت کی مخالفت ہوتی ہو۔ اصل اعتبار شریعت کا ہے۔ مثلاً اگر کسی معاشرے میں عرف یہ ہو کہ مرد اپنے گھر والوں کو نماز یا حسن خلق وغیرہ کی تلقین نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا تو یہ عرف باطل ہے۔ اور اگر کوئی ایسی بات ہو جو شریعت کے خلاف نہ ہو (اور کوئی اس کی پابندی نہ کرے) تو سابقہ آیات میں اس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے۔

اور گھروں میں ذمہ دار حضرات پر واجب ہے کہ اپنے زیر کفالت عورتوں اور بچوں وغیرہ کے معاملے میں اللہ کا تقوی اختیار کریں، ان کے معاملے میں بے پروائی سے پرہیز کریں۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ گھر کا بڑا اپنے بچے اور بچیوں کے متعلق پوچھے ہی نہیں کہ وہ حاضر ہیں یا نہیں یا کہاں گئے ہیں۔ مہینوں مہینے گزر جائیں اور وہ اپنی بیوی یا بچوں کے ساتھ بیٹھے ہی نہیں، ان کی خبر گیری نہ کرے، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم اپنے بھائیوں کو خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر والوں کی دل جوئی، خبر گیری اور اصلاح میں کسی طرح سے غفلت کا شکار نہ ہوں۔ چاہیے کہ دن اور رات کا کھانا سب مل کر اکٹھے کھائیں، اپنی لڑکیوں اور بیٹیوں کو اجنبی غیر محرم مردوں کے ساتھ اکٹھے نہ ہونے دیں۔ لوگوں میں اس قسم کا عرف جو بنتا جا رہا ہے یہ بہت غلط اور شریعت کے خلاف ہے کہ کھانے پر محرم اور غیر محرم عورتیں مرد سب ہی اکٹھے ہوتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ گھر میں وہ جو کھانا وغیرہ تیار کرتی ہے اس پر وہ شوہر سے عوض طلب کرے؟

جواب: عورت (بیوی) پر واجب ہے کہ وہ عرف کے مطابق گھر کے سب کام بلا عوض سرانجام دے۔ کیونکہ معاشرے میں معلوم و معروف امور کی انجام دہی کا معاملہ ایسے ہی ہے گویا اس کی شرط کی گئی ہے۔ اور ہمارے علاقوں میں یہ معلوم و معروف ہے کہ گھروں میں کھانا پکانا وغیرہ عورتوں ہی کے ذمے ہوتا ہے، اور یہ کام اس کی ذمہ داری ہیں اور اس پر واجب ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: اگر کسی شوہر کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ برا ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر کی خدمت اور گھر کے لازمی امور سے انکار کر دے؟

❀ شوہر کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ برا سلوک اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء : ٤/ ١٩)

''ان عورتوں کے ساتھ معروف (اور بھلے طریقے) کے ساتھ زندگی گزارو۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی فرمان ہے: 'وان لزوج علیك حقا' ''بلاشبہ تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔''[1]

اور اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے ساتھ برا معاملہ کرتا ہے تو عورت کو چاہیے کہ اس کے مقابلے میں صبر کے ساتھ کام لے اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرے، تاکہ اسے اس پر اجر و ثواب ملے اور امید ہے کہ اس طرح سے اللہ اس شوہر کو بھی راہ ہدایت سجھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِى هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ﴾ (حم السجدہ: ۴۱/ ۳۴)

''بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ برائی کا جواب اس طرح دو جو بہت اچھا ہو (اس طرح تم دیکھو گے) کہ تم اور وہ جن میں دشمنی تھی ایسے ہو جائیں گے کہ وہ گرم جوش دوست ہے۔''

(مجلس افتاء)

سوال: اس عورت کا کیا حکم ہے جو گھر کے اخراجات میں سے کچھ چھپا لے اور اپنی ذات پر خرچ کرے، یا گھر میں کوئی ایسی چیزیں خرید لائے جن کا شوہر کو علم نہ ہو؟ اور اگر وہ یہ رقم اپنے عزیزوں کو دیتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر بیوی اس طرح کی رقم چوری سے اپنے اقرباء کو دیتی ہے تو اگر وہ معمولی ہو کہ عرفاً شوہر اس سے درگزر کر جاتا ہے یا اسے معلوم ہو کہ شوہر کو خبر ہو جائے تو وہ اس سے بگڑے گا نہیں، تو یہ مباح ہے۔ اور اگر وہ اپنی ذات کے لیے لیتی ہے، اور شوہر ایسا ہے جو اس کے معاملے میں بخیل ہے، اس کو اتنا خرچ بھی نہیں دیتا جسے ''نفقہ مثل'' کہا جا سکے، حالانکہ شوہر اس کا پابند سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس طرح کا خرچ ادا کرے، تو بیوی کے لیے جائز ہے کہ اس کے علم میں لائے بغیر معروف حد تک لے سکتی ہے، تاکہ اپنی ذات پر ''نفقہ مثل'' کے انداز میں خرچ کر سکے۔

صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا بھی نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، سوائے اس کے جو میں اس کو بتائے بغیر لے لوں؟'' تو آپ نے فرمایا:

((خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف.))

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لزوجك علیك حقا، حدیث: ۴۹۰۳۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر لمن تضرر به أو فوت به حقا أو لم یفطر، حدیث: ۱۱۵۹ وسنن النسائی، کتاب الصیام، باب صوم یوم وافطار یوم، حدیث: ۲۳۹۱ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۱۹۸، حدیث: ۶۸۶۷.

''اس قدر لے لیا کر جو معروف انداز میں تجھے اور تیرے بچوں کے لیے کافی ہو۔''❶

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت کا شوہر ہاتھ کا بہت کھلا ہے، بیوی بچوں پر اس قدر خرچ کرتا ہے جو حد اسراف میں آتا ہے۔ بیوی نے اسے بہت کہا ہے کہ اپنا مال کسی منافع بخش منصوبے میں لگاؤ مگر اس نے انکار کر دیا۔ تو کیا بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ گھر کے اخراجات میں سے کوئی تھوڑا بہت بچا کر کسی مناسب منافع بخش منصوبے میں لگا دے، جس کا شوہر کو علم نہ ہو۔ کیونکہ مستقبل کے حالات کی کوئی خبر نہیں ہے؟

جواب: اس عورت کے لیے جائز ہے کہ مناسب رقم پس انداز کر سکتی ہے جبکہ شوہر اسراف کی حد تک خرچ کرنے والا ہے، اور یہ جمع شدہ اس شرط پر ہوگی کہ یہ شوہر ہی کی ملکیت رہے اور اس عورت کی اپنی ملکیت نہ ہو، اس نیت سے کہ اگر کسی وقت حالات میں تنگی آئے تو یہ رقم اسے پیش کر دے گی یا خود ہی گھر کی ضروریات میں لے گی یا یہ نیت ہو کہ اگر شوہر کی وفات ہوگئی تو یہ مال اس کی ملکیت رہے گا (اور اس کے کام آئے گا)۔ ❷

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک خاتون کا سوال ہے کہ اگر کسی کا شوہر وفات پا جائے اور اس پر قرضہ ہو اور بیوی اسے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بلاشبہ قرض کا مسئلہ اہم ترین مسائل میں سے ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل میں فرمایا ہے کہ یہ شہادت سب گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے مگر قرض کا کفارہ نہیں بنتی۔ ❸ مسند امام احمد اور سنن ابی داود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه .))

---

❶ صحيح بخارى، كتاب النفقات، باب اذا لم ينفق الرجل فللمرأة ان تاخذ بغير ما يكفيها وولدها، حديث : ٥٠٤٩ وسنن النسائى، كتاب آداب القضاة، باب قضاء الحاكم على الغائب اذا عرفه، حديث : ٥٤٢٠۔ سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب ما للمرأة من مال زوجها، حديث : ٢٢٩٣ ومسند احمد بن حنبل : ٣٩/٦، حديث : ٢٤١٦٣ .

❷ وفات کی صورت میں واجب ہوگا کہ وہ اس مال کو ظاہر کرے اور وراثت میں تقسیم ہو۔ ورنہ حلال نہ ہوگا۔ (مترجم، سعیدی)

❸ صحيح بخارى، كتاب النفقات، باب اذا لم ينفق الرجل فللمرأة ان تاخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها، حديث . ٥٠٤٩ وسنن النسائى، كتاب آداب القضاة، باب قضاء الحاكم على الغائب اذا عرفه، حديث . ٥٤٢٠۔ سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب ما للمرأة من مال زوجها، حديث : ٢٢٩٣ ومسند احمد بن حنبل : ٣٩/٦، حديث : ٢٤١٦٣ .

''مومن کی جان اس کے قرض کے ساتھ لٹکی (یا اٹکی) رہتی ہے، حتیٰ کہ اسے ادا کر دیا جائے۔''❶

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس کا بھائی فوت ہوگیا، اور تین سو درہم چھوڑ گیا، اس کے بال بچے بھی تھے، سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ یہ رقم اس کے بچوں پر خرچ کروں گا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

((إن أخاك محبوس بدينه فاقض عنه .))

''تیرا بھائی اپنے قرضے میں پکڑا ہوا ہے، اسے ادا کرو۔''❷

کہتے ہیں کہ میں نے اس کا قرض ادا کر دیا، اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ سب قرضہ ادا کر دیا ہے، سوائے دو دیناروں کے، جن کی ایک عورت مدعی ہے، اور اس کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا: ''اسے دے دے، وہ سچی ہے۔''

اس حدیث کے بارے میں اہل علم کہتے ہیں کہ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قرضے کے بارے میں اطلاع تھی یا آپ کو بذریعہ وحی خبر دی گئی تھی کہ وہ عورت سچی ہے۔ مگر (فقہی طور پر قاعدہ یہ ہے کہ) ہر وہ شخص جو کسی میت پر قرضے کا مدعی ہو اور گواہ پیش نہ کر سکے، تو اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صبح کی نماز پڑھائی، اس سے فارغ ہوئے تو دریافت کیا، کیا یہاں آل فلاں کا کوئی آدمی ہے؟ صحابہ خاموش رہے، اور ان کی یہ عادت تھی کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کسی کا پوچھتے تو وہ خاموش رہتے تھے، اس اندیشے سے کہ کہیں اس کے بارے میں کوئی آیت ہی نازل نہ ہو چکی ہو، حتیٰ کہ آپ تین بار دہراتے، تو تیسری بار میں ایک آدمی نے کہا: میں حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول! وہ آدمی پیچھے سے اپنی چادر سنبھالتے ہوئے کھڑا ہوا۔ آپ نے پوچھا ''کیا بات تھی کہ پہلی دو بار میں تو نے جواب نہیں دیا؟ میں نے تیرا نام خیر ہی سے پکارا ہے۔ فلاں آدمی اپنے قرضے کی وجہ سے جنت سے روکا ہوا ہے، اگر چاہو تو اس کا فدیہ دے دو۔ جاؤ اور اس کا قرض ادا کرو، حتیٰ کہ کوئی کسی قسم کا مطالبہ کرنے والا باقی نہ رہے، اب وہ پکڑا ہوا ہے۔''❸

---

❶ سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء عن النبی انه قال نفس المومن معلقة بدینه، حدیث: ۱۰۷۸، ۱۰۷۹۔ سنن ابن ماجه، کتاب الصدقات، باب التشدید فی الدین، حدیث: ۲٤۱۳ والمستدرك للحاكم: ۲/ ۳۲، حدیث: ۲۲۱۹۔ السنن الکبری للبیهقی: ٤/ ٦۱، حدیث: ٦۸۹۱.

❷ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ۱۳٦، حدیث: ۱۷۲٦٦ وسنن ابن ماجه، کتاب الصدقات، باب اداء الدین عن المیت، حدیث: ۲٤۳۳.

❸ سنن النسائی، کتاب البیوع، باب التغلیظ فی الدین، حدیث: ٤٦۸٥ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ۲۰، حدیث: ۲۰۲٤٤، والسنن الکبری للبیهقی: ٦/ ٤۹، حدیث: ۱۱۰٤۹.

اس حدیث میں یہی بیان ہے کہ وہ بندہ اپنے قرض ہی کی وجہ سے جنت سے روکا گیا تھا۔

لیکن اگر کوئی بندہ کوئی قرض لیتا ہے، اور پھر اسے ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، پھر بھی اس کی ادائیگی سے عاجز رہتا ہے، اور ادائیگی سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ بیت المال سے اس کی ادائیگی کی جائے یا مسلمانوں میں سے کوئی اہل خیر اس کی طرف سے ادا کر دے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی طرف سے ادا کر دے گا دنیا میں یا آخرت میں، اور اس بارے میں صحیح احادیث آئی ہیں، مثلاً طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الدين دينان، فمن مات وهو ينوى قضاءه فإنا وليه، ومن مات وهو لا ينوى قضاءه فذلك الذي يؤخذ من حسناته وليس حينئذ دينار ولا درهم.))

"قرض دو طرح سے ہے۔ جو شخص فوت ہو گیا اور اس کی نیت تھی کہ وہ اسے ادا کرے (مگر نہیں کر سکا) تو میں اس کا ولی ہوں۔ اور (دوسرا) وہ شخص جو فوت ہو گیا اور اس کی ادا کرنے کی کوئی نیت نہیں تھی، تو یہی وہ شخص ہے جس کی نیکیاں لے لی جائیں گی (جبکہ) وہاں کوئی درہم و دینار نہیں ہوں گے۔"[1]

سنن ابن ماجہ میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما من مسلم يدان دينا علم الله منه أنه يريد أداءه إلا أدى الله عنه فى الدنيا والاخرة.))

"جو کوئی مسلمان قرض لیتا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ وہ اسے ادا کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے دنیا اور آخرت میں ادا کر دے گا۔"[2]

مستدرک حاکم کے الفاظ یہ ہیں:

((إلا تجاوز الله عنه وأرضى نمريمه بما شاء.))

"ایسے بندے کو اللہ معاف فرما دے گا اور اس کے قرض خواہ کو (اپنی طرف سے) راضی کر دے گا، جیسے چاہے گا۔"[3]

---

[1] المعجم الكبير للطبرانى: ٨/ ٢٤٣، حديث: ٧٩٤٩۔ الفاظ میں معمولی فرق ہے البتہ معنی ومفہوم وہی ہے جو فتویٰ میں ذکر کیا گیا ہے یا شیخ نے روایت بالمعنی بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الصدقات، باب من ادان دنيا وهو ينوى قضاء ه، حديث: ٢٤٠٨۔ سنن النسائى، كتاب البيوع، باب التسهيل فيه، حديث: ٤٦٨٦۔ 'والاخرة' کا لفظ حدیث میں نہیں ہے فتوی میں شاید کاتب/کمپوزر کی غلطی سے لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

[3] المستدرك للحاكم: ٢/ ٢٨، حديث: ٢٢٠٦.

مسند احمد میں بسند صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من حمل من أمتی دینا ثم جهد فی قضاءه فمات ولم یقضه فأنا ولیه .))

"میری امت کے کسی فرد نے اگر قرض لیا ہو، پھر اس کے ادا کرنے کی کوشش کی (یا اس کی ادائیگی سے لاچار ہو گیا) اور فوت ہو گیا اور ادا نہ کر پایا، تو میں اس کا ولی ہوں۔" ❶

بہرحال یہ احادیث اس بات پر محمول ہیں کہ فوت ہونے والا اگر مال چھوڑ گیا ہو تو اس کے وارثوں کو چاہیے کہ اس کے قرضے کی ادائیگی میں جلدی کریں، باقی ترکہ بعد میں تقسیم ہو۔ اور معروف بھی یہی ہے کہ پہلے قرضہ ہے پھر وصیت، بشرطیکہ تہائی سے زیادہ نہ ہو، پھر اس کے بعد وارثوں میں تقسیم ہو۔

صحیح مسلم میں ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تو اس میں کئی طرح کے ارشاد ہوتے...... ان میں یہ بات بھی ہوتی......

((من ترك مالا فلورثته ومن ترك ضياعا أو دينا فإلی وعلی فأنا اولی بكل مسلم من نفسه .))

"جو بندہ کوئی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے، اور جو بال بچے چھوڑ جائے یا قرض تو وہ میری طرف ہے، میرے ذمے ہے، میں ہر مسلمان کے لیے اس کی جان سے بھی قریب تر ہوں۔" ❷

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: قرآن مجید نے متعین کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک دور رہ سکتا ہے۔ مگر میرا یہاں ایک کمپنی کے ساتھ معاہدہ ہے اور مجھے چھٹی بھی سال بعد ملتی ہے بلکہ کام کی نوعیت سے اس مدت میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے، تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: سائل کا یہ کہنا کہ قرآن مجید نے شوہر کے لیے اپنی بیوی سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ مقرر کی ہے، غلط ہے یہ بات قرآن مجید میں نہیں ہے۔ یہ تحدید ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی بیویوں سے ایلاء کر لیں۔ یعنی جو شوہر یہ قسم اٹھا لے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ

❶ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٧٤، حدیث: ٢٤٤٩٩۔ السنن الکبری للبیهقی: ٧/ ٢٢، حدیث: ١٢٩٧٦۔ المعجم الاوسط للطبرانی: ٩/ ١٣٤، حدیث: ٩٣٣٨.

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة الاحزاب، حدیث: ٤٥٠٣۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تحفیف الصلاة والخطبة، حدیث: ٨٦٧ وسنن ابی داود، کتاب الخراج والفیء والامارة، باب فی ارزاق الذریة، حدیث: ٢٩٥٤۔ سنن النسائی، کتاب صلاة العیدین، باب کیف الخطبة، حدیث: ١٥٧٨۔ صحیح بخاری کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو دیگر روایات کی نسبت مختصر ہے۔ (عاصم)

مقرر کیے ہیں۔ فرمایا:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ﴾ (البقرة : ۲/ ۲۲۶)

''جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم اٹھالیں، ان کے لیے انتظار ہے چار ماہ کا۔''

اور یہ مسئلہ کہ شوہر اپنی بیوی سے دور اور غائب رہے، تو اگر بیوی اس غیاب اور غیر حاضری پر راضی ہو تو اس کے شوہر کو کوئی ضرر نہیں کہ وہ چار ماہ غائب رہے یا چھ ماہ یا سال یا دو سال، بشرطیکہ عورت کسی پُر امن علاقے اور ماحول میں ہو۔ اگر اس کا علاقہ اور ماحول پر امن نہ ہو تو شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اسے اس فساد زدہ ماحول میں چھوڑ کر سفر کر جائے۔ ایسے ہی اگر اس کا ماحول پر امن ہو مگر بیوی راضی نہ ہو تو اسے چار ماہ یا چھ ماہ سے زیادہ غائب رہنا، جیسے کہ قاضی فیصلہ دے، حلال نہیں ہے۔ شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے ساتھ معروف طور طریقے سے زندگی گزارے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں نے ایک دوشیزہ سے شادی کی جبکہ میری عمر سترہ سال تھی اور میں اپنے وطن سوڈان میں تھا۔ میں تین ماہ تک اپنی بیوی کے ساتھ رہا، پھر مجھے رزق حلال کی تلاش میں لیبیا آنا پڑا، اور اب مجھے دو سال ہو رہے ہیں کہ میں واپس اپنے ملک اور اپنی بیوی کے ہاں نہیں جا سکا ہوں، کیونکہ مصارف سفر پورے کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے، اور اب جبکہ ایک کار کے حادثے میں میرا بازو ٹوٹ گیا ہے اور اس وجہ سے بے کار بھی ہو گیا ہوں، ان حالات میں میرے لیے کیا حکم ہے کہ آیا میں اپنی بیوی کو طلاق بھیج دوں، کیونکہ پہلے ہی دو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں اور اس حادثے کی وجہ سے ممکن ہے مجھے اور بھی یہاں رکنا پڑے۔ خیال رہے کہ میری بیوی میرے والدین کے ہاں رہ رہی ہے اور اخراجات کے مسئلے میں اسے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ اس بارے میں آپ کی رہنمائی چاہیے کہ کیا کروں؟ وجزاکم اللہ خیرا .

جواب: جس طرح سے آپ نے بیان کیا ہے، اس میں آپ معذور ہیں اور آپ کو کوئی لازم نہیں ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیں۔ بالخصوص جیسے کہ آپ نے بیان کیا ہے کہ حادثے کی وجہ سے آپ سفر نہیں کر سکتے ہو تو آپ کی بیوی کے لیے تم پر کوئی حجت باقی نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ سفر کی قدرت رکھتے اور اس کے پاس آنا آپ کے لیے ممکن ہوتا اور آپ نہ آتے تو اس صورت میں اسے اختیار حاصل ہوتا کہ یا تو صبر کرتی یا آپ کا انتظار۔ اور یا اگر وہ آپ سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہو تو اسے انتظار کرنے کی مہلت دے دیں۔ (اور بظاہر آپ کا) اس مشکل سے نکلنا ان شاء اللہ بہت قریب ہے بشرطیکہ آپ کی نیت صالح اور عزم صادق ہو۔ اور اخراجات کے سلسلے میں آپ کا والد ذمہ داری نبھا رہا ہے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ (صالح فوزان)

سوال: میں نے سنا ہے کہ بہت سے شوہر جب سفر پر جانے لگتے ہیں یا لمبی مدت کے بعد واپس آتے ہیں تو اپنی

بیویوں کے سامنے نہیں آتے ہیں، کیا اس بات کی کوئی شرعی بنیاد بھی ہے؟ ❶

جواب: یہ باتیں جو ذکر کی گئی ہیں ان کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، اور رسم و رواج کو دین سمجھ کر ان کی پابندی کرنا بدعت ہے، چاہیے کہ انہیں ترک کیا جائے۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ آدمی جب لمبے سفر سے کافی دنوں کے بعد واپس آ رہا ہو تو رات کو اچانک اپنی اہلیہ کے پاس نہ آئے اور نہ اچانک دھوکے سے گھر میں داخل ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے کوئی ایسی چیز پائے جو ناپسندیدہ ہو اور پھر وہ اس کے لیے نفرت کا باعث بن جائے۔ بلکہ مہلت دے حتیٰ کہ بیوی کو شوہر کی آمد کی اطلاع ہو جائے اور پھر وہ اس کے استقبال کے لیے تیار بھی ہو سکے۔ یہ امور میاں بیوی کے مابین حسن معاشرت کے آداب میں سے ہیں، بلکہ ان کے مابین خیر و صلاح کے ضامن ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے آدمی کو رات کے وقت اپنے گھر آنے سے منع فرمایا ہے ❷ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ:

((إذا طال احدكم الغيبة فلا يطرق أهله ليلا .))

''جب تم میں کوئی لمبی مدت کے بعد واپس آئے تو رات کے وقت اپنے گھر والوں کے ہاں مت آئے۔'' ❸

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اذا دخلت ليلا فلا تدخل على أهلك حتى تستحد المغيبة وتمشط الشعثة .))

''جب تو رات کو پہنچے تو اپنی اہلیہ پر مت داخل ہو حتیٰ کہ غائب سمجھنے والی استرا استعمال کر لے اور

---

❶ **فائدہ:**...... دراصل بالخصوص نئے نئے شادی شدہ جوڑوں میں ایسے ہوتا ہے کہ فطری شرم و حیا اور معاشرتی آداب کے تحت وہ دوسرے افراد کی موجودگی میں اپنے مابین جذباتی انداز میں الوداعی یا استقبالی آداب نہیں بجا لا سکتے ہیں۔ ماں بیٹا یا بہن بھائی کے لیے یہ آداب بجا لانا قطعاً مشکل نہیں ہوتے جبکہ میاں بیوی کے لیے سب عزیزوں کے سامنے اپنے جذباتی تعلق کا اظہار بہت مشکل ہو سکتا ہے۔ بہر حال عمومی انداز میں سلام مصافحہ اور کلمات کا تبادلہ ہونا چاہیے، اور شرم و حیا کے تحت زوجین کا دوسروں کے سامنے انقباض کوئی عیب بھی نہیں ہے بلکہ شرم و حیا کا یہ مادہ اپنے اندر سراسر خیر کا حامل ہے۔ جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ((الحیاء من الایمان .)) ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان) (سعیدی)

❷ صحیح بخاری، کتاب الحج، ابواب العمره، باب لا یطرق اهله اذا بلغ المدینة، حدیث: ۱۷۰۷ ومسند احمد بن حنبل: ۳/ ۴۵۱، حدیث: ۱۵۷۷۴۔ مصنف ابن ابی شیبة: ۶/ ۵۳۷، حدیث: ۳۳۶۴۷۔ السنن الکبری للبیهقی: ۵/ ۲۶۰، حدیث: ۱۰۱۵۱۔

❸ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا یطرق اهنه لیلا إذا اطال الغیبة، حدیث: ۴۹۴۶۔ مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۳۹۶، حدیث: ۱۵۳۰۰۔

پراگندہ رہنے والی کنگھی وغیرہ کر لے۔''❶

تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اچانک تیاری کا موقع دیے بغیر اہلیہ کے پاس جانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر آمد سے پہلے اپنے آنے کی اطلاع دے دے اور متعین کر دے کہ فلاں وقت میں پہنچوں گا تو اس صورت میں وہ جس وقت بھی آئے جائز ہوگا، اسے اچانک داخل ہونے والا نہیں سمجھا جائے گا۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت جس کی عمر انتیس سال ہے، تقریباً دس بچوں کو جنم دے چکی ہے۔ آخری بچوں کی ولادت آپریشن سے ہوئی ہے۔ اب اس نے آپریشن سے پہلے اپنے شوہر سے اجازت چاہی ہے کہ کمزوری صحت کے پیش نظر نس بندی کرالے تاکہ آئندہ کے لیے ولادت کا سلسلہ منقطع ہو جائے، اور شوہر نے بھی اس کی اجازت دے دی ہے۔ اگر یہ مانع حمل گولیاں استعمال کرے تو اس کے لیے مضر پڑتی ہیں۔ کیا اس صورت میں نس بندی کرا لینے میں اس پر یا اس کے شوہر پر کوئی گناہ ہے؟

جواب: اگر ڈاکٹروں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ اس عورت کے لیے مزید ولادت نقصان دہ ہے اور شوہر بھی اس کی اجازت دیتا ہے تو اس نس بندی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: عزل کا کیا حکم ہے؟

جواب: عزل کے بارے میں کم از کم جو کہا جا سکتا ہے یہی ہے کہ یہ مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ مکروہ کے بارے میں علماء کے اقوال میں یہ ہے کہ اس میں ایک پہلو جائز ہونے کا بھی ہوتا ہے۔ یعنی بعض اوقات ایک کام جائز ہوتے ہوئے بھی مکروہ یعنی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

عزل کے جائز ہونے کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری ومسلم میں مروی ہے، کہتے ہیں کہ ''ہم عزل کیا کرتے تھے جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔''❷ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم یہ کام کرتے تھے اور قرآن کریم میں اس کے بارے میں منع کا کوئی حکم نازل نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ یہ بات ہمیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ارشادات سے معلوم ہوتی ہے جو آپ نے بیان فرمائے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب طلب الولد، حدیث: ٤٩٤٨ ومسند احمد بن حنبل: ٣/ ٢٩٨، حدیث: ١٤٢٢٠ وسنن النسائی الکبریٰ: ٥/ ٣٦٢، حدیث: ٩١٤٥۔ ان احادیث میں "تمشط" کے بجائے "تمتشط" ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ٤٩١١، وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل، حدیث: ١٤٤٠ وسنن الترمذی، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ١١٣٧ وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ١٩٢٧.

((تزوجوا الودود الولود فإنی مباه بکم الأمم یوم القیامة❶۔ وفی لفظ۔ 'مکاثربکم الامم یوم القیامة .))❷

''محبت کرنے والی، زیادہ بچے جنم دینے والی عورتوں سے نکاح کرو، بیشک میں قیامت کے دن تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

تو جو آدمی اپنی اہلیہ سے عزل کرتا ہے یقیناً رسول اللہ ﷺ کی اس رغبت اور شوق کے خلاف کرتا ہے، اور جو حکومتیں تحدید نسل یا خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ کے نام سے مختلف پروگرام چلا رہی ہیں، یہ سب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بڑی رغبت اور شوق کے برخلاف ہیں کہ آپ کثرت امت پر فخر کریں گے۔ دوسرے یہ عمل سراسر مغرب کی تقلید ہے جس میں ایک مسلمان، بچوں کی تربیت کے ایک عظیم اجر سے محروم ہوجاتا ہے۔ فرمایا:

((إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له .))

''ابن آدم جب فوت ہوجاتا ہے تو سوائے تین صورتوں کے اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ کوئی جاری رہنے والا صدقہ، یا نفع آور علم، یا نیک صالح بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔''❸

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((ما من المسلمين يموت لهما ثلا ثة من الولد إلا لم تمسه النار إلا تحلة القسم .))

''نہیں کوئی دو مسلمان میاں بیوی کہ ان کے تین بچے فوت ہوجائیں تو انہیں آگ چھوئے، سوائے قسم پوری ہونے کے۔''❹

---

❶ الفردوس بماثور الخطاب المعروف مسند الدیلمی : ۲/ ۱۳۰ ، حدیث : ۲۶۶۳۔ دیلمی کی اس روایت میں الفاظ یکسر مختلف ہیں البتہ "فانی مباہ بکم الامم" فتویٰ میں موجود الفاظ سے مشترک ہے۔ تاہم فتویٰ میں بیان کیے گئے الفاظ بعینہٖ مجھے نہیں مل سکے۔ واللہ اعلم وھو الغفور۔ (عاصم)

❷ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب من تزوج الولود، حدیث : ۲۰۵۰ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراھیة تزویج العقیم، حدیث : ۳۲۲۷ والمستدرك للحاکم : ۲/ ۱۷۶ ، حدیث : ۲۶۸۵ .

❸ صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الانسان من الثواب، حدیث : ۱۶۳۱ وسنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب فی الوقف، حدیث : ۱۳۷۶۔ سنن النسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقة عن المیت، حدیث : ۳۶۵۱ ومسند احمد بن حنبل : ۲/ ۳۷۲ ، حدیث : ۸۸۳۱۔ اس روایت میں ''ابن آدم'' کی جگہ "الانسان" کا لفظ ہے۔ واللہ اعلم۔ (عاصم)

❹ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب قول اللہ تعالیٰ: واقسموا باللہ جھدا بما فھم، حدیث : ۶۲۸۰ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب فضل من یموت له ولد فیحتسبه، حدیث : ۲۶۳۲ وسنن النسائی، کتاب الجنائز، باب من یتوفی له ثلاثة، حدیث : ۱۸۷۵۔ یہ متعدد مقامات پر مروی ہے اور ہر مقام پر مختلف الفاظ ہیں۔ (عاصم)

تو کفار کے پاس اس قسم کی فضیلتیں کہاں ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر کوئی مسلمان طبیب یا ڈاکٹر عورت کی صحت کے پیش نظر فیصلہ دے تو تحدید نسل جائز ہے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: خاندانی منصوبہ بندی یا تحدید نسل کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ آج کل کا ایک اہم مسئلہ ہے، اور اس بارے میں پوچھا بھی بہت جاتا ہے۔ چنانچہ کبار علماء کی مجلس کے گزشتہ اجتماع میں اس پر بحث بھی ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مانع حمل گولیوں کا استعمال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کے لیے یہ مشروع فرمایا ہے کہ ایسے اسباب وذرائع اختیار کریں جو ان کی نسل کو بڑھائیں اور امت کی کثرت ہو۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

((تزوجوا الولود الودود فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة❶۔ وفي رواية۔ 'الانبياء يوم القيامة .))❷

''زیادہ بچے دینے والی، محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو، بلاشبہ میں تمہاری کثرت کے سبب قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ ایک روایت میں ہے: دوسرے انبیاء پر فخر کروں گا۔''

امت اس امر کی بہت زیادہ محتاج ہے کہ اس کی تعداد کثرت میں ہوتا کہ وہ اللہ کی عبادت کرنے والے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں، اور اللہ کی توفیق سے مسلمانوں کا ان کے دشمنوں سے دفاع کرنے والے ہوں۔

واجب یہ ہے کہ منع حمل وغیرہ کے حیلے بہانے وغیرہ چھوڑے جائیں اور انتہائی خاص اہم ضرورت کے علاوہ اس کے استعمال کی اجازت نہ دی جائے۔ اور جہاں فی الواقع ضرورت ہو مثلاً عورت کے رحم میں کوئی بیماری اور خرابی ہو یا کوئی اور بیماری لاحق ہو جس میں حمل نقصان دہ ہو یا بچے بہت زیادہ ہو گئے ہوں کہ اب مزید کے لیے اس کی صحت متحمل نہ ہو سکتی ہو تو حسب ضرورت اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ بچے زیادہ ہوں تو وقفہ بڑھانے کے لیے گولیاں استعمال کی جا سکتی ہیں تاکہ سال دو سال کے لیے کچھ توقف ہو جائے اور عورت کو راحت مل جائے اور بچوں کی کماحقہ تربیت بھی کر سکے۔ لیکن اگر یہ گولیاں وغیرہ اس غرض سے استعمال کی جائیں کہ ملازمت اور نوکری کے لیے فراغت رہے، یا ویسے ہی رفاہیت (اور بے فکری) کی زندگی گزارے، یا اسی طرح کے دوسرے حیلے بہانے جو عام طور پر عورتیں بیان کرتی ہیں، تو یہ قطعاً جائز نہیں ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایسی عورت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو اپنے شوہر کی بات نہیں سنتی، نہ اس کا کہا مانتی ہے بلکہ اکثر میں اس کی مخالفت کرتی ہے مثلاً اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جاتی اور کبھی تو بتائے بغیر چپکے سے نکل

❶ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب تزوج الولود، حدیث : ٢٠٥٠ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراھیة تزویج العقیم، حدیث : ٣٢٢٧، والمستدرك للحاکم : ٢/ ١٧٦، حدیث : ٢٦٨٥ .

❷ مسند احمد بن حنبل : ٣/ ١٥٨، حدیث : ١٢٦٣٤ وصحیح ابن حبان : ٩/ ٣٣٨، حدیث : ٤٠٢٨ .

جاتی ہے؟

جواب: عورت پر واجب ہے کہ ہر اچھے کام میں اپنے شوہر کی اطاعت کرے، اس کی نافرمانی اس کے لیے حرام ہے، اور یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اسے بتائے بغیر بلا اجازت گھر سے باہر جائے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے:

((إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت أن تجيء فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح .))

''جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے، اور پھر شوہر اس پر غصے ہو کر رات گزارے تو اس عورت کو فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔'' ❶

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو کسی غیر اللہ کے لیے سجدے کا حکم دینے والا ہوتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اس وجہ سے کہ عورت پر اس کے شوہر کا بہت بڑا حق ہے۔'' ❷

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ....﴾ (النساء : ٤/ ٣٤)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، تو جو نیک بیبیاں ہیں مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) حفاظت کرتی ہیں، اور جن کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ، (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو، (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں) تو سزا دو۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ مرد عورت کا نگہبان، محافظ اور حاکم ہے۔ اگر عورت اس سے سرتابی کرے تو اسے حق ہے کہ تنبیہی امور اختیار کرے، اور یہ دلیل ہے کہ عورت پر واجب ہے کہ معروف میں اپنے

---

❶ صحيح بخاری، كتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدكم آمين والملائكة فی السماء، حديث : ٣٠٦٥ وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث : ١٤٣٦ وسنن ابی داود، كتاب النكاح، باب فی حق الزوج علی المرأة، حديث : ٢١٤١ ومسند احمد بن حنبل ٢/ ٤٢٩، حديث : ٩٦٦٩.

❷ سنن الرمذی، كتاب الرضاع، باب حق الزوج علی المرأة، حديث : ١١٥٩ ۔ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث : ١٨٥٢، ١٨٥٣ ومسند احمد بن حنبل : ٣/ ١٥٨، حديث : ١٢٦٣٥ ۔ مصنف عبدالرزاق : ١١/ ٣٠٠، حديث : ٢٠٥٩٤ ۔ فتویٰ میں مذکور الفاظ ''اس وجہ سے کہ عورت پر اس کے شوہر کا بہت بڑا حق ہے'' مسند احمد اور مصنف عبدالرزاق کے ہیں۔

شوہر کی اطاعت کرے اور ناحق مخالفت کرنا اس پر حرام ہے۔ (صالح بن فوزان)

سوال: میں اپنے شوہر کی مطیع فرمان ہوں اور اللہ کے احکام کی پابندی کرتی ہوں، لیکن میں اس سے خوشی اور بشاشت سے نہیں ملتی ہوں، کیونکہ وہ میرے متعلق لباس وغیرہ کے معاملے میں لازمی حق ادا نہیں کرتا ہے، حتیٰ کہ میں اس سے فراش میں علیحدہ رہتی ہوں، تو کیا اس بارے میں میں گناہ گار ہوں؟

جواب: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میاں بیوی پر واجب کیا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بہترین انداز میں زندگی گزاریں اور ہر فرد دوسرے کے حق میں اپنا فریضہ سرانجام دینے میں کوئی کمی نہ چھوڑے، تاکہ زوجیت کے فوائد و مصالح پوری طرح حاصل ہوں۔ شوہر ہو یا بیوی، ہر ایک کے لیے یہ ہے کہ اگر دوسرے فریق سے کوئی کمی یا قصور ہو اس پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرے اور اپنی طرف سے کسی کمی اور برائی کا مظاہرہ نہ کرے اور اپنا فریضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے حق کے لیے اللہ سے دعا کرے۔ یہی ایک صورت ہے جس سے خاندان محفوظ رہ سکتا ہے کہ ان کا آپس میں تعاون اور تعلق زوجیت قائم رہے۔

ہم سائلہ کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ کو جو اپنے شوہر کی طرف سے کمی اور قصور کا سامنا ہے اس پر صبر سے کام لیں، اور حق زوجیت کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ آنے دیں۔ اس کا نتیجہ ان شاء اللہ بہت ہی عمدہ ہوگا۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے اس طرح اپنا فرض ادا کرنے سے وہ شرمندہ ہوجائے گا۔ (صالح بن فوزان)

سوال: ایک شوہر نے دو سال سے اپنی بیوی کو چھوڑ رکھا ہے، نہ طلاق دی ہے نہ بچوں کے پاس واپس لایا ہے اور نہ ہی کوئی خرچہ دیا ہے۔ عورت کا کوئی ایسا قریبی بھی نہیں ہے جو اس پر خرچ کرے، اس کی حالت بڑی پریشان کن ہے، اللہ کے علاوہ اس کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس قسم کے شوہر کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، جس نے اپنی بیوی اور اپنے بچوں کی ماں کو اس طرح چھوڑ رکھا ہے جو ایسی دردناک حالت کو پہنچ گئی ہے؟

جواب: بلاشبہ بیوی کے بہت سے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا شوہر پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۲۸)

''اور ان عورتوں کے حق (مردوں پر) ویسے ہی ہیں جیسے دستور کے مطابق (مردوں کے) عورت پر۔''

اور نبی ﷺ کا فرمان بھی ہے:

((ان لنسائكم عليكم حقا .))

''بے شک تمہاری عورتوں کے تم پر حق ہیں۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب حق المرأة علی زوجها، حدیث: ۱۱۶۳، وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب حق المرأة علی زوجها، حدیث: ۱۸۵۱.

﴿فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۹)

''......پھر یا تو دستور کے مطابق اسے روکے رکھے (اور بیوی بنائے) یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دے۔''

وغیرہ بہت سے دلائل ہیں جو واجب کرتے ہیں کہ شوہر کو اپنی بیوی کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اس کے حقوق ادا کرے اور ان میں کوئی کمی نہ آنے دے، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی رخصت ہو مثلاً بیوی نافرمان ہو۔ (صالح بن فوزان)

سوال: کسی عورت کے لیے مانع حمل گولیاں استعمال کرنا کیسا ہے جبکہ اس کا شوہر بھی اس پر راضی نہ ہو؟

جواب: اپنے شوہر کی رضامندی کے بغیر ایسی گولیوں کا استعمال عورت کے لیے حرام ہے۔ کیونکہ اولاد شوہر اور بیوی دونوں کا حق ہے۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ مرد کے لیے اپنی بیوی سے اس کی رضامندی کے بغیر عزل کرنا حرام ہے۔ عزل سے مراد یہ ہے کہ مرد عورت کی شرمگاہ سے باہر ہی انزال کرے تا کہ عورت کو حمل نہ ہو۔ لیکن اگر اس کام کے لیے میاں بیوی دونوں راضی ہوں تو ان گولیوں وغیرہ کا استعمال جائز ہے، کیونکہ یہ عزل سے مشابہ ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ''ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔''[1] یعنی اگر یہ عمل ناجائز ہوتا بذریعہ قرآن (وحی) اس سے منع کر دیا جاتا۔

تاہم ان گولیوں کا استعمال مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رضا و رغبت کے خلاف ہے جو آپ اس امت کی کثرت سے چاہتے ہیں۔ اور میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان گولیوں کے موجد یہود وغیرہ مسلمانوں کے دشمن ہیں جو اس امت کو کمزور اور ہلاک کرنا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ یہ دوسروں کے دست نگر رہیں۔ کیونکہ جب تعداد کم ہوگی تو نسل کم ہوگی اور جب تعداد زیادہ ہوگی تو نسل بھی زیادہ ہوگی۔ اور دنیا میں زراعت، صنعت اور تجارت وغیرہ ہر چیز کا یہی قاعدہ ہے (کہ وہ جتنی زیادہ ہو اتنی یہ بڑھتی ہے) اور آج قوموں میں ہیبت اسی کی ہے جس کی تعداد زیادہ ہے، خواہ صنعت میں ان کی کوئی ترقی نہ ہو۔ گنتی اور تعداد ہمیشہ دشمن کو مرعوب کرتی ہے۔

ہم مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اپنے بچوں کی تعداد بڑھائیں، سوائے اس کے کہ خاتون بیمار ہو یا صحت اس کا ساتھ نہ دیتی ہو یا آپریشن وغیرہ کے باعث اس عمل کے قابل نہ رہی ہو۔ تو یہ خاص احوال وظروف ہیں جن کے اپنے الگ احکام ہوتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ۴۹۱۱، وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل، حدیث: ۱۴۴۰ وسنن الترمذی، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ۱۱۳۷ وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب العزل، حدیث: ۱۹۲۷.

سوال: کیا بے بی ٹیوب کا طریقہ اختیار کرنا جائز ہے؟ (یعنی کوئی مرد ڈاکٹر کے ذریعے سے اپنا مادہ اپنی بیوی کو منتقل کروائے)۔

جواب: نہیں یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ عمل اس بات کو لازم کرتا ہے کہ مرد ڈاکٹر عورت کی شرمگاہ کو عریاں دیکھے۔ اور عورتوں کی شرمگاہوں کو دیکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کہیں کوئی انتہائی خاص اہم ضرورت پیش آ جائے، اور ہم نہیں سمجھتے کہ یہ خاص ضرورت ہے کہ اس حرام طریقے سے کوئی ڈاکٹر مرد کا مادہ اس کی عورت کی طرف منتقل کرے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مرد ڈاکٹر اس مرد کی شرمگاہ کو عریاں دیکھے، اور یہ بھی جائز نہیں ہے۔ اور یہ طور طریقے اختیار کرنا سراسر مغرب کی تقلید ہے کہ جو وہ کریں ہم کرنے لگیں اور جسے وہ چھوڑ دیں ہم بھی چھوڑ دیں۔

اور یہ انسان جسے طبعی فطری طریقے سے اولاد حاصل نہیں ہوئی ہے (اور وہ یہ انداز اپنانے پر اتر آیا ہے) تو گویا وہ اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ اپنے کاروبار اور رزق کے معاملے میں حلال کی راہ اختیار کریں تو اس سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اولاد کے حاصل کرنے کے لیے بھی شرعی راستہ اختیار کیا جائے۔ (ناصر الدین الالبانی)

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو لعنت کرنا اور بیوی کا شوہر سے ظہار کرنا

سوال: شوہر اپنی بیوی کو عمداً لعنت کرے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، یا یہ طلاق کے حکم میں ہوگی اور اس کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: شوہر کا اپنی بیوی کو لعنت کرنا انتہائی غلط اور ناجائز کام ہے بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ''کسی مومن کو لعنت کرنا اس کے قتل کی مانند ہے۔''[1] اور فرمایا: ''کسی مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر کا کام ہے۔''[2] آپ نے یہ بھی فرمایا:

((إن اللعانين لا يكونون شهداء ولا شفعاء يوم القيامة .))

---

[1] صحيح بخاری، کتاب الادب، باب من اكفر اخاه بغير تاويل فهو كما قال، حديث : ٥٧٥٤۔ صحيح مسلم، کتاب الايمان، باب غلظ تحريم قتل الانسان نفسه، حديث : ١١٠ ومسند احمد بن حنبل : ٤/ ٣٣، حديث : ١٦٤٣٢، وسنن الدارمی : ٢/ ٢٥٢، حديث : ٢٣٦١ .

[2] صحيح بخاری، کتاب الايمان، باب خوف المومن ان يحبط عمله وهو لا يشعر، حديث : ٤٨ وصحيح مسلم، کتاب الايمان، باب بيان قول النبی صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، حديث : ٦٤۔ سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب الشتم(باب منه)، حديث : ١٩٨٣۔ سنن النسائی، کتاب تحريم الدم، باب قتال المسلم حديث : ٤١٠٥ تا ٤١١٢ وسنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب سباب المسلم، فسوق وقتاله كفر .

''جو لوگ لعنتیں کرتے ہیں وہ قیامت کے دن گواہ نہیں بن سکیں گے اور نہ سفارشی۔'' [1]

اس شوہر کو واجب ہے کہ اس بات سے توبہ کرے اور اپنی بیوی سے معافی طلب کرے۔ جو شخص خالص توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور بیوی اس کی عصمت میں باقی ہے، لعنت سے حرام نہیں ہو جاتی ہے۔ شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ معروف دستور کے مطابق زندگی گزارے اور اپنی زبان کو ہر ایسی بات سے محفوظ رکھے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہو۔ اور اسی طرح بیوی پر بھی واجب ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ معروف انداز میں گزر بسر کرے اور اپنی زبان کو ایسی باتوں سے بچائے جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہوں، یا شوہر کے لیے غصے کا باعث ہوں، سوائے اس کے کہ کوئی حق بات ہو۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء: ٤/ ١٩)

''اور ان عورتوں کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی گزارو۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٢٨)

''اور ان عورتوں کے لیے دستور کے موافق اسی طرح کے حقوق ہیں جیسے کہ ان کے فرائض، اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے۔'' (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی جو کھاتے پیتے گھر کی تھی، جبکہ وہ اس سے پہلے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے چکا تھا، اس نے شرط کی کہ اگر اس نے اپنی پہلی مطلقہ کو دوبارہ بسایا تو اس عورت کا حق مہر فوراً ادا کرے گا۔ چنانچہ شادی کے بعد اس نے اپنی پہلی مطلقہ کو اپنے گھر میں آباد کر لیا۔ پھر شوہر نے اور اس کی پہلی بیوی نے اس دوسری پر الزام لگایا بلکہ بدکاری کی تہمت لگا دی کہ یہ زنا سے حاملہ تھی۔ چنانچہ شوہر نے اسے (دوسری کو) طلاق دے دی جبکہ وہ اس سے دخول کر چکا تھا۔ اب ان دونوں پر کیا واجب ہے؟ کیا ان دونوں کی بات قابل تسلیم وقبول ہے؟ اور کیا اس سے حق مہر ساقط ہو جاتا ہے؟

جواب: پہلی مطلقہ عورت کو بسبب تہمت لگانے کے اسّی درے لگنے چاہئیں بشرطیکہ تہمت زدہ اس کا مطالبہ کرے اور یہ آئندہ ہمیشہ کے لیے گواہی کے معاملے میں ناقابل قبول ہوگی، کیونکہ یہ فاسقہ ہے، اور یہی حکم اس مرد کا ہے کہ اسے اسّی درے لگائے جائیں بشرطیکہ تہمت زدہ اس کا مطالبہ کرے اور یہ بھی ہمیشہ کے لیے مردود الشہادۃ ہوگا (یعنی اس کی گواہی کہیں قبول نہیں ہوگی) کیونکہ یہ فاسق ہے بشرطیکہ توبہ نہ کرے۔

اور یہ مسئلہ کہ کیا لعان سے حد (قذف) ساقط ہو جائے گی؟ اس میں فقہائے حنابلہ کے تین قول ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، كتاب البر والصلة والاداب، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، حديث: ٢٥٩٨۔ صحیح ابن حبان: ١٣/ ٥٦، حديث: ٥٧٤٦، ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٤٤٨، حديث: ٢٧٥٦٩.

(۱)...... لعان کرے۔ (۲)...... لعان نہ کرے۔ (۳)...... اور اگر بچہ ہو اور وہ اس سے انکار کرنا چاہتا ہو تو لعان کرے ورنہ نہیں۔ اور اس عورت کا حق مہر اس شوہر کے ذمے رہے گا، لعان سے ساقط نہیں ہوگا جیسے کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اور اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ سوائے اس کے جو ہم نے لعان کے بارے میں ذکر کیا، اس میں تین قول ہیں:

۱۔ لعان نہ کرے بلکہ اسے تہمت کی حد لگائی جائے اور شہادت ساقط کر دی جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی سب سے مشہور روایت یہی ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال میں سے ایک قول یہی ہے۔

۲۔ لعان کرے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور ایک قول امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

۳۔ اگر حمل ہو تو لعان کرے اگر شوہر اس کا انکار کرتا ہو، ورنہ نہیں۔ مذہب امام شافعی رحمہ اللہ کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: کیا بیوی پر لعنت کرنا طلاق کے معنی میں ہے یا نہیں؟

جواب: لعنت سے بیوی کو طلاق نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ اپنے شوہر کی عصمت ہی میں باقی رہتی ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر بیوی اپنے شوہر سے ظہار کا انداز اپنائے تو کیا یہ ظہار ہوتا ہے؟

جواب: اصحاب احمد رحمہ اللہ نے اس کیفیت کو اگرچہ شوہر کے ظہار کرنے پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ عورت پر کفارۂ ظہار واجب ہے، مگر یہ شرعی ظہار نہیں ہے، یہ قیاس ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں کفارہ کا جو حکم ہے وہ اس صورت میں ہے جب شوہر اپنی بیوی سے ظہار کرے۔ اور یہی روایت امام احمد رحمہ اللہ سے صحیح ہے۔ [1] (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے یوں کہے کہ اگر تو نے اس طرح کیا تو تو مجھ پر حرام ہے جیسے کہ میرا باپ، یا وہ اسے لعنت کرے، یا شوہر بیوی کے شر سے اللہ کی پناہ چاہے، یا اگر اس کے برعکس ہو تو ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟

جواب: بیوی اپنے شوہر کو اپنے لیے حرام ٹھہرائے یا اسے اپنے کسی محرم سے تشبیہ دے تو اس کا حکم قسم کا سا ہے، ظہار کا حکم نہیں ہے۔ کیونکہ ظہار قرآن کریم کی نص کے مطابق شوہر کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر اس طرح کی بات عورت کرتی ہے تو اس میں قسم کا کفارہ ہوگا کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، ہر مسکین کو آدھا صاع طعام (تقریباً سوا کلو) ملنا چاہیے جو علاقے میں معروف ہو۔ اگر وہ انہیں دن اور رات کا کھانا کھلا دے یا انہیں لباس دے دے

---

[1] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ جب عورت اس قسم کی یاوہ گوئی کرتی ہے تو اسے سخت تادیب کی جانی چاہیے اور اسے شرعی آداب معاشرت کی تعلیم دی جائے۔ اور بقول فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے، جیسے کہ اگلے فتویٰ میں مذکور ہے۔

تو یہ اسے کافی ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ﴾ (المائدہ: ٥/ ٨٩)

''اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا، لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے تو) مواخذہ کرے گا، تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے، جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا اس کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔''

اور کسی عورت کا اس چیز کو اپنے لیے حرام قرار دینا جو اللہ نے اس کے لیے حلال بنائی ہے، اس کا حکم قسم والا ہے، ایسے ہی اگر کوئی مرد اللہ کی کسی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے لیے حرام ٹھہراتا ہے تو اس کا حکم قسم والا ہے سوائے بیوی کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

(التحریم: ٦٦/ ١-٢)

''اے نبی اس چیز کو جو اللہ نے آپ کے لیے حلال بنائی ہے، اسے اپنے لیے حرام کیوں ٹھہراتے ہو، (کیا) آپ (اس سے) اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے، وہی تمہارا کارساز ہے اور خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔''

البتہ شوہر کا اپنی بیوی کو اپنے لیے حرام کہنا، اس کا حکم علماء کے صحیح تر قول کے مطابق ظہار والا ہوتا ہے، جب اس تحریم میں اس نے فوری یا کسی شرط کے ساتھ معلق کر کے بات کی ہو اور اس تعلیق میں کسی ترغیب وتشویق یا منع کی تصدیق وتکذیب والی بات نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی یوں کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے یا میری بیوی جب رمضان شروع ہوگا تو مجھ حرام ہوگی وغیرہ، تو ایسے کلام کا مفہوم اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق یہ ہے گویا اس نے کہا ہو ''تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میرے لیے میری ماں کی پشت۔'' اور اس طرح کی گفتگو انتہائی غلط اور حرام ہے اور جھوٹی بات ہے۔ ایسے آدمی کو اللہ کے ہاں توبہ کرنی چاہیے۔

اور ظہار کا کفارہ بیوی سے مساس سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِنكُمْ مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهٰتِهِمْ إِنْ أُمَّهٰتُهُمْ إِلَّا الّٰٓئِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَّإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ○ وَالَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○﴾ (المجادلہ : ۵۸/ ۲۔۴)

''جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں)۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو ہم بستر ہونے سے پہلے) ایک غلام آزاد کرنا (ضرور) ہے۔ (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے۔ اور جس کو غلام نہ ملے وہ ملاپ سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے، اور جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار ہو جاؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور نہ ماننے والوں کے لیے درد ناک عذاب ہے۔''

اور اس سلسلے میں واجب کھانا یہ ہے کہ علاقے میں معروف قسم کا ہو۔ ہر مسکین کو آدھ صاع (تقریباً سوا کلو) ملنا چاہیے۔ یہ اس صورت میں ہے جب صاحب معاملہ گردن آزاد کرنے یا روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

اور یہ مسئلہ کہ بیوی اپنے شوہر کو لعنت کرے یا اس سے پناہ مانگے، تو یہ اس کے حق میں ایک حرام کام ہے۔ اسے چاہیے کہ ایسی بات بولنے سے توبہ کرے اور اپنے شوہر سے معافی مانگے اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے اس کا شوہر اس پر حرام نہیں ہو جائے گا اور نہ کوئی کفارہ لازم آئے گا۔

اور ایسے ہی اگر شوہر اپنی بیوی کو لعنت کرتا ہے، یا اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہے، تو بیوی اس کے لیے حرام نہیں ہو جائے گی۔ اسے چاہیے کہ ایسی بات بولنے سے توبہ کرے اور بیوی سے معذرت کرے اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرے۔ کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کو، وہ مرد ہو یا وہ عورت یا وہ آپس میں میاں بیوی ہوں، ایک دوسرے کو لعنت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ کبیرہ گناہ ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی مومن کو لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مانند ہے۔''[1] اور فرمایا: ''لعنت کرنے والے لوگ گواہ نہیں بن سکیں گے اور نہ ہی سفارش کر سکیں گے۔''[2]

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر طرح کی عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسے تمام کاموں سے محفوظ رکھے جو اس کی ناراضی کا باعث ہوں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میری بیوی مجھے اکثر اس طرح سے کہتی رہتی ہیں کہ آپ ہی میرا شوہر ہیں، دنیا میں آپ ہی میرے بھائی ہیں، آپ تو ہی میرے باپ ہیں، اور آپ ہی میرے سب کچھ ہیں۔ کیا اس طرح کی بات سے میں اس کے لیے حرام ہو جاتا ہوں؟

جواب: اس قسم کی گفتگو آپ کو اس کے لیے حرام نہیں بناتی ہے۔ کیونکہ اس کا مفہوم اس طرح سے معلوم ہوتا ہے گویا وہ کہنا چاہتی ہے کہ آپ میرے نزدیک عزت واحترام میں ایسے ہیں جیسے میرا بھائی یا میرا باپ۔ یا آپ میرا اس طرح خیال رکھتے ہیں جیسے کہ کوئی بھائی یا باپ رکھتا ہے۔ وہ آپ کو حرمت کے معنی میں باپ یا بھائی نہیں کہتی ہے۔

اور اگر بالفرض اس نے یہ نیت کی ہو تو بھی آپ اس کے لیے حرام نہیں ہو جاتے ہیں، کیونکہ ظہار عورت کی طرف سے نہیں ہوا کرتا، بلکہ یہ شوہر کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت ظہار کے انداز میں اپنے شوہر کو اس طرح کہہ دے کہ تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میرے باپ کی یا میرے بھائی کی پشت وغیرہ، تو یہ ظہار نہیں ہوگا بلکہ اس کلام کا حکم قسم والا ہوگا، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ ملاپ کا اس وقت تک موقعہ نہ دے جب تک کہ قسم کا کفارہ نہ دے لے۔ کفارے کے بارے میں رخصت ہے کہ تمتع کا موقع دینے سے پہلے ادا کرے یا اس کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ اور قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا انہیں لباس مہیا کرنا ہے یا غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھنا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

متفرق مسائل

سوال: ایک دوشیزہ کو ایک نیک صالح نوجوان کا پیغام آیا ہے مگر وہ اس شادی سے انکار کر رہی ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ لڑکا ناپسندیدہ ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس کے گھر والوں میں غیبت اور چغل خوری کی بدعادت ہے۔ تو

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال، حدیث: ٥٧٥٤ و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ، حدیث: ١١٠ ومسند احمد بن حنبل ٤/ ٣٣، حدیث: ١٦٤٣٢ وسنن الدارمی: ٢/ ٢٥٢، حدیث: ٢٣٦١.

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا، حدیث: ٢٥٩٨۔ صحیح ابن حبان: ١٣/ ٥٦، حدیث: ٥٧٤٦، ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٤٤٨، حدیث: ٢٧٥٦٩.

کیا اس کا اس وجہ سے اس شادی سے انکار کرنا صحیح ہے؟

جواب: جب لڑکی کو علم ہے کہ اس کے گھر والوں نے اس پیغام دینے والے کا اس کے دین واخلاق کی بنا پر اس کے لیے انتخاب کیا ہے تو اسے چاہیے کہ اس پر اپنی رضا مندی کا اظہار کر دے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ اس کے گھر والے غیبت وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو اس کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ ان کے لیے ایک حرام کام ہے، جب اسے ایک صالح بر مل رہا ہے تو محض اس وجہ سے انکار کرنا درست نہیں ہے۔ ان کی اس خرابی کی اصلاح کرنا ممکن ہے کہ انہیں پند ونصیحت کی جائے یا اللہ کا خوف یاد دلایا جائے، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کی ایسی مجالس میں نہ بیٹھے جن میں ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ یہ ان کی ہر مجلس میں شرکت کرے جس میں غیبت وغیرہ ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کمزوری کی وجہ سے جس کی اصلاح ممکن ہے، جیسے کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ دوشیزہ ایک صالح شوہر سے محروم ہو جائے جس کا اس کے گھر والوں نے انتخاب کیا ہے، بلکہ اسے اس خیر اور بھلائی کو حاصل کر لینا چاہیے یعنی اس صالح آدمی سے شادی کر لے۔ واللہ اعلم۔ [1] (صالح فوزان)

سوال: ایک آدمی کو ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کم ہے، یا ممکن ہے بالکل ہی نہ ہو، البتہ صنفی ملاپ کے وہ ضرور لائق ہے۔ تو کیا اسے چاہیے کہ اپنے متعلق اپنی مخطوبہ (منگیتر) کو بتا دے یا خاموش رہے اور معاملہ اللہ کی تقدیر پر چھوڑ دے؟

جواب: اس آدمی کو چاہیے کہ اپنی مخطوبہ (منگیتر) کو اپنی طبی صلاحیت کے متعلق آگاہ کر دے، کیونکہ طبی تجربات سے یہ حقیقت سامنے آ چکی ہے کہ بعض مردوں میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کمزور اور بعض میں ناپید ہوتی ہے، تو اس صورت حال کے پیش نظر ان میاں بیوی کی معاشرتی زندگی میں الجھاؤ پیدا ہوسکتا ہے، بالخصوص جب عورت میں اولاد کی فطری خواہش اور طلب بھی موجود ہو۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((من غشنا فليس منا .))

---

[1] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ فضیلۃ الشیخ رحمہ اللہ کا مشورہ یقیناً صائب، عمدہ اور قابل عمل ہے، مگر اس صورت میں جب اس جوڑے کے لیے اپنا علیحدہ گھر ہو۔ اگر ایک مختصر گھر کے اندر مخلوط انداز میں رہائش ہو تو ان معاشرتی بیماریوں سے بچنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ بالخصوص جب گھر کے بڑے اور اہم افراد غیبت جیسے برے کام کے عادی ہوں تو اس گھر میں آنے والی نوعمر، نوخیز دوشیزہ کو ان سب لوگوں سے علیحدہ رہنا اور علیحدہ روش اختیار کرنا ایک بڑے امتحان میں پڑنے والی بات ہے۔ ہاں اگر یہ لڑکی اپنی عمر اور اپنے علم کی بنیاد پر مؤثر ہوسکتی ہو تو الگ بات ہے۔ شرعی اور اخلاقی اعتبار سے افضل اور اعلیٰ بات یہی ہے کہ ہر نئے تشکیل پانے والے جوڑے کے لیے ان کا اپنا علیحدہ گھر ہونا چاہیے۔ (سعیدی)

''جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

اس صورت حال میں دو تین سال کے بعد ان میاں بیوی کے مابین شقاق وافتراق پیدا ہو سکتا ہے، اور اس میں عورت کے لیے نقصان دینے کا پہلو بھی ہے۔ اور اس قسم کے آدمی کو اسی طرح کی کوئی اور عورت مل سکتی ہے تو یہ اس سے شادی کر لے یا کسی بیوہ اور مطلقہ سے نکاح کر لے، جس کی پہلے اولاد ہو اور اب اسے مزید اولاد کی خواہش نہ ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کسی عالی نسب لڑکی کو اس سے کم تر خاندان میں بیاہ دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: شرعی طور پر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ کسی عالی نسب لڑکی کو اس سے کم تر خاندان میں بیاہ دیا جائے بشرطیکہ وہ اس پر راضی ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں غیر بنی ہاشم میں کی تھیں، مثلاً حضرت عثمان بن عفان اور ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی حضرت صاحبزادی کی شادی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی، اسی طرح جناب حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی دختر سیدہ سکینہ نے چار آدمیوں سے شادی کی، اور ان میں سے کوئی بھی بنی ہاشم میں سے نہیں تھا۔ اور سلف میں بغیر کسی طعن وعیب کے یہ کام ہوتا رہا ہے۔

ہاں بعد میں ایسا ضرور ہوا ہے کہ کچھ علاقوں میں کچھ خاندان اپنی بیٹیوں کو اپنی برائی اور تکبر کی وجہ سے غیر خاندان میں نہیں دیتے ہیں اور واضح ہے کہ اس سے بے شمار خرابیاں اور فتنہ وفساد سامنے آتا ہے اور ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا بہترین نمونہ کافی ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: میری اپنی بیوی کے ساتھ تو تکار ہو گئی، تو میں نے اسے مارا جس سے اس کی ڈاڑھ ٹوٹ گئی، مگر اپنی جگہ سے نکلی نہیں۔ تو کیا اس صورت میں مجھ پر قصاص واجب ہے۔ کیا میں اپنی بیوی کے ساتھ جو میں نے اس کو نقصان پہنچایا ہے کوئی صلح کر سکتا ہوں؟ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں، وجزاکم اللہ خیرا

جواب: یہ بات انتہائی نامناسب ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا اس حد تک پہنچ جائے کہ اسے مارنے، زخمی کرنے یا دانت وغیرہ توڑنے تک نوبت آ جائے۔ یہ بات دو عام مسلمانوں میں بھی جائز نہیں ہے، کجا کہ میاں بیوی کے درمیان ہو۔ اللہ عزوجل نے انہیں بھلے اور دستور کے موافق زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ معاملہ کہ اس جھگڑے میں دانت ٹوٹ گیا ہے، تو اس میں کیا ہے؟ تو اس میں دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ آپ دونوں آپس میں صلح کر لیں۔ یا آپ بیوی تم سے درگزر کرے اور بالکل ہی معاف کر دے اور کوئی عوض نہ چاہے، اور یہ سب سے افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا فلیس منا، حدیث: ۱۰۱، وسنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب النهی عن الغش، حدیث: ۲۲۲۵ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۴۱۷، حدیث: ۹۳۸۵.

﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشورىٰ : ٤٢/ ٤٠)

''جو شخص معاف کر دے اور صلح کی بات کرے تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے۔''

یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ عوض اور بدل لے کر معاف کر دے۔ یہ بھی صلح کی ایک صورت ہے جو مسلمانوں کے اندر جائز ہے، سوائے کسی ایسی صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام ٹھہرائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس میں فیصلے اور دیت کا مطالبہ کرے، جو اس کا ادا کرنا واجب ہوگا، اس لیے شرعی عدالت کی طرف رجوع کرنا ہوگا تاکہ وہ اس معاملے کے اطراف و جوانب پر غور کرے۔ وہی اس بارے میں فیصلہ کرے گی کہ اس قصور میں وہ کس قدر مال کی مستحق ہے۔ (صالح بن فوزان)

سوال: کوئی شخص اپنی بیوی سے تعلق خاص کے راز ظاہر کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: میاں بیوی کے مابین ہنسی کھیل اور قربت میں بعض ایسی کیفیتیں ہوتی ہیں جو شوہر کی طرف سے ہوتی ہیں اور بعض بیوی کی طرف سے، جو ایک بڑی امانت ہیں۔ بعض اخلاق و کردار کے انتہائی کمزور اور عقل و انسانیت سے بے بہرہ لوگ اپنے ان رازوں کو افشا کر دیتے ہیں۔ جو انتہائی غلط اور برا کام ہے۔ حدیث میں ہے:

((إن من شرار الناس: الرجل يفضي إلى المرأة وتفضي إليه فينشر سرها .))

''بہت برے لوگوں میں سے ہیں وہ کہ مرد اپنی اہلیہ کے قریب ہو اور وہ اس کے قریب ہو پھر یہ اس کے راز کو افشا کر دے۔''[1] (محمد بن ابراہیم)

سوال: مرد اور عورت کے لیے شادی کی کون سی عمر مناسب ہے؟ کیونکہ بعض نوجوان لڑکیاں بڑی عمر کے مردوں سے، اور بعض مرد بڑی عمر کی عورتوں سے شادی قبول نہیں کرتے ہیں۔ ہم اس بارے میں آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔ جزاكم الله خيرا

جواب: میں نوعمر لڑکیوں کو نصیحت کروں گا کہ وہ شادی کے معاملے میں کسی مرد کی عمر کو رکاوٹ نہ بنایا کریں کہ وہ اس سے دس بیس سال بڑا ہے، یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال کی تھیں اور آپ ﷺ ترپن سال کے تھے۔ بڑی عمر ہونے کا کوئی نقصان اور حرج نہیں ہے، اور اسی طرح اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عورت بڑی عمر کی ہو۔ نبی ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبوت

---

[1] حدیث مبارکہ کے جو الفاظ فتویٰ میں ذکر کیے گئے ہیں وہ شاید بالمعنی ہیں۔ کتب احادیث میں موجود الفاظ مختلف ہیں۔ ان میں بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: أشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة ، اور اکثر روایات میں ان من اعظم الامانة عند الله يوم القيامة کے الفاظ ہیں۔ (عاصم) صحيح مسلم ، كتاب النكاح ، باب تحريم افشاء سر المرأة ، حديث : ١٤٣٧ وسنن ابى داود ، كتاب الادب ، باب فى نقل الحديث : ٤٨٧٠ ، ومسند احمد بن حنبل : ٣/ ٦٩ ، حديث : ١١٦٧٣ ، مصنف ابن ابى شيبة : ٤/ ٣٩ ، حديث : ١٧٥٥٩ .

سے پہلے شادی کی تو ان کی عمر چالیس سال اور نبی ﷺ کی پچیس سال تھی۔ اور یہ لوگ جو ریڈیو اور ٹی وی پر میاں بیوی کی عمروں کے فرق کو اپنا موضوع بناتے اور اس بارے میں نفرت پیدا کرتے ہیں، ان کا طرزِ عمل بالکل غلط اور ناجائز ہے۔ چاہیے کہ عورت اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھے۔ اگر وہ نیک، صالح اور مناسب ہو تو چاہیے کہ وہ اس کے لیے اپنی موافقت کا اظہار کر دے، خواہ عمر میں بڑا ہی ہو۔ اسی طرح مرد کو چاہیے کہ وہ بیوی کے انتخاب میں نیک، صالح اور دیندار خاتون کا انتخاب کرے، خواہ وہ عمر میں اس سے بڑی ہی ہو، بشرطیکہ اولاد کے قابل ہو۔ المختصر عمروں کا فرق شادی سے انکار کا عذر نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اسے کوئی عیب سمجھنا چاہیے، بشرطیکہ مرد یا عورت نیک اور صالح ہوں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک آدمی مریض ہے اور اس نے اپنی بیماری کی حالت ہی میں شادی کی ہے، تو کیا یہ عقد صحیح ہے؟

جواب: بیمار کا نکاح صحیح ہے (اور اگر وہ اس بیماری کے نتیجے میں فوت ہو جاتا ہے) عورت اس کی وارث ہوگی، جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے، اور یہ مہر مثل کی مستحق ہوگی، اس کے زیادہ کی نہیں، اور یہ متفقہ مسئلہ ہے۔

(امام ابن تیمیہ)

سوال: میں ایک نوجوان لڑکی ہوں اور میری شادی ہونے والی ہے، اور جو تاریخیں مقرر کی گئی ہیں وہ میرے ایام مخصوصہ کے دن ہیں تو کیا ان دنوں میں عقد صحیح ہے؟ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ وجزاکم اللہ خیرا

جواب: اس مسئلے کی مناسبت سے یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ عقد نکاح اور طلاق میں یہ فرق ہے کہ ایام حیض میں طلاق جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس طرح کی صورت حال کا علم ہوا تو آپ بڑے غضبناک ہوئے کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنی بیوی کو اس حالت حیض میں طلاق دی ہے۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ اس سے رجوع کریں، پھر انتظار کریں حتیٰ کہ وہ پاک ہو، پھر حیض آئے پھر پاک ہو، پھر اگر وہ چاہتے ہوں تو اسے اپنے پاس روکے رکھیں یا چاہے تو (مساس سے پہلے) طلاق دے دیں۔[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ....﴾ (الطلاق: ٦٥/ ١)

''اے نبی! جب تم لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاها، حدیث: ١٤٧١۔ سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی طلاق السنة، حدیث: ٢١٨٥۔ سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب وقت الطلاق للعدة التی امر الله عزوجل، حدیث: ٣٣٩٢۔ مصنف عبدالرزاق: ٦/ ٣٠٩، حدیث: ١٠٩٦٠.

عدت کو شمار کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جو تمہارا رب ہے، انہیں ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ ہی وہ نکلیں، سوائے اس کے کہ کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے............''

الغرض مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے، اور نہ اس طہر میں جس میں وہ اس سے ملاپ کر چکا ہو، سوائے اس کے کہ حمل نمایاں ہو چکا ہو۔ حمل واضح ہو جانے کی صورت میں جب بھی طلاق دے گا طلاق ہو جائے گی۔ اور عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ حمل میں طلاق نہیں ہوتی یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ہو جاتی ہے اور اس میں وسعت ہے، خواہ ان کا ملاپ بھی ہو چکا ہو تب بھی طلاق ہو جائے گی، برخلاف غیر حاملہ کے کہ اگر اس سے ملاپ ہو تو واجب ہے کہ انتظار کرے حتیٰ کہ حیض آ جائے پھر پاک ہو، اور اس طہر میں طلاق دے یا حمل نمایاں ہو جائے تو اس میں بھی طلاق ہو جائے گی۔ اور اللہ عزوجل نے سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق : ٦٥/ ٤)

''اور حمل والیوں کی مدت عدت یہ ہے کہ وہ بچے کو جنم دے لیں۔''

یہ واضح دلیل ہے کہ حمل کے دوران میں طلاق ہو جاتی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح بھی ہیں:

((مره فليراجعهما ثم ليطلقها طاهرا أو حاملا .))

''اسے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرے، پھر جب وہ طہر سے ہو یا حمل سے تو طلاق دے۔''[1]

یہ مسئلہ واضح ہو کہ ایام حیض میں نکاح جائز ہے، مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ شوہر کو بیوی کے پاس آنے سے پرہیز کرنا چاہیے، حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے، کیونکہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ کہیں حرام میں داخل نہ ہو جائے، بالخصوص جبکہ جوانی ہے تو اس میں وہ اپنے اوپر ضبط نہیں رکھ سکے گا اس لیے اسے انتظار کرنا چاہیے حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے اور پھر وہ پاکیزگی کی حالت میں اس سے تمتع کر سکے۔ واللہ اعلم۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک آدمی اپنی بیوی سے ایک لمبی مدت غائب رہا، حتیٰ کہ یہ گمان کیا گیا کہ کہیں گم ہو گیا ہے، تو اس کی بیوی نے ایک آدمی سے نکاح کر لیا یہاں تک کہ اس سے بچے بھی ہو گئے۔ کئی سال کے بعد پہلا شوہر واپس آ گیا۔ تو کیا اس عورت کا دوسرے مرد سے نکاح باقی رہے گا یا فسخ کیا جائے گا؟ کیا پہلے شوہر کو حق حاصل ہے کہ اپنی بیوی واپس حاصل کر لے؟ اگر یہ جائز ہے تو کیا ان کا نیا نکاح ہو گا؟

[1] صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغير رضاها، حدیث : ١٤٧١۔ السنن الکبری للبیہقی : ٧/ ٣٢٥، حدیث : ١٤٦٩٠ .

جواب: یہ مسئلہ ''مفقود الخبر کی بیوی کا نکاح'' کے نام سے معروف ہے۔ اگر کوئی شوہر گم ہو جائے اور اتنی مدت گزر جائے کہ اسے حتیٰ الوسع تلاش کیا گیا، ڈھونڈا گیا اور نہیں ملا، پھر فیصلہ کیا گیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے، تب وہ عورت عدت گزار کر دوسرے سے شادی کر لے۔ اس کے بعد اگر پہلا شوہر واپس آ جائے تو اسے اختیار ہے کہ اس کی بیوی کا دوسرا نکاح قائم رہنے دے یا اپنی بیوی واپس لے لے۔ اگر وہ اس نکاح کو قائم رکھتا ہے تو معاملہ واضح ہے (کہ وہ دوسرے ہی کی بیوی ہوگی)، اور اگر وہ اس نکاح کو قائم نہیں رہنے دیتا اور اپنی بیوی واپس لوٹانا چاہتا ہے تو اسے واپس کیا جائے گا، لیکن یہ اس سے صنفی ملاپ نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ دوسرے شوہر سے عدت پوری نہ ہو جائے اور اس پہلے شوہر کو اس عورت سے نیا نکاح کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی، کیونکہ کوئی ایسی وجہ نہیں پائی گئی جس سے اس کا پہلا نکاح باطل ہوا ہو اور نئے نکاح کی ضرورت ہو۔ اور اس عورت کے دوسرے شوہر سے جو بچے ہوئے ہیں وہ شرعی بچے ہیں، وہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں گے، کیونکہ وہ نکاح کے نتیجے میں ہوئے ہیں جس کی اسے اجازت دی گئی تھی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حضرۃ الشیخ! میں آنجناب سے اپنے ذاتی مسئلے میں مشورہ چاہتی ہوں، جو میرے ساتھ بہت ساری مسلمان بہنوں کو بھی درپیش ہے اور شاید ہمارے مقدر میں ایسے ہی ہے کہ ہم شادی کے بغیر ہی زندگی گزار دیں گی۔ ہماری عمر گزر رہی ہے اور سن یاس قریب آ رہا ہے اور ہماری طرف کوئی متوجہ نہیں ہے۔ ہم بحمد اللہ عمدہ اخلاق وعادات کے علاوہ یونیورسٹی کی سطح تک تعلیم یافتہ ہیں۔ مادی کمزوری کی وجہ سے کوئی ہماری طرف رغبت نہیں کرتا اور کچھ ہمارے ہاں کے رسم و رواج بھی خاص ہی ہیں۔ لوگ اپنے اخراجات کم کرنے کے لیے دو شادیاں اکٹھی کرتے ہیں۔ میں آپ سے نصیحت اور مشورہ چاہتی ہوں کہ میں اور میری جیسی بہت سی بہنیں کیا کریں؟

جواب: میں سائلہ کو اور اس جیسی دوسری لڑکیوں کو جن کی شادی کی عمر گزرتی جا رہی ہے یہی نصیحت کر سکتا ہوں کہ اللہ کے حضور دعا کریں اور گڑگڑائیں کہ ان کے لیے کوئی معقول دین واخلاق والا پسندیدہ بر میسر فرما دے۔ اور انسان جب پختہ عزم کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے اور دعا کے آداب اختیار کرے اور عدم قبولیت کے اسباب دور کرے تو اللہ عزوجل یقیناً سنتا اور قبول فرما لیتا ہے۔ اس نے فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾

(البقرۃ: ۲/ ۱۸۶)

''جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو (انہیں بتایئے کہ) میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے۔''

اور فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المومن: ۴۰/ ۶۰)

''اور تمہارا رب فرماتا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کو اس بات پر مرتب فرمایا ہے کہ بندہ اپنے رب کی بات قبول کرنے والا اور اس پر کامل یقین رکھنے والا ہو۔ تو میں اللہ کی طرف رجوع سے بڑھ کر اور کوئی چیز قوی نہیں پاتا کہ بندہ اسی کے حضور دعا گو رہے اور اپنی زاری وعاجزی کا اظہار کرتا رہے۔ اور مشکلات سے نکلنا صبر ہی کے ساتھ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا:

((وأعلم أن النصر مع الصبر وأن الفرج مع الكرب، وأن مع العسر يسرا.))

''یقین رکھو کہ نصرت اور مدد صبر کے ساتھ ہے، فراخی وکشادگی دکھوں اور تکلیفوں کے ساتھ ہے، اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔''[1]

میں ان کے لیے اور ان جیسی سب عورتوں کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ ان کے لیے آسانی پیدا فرمائے اور ان کے لیے نیک صالح بر مقدر فرمائے جو دین ودنیا کی صلاح کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوں۔ واللہ اعلم

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک خاتون پوچھتی ہے کہ میرے متعلق ایک قریبی نے پیغام بھیجا ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ غیروں میں شادی کرنا بچوں کے حوالے سے بہت بہتر ہوتا ہے۔ اس بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟

جواب: یہ بات کہ وراثت کا انسان کی زندگی میں اور آگے بھی اثر ہوتا ہے، کئی اہل علم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ انسان کی عادات اور اس کی ظاہری شکل وشباہت پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے بچے کو جنم دیا ہے اور وہ کالے رنگ کا ہے۔ اس میں اس کا اشارہ تھا کہ بچہ کیونکر کالا ہوسکتا ہے جب کہ ماں باپ دونوں سفید ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کیا تیرے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ کہا کہ سرخ ہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: وہ کہاں سے آ گئے ہیں؟ اس نے کہا: شاید ان کو کسی رگ نے کھینچا ہوگا! تو نبی ﷺ نے فرمایا:

''تیرا یہ بیٹا، اسے بھی کسی رگ نے کھینچا ہے۔''[2]

---

[1] المعجم الكبير للطبرانی: ١١/ ١٢٣، حدیث: ١١٢٤٣۔ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٣٠٧، حدیث: ٢٨٠٤۔ فتویٰ میں مذکورہ الفاظ المعجم الکبیر کی روایت کے ہیں۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المحاربين من أهل الكفر والردة، باب ما جاء فی التعريض، حدیث: ٥٤٥٥ وصحیح مسلم، کتاب اللعان، حدیث: ١٥٠٠، وسنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب إذا شك فی الولد، حدیث: ٢٢٦٠.

یہ دلیل ہے کہ وراثت کا انسان کی نسل پر اثر ہوتا ہے۔مگر اس کے بالمقابل آپ نے فرمایا ہے کہ:

''عورت سے نکاح چار وجہ سے کیا جاتا ہے: مال، خاندانی شرافت، حسن و جمال یا دین۔تو کسی دیندار کے متعلق کامیابی حاصل کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔'' [1]

الغرض کسی عورت کے لیے پیغام میں اس کا دین بنیاد ہونا چاہیے۔عورت جس قدر دیندار ہو اور صاحب جمال ہو اسی قدر بہتر ہے، خواہ وہ خاندانی طور پر قرابت دار ہو یا غیروں میں سے۔ کیونکہ دین والی اپنے شوہر کے مال اور اولاد کی زیادہ حفاظت کرنے والی ہوگی اور گھر کی تمام ضروریات پوری کرے گی اور اس سے شوہر کی نظر بھی بھٹکنے سے محفوظ رہے گی، اور وہ کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت نے اپنے والد کی وراثت میں سے اپنا حصہ لینے کے لیے عدالت میں مقدمہ دائر کرانے کے لیے ایک وکیل سے رابطہ کیا۔ اس نے اس کام کے لیے اس قدر رقم کا مطالبہ کیا جو وہ ادا نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اس نے عورت سے کہا کہ اگر تم مجھ سے شادی کر لو تو ان اخراجات کے سلسلے میں میرا کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔عورت شادی شدہ ہے، اس کے دو بچے ہیں، شوہر البتہ غیر ملک میں ہے اور اسے اور بچوں کا خرچ بھیجتا رہتا ہے۔ بہرحال عورت نے پہلے شوہر سے فسخ نکاح کے لیے اس وکیل کو اپنا نمائندہ بنا دیا اور وہ سب کچھ ہوگیا جو اس نے چاہا، اور اس دوران میں پہلے شوہر سے کوئی رابطہ نہیں کیا گیا، حالانکہ عورت کے پاس اس کا پتہ وغیرہ سب موجود تھا۔ اس نکاح کا کیا حکم ہے اور بچوں کے اخراجات اور تربیت کا کون ذمہ دار ہے؟

جواب: بلاشبہ یہ ایک فعل حرام، انتہائی قبیح جرم اور ایک باطل حیلہ ہے، جبکہ عورت پہلے ایک آدمی کی عصمت میں ہے اور وہ اسے اور اس کی اولاد کے لیے اخراجات بھی بھیجتا رہا ہے۔ اور اس وکیل نے جو اس کا نکاح فسخ کرایا ہے کہ خود اس سے نکاح کر لے، حالانکہ پہلے شوہر سے رابطہ ممکن تھا، اور اس کا عذر دیکھا جانا چاہیے تھا کہ وہ گھر کیوں نہیں آ رہا، اور پھر اسے ایک مناسب مدت کی مہلت بھی دی جاتی۔ الغرض اگر یہ فسخ حاکم شرعی کی طرف سے ہوا ہے اور اس نے اس مقدمہ کے تمام اسباب و جوانب ملاحظہ کیے ہیں اور فسخ کی وجوہ بھی دیکھی ہیں تو حاکم کے فسخ کرنے سے یہ نکاح فسخ ہوگیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ سب حرام ہے اور عورت پہلے شوہر کی عصمت میں ہے اور دوسرے کا نکاح حرام ہے، اور اولاد اپنی والدہ کے ساتھ ہے۔ اگر دوسرے آدمی نے ان کا انکار کیا تو یہ ذمہ داری عورت کے قرابت داروں یا بچوں کے والد کے قرابت داروں کی طرف منتقل ہوگی۔ اگر باپ جلد ہی واپس آ جاتا ہے تو وہ حسب احوال اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، حدیث: ٤٨٠٢، وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین، حدیث: ١٤٦٦ وسنن ابی داود، کتاب النکاح، باب ما یؤمر به من تزویج ذات الدین، حدیث: ٢٠٤٧ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراھیة تزویج الزنا، حدیث: ٣٢٣٠.

سوال: کیا فرح وسرور کی مجالس میں عورتوں کے اجتماع میں دولھا کو دلھن کے ساتھ بٹھانا جائز ہے؟

جواب: یہ کام بالکل ناجائز ہے، بلکہ بے حیائی اور فتنہ وفساد عام کرنے والی بات ہے بلکہ معاملہ بڑا ہی واضح ہے۔ دلھن تو ویسے ہی لوگوں کے سامنے آنے سے حیا کرتی ہے، تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اسے عین لوگوں کے درمیان دولھا کے ساتھ بٹھا دیا جائے۔ [1] (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: کیا عورت فوت ہوجانے والے مرد کی متروکہ موروثہ اشیاء میں سے ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ عورت کو مرنے والے شوہر کی متروکہ موروثہ اشیاء میں سے سمجھا جائے۔ فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾ (النساء : ٤/ ١٩)

''اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم (مرنے والے کے بعد) عورتوں کے (بھی) وارث بن جاؤ جب کہ وہ ناپسند بھی کرتی ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے عورت کو اپنی ذات میں ایک مستقل خود مختار حیثیت دی ہے اور اسے وارث بنایا ہے نہ کہ موروث۔ (صالح بن فوزان)

سوال: کیا کوئی عورت اپنی غیرت کے اظہار میں امہات المومنین کے کردار کو اپنے لیے دلیل بنا سکتی ہے؟

جواب: عورت اس وصف کے متعلق کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ غیرت اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عورت کی طبیعت میں پیدا کی ہوئی ہے۔ جب اس کیفیت سے امہات المومنین نہیں بچ سکی ہیں تو کوئی دوسری عورت کیسے بچ سکتی ہے؟ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر کوئی عورت محسوس کرے کہ اس کا شوہر اس سے بے رغبت ہے مگر وہ چاہتی ہے کہ اسی کے ساتھ زندگی گزارے، تو وہ کیا کرے؟

جواب: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

---

[1] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ فتویٰ و مسائل باوقار، باحیا اور اللہ کا خوف رکھنے والے مسلمانوں کے لیے ہیں۔ ورنہ ابلیسی قوتیں ایک مدت سے مختلف وسائل کے ذریعے سے مسلمانوں سے ان کے فطری خصائل، حیا وحجاب اور دین وشریعت کے آداب کو نوچ پھینکنے کے درپے ہیں۔ عورتوں کی بے حیائی، مرد و زن کا بے حجابانہ اختلاط، حتیٰ کہ نوعمر بچوں اور بچیوں کے مخلوط سکول جو نئی تہذیب بنی نوع انسان کے سامنے پیش کر رہی ہے، ان سب کا ہدف یہی ہے کہ مرد و زن کے درمیان جو فطری اور شرعی فاصلے ہیں، ختم کر دیئے جائیں۔ اور اب یہ وسائل بازاروں سے بڑھ کر گھروں میں بلکہ خواب گاہوں تک میں پہنچا دیئے گئے ہیں۔ ٹی وی، ڈش، وی سی آر، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور کیبل وغیرہ فواحش کو عام کرنے کے بڑے آسان اور سستے ذرائع ہیں اور مسلمانوں کی ایک تعداد بے فکری سے اور بعض مجبوری یا تغافل سے اس سیلاب بلا میں بہتے چلے جا رہے ہیں، جس کے نتائج بے حیائی اور فواحش ومنکرات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ واللہ المستعان (سعیدی)

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء : ٤/ ١٢٨)

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے کسی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو، تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں کوئی صلح کر لیں۔ اور صلح کر لینا بہت ہی بہتر ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جائز ہے کہ عورت اپنے کسی حق سے دست بردار ہو جائے مثلاً کسی قدر خرچ اخراجات یا لباس یا رات گزارنے وغیرہ کے امور جو اس کے لیے شوہر کی طرف سے لازم ہیں، مگر وہ اسے ان میں سے کسی سے بری الذمہ کر دے، اور شوہر بھی یہ پیش کش قبول کر لے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ''صلح کر لینا بہتر ہے۔'' یعنی علیحدگی کی بجائے یہ مصالحت بہتر ہے۔ پھر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اُمّ المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ پیش فرمایا ہے کہ جب یہ بڑی عمر کی ہو گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا تو سیدہ نے یہ پیش کش کی کہ آپ مجھے اپنے آپ سے علیحدہ نہ کریں، اور انہوں نے اپنے دن کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی، تو آپ نے اسے قبول کر لیا اور انھیں اپنے حرم میں باقی رکھا۔ [1]
(صالح بن فوزان)

سوال: کیا کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ شادی بیاہ کے اجتماعات میں شریک ہو اور اسی طرح سالگرہ وغیرہ کے پروگرام بھی ہوتے ہیں جبکہ یہ بدعت بھی ہیں اور بالخصوص شادیوں میں گانے بجانے والیاں بھی ہوتی ہیں اور پھر عورتیں رات رات بھر جاگتی رہتی ہیں۔ اور کیا دلھن کو دیکھنے کے لیے جانا بھی حرام ہے جبکہ نیت ان گھر والوں کا اعزاز و اکرام ہو، گانے سننے کی نیت نہ ہو؟

جواب: شادی بیاہ کے اجتماعات اگر شرعی منکرات سے خالی ہوں مثلاً مردوں عورتوں کا اختلاط نہ ہو، بے حیا فحش گانے وغیرہ نہ ہوں تو ان میں شرکت جائز ہے۔ یا پھر یہ ہے کہ اگر یہ ان شرعی منکرات کا ازالہ کر سکتی ہو تو اس کا شریک ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ ہمت و طاقت نہ ہو تو ان میں شریک ہونا حرام ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کے فرمان کے عموم کا تقاضا یہی ہے:

﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ (الانعام : ٦/ ٧٠)

---

[1] تفسیر ابن کثیر : ١/ ٧٤٧، تحت آیت ١٢٨ من سورہ النساء حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المرأة تهب یومها، حدیث : ٤٩١٤ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها نصرتها، حدیث : ١٤٦٣ وسنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، حدیث : ٢١٣٨.

''اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے، اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، ان سے کچھ کام نہ رکھو، ہاں اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہو تاکہ (قیامت کے دن) کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ پڑے، (اس روز) اللہ کے سوا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی۔''

اور فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (لقمان: ٣١/ ٦)

''اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کرے، اور اس سے استہزاء کرے، یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔''

علاوہ ازیں گانے کی مذمت میں بہت زیادہ احادیث آئی ہیں اور عید میلاد یا سالگرہ کے اجتماعات میں کسی مسلمان مرد یا عورت کو شریک ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بدعت ہیں۔ ہاں اگر کوئی اس نیت سے جائے کہ اس عمل کی قباحت واضح کرے اور اللہ کا حکم بتائے تو جائز ہوسکتا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک آدمی نے لڑکی سے شادی کی جو کنواری اور بالغہ تھی، پھر اس کا ملاپ ہوا تو اس نے اسے کنواری ہی پایا، پھر ان کے ملاپ کو چھ ماہ گزرے تھے کہ لڑکی نے ایک بچے کو جنم دے دیا۔ کیا یہ بچہ اس شوہر کی طرف منسوب ہوگا؟ جبکہ شوہر نے بھی (اپنی صداقت میں) طلاق کی قسم اٹھائی ہے اور کہا ہے کہ یہ میرا صلبی بچہ ہے۔ اور کیا اس طرح سے طلاق ہوجاتی ہے؟ خیال رہے کہ بچہ بالکل کامل الخلقت پیدا ہوا ہے، بلکہ اب تو کئی سال کا ہو چکا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب: اگر اس لڑکی اور اس کے شوہر کو ملاپ کیے چھ ماہ سے زیادہ گزر چکے تھے اور بچے کی ولادت ہوئی ہے تو یہ ملاپ خواہ ایک لحظہ ہی کے لیے تھا تو یہ بچہ اس شوہر ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اس طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا تھا کہ اس مختصر مدت میں (چھ ماہ میں) ولادت کا امکان ہے۔ ان کا استدلال اس آیت کریمہ سے تھا:

﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف: ٤٦/ ١٥)

''بچے کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھڑانا اڑھائی سال (تیس ماہ) میں ہوتا ہے۔'' [1]

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ٧/ ٣٤٩، حديث: ٤٣٤٤٣۔ السنن الكبرى للبيهقي: ٧/ ٤٤٢، حديث: ١٥٣٢٦۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے استدلال کرنے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ (عاصم)

اور فرمایا:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرة : ٢/ ٢٣٣)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔''

جب ان اڑھائی سالوں میں دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے تو حمل چھ ماہ کا ثابت ہوا۔ تو ان آیات میں یہی جمع و تطبیق ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت (چھ ماہ) اور رضاعت کی کامل مدت دو سال ہے۔ اگر بالفرض یہ شوہر اس سے انکار بھی کرتا (تو اس کی کوئی حیثیت نہ ہوتی) اور اس قصے میں تو اس نے اس کا اقرار کیا ہے اور اسے اپنا بیٹا کہا ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کسی مجہول النسب بچے کو اپنی طرف نسبت کرے اور دعویٰ کرے کہ ''یہ میرا بیٹا ہے'' تو باتفاق مسلمین اسے اس کی طرف منسوب کر دیا جائے گا، بشرطیکہ اس نسبت کا امکان موجود ہو۔ اور اس مذکورہ معاملہ میں جب کسی دوسرے نے اس بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے تو یہ شوہر اپنی قسم میں سچا ہے، وہ کسی طرح جھوٹا نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک شخص نے ایک مسلمان عورت سے شادی کی ہے جو پردے کی پابند نہیں ہے۔ شوہر اسے شریعت کی پابندی بالخصوص پردے کے بارے میں کہتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس نے کچھ اصلاح کر لی ہے مثلاً نماز پڑھنے لگی ہے، مگر پردے کے بارے میں تاحال بے پروا ہے۔ اس کے بارے میں شوہر کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ کیا اسے طلاق دے دے؟ اگر طلاق دینا واجب نہ کہا جائے تو کیا یہ اس کی بے پردگی کا ذمہ دار سمجھا جائے گا؟ جبکہ معروف قاعدہ یہ ہے کہ ہر انسان سے بس اس کے اپنے عملوں کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اور دوسری طرف یہ حدیث بھی ہے کہ: ''تم میں سے ہر شخص راعی اور ذمہ دار ہے اور وہ اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔''[1] اور دونوں نصوص میں کیا تطبیق ہو سکتی ہے؟

جواب: شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کو پردے کا اہتمام کرنے کی تلقین کرتا رہے کیونکہ پردہ واجب ہے۔ اسے چاہیے کہ اس کی ہر ممکن ہر طرح سے فہمائش کرے حتیٰ کہ وہ پردے کی پابند ہو جائے۔ اور بلاشبہ آدمی اپنے گھر والوں کا راعی اور ذمہ دار ہے اور بیوی بھی اس کی رعیت کا ایک فرد ہے۔ جب انسان ان امور میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور صبر سے بھی کام لے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان بنا دے گا اور اس کی کوششوں میں برکت دے گا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق : ٦٥/ ٤)

[1] صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، حدیث : ٨٥٣۔ صحیح مسلم، کتاب الامارات، باب فضیلة الامام العادل وعقوبة والجائر، حدیث : ١٨٢٩۔ سنن الترمذی، کتاب الجهاد، باب الامام، حدیث : ١٧٠٥ .

''اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے معاملے کو آسان بنا دے گا۔'' (مجلس افتاء)

سوال: جب بیوی نماز اور شرعی پردے کی پابند نہ ہو تو کیا شوہر پر اس کو طلاق دینا واجب ہے؟

جواب: اس قول کی بنا پر کہ نماز چھوڑنا کفر ہے، شوہر نے جب اسے ہر طرح سے سمجھایا اور حکم دیا ہے کہ وہ نماز پڑھا کرے اور وہ پھر بھی نہیں مانتی ہے تو ایسی عورت کو بطور بیوی رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور آیت کریمہ:

﴿وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طه: ۲۰/ ۱۳۲)

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس کی پابندی کر۔''

اس میں ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ ضمیر قریب ترین مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے، اور وہ ہے ﴿الصلاة﴾ تو اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ '' اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور نماز کی پابندی کرو۔'' اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النساء: ٤/ ٨٤)

''تو صرف اپنی جان کا مکلّف اور ذمہ دار ہے، اور مومنین کو ترغیب دے۔''

اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے، خواہ وہ سستی اور کسل مندی ہی سے چھوڑے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی معروف حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' بندے اور اس کے شرک اور کفر کے درمیان فرق نماز چھوڑنے کا ہے۔''[1] سنن ابی داؤد کے علاوہ دیگر سنن میں حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان نماز ہی کا عہد ہے، جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔''[2] یہ کہنا صحیح نہیں کہ جس نے ''نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے چھوڑا، وہی کافر ہے۔'' کیونکہ اس بات پر تو سب ہی کا اتفاق ہے کہ انکار کرتے ہوئے چھوڑنے والا کافر ہے۔ جناب عبداللہ بن شقیق، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اعمال شریعت میں سے نماز کے علاوہ کسی کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس کی سند بھی گزشتہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اور سبھی کا اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی شریعت کے کسی بھی کام کا انکار کر دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ تو کس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز کے تارک کا کوئی اور حکم بتایا جائے۔ کیونکہ اس پر بھی اتفاق ہے کہ وہ ان اعمال میں سے نہیں ہے جن کے ترک کو ''کفر دون کفر'' کہا جائے (یعنی کم درجے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلاة، حدیث: ۸۲، ومسند احمد بن حنبل: ۳/ ۳۸۹، حدیث: ۱۵۲۲۱.

[2] سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ترك الصلاة، حدیث: ۲۶۲۱، وسنن النسائی، کتاب الایمان، باب الحکم فی تارك الصلاة، حدیث: ٤٦٣ وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فیمن ترك الصلاة، حدیث: ۱۰۷۹.

کا کفر)۔ جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے آیت ذیل میں مذکورہ کفر کو ''کم درجے کا کفر'' کہا ہے [1] یعنی:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدة: ٥/ ٤٤)

''اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔'' (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے، یا کوئی شوہر بیوی سے اللہ کی پناہ طلب کرے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص دوسرے سے اللہ کے نام سے پناہ اور امان مانگے، تو اس پر واجب ہے کہ اللہ کے نام کی تعظیم کرتے ہوئے اسے پناہ اور امان دے۔ سنن ابی داود اور نسائی میں بسند صحیح روایت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کے نام سے سوال کرے اسے دو، اور جو اللہ کے نام سے پناہ اور امان مانگے اسے پناہ دو، اور جو تمہیں دعوت دے اس کی دعوت قبول کرو (یا جو تمہیں بلائے اس کو جواب دو)، اور جو تمہارے ساتھ احسان کرے اس کو بدلہ دو، اگر تم بدلے میں دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کرو (اس قدر) کہ تم سمجھو کہ تم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے۔'' [2]

اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب یہ چیزیں سائل پر مسئول کے لیے حقوق واجبہ کے طور پر واجب نہ ہوں مثلاً قرضہ، حقوق زوجیت اور قصاص وغیرہ۔ اگر سائل ان چیزوں کے متعلق مسئول سے اللہ کی پناہ اور امان مانگتا ہے، تو مسئول کو ایسی پناہ دینا واجب نہیں ہے، بلکہ سائل پر واجب ہے کہ ذمیہ حق ادا کرے، سوائے اس کے کہ فریق ثانی معاف کر دے۔ یہی صورت ہے کہ مسئلہ کے دونوں جوانب میں جمع و تطبیق ہو سکتی ہے۔

(مجلس افتاء)

سوال: اس شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور پھر طلاق دے دی، اس دوران میں وہ اس سے صرف اس حد تک قریب ہوا تھا کہ اسے پکڑا تھا اور اس کا بوسہ لیا تھا اور بس، تو کیا اس صورت میں اس کے لیے جائز ہے کہ اس عورت کی بیٹی سے نکاح کر لے؟

جواب: صورت مسئولہ میں قرآن کریم کا ارشاد ہے جس کا آپ نے حوالہ بھی دیا ہے:

---

[1] المستدرك للحاكم: ٢/ ٣٤٢، حديث: ٣٢١٩ السنن الكبرى للبيهقي: ٨/ ٢٠، حديث: ١٥٦٣٢.

[2] سنن ابى داود، كتاب الزكاة، باب عطية من سال بالله، حديث: ١٦٧٢۔ سنن النسائى، كتاب الزكاة، باب من سال بالله عزوجل، حديث: ٢٥٦٧ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٦٨، حديث: ٥٣٦٥۔ یہ روایت مختلف ترتیب الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ سنن ابی داود اور سنن نسائی میں پناہ سے متعلق الفاظ پہلے اور سوال سے متعلق الفاظ بعد میں ہیں۔ بہرحال فتویٰ میں مذکور ترتیب الفاظ کے ساتھ مختصر اور الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ بھی یہ روایت مروی ہے۔ دیکھیے: مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٩٩، حديث: ٥٧٤٣، صحيح ابن حبان: ٨/ ٢٠٠، حديث: ٣٤٠٩.

﴿....فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ....﴾ (النساء : ٤/ ٢٣)

''......اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو، ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔''

یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ حرمت تبھی آتی ہے کہ جب مباشرت اور جماع ہوا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس آیت میں ''دخلتم'' سے مراد ''جماع'' ہے۔ اگر کسی حلال عورت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کے علاوہ مباشرت ہوئی ہو تو مثلاً منکوحہ یا مملوکہ لونڈی ہو تو اس سے اس کی بیٹی اس پر حرام نہیں ہوگی۔

خلاصۃ القول یہ ہے کہ تمہیں رخصت ہے کہ اس عورت کی کسی بیٹی کے ساتھ بعد از عدت نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ آپ نے طلاق سے پہلے اس کے ساتھ اسے پکڑنے اور بوسہ لینے کی حد تک قربت کی ہو، کیونکہ یہ وہ دخول نہیں جس کی وجہ سے اس کی بیٹی کا آپ کے لیے حرام ہونا لازم آتا ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: جب ایک آدمی کے پاس ایک بیوی ہو اور پھر اسے طلاق دے دے اور اس کی عدت کے ایام ہی میں اس کی رضاعی بہن سے شادی کر لے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا؟

جواب: جب یہ ثابت شدہ ہو کہ اس کی رضاعت دو سال کی عمر کے اندر اندر ہوئی تھی، اور پانچ رضعات (پانچ بار) تھی، تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ کتاب اللہ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ........وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ (النساء:٤/ ٢٣)

''تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں............اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔''[1] جب یہ مطلقہ اپنی عدت مکمل کر لے، تب اگر یہ اس کی رضاعی بہن سے نکاح کرنا چاہے تو پیغام دے سکتا ہے۔[2] (محمد بن ابراہیم)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حديث : ٢٥٠٢، سنن النسائی، كتاب النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، حديث : ٣٣٠١، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حديث : ١٩٣٧ .

[2] شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے بھی اسی کے قریب قریب ایک سوال ہوا تھا کہ ایک شخص نے عدت کے دوران نکاح کر لیا تھا۔ تو ان کا جواب اس طرح ہے...... ''نکاح مذکورہ باطل ہے اور مہر واجب الاداء ہے۔ اور اگر عورت کو رکھنا منظور ہے تو ⇦

سوال: ایک عورت بدکاری کے نتیجے میں حاملہ ہوگئی ہے۔ اب اس کا ولی اسی زانی سے اس کا نکاح کر دینا چاہتا ہے جبکہ ابھی وضع حمل نہیں ہوا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حمل کی کوئی حرمت و کراہت نہیں ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے کہ زانی اس عورت سے نکاح کر لے؟

جواب: اس آدمی کو جائز نہیں ہے کہ اس عورت سے نکاح کر سکے حتیٰ کہ وہ توبہ کرے اور وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو۔ کیونکہ ان دونوں نطفوں میں (بصورت زنا اور بصورت نکاح) نجاست و طہارت اور طیب اور خبیث ہونے کا فرق ہے۔ اور ان کا صنفی ملاپ بھی حلال اور حرام کے اعتبار سے مختلف ہے۔ [1] (مجلس افتاء)

سوال: ایک لڑکی کا سوال ہے، کہتی ہے کہ میری عمر بائیس سال ہے، میرا ایک نوجوان سے تعارف ہوگیا اور پھر ہمارے درمیان وہ کچھ ہوگیا جو میں زبان پر نہیں لا سکتی۔ الغرض حمل ہوا جو پچاس دن کے بعد ضائع کرا دیا گیا، اور پھر میں نے توبہ کی ہے، خالص توبہ جو اللہ ہی جانتا ہے۔ جو کچھ ہوا اس پر میں انتہائی نادم اور شرمندہ ہوں اور میرا پختہ عہد ہے کہ آئندہ کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گی۔ میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ یہ نوجوان مجھ سے چاہتا

⇦ دوبارہ نکاح کیا جاوے۔ اور اگر ناکح کو قبل نکاح کے اس امر کا علم ہوگیا تھا کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی یا شک واقع ہوا تھا، مگر اس نے قصداً تحقیقات نہیں کی اور نکاح کر لیا، تو اس کو توبہ کرنا چاہیے۔ ادلہ ان کی ذیل میں لکھی جاتی ہیں:

﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣٥)

''جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح نہ کرو۔''

((عن عائشة رضی اللہ عنہا قال: أيما امرأة نكحت نفسها بغير اذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها.))

(رواه احمد والترمذی وابن ماجه والدارمی)

''جو عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت کے اپنا نکاح کرائے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اور اگر مرد اس سے صحبت کر چکا ہو تو اس کے عوض اس کا حق مہر ادا کرے۔'' (ملاحظہ ہو: فتاویٰ نذیریہ، جلد دوم، ص: ۹۳-۳۹۲) کتاب النکاح، ناشر مکتبہ المعارف الاسلامیہ گوجرانوالہ

[1] بلاشبہ کسی عفیف مرد یا عورت کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ اس قسم کے کسی بدخصلت سے نکاح کا تعلق قائم کرے۔ البتہ اس گناہ میں ملوث مرد و عورت کو آپس میں جوڑ دینے کی علمائے احناف نے رخصت دی ہے۔ فتاویٰ نذیریہ، جلد دوم، کتاب النکاح، ص: ۴۷۰ میں اس انداز کے چند ایک سوال و جواب موجود ہیں۔ ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

سوال: ایک عورت بیوہ کو ایک شخص کا حمل حرام کا ہے۔ اب یہ عورت مذکورہ انہی ایام حمل میں اسی شخص کے ساتھ جس کا اس کو حمل حرام ہے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح کر سکتی ہے تو بعد نکاح تا وضع حمل اپنے خاوند سے صحبت اور وطی وغیرہ کرا سکتی ہے؟ بموجب قرآن وحدیث کے جواب مرحمت فرمایا جائے۔

جواب: بیوہ مذکورہ ایام حمل میں اس شخص کے ساتھ جس سے اس کو حمل حرام کا ہے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ یہ دونوں زانی ہیں۔ اور زانیہ کا نکاح زانی سے جائز ہے۔ اور یہ شخص بعد نکاح کے اس بیوہ منکوحہ کے ساتھ وطی بھی کر سکتا ہے، کیونکہ یہ حمل اس شخص کا ہے، استبرائے رحم کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (سید محمد نذیر حسین)

ہے کہ ہم شادی کر لیں مگر اس شرط سے کہ ہم دونوں کے گھر والوں میں کسی کو اس کی خبر نہ ہو، سوائے میری ماں کے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس کی ماں کو خبر ہوگئی تو قسمیہ طور پر مجھے طلاق ہو جائے گی۔ براہ مہربانی مجھے بتلایے کہ آیا میرا اس شخص سے نکاح اللہ تعالیٰ کے ہاں معافی سمجھا جائے گا اور کیا یہ عمل میری توبہ کی تکمیل سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا ان شروط کے تحت نکاح صحیح ہے؟ اور یہ بچہ جو میں نے ساقط کرایا ہے اس کا کیا فدیہ ہے جو میں ادا کر دوں؟ اور پھر اس سب کچھ کے بعد جو ہمارے درمیان ہوا، ہمارا نکاح صحیح ہوگا؟

جواب: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک بڑی مصیبت۔ معلوم ہوتا ہے کہ فحاشی وبدکاری عام ہو رہی ہے، اور کسی جانب سے اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھ رہی! شاید یہ حالات اس صحیح حدیث کا مصداق ہیں جو صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((إن من اشراط الساعة: أن يرفع العلم، ويثبت الجهل، ويشرب الخمر ويظهر الزنا.))

''بلاشبہ قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت عام ہو جائے گی، شراب پی جائے گی اور زنا عام ہو جائے گا۔''[1]

اور یقیناً ان ہلاکتوں کی طرف میلان کا واحد سبب یہی ہے کہ لوگ اللہ عزوجل اور اس کی حدود سے جاہل ہیں، اور علم کی دو جوانب ہیں: ایک اللہ تبارک وتعالیٰ (کی عظمت وجلال اور جبروت) کا علم اور دوسرے اس کی متعین کردہ حدود کا علم۔ اور صحیح بخاری میں حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن مما أدرك الناس من كلام النبوة إذا لم تستح فاصنع ما شئت.))

''گزشتہ انبیاء کی تعلیمات میں سے ایک بات جو لوگوں کو فی الواقع معلوم ہوئی ہے، یہ ہے کہ ''بے حیا بن اور جو جی چاہے کر۔''[2]

الغرض سوال کرنے والی لڑکی کے متعلق مجھے اللہ عزوجل سے کامل امید ہے کہ وہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے بندے کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان بھی ہے:

---

[1] صحيح بخاري، كتاب العلم، كتاب رفع العلم وظهور الجهل، حديث: ٨٠۔ صحيح مسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن، حديث: ٢٦٧١ ومسند ابى يعلى: ٧/ ١٩٣، حديث: ٤١٧٩ ومسند احمد بن حنبل: ٣/ ١٥١، حديث: ١٢٥٤٩.

[2] صحيح بخاري، كتاب الادب، باب اذا لم تستح فاصنع ما شئت، حديث: ٥٧٦٩۔ سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحياء، حديث: ٤١٨٣۔ سنن ابى داود، كتاب الادب، باب فى الحياء، حديث: ٤٧٩٧.

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًاo وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًاo يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًاo اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo﴾ (الفرقان : ٢٥/ ٦٨۔٧٠)

''اور اللہ کے بندے وہ ہیں .... جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی جان کو، جسے مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے، اسے قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ، اور بدکاری نہیں کرتے، اور جو یہ کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا، قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہوگا، اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا، مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے تو وہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور ان آیات کے سبب نزول میں یہ ہے جیسے کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگ جو ناروا قتل کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اور بدکاریوں میں بھی ملوث رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں، بہت اچھا ہے، تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جو ہم کر چکے ہیں اس کا کوئی کفارہ بھی ہے؟ تو اس پر یہ نازل ہوا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُo وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَo﴾ (الزمر : ٣٩/ ٥٣۔٥٤)

''اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ واقع ہو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر لو اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ، (ورنہ) پھر تم کو مدد نہیں ملے گی۔''[1]

ان آیات میں یہی شرط ہے کہ اللہ کی طرف جھکا جائے اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ ان کے علاوہ سورۃ الفرقان کی مذکورہ بالا آیات بھی نازل ہوئیں ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ .....﴾۔ میں اس لڑکی سے یہی کہتا ہوں کہ آپ کے لیے اس آدمی سے شادی کرنا حلال نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ بھی اس

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الزمر، حدیث: ٤٥٣٢، وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ، حدیث: ١٢٢.

طرح کی بدکاری سے توبہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورت کے لیے حرام ٹھہرایا ہے کہ وہ کسی بدکار سے نکاح کرے اور ایسے ہی مسلمان مرد کے لیے حرام ہے کہ وہ کسی بدکار عورت سے نکاح کرے:

﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النور : ٢٤/ ٣)

''بدکار مرد بدکار یا مشرک عورت کے سوا کسی سے نکاح نہیں کرتا، اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا، اور یہ (بدکار سے نکاح کرنا) مومنوں پر حرام ہے۔''

یہ الفاظ اگرچہ خبر یہ ہیں مگر مراد نہی اور منع ہے۔ تو اگر وہ توبہ کر چکا ہو تو اس سے نکاح کی شرط یہ ہے کہ آپ کا ولی اس سے آپ کا نکاح کرے۔ اور اس مرد سے نکاح اس کبیرہ کی وجہ سے قطعاً نہیں ہے جو آپ کے درمیان واقع ہو چکا ہے، اس حادثہ کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

بہر حال میں آپ کو توبۃ النصوح کی اور کثرت سے اعمال خیر کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ (هود: ١١/ ١١٤)

''اور دن کے دونوں اطراف (صبح وشام) اور رات چند ساعات میں نماز پڑھا کرو، کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ان کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔''

ایسے ہی سورۃ الفرقان کی آیات جو پیچھے گزری ہیں، جن میں ہے کہ ...... الا من تاب...... الخ ''یعنی جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔'' (الفرقان:٧٠)

آپ کا اس آدمی سے شادی کر لینا توبہ یا اس گناہ کی مغفرت کی شرط نہیں ہے، بلکہ وہ صرف توبہ کرنا ہے اور اعمال صالحہ کثرت سے کرنا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ ہمیشہ اللہ سے ڈرتی رہیں، کہیں دوبارہ آپ کے قدم نہ ڈگمگا جائیں، اور نکاح کے لیے آپ کے ولی کا ہونا شرط ہے، بشرطیکہ اس آدمی نے بدکاری سے توبہ کر لی ہو اور آپ کے ولی کے ذریعے سے نکاح کرے، کیونکہ وہ اور آپ دونوں ہی اپنے معاملے سے آگاہ ہیں اگر اندیشہ ہو کہ آپ کی رسوائی ہو سکتی ہے تو اسی سے شادی کر لیں۔

اور وہ بچہ جس کا آپ نے اسقاط کرایا ہے، اس بارے میں اللہ عزوجل سے توبہ ہی کریں، خالص توبہ۔ اس کے علاوہ اور کوئی کفارہ نہیں ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک آدمی نے ایک کنواری لڑکی سے بدکاری کی، اور اب اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہے؟

جواب: اگر واقعہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے تو اولاً ان دونوں پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف توبہ کریں، اس جرم سے باز آ جائیں اور اس بدکاری سے جو ان سے ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کریں اور یہ عزم بھی کریں کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔ اور کثرت سے اعمال خیر اپنائیں، امید ہے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما کر ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا٥ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا٥ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا٥ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا٥﴾

(الفرقان: ٢٥/ ٦٨-٧١)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریقے سے (یعنی شریعت کے حکم سے)، اور بدکاری نہیں کرتے، اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا، قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہوگا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

اور اگر یہ آدمی اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو واجب ہے کہ لڑکی کو ایک حیض سے استبراء کرائے۔ اگر معلوم ہو کہ اسے حمل ہے تو اسے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے تاآنکہ وضع حمل ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا یہی تقاضا ہے:

"آپ نے منع فرمایا ہے کہ آدمی کسی دوسرے کی کھیتی کو پانی دے۔" [1] (مجلس افتاء)

سوال: ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی، جبکہ اسے معلوم تھا کہ وہ زنا سے حاملہ ہے؟

جواب: اس معاملے کا حکم یہ ہے کہ عورت کو رجم کیا جائے، کیونکہ اس کا زنا ثابت ہو چکا ہے اور وہ شادی شدہ ہے، اور شادی کرنے والے مرد کو تعزیر لگائی جائے، اور حق مہر سے محروم کر دیا جائے کہ اس نے علم ہونے کے باوجود اس سے ساز باز کر کے نکاح کیا۔ اور جس شخص نے نکاح پڑھایا ہے اسے بھی تعزیر لگائی جائے۔

(محمد بن ابراہیم)

---

[1] سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی وطی السبایا، حدیث: ٢١٥٨ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٠٨، حدیث: ١٧٠٣١.

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہتا ہے کہ میری بیوی نے بچے کو جنم دیا ہے جو نہ مجھ سے مشابہ ہے اور نہ اس سے؟

جواب: اسی طرح کا ایک واقعہ نبی ﷺ کے دور میں بھی ہوا تھا۔ صحیحین میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنوفزارہ کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میری بیوی نے ایک کالے کلوٹے بچے کو جنم دیا ہے، (اس انداز گفتگو سے) وہ گویا بچے سے انکار کا اشارہ کر رہا تھا۔ تو نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تیرے کچھ اونٹ بھی ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے پوچھا: کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا: سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا: ان میں کئی سیاہی مائل بھی ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کیسے آ گئے؟ اس نے کہا: شاید ان کو کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔ تو آپ نے فرمایا: ''تو ہوسکتا ہے اس کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔''[1] [مرد اور عورت دونوں سفید ہوتے ہیں اور بچہ کالا ہوتا ہے] تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو بچے سے انکار کی اجازت نہیں دی۔

میں بھی اس سائل سے یہی کہوں گا کہ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، شاید اس بچے کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔ جو لوگ علم حیاتیات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ زوجین میں کچھ صفات تو فوری نمایاں ہوتی ہیں اور کچھ تاخیر سے۔ اور تاخیر سے نمایاں ہونے والی صفات بعض اوقات تیسری نسل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی سفید آدمی کسی سیاہ عورت سے شادی کر لے، تو آپ دیکھیں گے کہ ان کے بچے سفید ہوں گے۔ اور ممکن ہے کہ دوسری نسل میں کچھ بچے سفید اور کچھ سیاہ ہوں ایک اور تین کی نسبت سے۔

میری اس سائل کو یہی نصیحت ہے کہ ان باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو، سوائے اس کے آپ اپنی بیوی کو بدکاری کا الزام دیں۔ علمائے شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر شوہر اپنی عورت کو کسی مرد سے متہم کرے، اور پھر بچہ بھی اس متہم آدمی کے رنگ کا ہو تو شوہر کو انکار کا حق ہے۔ تو آپ کا معاملہ بھی اسی انداز کا ہے کہ اگر اس بچے کی ولادت سے پہلے آپ نے اس پر کوئی الزام لگایا ہو اور پھر اب بچہ اسی شخص سے مشابہ ہو، جس کا آپ نے الزام لگایا تھا تو علمائے شافعیہ کی رو سے آپ کو اس بچے سے انکار کی اجازت ہے۔ لیکن اگر آپ کے معاملات سلامتی والے اور ان شبہات سے پاک ہیں تو آپ کے یہ خیالات شیطانی وساوس ہیں، ان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اپنا یہ غیظ وغضب جانے دیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میرے والد نے ایک عورت سے شادی کی، جس کی ایک دودھ پیتی بیٹی تھی۔ شادی ہونے کے بعد اس نے اس کا دودھ چھڑا دیا۔ اور اب جبکہ وہ بڑی ہو گئی ہے میرا والد میرا اس سے نکاح کر دینا چاہتا ہے، کیا یہ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب المحاربين من أهل الكفر والردة، باب ما جاء فى التعريض، حديث : ٦٤٥٥ وصحيح مسلم، كتاب اللعان، حديث : ١٥٠٠، وسنن ابى داود، كتاب الطلاق، باب اذا شك فى الولد، حديث : ٢٢٦٠ ـ سنن النسائى، كتاب الطلاق، باب اذا عرض بامرأته وشكت فى والده، حديث : ٣٤٧٨ .

میرے لیے حلال ہے؟ اور کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ اپنی سابقہ ساس سے مصافحہ کرلے، جبکہ یہ اس کی بیٹی کو طلاق دے چکا ہے، مگر اس سے اولاد نہیں ہوئی؟

جواب: یہ شادی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ یہ لڑکی اس کے باپ کی ربیبہ ہے اور بیٹے کے لیے جائز ہے کہ اپنے باپ کی ربیبہ سے نکاح کرلے۔ اور اس مسئلے میں قاعدہ یہ ہے کہ مصاہرت (تعلق نکاح) سے:

- بیوی کے اصول وفروع شوہر کے لیے حرام ہوتے ہیں، نہ کہ اس کے اقارب کے لیے۔
- شوہر کے اصول وفروع بیوی کے لیے حرام ہوتے ہیں، نہ کہ اس کے اقارب کے لیے۔
- لیکن ان میں سے تین رشتے ایسے ہیں جو محض عقد نکاح سے حرام ہوتے ہیں۔ جبکہ ایک میں زوجہ سے دخول (مجامعت) شرط ہے:

  - شوہر کے اصول زوجہ کے لیے، محض عقد سے
  - شوہر کے فروع زوجہ کے لیے، محض عقد سے
  - زوجہ کے فروع شوہر کے لیے، محض عقد سے
  - زوجہ کے فروع شوہر کے لیے، دخول (مجامعت) سے

زوجہ کے اصول سے مراد یہ رشتے ہیں: اس کی ماں اور اس کی نانی دادی اوپر تک

زوجہ کے فروع سے مراد یہ رشتے ہیں: اس کی اپنی بیٹی یا اس کی اولاد کی بیٹیاں نیچے تک

شوہر کے اصول سے مراد یہ رشتے ہیں: اس کا باپ اور نانا دادا اوپر تک

شوہر کے فروع سے مراد یہ رشتے ہیں: اس کا بیٹا اور اس کی اولاد کے بیٹے نیچے تک

اس کی وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش ہیں: اگر ایک آدمی زینب نامی عورت سے شادی کرلے اور اس کی ماں کا نام اسماء ہو تو یہ اسماء اس آدمی کے لیے زینب کے محض عقد سے ہی حرام ہوجائے گی، کیونکہ یہ (اسماء) زینب کے اصول میں سے ہے۔ اگر آدمی زینب سے شادی کرلے اور اس کی بیٹی کا نام فاطمہ ہو، تو یہ فاطمہ اس آدمی کے لیے اس صورت میں حرام ہوگی جب وہ اس کی ماں سے مجامعت کر چکا ہو۔ اور اگر وہ اپنی بیوی (زینب) کو مجامعت سے پہلے ہی طلاق دے دے تو اس کے لیے (اس کی بیٹی) فاطمہ حلال ہوگی، لیکن (ماں) اسماء حلال نہیں ہوگی۔ اگر شوہر کا باپ ہو مثلاً عبداللہ اور بیٹا ہو عبدالرحمٰن، تو بیوی کے لیے عبداللہ (باپ) اور عبدالرحمٰن (بیٹا) محض عقد ہی سے حرام ہوں گے۔ البتہ بیٹے عبدالرحمٰن کے لیے (بیوی کی بیٹی) فاطمہ بنت زینب حلال ہوگی، کیونکہ شوہر کے اصول وفروع بیوی پر حرام ہوتے ہیں، بیوی کے اقارب پر نہیں۔ اور شوہر کے باپ (عبداللہ) کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بیوی کی ماں (اسماء) سے شادی کرلے۔ اور ان کے دلائل (سورۃ النساء کی آیت میں) اس طرح سے ہیں:

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (النساء : ٤/ ٢٢)

''اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے آباء نکاح کر چکے ہیں۔''

اس میں بیوی کے فروع کا بیان ہے جو شوہر پر حرام ہوتے ہیں۔

اور ﴿ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ ''تمہاری بیویوں کی مائیں۔'' اس میں بیوی کے اصول کا بیان ہے جو شوہر پر حرام ہوتے ہیں۔

اور ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ....﴾ ''اور تمہاری ربیبائیں جو تمہاری تربیت میں ہوں، تمہاری عورتوں سے، جن سے تم ملاپ کر چکے ہو۔'' اس میں زوجہ کی ان فروع کا بیان ہے کہ وہ شوہر کے لیے حرام ہوتی ہیں بشرطیکہ شوہر نے بیوی سے ملاپ کیا ہو۔

اور ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ ''اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں۔'' اس میں شوہر کے اصول کا بیان ہے جو بیوی کے لیے حرام ہوتے ہیں۔

اور جائز ہے کہ آدمی ایک عورت سے شادی کرلے، اور آدمی کا باپ اس عورت کی بیٹی سے شادی کرلے، کیونکہ بیوی کی فروع شوہر پر حرام ہوتی ہیں نہ کہ اس کے اقارب پر۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ آدمی ایک عورت سے شادی کرے اور اس آدمی کا باپ عورت کی ماں سے شادی کرلے۔

مسئلہ مصافحہ:...... اور کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی محرم خواتین کے علاوہ دوسری عورتوں سے مصافحہ کرے، نہ براہ راست اور نہ کسی حائل پر سے یعنی کپڑے پر سے۔ اور لوگ اس مسئلے میں بڑی کوتاہی میں مبتلا ہیں کہ محرم اور غیر محرم کا فرق کیے بغیر عورتوں سے مصافحہ کر لیتے ہیں۔ اور محرم سے وہ رشتہ مراد ہے جس کے ساتھ نسب یا سبب مباح کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

9

کتاب المحرمات

خواتین اور محرمات کے احکام و مسائل

سوال: سورۃ النساء کی آیات ۲۲-۲۳ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ.... الخ﴾ کی توضیح فرما دیجیے؟

جواب: اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے ان عورتوں کے متعلق بیان فرمایا ہے جن سے آدمی کے لیے نکاح کرنا حرام ہے اور اس حرمت کے اسباب تین ہیں:

(۱) نسب (۲) رضاعت (۳) مضاربت (یعنی تعلق نکاح یا سسرالی رشتہ)

چنانچہ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء: ٤/ ٢٢) میں یہ ہے کہ کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ جن عورتوں سے اس کے باپ یا دادا اور ان سے اوپر کسی نے نکاح کیا ہو، یہ نکاح کر سکے، اور اس لفظ "جد" میں دادا اور نانا دونوں شامل ہیں، اور اس نکاح میں دخول یا عدم دخول کی کوئی شرط نہیں ہے۔ یعنی محض عقد بھی ہوا ہو تو یہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جب کسی آدمی نے کسی عورت سے نکاح صحیح کیا ہو تو وہ عورت اس آدمی کے (فروع یعنی) بیٹے، پوتے، نواسے سب کے لیے حرام ہوگی، خواہ یہ کتنے ہی نیچے تک چلے جائیں۔

اور ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣) میں عورتوں کا بیان ہے جو نسب کی بنا پر حرام ہوتی ہیں اور وہ سات ہیں:

۱۔ مائیں، اور ان سے اوپر دادیاں اور نانیاں

۲۔ بیٹیاں، اور جو ان سے نیچے ہوں یعنی نواسیاں اور پوتیاں

۳۔ بہنیں، خواہ حقیقی ہوں یا پدری یا مادری

۴۔ پھوپھیاں، یعنی باپ دادا کی بہنیں، اور خواہ ان سے اوپر کی ہوں اور وہ حقیقی ہوں یا پدری یا مادری۔ حقیقی پھوپھیاں وہ ہیں جو والد کی حقیقی بہنیں ہوں، اور وہ بھی جو باپ کی پدری نہ ہوں یا مادری ہوں۔

۵۔ خالائیں، یعنی ماں کی بہنیں اور ان سے اوپر کی۔ خواہ ماں کی حقیقی بہنیں ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے۔

خیال رہے کہ جو عورت ایک شخص کی خالہ یا پھوپھی ہے وہ اس شخص کی فروع (اولاد) کی بھی خالہ اور پھوپھی ہی ہے۔ آپ کے باپ کی پھوپھی آپ کی بھی پھوپھی ہے اور آپ کے والد کی خالہ آپ کی بھی خالہ ہے۔ اور ایسے ہی آپ کی ماں کی پھوپھی آپ کی پھوپھی ہے اور آپ کی ماں کی خالہ آپ کی بھی خالہ ہے اور اسی طرح آپ کے دادا یا دادی کی خالہ اور پھوپھی بھی آپ کی خالہ یا پھوپھی کے حکم میں ہوگی۔

۶۔ بھتیجیاں (بھائی کی بیٹیاں) اور ان کے نیچے۔ یہ بھائی خواہ حقیقی ہو یا ماں یا باپ کی طرف سے، ان کی بیٹیاں آپ کے لیے حرام ہیں۔ اسی طرح بھتیجی کی نواسی یا بھتیجی کی پوتی، خواہ ان سے کتنی ہی نیچے چلی جائیں۔

۷۔ بھانجیاں (یعنی بہن کی بیٹیاں) بالکل اسی تفصیل کے ساتھ جو بھتیجیوں میں بیان ہوئی ہے۔

یہ سات نسبی رشتے کی عورتیں ہیں جو مرد کے لیے حرام ہیں، ان کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کے لیے وہ سب عورتیں حرام ہیں جو اس کے لیے بمنزلہ اصول ہوں خواہ کسی قدر اوپر تک چلی جائیں، اور فروع (یعنی اولاد در بیٹیاں پوتیاں نواسیاں) نیچے تک۔ ماں باپ کی فروع (یعنی آدمی کی بہنیں، بھتیجیاں، بھانجیاں نیچے تک) اور دادا دادی، نانا نانی کی فروع (یعنی آدمی کی خالائیں اور پھوپھیاں) یعنی ان کی خاص صلبی اولاد۔

﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ....﴾ ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ کی بہنیں۔''

اس میں ان رشتوں کا بیان ہے جو رضاعت (یعنی دودھ پینے پلانے) سے حرام ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب .))

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حدیث: ۲۵۰۲ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حدیث: ۱۴۴۵ وسنن النسائی، کتاب النكاح، باب مـ يحرم من الرضاع، حدیث: ۳۳۰۱ وسنن ابن ماجه، کتاب النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حدیث: ۱۹۳۷ .

یعنی مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں جس طرح نسب سے حرام ہیں اسی طرح رضاعی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہے۔

﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ......﴾ ''اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور ربیبائیں جو تمہاری تربیت میں ہوں، تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم نے ملاپ کیا ہو، اگر تم نے ان سے ملاپ نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں۔'' یہ تین رشتے نکاح کے تعلق سے حرام ہوتے ہیں۔ ''بیویوں کی مائیں'' (یعنی ساس) آدمی کے لیے حرام ہے کہ اپنی بیوی کی ماں سے نکاح کرے، خواہ کوئی اس سے اوپر تک ہو اور خواہ وہ اس کی حقیقی ماں ہو یا سوتیلی۔ اور یہ محض عقد نکاح ہی سے حرام ہو جاتی ہے، خواہ آدمی عورت سے مقاربت کرے یا نہ کرے، اس کی ماں آدمی کے لیے محرم بن جاتی ہے، خواہ وہ بعد میں اسے طلاق دے دے یا لڑکی فوت ہو جائے، اس کی ماں اس کے لیے محرم ہی رہے گی اور اس عورت کے لیے جائز ہوگا کہ اس آدمی کے سامنے اپنا چہرہ کھول لے، اس کی معیت میں سفر کرے اور اس کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھے، اس پر کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ بیوی کی ماں اور دادی/نانی محض عقد ہی سے حرام ہو جاتی ہیں۔ یہ ...... وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ...... کے عموم میں شامل ہیں۔ اور جب آدمی کسی عورت سے عقد نکاح کر لے تو وہ اس کے لیے بیوی کے حکم میں آ جاتی ہے۔

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ ......﴾ ''تمہاری ربیبائیں'' اس سے بیوی کی بیٹیاں اور اس کی دوسری اولاد کی بیٹیاں مراد ہیں، خواہ اس سے نیچے تک ہوں۔ جب آدمی کسی عورت سے شادی کر لیتا ہے تو اس عورت کی وہ بیٹیاں جو سابقہ شوہر سے ہوں، اس دوسرے شوہر کے لیے حرام ہو کر اس کی محرم بن جائیں گی، اسی طرح دوسری اولاد کی بیٹیاں بھی، یعنی اس کے بیٹے کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی۔ مگر اس رشتہ میں اللہ عزوجل نے دو شرطیں بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وہ تمہاری تولیت اور تربیت میں ہو، اور دوسری یہ کہ بیوی سے (اس لڑکی کی ماں سے) آپ نے مباشرت کی ہو۔ پہلی شرط کے بارے میں جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ یہ شرط تغلیبی ہے (یعنی بالعموم ایسے ہوتا ہے کہ پچھلے شوہر کی اولاد، اس دوسرے شوہر کے گھر میں عورت کے ساتھ آ جاتی ہے)، حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے۔ لہٰذا یہ لڑکی اس کی تولیت اور تربیت میں ہو یا نہ ہو، دوسرے شوہر کے لیے حرام ہی ہوگی۔ اور دوسری شرط کہ آدمی نے اس بیوی سے مقاربت کی ہو، یہ اپنے حقیقی معنی ومفہوم کے ساتھ ہی معتبر ہے۔ اسی لیے آگے اس کی صراحت فرما دی ہے کہ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ......﴾ (النساء: ٤ / ٢٣) ''یعنی اگر تم نے ان سے مقاربت نہ کی ہو تو (اس کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''

﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ......﴾ ''اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے حقیقی صلبی بیٹے ہوں۔'' اس سے مراد حقیقی بیٹے کی بیوی ہے، یا جو اس سے نیچے ہو یعنی پوتے کی بیوی بھی محض عقد

سے آدمی کے لیے حرام ہو جائے گی۔ اگر چہ وہ اسے عقد کے بعد ہی طلاق دے دے۔ تو وہ لڑکی طلاق دینے والے کے باپ اور دادا کے لیے حرام ہوگی۔ ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ....﴾ کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ اور کوئی عورت محض نکاح ہی سے اپنے شوہر کی ''حلیلہ'' ہونے کے معنی میں آجاتی ہے۔

الغرض یہ نسب، رضاعت اور مصاہرت تین اسباب ہیں جن سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

نسب سے حرام ہونے والے رشتے سات ہیں، اور رضاعت سے حرام والے بھی بالکل یہی رشتے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب .))

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''[1]

اور مصاہرت (نکاح کے تعلق یا سسرالی تعلق) سے چار رشتے حرام ہوتے ہیں، جو یوں بیان ہوئے ہیں:

۱: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ....﴾ ''جن عورتوں سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہو تم ان سے نکاح نہ کرو۔''

۲: ﴿.... وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ....﴾ ''تمہاری بیویوں کی مائیں (یعنی ساس)۔''

۳: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ ....﴾ ''تمہاری ربیبائیں (یعنی وہ لڑکیاں جو عورت کے پہلے خاوند سے ہوں)۔'' ان سے بھی آدمی نکاح نہیں کر سکتا، اس صورت میں کہ آدمی کا اس ربیبہ کی ماں سے صنفی ملاپ ہوا ہو۔

۴: ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ....﴾ ''اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں''

یہ رشتے ابدی طور پر حرام ہیں۔

اور کچھ رشتے ایسے ہیں جو ایک وقت تک کے لیے حرام ہیں۔ مثلاً دو بہنوں کا جمع کرنا۔ اور فرمایا:

'وأن تجمعوا بين الأختين' یہ نہیں فرمایا کہ 'وأخوات نساءكم' کہ تمہاری بیویوں کی بہنیں تم پر حرام ہیں۔ اگر کوئی آدمی کسی عورت کو اپنے سے علیحدہ کر دے اور پھر وہ کلی طور پر اس سے جدا ہو جائے کہ اس کی عدت ختم ہو جائے تو جائز ہے کہ آدمی اس کی بہن سے نکاح کر لے۔

اسی طرح عورت۔ اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا بھی حرام ہے۔ جیسے کہ حدیث میں

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حديث: ٢٥٠٢ وصحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: ١٤٤٥ وسنن النسائى، كتاب النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، حديث: ٣٣٠١ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حديث: ١٩٣٧ .

آیا ہے: ''جن عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے وہ تین ہیں: دو بہنیں، عورت اور اس کی پھوپھی، عورت اور اس کی خالہ۔'' مگر ان کے علاوہ مثلاً چچا زاد اور ماموں زاد کو جمع کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ان کا جمع کر لینا جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے والد اور والدہ کے چچا یا ماموں کے سامنے کھلے منہ آ جائے؟ کیا یہ لوگ اس عورت کے محرم شمار ہوتے ہیں یا نہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عورت ان کے لیے بمنزلہ اولاد اور وہ اس کے لیے بمنزلہ اصول کے ہیں؟

جواب: ہاں، عورت کی ماں یا باپ کا چچا یا ماموں حقیقی ہو یا سوتیلا (ماں یا باپ کی طرف سے) تو وہ اس عورت کے لیے محرم ہیں، آپ کے ماں باپ کا چچا یا ماموں آپ کے لیے بھی چچا یا ماموں کا حکم رکھتا ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی، ان کی اولاد نہیں ہوئی تو اس نے طلاق دے دی۔ پھر عورت نے ایک دوسرے آدمی سے شادی کی، اس سے اس کا ایک بیٹا ہے۔ ان کی بھی جدائی ہوگئی تو عورت نے ایک تیسرے آدمی سے شادی کر لی۔ اس سے اس کے ہاں لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے درمیان شادی ہو سکتی ہے؟

جواب: اگر آپ کا سوال اس عورت کے متعلق ہے جس سے آپ نے شادی کی اور پھر طلاق دے دی تھی تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ وہ کسی کے عقد نکاح یا عدت میں نہ ہو اور اگر آپ کا خیال اس عورت کی کسی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کا ہے جو تیسرے شوہر سے ہے، تو آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ آپ کے لیے ربیبہ کے حکم میں ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

''اور تمہاری ربیبائیں جو تمہاری تولیت میں ہوں تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم مقاربت کر چکے ہو۔''

چونکہ آپ نے ان کی ماں سے شادی کی ہے اور آپ کی آپس میں قربت بھی ہو چکی ہے تو آپ کے لیے اس کی بیٹیوں سے نکاح حلال نہیں ہے، خواہ وہ آپ کی تولیت و تربیت میں نہیں ہیں، کیونکہ یہ قید تغلیبی ہے، اور اس کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں اڑتالیس سال کی عمر کو پہنچ رہا ہوں۔ میں بیمار ہو گیا اور میرے پاس میرے گھر والوں میں سے کوئی

بھی نہیں تھا۔ جہاں میں کام کرتا تھا وہاں میرا ایک مسلمان ساتھی تھا، اور میں تعاون اور مدد کا انتہائی محتاج تھا۔ چنانچہ اس نے میری انتہائی مدد کی حتیٰ کہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اس کی بیوی بھی مسلمان، دین دار اور قرآن کریم کی قاریہ تھی۔ میری بیماری کے دوران میں اس نے میری بڑی خدمت کی۔ جب میں شفایاب ہو گیا، الحمدللہ، تو میں نے چاہا کہ یہ عورت میری بہن بن جائے۔ اور میری اپنی کوئی بہن نہیں ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے درمیان قرآن مجید رکھا اور عہد کیا کہ یہ اللہ کی بندی میری بہن اور میرے لیے ہر طرح کے حالات میں محرم ہو گی۔ اور ہمارا یہ عہد و پیمان اس کے شوہر کی رضا مندی اور اس کے بیٹے بیٹیوں کی موافقت اور ہمارے خاندان کی موافقت سے ہوا ہے، اور میں اسے اپنی حقیقی بہنوں کی طرح سمجھتا ہوں۔ تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اس کا ہاتھ چھو سکوں؟ اور کیا جائز ہے کہ حج کے سفر میں میں اس کا محرم بن جاؤں؟ میرے اکثر عزیزوں کو اس معاہدے کی خبر ہے۔ میں اس بارے میں شریعت اسلامی کی رو سے جواب چاہتا ہوں۔

جواب: آپ کے دوست نے جو آپ کی مدد کی اور اس کی بیوی نے جو آپ کی خدمت سرانجام دی، اس سب کے باوجود وہ عورت آپ کے لیے محرم نہیں بن سکتی ہے، وہ آپ کے لیے غیر اور اجنبی ہے۔ محرم ہونے کا سبب یا تو نسب ہے یا رضاعت یا شرعی اصول وضوابط کے تحت مصاہرت (تعلق نکاح)۔ آپ کے لیے اسے اپنے ہاتھ وغیرہ سے چھونا یا سفر حج وغیرہ میں محرم بننا جائز نہیں ہے، بلکہ آپ کے لیے اس کے ساتھ علیحدگی اور خلوت میں ہونا بھی جائز نہیں ہے خواہ اس کا شوہر اور وہ اس کام کے لیے راضی ہوں۔ آپ کا اس کے ساتھ تعلق اجانب اور غیر محرم اغیار والا ہے۔ آپ کے ذمے ہے کہ اس کے لیے اور اس کے شوہر اور اقارب کے لیے جہاں تک ہو سکے حسن سلوک اور شکریے کا معاملہ کرو۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ بدنی طور پر کسی کام میں ان سے تعاون کرنا، مال خرچ کرنا اور ہر طرح سے نصیحت اور خیر خواہی کرنا وغیرہ اعمال جو آپ اچھے انداز میں کر سکتے ہوں اور وہ اس کے محتاج اور ضرورت مند بھی ہوں۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور اب وہ چاہتا ہے کہ عورت کی بھانجی سے بھی نکاح کر لے، اور اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟

جواب: سائل کی یہ بیوی اس لڑکی کی جس سے یہ نکاح کرنا چاہتا ہے خالہ ہے۔ خالہ کے ہوتے ہوئے اس کی بھانجی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

((لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها .))

''کسی عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہیں کیا جا سکتا۔''[1] (مجلس افتاء)

---

[1] صحیح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها، حديث : ١٤٠٨ وسنن النسائی، كتاب النكاح، باب الجمع بين المرأة وعمتها، حديث : ٣٢٩٢ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها، حديث : ١٩٢٩ .

سوال: کیا باپ کے لیے جائز ہے کہ بیٹے کی بیوی کی بہن سے شادی کر لے؟

جواب: ہاں، بالاجماع جائز ہے کہ باپ اور اس کا بیٹا دو حقیقی بہنوں سے شادی کر لیں۔ اس کے منع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی، پھر ان دونوں میں علیحدگی ہو گئی، تو عورت نے ایک دوسرے آدمی سے شادی کر لی، اور ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی پھر ماں مر گئی اور بیٹی رہ گئی۔ ادھر پہلے آدمی نے ایک دوسری عورت سے شادی کر لی، جس سے ایک لڑکا ہوا۔ اب یہ لڑکا اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کی ماں سے اس کے والد نے نکاح کیا تھا۔ اس لڑکے اور لڑکی کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب: جائز ہے کہ یہ لڑکا مذکورہ لڑکی سے نکاح کر لے، اگرچہ اس کے باپ نے لڑکی کی ماں سے نکاح کیا تھا۔ اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ﴾ (النساء: ٤/ ٢٤)

''اور تمہارے لیے سابقہ مذکورہ عورتوں کے علاوہ باقی سے نکاح کرنا حلال ہے۔''

یہ لڑکی اس لڑکے کے لیے ان محرمات میں سے نہیں ہے جن کا قرآن کریم یا سنت میں بیان آیا ہے۔

(مجلس افتاء)

سوال: میرے دادا نے دو عورتوں سے شادی کی۔ پھر جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کی اس بیوی نے جو میری دادی نہیں تھی ایک دوسرے آدمی سے شادی کر لی۔ اس سے اس کی ایک لڑکی ہے، تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ اس لڑکی سے شادی کر لوں؟

جواب: ہاں، یہ بالاجماع جائز ہے، آپ اس لڑکی سے شادی کلر سکتے ہیں۔ مگر یہ جائز نہیں کہ آپ اپنے دادا کی بیوی سے شادی کریں۔ ایسے ہی بالفرض آپ کے والد کسی عورت سے شادی کر لیں اور اس کی پہلے خاوند سے بیٹی ہو، تو آپ کے والد کا اس عورت سے شادی کر لینا، آپ کے لیے اس کی پچھلگ (ربیبہ) بیٹی کو حرام نہیں بنائے گا۔ جیسے کہ آپ کے لیے اپنی خالہ یا پھوپھی سے نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن ان کی بیٹیوں سے (جو تمہاری خالہ زاد اور پھوپھی زاد ہوں گی) نکاح کر لینا جائز ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی، اس سے اس کی کئی بیٹیاں ہیں۔ پھر ان میں طلاق ہو گئی تو اس عورت سے ایک دوسرے آدمی نے شادی کر لی، اس سے بھی اس کی کئی بیٹیاں ہیں۔ تو کیا دوسرے شوہر کی بیٹیاں پہلے شوہر سے پردہ کریں یا نہیں؟ اور اگر وہ اس سے پردہ کریں تو کیا وہ ان سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب: جب ایک آدمی نے کسی عورت سے شادی کر لی ہو اور پھر ان میں مقاربت بھی ہو گئی ہو، تو اب اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہے کہ اس کی بیٹیوں سے، یا اس کی اولاد کی بیٹیوں سے نکاح کرے۔ خواہ یہ بیٹیاں اس

کے سابقہ شوہر سے ہوں یا بعد والے کسی شوہر سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

''حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں ،ور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں، جو تمھاری گود میں تمھاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو۔''

ربیبہ بیوی کی بیٹی کو کہتے ہیں اور یہ آدمی اپنی اس بیوی کی بیٹیوں کے لیے محرم بن جاتا ہے جس سے اس کی مقاربت ہو چکی ہو۔ اور وہ لڑکیاں اس آدمی سے (یعنی اپنی والدہ کے شوہر سے) پردہ نہیں کریں گی۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت بیمار ہوگئی، اس کے لیے خون کی ضرورت پڑی، چنانچہ ایک اجنبی آدمی کا خون لے کر اسے لگایا گیا اور وہ شفایاب ہوگئی۔ اب وہ شخص اس عورت سے شادی کا خواہش مند ہے۔ تو کیا نکاح جائز یا نہیں؟

جواب: یہ جو بیان کیا گیا کہ ایک آدمی کا خون لے کر عورت کو لگایا گیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے، یہ خون خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ حرمت، رضاعت (دودھ پلانے) سے ثابت ہوتی ہے۔ اور یہی حکم آدمی کا ہے کہ اگر اسے کسی عورت کا خون لگایا جائے تو ان کے درمیان کوئی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ الغرض یہ دونوں آپس میں شادی کر سکتے ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، تو بوقت نکاح اس سے شرط کی گئی کہ وہ اس پر کسی اور عورت سے نکاح نہیں کرے گا نہ اسے اس کے گھر سے کہیں اور لے جائے گا۔ اور اس عورت کی ایک بیٹی بھی تھی، اس کے متعلق شرط کی گئی کہ یہ اپنی ماں کے پاس رہے گی۔ تو اس نے یہ سب باتیں قبول کر لیں۔ تو کیا اسے ان شرطوں کا پورا کرنا لازم ہے؟ اور اگر وہ ان میں سے کسی شرط کے خلاف کرے تو کیا بیوی کو فسخ کا حق حاصل ہے؟

جواب: ہاں، اس طرح کی شرطیں امام احمد، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کے ہاں معتبر ہیں۔ مثلاً حضرت عمر بن خطاب، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، قاضی شریح، اوزاعی اور امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ اس پر کسی اور عورت سے شادی کر لے یا لونڈی لے آئے تو عورت کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ ہوگا۔ یہ شرط صحیح ہے اور اس کی خلاف ورزی پر وہ علیحدگی کا اختیار رکھتی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به من الفروج .))

''سب سے بڑھ کر پوری کیے جانے کے لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعے سے تم عصمتیں حلال کرتے ہو۔'' ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے:

((مقاطع الحقوق عند الشروط .))

''حقوق شرطوں کے مطابق ہی پورے ہوتے ہیں، ورنہ ٹوٹ جاتے ہیں۔'' ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرطوں کو سب سے زیادہ لائق وفا قرار دیا ہے جن کے ذریعے سے آدمی کسی عورت کی عصمت کو اپنے لیے حلال بناتا ہے۔ اس مسئلہ میں یہی نص ہے۔ ویسے اجماعی طور پر نکاح میں حق مہر اور کلام (ایجاب وقبول) کے علاوہ اور کوئی شرط لازم نہیں ہے، بنیادی شرطیں یہی ہیں۔

اور یہ شرط کیا جانا کہ عورت کا بچہ اس کے پاس رہے گا اور اس کا خرچ شوہر کے ذمے ہوگا تو یہ گویا حق مہر میں اضافہ ہے۔ اور حق مہر میں ایک طرح سے جہالت (عدم معلومات) کا احتمال ہوسکتا ہے، جیسے کہ امام احمدؒ کے مذہب میں بصراحت موجود ہے۔ علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالکؒ کے مذہب میں بھی ایسے ہی ہے۔ جبکہ مبیع کی قیمت اور مزدور کی مزدوری میں جہالت صحیح نہیں۔ اور وہ جہالت (عدم معلومات) جو حق مہر میں جہالت کے مشابہ ہو وہ بالاولیٰ جائز ہوگی۔ مثلاً جیسے کہ مذہب امام احمد میں ہے کہ اگر کوئی مزدور اس شرط پر رکھا گیا ہو کہ اسے روٹی اور کپڑا دیا جائے گا تو اس شرط میں اعتبار عرف پر ہوگا۔ لہٰذا بچے کے خرچ کی شرط کا مسئلہ بھی عرف ہی سے طے کیا جائے گا۔

اور شوہر اگر یہ شرطیں پوری نہ کرے، اور کسی اور عورت سے شادی کر لے یا لونڈی لے آئے تو عورت کو اپنا نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن آیا وہ عورت خود فسخ کر لے یا قاضی فسخ کرے، اس میں اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ اختیار ایک اجتہادی اختیار ہے، جیسے کہ شوہر کے نامرد ہونے یا اس میں کوئی اور عیب ہو تو عورت کو اختیار ہوتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔

ان کے ثبوت میں کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ ان کی وجہ سے نکاح کے فسخ ہونے میں اختلاف ہے، جیسے کہ آزاد ہونے والی لونڈی کے اختیار کا مسئلہ ہے۔ جو لوگ اس کے ثبوت کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک قاضی کے فیصلے سے پہلے ہی فسخ ہوجائے گا۔

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الشروط، باب الشروط فی المهر عند عقد النكاح، حديث: ٢٥٧٢ وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب الوفاء بالشروط فی النكاح، حديث: ١٤١٨ وسنن الدارمی: ٢/ ١٩١، حديث: ٢٢٠٣.

❷ صحيح بخاری، كتاب الشروط، باب الشروط فی المهر عند عقد النكاح، (یہ قول ترجمۃ الباب میں ہے) وكتاب النكاح، باب الشروط فی النكاح (یہ قول اس جگہ بھی باب میں ہی مذکور ہے)، مصنف ابن ابی شيبة: ٣/ ٤٩٩، حديث: ١٦٤٤٩.

اور اس مسئلے میں اصل قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر یہ فسخ قاضی کے فیصلے پر موقوف نہ ہو تو قوی تر یہ ہے کہ اس فسخ میں اختلاف ہے جیسے کہ عنین ہونا قاضی کے فیصلے کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن معاملہ اگر قاضی کی طرف چلا جائے، تو چاہے وہ جو فیصلہ دے اور اگر وہ اسے باطل کرنا چاہے تو باطل کرسکتا ہے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: عورت اور اس کے اولیاء نے شوہر سے شرط کی کہ وہ اسے اس کے گھر سے یا شہر سے کہیں اور نہیں لے جائے گا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیوی یا اس کے اولیاء کا شوہر سے اس قسم کی شرط کر لینا صحیح ہے اور اس پر عمل بھی لازم ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شرطوں میں سب سے بڑھ کر وفا کے لائق وہ شرطیں ہیں جن سے تم عورتوں کی عصمتیں حلال کرتے ہو۔''❶

جناب اثرم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اسے اس کے گھر سے منتقل نہیں کرے گا، پھر اس نے اسے منتقل کرنا چاہا، تو انہوں نے اپنا معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ:

''عورت کو اس کی شرط کے مطابق حق حاصل ہے۔''❷

لیکن اگر عورت اپنے شوہر کے ساتھ منتقل ہونے پر راضی ہو جائے، تو بھی اسے یہ حق حاصل ہے یعنی وہ اپنی یہ شرط ساقط کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: (۱) اگر عورت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط کرے کہ وہ اسے تدریس سے نہیں روکے گا اور شوہر مان لے اور اسی شرط پر اس سے شادی کرے تو کیا اب شوہر کو بیوی اور اس کی اولاد کا خرچہ دینا ہوگا جبکہ وہ (بیوی) ملازمت کرتی ہے؟ اور کیا شوہر اس کی تنخواہ میں سے بغیر اس کی رضامندی کے کچھ لے سکتا ہے؟

(۲) بیوی اگر دیندار ہو، گانے اور موسیقی نہ سننا چاہتی ہو اور شوہر اور اس کے گھر والے ان چیزوں پر اصرار کرتے ہوں اور کہتے ہیں کہ جو گانے سننے سے پرہیز کرتا ہے وہ وسواس زدہ ہے، تو کیا بیوی کو اس حالت میں اس کے گھر والوں کے ساتھ رہنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: اگر عورت نے اپنے منگیتر سے یہ شرط کی ہو کہ وہ اسے تدریس سے یا حصول تعلیم سے نہیں روکے گا اور

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی المهر عند عقد النکاح، حدیث: ۲۵۷۲ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الوفاء بالشروط فی النکاح، حدیث: ۱۴۱۸ وسنن الدارمی: ۲/ ۱۹۱، حدیث: ۲۲۰۳ وسنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی الرجل یشترط لها دارها، حدیث: ۲۱۳۹.

❷ مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۲۲۷، حدیث: ۱۰۶۰۸.

پھر یہ شرط مان لی گئی ہو اور اس پر شادی ہوئی ہو تو یہ شرط صحیح ہے، اب شوہر اس کو اس سے نہیں روک سکتا، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''شرطوں میں سب سے بڑھ کر وفا کے لائق وہی شرطیں ہیں جن سے تم نے عورتوں کی عصمتوں کو حلال ٹھہرایا ہو۔''❶

اگر شوہر اس کے خلاف کرے تو عورت کو اختیار ہے، چاہے تو اس کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو شرعی قاضی سے فسخ کا مطالبہ کرے۔

(۲) اور یہ کہ شوہر اور اس کے گھر والے موسیقی سنتے ہیں، اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، بلکہ عورت کو چاہیے کہ ان لوگوں کو سمجھائے اور بتائے کہ یہ حرام کام ہے اور خود اس برائی میں شریک نہ ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔''❷

اور فرمایا:

''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے کہے، اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''❸

اور اس معنی و مفہوم کی آیات اور احادیث بہت سی ہیں۔

اور شوہر کے ذمے ہے کہ وہ اپنی طرف سے اپنی بیوی اور اس کی اولاد کا خرچ برداشت کرے۔ اسے یہ حق نہیں ہے کہ اپنی بیوی کی تنخواہ میں سے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ لے۔ اور عورت کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے ماں باپ یا دوسروں کے گھروں میں جائے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ عورت شادی سے پہلے اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط کرے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرے گا؟

جواب: امام احمد رحمہ اللہ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ عورت شادی سے پہلے اس طرح کی شرط لگا سکتی ہے، مگر

❶ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی المهر عند عقد النکاح، حدیث: ۲۵۷۲ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الوفاء بالشروط فی النکاح، حدیث: ۱۴۱۸ وسنن الدارمی: ۲/۱۹۱، حدیث: ۲۲۰۳ وسنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی الرجل یشترط لها دارها، حدیث: ۲۱۳۹.

❷ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحة، حدیث: ۵۵ وسنن أبی داود، کتاب الادب، باب فی النصیحة، حدیث: ۴۹۴۴ وسنن النسائی، کتاب البیعة، باب النصیحة للامام، حدیث: ۴۱۹۷.

❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان......، حدیث: ۴۹، وسنن الترمذی، کتاب الفتن، باب تغییر المنکر بالید أو باللسان أو بالقلب، حدیث: ۲۱۷۲ وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی العیدین، حدیث: ۱۲۷۵.

جمہور ائمہ کرام کہتے ہیں کہ یہ شرط باطل ہے۔

اگر کوئی یوں کہے کہ شادی سے پہلے تو اس شرط کو مان لیتا ہوں اور شادی کے بعد اس کا انکار کر دوں گا اس بنیاد پر کہ بقول جمہور یہ ایک باطل شرط ہے، تو اس موقع پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب آپ کو یقین ہے کہ یہ شرط باطل ہے تو آپ کو عقد نکاح کے موقع پر یا دوسرے مواقع پر قبول ہی نہیں کرنی چاہیے، اگر قبول کریں گے تو یہ عقد باطل ہوگا، کیونکہ یہ عقد ایک باطل شرط پر ہو رہا ہے اور صحیح نہیں ہوگا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

نکاح میں عیوب

سوال: ایک عورت نے ایک مرد سے نکاح کیا۔ جب ان کا تخلیہ ہوا تو اس نے مرد کے جسم پر برص کا نشان پایا۔ کیا وہ اس وجہ سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے؟

جواب: اگر معلوم ہو کہ زوجین میں سے ایک کو جنون، جذام یا برص کا مرض ہے تو دوسرے کو حق حاصل ہے کہ نکاح فسخ کرا لے۔ لیکن اگر معلوم ہونے کے بعد راضی رہے تو فسخ نہیں ہوسکتا۔ اور اگر عورت اپنا نکاح فسخ کراتی ہے تو اسے یہ حق نہیں ہوگا کہ اپنے حق مہر میں سے کچھ لے۔ اگر تخلیہ سے پہلے فسخ کراتی ہے تو اس کا حق مہر ساقط ہو جائے گا اور اگر تخلیہ کے بعد فسخ کراتی ہے تو ساقط نہیں ہوگا۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک مسلمان بہن، دین اسلام کی پابند ہے، اس نے اللہ سے توبہ کی ہے، تقریباً آدھا قرآن یاد ہے، علماء کے دروس میں بھی حاضر ہوتی ہے، سر ڈھانپے رہتی ہے، اور ان شاء اللہ عنقریب نقاب بھی لینا شروع کر دے گی۔ وہ جاہلیت کے دنوں میں بدکاری کی مرتکب ہوئی تھی اور چار بار حمل بھی ضائع کرایا۔ اب شادی کے موقع پر اس کے لیے کیا حکم ہے کہ آیا وہ اپنے شوہر کو اپنے متعلق سب کچھ بتا دے تاکہ وہ دھوکے میں نہ رہے۔ یا خاموش رہے جیسے کہ بعض نے اسے کہا ہے کہ جس بات پر اللہ نے پردہ ڈالا ہے، بندہ اسے ظاہر نہ کرے۔ اور دوسرے وہ جو کر چکی ہے اس کا کیا کفارہ ہے؟

جواب: اس بہن کو چاہیے کہ اللہ سے توبہ کرے خالص توبہ، اور جہاں تک ہو سکے نیکی کے کام کرنے میں اور زیادہ کوشش کرے۔ زنا، اللہ محفوظ رکھے: سب جرائم سے بڑھ کر غلیظ جرم ہے اور اس کی طرف وہی طبیعتیں مائل ہوتی ہیں جو نفسیاتی طور پر ضعیف اور کمزور ہوں، اس پر اللہ کا عقاب بڑا سخت ہے۔ جبکہ یہ جذبات فوری ہوتے ہیں جو لمحات میں ختم ہو جاتے ہیں۔

امام احمد اور ابن ماجہ روایت لائے ہیں، جناب ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((استقيموا ولن تحصوا، واعلموا أن خير أعمالكم الصلاة، ولا يحافظ على وضوءه إلا مسلم))

''سیدھی راہ اختیار کرو، مگر تم کامل طور پر اس کا لحاظ نہیں رکھ سکو گے، اور آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہترین نماز ہے، اور کوئی مسلمان ہی اپنے وضو کی حفاظت کرتا ہے۔'' ❶

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ بندہ نماز کی خوب پابندی کرے..... جناب ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رات گزارہ کرتے تھے اور آپ کے لیے وضو کے پانی اور دیگر ضروریات کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ ''مانگ لو، کیا چاہتے ہو؟'' انھوں نے کہا: میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں!'' آپ نے فرمایا: ''کیا کوئی اور؟ ''انھوں نے کہا: ''نہیں میرا یہی سوال ہے۔'' آپ فرمایا:

((أعني على نفسك بكثرة السجود.)) ''اپنے لیے میری کثرت سجود سے مدد کر۔'' ❷

اور جو حمل ضائع کراتے ہیں، اگر یہ بالکل ابتدائی دنوں ہی میں تھے تو چاہیے کہ کثرت سے استغفار کرے۔ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی کفارہ نہیں ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ جب چار بار ایسا ہوا ہے تو اس سے عورت کے رحم کو بہت زیادہ نقصان پہنچ جاتا ہے، اور ممکن ہے کہ ولادت کی صلاحیت کمزور ہو جائے۔ اس بارے میں امانت دار قابل اعتماد مسلمان ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرے۔ اگر فی الواقع اس طرح کی کمزوری ثابت ہو تو چاہیے کہ یہ اپنے منگیتر کو بتا دے کہ مجھے یہ عارضہ ہے اور مجھ میں ولادت کی صلاحیت کمزور ہے۔ اور چاہیے کہ اپنے ماضی کے متعلق اپنے اوپر پردہ ڈالے اور کسی کو اس سے آگاہ نہ کرے۔ بالخصوص جب اللہ نے بھی اس پردہ ڈالا ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ)

سوال: اگر کسی نے عورت سے نکاح کیا مگر اس میں عیب پایا، پھر اس سے علیحدہ رہا تاکہ نکاح کو فسخ کرائے، پھر بھول گیا اور اس سے ملاپ کر لیا، تو کیا اس سے اس کا اختیار باطل ہو جائے گا؟

جواب: علماء نے لکھا ہے کہ جب بیوی میں کوئی عیب معلوم ہو اور شوہر اس سے ملاپ کر لے، یا عورت اسے ملاپ کا موقع دیتی ہے جبکہ شوہر اس کے عیب سے آگاہ ہے، تو یہ ملاپ یا اس کا موقع دینا رضامندی کی دلیل ہوگی۔ اور ان حضرات نے اس میں کوئی فرق نہیں کیا کہ یہ ملاپ عمداً ہو یا نسیان سے۔ الغرض اب شوہر کو اختیار نہیں ہے، کیونکہ اس نے باخبر ہونے کے باوجود اس سے ملاپ کیا ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

---

❶ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب المحافظة على الوضوء، حديث: ٢٧٧ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ٢٧٦، حديث: ٢٢٤٣٢ والمستدرك للحاكم: ١/ ٢٢٠ حديث: ٤٥٠، ٤٤٩، ٤٤٨، ٤٤٧.

❷ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، فضل السجود والحث عليه، حديث: ٤٨٩۔ سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب وقت قيام النبى صلى الله عليه وسلم من الليل، حديث: ١٣٢٠۔ سنن النسائى، صفة الصلاة، باب فضل السجود، حديث: ١١٣٨.

سوال: اگر عورت میں عیب ہو اور وہ اور اس کا ولی اس سے بے خبر ہوں، تو کیا شوہر اس سلسلے میں جو اسے نقصان دیا گیا کسی کی طرف رجوع کر سکتا ہے؟

جواب: اس قسم کی صورت میں شوہر کے عدم رجوع میں ایسی کوئی شرط نہیں کہ وہ عورت یا اس کا ولی اس بات کے حکم سے لاعلم اور بے خبر تھے۔ البتہ یہ ضرور لکھا ہے کہ وہ اگر عیب سے بے خبر ہوں (تو شوہر کسی کی طرف بھی رجوع نہیں کر سکے گا)۔ اگر فی الواقع ولی لاعلم ہو تو رجوع عورت کی طرف ہوگا، اور اگر وہ بھی اپنے عیب سے آگاہ نہ ہو، اور ایسا ہو سکتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ولی اور عورت دونوں ہی سچے ہوں، تو کسی پر بھی رجوع نہیں ہوگا۔

چونکہ حق مہر دخول سے لازم آجاتا ہے (اور وہ ہو چکا ہے) اور ولی یا عورت میں سے کسی پر دھوکہ دہی کا الزام ثابت نہیں ہے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر کوئی عورت کے عیب سے آگاہ ہو مگر اس بارے میں شرعی حکم سے آگاہ نہ ہو تو یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ چونکہ اس صورت میں دھوکہ دینا ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا حق مہر اسی دھوکہ دینے والے پر ڈالا جائے گا۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر کوئی آدمی کسی عورت سے شادی کرے اور نکاح کے بعد عورت اس آدمی میں کچھ ایسی چیزوں سے آگاہ ہو جو اسے ناپسندیدہ ہوں، اور پھر وہ اس آدمی سے فسخ کا مطالبہ کر لے، اور یہ سب ان کے ملاپ سے پہلے ہو، تو کیا حق مہر اور تعلق داری کے ہدایا از قسم سونے کے ہار اور کنگن وغیرہ وصول کیے ہوں، تو یہ سب اسے واپس کرنا ہوں گے؟

جواب: اس حال میں عورت پر واجب ہے کہ وہ سب کچھ جو اس شوہر نے اسے دیا ہے اسے واپس کر دے۔ کیونکہ یہ علیحدگی اسی عورت کی طرف سے ہو رہی ہے اور ان کا ملاپ نہیں ہوا ہے۔ اگر شوہر کچھ چھوڑنا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔ (صالح بن فوزان)

سوال: ایسی کتابیہ عورت سے نکاح کا کیا حکم ہے جن کہ ماں باپ اہل کتاب نہ ہوں؟

جواب: اس سے نکاح درست ہے۔ اور کتابیہ عورت سے نکاح کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ اس کے ماں باپ بھی اہل کتاب ہوں۔ اصل اعتبار اس کی اپنی ذات کا ہے۔ شیخ تقی الدین رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے۔

(عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: انگریز (عیسائی) رجسٹرار سے نکاح پڑھوانا کیسا ہے جبکہ عورت کتابیہ ہو اور گواہوں میں ایک گواہ مسلمان اور دوسرا عیسائی ہو، کیا یہ نکاح شرعی ہوگا؟

جواب: اکثر اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان مرد اور عورت کا نکاح عورت کے ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے:

((لا نكاح الا بولى وشاهدى عدل .))

''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''❶

اور جامع ترمذی میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((البغايا اللاتي ينحكن انفسهن بغير بينة .))

''جو عورتیں گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کریں وہ فاحشہ ہیں۔''❷

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا کہ ایک نکاح میں صرف ایک مرد اور ایک عورت ہی گواہ تھے، تو انہوں نے فرمایا: ''یہ نکاح سر ہے (یعنی راز دارانہ اور چھپا نکاح ہے)، اگر میں اس بارے میں پہلے کوئی وضاحت وغیرہ کر چکا ہوتا تو ان کو رجم کر دیتا۔''❸ ایسے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''❹

امام ترمذی رحمہ اللہ نے نکاح میں ولی اور گواہوں کے بارے میں کئی احادیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ''اصحاب نبی ﷺ، ان کے تابعین اور ان کے بعد اہل علم کے نزدیک عمل اسی بات پر ہے کہ گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے......''

اور یہ شرط شرعی مقاصد سے بھی ہم آہنگ ہیں کہ اس میں انساب اور عزتوں کا تحفظ ہے، بدکاری اور فساد کی راہ بند ہوتی ہے اور میاں بیوی کے مابین جو اختلافات ہو جایا کرتے ہیں اس میں ان کا دفعیہ ہے۔

اور کسی مسلمان کا کسی کتابیہ عورت سے نکاح کرنا، اس بارے میں بھی علمائے شافعیہ کے نزدیک صحیح تر قول کے مطابق دو مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ مذکورۂ بالا احادیث و آثار اور شرعی مقاصد اور دینی اصول و قواعد کی بنا پر یہی بات راجح ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: اگر کسی نے کتابیہ سے شرعی اسلامی طریقے سے نکاح کیا ہو تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ پھر دوبارہ چرچ میں جا کر پادری وغیرہ کے سامنے اپنے اس نکاح کا اعلان و اظہار کرے؟

جواب: کسی صاحب ایمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اس کا نکاح کسی مسلمان یا کتابیہ عورت کے ساتھ

---

❶ سنن الدارقطني: ٣/ ٢٢١، حديث: ١١.

❷ سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب لا نكاح الا بينة، حديث: ١١٠٣ المعجم الكبير للطبراني: ١٢/ ١٨٢، حديث: ١٢٨٢٧ ومصنف ابن أبي شيبة: ٣/ ٤٥٨، حديث: ١٥٩٦٧.

❸ المؤطا برواية يحيىٰ الليثي: ٢/ ٥٣٥، حديث: ١١١٤۔ السنن الكبرى للبيهقي: ٧/ ١٢٦، حديث: ١٣٥٠٤.

❹ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب لا نكاح الا بولي، حديث: ١٨٨٠ وسنن الترمذي، كتاب النكاح، باب استئمار البكر والثيب، حديث: ١١٠٨ (یہ روایت حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی۔ دیکھیے سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في الولي، حديث: ٢٠٨٥ وسنن الترمذي، كتاب النكاح، باب لا نكاح الا بولي، حديث: ١١٠١ وصحيح ابن حبان: ٩/ ٣٨٦، حديث: ٤٠٧٥، ٤٠٧٦.

شرعی اسلامی طریقے سے ہو گیا ہو تو چرچ میں جا کر پادری وغیرہ کے سامنے اس کا اعلان واظہار کرے۔ کیونکہ اس میں ان کے اطوار نکاح میں ان کی مشابہت ہے۔ نیز ان کے دینی شعائر، معابد، علماء واحبار کی توقیر لازم آتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((من تشبه بقوم فهو منهم .)) ❶

''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔'' (مجلس افتاء)

سوال: کیا شوہر اپنی غیر مسلم بیوی کو غسل جنابت کے لیے مجبور کر سکتا ہے؟

جواب: صحیح تر بات یہی ہے کہ وہ اسے اس کے لیے مجبور کرے، جیسے دیگر امور میں نظافت اور ناپسندیدہ امور سے اجتناب کے لیے مجبور کرتا ہے۔ اور بیوی کے لیے اپنے شوہر کی اطاعت واجب ہے اور یہ اس کا حق لازم ہے۔ تو یہ بات شوہر کے حقوق میں سے ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں اسی آدمی کے لیے جائز ہیں جو کئی یتامی کا سرپرست ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ وہ ان میں عدل نہیں کر سکے گا تو ایسا آدمی ان کی ماں سے یا کسی ایک یتیم لڑکی سے نکاح کر لے۔ اور ان لوگوں کا استدلال اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ (النساء: ٤/ ٣)

براہ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے:

جواب: ان لوگوں کا قول لغو اور باطل ہے۔ آیۂ کریمہ کا مفہوم اسی قدر ہے کہ اگر کسی آدمی کی تولیت میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ وہ اسے مہر مثل بھی نہیں دے سکے گا، تو اسے چاہیے کہ اس کے بجائے کوئی اور لڑکی تلاش کر لے، جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور اللہ نے اس پر کوئی تنگی بھی نہیں کی ہے۔ اس میں یہ بھی بیان ہے کہ دو، تین یا چار عورتوں تک سے نکاح کر لینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ چیز آدمی کی عصمت وعفت اور پاکیزگی نظر کے لیے زیادہ مؤثر ہے، اور تکثیر نسل کے علاوہ عورتوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے عفت وعصمت کا باعث اور ان کے لیے احسان اور ان کے اخراجات کا کفیل ہے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ایک عورت کے حصے میں آدھا آدمی یا اس کا تیسرا یا چوتھا حصہ آئے گا۔ لیکن غور کیا جائے کہ ایک عورت بغیر شوہر کے رہے اور اس کے مقابلے میں کسی کو آدھا یا تیسرا یا چوتھا حصہ مل جائے تو یہ صورت بلا شوہر ہونے کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ شوہر عدل کرنے والا ہو اور ان کی ذمہ

❶ سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث ٤٠٣١ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٥٠، حديث : ٥١١٤، ٥١١٥ ومصنف ابن أبي شيبة : ٤/ ١٢١، حديث : ١٩٤٠١ .

داریاں اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ ان میں عدل نہیں کر سکے گا تو وہ ایک ہی پر کفایت کرے یا لونڈی حاصل کر لے۔ اور اس بات پر رسول اللہ ﷺ کا فعل بہترین دلیل اور تاکید ہے۔ آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کے حرم میں نو بیویاں تھیں۔ اور اللہ عزوجل نے اہل ایمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کو نمونہ قرار دیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۲۱)

اور آپ نے اپنی امت کے لیے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ کسی کے لیے چار سے زیادہ بیویاں کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے زیادہ صرف اور صرف آپ علیہ السلام ہی کی خصوصیت ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: قرآن کریم میں تعدد ازدواج کے ضمن میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء : ٤/ ٣) ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان بیویوں میں عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی پر کفایت کرو۔''

جبکہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ (النساء ٤:١٢٩) ''اور تم لوگ، خواہ تمہاری کتنی ہی حرص ہو، عورتوں میں ہرگز عدل نہیں کر سکو گے۔''

پہلی آیت میں عدل کرنا شرط کہا گیا ہے اور دوسری میں بتایا گیا ہے کہ تمہارے لیے عدل کرنا ناممکن ہے۔ تو کیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ پہلی آیت منسوخ ہے اور ایک سے زیادہ شادی کرنا جائز نہیں؟ کیونکہ عدل کی شرط پوری ہونا ناممکن ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔ وجزاکم اللہ خیرا

جواب: ان آیات میں کوئی تعارض یا نسخ والی بات نہیں ہے۔ جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف عدل ہے جو انسان کی طاقت میں ہے یعنی باری دینا اور اخراجات مہیا کرنا۔ لیکن محبت وچاہت اور اس کے ضمنی امور (مقاربت و مباشرت وغیرہ) یہ انسان کی طاقت میں نہیں ہے اور اللہ کے فرمان: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ آپ اپنی بیویوں میں باری کا اہتمام فرماتے اور پورا پورا عدل کرتے اور فرمایا کرتے:

((اللهم هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك و لا أملك .))

''اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں۔ تو جس بات کا تو مالک ہے، میں اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ فرمانا۔''[1] (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے کئی بیویوں سے نکاح کر لینا جائز رکھا ہے تو کیا شوہر کے لیے ضروری

[1] سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث : ٢١٣٤ وسنن الدارمي : ٢/ ١٩٣، حديث : ٢٢٠٧ .

ہے کہ دوسری شادی کرنے سے پہلے پہلی بیوی کی رضامندی حاصل کرے؟

جواب: شوہر پر اس طرح کی کوئی بات لازم نہیں ہے کہ دوسری شادی سے پہلے پہلی بیوی کی رضامندی حاصل کرے۔ ہاں یہ بات حسن معاشرت اور عمدہ اخلاق کا حصہ ضرور ہے کہ وہ پہلی بیوی کی دلداری ضرور کرے، جس سے اس کی وہ فطری اور طبعی اذیت کم ہو جائے جو اس قسم کے معاملات میں عورتوں کو ہوتی ہے۔ خوش دلی، خوش طبعی اور دل لگی کی باتیں کرے، اور اگر محسوس کرے کہ اس کی رضامندی کے لیے کوئی مال پیش کرنا مفید ہے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں ایک شادی شدہ خاتون ہوں، میرے ہاں اس شوہر سے ایک بیٹا بھی ہے۔ میرا شوہر ایک اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک عورت کے لیے عفت کا باعث بنے گا، حالانکہ وہ عورت معروف عمر سے گزر چکی ہے اور اس نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔ کیا میرے شوہر کا یہ عذر قابل قبول ہے؟ اور اگر میں اس کے لیے رضامندی کا اظہار نہ کروں تو کیا گناہ گار ہوں گی؟ خیال رہے کہ شوہر مالی اعتبار سے صاحب حیثیت ہے۔

جواب: مرد اگر دوسری شادی کرنا چاہے تو وہ اس کے لیے قطعاً پابند نہیں ہے کہ وہ اس کا عذر بھی بیان کرے۔ یہ معاملہ بنیادی طور پر مباح ہے اور فقہائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ دوسری شادی کے لیے کسی اجازت، کسی براءت یا عذر پیش کرنے کا محتاج اور پابند نہیں ہے۔ کتب فقہ میں یہ تفصیل موجود ہے۔ آپ ان کا مراجعہ کریں گے تو آپ کو یہی ملے گا کہ مرد کے لیے ایک یا دو یا تین یا چار تک بیویاں کر لینا مباح ہے۔ یہ قرآن کریم کی نص، نبی علیہ السلام اور اکابر صحابہ کا فعل ہے۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ آزادی نسواں کا نعرہ لگاتے ہیں وہ ان کے حقوق ضائع کرنے کے مجرم ہیں۔

ذرا غور کریں جو آدمی دوسری شادی کرنا چاہ رہا ہے وہ کسی مرد سے شادی کر رہا ہے یا عورت سے؟ یقیناً وہ کسی عورت ہی سے شادی کرے گا اور اس کی رضامندی سے کرے گا۔ اس عورت کے بھی تو کچھ حقوق ہیں، اور ان میں اس کا باعصمت اور عفیف بھی ایک حق ہے۔ اور جو عورت ایک بار شادی کر چکی ہو اور پھر اس کا شوہر فوت ہو جائے یا اسے طلاق دے دی ہو تو کیا اس سے اس کے لیے دوبارہ شادی کرنے کا موقع ضائع ہو گیا؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ اسے حق حاصل ہے کہ شادی کر لے۔

اور احادیث سے ثابت ہے کہ عورتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور مردوں کی کم ہو رہی ہے جیسے کہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گی، جہالت عام ہو جائے گا، عورتیں زیادہ اور مرد کم ہو جائیں گے، حتیٰ کہ پچاس پچاس عورتوں کے لیے ایک نگران اور ذمہ

دار ہوگا۔'' ❶

اور صحیح بخاری میں ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ ہیں: حرم میں الحاد کا مرتکب، اسلام میں جاہلیت کا عمل رائج کرنے والا اور ناحق خون کا مطالبہ کرنے والا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔'' ❷

اور اس قسم کی بات آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں بھی فرمائی تھی:

((ألا وإن كل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي هاتين موضوع .))

''خبردار! جاہلیت کی تمام رسمیں میرے ان دو قدموں تلے روندی جارہی ہیں۔'' ❸

الغرض شوہر اپنی دوسری شادی کرنے کے لیے کسی قسم کا عذر پیش کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ اور آپ، بحیثیت بیوی کے، اگر اپنے شوہر کے اس مطالبے کو رد بھی کر دیں تو آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن جو شوہر اپنی بیوی سے اجازت لے کر شادی کرنے کا خواہاں ہے وہ کبھی شادی نہیں کر سکے گا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میرا شوہر میرے ہاں اولاد نہ ہونے کے باعث دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اور میں اس کے لیے کسی طرح راضی نہیں ہوں، اور وہ بھی صرف غیرت کی بنا پر۔ تو کیا مجھے شرعی طور پر حق حاصل ہے کہ اپنا مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کردوں تا کہ مجھے اس شوہر سے طلاق مل جائے؟ خیال رہے کہ شوہر اس وقت تک دوسری شادی نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ پہلی بیوی اجازت نہ دے دے۔

جواب: مرد کے لیے ہر طرح سے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اجازت لیے بغیر چار تک شادیاں کر سکتا ہے۔ اور وہ اس کا کسی طرح پابند نہیں ہے کہ پہلی بیوی سے رضا مندی لے۔ اس خاتون کو اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے کہ

---

❶ صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب يقل الرجال و يكثر النساء، حديث: ٤٩٣٣ وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب اشراط الساعة، حديث: ٢٢٠٥ .

❷ صحيح بخاري، كتاب الديات، باب ما من طلب دم امرء بغير حق، حديث: ٦٦٨٨ والسنن الكبرى للبيهقي: ٨/ ٢٧، حديث: ١٥٦٨٠ .

❸ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: ١٢١٨ وسنن الدارمي: ٢/ ٦٧، حديث: ١٨٥٠ .

مقصد یہ ہے کہ ایک ہی بیوی پر کفایت کی مہم چلانا اور اس کا چرچا کرنا، اور اس کے بالمقابل دوسری، تیسری شادی کو مکروہ اور ناپسندیدہ جاننا یقیناً جاہلیت کا کام ہے اور اس سے ظاہری و باطنی فحاشی و بدکاری کے دروازے کھلتے ہیں جیسا کہ نئی تہذیب کے آثار ثابت کر رہے ہیں۔ پہلی بیوی کی رضامندی حاصل کرنے کی پابندی بھی، شرعی امور میں داخل اور معقول کی قسم سے ہے اور معاشرے کی ایک بڑی تعداد کو شوہروں کے بغیر عفت وطہارت سے محروم رکھنے کا عمل ہے جو سراسر جہالت اور جاہلیت ہے جس کے تمام امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک قدموں تلے روند دیے ہیں۔ (سعیدی)

اس کا شوہر اس سے باوجود اولاد نہ ہونے کے ایک طرح سے محبت کرتا اور اسے طلاق نہیں دینا چاہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اگر یہ اسے طلاق دے دے تو پھر اس کی کہیں اور شادی ہی نہ ہو۔

ہر عورت کو چاہیے کہ باخبر رہے کہ غیرت کے نام پر اس حد تک آگے نہ بڑھ جائے کہ حرام اور باطل میں داخل ہو جائے۔ بلکہ اگر کوئی عورت بغیر کسی معقول سبب کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔

طلاق طلب کرنے کے چند اسباب ہیں جو علماء کے ہاں معروف ہیں مثلاً شوہر اخراجات مہیا کرنے سے عاجز ہو یا اسے جنون کا عارضہ ہو جو عورت کے لیے کسی خطرے کا باعث ہو اور وہ اس کے باعث امن میں نہ ہو یا اسے کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے جو عورت کے لیے باعث ضرر ہو وغیرہ۔ اگر اس طرح کے کسی سبب سے طلاق مانگے تو جائز ہے۔

لیکن اس سبب سے طلاق کا مطالبہ کرنا کہ وہ کسی دوسری عورت سے شادی کرنا چاہ رہا ہے، اور اس اعتراف کے باوجود کہ اس کی بنیاد صرف غیرت ہے۔ میں اس خاتون کو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے ذریعے سے متنبہ کرتا ہوں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أيما امرأة سألت زوجها الطلاق بغير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة .))

''جو کوئی عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی خاص وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''[1]

اس پر مزید یوں بھی دیکھنا چاہیے کہ ایسی صورت میں مسلمان قاضی ہرگز ہرگز طلاق نہیں دے گا۔ قاضی کو طلاق دینے کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ طلاق کا فیصلہ تو رب الارباب جل وعلا کرتا ہے۔[2] خواہ ہزار قاضی بھی ہوں اور بغیر شرعی سبب کے طلاق دیں تو طلاق نہیں ہوگی۔ اور اگر بالفرض اس طرح کی طلاق کے بعد اگر آپ نے کہیں شادی کر بھی لی تو آپ کا یہ نکاح باطل ہوگا اور مدت الحیات زنا اور بدکاری کی زندگی گزاریں گی۔ یہ وہ اہم اساسی نکتہ ہے جو آپ کو اس مسئلے میں بتا دیا گیا ہے۔

اور جو آدمی اللہ کی شریعت چھوڑ کر انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی طرف جاتا ہے، ضرور ہے کہ اللہ اسے دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب سے دوچار کرے گا، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ الغرض آپ کو اس قسم کے جذبات سے متنبہ رہنا چاہیے، یہ ایک بڑا فتنہ ہے! (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: شادی کرنے والا اپنی بیوی کے ساتھ اگر وہ کنواری ہو تو ایک ہفتہ اور اگر وہ شوہر دیدہ ہو تو تین دن رہتا

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب في الخلع، حديث: ٢٢٢٦ وسنن الترمذي، كتاب الطلاق، باب المختلفات، حديث: ١١٨٧ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ٢٧٧، حديث: ٢٢٤٣٣.

[2] یعنی جو قرآن وحدیث میں شرعی اصول وضوابط میں موجود ہے۔ (سعیدی)

ہے، حتیٰ کہ نماز باجماعت کے لیے نہیں نکلتا۔ کیا سنت یہی ہے کہ وہ نماز کے لیے نہ جائے؟

جواب: اگر کوئی آدمی کسی کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس ابتدا میں سات دن رہے، پھر دوسری بیویوں کے ساتھ تقسیم اور باری شروع کرے اور اگر ثیبہ سے شادی کرے تو اس پاس تین دن رہے۔ اگر وہ چاہے کہ اس کے ہاں سات دن رہے تو یہ بھی کر سکتا ہے مگر دوسری بیویوں کو بھی اتنا ہی وقت دینا پڑے گا۔

اس مسئلہ میں دلیل حضرت ابوقلابہ کی روایت ہے جو وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ:

> ''سنت یہ ہے کہ جب آدمی کسی ثیبہ پر کنواری سے شادی کرے تو (ابتدا میں) اس کے پاس سات دن رہے، اور پھر تقسیم اور باری شروع کرے۔ اور اگر ثیبہ (شوہر دیدہ) سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن رہے۔'' ❶

اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے (ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے) شادی کی تو ان کے پاس تین دن رہے، اور فرمایا:

> ''تم اپنے اہل پر کسی بھی طرح حقیر اور ہلکی نہیں ہو۔ اگر تم چاہو تو میں تمہارے ہاں سات دن رہ سکتا ہوں، لیکن پھر دوسری بیویوں کے ہاں بھی سات سات دن ہی ❷ رہوں گا۔'' ❸

اور شادی کرنے والے کے لیے، خواہ وہ کنواری سے شادی کرے یا ثیبہ سے، ہرگز جائز نہیں ہے کہ شادی کے بہانے مسجد میں نماز باجماعت سے پیچھے رہے۔ اس خیال کی کوئی دلیل نہیں اور نہ مذکورۂ بالا احادیث میں ایسی کوئی بات ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا شوہر کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی بیویوں میں اخراجات اور لباس کے بارے میں برابری کرے؟

جواب: صحیح تر بات یہی ہے جسے شیخ الاسلام (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے اختیار کیا ہے کہ ان امور میں برابری واجب ہے، کیونکہ برابری نہ کرنا ظلم ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس نے واجب ادا نہیں کیا، بلکہ اس لیے کہ وہ عدل کر سکتا تھا مگر نہیں کیا۔ اور اس سے مراد وہ امور ہیں جن کی آدمی طاقت اور قدرت رکھتا ہو، ان ہی میں عدل کرنا واجب ہے۔ اور جن پر اسے قدرت نہ ہو وہ واجب نہیں ہیں، مثلاً مباشرت اور اس کے توابع۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

---

❶ صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب اذا تزوج الثيب على البكر، حديث : ٢٠٠٠ وصحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب، حديث : ١٤٦١ وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في المقام عند البكر، حديث : ٢١٢٤.

❷ ان احادیث میں یہ ہرگز نہیں کہ آدمی ہر وقت دن رات اس کے ساتھ ہی رہے اور اپنے کام کاج اور ضروریات اور نماز وغیرہ کے لیے باہر نہ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی اقامت اور رات گزاری اسی بیوی کے ساتھ ہو۔ (سعیدی)

❸ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب، حديث : ١٤٦٠ ـ السنن الكبرى للبيهقي : ٣٠٠/٧، حديث : ١٤٥٣٣.

سوال: ایک بیوی کی باری کے دن یا رات میں دوسری بیوی کے گھر میں جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: باری والی بیوی کے دن یا رات میں دوسری بیوی کے ہاں بلا ضرورت جانا اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ اس مسئلے کا تعلق آدمی کی عادت اور لوگوں کے عرف سے ہے۔ اس طرح کے جانے کو، خواہ دن ہو یا رات، لوگ اگر ظلم نہیں سمجھتے ہیں، تو یہ ظلم نہیں سمجھا جائے گا۔

اور ایسے بہت سے مسائل ہیں جن کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ملتی ہے، اور ان میں عرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہ ایک اہم فقہی قاعدہ ہے۔ اور مذکورہ بالا سوال بھی اسی قسم سے ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کیا بیوی اگر ماہانہ ایام یا نفاس میں ہو تب بھی اس کے لیے باری کا اہتمام کرنا واجب ہے؟

جواب: امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں مشہور بات یہی ہے کہ سب کے لیے باری کا اہتمام واجب ہے، کیونکہ بیوی جس حال میں بھی ہو، بیوی ہے۔ لیکن صحیح تر اور معمول بہا بات یہ ہے کہ حائضہ کے لیے باری ہے اور نفاس والی کے لیے نہیں۔ کیونکہ مردوں اور عورتوں کی عادت یہی ہے، اور وہ باری نہ ملنے پر راضی رہتی ہے۔ بلکہ غالب عادت یہی ہے کہ نفاس والی اپنی باری میں کوئی رغبت نہیں رکھتی۔ اور مذہب امام احمد میں بھی یہی ہے۔

(عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں ہوں، اور اس کی ماں ایک بیوی کے بارے میں اسے مجبور کرتی ہے کہ اس میں تقصیر کرے، اور پھر شوہر اسے اختیار دے کہ یا تو اسی کیفیت پر صبر کرتے ہوئے میری زوجیت میں رہتی رہ یا طلاق لے لے، اور پھر عورت اس بات کو اختیار کر لے کہ میں اسی کیفیت پر صبر کروں گی۔ تو کیا شوہر کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب شوہر نے اسے اختیار دیا اور اس نے اسی بات کو قبول کر لیا کہ میں تیری زوجیت کو اسی کیفیت میں قبول کرتی ہوں تو شوہر پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ البتہ گناہ اس کی ماں پر ہے جس نے اپنے بیٹے کو ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ تو بیٹے کے لیے اگر ممکن ہو کہ خود اسے نصیحت کر سکتا ہو تو اسے سمجھائے یا کسی ایسے شخص کا واسطہ حاصل کرے جس کی بات وہ مان سکتی ہو کہ اس کے لیے ایسے کرنا حلال نہیں ہے اور اندیشہ ہے کہ اس (ماں) پر دنیا و آخرت کی سزا واقع ہو۔ لہٰذا یہ طریق اختیار کرنا بیٹے کے لیے لازم ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی ہمت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

وہ نکاح جو حرام ہیں

سوال: مملکت عربیہ سعودیہ کے جنوب میں بعض قبائل کے اندر نکاح شغار بہت عام ہے (یعنی بدلے کا نکاح جسے ہمارے ہاں وٹہ سٹہ کہتے ہیں) اور بعض لوگ اس معاملے میں کئی طرح حیلوں سے بھی کام لیتے ہیں، اس ڈر

سے کہ کہیں یہ نکاح ہی رد نہ کر دیا جائے۔ مثلاً دونوں جانب کے مہروں میں اور ایام اور تواریخ میں فرق کر دیتے ہیں یعنی ایک اگر آج نکاح کرتا ہے تو دوسرا کچھ مدت کے بعد رجسٹرار کے ہاں اپنا نکاح درج کرائے گا۔ اور اسی انداز میں حیلے سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ تو کیا ایسے طریقوں سے یہ نکاح شغار ہونے سے نکل جاتا ہے؟ بالخصوص جب دونوں جانب شرط یہی ہو کہ مجھے نکاح کر دو، میں تجھے نکاح کر دیتا ہوں، ورنہ نہیں؟

جواب: مملکت عربیہ سعودیہ کے سابق مفتی اعظم فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ سے اسی قسم کا سوال کیا گیا تھا تو انہوں نے جو جواب دیا تھا ہم اپنے سائل کو وہی جواب پیش کر دیتے ہیں جو درج ذیل ہے:

الحمد للہ! شغار (بدلے کا نکاح یا وٹہ سٹہ) یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی یا بہن کسی کو اس شرط پر نکاح کر دے کہ وہ بھی اسے اپنی بہن یا بیٹی نکاح کر دے گا، اور ان کے مابین کوئی حق مہر نہیں ہوگا، اس معاملے کو شغار کہا ہی اس لیے گیا ہے کہ اس میں ایک قباحت ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ قباحت کتے کے اس عمل کے ساتھ مشابہ ہے جب وہ پیشاب کرنے کے لیے اپنی ٹانگ اٹھاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں شغر الکلب (جب وہ پیشاب کے لیے اپنی ٹانگ اٹھائے)۔ گویا ان متعاقدین میں سے ہر شخص اپنے مقصد کی خاطر اپنی ٹانگ اٹھا لیتا ہے۔ یا یہ بھی کہا گیا ہے کہ لغت میں "شغار" خالی ہونے کو بھی کہتے ہیں۔ شغر المکان یعنی جب وہ جگہ خالی ہو۔ تو نکاح شغار (بروزن فعال) اس طرح ہے کہ دونوں جانب کے آدمی عصمت کے بدلے عصمت خالی کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ نکاح حرام اور شریعت اسلامی اور اس کے تقاضوں کے خلاف ہے، جیسے کہ درج ذیل صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

((عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنهما أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نهی عن الشغار۔ والشغار هو أن یزوج الرجل ابنته علی أن یزوجه الاخر ابنته، ولیس بینهما صداق.))

"جناب نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے فرمایا ہے۔ اور شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کسی کو اس شرط پر نکاح کر دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے نکاح کر دے گا، اور ان دونوں کے درمیان حق مہر نہ ہو۔" [1]

((عن ابن عمر أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا شغار فی الاسلام.))

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں شغار نہیں ہے۔" [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الشغار، حدیث: ٤٨٢٢ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح الشغار وبطلانه، حدیث: ١٤١٥ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب تفسیر الشغار، حدیث: ٣٣٣٧.

[2] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح الشغار وبطلانه، حدیث: ١٤١٥ وسنن الترمذی، کتاب النکاح، باب النهی عن نکاح الشغار، حدیث: ١١٢٣، سنن النسائی، کتاب النکاح، باب الشغار، حدیث: ٣٣٣٥.

((عن أبی هريرة رضی الله عنه قال نهی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن الشغار، والشغار: أن يقول زوجنی ابنك وأزوجك ابنتی أو زوجنی اختك وأزوجك أختی .))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ اور شغار یہ ہے کہ آدمی دوسرے سے کہے کہ مجھے اپنی بیٹی کا نکاح دے دو میں تجھے اپنی بیٹی کا نکاح دے دیتا ہوں، یا مجھے اپنی بہن کا نکاح دے دو میں تجھے اپنی بہن کا نکاح دے دیتا ہوں۔''[1]

((عن أبی الزبير أنه سمع جابر بن عبدالله رضی الله عنهما: يقول: نهی النبی صلی الله عليه وسلم عن الشغار .))

''حضرت ابوزبیر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، فرماتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے۔''[2]

((عن عبدالرحمن بن هرمز الاعرج أن العباس بن عبدالله بن عباس أنكح عبدالرحمن بن الحكم ابنته وأنكحه عبدالرحمن ابنته وقد كانا جعلا صداقا۔ فكتب معاوية بن أبی سفيان إلی مروان بن الحكم يأمره بالتفريق بينهما وقال فی كتابه: هذا الشغار الذی نهی عنه رسول الله صلی الله ومسلم .))

''عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج روایت کرتے ہیں کہ عباس بن عبداللہ بن عباس نے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرحمٰن بن الحکم سے کر دیا اور عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی کا نکاح عباس بن عبداللہ سے کر دیا، جبکہ ان دونوں نے حق مہر بھی مقرر کیا تھا (یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے اس نکاح ہی کو حق مہر بنایا تھا) تو جناب امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے (امیر مدینہ) مروان بن حکم کو لکھا کہ ان دونوں میں تفریق کرا دو۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم نكاح الشغار و بطلانه، حديث: ۱٤۱٦ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ٤۳۹، حديث: ۹٦٥٥.

[2] مصنف ابن أبی شيبة: ٤/ ۳۳، حديث: ۱۷٥۰۷ ''ان الفاظ کے ساتھ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔

[3] سنن ابی داود، كتاب النكاح، باب فی الشغار، حديث: ۲۰۷٥ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ۹٤، حديث: ۱٦۹۰۲.

علمائے کرام کا شغار کی تعریف اور اس نکاح کی صحت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں کہ شغار کی دو صورتیں ہیں:

۱: ایک وہ جو احادیث میں بیان ہوئی ہے یعنی جانبین سے عصمتوں کا حق مہر سے خالی ہونا۔

۲: جانبین کے ولی ایک دوسرے سے یہ شرط رکھیں کہ اپنی ولیہ کا مجھ سے نکاح کر دو (میں تجھ سے کر دیتا ہوں)۔ کچھ علماء نے صرف پہلی صورت کا اعتبار کیا ہے، دوسری کا نہیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ نکاح شغار جائز نہیں لیکن (اگر کر لیا گیا ہو تو) اس کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ ایسا نکاح باطل ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایسی صورت میں زوجین میں اگر ملاپ نہ ہوا ہو تو اس کو فسخ کر دیا جائے، اور اگر ملاپ ہو گیا ہو تو فسخ نہ کیا جائے۔ ابن منذر نے اوزاعی سے ایسے ہی نقل کیا ہے۔

علمائے احناف کہتے ہیں کہ شغار کی صورت ہوگئی ہو تو نکاح صحیح ہے مگر حق مہر ادا کرنا واجب ہے۔ امام ز ہرئ مکحول، ثوری، لیث، اسحاق، ابوثور رحمہم اللہ اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایسے ہی ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں: فقہاء کا اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک شغار باطل ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی ولیہ کا نکاح دوسرے آدمی سے اس شرط پر کر دے کہ دوسرا اپنی ولیہ کا نکاح اس سے کر دے اور ان کے درمیان کوئی حق مہر نہ ہو۔ اگر وہ اس کے ساتھ مہر مقرر کر لیں تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ امام خیرقی کہتے ہیں کہ خواہ مہر بھی مقرر کر لیں تو صحیح نہیں ہوگا۔ جناب ابو البرکات ابن تیمیہ وغیرہ اصحاب احمد بھی یہی کہتے ہیں کہ (نکاح صحیح نہیں) خواہ مہر مقرر کریں اور کہیں کہ ہر فریق دوسرے کا حق مہر معاف کر دے تو یہ صحیح نہیں ہوگا، اور اگر ایسی بات نہ کہیں تو صحیح ہوگا۔ اور ''المحرر'' میں ہے: جس شخص نے اپنی ولیہ کا نکاح اس شرط سے کیا کہ دوسرا اپنی ولیہ اس کو نکاح کر دے گا، اور اس نے قبول کر لیا، اور ان کے درمیان مہر نہ ہوا تو یہ عقد صحیح نہیں ہوگا، اور اسے نکاح شغار کہا جاتا ہے۔ اور اگر مہر مقرر کریں تو اس تعین سے یہ نکاح صحیح ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ اگر اس میں یوں کہہ دے کہ ہر عورت کی عصمت دوسری کے لیے مہر ہوگی تو یہ صحیح نہیں۔ اگر ایسا نہیں کہا گیا تو صحیح ہوگا، اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

چونکہ اس مسئلے میں اختلاف ہے اس لیے ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جو صورت بلا اختلاف صریح شغار ہے یعنی کسی بھی عورت کے لیے مہر نہ ہو بلکہ ہر ایک کی عصمت دوسری کے بدلے میں ہو، یا مہر انتہائی قلیل برائے نام بطور حیلہ کے رکھا گیا ہو، تو ایسا نکاح باطل ہے، اسے فسخ کیا جائے گا، خواہ یہ دخول سے پہلے ہو یا اس کے بعد۔ شریعت نے شغار کو حرام قرار دیا ہے اور اس میں ولی کی طرف سے غیر ذمہ داری کا اظہار ہے حالانکہ اس کی ذمہ داری ہے کہ عورت کے لیے انتہائی خیر خواہی اور دنیا و آخرت کے معاملات میں اس کا بہترین معاون بنے۔

یہ قطعاً روا نہیں کہ ولی محض اپنے جذبات کو پیش نظر رکھے یا ظلم کرے یا ولیہ کا کوئی خیال ہی نہ کرے۔ یہ عورت اس کی لونڈی نہیں ہے یا کوئی جانور نہیں ہے یا ایسی چیز نہیں ہے کہ اپنی خواہشات کے لیے اسے پیش کر ڈالے۔ بلکہ یہ ذمہ داری ایک بڑی امانت ہے۔ اس پر واجب ہے کہ اس کی شادی میں شوہر کے کفو ہونے، حق مہر کے معیاری ہونے کا ضامن بنے۔ ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اگر کسی ولی میں ایسی صورت کا اظہار ہو کہ وہ اپنی ولیہ کے حقوق میں بے پروائی کرنے والا ہو یا اپنی خواہشات کو اس پر ترجیح دینے والا ہو یا اسے کسی مال کے بدلے دے دینا چاہتا ہو یا بدلے میں نکاح میں لینا چاہتا ہو، یا اس کے نکاح میں محض اس وجہ سے تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو اور انتظار کر رہا ہو کہ جو اس کے مطالبات پورے کر دے گا، اسے نکاح کر دے گا وغیرہ تو ایسے شخص کی ولایت ختم ہو جاتی ہے، اور اس عورت کو حق ہے کہ اپنی ولایت کسی ایسے شخص کی طرف تحویل کر دے جو اس کے حقوق کا تحفظ کرنے والا ہو۔

اور سائل نے جو یہ بیان کیا ہے کہ قبائل بنی حارث وغیرہ میں نکاح شغار بہت عام ہے، تو اس سائل اور دیگر تمام باحمیت مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان لوگوں کو زبان و بیان سے اس فعل کی برائی سے متنبہ کریں اور ڈرائیں، اگر اس طرح ان کی اصلاح نہ ہوتی ہو تو انہیں چاہیے کہ یہ معاملہ حکام کے روبرو پیش کریں۔ حکام ان شاء اللہ ایسی تدابیر اختیار کریں گے جن سے حق ثابت اور قائم ہوگا اور باطل باطل ہو جائے گا اور اس طرح اسلام کی حرمت محفوظ اور اس کے تقاضوں پر عمل ہوگا۔ (مجلس افتاء)

سوال: میرا ایک عزیز ہے کہ میں شرعی طریقے سے اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس عزیز کا ایک بیٹا ہے، میں اپنی بہن شرعی اصولوں کے تحت اس کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ خیال رہے کہ دونوں جانب کا حق مہر اور ان لڑکیوں کے خاص حقوق برابر نہیں ہوں گے اور لڑکیاں بھی اس پر راضی ہیں، ان پر کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔

جواب: اگر معاملہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ نے ذکر کیا ہے، اور لڑکیاں بھی اس پر راضی ہیں، ہر ایک کو فی الواقع مہر دیا جائے گا اور کسی حیلے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوگا، اور تم دونوں کے درمیان بھی کوئی قولی یا عرفی شرط نہیں ہوگی جو اس کا تقاضا کرتی ہو کہ آپ اسی صورت میں اسے نکاح کر دیں گے جب وہ نکاح کر دے گا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس عقد کے لیے مانع ہو۔ (مجلس افتاء)

سوال: نکاح حلالہ کا شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟

جواب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نکاح حلالہ کی وضاحت کر دی جائے۔ ''حلالہ'' یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے یعنی پہلے طلاق دے دی پھر رجوع کر لیا، پھر دوبارہ طلاق دی اور رجوع کر لیا، پھر اس کے بعد تیسری طلاق دے دی۔ اس صورت میں یہ عورت اس طلاق دینے والے شوہر کے لیے حلال نہیں

ہے، سوائے اس کے کہ اگر یہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کرے اور یہ نکاح رغبت ہو یعنی فی الواقع حقیقی نکاح ہو، اور پھر وہ شوہر اس سے مباشرت بھی کرے اور پھر وہ اسے طلاق دے، یا ان کا نکاح کسی صورت میں فسخ ہو جائے تو اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ : ۲/ ۲۲۹)

''طلاق دینا دو بار ہے، پھر یا تو معروف اور بھلے طریقے اسے اس روکے رکھنا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

اس کے بعد فرمایا:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ : ۲/ ۲۳۰)

''پھر اگر (تیسری) طلاق بھی دے دے تو یہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔ پھر اگر وہ (دوسرا) اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر (یعنی پہلے شوہر اور اس عورت پر) کوئی حرج نہیں کہ رجوع کر لیں (یعنی نکاح کر لیں) مگر اس شرط سے کہ انہیں یقین ہو کہ یہ اللہ کی حدیں قائم رکھیں گے۔''

تو اس موقع پر کوئی آدمی اس تین طلاق یافتہ عورت کا قصد کرے اور اس نیت سے نکاح کر لے کہ جب وہ اسے پہلے کے لیے حلال بنا دے گا تو اسے طلاق دے دے گا (یعنی اس سے مقاربت کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے گا)، پھر یہ عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر کے پاس لوٹ جائے تو ایسا نکاح باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے یہ حلالہ کیا گیا ہو انہیں لعنت فرمائی ہے۔[1] بلکہ آپ نے اس حلالہ کرنے والے کو 'التيس المستعار' (مانگے کا سانڈ) قرار دیا ہے۔[2] جیسے کہ کوئی بکریوں والا ان کی جفتی کے لیے کسی سے چند دنوں کے لیے نر مانگ لاتا ہے، کہ ضرورت پوری ہونے کے بعد اسے واپس کر دیا جاتا ہے۔ گویا اس آدمی سے بھی یہی چاہا گیا ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کر لے اور پھر بعد میں اسے طلاق دے دے۔ یہ ہے نکاح حلالہ اور یہ دو صورتوں سے ہوتا ہے:

ا۔ اس عقد اور نکاح میں شرط کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی بیٹی کا تجھ سے نکاح کر دیتے ہیں کہ تو اس سے مباشرت

[1] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، حديث : ١٩٣٤ سنن أبى داود، كتاب النكاح، باب فى التحليل، حديث : ٢٠٧٦ ''اس روایت میں ہے کہ اللہ نے لعنت کی ہے۔'' مسند احمد بن حنبل : ١/ ٨٧، حديث : ٦٦٠ وسنن الدارمى : ٢/ ٢١١، حديث : ٢٢٥٨.

[2] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، حديث : ١٩٣٦.

کرے گا اور پھر طلاق دے دے گا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقصد تو یہی ہوتا ہے مگر شرط کی صراحت نہیں ہوتی۔

اور یہ نیت بعض اوقات شوہر کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی عورت اور اس کے اولیاء کی طرف سے ہوتی ہے۔

اگر یہ نیت شوہر کی طرف سے ہو، اور شوہر ہی عورت کو رکھنے یا چھوڑنے کا مالک ہوتا ہے، تو اس کے لیے یہ عورت اس عقد سے حلال نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس نے اس عقد میں ''نکاح'' کی نیت نہیں کی۔ یعنی وہ اسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھنے کی نیت نہیں رکھتا۔ اس میں اس کی نیت عفت، الفت اور محبت یا اولاد وغیرہ کی نہیں ہے، جو نکاح کے بنیادی مقاصد اور مصالح ہیں، اس لیے یہ نکاح صحیح نہ ہوا۔

اگر عورت کی نیت یہ ہو کہ میں اس سے علیحدہ ہو جاؤں گی تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مگر مجھے اس اختلاف میں فی الحال کوئی راجح قول معلوم نہیں ہے۔

الغرض نکاح حلالہ، حرام ہے، یہ پہلے شوہر کے لیے عورت کے حلال ہونے کا کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے، کیونکہ یہ غیر صحیح ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مسلمانوں کی بیٹیوں کا کافروں سے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب: شرعی لحاظ سے یہ نکاح باطل ہے، جیسے کہ قرآن حکیم، سنت نبویہ اور اجماع مسلمین کی نصوص سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (البقرة : ۲/ ۲۲۱)

''مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں، اور البتہ ایمان دار لونڈی مشرکہ عورت سے کہیں بہتر ہے خواہ وہ عورت تمہیں کتنی ہی اچھی معلوم کیوں نہ ہو، اور (اپنی بیٹیاں) مشرک مردوں سے نہ بیاہو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (ان کے بالمقابل) کوئی ایمان دار غلام مشرک مرد سے کہیں بہتر ہے خواہ وہ تمہیں کتنا ہی بھلا کیوں نہ معلوم ہو۔ یہ مشرک تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور وہ اپنی آیات لوگوں کے لیے واضح کر رہا ہے تاکہ وہ نصیحت پائیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنة : ۶۰/ ۱۰)

''یہ مومن عورتیں ان کافروں کے لیے حلال نہیں ہیں، اور نہ وہ کافر ان مومن عورتوں کے لیے حلال ہیں۔''

اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس عقد میں عورت کے لیے خطرہ ہے کہ وہ اسے اس کے دین و ایمان سے پھیر دے گا، کجا یہ کہ یہ عورت اس سے کوئی فائدہ پائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''یہ کفار تمہیں آگ کی دعوت دیتے ہیں۔'' (البقرۃ: ۲/۲۲۱) اور ان کی یہ دعوت اعتقادات کے علاوہ قولی اور فعلی ہر اعتبار سے ہوتی ہے جو انسان کے لیے دخول نار کا سبب ہے۔ اور نکاح کا رشتہ سب سے بڑھ کر مؤثر عامل ہے، جس سے یہ دعوت کسی انسان کے دل میں گھر کر سکتی ہے، اور شوہر اپنی بیوی سے اس وقت تک راضی نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ دین میں اس کی تابع نہ بنے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۲۰)

''یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کے دین کی پیروی کرنے لگیں۔''

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی کافر مرد کسی مسلمان عورت کے لیے کسی حالت میں بھی اس کا ہم پلہ (کفو) نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زوجیت کے حقوق شوہر کے لیے کئی طرح کے حقوق کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (النساء: ٤/ ٣٤)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں بسبب اس کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہوئی ہے۔''

تو جب شوہر کافر ہوگا:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء: ٤/ ١٤١)

''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔''

علاوہ ازیں شوہر حسی اور معنوی لحاظ سے بیوی پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے متصادم ہوتی ہے:

((الاسلام يعلو ولا يعلى عليه.))

''اسلام غالب اور اوپر ہوتا ہے، اس پر کوئی اور غالب اور اوپر نہیں ہوسکتا۔''[1]

ضروری ہے کہ اس قسم کے احوال میں صدق و ثبات کا مظاہرہ کیا جائے اور ایسی عورتوں پر شریعت مطہرہ کے مطابق قانون نافذ کیا جائے جنہیں ان کے نفسوں نے اس طرح سے گمراہ کیا ہے۔ اگر کسی عورت نے یہ کام اسے حلال سمجھتے ہوئے کیا ہو تو وہ مرتد ہے اسی طرح اس کا ولی بھی مرتد ہے۔ اگر اس نے یہ کام حلال سمجھے بغیر کیا

[1] صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب إذا اسلم الصبی فمات، حديث: ١٣٥٣. (مطلوبہ الفاظ اسی ترجمۃ الباب کا ہی حصہ ہیں) سنن الكبرى للبيهقی: ٦/ ٢٠٥.

ہو تو یہ ایک جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے، مگر اسے مرتد نہیں کہا جائے گا۔ اگر اس نے یہ سب جانتے بوجھتے کیا ہو تو شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس پر حد رجم قائم کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کنواری ہو تو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا جائے۔ اور یہ فیصلہ اس صورت میں ہے جب وہ علم ومعرفت رکھتی ہو۔ اگر وہ جاہل ہو تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ شبہات کی صورت میں حدود ٹال دی جاتی ہیں۔ بہرحال ایسے زوجین میں تفریق کر دینا واجب ہے۔ اور شوہر پر بھی شریعت اسلامیہ کے مطابق سزا لاگو کی جائے۔ ولی امر (حاکم، قاضی) کو چاہیے کہ ان کی تفریق میں شرعی مصلحت اور اجتہاد سے کام لیں کہ یہ کس انداز سے ہو، حتیٰ کہ اگر مصلحت کا تقاضا ہو کہ انہیں بطور تعزیر قتل کرنا پڑے تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، اور یہ شرعاً جائز ہو گا۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک آدمی کی بہنیں مشرک شوہروں سے بیاہی ہوئی ہیں۔ بھائی کو جب راہ حق کی ہدایت ہوئی تو اس نے اپنی بہنوں اور بہنوئیوں کو بھی توحید اپنانے کی دعوت دی۔ بہنوں نے اس کی دعوت قبول کر لی ہے، مگر ان کے شوہروں نے اسے قبول نہیں کیا، تو کیا ان بہنوں کو ان کے شوہروں سے علیحدہ کروا لیا جائے یا کیا کیا جائے؟

جواب: اگر یہ عورتیں مسلمان ہیں تو ان مشرکین سے ان کا نکاح باطل ہو چکا ہے۔ بھائی پر واجب ہے کہ انہیں ان کے مشرک شوہروں سے علیحدہ کرائے۔ یہ اس کے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر یہ اسلامی ملک میں رہتے ہوں تو حاکم پر واجب ہے کہ ان مسلمان عورتوں کو کافروں کے عقد سے علیحدہ کرائے۔ ہاں اگر یہ اپنے شوہروں کے ساتھ یہودی، نصرانی یا بت پرست قسم کی کافر ہوں تو ان کا نکاح صحیح ہے۔ مگر اسلام قبول کر لینے کے بعد ان کے لیے اپنے کافر شوہروں کے ساتھ رہنا حرام ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة: ٦٠/ ١٠)

''یہ مسلمان عورتیں ان کافروں کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ وہ کافر ان مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔''

خود ان عورتوں پر واجب ہے کہ ان کافر شوہروں سے علیحدہ ہو جائیں۔ ہاں اگر شوہر اس کی عدت کے دوران میں اسلام قبول کر لے تو یہ اس کی زوجہ ہی رہے گی اور اسی طرح اگر عدت کے بعد بھی، نکاح نہ کرنے تک اگر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ اس کا شوہر اور یہ اس کی بیوی بن سکے گی۔ صحیح قول یہی ہے جیسے کہ نبی ﷺ کی دختر زینب رضی اللہ عنہا ایک مدت کے بعد اپنے شوہر ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کے ہاں لوٹا دی گئی تھیں۔ [1] (عبدالعزیز بن باز)

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الزوجين يسلم احدهما قبل الاخر، حديث: ٢٠٠٩۔ المستدرك للحاكم: ٢/ ٢١٩، حديث: ٢٨١١.

10

کتاب الطلاق والخلع

خواتین اور طلاق، خلع اور ظہار کے احکام ومسائل

سوال: ''اللہ کے نزدیک سب سے بڑھ کر ناپسندیدہ حلال عمل طلاق ہے۔''[1] یہ حدیث کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: یہ ایک ضعیف حدیث ہے۔ اسے ہم بالمعنی بھی صحیح نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ہو، ناممکن ہے کہ وہ حلال ہو۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا ہے کہ کوئی آدمی اپنی زوجہ کو طلاق دے۔ اس لیے اصل یہی ہے کہ طلاق ناپسندیدہ عمل ہے۔ اللہ کے ہاں اس کے ناپسندیدہ ہونے کی دلیل وہ آیت ہے جو ایلاء کے مسئلہ میں آئی ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٢٦-٢٢٧)

''جو آدمی اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں، ان کو چار مہینے انتظار کرنا چاہیے، اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیں تو بھی

[1] سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی کراهية الطلاق، حديث: ٢١٧٨ وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب، حديث: ٢٠١٨.

اللہ خوب سنتا اور جانتا ہے۔''

ایسے لوگوں کا رجوع کے سلسلے میں یہ کہنا کہ ''اللہ بخشنے والا مہربان ہے'' اور عزم طلاق کے بارے میں کہنا ﴿فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا عزم طلاق محبوب و مرغوب نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہم سب جانتے ہیں کہ طلاق سے عورت کا دل ٹوٹ جاتا ہے، بالخصوص جب بچے بھی ہوں تو خاندان بکھر کے رہ جاتا ہے، اور نکاح کے مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق من حیث الاصل ناپسندیدہ عمل ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کب اور کس طرح مطلقہ ہوتی ہے؟ اور طلاق کے مباح کیے جانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: عورت اس وقت طلاق یافتہ سمجھی جاتی ہے جب اس کے شوہر نے بقائمی ہوش و ہواس، خود مختار ہوتے ہو۔ ے اپنی بیوی پر طلاق واقع کی ہو، اور مرد جنون یا نشے وغیرہ کی حالت میں نہ ہو جو وقوع طلاق کے لیے مانع ہے۔

اور اگر عورت طہر کے ایام میں ہو اور ان دنوں میں میاں بیوی کا صنفی ملاپ نہ ہوا ہو یا وہ حمل سے ہو یا آیسہ ہو تو اسے طلاق ہو جاتی ہے اور اگر عورت حیض یا نفاس میں ہو، یا ایسے طہر میں ہو جس میں میاں بیوی کا صنفی ملاپ ہو چکا ہو جبکہ وہ حاملہ یا آیسہ نہ ہو، تو علماء کے صحیح تر قول کے مطابق اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی، الا یہ کہ شرعی قاضی اس طلاق کے نافذ ہونے کا فیصلہ کر دے تو یہ واقع ہو جائے گی، کیونکہ اجتہادی مسائل میں شرعی قاضی کا فیصلہ اختلاف کو ختم کرنے والا ہوتا ہے۔

اور ایسے ہی اگر شوہر مجنون ہو یا اسے مجبور کر دیا گیا ہو یا کوئی نشہ آور چیز لے کر نشے کی حالت میں ہو، خواہ یہ گناہ ہی سہی، یا مغلوب الغضب ہو، ایسا کہ اس کی سمجھ بوجھ پر پردہ پڑ گیا ہو اور وہ طلاق کے نقصانات سے شعور میں نہ رہا ہو، اور اس کے اسباب بھی واضح ہوں، یہاں تک کہ مطلقہ عورت بھی اس کی تصدیق کرے یا دیگر مختلف گواہیوں سے یہ ثابت ہوا ہو، ایسی صورت میں ایسے آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''تین طرح کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: چھوٹی عمر والا حتیٰ کہ بالغ ہو جائے سویا ہوا حتیٰ کہ جاگ جائے اور مجنون حتیٰ کہ صحت مند ہو جائے۔''[1] اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾

(النمل: ۰۰/۱۰۶)

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، حديث: ۴۴۰۲ وسنن الترمذي، كتاب الحدود، باب فيمن لا يجب عليه الحد، حديث: ۱۴۲۳ وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب من لا يقع طلاقه من الازواج، حديث: ۳۴۳۲.

''جس نے ایمان لے آنے کے بعد اللہ سے کفر کیا، سوائے اس کے جسے مجبور کر دیا گیا، ہو اس حال میں کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

تو جب کفر پر مجبور کیا گیا آدمی، کافر نہیں بن جاتا ہے، بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، تو طلاق پر مجبور کیا گیا آدمی بالاولیٰ اس درجہ میں ہے کہ اس کی طلاق نافذ نہ ہو۔ بشرطیکہ طلاق دینے والے کو اکراہ کے علاوہ کسی اور چیز نے اس پر آمادہ نہ کیا ہو۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق .))

''مجبور کیے جانے میں کوئی طلاق نہیں، کوئی آزاد کرنا نہیں۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ اور بہت سے علماء نے اغلاق کا معنی اکراہ اور غضب شدید کیا ہے۔

ایسے ہی حضرت عثمان خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ اور بہت سے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بحالت نشہ طلاق نہیں ہوتی جبکہ اس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ تاہم اس کے گناہ گار ہونے میں شبہ نہیں ہے۔

طلاق مباح ہونے کی حکمت انتہائی واضح ہے۔ ہوسکتا ہے یہ بیوی شوہر کے مناسب حال نہ ہو اور وہ اسے بہت زیادہ ناپسند کرتا ہو، اور اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً نادان ہو، دینی حالت کمزور ہو، یا بے ادب ہو وغیرہ تو اللہ نے اس میں وسعت رکھی ہے کہ مرد اسے اپنی عصمت سے نکال دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (النساء: ٤/ ١٣٠)

''اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہو سکے اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی دولت سے غنی کر دے گا۔'' (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں دے دی ہیں، بیوی کنواری ہے، کیا اس کے لیے اس میں رجوع کرنا ممکن ہے؟

جواب: تین طلاقیں دخول سے پہلے ہوں یا بعد، ائمہ اربعہ کے نزدیک اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔[2]

(امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک آدمی کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے اسے مارا تو عورت نے کہہ دیا کہ مجھے طلاق دے دو، تو شوہر نے کہا: تو مجھ پر حرام ہے۔ تو کیا اس طرح کہنے سے بیوی شوہر کے لیے حرام ہو جائے گی؟

جواب: شوہر کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ ''تو مجھ پر حرام ہے'' اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر

---

[1] سنن أبی داود، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی غلط، حدیث ۲۱۹۳ وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب طلاق المکره، حدیث: ۲۰٤٦ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ۲۷٦ مسند عائشة.

[2] غیر مدخولہ عورت اس سے بائنہ ہو جاتی ہے، مگر صلح ہو جانے کی صورت میں دوبارہ نکاح بھی ہوسکتا ہے۔ (سعیدی)

کے ذمے ہے کہ وہ ظہار والا کفارہ ادا کرے اگر عورت اسے اپنے ساتھ ملاپ کا موقع دے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے ذمے کچھ نہیں ہے۔ تاہم علماء میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عورت پر واجب ہے کہ وہ شوہر کو اپنے ساتھ ملاپ کا موقعہ دے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک آدمی ایک مدت سے بیمار ہے، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ گھر سے باہر چلی جا۔ مگر وہ نہیں گئی تو اس نے کہہ دیا: تجھے طلاق ہے۔ تب وہ چلی گئی اور اس سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ پھر شوہر نے اسے بلایا تو پردہ کر کے اس کے پاس آئی، تو اس نے پوچھا کہ تو نے یہ چہرہ کیوں چھپایا ہوا ہے؟ اس نے بتایا کہ اس وجہ سے جو تو نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ تو اس نے انکار کیا اور کہا میں نے تو کوئی قسم نہیں اٹھائی اور نہ طلاق دی ہے، اور پھر چند دنوں کے بعد وہ فوت ہو گیا تو کیا اس عورت کو طلاق ہو گئی ہے، یا اس پر صرف عدت وفات ہی ہے؟

جواب: اس عورت پر وفات اور طلاق کی دونوں عدتیں ہیں، اور یہ وراثت کی حق دار ہو گی۔ اور یہ حکم تب ہے جب اس شوہر کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ وہ طلاق کے وقت ہوش و حواس میں تھا۔ اور اگر یہ ہو کہ اس کی عقل و شعور غائب تھی تو عورت پر صرف عدت وفات ہو گی۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یوں کہہ دیا ہو کہ ہمارے درمیان جو عہد و پیمان تھا وہ ختم ہوا، کیا اس سے طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: اگر شوہر نے اس کلام سے طلاق مراد لی ہو تو طلاق ہو جائے گی۔ اگر اس کی یہ نیت نہ ہو تو نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ کنایہ کے الفاظ ہیں، اس لیے بولنے والے کی نیت جاننا بہت ضروری ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں جب اپنے شہر سے نقل مکانی کرنے لگا تو میری بیوی نے میرے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور اصرار کیا کہ میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ ہی رہوں گی۔ چونکہ وہ لوگ دینی معاملات میں ازحد سست اور غافل ہیں، اس وجہ سے میں نے بیوی سے کہا: ''اللہ کی قسم اگر تو ان لوگوں کے ساتھ رہی تو تو ہرگز میری بیوی نہیں رہ سکتی۔'' چنانچہ وہ اپنے خاندان والوں ہی کے پاس رک گئی۔ تو کیا میرا اسے اس طرح کہہ دینا تین طلاقیں سمجھا جائے گا؟ اور ایسی گفتگو کا کیا حکم ہے؟

جواب: سوال کا جواب دینے سے پہلے میں شوہروں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ طلاق کے الفاظ بولنے میں ہرگز جلدی نہ کیا کریں، اس میں انسان کو بہت الجھنیں اور پریشانیاں پڑتی ہیں۔ سب معاملات میں نکاح کا معاملہ انتہائی حساس ہے۔ شریعت نے کسی معاملے میں اس قدر احتیاط اور تفصیل نہیں بتائی جس قدر کہ نکاح کے معاملات میں بتائی ہے۔ اس کی ابتدا، وسط، انتہا اور فسخ کے امور تفصیل سے واضح کیے ہیں۔ کیونکہ نکاح پر نسب، میراث اور سسرالی حقوق کے علاوہ بہت سے معاشرتی مسائل مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت کڑی شروط رکھی گئی ہیں۔ تو اگر کوئی معمولی سی بات پر طلاق بول دیتا ہے تو یہ اس کے بیوقوف ہونے کی علامت

ہے۔ اور پھر ایسے ہوتا ہے کہ آدمی طلاق دے بیٹھتا ہے اور پھر علماء کے در در پر پھرتا اور چکر لگاتا ہے، نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی صورت اس مشکل سے خلاصی ہو۔ اس لیے میں نصیحت کرتا ہوں کہ ان امور میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

علاوہ ازیں شریعت کی یہ حکمت ہے کہ انسان پر حرام ہے کہ بیوی کو اس کے ایام حیض میں طلاق دے۔ کیونکہ وہ ان دنوں میں اس کے ساتھ ملاپ سے دور ہوتا ہے، اور عین ممکن ہے کہ وہ بیوی کو ناپسند کر رہا ہو، اور کہہ دے کہ یہ تو ہم سے دور اور علیحدہ رہتی ہے، اور طلاق دے دے۔ اس لیے شریعت نے ایام حیض میں طلاق سے منع فرمایا ہے۔

اور ایسے طہر میں بھی طلاق دینے سے روکا ہے جس میں ان دونوں کا ملاپ ہو چکا ہو، کیونکہ عین ممکن ہے اس ملاپ سے عورت کی کوکھ میں کسی بچے کی خلقت ہوگئی ہو اور شوہر کو علم ہی نہ ہو۔ نیز ممکن ہے اس طرح اس کے جذبات کسی قدر ٹھنڈے پڑ چکے ہوں، اور اسے اس کی طرف رغبت نہ ہو، جیسے کہ ایام حیض میں ایک دوسرے سے علیحدہ تھے۔

بہرحال انسان کو طلاق کے معاملے میں انتہائی تحمل مزاج ہونا چاہیے۔ اور اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے اور شوہر اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر تو فلاں طرف گئی تو میری بیوی نہ رہے گی یا تجھے طلاق ہوگی وغیرہ، صریح الفاظ ہوں یا اسی طرح کی کچھ کنایہ کی بات کہے، تو کنایہ کی صورت میں ہم شوہر سے پوچھیں گے کہ تمہاری اس سے نیت کیا تھی، اور حقیقت کا تو اللہ ہی حساب لینے والا ہے، کیا تو نے طلاق کا ارادہ کیا تھا کہ وہ تیری زوجیت سے نکل جائے، یا محض اسے روکنے کے لیے اور دھمکی کے طور پر یہ لفظ کہے تھے۔ اگر یہ صرف دھمکی کی نیت سے کہے ہوں تو طلاق نہیں ہوگی۔ تاہم قسم کا کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ یہ الفاظ قسم کے حکم میں ہیں۔ اور اس مسئلہ میں اور بھی تفصیل ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: درج ذیل صورت میں طلاق کا کیا حکم ہے جب وہ ایک ہی لفظ سے ایک طلاق دی گئی ہو اور ایک متعین مدت تک کے لیے ہو؟ مثلاً یوں کہے کہ: تجھے ایک مہینے کے لیے طلاق۔ کیا اس طرح طلاق ہو جاتی ہے؟ پھر اگر عورت اس عرصہ میں گھر سے نہ جائے اور شوہر مہینہ پورا ہونے سے پہلے اس کے ساتھ رہنے بسنے لگے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا؟

جواب: ہاں، اس طرح طلاق ہو جاتی ہے اور یہ ایک رجعی طلاق ہوگی۔ یعنی شوہر کو حق حاصل ہوگا کہ وہ عدت کے دوران میں اس کی طرف رجوع کر لے۔ اور معلوم رہے کہ طلاق کسی متعین اور محدود وقت تک کے لیے نہیں ہوتی کہ اس مدت کے پورا ہونے کے بعد وہ ختم ہو جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ تجھے ایک مہینے تک کے لیے طلاق، یا ایک سال تک کے لیے طلاق، طلاق میں ایسے نہیں ہو سکتا۔

بہر حال اگر تین کے علاوہ ایک یا دو طلاقیں ہوں اور کسی عوض پر بھی نہ دی گئی ہوں تو عدت کے دنوں میں شوہر کو رجوع کا حق ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میرے اور میری بیوی کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا۔ میں جب صبح کو جاگا تو میں نے اسے گھر میں نہیں پایا۔ میں نے اپنی والدہ سے بات کی تو اس نے مجھے ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر میں نے بیوی کے متعلق کہا: میرے ذمے طلاق ہے، وہ اب دوبارہ اس گھر میں نہیں آئے گی۔ میں نے یہ بات دوبارہ اور سہ بارہ کہی۔ پھر میں نے اس صورت حال کے متعلق علماء سے دریافت کیا تو جوابات مختلف ملے۔ کچھ نے کہا کہ قسم لازم ہے اور وہ واقع ہو گی، اور کچھ نے کہا کہ میں دس مسکینوں کو کھانا کھلا دوں۔ چنانچہ میں نے دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا۔ پھر دس دنوں کے بعد میں اپنی بیوی کو واپس لے آیا اور اس سے کہا کہ اگر بالفرض میں نے طلاق دی بھی تھی تو اب رجوع کر لیا ہے؟ کیا اس صورت میں مجھ پر گناہ ہے۔ اور مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اگر آپ نے اس بات سے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق ہو گی اور اگر آپ نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی بلکہ یہ ارادہ تھا کہ اسے دوبارہ گھر نہیں آنے دو گے، تو آپ کے ذمے قسم کا کفارہ ہے، یعنی دس مسکینوں کا کھانا۔ اور اگر آپ کو اپنی نیت یاد نہیں ہے تب بھی دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔ کیونکہ طلاق محض احتمال اور شک وشبہ سے نہیں بلکہ یقین سے واقع ہوتی ہے۔ سو اگر نیت یاد نہ ہو تو کمتر احتمال کا حکم ہو گا یعنی ارادۂ قسم مراد ہو گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ طلاق کا ارادہ نہیں تھا۔ لہٰذا دس مسکینوں کو کھانا کھلا دو، اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک آدمی اپنی بیوی سے ایک لمبی مدت غائب رہا اور وہ اسے اپنے طور پر طلاق دے چکا تھا مگر بیوی کو اطلاع نہیں دی، تو کیا اس طرح طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: ہاں، طلاق ہو جاتی ہے، خواہ بیوی کو اس کی اطلاع نہ ہو۔ جب انسان نے طلاق کے لفظ بول دیے ہوں اور یوں کہہ دیا ہو کہ ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی'' تو اسے طلاق ہو جاتی ہے، بیوی کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اور اگر ایسی عورت کو اپنی طلاق کا علم اس وقت ہو جب طلاق کے بعد اس کے تین حیض گزر چکے ہوں تو اس کی عدت بھی ختم ہو چکی ہو گی۔ مثلاً اگر کوئی مرد فوت ہو جائے اور بیوی کو اس کی خبر عدت کی مدت گزر جانے کے بعد ہو تو اس پر مزید کوئی عدت نہیں ہو گی، کیونکہ وہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

وہ امور جو عقد زواج سے پہلے ہو جائیں

سوال: میں ایک شادی شدہ نوجوان ہوں مگر نکاح ہونے سے تقریباً چوبیس گھنٹے پہلے بعض حاسدین اور چغل خوروں کی وجہ سے میرے اور میرے سسرالیوں کے درمیان بڑے گرما گرم اختلافات رونما ہو گئے، مجھے بہت

غصہ آیا، جس کے نتیجہ میں نے اپنی بیوی کے متعلق غلط انداز اپنایا اور کہا کہ ابھی تو اس کی شادی نہیں ہوئی ہے، اگر شادی کے بعد اس نے اس طرح کیا تو اسے طلاق ۔ اور ہمارا نکاح ہوگیا اور پھر ہمارے مابین بہت حد تک مفاہمت ہوگئی، حتیٰ کہ میں نے اسے اس کام کی بھی اجازت دے دی جس کے ہونے پر میں نے طلاق کا کہا تھا۔ تو کیا اس طرح طلاق ہوجاتی ہے؟ اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اور خیال رہے کہ میری یہ بات جو میں نے اس کے متعلق کہی تھی بیوی کے علم میں نہیں ہے، بلکہ میں اسے یہ بتانے سے گھبراتا ہوں کہ کہیں اس سے ہمارے درمیان پھر سے کوئی شکر رنجی نہ ہوجائے۔

جواب: آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ طلاق کو معلق اور مشروط طور پر کہا تھا کہ اگر اس عورت نے اس اس طرح کیا تو اسے طلاق ہوگی، اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقد نکاح سے پہلے کی بات ہے، اور طلاق ہمیشہ نکاح کے بعد ہوا کرتی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۳۷)

''اور اگر تم بیویوں کو انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو، جبکہ تم ان کے لیے کچھ حق مہر مقرر کر چکے ہو، تو جو مقرر کیا ہو اس کا آدھا حصہ ادا کرنا ہے، سوائے اس کے کہ وہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔''

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کا ذکر نکاح کے بعد کیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ طلاق کا مفہوم ''نکاح کی گرہ کھولنا ہے۔'' اور یہ کھولنا تبھی ہوسکتا ہے جب یہ بندھن بندھ چکا ہو۔

اس لیے آپ کی بیوی کو کوئی طلاق نہیں ہے خواہ وہ کام کر گزرے جس پر آپ نے اس کی طلاق کو معلق اور مشروط بنایا تھا۔ مگر آپ کے ذمے اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہے۔ اس لیے کہ قسم لازم ہوجاتی ہے خواہ وہ بیوی کے علاوہ کسی بھی عورت کے متعلق ہو۔

اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا انہیں کپڑے دیے جائیں یا ایک غلام آزاد کیا جائے۔ اگر یہ نہ پائے تو تین دن کے مسلسل روزے رکھنے ہیں۔ اور کھانے کی صورت یہ ہے کہ ان کے لیے ایک وقت میں دن یا رات کا کھانا دیا جائے، آپ ان دس مسکینوں کو بلا کر کھانا کھلا دیں یا تقریباً چھ کلو چاول اور اس کے ساتھ گوشت وغیرہ بطور سالن ان کو دے دیں اور کپڑے اس طرح ہیں کہ ہر ایک کو قمیص، شلوار اور رومال جو معروف لباس ہے، دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے لباس کو عام رکھا ہے، تو اس کے لیے عرف کی طرف رجوع ہوگا۔

اور غلام آزاد کرنا یہ ہے کہ کوئی مملوک غلام یا لونڈی خرید کر آزاد کر دی جائے۔ اگر یہ میسر نہ ہو مثلاً اتنی رقم حاصل نہ ہو جس سے آپ کھانا کھلا سکیں یا انہیں لباس دے سکیں یا غلام حاصل کر سکیں، یا مال تو ہو مگر مسکین نہ ملیں

کہ انہیں کھانا کھلایا جائے یا لباس دیا جائے، یا غلام ہی نہ ملتا ہو وغیرہ، تو اس صورت میں تین دن متواتر روزے رکھنے ہوں گے۔

اور آخر میں میں آپ کو اے بھائی، اور آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ طلاق کے الفاظ بولنے میں بے پروائی اور جلدی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ یہ مسئلہ انتہائی نازک ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض آدمی اپنی بیوی سے یوں کہہ دے کہ اگر تو نے اس طرح کیا تو تجھے طلاق، اور پھر عورت نے وہ کام کر ڈالا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔

کسی بھی دانا آدمی کو ان باتوں میں جلدی نہیں کرنا چاہیے بلکہ انتظار اور صبر سے کام لینا چاہیے۔ اور اگر بیوی کو کسی کام سے روکنا ہو تو اس طرح کے طلاق کے الفاظ بولے بغیر ہی اس کو منع کرے۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی طلاق دے دی اور پھر وہ شہر کے نکاح رجسٹرار کے پاس گیا، تو اس نے گواہوں یا ولی کے بغیر ہی عورت کو اس آدمی کے ساتھ روانہ کر دیا اور پھر وہ اس عورت کے ساتھ رہنے لگا، حتیٰ کہ ایک لڑکا بھی ہو گیا۔ بعد میں اس نے اسے دو صریح طلاقیں دی ہیں، اس مسئلہ کا جواب درکار ہے۔

جواب: نکاح رجسٹرار نے جو اس عورت کو اس آدمی کے حوالے کیا ہے، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اگر شوہر اپنی بیوی کو رخصتی اور دخول سے پہلے طلاق دیتا ہے تو وہ ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جاتی ہے۔ مگر یہ علیحدگی بینونہ صغریٰ کہلاتی ہے اور عورت اس ایک ہی طلاق سے اجنبی بن جاتی ہے۔ پھر اگر ان فریقین کی موافقت اور رضامندی ہو تو ولی اور دو گواہوں کی موجودگی میں نیا نکاح ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہے ((لا نكاح الا بولي وشاهدي عدل .)) ”ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔“ [1]

چونکہ اس عورت کے ساتھ ایک شبہ اور غلطی کے تحت مباشرت ہوئی ہے اور جو بچہ اس نے جنم دیا ہے ایک باطل نکاح سے تولد ہوا ہے، بچہ اسی آدمی کی طرف منسوب ہوگا اور اس کا وارث بھی ہوگا۔ اور دو طلاقیں جو اس آدمی نے بعد میں دی ہیں، ان کا کوئی محل نہیں ہے، اس لیے باطل ہیں۔ اس عورت کو اس سے دور ہو جانا چاہیے کیونکہ یہ اس کے لیے اجنبی اور غیر ہے تا آنکہ ان کے درمیان شرعی اصولوں سے نکاح ہو۔ اور نکاح کے ارکان معروف ہیں یعنی عورت کا ولی، شوہر کا قبول، حق مہر اور اس عقد کے گواہان۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں اپنے ملک مصر سے عراق کی طرف اس حال میں روانہ ہوا کہ میرے اور میری بیوی کے درمیان کچھ ناچاقی اور ناراضی تھی۔ میں اسے اس کے خاندان میں چھوڑ کر عراق چلا آیا۔ اور اس دوران میں میری نیت تھی کہ

[1] صحيح ابن حبان : ٩/ ٣٨٦، حديث : ٤٠٧٥ وسنن الدارقطني : ٣/ ٢٢١، حديث : ١١ والسنن الكبرى للبيهقي : ٧/ ١٢٤، حديث : ١٣٤٩٤ .

میں بیوی کو طلاق دے دوں گا۔ اور فی الواقع میں نے اپنے ایک عزیز کو اس مقصد کے لیے وکیل بھی بنا دیا۔ مگر بہت کچھ سوچ بچار اور تردد میں رہا کہ طلاق کا وکالت نامہ بھیجوں یا نہ بھیجوں اور اس طرح دو سال گزر گئے ہیں۔ تو کیا اس کیفیت میں میری بیوی کو طلاق ہوگئی ہے؟ جب کہ میری صرف نیت ہی تھی کہ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ اور دوسرے یہ کہ اگر جب میں مصر لوٹوں اور بیوی کی طرف رجوع کرنا چاہوں تو کیا پہلے اسے طلاق دوں اور پھر رجوع کروں یا یہ نیت نافذ ہی نہیں ہے کیونکہ میں ان دنوں اس سے غصے میں تھا؟

جواب: انسان کو اپنے تمام امور میں جو وہ سرانجام دینا چاہتا ہو سمجھ داری اور دانائی سے کام لینا چاہیے، بالخصوص طلاق جیسے امور میں، جو انتہائی حساس معاملہ ہے، آدمی کو نتائج پر نظر رکھنی چاہیے کہ اگر یہ کام ہوگیا تو کیا ہوگا۔

سائل نے بتایا ہے کہ اس نے عزم کیا تھا کہ وہ بیوی کو طلاق دینے کے لیے ایک وکیل بنائے گا۔ اس طرح کے عزم اور نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، خواہ وہ کتنی ہی پختہ کیوں نہ ہو۔ کیونکہ طلاق ہمیشہ الفاظ سے ہوتی ہے، شوہر بولے یا اس کا وکیل۔ اور سائل کے سوال کے مطابق اس شوہر نے اور اس کے وکیل نے طلاق کے کوئی لفظ نہیں بولے ہیں۔ لہٰذا بیوی شوہر کی عصمت میں باقی ہے، اور اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اپنے وطن مصر لوٹنے کے بعد وہ اسے طلاق دے۔ کیونکہ طلاق دینے کا سبب کچھ غلط فہمی اور ناراضی تھی جو اب زائل ہوچکی ہے۔ بیوی علیٰ حالہا اس کی عصمت میں ہے۔

اور مسئلہ ایسے ہی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کی ہو مگر کوئی لفظ نہ بولے ہوں یا تحریر نہ لکھی ہو تو طلاق نہیں ہوتی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر شوہر کسی کاغذ پر اپنی بیوی کے لیے لکھے کہ "تجھے طلاق ہے" اور زبان سے ادا نہ کرے تو کیا اس طرح طلاق ہوجائے گی؟

جواب: اس بارے میں شوہر کی نیت جاننا ازحد ضروری ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ تحریر کرنے سے طلاق ہوجاتی ہے، خواہ نیت نہ بھی کی ہو۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں چیزوں کا جمع ہونا ضروری ہے (یعنی نیت اور تحریر)۔ اگر نیت کی ہو، لکھی نہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی، اور اسی طرح اگر لکھی ہو اور نیت نہ کی ہو تو بھی طلاق نہیں ہوگی۔ ہاں اگر لکھنے کے ساتھ نیت بھی ہو تو طلاق ہوجائے گی۔ اس لیے نیت کا لعدم کرنا ازحد ضروری ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

ایسے اسباب جن سے طلاق لازم ہوجاتی ہے

سوال: عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا شوہر نامرد ہے، شوہر کو معاینہ کے لیے طلب کیا گیا تو وہ بھاگ گیا؟

جواب: آپ کا مکتوب ملاحظہ ہوا کہ عورت مدعی ہے کہ اس کا شوہر نامرد ہے اور وہ خود تا حال باکرہ ہے۔ زوجہ

کے اس انکار کی وجہ سے قاضی نے یہ طے کیا ہے کہ عورت کا دایوں (لیڈی ڈاکٹرز) سے معاینہ کرایا جائے، تاکہ صورت حال واضح ہو۔ اور دوسری طرف شوہر بھاگ گیا ہے اور واپس نہیں آیا، اور قاضی نے اس معاملہ میں رہنمائی طلب کی ہے کہ عورت کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے؟

اس مذکورہ معاملے میں غور وفکر کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا دایوں (لیڈی ڈاکٹرز) سے معاینہ کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی شوہر کو طلب کیا جائے تاکہ اس کا عورت کے ساتھ جو دعویٰ ہے اسے صاف کیا جائے۔ اگر شوہر حاضر نہیں ہوتا تو قاضی کو چاہیے کہ شوہر کی غیر حاضری پر نظر کرے جو وہ اپنی بیوی سے غائب ہے، اور آیا وہ بیوی کو خرچ وغیرہ دے رہا ہے یا نہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک آدمی نے ایک عورت سے اس بنیاد پر شادی کی کہ وہ باکرہ ہے۔ مگر ثابت ہوا کہ وہ شوہر دیدہ ہے۔ تو کیا اسے نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے؟ اور کیا وہ دھوکہ دینے والے سے مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: آدمی کو حق حاصل ہے کہ نکاح فسخ کر دے، اور یہ بھی حق ہے کہ جس نے اسے دھوکہ دیا ہے حق مہر کا جرمانہ اس سے طلب کرے، اس فرق کے ساتھ جو باکرہ اور شوہر دیدہ میں ہوسکتا ہے، اور جو مہر مقرر کیا گیا ہے، اسی نسبت سے اس میں کمی کی جائے۔ اور اگر شوہر نے دخول سے پہلے ہی فسخ کر دیا ہو تو مہر ساقط ہوگا۔

(امام ابن تیمیہ)

سوال: آپ کی نظر میں وہ کیا اسباب ہیں جن کے تحت عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے؟

جواب: طلاق کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً

- زوجین میں موافقت نہ ہو۔
- یا کوئی ایک دوسرے سے الفت نہ رکھے۔
- یا دونوں ہی ایک دوسرے کو نہ چاہتے ہوں۔
- یا عورت بدخلق اور بدمزاج ہو۔ معروف میں شوہر کی بات سنتی مانتی نہ ہو۔
- یا شوہر بدخلق ہو، عورت پر ظلم کرتا ہو، اور انصاف سے کام نہ لیتا ہو۔
- یا شوہر اس کے حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو، یا عورت شوہر کے حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو۔
- ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی ایسی نافرمانیوں کے مرتکب ہوں جن سے ان کے تعلقات خراب ہو جائیں کہ نتیجہ طلاق تک جا پہنچے۔
- شوہر منشیات کا رسیا ہو یا سگریٹ نوشی کرتا ہو، یا عورت اس کی مرتکب ہو۔
- عورت اپنی ساس سسر کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بدمعاملہ ہو یا گھر کے معاملات اور حالات میں ان کے ساتھ سمجھداری سے معاملہ نہ کرتی ہو۔

❁ یا اپنی صفائی ستھرائی کا خیال نہ رکھتی ہو، شوہر کے لیے اچھا لباس نہ پہنتی ہو، گفتگو میں اس کا انداز اچھا نہ ہو، یا اس کے لیے ملاقات کے وقت چہرے پر بشاشت نہ لاتی ہو، وغیرہ وغیرہ۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: بسا اوقات ہم سنتے ہیں کہ کچھ نوجوان ملک سے باہر چلے جاتے ہیں اور باوجودیکہ وہ شادی شدہ ہوتے ہیں بدکاری اور زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تو کیا اس سے ان کی بیویوں کو طلاق ہو جاتی ہے؟

جواب: مرد اگر بدکاری اور زنا کا مرتکب ہو تو اس سے اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہو جاتی مگر ایسے آدمی پر واجب ہے کہ ایسے سفر اور اختلاط سے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہو، پرہیز کرے۔ اس پر فرض ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے، اور اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اور حرام کاری سے اپنی عصمت کو آلودہ نہ کرے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۲)

''زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، بلاشبہ یہ کام (ہمیشہ سے) بے حیائی اور بری راہ ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًاo يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًاo اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الفرقان: ۲۵/ ۶۸۔۷۰)

''اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اور کسی ایسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، سوائے اس کے کہ حق ہو، اور نہ ہی زنا کاری کرتے ہیں، اور جس نے یہ کیا وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔ ایسے شخص کے لیے قیامت کے دن عذاب دوگنا کیا جائے گا اور ذلت ورسوائی کے ساتھ اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا۔ مگر جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور عمل صالح کرے تو اللہ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

یہ عظیم آیات دلیل ہیں کہ زنا یا اس کے اسباب کے قریب جانا بھی حرام ہے۔ اور دوسری آیت کریمہ میں ان لوگوں کے لیے دوگنا عذاب اور ہمیشگی کی وعید ہے جو شرک کا مرتکب ہو، یا کسی کو ناحق قتل کرے، یا زنا میں ملوث ہو۔ اس میں یہ بھی ہے کہ زنا اکبر الکبائر گناہوں میں سے ہے جس کا انجام آگ اور اس میں ہمیشگی ہے۔ تاہم اس قدر ضرور ہے کہ بدکار اور قاتل اگر ان اعمال کو حلال نہ جانتے ہوں تو ان کی ہمیشگی دوزخ میں ایسی ہے جس کی ایک انتہا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مذہب ہے، اور احادیث سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا ہے کہ:

''زنا کار جب زنا کاری میں مشغول ہوتا ہے تو وہ ایمان دار نہیں ہوتا۔ چور جب چوری کر رہا ہوتا ہے تو وہ ایمان دار نہیں ہوتا۔ شراب نوش جب شراب پی رہا ہوتا ہے تو ایمان دار نہیں ہوتا۔'' [1]

اس حدیث میں یہ وعید ہے کہ یہ مجرم اثنائے جرم میں ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ اور مراد یہ ہے کہ کمال ایمان جو واجب اور مطلوب ہے اس سے لوگ خالی ہوتے ہیں اور ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ان کا ایمان کامل غائب ہوتا ہے، اللہ کا خوف کامل نہیں ہوتا اور نہ دل میں متحضر ہوتا ہے، یہ لوگ فحش کاموں میں ملوث ہوتے ہیں، جن کا انجام بہت برا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میرا شوہر سگریٹ نوشی کا عادی ہے اور اس وجہ سے اسے سانس کی تکلیف بھی ہے اور اس وجہ سے ہمارے درمیان کئی بار تکرار وغیرہ بھی ہوئی ہے۔ پانچ ماہ پہلے اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ سگریٹ نہیں پیے گا، مگر دو ہی ہفتے بعد اس نے اپنی قسم توڑ دی اور سگریٹ پینے لگا، اور ہمارے درمیان الجھاؤ آ گیا، تو میں اس سے مطالبہ کر دیا کہ مجھے طلاق دے دو۔ مگر اس نے وعدہ کیا کہ وہ دوبارہ نہیں پیے گا اور ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا۔ مگر مجھے پختہ یقین ہے کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہے گا۔ آپ اس کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں کہ اس کی قسم کا کیا کفارہ ہے اور آپ مجھے کیا نصیحت فرماتے ہیں؟ جزاکم اللہ خیرا

جواب: سگریٹ نوشی خبیث اور حرام چیزوں میں سے ہے، اس کے بے شمار نقصانات ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ (المائدہ: ٥/ ٤)

''یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کچھ حلال ہے، کہہ دیجیے کہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا وصف اور منصب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف: ٧/ ١٥٧)

''یہ پیغمبر ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔''

اور سگریٹ (اور حقہ) اور نسوار کے خبیث ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ آپ کے شوہر پر واجب ہے کہ اس سے پرہیز کرے اور باز آ جائے۔ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، اللہ کے غضب سے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المحاربین من اهل الکفر والردة، باب اثم الزنا، حدیث: ٦٤٢٥ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان المعاصی، حدیث: ٥٧ وسنن أبی داود، کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه، حدیث: ٤٦٨٩.

بچاؤ ہے، اس کے دین اور جسمانی صحت کی سلامتی ہے اور تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ اور اچھا سلوک ہے۔ اور قسم جو وہ اٹھا چکا ہے، اس میں اس پر کفارہ دینا واجب ہے، اور چاہیے کہ پہلے اللہ سے توبہ کرے اور عہد کرے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا لباس دے یا کسی مومن غلام یا لونڈی کو آزاد کرے۔ کھانے میں انہیں ایک وقت کا کھانا دینا کافی ہے یا یہ ہے کہ ہر ایک کو آدھا صاع (تقریباً سوا کلو) کھانا دے جو علاقے میں معروف ہے۔

اور آپ کو (اے خاتون) ہماری یہ وصیت ہے کہ اس سے طلاق کا مطالبہ نہ کریں جبکہ وہ نماز پڑھتا ہو، اچھی سیرت کا مالک ہو اور سگریٹ نوشی بھی چھوڑ دے۔ اور اگر وہ نافرمانی پر اڑا رہتا ہے تو آپ طلاق کا مطالبہ کرنے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میری ایک شخص سے شادی ہوئی ہے۔ شادی کے بعد اس نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ میں اس کے بھائیوں سے چہرہ نہ چھپاؤں، ورنہ وہ مجھے طلاق دے دے گا۔ تو میں اب کیا کروں اور مجھے طلاق دیے جانے کا اندیشہ ہے؟

جواب: آدمی کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ اجنبیوں کے سامنے بے پردگی کے معاملے میں اس قدر وسیع الظرف بنے، اور بالخصوص اپنی بیوی کے متعلق اس قدر ضعیف اور متساہل ہونا کسی طرح بھی روا نہیں ہے کہ وہ اس کے بھائیوں یا چچاؤں یا بہنویوں یا عورت کے چچا زاد وغیرہ جو اس کے لیے غیر محرم ہیں، بے حجاب ہو۔ یہ کام قطعاً جائز نہیں ہے اور عورت کو اس بارے میں اپنے شوہر کی بات نہیں ماننی چاہیے۔ اطاعت صرف نیکی اور خیر میں ہے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ ان غیر محرموں سے پردہ کرے، خواہ وہ اسے طلاق ہی کیوں نہ دے دے۔ اگر اس نے طلاق دے دی تو اللہ اسے اس آدمی سے بہتر کوئی اور شوہر دے دے گا، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (النساء: ٤/ ١٣٠)

''اور اگر یہ جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے ایک دوسرے سے بے پروا کر دے گا۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق: ٦٥/ ٤)

''اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، وہ اس کے لیے اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دے گا۔''

اور شوہر کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ جب اس کی بیوی شرعی پردے کا اہتمام کرتی ہے اور ایسے انداز اپناتی ہے جو اس کی عصمت وعفت کے محافظ ہیں تو وہ اسے طلاق کی دھمکیاں دے۔ اور ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کوئی مسلمان عورت اپنے شوہر کو یا اس کے دین کو گالی دے تو کیا اس سے اس کو طلاق ہو جاتی ہے؟ اس طرح کی بہت سی باتیں ہمارے علم میں آتی ہیں۔ اللہ آپ کا بھلا کرے، ہماری اس سلسلے میں راہنمائی فرمائیں۔

جواب: اگر بیوی اپنے شوہر کو گالی دے، تو اس میں اس کو طلاق نہیں ہو جاتی ہے۔ اسے اللہ سے توبہ کرنی چاہیے، اور شوہر سے معافی مانگنی چاہیے۔ اگر وہ درگزر کر جائے اور معاف کر دے تو بہت بہتر اور اگر وہ جواب میں بطور قصاص گالی دے، اور اس سے زیادہ نہ دے تو جائز ہے۔ اور اگر معاف کر دے تو یہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنْ تَعْفُوٓا أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۳۷)

''اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اور اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے معاف کرنے سے عزت میں اور بڑھا دیتا ہے۔''[1]

اور اگر عورت مسلمان شوہر کے دین کو گالی دیتی ہے تو یہ کفر اکبر ہے۔ ہم اللہ سے عافیت اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میری بیوی بظاہر ایک دیندار خاتون ہے، مگر میرے ساتھ بدزبان ہے اور بعض اوقات نماز کے معاملے میں غفلت کر جاتی ہے۔ اگر میں اسے اس بارے میں کچھ کہوں تو وہ اور زیادہ ڈھیل کرنے لگتی ہے۔ ایسی صورت میں اس جیسی عورت کے ساتھ میں کیا سلوک کروں، جبکہ میرے اس سے بچے بھی ہیں؟

جواب: نماز کے بارے میں آپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے غفلت کرنے پر اسے معاف کرو۔ اگر وہ اس میں اصرار کرتی ہے تو اسے اپنے سے جدا کر دو، خواہ آپ کے اس سے کتنے ہی بچے کیوں نہ ہوں۔

اور رہا معاملہ آپ کے ساتھ زبان دراز ہونے کا، اور اس سے اللہ کی پناہ۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کے متعلق بالکل یہی شکایت کی تھی، جیسے کہ مسند احمد اور ابوداؤد میں بسند صحیح آیا ہے کہ جناب لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی ہے اور غلط زبان ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے طلاق دے دو۔'' لقیط رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: میں اس کے ساتھ ایک وقت گزار چکا ہوں۔ اور بچے بھی ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اسے کہو (یعنی نصیحت کرو)، اگر اس میں خیر ہوئی تو وہ قبول کر لے گی۔ اور اپنی بیوی کو ایسے مت مارو جیسے کہ اپنی لونڈی کو مارتے ہو۔''[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ انسان اپنی زبان دراز بیوی کو طلاق دے دے تو

[1] سنن أبی داود، کتاب الطهارة، باب الاستنثار، حدیث: ۱۴۲۔ مسند أبی داود الطیالسی، ص: ۱۹۱، حدیث: ۱۳۴۱.

بہتر ہے، اور اگر مصلحت ہو تو اسے رکھ بھی سکتا ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں آیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اسے اپنے پاس رکھے بھی اور مارے بھی۔ اگر رکھے تو اس شرط سے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اگر کسی وقت مارنے کی ضرورت پڑے بھی تو شرعی انداز میں مار بھی سکتے ہیں، جیسے کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾

(النساء : ٤/ ٣٤)

''اور وہ عورتیں جن کے متعلق تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ اور (اگر نہ سمجھیں تو) بستروں سے علیحدہ کر دو، اور (اس پر بھی وہ اپنی اصلاح نہ کریں تو) ان کو سزا دو۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((واضربوھن ضربا غیر مبرح .)) ''انہیں سزا دو، مگر سخت نہ ہو۔'' [1]

مقصد یہ ہے تادیب ہونی چاہیے انتقام نہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت ایک مدت سے شادی شدہ ہے اور بچے نہیں ہوئے۔ طبی ٹیسٹ سے معلوم ہوا کہ کمی شوہر میں ہے، اور ان میں اولاد ہونا محال ہے، تو کیا اس صورت میں عورت کو طلاق طلب کرنے کا حق ہے؟

جواب: اگر میڈیکل ٹیسٹ سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ صرف شوہر ہی ولادت کی صلاحیت سے محروم ہے، تو عورت کو طلاق طلب کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر وہ طلاق دے دے تو بہتر ورنہ قاضی اس کا نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عورت کو بھی اولاد حاصل کرنے کا حق ہے، اور بہت سی عورتیں صرف اولاد ہی کی خاطر شادی کرتی ہیں۔ لہٰذا اگر شوہر کے متعلق معلوم ہوا کہ صرف وہی عقیم ہے تو عورت کو مطالبۂ طلاق یا فسخ کا حق حاصل ہے۔ اہل علم کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر باپ اپنے بیٹے کو حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو، تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ ذرا تفصیل سے واضح فرمایا جائے۔

جواب: اگر باپ اپنے بیٹے سے مطالبہ کرے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو، تو یہ بات دو حالتوں سے خالی نہیں:

پہلی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ باپ کو چاہیے کہ وہ شرعی سبب بیان کرے جو اسے طلاق دینے اور اپنے سے جدا کر دینے کا تقاضا کرتا ہو۔ مثلاً واضح کرے کہ یہ اپنے اخلاق و عادات میں مشکوک ہے، مثلاً اجنبیوں سے کھلم کھلا باتیں کرتی ہے یا ایسی مجلسوں میں شریک ہوتی ہے جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں، وغیرہ۔ اس صورت میں بیٹے کو چاہیے کہ اپنے باپ کا حکم مان لے اور اسے طلاق دے دے۔ کیونکہ ماں باپ نے اپنی کسی خواہش نفس کے تحت اسے

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب حق المرأة علی زوجها، حدیث: ١١٦٣ وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب حق المرأة علی زوجها، حدیث: ١٨٥١.

یہ حکم نہیں دیا ہے، بلکہ اس نے اپنے بیٹے کے بستر کی حفاظت میں کہ وہ پاک صاف رہے اور میلا نہ ہو، ایسا کیا ہے، لہٰذا وہ طلاق دے دے۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ باپ دیکھے کہ بیٹا اپنی بیوی کی محبت میں از حد مبتلا ہو گیا ہے، اور باپ کو غیرت آئے۔ بلکہ ماں میں یہ مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ بہت سی مائیں جب دیکھتی ہیں کہ ان کے بیٹے اپنی بیویوں سے بہت زیادہ محبت کرتے لگے ہیں تو انہیں بہت زیادہ غیرت آتی ہے، حتیٰ کہ اپنی بہو کو اپنی سوتن سمجھنے لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی کیفیت سے محفوظ رکھے۔ اس صورت میں بیٹے کو ضروری نہیں ہے کہ اپنے باپ یا ماں کے کہنے پر بیوی کو طلاق دے۔ بلکہ اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ مدارات اور مروت سے کام لے، نرم زبان سے ان کے ساتھ اپنی الفت کا اظہار کرے اور راضی رکھنے کی کوشش کرے اور انہیں سمجھائے، حتیٰ کہ وہ راضی ہو جائیں، بالخصوص جب بیوی اپنے دین اور اخلاق میں عمدہ ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ سے اسی قسم کا ایک سوال کیا گیا تھا۔ ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا کہ میرا والد مجھے کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ طلاق نہ دو۔ اس نے کہا: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نہیں کہا تھا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو، جبکہ ان کے باپ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق کا کہا تھا؟ تو امام صاحب نے فرمایا: ''تو کیا تیرا باپ عمر رضی اللہ عنہ کی طرح کا ہے۔''

سو اگر باپ اپنے بیٹے کے سامنے مندرجہ بالا انداز میں دلیل لائے تو بیٹے کو بھی امام احمد رحمہ اللہ کا سا جواب دینا چاہیے کہ ''کیا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں؟'' تاہم بیٹے کو چاہیے کہ لطف وملائمت سے بات کرے اور بتائے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یقیناً کوئی ایسی بات دیکھی تھی جو طلاق ہی کا تقاضا کرتی تھی۔

خلاصۃ القول، اس طرح کے بہت سے سوال آتے ہیں تو ان کا جواب یہی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کا شوہر منشیات کا عادی ہے، تو عورت کے لیے اس کے ساتھ رہنے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ عورت اور اس کی اولاد کو خرچہ دینے والا اور کوئی نہیں ہے؟

جواب: شوہر اگر منشیات کا عادی ہو تو عورت کو طلاق کا مطالبہ کرنا جائز ہے، کیونکہ شوہر کی عادات ناپسندیدہ ہیں۔ اگر وہ طلاق لے لے تو بچے بھی عورت کے ساتھ ہوں گے بشرطیکہ سات سال سے کم عمر ہوں، اور باپ کو پابند کیا جائے گا کہ وہ ان کا خرچہ ادا کرے۔ لیکن اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ وہ شوہر کو سمجھائے بجھائے اور نصیحت کرے اور ان کا اکٹھے رہنا ممکن ہو تو یہ سب سے بہتر ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میرا شوہر نماز کا تارک ہے، اور ظاہر ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے، مگر مجھے اس سے محبت بھی بہت ہے، ہماری اولاد بھی ہے، اور ہماری زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔ میں نے اسے نماز کی پابندی کا بہت کہا ہے، مگر وہ ''ہاں! دیکھوں گا، اللہ مجھے ہدایت دے'' وغیرہ کہہ کر ٹال جاتا ہے۔ آپ کی نظر میں ایسے آدمی کے ساتھ تعلق

رکھنا کیسا ہے؟

جواب: ہماری نظر میں شرعی طور پر ایسے شوہر کے ساتھ جو تارک صلوٰۃ ہو جبکہ بیوی بھی اسے کافر ہی سمجھتی ہے، اکٹھے رہنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآئَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّا للّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنة : ٦٠/ ١٠)

''اے مومنو! جب مومن عورتیں وطن چھوڑ کر تمہارے پاس آ جائیں تو ان کی آزمائش کر لو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ سو اگر تم کو معلوم ہو کہ یہ عورتیں مومن ہیں تو ان کو کافروں کے پاس مت بھیجو، یہ ان کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ وہ ان کو جائز ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ صاحب ایمان عورتیں کافروں کے لیے حرام ہیں۔ لہٰذا اس خاتون پر واجب ہے کہ ایسے شوہر سے فوراً علیحدہ ہو جائے، اس کے ساتھ زندگی نہ گزارے، نہ بستر میں اس کے ساتھ ملاپ کرے اور نہ اس کے علاوہ، کیونکہ یہ اس کے لیے حرام ہے۔

اور اس کا یہ کہنا کہ یہ اسے چاہتی اور اس سے محبت کرتی ہے، اور زندگی اس کے ساتھ بہت اچھی گزر رہی ہے، تو جب اسے یہ یقین آ جائے گا کہ یہ آدمی اس کے لیے حرام ہے اور وہ اس کے لیے ایک اجنبی کی طرح ہے، بشرطیکہ وہ ترک نماز پر مصر ہو، تو اس کی چاہت اور محبت زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ ایک صاحب ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت سب محبتوں سے اعلیٰ اور فائق ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک اللہ کی شریعت ہر چیز سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

اور ایسے ہی اولاد کا معاملہ ہے اگر وہ بے نماز ہے تو اسے اولاد کی بھی ولایت وسرپرستی کا کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ اولاد کے ولی ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو، اور یہ شخص مسلمان نہیں ہے۔

لیکن میں اپنی آواز اس سائلہ خاتون کی آواز کے ساتھ ملا کر اس آدمی کو خیر خواہانہ طور پر کہتا ہوں کہ رشد وہدایت اپنائے، دین کی طرف لوٹ آئے، مرتد ہونے اور کافر بننے سے باز رہے، نماز کی پابندی اختیار کرے اور اس طرح کامل طور پر ادا کرے جیسے کہ مطلوب ہے، علاوہ ازیں بھی اعمال صالحہ کثرت سے کرے۔ اگر اس کی نیت اور عزم صادق ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی فرما دے گا جیسے کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى ٥ وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ٥ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ٥﴾

(اللیل : ٩٢/ ٥۔٧)

''اور جس نے خرچ کیا اور تقویٰ اپنایا اور نیکی کی تصدیق کی، تو ہم اس کو جلد ہی آسانی (کا گھر)

مہیا کر دیں گے۔"

میں اس شخص کو اس کی خیر خواہی میں کہتا ہوں کہ اللہ سے توبہ کر لے، تاکہ اس کی بیوی اس کے ساتھ رہے، اور اولاد بھی اس کی سرپرستی میں رہے، ورنہ اسے اپنی اس بیوی پر یا اولاد پر کوئی حق نہیں رہے گا۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں ایک ایسی عورت ہوں کہ میرا شوہر نماز کا تارک ہے، دین اسلام بلکہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہے اور مجھے مارنے پر آئے تو بہت سخت مارتا ہے۔ میرا اس سے ایک بیٹا بھی ہے۔ علاوہ اس کے یہ پیشاب کر کے استنجاء بھی نہیں کرتا ہے۔ اس کی بے تحاشا مار کے سبب مجھے ہسپتال بھی جانا پڑا ہے، بلکہ مجھے ہمیشہ کے لیے معذور بنا دیا ہے۔ اس صورت میں میں کیا کروں؟ میری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب: اس خاتون کے لیے حلال نہیں ہے کہ ایسے شوہر کے ساتھ زندگی گزارے۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو یا دین اسلام کو گالی دے ایسا شخص باجماع مسلمین کافر ہے۔ اپنے اس کفر پر اس نے ایک اور کفر کا اضافہ کر لیا ہے۔ اگرچہ کفر سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور وہ ہے نماز نہ پڑھنا۔ اس پر مزید یہ کہ وہ اپنی بیوی کا کفران (ناقدری) کرتا ہے۔ مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ بلاوجہ شرعی اپنی بیوی کو مارے۔ عذر شرعی یہ ہے کہ بیوی سرکشی اور بے پروائی اختیار کرے یا بدکاری کرے، جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾

(النساء: ٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں کے متعلق تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ سر چڑھتی ہیں تو (پہلے) انہیں نصیحت کرو اور (اگر نہ سمجھیں تو) بستروں سے الگ کرو، اور (اس پر بھی وہ نہ مانیں تو) انہیں سزا دو۔"

(گھریلو زندگی کے امور میں) علماء کہتے ہیں کہ اگر نرمی سے بیوی کی اصلاح ہو سکتی ہو تو شوہر کو جائز نہیں ہے کہ بیوی کو سزا دے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:

((وإن الرفق ما كان في شيء الا زانه ما نزع من شيء الا شانه .)) [1]

"نرمی اور نرم خوئی جس چیز میں بھی پائی جائے اسے زینت ہی دیتی ہے، اور جس چیز سے اس کو نکال لیا جائے اسے داغدار بنا دیتی ہے۔"

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والاداب، باب فضل الرفق، حديث: ٢٥٩٤ وسنن ابی داود، كتاب الجهاد، باب ما جاء في الهجرة وسكنى البدو، حديث: ٢٤٧٨ .

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص نرمی اور نرم خوئی سے محروم کیا گیا ہو وہ ہر طرح کی خیر سے محروم ہوا۔'' [1]

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بیویوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے سوائے اس کے کہ کسی واضح فحش کی مرتکب ہوں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس ''فحش'' کی وضاحت ''شوہر پر سرکشی اور نافرمانی'' سے کی ہے۔ اگر ان سے یہ عمل صادر ہو تو مارا جا سکتا ہے مگر شرط ہے کہ ''شدید نہ ہو۔'' اگر یہ تمہاری اطاعت اپنا ئیں تو ان کے خلاف کسی طرح کے بہانے مت ڈھونڈو۔ الغرض اس عورت پر واجب ہے کہ اس شوہر سے علیحدہ ہو جائے، اس کے لیے حرام ہے کہ اپنے ساتھ کوئی موقع دے کیونکہ یہ کافر اور مرتد ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں ایک شادی شدہ عورت ہوں، شوہر آسودہ حال ہے، اچھی صفات کا حامل ہے، مگر شراب پیتا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں بعض لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے کہا ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ مگر میرے لیے مشکلات ہیں۔ ایک تو میری پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے، اور مزید یہ کہ میرے لیے اللہ کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ یا یہ شوہر ہے یا پھر والد ہے اور بھائی۔ میں بستر پر اس سے علیحدہ رہتی ہوں۔ میری ایک ہی خواہش ہے کہ اللہ اسے ہدایت دے دے۔ مگر یہ شراب نہیں چھوڑتا ہے۔ علاوہ اس کے ہم آپس میں خالہ زاد ہیں۔ یہ خاصا خوش حال بھی ہے، فقراء سے محبت کرتا اور ان پر خرچ بھی کرتا ہے، اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہے اور اچھی صفات رکھتا ہے۔

جواب: میں سب سے پہلے آپ کے شوہر سے خیر خواہانہ طور پر کہتا ہوں کہ شراب نوشی سے توبہ کرے۔ شراب نوشی اللہ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور اجماع مسلمین کی رُو سے کلیتاً حرام ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحْذَرُواْ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ۝﴾ (المائدة: ۵/ ۹۰-۹۲)

''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں، سو ان سے بچتے رہنا تا کہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم ان سے

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب فضل الرفق، حدیث: ۲۵۹۲.

باز رہنے والو ہو؟ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیرو گے تو جانتے رہو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

اور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ ''ہر نشہ آور خمر (شراب) ہے، اور ہر نشہ آور حرام ہے۔''[1] اور شراب کے حرام ہونے پر تمام مسلمانوں کا کلی اجماع ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، حتیٰ کہ تمام اہل علم کہتے ہیں کہ دین اسلام میں شراب کا حرام ہونا بدیہی طور پر ثابت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شراب کی حرمت کا انکاری ہو تو وہ کافر ہے، اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے۔

تو اے محترم بھائی میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ شراب چھوڑ دیں پھر دوبارہ کہتا ہوں کہ اس سے باز رہیں۔ اس کے مقابلے میں اللہ نے آپ کو کتنے ہی پاکیزہ مشروبات دے رکھے ہیں، ان سے لذت اٹھائیں۔ یہ شراب ام الخبائث ہے یعنی گناہوں کی ماں اور ان کی اصل ہے، ہر خرابی کی جڑ ہے۔ اور جو شخص اسے چھوڑنے کی نیت اور اس کا عزم کر لے، اس کے لیے اس کا چھوڑنا بہت ہی آسان ہے، بشرطیکہ اس کی نیت سچی ہو، اللہ اسے توفیق دے دیتا ہے۔

اور آپ کی نسبت اے خاتون، بات یہ ہے کہ آپ کا اس آدمی کے ساتھ گزارا کرنا حرام اور ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ شراب نوشی سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا ہے۔ بہر حال آپ کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے اس سے خیر خواہی کریں اور سمجھاتی رہیں، امید ہے اللہ اسے سمجھ عنایت فرما دے گا۔

اور جو آپ اس سے فراش میں علیحدہ رہتی ہیں، اگر اس میں مصلحت ہو اور امید ہو کہ وہ اس انداز سے متنبہ ہو گا اور شراب نوشی سے باز آ جائے گا تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر مصلحت نہ ہو تو آپ کے لیے یہ عمل حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ کسی ایسے عمل کا مرتکب نہیں ہے جس سے وہ آپ کے لیے حرام ٹھہرتا ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیٹی کا نکاح جو طلاق یافتہ تھی، ایک آدمی سے کر دیا۔ نکاح کو تقریباً چالیس دن ہی ہوئے تھے اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ باپ نے اس شوہر سے کہنا شروع کر دیا کہ میری بیٹی کو طلاق دے دے۔ بلکہ اس حد تک اصرار کیا کہ طلاق بتہ دے جس میں رجوع نہ ہو۔ اس کے سامنے کسی اور کو کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی۔ بالآخر شوہر نے باپ کی دھمکیوں اور عدالتوں کے چکروں کی وجہ سے مجبور ہو کر لڑکی کو طلاق دے دی۔ سوال یہ ہے کہ کیا باپ کو یہ حق حاصل ہے؟ اور کیا اس طرح سے دی ہوئی طلاق ہو جاتی ہے جبکہ وہ اسے بیوی بنا کر رکھنا چاہتا ہے اور بیوی بھی اس کے پاس رہنا چاہتی ہے؟ مزید یہ کہ وہ اس سے پہلے طلاق یافتہ بھی ہے۔

جواب: باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے شوہر کو مجبور کرے کہ وہ اس کی بیٹی کو طلاق دے دے، اور نہ ہی

[1] صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب ان کل مسکر خمر، حدیث: ۲۰۰۳ وسنن أبی داود، کتاب الاشربة، باب النهی عن المسکر، حدیث: ۳۶۷۹ وسنن الترمذی، کتاب الاشربة، باب شارب الخمر، حدیث: ۱۸۶۱.

حق ہے کہ اپنی بیٹی کو مجبور کرے کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے لے۔ وہ اسباب جن کے تحت کسی عورت کے لیے جائز ہوتا ہے کہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے وہ کچھ اس طرح ہیں، مثلاً وہ (شوہر) اس کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو مثلاً طعام یا لازمی لباس یا رہائش مہیا کرنے سے عاجز ہو، یا جنون یا برص وغیرہ جیسے کسی موذی مرض میں مبتلا ہو کہ جس کی وجہ سے اکٹھے رہنا محال ہو اور اس وجہ سے آپس میں نفرت پیدا ہوتی ہو، بلکہ جنون میں تو عورت کو اپنی جان کا ڈر ہو سکتا ہے۔ ان اسباب کے تحت اگر وہ طلاق طلب کرے تو جائز ہے۔ اگر عورت مذکورۂ بالاقسم کے اسباب کے علاوہ سے طلاق طلب کرے تو ایک بڑے کبیرہ گناہ کی مرتکب ہوگی۔

ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((ایما امرأة سألت زوجها الطلاق فی غیر ما بأس، فحرام علیها رائحة الجنة .))

''جو عورت بغیر کسی خاص سبب کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس کے لیے جنت کی خوشبو حرام ہے۔''[1]

اگر کوئی اپنے والد یا والدہ کے کہنے سے طلاق کا مطالبہ کرے تو یہ بھی کبیرہ گناہ کی مرتکب بنتی ہے، اور شوہر کو چاہیے کہ ایسی عورت کو طلاق نہ دے بلکہ تادیب کرے۔ اسے حق حاصل ہے کہ اسے اپنے ماں باپ کے گھر جانے سے روک دے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کچھ اسی طرح فرمایا ہے، اور ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لیس من منا من خبب امرأة علی زوجها .))

''جو شخص کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکائے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''[2]

اور رہا سوال کا دوسرا حصہ کہ کیا یہ طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ ہاں یہ طلاق ہوگئی ہے۔ آپ کو چاہیے تھا کہ بیوی کے والد نے جو کہا تھا آپ اس سے انکار کر دیتے، بلکہ واجب تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس محفوظ رکھتے اور اس پر اصرار کرتے کیونکہ اس طرح اس کا نقصان ہوا ہے۔ بہرحال اب جبکہ آپ اپنی مرضی سے یا اس کی دھمکیوں میں آ کر یہ کر چکے ہیں تو طلاق ہو چکی ہے۔ اگر آپ کا اس سے ملاپ ہو چکا ہو تو اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے آپ اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ کا ملاپ نہیں ہوا تو وہ آپ سے جدا ہو چکی

---

[1] سنن أبی داود، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، حدیث: ۲۲۲۶، سنن الترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المختلفات، حدیث: ۱۱۸۷ وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب کراهیة الخلع، حدیث: ۲۰۵۵.

[2] سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فیمن خبب مملوکا، حدیث: ۵۱۷۰ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۹۷ مسند ابی هریرة، المستدرك للحاكم: ۲/ ۱۹۶.

ہے۔ اور اگر دوبارہ آپ نے پیغام بھیجا ہے، اور آپ اس کے کفو ہوں اور وہ آپ سے نکاح میں رغبت بھی رکھتی ہو اور باپ انکار کرتا ہو تو ایسے باپ کی ولایت بالاجماع ساقط ہے، اور یہ حق ولایت بالترتیب دوسرے ولی کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اگر اس کا ایسا کوئی ولی نہ ہو تو جائز ہے کہ کوئی صاحب علم وفضیلت یا کوئی ہمسایہ وغیرہ بھی جو اس کے مصالح کا امین ہو اس کا ولی بن سکتا ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

طلاق سنت اور طلاق بدعت

سوال: ایک آدمی نے ایک کنواری لڑکی سے شادی کی، پھر اسے تین طلاقیں دے دیں، جبکہ ان کا آپس میں کوئی ملاپ نہیں ہوا تھا، تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اس سے دوسرا نکاح کر سکے، یا نہیں؟

جواب: کنواری لڑکی کو تین طلاقیں ایسے ہی ہیں جیسے کہ کسی مدخولہ کو تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: بیوی اگر حاملہ ہو تو کیا اسے طلاق دینا جائز ہے؟

جواب: حالت حمل میں بیوی کو طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا، جبکہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دی تھی: ''اس کی طرف رجوع کرو، پھر روکے رکھو، حتیٰ کہ پاک ہو، پھر حیض آئے، پھر پاک ہو، پھر اگر چاہو تو مساس سے پہلے طہر کے ایام میں طلاق دو، یا وہ حمل سے ہو۔'' [1] (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک آدمی نے یوں کہا: اگر اس طرح ہوا ہو تو مجھ پر تین طلاقیں (یعنی طلاقیں دینا لازم ہو) اور پھر ویسے کچھ نہیں ہوا، تو کیا اس طرح سے طلاق ہو جاتی ہے؟ اور پھر یہ آدمی کیا کرے؟

جواب: اگر اس نے یہ بات اس بنیاد پر کہی ہو کہ اس سے کسی مسلمان کا کوئی حق مار لے، یا اس کے نتیجے میں اس کا ذمہ حق میں سے کوئی حصہ ضائع ہوتا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ سے توبہ کرے اور حق پر قائم رہے (اور حق ادا کرے) اور اس کی یہ بات یمین غموس (جھوٹی قسم) کے معنی میں ہے۔ اور اسے یہ نام دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ یہ قسم اٹھانے والے کو جہنم کی آگ میں ڈبو دینے والی ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

دوسری بات یہ جاننی چاہیے کہ اگر اس کی یہ بات قسم کے معنی میں تھی تو چاہیے کہ بندہ وہ بات اختیار کرے جس پر آپ کا ساتھی آپ کی تصدیق کرے، تو چونکہ آپ نے ایک غلط بات کی ہے تو آپ کو توبہ کرنی چاہیے۔

تیسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ آپ کی بات سے اس طرح ظاہر ہے کہ آپ نے صرف قسم اٹھانی چاہی تھی،

[1] صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة الطلاق، حديث : ٤٩٠٨ وصحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، حديث : ١٤٧١ .

آپ طلاق نہیں دینا چاہتے تھے۔ آپ کو چاہیے کہ اللہ کے حضور خالص توبہ کرو۔ چونکہ یہ ایک جھوٹی قسم ہے، اس لیے آپ پر کوئی کفارہ نہیں ہے، اور جھوٹی قسم پر کوئی کفارہ نہیں ہوا کرتا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت کے جسم پر بال اگ آئے ہیں جو گردن تک آ گئے ہیں، اسی طرح ابروؤں کے بال بھی بڑھ گئے ہیں جو آنکھوں پر گرتے ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ جسم کے بال صاف کیا کرو اور ابروؤں کے بال کم کر لیا کرو۔ خیال رہے کہ یہ جسم کے بال ایک یا دو سنٹی میٹر تک لمبے ہیں۔

جواب: شاید جسم کے اندر خاص قسم کے ہارمونی خلل کی وجہ سے ایسے ہوا ہے۔ بہرحال جسم کے بال صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ایسے ہی چہرے کے بال بھی صاف کیے جا سکتے ہیں۔ اور ابروؤں کے بال بھی جو اس کے لیے اذیت کا باعث ہوں وہ کم کر سکتے ہیں۔ اور شریعت میں نمص (بال نوچنے) کی جو ممانعت آئی ہے، اس بارے میں دو قول ہیں: بعض نے اسے چہرے کے بالوں کے متعلق کہا ہے اور بعض نے صرف ابروؤں کے متعلق۔ اس لیے اس عورت کے لیے بدن کے بال صاف کرنا بالکل جائز ہے۔ اور چہرے کے بالوں میں بھی جب نمص کے متعلق یہ قول موجود ہے کہ اس سے مراد "ابروؤں کے بال نوچنا ہے" تو چہرے کے بال مثلاً ڈاڑھی یا مونچھ وغیرہ بھی صاف کر سکتی ہے، اور ابروؤں کے بال اس حد تک ہلکے کر لے کہ اسے اذیت نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ((لا ضرر ولا ضرار)) "نہ تکلیف دینا ہے، اور نہ نقصان کے بدلے میں نقصان دینا۔"[1] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک شوہر نے اپنی بیوی سے ملاپ کرنا چاہا، مگر اس نے انکار کیا، اور وہ ان دنوں حمل سے تھی، شوہر اس کے انکار سے اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ اس نے قسم اٹھائی کہ ولادت کے بعد بھی میں اس سے ملاپ نہیں کروں گا، تو کیا اس صورت میں طلاق ہو جائے گی؟ اور کیا وہ سبب بھی جو اس قسم کا باعث ہوا تھا، دیکھا جائے گا یا نہیں؟

جواب: اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ اس کے ہاں ولادت کے بعد ملاپ کیا ہو تو اس کی نیت اور اس کی قسم کا سبب بھی دیکھا جائے گا۔ اگر اس نے کسی سبب کے تحت قسم اٹھائی ہو اور پھر وہ سبب زائل ہو گیا ہو تو اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔ علماء کے اقوال میں سے یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔

اگر کسی نے کسی خاص سبب کی وجہ سے قسم اٹھائی ہو، مثلاً یوں قسم اٹھائے کہ میں فلاں شہر میں داخل نہیں ہوں گا، اور اس قسم کی وجہ کوئی ظلم ہو جو اس نے وہاں دیکھا ہو، پھر وہ ظلم زائل ہو جائے، یا یوں کہے کہ میں فلاں فاسق سے بات نہیں کروں گا، پھر اس کا وہ فسق زائل ہو جائے، اس طرح کی قسموں میں مذہب امام احمد وغیرہ میں دو قول ہیں، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ قسم میں کسی کام کرنے کی رغبت یا اس سے باز رہنا

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الاحكام، باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره، حديث: ٢٣٤٠، ٢٣٤١ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٣١٣، حديث: ٢٨٦٧.

گویا معنوی طور پر امر یا نہی کے معنی میں ہوتا ہے۔ جو آدمی اپنے اوپر کوئی قسم ڈال لیتا ہے، گویا وہ اپنے آپ کو اس کام کے کرنے سے منع کر رہا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ میں فلاں شہر میں داخل نہیں ہوں گا، یا فلاں شخص سے بات نہیں کروں گا کسی خاص سبب کی وجہ سے۔ پھر وہ سبب دور ہو جائے تو جس سے اپنے آپ کو روکا تھا وہ زائل ہو گیا۔ مثلاً ایک آدمی دوسرے کو سلام میں پہل نہیں کرتا، کیونکہ وہ کافر ہے، پھر وہ مسلمان ہو جائے، یا کہے کہ میں شہر میں داخل نہیں ہوں گا، کیونکہ وہ دار الحرب ہے۔ پھر وہ دار السلام بن جائے، وغیرہ مثالوں میں جب کوئی حکم کسی علت کی وجہ سے لازم آ رہا ہو اور پھر وہ علت نہ رہے تو وہ حکم بھی نہیں رہے گا۔

اگر اس آدمی نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ بیوی سے سزا کے طور پر ملاپ نہیں کرے گا کیونکہ وہ ٹال مٹول اور سرکشی کا انداز اپناتی تھی، تو جب عورت نے اپنے انداز سے توبہ کر لی اور شوہر کی مطیع فرمان ہو گئی تو وہ سبب زائل ہو گیا جس کی وجہ سے اس نے بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم اٹھائی تھی، جیسے کہ اگر کوئی بیوی کے سرکش ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا عزم کر لے، اور پھر یہ سبب نہ رہے (تو حکم بھی نہ رہے گا)۔

لیکن اگر شوہر کی نیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ کے لیے بیوی سے ملاپ نہیں کرے گا اس سبب سے جس کا سوال میں ذکر ہوا ہے، پھر وہ توبہ کر لے یا نہ بھی کرے مگر اسے علم ہو کہ وہ پختہ طور پر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے گی، مگر وہ اس کی سابقہ غلطی کی سزا دینا چاہتا ہو، جیسے کہ بعض اوقات آدمی کسی دوسرے کو اس کی غلطی کی سزا دینا چاہتا ہے، اس لیے نہیں کہ وہ آئندہ کے لیے محتاط رہے بلکہ اس غرض سے سزا دینا چاہتا ہے کہ اپنا غصہ ٹھنڈا کرے تو یہ ایک دوسری نوعیت ہے۔ واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک شخص نے طلاق کی قسم اٹھا کر کہا کہ وہ چھ ماہ تک اپنی بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا، اور وہ اسے اس سے پہلے دو طلاقیں بھی دے چکا ہے، اور پھر اس کی نیت یہ ہے کہ وہ اس سے مذکورہ مدت پوری ہونے کے بعد ہی ہم بستری کرے گا، تو اگر یہ مدت گزر جائے تو کیا کرے؟

جواب: جب یہ مدت پوری ہو جائے تو وہ بیوی سے ملاپ کر سکتا ہے اور اس پر کچھ نہیں ہے، بشرطیکہ بیوی نے چار ماہ پورے ہونے پر اس سے ملاپ کا مطالبہ نہ کیا ہو۔ یہ امام مالک، احمد اور شافعی رحمہم اللہ اور جمہور کا مذہب ہے۔ اسے ''ایلاء'' کہتے ہیں۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: اس طلاق کا کیا حکم ہے جب شوہر نے بیوی سے کہا ہو کہ اگر تو آج رات گھر واپس نہ لوٹی تو تجھے تین طلاق۔ مگر عورت کہتی ہے کہ میں آنا چاہتی تھی مگر بھائی نے مجھے روک لیا۔

جواب: اس مسئلہ، حلف بالطّلاق، میں فتویٰ یہی ہے کہ اگر اس کی قسم پوری نہیں ہوتی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، جمہور اسی کے قائل ہیں۔

لیکن عورت کا یہ دعویٰ کہ اسے مجبور کر دیا گیا تھا اس لیے وہ نہیں آ سکی، تو اس میں تحقیق کی جانی چاہیے۔

اگر فی الواقع وہ مجبور کر دی گئی تھی تو طلاق نہیں ہوگی۔ اگر اکراہ اور مجبوری ثابت نہ ہو تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ اپنی مرضی سے رکی رہی تھی۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ہمسایوں کے گھروں میں جانے سے منع کیا اور اس بات کو طلاق کے ساتھ معلق کر دیا (یعنی اگر گئی تو تجھے طلاق)۔ مگر وہ بھولے سے چلی گئی، تو میاں بیوی میں جھگڑا ہو گیا، اور شوہر نے اسے مارا تو عورت نے کہا: مجھے طلاق دو اسے اور غصہ آ گیا اور طلاق دے دی، پھر اسے اس پر ندامت ہوئی۔ اور عورت نے اسے جو کچھ اس نے کہا تھا نہیں دیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: پہلی طلاق، جب وہ بھول کر ہمسایوں کے گھر گئی ہے، نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرة : ۲/ ۲۸۶)

''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہمیں مت پکڑ۔''

حدیث میں ہے، اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا: ((قد فعلت)) (میں نے قبول کیا) [1] اور دوسری طلاق میں بھی ظاہر یہی ہے کہ نہیں ہوئی، کیونکہ یہ طلاق بالعوض تھی، اور چونکہ عورت نے آپ کو کچھ نہیں دیا لہٰذا آپ کا اس کی طرف رجوع صحیح ہے اور وہ آپ کی بیوی ہے۔ اور آپ کو چاہیے کہ اس کے ساتھ بھلے طریقے سے وقت گزاریں اور اپنی زبان کی حفاظت کریں اور طلاق کے لفظ زبان پر لانے سے احتراز کریں، کہیں اپنی بیوی نہ کھو بیٹھیں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: (ایک لڑکی کا سوال ہے کہ) مجھے میرے منگیتر نے کہا کہ اگر تو میری اجازت کے بغیر، اپنے کام پر جانے کے علاوہ، کہیں بھی گئی تو تو میرے لیے قیامت تک کے لیے حرام ہوگی، اور اب میں اپنے گھر میں محبوس ہوں۔ حالانکہ میرے گھر والوں کو بہت سے گھریلو امور سرانجام دینے کے لیے میرے باہر جانے کی اشد ضرورت ہے اور میں نہیں جا سکتی ہوں۔ اور جب کسی وقت میں نے اجازت لینے کی کوشش کی ہے تو اس نے انکار کر دیا ہے۔ اس طرح کے معاملات میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اگر میں اس کی اجازت کے بغیر باہر چلی جاؤں تو اس کا میرے ساتھ ارتباط حرام ہو جائے گا؟ میں اس کی اس قسم کے بارے میں میں کیا کروں؟

جواب: میرا آپ کو خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ اس آدمی کو چھوڑ دیں، یہ تمہیں بہت اذیت دے گا۔ میں کہوں گا کہ اس کے بجائے کوئی اور شوہر تلاش کر لیں۔ تاہم فقہی اعتبار سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی یوں کہہ دے کہ ''اگر میں نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے طلاق'' اہل علم کا اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا حکم عام ہے اور طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی نے متعین طور پر یہ بات کہی ہو کہ اگر میں نے فلاں قبیلے کی عورت یا فلاں آدمی کی بیٹی سے نکاح کیا تو

[1] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان انه سبحانه وتعالى لم يكلف الا ما يطاق، حديث: ١٢٦.

اُسے طلاق، تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ امام احمد، امام شافعی اور اہل ظاہر رحمہم اللہ کہتے ہیں، اور ان حضرات کا قول ہی حق ہے، کہ اس طرح سے یہ طلاق واقع نہیں ہوگی، نہ مطلق (اور عام) اور نہ مقید (اور خاص)۔ کیونکہ مسند احمد اور اصحاب سنن کے ہاں بسند حسن فی ذاتہ صحیح لغیرہ مروی ہے، جناب عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا نذر لابن آدم فيما لا يملك، ولا عتق له فيما لا يملك، ولا طلاق له فيما لا يملك.))

''ابن آدم جس چیز کا مالک نہ ہو اس کے لیے اس میں کوئی نذر نہیں۔ جس کا وہ مالک نہ ہو، اس کے لیے اس میں کوئی آزادی نہیں (یعنی وہ اسے آزاد نہیں کرسکتا)۔ اور جس (عورت) کا وہ مالک نہ ہو اس کے لیے کوئی طلاق نہیں۔''[1]

سنن ابن ماجہ میں بسند صحیح حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا طلاق قبل نكاح ولا عتق قبل ملك.))

''نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں۔ ملکیت سے پہلے کوئی آزادی نہیں۔''[2]

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی کئی صحابہ سے اس معنی کی احادیث روایت کی ہیں۔ اگرچہ امام حاکم کی روایات میں ضعف ہے لیکن سیدہ عائشہ، ابن عمرو، ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم کی روایات اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، اور یہ روایت جو بیہقی میں مروی ہے، ان سب سے اس ضعف کا قدرے ازالہ ہو جاتا ہے۔

تو اس طرح یہ طلاق نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس نے یہ بات حلف اور قسم کے معنی میں کی ہو تو اگر یہ عورت اس آدمی کی اجازت کے بغیر نکلے اور اسے خبر ہو جائے تو آپ سے شادی کے بعد اس پر قسم کا کفارہ ہوگا، اور اگر اس کے علم میں نہ آئے تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر کوئی یہ قسم کھائے کہ مجھ پر طلاق ہو، میں فلاں جگہ نہیں جاؤں گا، چنانچہ وہ چلا گیا، تو اب کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی یوں کہے، مجھ پر طلاق ہو، میں فلاں جگہ نہیں جاؤں گا، پھر وہ جان بوجھ کر بلا نسیان اس جگہ چلا گیا تو اس سے ایک طلاق پڑ جائے گی۔ اگر نہیں جائے گا تو نہیں پڑے گی۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے میری اجازت کے بغیر گھر میں سے جہیز کی کوئی چیز کسی کو دی،

[1] سنن ابی داود، كتاب الطلاق، باب فی الطلاق قبل النكاح، حديث: ۲۱۹۰ وسنن الترمذی، كتاب الطلاق، باب ما جاء لا طلاق قبل النكاح، حديث: ۱۱۸۱ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۱۹۰.

[2] السنن الكبرى للبيهقی: ۷/ ۳۱۹، حديث: ۱٤٦٥۷.

تھوڑی ہو زیادہ، تو تجھے طلاق۔ پھر وہ دو دن کے بعد اس بات میں استثناء کرتے ہوئے کہتا ہے: سوائے اس کے جو تو کسی سائل وغیرہ کو دے دے، تو کیا اس کی یہ بات معتبر ہوگی یا نہیں؟ اور یہ بات قسم ہے یا شرط؟

جواب: یہ طلاق کی قسم ہے، کیونکہ یہ ایسی قسم ہوتی ہے جس میں کسی کام کے کرنے کی ترغیب یا اس سے روکنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اور سوال میں مذکورہ کلام اس قسم کا ہے کہ وہ اسے گھر سے کچھ نکالنے سے روکنا چاہتا ہے، اور پھر دو دن بعد اس سے استثناء کرنا تو یہ استثناء مفید مطلب نہیں ہے، اور جو استثناء متصل نہ ہو وہ مفید نہیں ہوا کرتا۔ اگر مفید ہو تو قسم کا مقصد ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کے کلام سے متصل نہیں ہے۔ اور اگر اس نے سائل وغیرہ کا ارادہ نہیں کیا تھا (تو اس کے لیے جائز ہوگا کہ سائل وغیرہ کو دے سکتی ہے) اور اس کی دلیل یہ ہوگی کہ اگر اسے ایسی قسم بولتے وقت ہی پوچھ لیا جائے کہ کیا تمہاری اس قسم میں سائل وغیرہ شامل ہے یا نہیں۔ اور اگر کہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ وہ سائل کے علاوہ کسی اور کو نہ دے، تو اس کی یہ نیت کافی ہوگی اور اس کا بعد میں بتانا درست ہوگا کہ میں نے سوال کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

اور ایسے ہی اگر قسم کا سبب کوئی ایسی بات ہو جس سے برانگیختہ ہو کر اس نے قسم اٹھائی ہو کہ اس میں سائل وغیرہ شامل نہیں ہوتے تو یہ چیز اس کی قسم میں شامل نہیں سمجھی جائے گی۔

اور اصل قاعدہ یہ ہے کہ قسم کا کلام عام ہوتا ہے، الا یہ کہ قسم کے وقت اس نے کسی قسم کی استثناء کی نیت کر لی ہو، یا اس کا سبب کوئی خاص امر ہو...... واللہ اعلم۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: درج ذیل صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے جب کوئی آدمی اپنی بیوی سے یوں کہہ دے: جب تجھے حیض آئے گا اور پھر تو پاک ہوگی تو تجھے طلاق؟ اور فی الواقع اس کی نیت طلاق ہی کی ہو۔ مگر اس کے بعد عورت کو حیض آنے سے پہلے ہی اسے خیال آیا کہ میں اسے طلاق نہ دوں، تو کیا اس طرح یہ طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اسے یہ خیال اس طہر کے بعد آئے جس کے ساتھ اس نے طلاق کو معلق کیا تھا، تو کیا یہ طلاق ہوگی یا نہیں؟

جواب: یہ طلاق ایک شرط محض کے ساتھ مشروط اور معلق ہے۔ اس میں کسی چیز کی ترغیب یا اس سے منع کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا شرط پائے جانے پر یہ طلاق ہو جائے گی اور وہ طہر ہے جو حیض کے بعد آیا ہے۔ اور جب یہ تعلیق کر چکا ہے تو اس سے رجوع نہیں ہو سکتا۔ (مجلس افتاء)

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی بیوی پر طلاق کی قسم اٹھالے اور وہ حیض سے ہو تو کیا طلاق ہو جائے گی؟

جواب: اگر آدمی نے بیوی کے حالت حیض میں ہوتے ہوئے اس پر طلاق کی قسم کھا لی ہو، اور یوں کہے کہ تجھے طلاق، تو ائمہ اربعہ کے قول کے بموجب طلاق ہو جاتی ہے، اور یہ آدمی گناہ گار ہوگا کہ اس نے اس کو حالت حیض میں طلاق دی ہے۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ طلاق نہیں ہوئی، اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلمیذ رشید ابن القیمؒ نے اسی (ابن حزمؒ) کے قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن جو شخص اس مسئلہ کی

تفصیلات دیکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کی عظیم الشان تالیف ''ارواء الغلیل'' کا مراجعہ کرے۔ اس میں انہوں نے شاندار بحث کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو جبکہ وہ حیض سے تھی، طلاق دے دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تو آپ غصے ہوئے اور ان سے فرمایا:

''اسے کہو کہ اس کی طرف رجوع کرے، حتیٰ کہ اسے حیض آئے، پھر پاک ہو، پھر حیض آئے، پھر پاک ہو، تب اگر طلاق دینا چاہتا ہو تو اس سے مساس نہ کرے۔''❶

یہ حدیث صحیح میں مروی ہے۔ اور صحیح بخاری میں یہ اضافہ بھی ہے ''ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ''اور یہ طلاق مجھ پر شمار کی گئی'' اور یہ شمار کرنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ مصطلح الحدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب یوں کہتے ہیں کہ ((کنا نفعل کذا علی عهد النبی ﷺ.)) ''ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یوں یوں کیا کرتے تھے'' تو اس کا حکم مرفوع کا ہے۔ اگرچہ اس میں بعض نے اختلاف بھی کیا ہے اور کہتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ ''اس فعل سے نبی علیہ الصلوۃ والسلام آگاہ بھی ہوئے ہوں۔'' مگر اس حدیث میں یہ سوال نہیں اٹھایا جا سکتا، کیونکہ یہ مسئلہ تو آپ پر پیش کیا گیا تھا اور آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ رجوع کریں، اور اس کی کیفیت بھی واضح فرمائی۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ ''مجھ پر یہ طلاق شمار کی گئی'' یقیناً اس کے شمار کرنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ اور اس حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے، کہ آپ نے فرمایا: ((هی واحده)) ''یہ ایک طلاق ہے۔''❷ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور اس لفظ کو کلام نافع یا عبداللہ بن وہب کا ادراج بتانا صحیح نہیں اور ادراج کے دعویٰ میں بہت وسعت ہے۔

اور صحیح یہی ہے کہ یہ مرفوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا کہ یہ ایک ہے، اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ بھی روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ''کیا یہ طلاق شمار ہوگی؟'' فرمایا: ''ہاں'' یہ روایت صریح ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنہوں نے اسے طلاق شمار فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں جبکہ وہ حیض سے تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بیوی تجھ سے جاتی رہی۔''❸ اگر کوئی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرلے، تو اس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وضاحت موجود ہے کہ آپ نے اس کی طرف

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة الطلاق، حدیث: ٤٩٠٨ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض، حدیث: ١٤٧١.

❷ سنن الدارقطنی: ٤/ ١٠، حدیث: ٢٧.

❸ السنن الکبری للبیهقی: ٧/ ٣٣٤، حدیث: ١٤٧٣٣ المعجم الاوسط للطبرانی: ٨/ ٨١، حدیث: ٨٠٢٩.

رجوع کیا تھا اس طلاق میں جو اس کی باقی رہتی تھی۔ مگر آپ کے لیے (سائل سے کہا) کچھ باقی نہیں رہا ہے جس میں آپ اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیں۔

دیگر حضرات کا اعتراض ہے کہ مسند احمد اور ابی داؤد میں مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کو مجھ پر لوٹا دیا اور طلاق کو کچھ شمار نہ کیا۔"[1] جبکہ قصہ ایک ہے اور الفاظ بظاہر مختلف ہیں، تو اس میں جمع و تطبیق کی جائے گی (یا ترجیح دی جائے گی) اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ "آپ نے بیوی کو لوٹا دیا اور اس انداز طلاق کو درست اور صحیح قرار نہیں دیا، کیونکہ یہ خلاف سنت تھا۔" چنانچہ وہ اس روایت کی تاویل کرتے ہیں۔

مگر پہلی روایت کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، اور اس طرح سے تطبیق مشکل ہے۔ اور ترجیح ان ہی روایات کو ہے جن میں ہے کہ ان کی وہ طلاق شمار کی گئی تھی۔ کیونکہ اس کے روایت کرنے والے تعداد میں زیادہ اور حفظ و اتقان میں فائق ہیں۔

الغرض ائمہ اربعہ کے نزدیک اگر کوئی اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دے تو وہ طلاق شمار ہوتی ہے، جیسے کہ میں نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور اگر طلاق معلق ہو تو بھی ہو جاتی ہے۔ جب صریح طلاق ہو جاتی ہے تو معلق بطریق اولیٰ ہو جاتی ہے۔

بہت سے لوگ طلاق کی قسم اٹھا لیتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ میں غضبناک ہو رہا تھا، تو یہ طلاق بولنے کا سبب بھی تو تجھ ہی میں تھا۔

اگر اس نے یوں کہا ہو "مجھ پر طلاق ہو، تو نہیں نکلے گی۔" یہ حلف یا لفظ چونکہ کوئی زیادہ صریح نہیں ہیں، اس میں نیت کی طرف رجوع ہو گا۔ اگر وہ کہے کہ میرا مقصد یہی تھا کہ میں اپنے آپ پر لازم کر لوں، یا اسے پابند کروں کہ یوں یوں کرے، تو یہ قسم ہے، اس سے طلاق نہیں ہو گی۔ ہاں اگر مشروط ثابت ہو جائے تو طلاق ہو جائے گی۔

تو اس صورت میں یہ ہے کہ اپنی قسم کا کفارہ دینے کے لیے دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا انہیں لباس مہیا کرے۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو تو تین روزے رکھے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔

اور اگر شوہر نے بحالت غضب اسے طلاق دی ہو، اور غصہ بھی اس قدر ہو کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے شعور میں نہ رہا ہو کہ کیا کہہ رہا ہے، تو بالاتفاق طلاق نہیں ہو گی۔ کیونکہ مسند احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں مروی ہے،

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی طلاق السنة، حدیث: ۲۱۸۵ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۸۰، حدیث: ۵۵۲٤.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اغلاق میں کوئی طلاق نہیں اور نہ آزاد کرنا ہے۔''[1]
اغلاق کے معنی اگرچہ کچھ علماء نے اکراہ بھی کیے ہیں، مگر امام ابوداوٗد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اغلاق سے مراد غیظ و غضب ہے۔ اور کئی علمائے لغت نے یہی کہا ہے، اور وہ کہتے ہیں اغلاق اصل میں تنگی کو کہتے ہیں۔ گویا بولنے والا اپنے اوپر یا اس کا دل اس پر تنگی کرتا ہے اور اسے خبر ہی نہیں ہوتی کہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور اگر غصہ اس قدر نہ ہو تو سوائے امام ابن القیم رحمہ اللہ کے، اکثریت اس طرف ہے کہ طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر کہا جائے کہ اغلاق کے معنی اکراہ، جنون اور نشہ کے ہیں، تو غصہ بھی اس کے مشابہ ہے، یعنی اسے کچھ ہوش نہیں ہوتا اور کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کیا بول رہا ہے۔ اور اکثر کے نزدیک طلاق ہو جائے گی۔　(محمد بن عبدالمقصود)

طلاق سے متعلقہ چند متفرق مسائل

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے چکا ہے، اور اس سے اس کی بیٹی ہے جو اس کا دودھ پی رہی ہے اور شوہر پر لازم کیا گیا ہے کہ خرچہ دے۔ اور وہ کیا مدت ہے جس میں عورت رضاعت کے سبب حائضہ نہیں ہوتی ہے؟

جواب: امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ جمہور علماء کے نزدیک مطلقہ بائنہ تین طلاق والی کے لیے عدت میں کوئی نفقہ نہیں ہے۔ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ عورت جب تک عدت میں رہے گی، اس کے لیے خرچ بھی ہے اور اگر عورت اس عمر میں ہو جب اس کو حیض آتا ہو تو تین حیض آنے تک وہ عدت میں شمار ہو گی۔ اور دودھ پلانے والی کے لیے حیض میں بالعموم تاخیر ہو جاتی ہے۔ اور رضاعت کا عوض دینے پر علماء کا اتفاق ہے، جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (الطلاق : ٦٥/ ٦)

''اگر یہ دودھ پلائیں تو انہیں ان کا عوض دو۔''

اور نفقہ (خرچ) اس کے ذمے ہے جو صاحب وسعت ہو، تنگدست کے ذمے کوئی خرچ نہیں ہے۔

(امام ابن تیمیہ)

سوال: کیا حکمت ہے کہ جب ایک لڑکی سے نکاح ہو جاتا ہے اور پھر قبل از دخول طلاق ہو جانے کی صورت میں اس کی ماں (اس نکاح کرنے والے کے لیے) حرام ہو جاتی ہے بخلاف ماں کے کہ اگر اس کے ساتھ دخول نہ ہو اور طلاق ہو جائے تو بیٹی پھر بھی حلال رہتی ہے؟

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی غلط، حدیث: ٢١٩٣ وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب طلاق المكرة، حديث: ٢٠٤٦ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٧٦ ومسند عائشة.

جواب: یہ اللہ کی شریعت ہے۔ اس میں ہم ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ (ہم نے سن لیا اور مان لیا، اے اللہ ہم تیری بخشش کا سوال کرتے ہیں، اور تیری طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔) کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: جب شوہر کے ساتھ گزارہ کرنا مشکل بلکہ محال ہوجائے تو طلاق کا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟ میرا شوہر انتہائی جاہل ہے، میرے حقوق بالکل نہیں جانتا۔ وہ پہلے بھی مجھے اور میرے ماں باپ کو لعن طعن کرتا رہتا تھا، مجھے یہودیہ، نصرانیہ، رافضیہ وغیرہ کہا کرتا تھا، مگر میں اپنے بچوں کی وجہ سے اس کے ان قبیح اخلاق پر صابر رہی اور اب مجھے جوڑوں کا درد شروع ہوگیا ہے، میں بہت عاجز آ گئی ہوں اور صبر بھی نہیں رہا ہے۔ میں اسے انتہائی ناپسند کرتی ہوں کہ اس کے ساتھ بات تک نہیں کرسکتی ہوں۔ میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کردیا۔ میں تقریباً چھ سال سے اس کے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ ہوں اور میری حالت مطلقہ یا اجنبیہ کی سی ہے، اور وہ طلاق دینے سے انکاری ہے۔ براہ مہربانی میرے سوال کا جواب مرحمت فرمائیں۔ اللہ کریم آپ کی حفاظت فرمائے۔

جواب: اگر شوہر کی حالت فی الواقع ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ نے بیان کی ہے تو طلاق طلب کر لینے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر اس مقصد کے لیے کوئی عوض اور بدلہ دینا پڑے تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ بد معاملہ اور بدکلامی کے ساتھ آپ پر ظلم کرتا ہے۔ اگر آپ کے لیے ممکن ہو کہ صبر کرسکو اور کوئی نصیحت کی بات کہہ سکو اور اس کے لیے ہدایت کی دعا بھی کرو تو آپ کے لیے اس میں اجر اور اچھا انجام ہے، کیونکہ آپ اپنی ذات اور بچوں کے اخراجات کے سلسلے میں اس کی یقیناً ضرورت ہوگی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ اسے ہدایت اور استقامت دے، اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ اگر وہ نماز پڑھتا اور دین کو گالی نہ دیتا ہو، ورنہ تو وہ کافر ہے، آپ کے لیے اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی تم اسے اپنے نفس پر کوئی موقع دو۔ کیونکہ دین اسلام کو گالی دینا، اس کا مذاق اڑانا، کفر وضلالت اور ارتداد ہے، اور اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿.... قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ....﴾ (التوبة: ٩/ ٦٥-٦٦)

"منافقین سے کہہ دیجیے: کیا بھلا تم اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو؟ کسی عذر معذرت کی ضرورت نہیں، تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوچکے ہو۔"

اور ترک صلاۃ کفر اکبر ہے، خواہ وہ اس کے وجوب کا انکاری نہ بھی ہو اور محض تارک نماز ہو تو بھی یہ کفر اکبر ہے۔" علمائے کرام کا صحیح تر قول یہی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

نبی ﷺ نے فرمایا:

((بين الرجل وبين الكفر والشرك ترك الصلاة .))

''بندے اور کفر و شرک کے درمیان نماز چھوڑنے کا فاصلہ ہے۔'' ❶

مسند احمد اور سنن میں ہے، حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر .))

''ہمارے اور ان کافروں کے درمیان نماز ہی کا عہد ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہوا۔'' ❷

علاوہ ازیں اور بھی کئی دلائل ہیں اور کتاب وسنت سے یہی ثابت ہے۔ واللہ المستعان

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک عورت کا شوہر ہے کہ وہ جب بھی گھر میں آتا ہے بیوی بچوں کو مارتا ہے۔ براہ مہربانی اسے اور اس جیسے اور لوگوں کو نصیحت فرمائیں۔

جواب: یہ آدمی اللہ کا نافرمان اور شریعت کا مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ بھلے انداز میں زندگی گزاریں۔ یہ کوئی معروف اور بھلا انداز نہیں ہے کہ آدمی گھر میں آئے تو غصے سے بھرا ہوا ہو اور گھر والوں کو ڈانٹنے، جھڑکنے یا مارنے کے درپے رہے۔ ایسا انداز کسی ضعیف العقل اور دین میں ناقص آدمی ہی کے متعلق سمجھا جا سکتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ اگر وہ باسعادت زندگی چاہتا ہے تو گھر میں ہشاش بشاش آئے اور بچوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے والا بنے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((خيركم خيركم لاهله وأنا خيركم لاهلي .))

''تم میں سے بہترین وہی ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بڑھ کر بہتر ہوں۔'' ❸

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک نوجوان عورت، ایک شخص سے اس کی شادی ہوئی ہے، اس مرد کو ایک ایسی بیماری لاحق ہوگئی ہے کہ

❶ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، حديث: ۸۲۔ سنن الترمذي، كتاب الايمان، باب ترك الصلاة، حديث: ۲۶۱۹۔ مسلم اور ترمذی کی روایت میں شرک کا لفظ پہلے اور کفر کا بعد میں ہے البتہ ترمذی میں ''و'' کی جگہ ''او'' ہے۔

❷ سنن الترمذي، كتاب الايمان، باب ترك الصلاة، حديث: ۲۶۲۱ وسنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، حديث: ٤٦٣ وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، حديث: ۱۰۷۹.

❸ سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب فضل ازواج النبي، حديث: ۳۸۹۵ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حسن معاشره النساء، حديث: ۱۹۷۷.

وہ ہر اس شخص سے جو اس کے قریب ہے اس پر شک کرنے لگا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو بھی زنا کا الزام لگایا ہے، جبکہ بیوی شوہر کے اقارب اور بستی والوں سب کے نزدیک اس الزام سے بالاتر ہے۔ پھر معاملہ اس سے بھی بڑھ گیا کہ وہ اسے قتل کی دھمکیاں دینے لگا اور موقع بموقع مارنے بھی لگا۔ عورت نے اپنے بچوں کی وجہ سے صبر سے کام لیا، لیکن بالآخر اسے گھر سے نکال دیا اور اس کے خاندان میں چھوڑ دیا۔ وہ تقریباً دو سال وہاں رہی اور جہاں تک ہو سکا صبر سے کام لیا۔ شوہر نے اسے کسی قسم کا کوئی خرچ وغیرہ نہیں دیا۔ تنگ آ کر عورت نے مقدمہ کر دیا، اور اس کی گود میں دودھ پیتا بچہ بھی ہے۔ شوہر نے اس کے خلاف گھر سے غائب رہنے کی وجہ سے طلاق کا نوٹس بھیج دیا، جو بذریعہ رجسٹرار نکاح بھیجا گیا۔ پھر عدالت نے سماعت کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ شوہر عورت کو پانچ ہزار جنیہ ادا کرے، تو اس نے کہا کہ میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ یہ فلاں شیخ (پیر) دجال کے پاس جائے۔ وہ آگ جلاتا ہے اور پھر اس پر کچھ منتر پڑھتا ہے۔ وہ اس عورت کو آگ کے سامنے کرے گا تاکہ اس کی براءت یا عدم براءت ظاہر ہو۔ اور اس عورت نے اپنے بری ہونے کے یقین کے باوجود، جہالت سے کہا کہ کوئی حرج نہیں، میں اس کے کہنے پر یہ بھی کر لیتی ہوں۔ اس میں شرعی حکم کیا ہے کہ کیا یہ عورت اس نوٹس کی وجہ سے جو شوہر نے گھر سے غائب رہنے کی بنیاد پر طلاق دی ہے، بائنہ ہو گئی ہے یا نہیں؟ کیا اسے واپس بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شوہر نے جو طلاق دی ہے، بسبب ضرر و نقصان اسے رجوع کا حق نہیں ہے، خواہ طلاق رجعی ہی ہو۔ تاہم یہ بینونہ صغریٰ ہی ہوگی (یعنی یہ وہ علیحدگی ہے جس میں شرعاً رجوع ہو سکتا ہے)۔ یہ سوال کے پہلے حصے کا جواب ہے۔ اور دوسرا حصہ کہ وہ شیخ کوئی منتر پڑھتا ہے، اور یہ عورت اس کے پاس جائے یا نہ نہیں؟ تو جب شوہر نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ اس نے بیوی کو اس وجہ سے اپنے سے دور کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تہمت لگا رہا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اسے لعان کے لیے طلب کیا جائے۔ اگر وہ یہ قبول کرتا ہے تو عورت از خود اس سے علیحدہ ہو جائے گی، اور ہمیشہ کے لیے ان میں فرقت ہو جائے گی۔ لعان کرنے والوں کا حکم یہی ہے، ورنہ اس آدمی کو اسّی درے لگائے جائیں۔ اور عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس کے کہنے پر اس شیخ یا پیر کے پاس جائے، کیونکہ یہ بات اسے شرک میں مبتلا کر سکتی ہے۔ یہ منتر عام طور پر شرکیہ ہوتے ہیں، جن کے ذریعے سے کسی جن وغیرہ کو راضی کیا جاتا ہے۔ اور عورت کو یقین رکھنا چاہیے کہ عین ممکن ہے کہ اس سے اس کی مراد حاصل نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک جن کے بارے میں فرمایا تھا "یہ بات اس نے تجھے سچ کہہ دی ہے، حالانکہ ہے وہ بہت جھوٹا۔"[1] اور شیخ دجال ممکن ہے لوگ اس کے باطن سے بھی آگاہ ہوں، اور

[1] صحیح بخاری، کتاب الوکالة، باب اذا وکل رجل فترك الوکیل شیئا، حدیث: ۲۱۸۷۔ سنن النسائی الکبریٰ: ۶/ ۲۳۸، حدیث: ۱۰۷۹۵۔

ممکن ہے کہ جب اس شیطان کو بلایا جائے تو وہ کہہ دے کہ اس نے بدکاری کی ہے۔تو آپ کو قطعاً اس راہ پر نہیں جانا چاہیے، عین ممکن ہے اس میں آپ کے لیے نقصانات بہت زیادہ ہوں۔ آپ کو چاہیے کہ عدالت نے جو فیصلہ کر دیا ہے اسی پر قناعت کریں، اور اس آدمی کو آپ کی طرف سے رجوع کرنا حلال نہیں ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک آدمی کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا، تو اس نے چاہا کہ کہے اسے ایک طلاق ہے، مگر جلدی میں اس کی زبان سے نکل گیا ''تین'' حالانکہ اس کی نیت نہیں تھی۔اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اس آدمی سے سبقت لسانی سے بلا ارادہ ''تین طلاق'' کا لفظ نکل گیا ہے، تو اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس کا ارادہ ایک کا تھا۔اسی طرح اگر سبقت لسانی سے یہ لفظ ادا ہو جاتا ہے، مثلاً وہ اسے ''طاہر'' کہنا چاہ رہا تھا اور ''طالق'' کہہ گیا، تو اس بندے اور اللہ کے درمیان طلاق نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم (امام ابن تیمیہ)

سوال: اگر مرد نے بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں اور مفتی کہہ دے کہ یہ طلاق نہیں ہوئی، پھر شوہر نے مفتی کے کہنے پر بیوی کو اپنے پاس رکھا اور ملاپ کرتا رہا، اور ایک بچے کی ولادت ہوگئی، تو کسی نے کہہ دیا کہ یہ بچہ ولد الزنا ہے۔اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جس نے ایسے کہا ہے، وہ انتہائی جاہل اور گمراہ اور اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے۔مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ نکاح جس کے بارے میں شوہر کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ عقد جائز ہے، اور اس پر وہ بیوی سے ملاپ کرتا ہے، تو بچہ اس مرد ہی سے منسوب ہوگا اور وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے، خواہ حقیقت میں ان کا یہ نکاح باطل ہی کیوں نہ ہو، یہ نکاح کرنے والے کافر ہوں یا مسلمان، حکم ایک ہی ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔

مثلاً کوئی یہودی اگر اپنی بھتیجی سے نکاح کرے تو بچہ اس آدمی ہی کی طرف منسوب ہوگا، اور وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے، مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، اور اس پر بھی اجماع ہے کہ یہ نکاح باطل ہے، اور جو کوئی اسے حلال جانے وہ کافر ہوگا، واجب ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ ایسے ہی اگر کوئی جاہل مسلمان کسی عورت سے اس کی عدت کے دوران میں نکاح کر لے جیسے کہ عام طور پر بدوی لوگ کر لیتے ہیں، اور پھر اس کا عورت سے ملاپ ہو اس یقین و اعتماد سے کہ یہ اس کی بیوی ہی ہے، تو بچہ اس آدمی سے منسوب ہوگا اور اس کا وارث بھی ہوگا، مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، اور ا ر ہی مثالیں بہت ہیں۔

خیال رہے کہ ''ثبوت نسب'' کے لیے ضروری نہیں ہے کہ نکاح بھی فی الواقع صحیح ہو۔ بلکہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے (بستر والے کا)۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((الولد للفراش وللعاهر الحجر.))

''بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔'' ❶

سو جس آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں، اور پھر وہ اس سے ملاپ کرے، اس اعتقاد سے کہ طلاق نہیں ہوئی، یہ عمل جہالت سے کیا ہو یا کسی مفتی کے غلط فتویٰ کی وجہ سے، اور شوہر نے اسے صحیح سمجھا ہو، یا کوئی اور بھی سبب ہو، تو بچہ اس آدمی ہی سے لاحق ہوگا، یہ دونوں آپس میں وارث بھی ہوں گے۔ اور یہ عورت اپنی عدت اسی وقت سے شمار کرے گی جب وہ آدمی اس سے مباشرت ترک کرے گا، کیونکہ اس کا مباشرت کرنا اسی یقین کے تحت ہے کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے، تو یہ اس کا فراش ہوئی، لہٰذا یہ اسی وقت سے عدت گزارے گی جب اس آدمی کے بستر سے علیحدہ ہوگی۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: میری ایک عورت سے شادی ہوئی ہے، مگر اس کے بھائی مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ اگر میں اسے طلاق دے دوں تو کیا اسے میرے ہاں عدت گزارنا ہوگی؟

جواب: آپ کو چاہیے کہ اسے کہیں کہ خلع کرا لے۔ یعنی یہ تب ہوتا ہے جب عورت اپنے شوہر سے علیحدگی چاہتی ہو، تو وہ کچھ ادا کر کے اپنے آپ کو آزاد کرا لیتی ہے۔ لیکن اگر اس نے کہا کہ مجھے طلاق دے دو، اور آپ نے کہہ دیا کہ تجھے طلاق ہے، تو اس طرح اس نے آپ سے اپنے تمام حقوق محفوظ کرا لیے ہیں۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر عورت کو طلاق بتہ ہوئی ہو تو کیا وہ اس گھر میں رہ سکتی ہے جہاں اس کے بچے رہتے ہوں؟

جواب: اسے وہاں رہنا جائز ہے، بشرطیکہ طلاق دینے والا شوہر اس سے علیحدہ رہے۔ اگر ان میں علیحدگی کی کیفیت حاصل رہے تو اسے وہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

مسائل عدت

سوال: ایک عورت حمل سے تھی، چھٹے مہینے میں اور پھر نویں مہینے میں جنین نے کچھ حرکت کی، پھر کوئی حرکت نہیں کی، اور اس دوران میں شوہر نے اسے طلاق دے دی اور اب تقریباً اس کے دعوائے حمل کو چار سال ہو رہے ہیں، تو کیا یہ نکاح کر سکتی ہے، اور اس کے نفقہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: عدت والی عورتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک حمل والی بھی ہے اور اس کی عدت شوہر کی موت وغیرہ کی صورت میں بالکل وہی ہے جو طلاق یا فسخ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ:

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبهات، حدیث: ۱۹۴۸ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، حدیث: ۱۴۵۷ وسنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب الولد للفراش، حدیث: ۲۲۷۳.

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق : ٦٥/ ٤)

''اور حمل والیوں کی مدت عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔''

اور بعض خواتین کا حمل جو اس طرح لمبا ہو جائے، تو ان کی عدت بھی اسی طرح طویل ہو جاتی ہے، کیونکہ وضع حمل نہیں ہوا، خواہ جنین پیٹ میں فوت ہو گیا ہو۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اسے حمل یقیناً تھا، تو جب تک یہ اس کے پیٹ میں رہے یہ عدت میں رہے گی۔ اور جنین اگر پیٹ میں فوت بھی ہو گیا ہو اور طلاق بائنہ تک ہو تو اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: مطلقہ عورت کی مدت، جسے حیض آتا ہو، کیا ہے؟

جواب: جس عورت کو حیض آتا ہو، اس کی عدت تین حیض ہے، خواہ یہ مدت تین ماہ سے بڑھ جائے یا کم رہے۔ عدت میں مہینوں کا اعتبار ان عورتوں کے لیے ہوتا ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو، اس وجہ سے کہ صغیر السن ہوں یا کبیر السن اور آیسہ ہوں۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: ایک عورت اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئی اور ابھی وہ عدت میں ہے کہ اسے ایک آدمی نے نکاح کا پیغام دیا ہے، اور وہ اسے خرچ بھی دے رہا ہے، تو کیا یہ عمل جائز ہے؟

جواب: جو عورت اپنے ایام عدت میں ہو اسے صراحت کے ساتھ نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، خواہ وہ وفات کی عدت میں کیوں نہ ہو، اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے، تو عدت طلاق میں بطریق اولیٰ جائز نہیں۔ اور جس نے ایسے کیا ہے، چاہیے کہ اسے سزا دی جائے تاکہ اس سے دوسروں کو عبرت اور نصیحت ہو۔ ایسے مرد اور مخطوبہ عورت دونوں کو سزا دی جانی چاہیے اور اسے اس عورت سے نکاح سے روک دیا جائے، تاکہ اسے اپنے مطلب کے برعکس سزا ہو...... واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: اگر حمل میں جنین فوت ہو جائے تو کیا ایسی عورت کی عدت بلحاظ حمل ساقط ہو جائے گی؟

جواب: حاملہ خاتون کے متعلق کتاب اللہ کے فرمان ﴿اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق : ٦٥/ ٤) (ان کی مدت عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے) سے ظاہر ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہی ہے۔ جس عورت کا حمل اس کے بطن سے زندہ یا مردہ نکل آیا ہو اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ اگر جنین پیٹ ہی میں رہے خواہ زندہ ہو یا مردہ اور امید ہو کہ خارج ہو جائے گا، تو عورت اس وقت تک کے لیے عدت میں رہے گی۔ اگر جنین فوت ہو جائے اور اس کے نکلنے کی کوئی توقع نہ ہو تو ایسی عورت کو اگر یہ کہا جائے کہ اس کے خارج ہو جانے تک تو عدت ہی میں ہے، بالخصوص جب کوئی توقع نہ ہو کہ وہ کب نکلے گا، تو اس میں عورت کے لیے ایک بڑا ضرر ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ جب جنین کے فوت ہو جانے کا یقین ہو اور عورت کو اس کے نکلنے کی امید بھی نہ ہو تو اس کی عدت حمل کی عدت سے مختلف ہو گی۔ کیونکہ اس سے حمل کا حکم ساقط ہو چکا ہے۔

اور اس کی تائید اس حکمت سے بھی ہوتی ہے جس کے تحت حاملہ کو وضع حمل سے عدت پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی دونوں شوہروں کے نطفے مختلط نہ ہو جائیں اور کہیں بچے کے نسب میں کوئی شبہ نہ آ جائے، جو اس صورت مسئولہ میں نہیں ہے۔ اور مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی عورت سے عدت بالکل ساقط ہے جیسے کہ باقی احکام میراث، استحقاق وصیت اور نفقہ وغیرہ ساقط ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر کوئی عورت ایک دو سال تک اپنے شوہر کی نافرمان اور اس سے بے رغبت رہی ہو اور پھر اسے طلاق ہو جائے، تو کیا اسے عدت گزارنا لازمی ہے جبکہ استبرائے رحم کی مدت اس کی پہلے ہی پوری ہو چکی ہو؟ اور جب عورت کو کسی عوض کے تحت طلاق دی گئی ہو تو کیا وہ بلا عدت آگے نکاح کر سکتی ہے، جبکہ شوہر بھی رجوع نہ کرنا چاہتا ہو؟

جواب: عورت کو جب طلاق ہو تو واجب ہے کہ وہ طلاق کے بعد عدت گزارے، خواہ اسے اپنے شوہر سے علیحدہ رہتے ہوئے لمبی مدت ہی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۸)

''اور طلاق دی گئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔''

اور نیز اس لیے بھی کہ نبی ﷺ نے جناب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو، جب اس نے خلع لیا تھا، حکم دیا تھا کہ (بعد از خلع) ایک حیض سے عدت گزارے۔[1]

اور خلع والی کے لیے یہی صحیح ہے کہ وہ اس حدیث کے مطابق بعد از طلاق ایک حیض عدت گزارے اور یہ حدیث مذکورۂ بالا آیت کریمہ کو خاص کرنے والی ہے۔ اور اگر خلع والی عورت بھی جس نے مال کے عوض طلاق حاصل کی ہو، تین حیض عدت گزارے تو اس میں زیادہ کمال اور زیادہ احتیاط ہے۔ نیز وہ اس اختلاف سے بھی بچ رہے گی جس میں بعض علماء کا قول ہے کہ خلع والی عورت بھی تین حیض عدت گزارے اس لیے کہ مذکورہ آیت کریمہ عام ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کی عدت کتنی ہے؟

جواب: جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کی عدت دوسری عورتوں کی بہ نسبت بہت آسان ہے، کیونکہ یہ عورت دو حال سے خالی نہ ہو گی: ایک، یا تو یہ حاملہ ہو گی۔ اس صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ دوسرے، یا حاملہ نہیں ہو گی۔ اس صورت میں اس کی عدت صرف چار ماہ دس دن ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، خواہ اس کے لیے شوہر کی وفات پر چند گھنٹے ہی گزرے ہوں، بلکہ اگر بالفرض شوہر فوت ہو رہا ہو اور یہ نفاس میں ہو

[1] سنن الترمذی، کتاب الطلاق، باب الخلع، حدیث: ۱۱۸۵ وسنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، حدیث: ۲۲۲۹.

اور اس پر جنازہ پڑھے جانے سے پہلے ہی اس نے بچے کو جنم دے دیا ہو تو یہ عدت سے خارج ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ٦٥/ ٤)

''اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچے کو جنم دے دیں۔''

اور دوران عدت میں عورت پر سوگ کی کیفیت ہونا ضروری ہے۔ یعنی ہر ایسی زینت سے پرہیز کرنا جو اس کی طرف دیکھنے وغیرہ کا باعث ہو سکتی ہے اور اس میں درج ذیل امور آتے ہیں:

۱۔ اس پر واجب ہے کہ اسی گھر میں رہے جس میں شوہر کی وفات ہوئی ہو اور یہ اس میں رہائش پذیر تھی۔ بلا کسی اہم اور شدید ضرورت کے گھر سے نہ نکلے، اور وہ بھی صرف دن میں۔

۲۔ دوسرے، ہر طرح کی خوشبو سے پرہیز کرے، خواہ وہ کوئی کریم وغیرہ ہو یا اگربتی کی قسم کی خوشبو۔ سوائے ایک موقع کے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد کوئی خوشبو استعمال کر سکتی ہے، تاکہ حیض کی ناپسندیدہ بو دور ہو جائے۔

۳۔ تیسرے، ہر طرح کے زیورات سے پرہیز کرے، خواہ وہ ہاتھ کی چوڑیاں یا کنگن ہوں یا گلے کا ہار، کانوں کی بالیں یا پاؤں کی پازیب یا سر کی کوئی زینت۔

۴۔ ہر طرح کی زینت (میک اپ) سے پرہیز کرے، مثلاً سرمہ یا کاجل، ہونٹوں کی سرخی اور ہاتھ پاؤں پر مہندی وغیرہ۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے لیے شوہر کی عدت وفات میں گھر سے باہر نکلنے کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ کوئی درس وغیرہ سننے کے لیے گھر سے باہر چلی جائے، تاکہ اس کا یہ غم کسی قدر کم ہو جائے؟ کیونکہ یہ گھر میں ہر وقت شوہر کا تذکرہ کرتی رہتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح تقدیر پر عدم رضا کا شکار ہو جائے۔

جواب: ہاں یہ جائز ہے، بشرطیکہ رات اپنے گھر میں گزارے۔ حضرت عمر، زید بن ثابت اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔ ابن ابی شیبہ میں مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عورت کو جس کا خاوند فوت ہو جاتا اجازت دیتے تھے کہ دن کی روشنی میں اپنے اہل کے ہاں چلی جایا کرے۔ [1] اور ایسے ہی جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ [2]

اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا تو وہ دن کی روشنی میں اپنے

[1] مصنف ابن ابی شیبة: ٤/ ١٥٥، ١٥٦، حدیث: ١٨٨٦٢، ١٨٨٧٢.

[2] مصنف ابن ابی شیبة: ٤/ ١٥٥، حدیث: ١٨٨٦٣.

والد سے ملنے کے لیے آجایا کرتی تھیں، اور جب رات ہو جاتی تو وہ انھیں حکم دیتے کہ اپنے گھر چلی جائے۔ ❶
مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان عورتوں کو جن کے شوہر وفات پا گئے ہوتے اور وہ اکیلے بیٹھنے سے پریشان ہوتیں، اجازت دیتے تھے کہ وہ کسی ایک کے گھر میں اکٹھی ہو جایا کریں، حتیٰ کہ جب رات ہو جاتی تو ہر ایک سونے کے لیے اپنے گھر چلی جاتی تھی۔ ❷ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت کو طلاق ہوئی اور اسے ساڑھے چار ماہ بعد اپنی طلاق کا علم ہوا تو اس کو عدت گزارنی ہوگی یا اس کی عدت پوری ہو چکی؟

جواب: عدت وفات یا عدت طلاق کی ابتدا اسی دن سے ہے جس دن سے ان میں فراق ہوا ہے۔ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی وفات کا علم ساڑھے چار ماہ بعد ہو، جیسے کہ سائل نے دریافت کیا ہے، تو اس کی عدت پوری ہو چکی۔ اس کی عدت کی ابتدا فرقت کے دن ہی سے شروع ہوگی۔ اور اگر کسی کو بالفرض دو ماہ بعد علم ہو تو اس کی عدت سے دو ماہ دس دن باقی رہ جائیں گے۔ اور اگر کسی عورت کو شوہر نے طلاق دی ہو، جبکہ وہ اس سے غائب اور دور ہو اور پھر عورت کو اس وقت اطلاع ملتی ہے جب اس کے تین حیض گزر چکے ہوں، تو اس عورت کی عدت گزر چکی ہوگی، اب اس کے لیے حلال ہوگا کہ بلا تاخیر نکاح کر لے، کیونکہ اس میں اعتبار اس بات کا ہے کہ فرقت کب ہوئی ہے، وہ وفات سے ہو یا طلاق سے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کوئی عورت بہت بوڑھی ہو یا چھوٹی عمر کی ہو کہ ابھی بالغ نہ ہوئی ہو تو کیا ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ عدت پوری کریں؟

جواب: ہاں، ایسی بوڑھی عورت جسے مردوں کی طرف رغبت نہ ہو، یا صغر السن جو بالغ نہ ہوئی ہو، ان پر عدت وفات ہے، کہ چار ماہ دس دن عدت گزاریں۔ اور اگر بیوی حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، جیسے کہ آیت کریمہ کے عموم کا تقاضا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣٤)

''اور جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں۔''

اور حاملہ کے لیے فرمایا:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ٦٥/ ٤)

---

❶ مصنف عبدالرزاق: ٧/ ٣١، حديث: ١٢٠٦٤.

❷ مصنف عبدالرزاق: ٧/ ٣٢، حديث: ١٢٠٦٨.

''اور حمل والیاں ان کی عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔'' (مجلس افتاء)

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہ اس کا والد فوت ہو گیا ہے اور وفات سے پہلے اس نے میری والدہ کو (سنت کے مطابق) ایک طلاق دی ہے، اور اس سے پہلے کوئی طلاق نہیں دی تھی، اور والدہ کو اٹھارہ سالہ ہو رہے ہیں کہ خون نہیں آ رہا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس کی والدہ پر وفات کی عدت ہے یا نہیں؟

جواب: اگر واقعہ ایسے ہی ہے جیسے کہ سوال میں ذکر ہوا ہے کہ اس کے والد نے اس کی ماں کو سنت کے مطابق ایک طلاق دی ہے، اور یہ تیسری طلاق نہ تھی اور عورت حیض سے آیسہ ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ چونکہ اس کا والد بقول اس کے، وفات سے تین ماہ پہلے طلاق دے چکا ہے، تو اب اسے طلاق کی عدت چھوڑ کر وفات کی عدت شروع کرنی چاہیے، کیونکہ یہ طلاق رجعی تھی، اور ایک ایک طلاق رجعی دی گئی ہو وہ عدت سے فارغ ہونے سے پہلے تک بیوی کے حکم میں ہوگی۔ (مجلس افتاء)

11
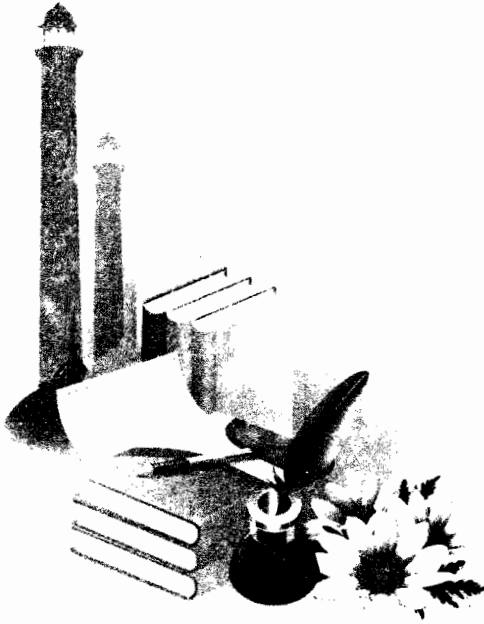
کتاب العدة

خواتین اور سوگ، میت اور غم کے احکام ومسائل

سوال: جو عورت اپنی عدت وفات میں ہو، کیا اس کے لیے چاند سے اپنا چہرہ چھپانا اور ایسے ہی اپنے محرم رشتہ داروں سے پردہ کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، نہ ہی یہ کوئی شرعی مسئلہ ہے بلکہ جاہل عوام کی خرافات میں سے ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: اگر کسی عورت کی عدت وفات ۸ر ذی الحجہ کو ختم ہو رہی ہو تو کیا وہ حج کے لیے سفر کر سکتی ہے؟

جواب: جو عورت اپنی عدت وفات کے ایام میں ہو، وہ ائمہ اربعہ کے مذہب کے مطابق اس مدت میں حج کے لیے بھی سفر نہیں کر سکتی ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: بدوی عورت اپنی عدت کس طرح پوری کرے، جبکہ یہ لوگ ہمیشہ ایک سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں؟

جواب: ایسی عورت کو جائز ہے کہ اپنے قبیلے کے ساتھ جہاں وہ جائیں منتقل ہوتی رہے۔ اس کا مسکن وہی جگہ ہے جہاں یہ لوگ (اور جس طرح) رہتے ہیں۔ باقی احکام وہی ہیں جو کسی مقیم کے لیے ہوتے ہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: جو عورت عدت میں ہو اس کے لیے تدریس کے لیے جانا، اور بصورت نرس ہونے کے مریضوں کی نگہداشت کے لیے جانا کیسا ہے؟

جواب: جو عورت اپنے خاوند کی وفات سے عدت میں ہو، اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے لازمی ضروری کام کرنے کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے، بالخصوص ایسے کام جو اسی ہی سے متعلق ہوں اور دوسرے نہ کر سکتے ہوں، مثلاً جس کا کام تعلیم وتدریس ہے، یا مریضوں کی نگہداشت ہے، ایسے کام جو صرف خواتین ہی سے متعلق ہیں، اور ان کا مردوں سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس دوران میں لازمی ہے کہ خوشبو، خوبصورت لباس اور زیب و زینت سے باز رہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: جو عورت ایام عدت میں ہو، اس کے لیے امتحان دینے کے لیے جانا کیسا ہے؟

جواب: ایک عورت نے سوال کیا ہے کہ اس کا امتحان کے لیے گھر سے باہر جانا، اس طرح کہ اس کا بھائی اسے اپنی گاڑی میں لے جائے گا اور واپس لے کر آئے گا اور امتحان گاہ میں صرف عورتیں ہی ہوں گی، اور عورت شرعی لباس میں جائے گی، تو یہ صورت جو بیان کی گئی ہے اس میں ظاہر یہی ہے کہ وہ جاسکتی ہے۔ اور چاہیے کہ وہ عدت کی شرائط اور سادہ لباس کی پابندی کرے اور مردوں سے مختلط نہ ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک خاتون نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن عدت پوری کی ہے، مگر بھولے سے دو دن زیادہ ہوگئے ہیں، تو کیا اس سے کوئی حرج تو نہیں؟

جواب: اس زیادتی کا کوئی حرج نہیں۔ جب عدت پوری ہوگئی تو وہ پابندیوں سے بھی آزاد ہوگئی۔ تاہم عدت اور احداد کے ایام میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر جو بھول جائے اسے معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۸۶)

''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ کر۔''

(محمد بن ابراہیم)

سوال: جس عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو اسے عدت کے دوران میں کون سے کام جائز اور کون سے ناجائز ہیں؟

جواب: جس عورت کا شوہر فوت ہوجائے اس کے لیے درج ذیل امور لازم ہیں:

۱۔ اسی گھر میں اقامت اختیار کرے جس میں شوہر کی وفات ہوئی ہو اور بغیر کسی لازمی اور ضروری کام اور حاجت کے گھر سے نہ نکلے، مثلاً بیمار ہونے کی صورت میں ہسپتال جانا، یا کسی لازمی ضرورت کی خریداری کے لیے بازار جانا، مثلاً روٹی وغیرہ کے لیے۔

۲۔ (شوخ) خوبصورت لباس سے اجتناب کرے اور سادہ لباس پہنے۔

۳۔ ہر طرح کی خوشبو سے اجتناب کرے، سوائے اس کے کہ ماہانہ ایام سے فارغ ہو تو کوئی بخور وغیرہ استعمال کرسکتی ہے۔

۴۔ زیورات، سونے چاندی یا جواہرات وغیرہ استعمال نہ کرے، وہ گلے کے ہار ہوں یا ہاتھوں کے کنگن یا

چوڑیاں وغیرہ۔

۵۔ سرمے اور مہندی کے استعمال سے بھی باز رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت وفات میں خاتون کو ان امور سے منع کیا ہے۔

ایسی عورت کے لیے جائز ہے کہ جب چاہے غسل کر سکتی ہے اور نہانے کے لیے صابن یا بیری کے پتے استعمال کر سکتی ہے۔ اپنے اقارب وغیرہ سے گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اپنے عزیزوں کی مجلس میں بیٹھ سکتی ہے، اور کھانا چائے وغیرہ سے ان کی تواضع بھی کر سکتی ہے۔ گھر کے تمام کام جو گھر کے اندر ہوتے ہیں دن رات میں ہر وقت سرانجام دے سکتی ہے، مثلاً گھر کی صفائی، کپڑے دھونا، جانوروں کا دودھ دوہنا وغیرہ، وہ تمام کام جو عام عورتیں گھروں میں سرانجام دیتی ہیں۔ اور اس کے لیے جائز ہے کہ چاند کی روشنی میں بغیر حجاب کے چل سکتی ہے جیسے کہ دوسری عورتیں چلتی ہیں۔ اور اگر اس کے پاس کوئی غیر محرم نہ ہو تو حسب ضرورت کپڑا اتارنا بھی جائز ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عدت وفات والی عورت اپنے بچوں کو نہلا دھلا سکتی ہے، اور کیا وہ انہیں خوشبو بھی لگا سکتی ہے؟ اور کیا ایام عدت میں اسے نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے؟

جواب: اپنے شوہر کی عدت وفات میں عورت کے لیے خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے (اس لیے یہ بچوں کو بھی نہیں لگا سکتی)۔ ہاں انہیں خوشبو پیش کرے یا کسی مہمان وغیرہ کو دے تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ خوشبو لگانے میں ان کے ساتھ شریک اور شامل نہ ہو۔

اور جب تک کامل طور پر عدت سے خارج نہ ہو جائے اسے صراحت سے نکاح کا پیغام نہیں دیا جا سکتا، البتہ کوئی اشارہ وغیرہ کر دیا جائے تو جائز ہے، جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ﴾ (البقرہ: ۲۳۵)

"اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ عورتوں کو (ایام عدت میں) پیغام نکاح کا کوئی اشارہ کر دو۔"

اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اشارہ کر دینے کو جائز رکھا ہے، مگر صراحت کرنے کو مباح قرار نہیں دیا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں اپنی عمر کے چالیسویں سال کو پہنچ رہی ہوں، شادی شدہ ہوں، میرے پانچ بچے ہیں۔ گزشتہ ماہ مئی میں میرے شوہر کی وفات ہو گئی (۱۲ مئی ۱۹۸۵ء کو) مگر میں عدت نہیں گزار سکی، کیونکہ میرے شوہر اور بچوں کے معاملات کچھ ایسے تھے کہ میں عدت کے لیے نہیں بیٹھ سکی۔ چار ماہ گزرنے کے بعد یعنی (یعنی ۱۲ ستمبر ۱۹۸۵ء) میں عدت کے لیے بیٹھی۔ اور اس میں ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ مجھے مجبوراً باہر جانا پڑا۔ کیا میرا یہ مہینہ عدت میں

شمار ہوگا یا نہیں؟ اور کیا میرا چار ماہ گزرنے کے بعد عدت کے لیے بیٹھنا صحیح ہے یا نہیں؟ خیال رہے کہ میں گھر کے احاطے میں بعض کام کاج کے لیے نکل جاتی ہوں، کیونکہ میرے پاس ایسا کوئی قابل اعتماد آدمی نہیں جو یہ کام سرانجام دے سکے؟

جواب: آپ کا یہ عمل بالکل غلط اور حرام ہوا ہے۔ کیونکہ عورت پر واجب ہے کہ عدت وفات اور سوگ (احداد) اسی وقت سے شروع کر دے جب اسے شوہر کی وفات کا علم ہو۔ اس سے تاخیر کرنا اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣٤)

''اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں، تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک (بطور عدت) روکے رکھیں۔''

اور تمہارا چار ماہ تک تاخیر کرنا اور پھر اس کے بعد عدت گزارنا گناہ اور معصیت ہے۔ ان ایام میں سے عدت کے صرف دس دن ہی شمار ہوں گے، اور اس کے علاوہ جو دن تھے وہ عدت کے نہیں ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ اللہ سے توبہ کریں اور کثرت سے اعمال صالحہ سرانجام دیں تا کہ اللہ آپ کو معاف فرما دے۔ اور عدت کا وقت جب گزر جائے تو پھر بعد میں اس کی قضا نہیں ہے۔ [1] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کا عقد ہوا اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ شوہر کی وفات ہوگئی، کیا اس عورت پر عدت ہوگی؟

جواب: ایسی عورت جس کا عقد ہوا ہو اور پھر شوہر رخصتی یا دخول سے پہلے ہی وفات پا جائے تو عورت کے ذمے ہے کہ وفات کی عدت پوری کرے، کیونکہ عقد ہو جانے سے یہ عورت ''بیوی'' کے حکم میں آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣٤)

''جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کے ذمے ہے کہ اپنے آپ کو (بطور عدت) چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں۔''

صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ

[1] بطور فائدہ عرض ہے کہ عدت گزارنے یا عدت میں بیٹھنے کا یہ مفہوم ہے کہ عورت اپنے یہ ایام گھر کے اندر گزارے اور زیب وزینت وغیرہ امور سے احتراز کرے، جیسے کہ اوپر ایک فتوے میں بیان ہوئے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ عورت محض بیٹھی رہے اور گھر کا کوئی کام نہ کرے یا بچوں وغیرہ کی خدمت نہ کرے۔ (سعیدی)

سوگ کا اظہار نہ کرے، سوائے شوہر کے، اس کے چار ماہ دس دن ہیں۔''[1] اسی طرح مسند احمد اور سنن کی کتب میں ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے متعلق فیصلہ فرمایا جبکہ اس کا عقد ہو چکا تھا اور خاوند قبل از دخول ہی فوت ہو گیا تھا، کہ اس پر عدت ہے اور یہ وراثت کی بھی حق دار ہے۔''[2] (مجلس افتاء)

سوال: کیا احداد (عدت وفات) کے دنوں میں عورت کے لیے جائز ہے کہ ٹیلیفون پر عورتوں یا اپنے محرم عزیزوں سے بات چیت کر سکے جیسے کہ بیٹے ہیں یا کوئی دوسرے؟

جواب: ہاں، جائز ہے کہ عورتوں اور محرم مردوں سے گفتگو کر سکتی ہے کیونکہ ان امور میں اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں بنیادی طور پر حلال ہیں۔ بلکہ غیر محرموں سے بھی بات کر سکتی ہے، بشرطیکہ کوئی غیر شرعی بات (اور غیر شرعی انداز) نہ ہو۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا اِحداد کے دنوں میں عورت کے لیے گھڑی پہننا جائز ہے، تاکہ وقت کا علم رہے، زینت مقصود نہ ہو؟

جواب: ہاں، اس مقصد کے لیے جائز ہے۔ کیونکہ امور ہمیشہ اپنے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ تاہم نہ پہنے تو زیادہ اچھا ہے، کیونکہ گھڑی زیور کے مشابہ ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا عورت کو ایام عدت وفات میں کوئی خاص طرح کے کپڑے پہننے چاہییں، جبکہ عورت کی عمر تقریباً پچیس سال ہے؟

جواب: جو عورت عدت وفات میں ہو اسے زیب و زینت والے کپڑوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا میت کی وفات پر اظہار غم کے لیے سیاہ کپڑے پہننے جائز ہیں، بالخصوص کہ جب میت شوہر ہو؟

جواب: کسی مصیبت کے وقت سیاہ کپڑے پہننا انتہائی غلط اور باطل رواج ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بلکہ چاہیے کہ انسان کسی بھی مصیبت میں وہ انداز اختیار کرے جو شریعت نے بتایا ہے۔ مثلاً یوں کہے:

((إنا لله وإنا إليه راجعون۔ اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها .))

''ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم سب نے اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر و ثواب دے اور مجھے اس (جانے والی یا ضائع ہو جانے والی چیز) کے بدلے میں اس سے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب حد المرأة على غير زوجها، حديث: ١٢٢١ وصحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة وتحريمه...... حديث: ١٤٨٦ وسنن ابی داود، كتاب الطلاق، باب احداد المتوفى عنها زوجها، حديث: ٢٢٩٩۔ سنن الترمذی، كتاب الطلاق، باب عدة المتوفى عنها زوجها، حديث: ١١٩٥ .

[2] سنن ابی داود، كتاب النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم صداقا حتى مات، حديث: ٢١١٤ وسنن الترمذی، كتاب النكاح، باب الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض لها، حديث: ١١٤٥ وسنن النسائی، كتاب النكاح، باب اباحة التزوج بغير صداق، حديث: ٣٣٥٦ .

بہتر عنایت فرما۔“ [1]

اگر بندہ ایمان اور احتساب سے یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے اس نقصان کا اجر عنایت فرماتا اور اس کے عوض بہتر چیز دے دیتا ہے۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایسے ہی ہوا تھا۔ جب ان کے سابق شوہر جو ان کے چچا زاد تھے اور انھیں بہت ہی محبوب بھی تھے، فوت ہو گئے تو انہوں نے یہی مذکورہ کلمات کہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں اپنے جی میں سوچتی تھی کہ بھلا ابوسلمہ سے بھی کوئی بہتر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ جب ان کی عدت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام نکاح بھیج دیا، جو ان کے لیے یقیناً ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہت بڑھ کر تھے۔ [2] تو ایسے ہی جو بندہ ایمان اور یقین اور اجر و ثواب کی نیت سے یہ کلمات کہے گا تو اللہ یقیناً اسے اجر و ثواب دے گا اور اس مفقود کے عوض بہترین چیز عنایت فرمائے گا۔ اور ایسے مواقع پر سیاہ لباس یا اسی طرح کے انداز اپنانا، ان کی کوئی اصل نہیں، بلکہ غلط اور مذموم عمل ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا جو عورت عدت میں ہو، اس کے لیے کنگھی کرنا جائز ہے؟ اور کیا وہ اس موقع پر کوئی خوشبو استعمال کر سکتی ہے؟

جواب: عدت والی خاتون کو کنگھی کرنا منع نہیں ہے بلکہ کنگھی کرتے ہوئے خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے۔ اور ہماری یہ بات اس عورت کے متعلق ہے جو اپنے شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت میں ہو۔ ایسی عورت عدت کے چار ماہ دس دنوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق درج ذیل امور سے اجتناب کرے۔ صحیحین میں ہے، سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الاخر أن تحد أكثر من ثلاثة أيام إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا، فإنها لا تكتحل ولا تلبس ثوبا مصبوغا إلا ثوب عصب ولا تمس طيبا إلا إذا طهرت نبذة من قسط أو أظفار.))

”جس عورت کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، سوائے شوہر کے۔ اس کے لیے وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے (اور عدت گزارے، وہ ان دنوں میں) نہ سرمہ لگائے نہ رنگین کپڑا پہنے، مگر جو بعد اوبنتی رنگا گیا ہو، اور نہ خوشبو لگائے سوائے اس موقع کے جب وہ ایام سے پاک ہو، تو قسط یا اظفار (کی خوشبو) کا پھاہا لگا لے۔“ [3]

---

[1] یہ کلمات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نبوت سے نکلے ہوئے اور صحابہ کے مجرب ہیں۔ دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، حديث: ٩١٨ وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصبر على المصيبة، حديث: ١٥٩٨

[2] حوالہ سابقہ.

[3] صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب تلبس الحارة ثياب العصب، حديث: ٥٠٢٨ وصحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب نهي النساء عن اتباع الجنائز، حديث: ٩٣٨ وسنن ابی داود، كتاب الطلاق، باب فيما تجتنب المعتدة في عدتها، حديث: ٢٣٠٢.

امام مالک اور شافعی رحمہ اللہ نے سیاہ کپڑوں کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ سیاہ کپڑے سوگ کا لباس سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح خوشبو بھی صرف ایام سے طہارت کے وقت استعمال کرے تاکہ بو دور ہو جائے۔

احمد اور ابوداود کی ایک روایت میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المتوفی عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثیاب ولا الحلی ولا تختضب ولا تکتحل .))

''جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ زعفران سے رنگے کپڑے نہ پہنے، نہ زیور پہنے، نہ مہندی لگائے اور نہ سرمہ۔'' [1]

عدت کے ایام میں عورت کو کنگھی کی اجازت ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ''خوشبو کے ساتھ کنگھی نہیں کرنا اور نہ مہندی لگانا۔ مہندی خضاب ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں؟ فرمایا: سدب (درخت کے پتوں) سے، اپنے سر پہ لگا لیا کر۔'' [2] اور احادیث سے ثابت ہوا کہ عورت کنگھی کر سکتی ہے، مگر ایسی چیز استعمال نہیں کر سکتی جس میں رنگ ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک لڑکی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس پر عدت لازم ہے مگر وہ اسکول کی طالبہ ہے، کیا اسے اپنی تعلیم جاری رکھنا درست ہے؟

جواب: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس پر واجب ہے کہ عدت گزارے اور اپنے گھر میں چار ماہ دس دن تک سوگ کی کیفیت میں رہے اور رات اسی گھر میں گزارے، اور ایسی تمام کیفیات سے باز رہے جو اسے خوبصورت بنائیں، اس کی طرف دیکھنے کا سبب ہو سکتی ہوں، مثلاً خوشبو، سرمہ، خوبصورت لباس اور اپنے بدن کو مزین کرنا وغیرہ۔

اور دن میں کسی لازمی کام کے لیے گھر سے باہر جانا ہو تو جا سکتی ہے۔ لہٰذا یہ طالبہ جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے، سکول جا سکتی ہے کیونکہ وہ اسباق پڑھنے اور مسائل سمجھنے کی ضرورت مند ہے، ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ ان امور سے اجتناب کرے جو عدت وفات والی خواتین کے لیے ضروری ہیں، جن کی بنا پر مرد عورتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جو پیغام نکاح کا باعث ہوتے ہیں۔ (مجلس افتاء)

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فیما تجتنب المعتدة فی عدتها، حدیث: ٢٣٠٤۔ اس روایت میں 'لا الممشقة'' کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب ما تجتنب الحارة من الثیاب المصبغة، حدیث: ٣٥٣٥ ومسند احمدبن حنبل: ٦/ ٣٠٢، حدیث: ٢٦٦٢٣.

[2] سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فیما تجتنب المعتدة فی عدتها، حدیث: ٢٣٠٥ سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب الرخصة للحارة ان تمتشط بالسدر، حدیث: ٣٥٣٧ والمعجم الکبیر للطبرانی: ٢٣/ ٤١٩، حدیث: ١٠١٣۔ حدیث میں السرب نہیں بلکہ السدر کا لفظ ہے۔

سوال: ایک عورت کی شادی ہوئی، پھر شوہر فوت ہوگیا، اس کی اولاد بھی نہیں ہے اور نہ شوہر کے شہر میں اس عورت کے رشتہ دار ہیں، تو کیا اس لیے جائز ہے کہ شوہر کے شہر سے اپنے ولی کے شہر میں منتقل ہو جائے، اور اس کے ہاں جا کر عدت پوری کرے یا نہیں؟

جواب: اگر خاوند کے اس گھر اور شہر میں عورت کے لیے اس کی جان یا آبرو کا کوئی اندیشہ ہو اور اس کے پاس کوئی ایسا نہ ہو جو اس کی حفاظت کر سکے تو اس صورت میں جائز ہے کہ عورت اپنے ولی کے ہاں یا ایسی جگہ جہاں وہ امن میں ہو منتقل ہو سکتی ہے، اور وہاں اپنی عدت پوری کرے۔

لیکن اگر وہ امن میں ہو اور اسے کوئی خطرہ نہ ہو، اور وہ محض یہ چاہتی ہو کہ اپنے اقرباء کے قریب ہو جائے تو اس غرض سے منتقل ہونا جائز نہیں۔ اسے چاہیے کہ اسی جگہ اپنی عدت پوری کرے۔ اس کے بعد اپنے ولی کے ساتھ جہاں چاہے جا سکتی ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: عدت وفات میں بیوی کے لیے کیا حکم ہے کہ اس گھر میں عدت گزارے یا اپنے شوہر کے گھر میں؟ اور کیا اسے اپنے عزیزوں اور دوسروں کے گھر میں منتقل ہو جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب: عورت کے لیے لازم ہے کہ اسی گھر میں رہے جس میں اس کی رہائش ہو۔ بالفرض اگر اسے وفات کی خبر اس کے عزیزوں کے گھر میں ملے تو اسے چاہیے کہ اپنی رہائش کے مکان میں لوٹ آئے۔ اور اس سے پہلے ہم وہ امور بیان کر چکے ہیں جو ان ایام عدت میں عورت کے لیے منع ہیں، اور یہ کہ (بلا ضرورت شدیدہ) گھر سے باہر نہ جائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا بیوی کے علاوہ دیگر عورتیں بھی میت کی وفات پر بھی سوگ کا اظہار کریں، جیسے کہ بیٹیاں ہوتی ہیں یا بہنیں اور اس کے سب قریبی وغیرہ یا یہ صرف بیوی ہی سے خاص ہے؟ دراصل ہمارے ہاں رواج ہے کہ میت کے سب قریبی سوگ کرتے ہیں اور سیاہ کپڑے پہنتے ہیں، کوئی زیب و زینت نہیں کرتے، کیا یہ ان کے لیے جائز ہے؟

جواب: احداد یعنی سوگ یا اظہار غم یہ صرف عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے نہیں ہے۔ مردوں کو کسی میت پر (عورتوں کے انداز میں) اظہار غم کی اجازت نہیں ہے۔ یہ صرف عورتوں کی خصوصیت ہے اور وہ اس معنی میں کہ ایک معین مدت تک کے لیے زیب و زینت، خوشبو اور ایسی چیزیں جو ان کی طرف رغبت کا باعث ہوتی ہیں، چھوڑے رہیں۔

بیوی کے علاوہ دیگر عورتیں جو میت کی رشتہ دار ہوں، ان کے لیے حکم یہ ہے کہ انہیں صرف تین دن تک کے لیے سوگ یا اظہار غم جائز ہے۔ اور میت کی بیوی پر واجب ہے کہ عدت کی مدت تک سوگ کی سی کیفیت میں رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں ہے کہ کسی بھی میت پر

تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے شوہر کے، کہ اس کے لیے چار ماہ دس دن ہیں۔''[1]

اس فرمان کی روشنی میں بیوی پر واجب ہے کہ عدت کے ایام تک سوگ کی کیفیت میں رہے۔ بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے یہ عمل صرف تین دن تک کے لیے جائز ہے۔ اور مرد کسی بھی حال میں کوئی سوگ نہیں کر سکتا۔

(ایسے مواقع پر) سیاہ کپڑے پہننا جائز نہیں ہے۔ اسلام نے اسے مردوں یا عورتوں کسی کے لیے بھی جائز قرار نہیں دیا ہے۔ کیونکہ اس میں بے صبری اور غیر شرعی غم کا اظہار ہوتا ہے جو کسی طرح اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ تو جو عورت احداد (اپنے شوہر کی وفات پر سوگ اور عدت) میں ہو وہ سیاہ کپڑے نہ پہنے، بلکہ معمول کے ایسے کپڑے پہنے جن میں زینت اور کشش نہ ہو۔ اور اس میں کسی رنگ کی خصوصیت نہیں، نہ کالا، نہ سرخ، نہ سبز، بلکہ حسب معمول ایسے کپڑے استعمال کرے جن میں زینت نہ ہو۔ (صالح بن فوزان)

سوال: وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو، کیا اس کے لیے جائز ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کے گھر سے اپنے بھائی کے گھر منتقل ہو گئی ہو اور پھر وہاں مشکلات اور بدمعاملگی سے دوچار ہو، تو اپنے شوہر کی اولاد کے ہاں یا اپنے چچا کے ہاں چلی جائے اور اپنا وقت گزارے؟

جواب: ایسی عورت کے لیے عدت پوری کیے بغیر کسی اور جگہ منتقل ہو جانا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ کوئی شرعی سبب موجود ہو۔ اگر وہ شرعی رخصت کے بغیر منتقل ہوئی ہو تو اسے چاہیے کہ اس گھر میں واپس آ جائے جہاں سے وہ گئی تھی۔ اور اگر شرعی رخصت کے تحت منتقل ہوئی تھی تو اس کے لیے جائز ہے کہ (اپنے بھائی کے گھر سے) اپنے شوہر کے گھر میں یا کسی اور گھر میں منتقل ہو جائے، اور علاوہ ازیں احداد (سوگ اور عدت) کے دیگر احکام معروف ہیں۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا وہ عورت جو اپنے شوہر کی نافرمان رہی ہو، اللہ کی حدود کی پابند نہ ہو، اور اسے طلاق دی جائے، تو کیا وہ ایام عدت کے خرچ اور حق مہر کی حقدار ہو گی؟

جواب: ہاں یہ حق مہر کی مستحق ہے۔ تاہم مرد کے لیے جائز ہے جیسے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ عورت کے نافرمان ہونے کی صورت میں اس پر کچھ تنگی اور سختی کرے تاکہ وہ اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو جائے اور وہ اسے طلاق دے دے، جیسے کہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (النساء: ٤/ ١٩)

''اور انہیں اس غرض سے مت روکے رکھو کہ اس مال کا کچھ حصہ لے اڑو جو تم انہیں دے چکے ہو،

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب حد المرأة علی غیر زوجها، حدیث: ١٢٢١ وصحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة، حدیث: ١٤٨٦ وسنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب احداد المتوفی عنها زوجها، حدیث: ٢٢٩٩.

سوائے اس کے کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔''

اور اس میں ''عورت کی نافرمانی'' بھی داخل ہے۔ اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے زنا میں ملوث پایا ہو، اور وہ اسے اپنے پاس نہ رکھنا چاہتا ہو، اور یہ بھی نہ چاہتا ہو کہ اس کی بدنامی ہو، تو شوہر کو حق ہے کہ اس پر تنگی کرے تاکہ وہ (عورت) اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہو جائے۔ لیکن اگر وہ اس کے نافرمان ہوتے ہوئے اسے طلاق دیتا ہے اور کوئی سختی نہیں کرتا تو وہ کامل حق مہر اور عدت کے نفقہ کی حقدار ہو گی۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک عورت شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں، اور نہ ہی کسی طرح اس کی فرماں برداری اور اطاعت قبول کرتی ہے اور شوہر کے ساتھ جانے کے بجائے خودکشی کر لینے یا اپنے آپ کو آگ لگا لینے کو ترجیح دیتی ہے، جبکہ شوہر مصر ہے کہ اسے اپنے ساتھ لے کر جائے گا اور بیوی انکاری ہے؟

جواب: تمام صورت حال ملاحظہ کرنے کے بعد خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو بلایا جائے اور فہمائش کی جائے۔ اسے اللہ سے ڈرنے اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کی جائے اور بار بار سمجھایا جائے کہ جو بندہ اللہ کا تقویٰ اختیار کر لیتا ہے، اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کی ایسی ایسی راہیں نکال دیتا ہے جن کا بندے کو گمان تک نہیں ہوتا۔ اسے سمجھایا جائے کہ اللہ کے غضب کا نشانہ بننے کے مقابلے میں یہ زندگی انتہائی حقیر ہے۔ اگر اس طرح سے کوئی فائدہ ہو تو بہت بہتر۔

اور اگر عورت فہمائش قبول نہ کرے تو شوہر کو بلایا جائے اور اسے بتایا جائے کہ اس طرح کے حالات میں جب بیوی ساتھ نہ رہنا چاہتی ہو تو اسے چھوڑ دینا ہی زیادہ بہتر ہے، اور عین ممکن ہے کہ تمہارے اصرار کا انجام تمہارے حق میں اچھا نہ ہو۔ اسے بتایا جائے کہ بیوی ہمیشہ اطمینان وسکون اور راحت کے لیے لی جاتی ہے (نہ کہ بے سکونی کے لیے)۔ مرد کو یہ بات بار بار سمجھائی جائے، شاید اسے کوئی فائدہ ہو اور اس مشکل کا حل نکل آئے۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت بلا اجازت شوہر کے گھر سے اپنے والد کے ہاں چلی گئی ہے اور چھ ماہ سے وہیں ہے اور عذر بھی کوئی (شرعی) نہیں، اور صلح کرانے والے بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ اپنی سوتن سے دکھ میں ہے۔ اس نے شوہر سے ٹیلی فون پر بھی بات کرنے سے انکار کیا، اس لیے کہ اپنے بھائی سے اجازت نہیں لی۔ ایسی عورت کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ عورت ''ناشزہ'' یعنی اپنے شوہر کی نافرمان ہے۔ اگر اسی حالت میں فوت ہو گئی تو ایک کبیرہ گناہ کی حالت میں مرے گی اور پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو گی کہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف فرما دے۔ اور عورت کو اس بات پر شوہر سے اختلاف کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس نے دوسری عورت سے شادی کر لی ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ سوتن پن کی غیرت سے کوئی بھی عورت محفوظ نہیں ہے، اس مسئلے سے امہات المومنین بھی دوچار تھیں،

لیکن ان کی غیرت نے انہیں کسی باطل اور گناہ میں داخل نہیں کیا تھا۔ بہرحال اس عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے گھر لوٹ آئے۔ اور اس کے بھائی کو بھی چاہیے، اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، کہ اپنی ہمشیر کو آمادہ کرے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر چلی جائے، اور وہ اس کی اس نافرمانی میں اس کا مددگار نہ بنے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ليس منا من خبب امرأة على زوجها .))

"وہ آدمی ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف ابھارے۔"[1]

سو اس خاتون کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے گھر لوٹ جائے۔ اگر یہ اس سے انکاری ہو تو یہ "ناشزہ" (نافرمان) قرار پائے گی۔

اور آپ کو (شوہر کو) چاہیے کہ اس کا خرچہ بند کر دو، تاہم وہ قاضی کی طرف رجوع کر سکتی ہے۔ اگر قاضی نے اسے طلاق دے دی اور پھر کسی اور سے نکاح کیا تو (یقیناً) ایک بڑی مصیبت میں پڑے گی۔ جبکہ اس نے ایک ایسی عدالت کی طرف رجوع کیا ہے جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے برخلاف فیصلے کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اجازت دیتے ہیں کہ بیوی کو حق ہے کہ عقد نکاح کے وقت شرط کر سکتی ہے کہ یہ شوہر اس پر دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔ مگر جمہور ائمہ کرام اس شرط کو باطل قرار دیتے ہیں۔ بہرحال اگر اس نے شوہر سے اس بابت شرط کی ہو جیسے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے، تو اس سبب سے اسے حق ہوگا کہ اپنے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ مگر مسند احمد اور سنن میں یہ صورت مروی ہے، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أيما امرأة سألت زوجها الطلاق بغير بأس فحرام عليها رائحة الجنة .))

"اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے بغیر کسی واقعی سبب کے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔"[2]

المختصر میری آپ کو (شوہر کو) یہ نصیحت ہے کہ اسے طلاق دے دو۔ چونکہ وہ "ناشزہ" ہے اس لیے اگر اس پر کچھ تنگی کرو کہ وہ اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو جائے تو بھی جائز ہے۔ اور بجائے اس کے کہ وہ کسی باطل کی مرتکب ہو یا اس میں ملوث ہو، تم اسے اپنے سے جدا کر دو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک کنواری لڑکی کے باپ نے اس کی شادی کر دی، لڑکی اس شخص کو ناپسند کرتی ہے، لہٰذا وہ اس کی

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فیمن خبب مملوکا، حدیث: ٥١٧٠ وکتاب الطلاق، باب فیمن خبب امراۃ، حدیث: ٢١٧٥ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٩٧ ومسند ابی هریرة.

[2] سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، حدیث: ٢٢٢٦ وسنن الترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المختلفات، حدیث: ١١٨٧ وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب کراهیة الخلع، حدیث: ٢٠٥٥.

نافرمان رہی اور اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کرتی، بلکہ دھمکی دیتی ہے کہ اگر مجھے مجبور کیا گیا تو خودکشی کرلوں گی؟

جواب: جب حالات یہاں تک پہنچ چکے ہوں جیسے کہ آپ نے لکھا ہے کہ ان زوجین کے مابین از حد ناموافقت ہے اور امید بھی نہیں کہ ان کی صلح ہو جائے، جبکہ لڑکی شروع ہی سے مجبور کی گئی تھی، تو پہلے تو ان کی صلح کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ ان کی علیحدگی کرا دینی چاہیے چاہے وہ خلع سے ہو یا اس کے علاوہ سے، اور شوہر کے لیے بھی مستحب یہی ہے کہ اس حالت میں خلع پر راضی ہو جائے، بلکہ بعض تو واجب کہتے ہیں۔ اور صحیح بخاری کی حدیث جو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ باغ قبول کرلو اور اسے ایک طلاق دے دو'' [1] یہ اس (خلع) کے وجوب کی دلیل ہے۔

اور والد نے جو اپنی بیٹی کو اس کی ناپسندیدگی کے باوجود بیاہ دیا ہے، اس بارے میں معلوم ہونا چاہیے کہ صحت نکاح کی شروط میں ''رضا مندی'' بڑی اہم شرط ہے، لڑکی خواہ کنواری ہی کیوں نہ ہو، باپ کو جبر کا حق نہیں ہے، اور اس قول کے دلائل بھی واضح ہیں۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ (یا مطلقہ) کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا بھی جب تک اس کی اجازت نہ لے لی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اس کی اجازت کیسے ہوگی؟'' فرمایا: ''یہ کہ وہ خاموش رہے۔'' [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک کنواری کا اس کے باپ نے نکاح کر دیا جبکہ وہ اسے ناپسند کرتی تھی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بتایا کہ میرے باپ نے میرا نکاح کر دیا ہے اور میں ناپسند کرتی ہوں، تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکی کو اختیار دے دیا۔'' [3] (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ تک نہیں سکتی۔ جونہی وہ اس کے پاس جاتی ہے بیمار ہو جاتی ہے؟

جواب: معاملہ ملاحظہ ہوا کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ تک نہیں سکتی اور عادل گواہوں نے بھی گواہی دی ہے کہ عورت جب بھی شوہر کے پاس جاتی ہے بیمار ہو جاتی ہے۔ اور اس شادی کو دس سال ہو رہے ہیں اور اسے عرصے میں ان میں کوئی موافقت نہیں ہوئی ہے اور شوہر اس کو جدا کرنے یا عوض قبول کرنے پر بھی راضی نہیں ہے تو شرعی قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس نکاح کو اس حق مہر کے بدلے جو شوہر نے دیا ہے، فسخ کر دے (یعنی شوہر کو واپس کرا دے)۔ (محمد بن ابراہیم)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع، حدیث: ٥٢٧٣۔ سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، حدیث: ٢٢٢٧.

[2] صحیح بخاری، کتاب الحیل، باب فی النکاح، حدیث: ٦٩٦٨ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح، حدیث: ١٤١٩.

[3] سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی البکر یزوجها ابوها ولا یستأمرها، حدیث: ٢٠٩٦ وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب من تزوج ابنته وهی کارهة، حدیث: ١٨٧٥.

سوال: باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا، مگر وہ اپنے شوہر کی نافرمان رہی اور اس کا کوئی خاص سبب بھی نہ تھا۔ باپ نے کہا کہ اسے میرے ہاں بھیج دو لیکن وہ لڑکی کہیں بھاگ گئی، تو باپ کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ اسے تلاش کرے اور شوہر باپ سے جھگڑا کرتا اور مطالبہ کرتا ہے کہ لڑکی کو لاؤ۔ کیا باپ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے؟

جواب: اگر اس قسم کے قرائن وشواہد موجود ہوں کہ باپ کو لڑکی کا علم ہے کہ وہ کہاں ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے واپس لائے۔ اگر اسے علم نہ ہو تو شوہر کو صبر سے کام لینا چاہیے حتیٰ کہ وہ مل جائے یا خبر ملے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: میرا شوہر اللہ اسے معاف کرے، باوجودیکہ با اخلاق اور اللہ کا خوف رکھنے والا ہے لیکن گھر میں میرا بالکل خیال نہیں کرتا ہے، ہمیشہ تیوری سی چڑھائے رکھتا اور تنگ دل سا رہتا ہے۔ لیکن اللہ جانتا ہے میں بحمد اللہ اس کے حقوق ادا کرتی ہوں، ہر طرح راحت اور سکون مہیا کرنے کی کوشش میں رہتی ہوں، اور ہر وہ چیز جو اسے پریشان کرسکتی ہو، اس سے دور رکھتی ہوں، اور میرے ساتھ جو اس کا سلوک ہوتا ہے اس پر صبر کرتی ہوں۔ اور جب بھی کوئی چیز طلب کروں یا کوئی بات کروں تو غضب ناک ہوجاتا اور بھڑک اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات نامعقول اور ردی ہے۔ مگر اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ برا نہیں رہتا ہے، مگر مجھے اس سے ڈانٹ ڈپٹ ہی ملتی ہے۔ اس کیفیت سے میں انتہائی اذیت اور عذاب میں ہوں۔ کئی دفعہ سوچا ہے گھر چھوڑ دوں۔ میں بحمد اللہ ایک متوسط درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون ہوں، اور اللہ نے جو مجھ پر فرض کیا ہے ادا کرتی ہوں۔ سماحۃ الشیخ! اگر میں گھر چھوڑ دوں، بچوں کی تربیت کروں اور اپنا بوجھ خود ہی اٹھا لوں، تو کہیں گناہ گار تو نہ ہوں گی؟ یا مجھے اسی حال میں اس کے ساتھ نباہ کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ بات چیت، گھر میں شراکت داری اور اس کی مشکلات کے احساس سے بے تعلق ہو جاؤں؟

جواب: اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ میاں بیوی دونوں پر واجب ہے کہ آپس میں بھلے انداز میں زندگی گزاریں، ایک دوسرے سے محبت بھرے انداز میں اور عمدہ اخلاق سے ملیں اور اچھے انداز میں گزارہ کریں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

''اور عورتوں کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی گزاریں۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۸)

''اور ان عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسے کہ ان کے فرائض ہیں، بھلے انداز میں، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے۔''

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((البر حسن الخلق .))

''نیکی حسن خلق میں کا نام ہے۔''❶

اور فرمایا:

((لا تحقرن من المعروف شيئا ولو أن تلقى أخاك بو جه طلق .))

''نیکی میں سے ہرگز کسی چیز کو حقیر مت جانو، خواہ یہ ہی ہو کہ تو اپنے بھائی سے کھلتے چہرے سے ملاقات کرے۔''❷

اور یہ بھی فرمایا کہ:

((اكمل المومنين ايمانا احسنهم خلق .))

''اہل ایمان میں کامل ایمان والا وہی ہے جو ان میں اخلاق میں سب سے بڑھ کر عمدہ ہو۔''❸

نیز فرمایا:

((خياركم خياركم لنسائهم وأنا خيركم لأهلى .))

''تم میں سے بہترین وہی لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے بہترین ہوں اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بڑھ کر عمدہ ہوں۔''❹

اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن میں عام مسلمانوں کے مابین حسن خلق، بہترین انداز میں ملاقات کرنے اور اچھے انداز میں زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تو میاں بیوی اور رشتہ داروں کے مابین تو یہ انداز اور بھی بڑھ کر ہونا چاہیے۔ آپ نے اب تک جو شوہر کی بدخلقی اور بدمزاجی کو صبر وتحمل سے برداشت کیا ہے قابل تعریف ہے۔ اور میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اور بھی صبر وتحمل اور برداشت سے کام لیں اور گھر نہ چھوڑیں۔ اس میں ان شاء اللہ بہت زیادہ خیر اور انجام محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال: ٨/ ٤٦)

''صبر سے کام لو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

---

❶ صحيح مسلم، كتاب البر و الصلة والاداب، باب تفسير البر والاثم، حديث : ٢٥٥٣ وسنن الترمذى، كتاب الزهد، باب البر و الاثم، حديث: ٢٣٨٩ .

❷ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والاداب، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حديث: ٢٦٢٦ وسنن الترمذى، كتاب الاطعمة، باب اكثار ماء المرقة، حديث: ١٨٣٣ .

❸ سنن ابى داود، كتاب السنة، باب الدليل على زياده الايمان ونقصانه، حديث : ٤٦٨٢۔ سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب حق المرأة على زوجها، حديث: ١١٦٢ .

❹ فضیلۃ الشیخ نے یہ روایت بالمعنی بیان کر دی ہے۔ بہرحال دیکھیے: سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب حق المرأة على زوجها، حديث: ١١٦٢ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٤٧٢، حديث: ١٠١١٠

اور فرمایا:

﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (یوسف: ١٢/ ٩٠)

''بلاشبہ جو بندہ تقویٰ شعار ہو اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ٣٩/ ١٠)

''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''

اور جہاں تک ہو سکے اس کی طرف توجہ کرو اور ایسے الفاظ سے گفتگو کرو جو اس کے دل کو نرم کرنے والے ہوں، جن کے نتیجے میں وہ تمہارے ساتھ خوش دلی کا مظاہرہ کرے اور تمہارے حق کا احساس ہو۔ اور دنیاوی ضروریات کا اس سے مطالبہ کرنا چھوڑ دو اگر وہ ازخود لازمی ضروریات مہیا کر رہا ہے۔ اس طرح ان شاء اللہ اس کا دل اور سینہ آپ کے اہم مقاصد کے لیے کھل جائے گا اور انجام کار آپ کو خوشی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح کی نیکیاں کرنے کی اور بھی توفیق دے، آپ کے شوہر کی حالت سدھار دے، اسے راہ حق سجھائے، حسن خلق، بشاشت اور حقوق کا خیال رکھنے کی توفیق دے۔ بلاشبہ وہی بہترین مسئول اور سیدھی راہ کی توفیق دینے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: بیوی اگر شوہر کے بلانے پر اپنے کسی نفسیاتی یا بیماری کے عارضہ کے سبب انکار کرے تو کیا وہ گناہ گار ہوگی؟

جواب: بیوی پر واجب ہے کہ شوہر جب اسے اپنے بستر پر بلائے تو انکار نہ کرے۔ لیکن اگر وہ کسی بیماری وغیرہ کے عارضے سے دوچار ہو کہ شوہر کا ساتھ نہ دے سکتی ہو تو شوہر کے لیے اس سے یہ مطالبہ کرنا حلال اور جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ((لا ضرر ولا ضرار .)) ''نہ دکھ دو اور نہ بدلے میں دکھ دو۔'' [1] اسے چاہیے کہ توقف کرے، یا اس انداز سے تمتع کرے جس سے بیوی کو کوئی ضرر نہ ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک آدمی نے شادی کی مگر اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ اس کا کوئی کہا نہیں مانتی، بلکہ لباس اور دیگر اخراجات کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس نے شوہر کے بہت سے امور کو اس کے لیے مشکل بنا دیا ہے۔ کیا وہ اس حال میں لباس اور دیگر اخراجات کی مستحق ہے؟

جواب: اگر بیوی شوہر کو اپنے اوپر کوئی موقع نہیں دیتی ہے، یا اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکل جاتی ہے تو وہ کسی لباس یا خرچ وغیرہ کی مستحق نہیں ہے۔ ایسے ہی اگر وہ اس سے مطالبہ کرے کہ میرے ساتھ سفر میں چلو اور وہ انکار کر دے تو اس کے لیے کوئی خرچ یا لباس نہیں ہے۔ الغرض ایسے تمام امور جن میں بیوی پر واجب ہے کہ شوہر کی

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقه ما یضر بجاره، حدیث: ٢٣٤١۔ السنن الکبری للبیهقی: ٦/ ٦٩، حدیث: ١١٦٦.

اطاعت کرے اور وہ نافرمانی کرے تو اس کے لیے خرچ اور لباس وغیرہ واجب نہیں ہے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک آدمی نے شادی کی، ان کا ملاپ بھی ہو گیا، شوہر اسے باقاعدہ خرچ دے رہا ہے مگر وہ نافرمان ہے۔ پھر اس کا والد اسے شوہر کی اجازت کے بغیر ہی سفر پر بھی لے گیا ہے۔ تو ان دونوں پر کیا واجب ہے؟

جواب: اگر باپ اپنی بیٹی کو اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر سفر پر لے گیا ہے تو اس کے لیے (باپ کے لیے) تعزیر ہے (یعنی تادیبی وتنبیہی سزا ہے)، اور ایسے ہی اس عورت کے لیے بھی تعزیر ہے بشرطیکہ اسے باپ سے انکار ممکن تھا۔ اور سفر کی صورت میں اس کے لیے خرچ نہیں ہے...... واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

خلع اور اس کے احکام

سوال: خلع سے کیا مراد ہے جس کا کتاب وسنت میں بیان آیا ہے؟

جواب: کتاب وسنت میں جس خلع کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور اس سے علیحدگی چاہتی ہو، تو وہ شوہر کو اپنا حق مہر یا اس کا کچھ حصہ پیش کرے جس کے عوض وہ اسے اپنے سے علیحدہ کر دے جیسے کہ کوئی قیدی اپنا عوض دیتا ہے۔ لیکن ہر دو زوجین ایک دوسرے کو چاہتے ہوں (اور پھر بھی علیحدگی اختیار کریں) تو یہ خلع اسلام میں ایک نئی چیز ہے۔ ہاں اگر عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور علیحدہ ہو جانا اس کی ترجیح ہو تو اس صورت میں عورت اپنی آزادی کے لیے اسے اپنا وصول کیا ہوا حق مہر واپس کر دے، یا شوہر کو اس کے ذمہ سے بری قرار دے اور اس طرح شوہر اس کو اپنے سے علیحدہ کر دے تو یہ وہ خلع ہے جو کتاب وسنت میں آیا ہے اور ائمہ کا بھی اسی پر اجماع ہے۔ واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: کیا خلع بیوی کے لیے تین طلاقوں میں سے ایک شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس میں شرط ہے کہ اس میں لفظ طلاق استعمال نہ ہو اور طلاق کی نیت بھی نہ ہو؟

جواب: اس مسئلے میں علمائے سلف وخلف کا اختلاف ہے۔

قول اول:...... امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ "خلع" زوجین میں فرقت بائنہ اور نکاح کا فسخ ہے اور تین طلاقوں میں سے شمار نہیں ہے۔ اگر بالفرض شوہر بیوی سے بصورت خلع دس بار بھی علیحدگی اختیار کرے، تو اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ اس صورت میں نیا نکاح کر سکے بغیر اس کے کہ وہ کسی اور آدمی سے نکاح کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔ اور ان کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے اسے ہی اختیار کیا ہے اور جمہور فقہائے حدیث بھی یہی کہتے ہیں، مثلاً اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد بن منذر، ابن خزیمہ رحمہم اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے اصحاب طاؤس اور عکرمہ سے یہی ثابت ہے۔

قول ثانی:...... یہ ہے کہ خلع طلاق بائن ہے اور تین طلاقوں میں سے شمار ہوتا ہے۔ سلف میں سے بہت

سے ائمہ کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور مالک رحمہما اللہ کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق آئی ہے۔ حضرت عمر، عثمان، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔ مگر امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ حدیث مثلاً ابن منذر، ابن خزیمہ، بیہقی نے اس نقل کو ضعیف قرار دیا ہے، سوائے قول ابن عباس کے۔ ان کے نزدیک یہ فسخ ہے اور طلاق نہیں۔

امام شافعی وغیرہ کہتے ہیں، ہمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں کا حال معلوم نہیں۔ کیا ان کا قول وہی ہے جو صحابہ سے منقول ہے (یا کوئی اور)؟ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہمیں اس کی صحت معلوم نہیں ہے۔ اور مجھے بھی اہل علم میں سے کسی کے متعلق صحیح طور پر علم نہیں کہ اس نے صحابہ سے منقول اس قول کو صحیح قرار دیا ہو کہ یہ طلاق بائن ہے اور طلاق ثلاثہ میں سے شمار ہے۔ بلکہ سب سے بہتر اور صحیح سند سے جو ثابت ہے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انہوں نے خلع والی عورت سے کہا تھا کہ وہ ایک حیض سے استبراء کرے اور یہ کہ اس پر عدت نہیں ہے۔ [1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک خلع سے فرقت بائنہ ہو جاتی ہے اور یہ طلاق نہیں ہے۔ کیونکہ طلاق سے، جو بعد از دخول ہو، تین حیض عدت لازم آتی ہے جیسے کہ قرآن کریم کی نص اور مسلمانوں کا اجماع ہے، بخلاف خلع کے، اور سنت اور آثار صحابہ سے یہی ثابت ہے کہ خلع والی عورت کی مدت ایک حیض سے استبراء ہے۔ امام اسحاق اور ابن منذر وغیرہ کا یہی مذہب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک عورت کو اس کے شوہر کی طرف لوٹا دیا تھا جسے دو طلاقیں دی گئی تھیں اور ایک بار خلع ہوا تھا جبکہ اس نے کسی اور مرد سے نکاح نہیں کیا تھا۔ [2] اور ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے یمن کے والی تھے تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ دریافت کیا، اور بتایا کہ اہل یمن میں بالعموم طلاق بصورت فدیہ کے ہوتی ہے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا فدیہ (عوض) طلاق نہیں ہوتی، لیکن لوگوں نے اس کا نام غلط طور پر طلاق رکھا ہوا ہے۔ [3] (امام ابن تیمیہ)

سوال: کیا خلع سے بینونہ کبریٰ ثابت ہوتی ہے یا صغریٰ (یعنی کلی جدائی ہوتی ہے کہ اس میں زوجین دوبارہ نہیں مل سکتے یا مل سکتے ہیں)؟

جواب: علماء کا اتفاق ہے کہ اس میں بینونہ کبریٰ نہیں ہوتی، بلکہ بینونہ صغریٰ ہوتی ہے (یعنی اگر دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں) اور اختلاف اس میں ہے کہ خلع والی عورت کی عدت کیا ہے؟ کیا ایک حیض جیسے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے، اور یہی صحیح ہے اور دلائل اسی کی تائید کرتے ہیں، یا اس کی عدت بھی تین حیض ہے جیسے

---

[1] مصنف ابن ابی شیبة : ۳/ ۵۱۳ ، حدیث : ۱۶۶۲۵ .

[2] مصنف عبدالرزاق : ٦/ ٤٨٧ ، حدیث : ۱۱۷۷۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے۔

[3] مصنف عبدالرزاق : ٦/ ٤٨٥ ، حدیث : ۱۱۷٦۵ .

کہ جمہور کا مذہب ہے؟ اور علماء کا اتفاق ہے کہ شوہر اثنائے عدت میں اس کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بقول بعض کے رجوع نہ کرنے کے لیے ہی شوہر نے مال وصول کیا ہوتا ہے۔

اور کچھ کہتے ہیں کہ رجوع کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ مال جو اس نے وصول کیا ہو واپس کر دے۔ سو اگر ہم کہتے ہیں کہ خلع فسخ ہے تو شوہر کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ بیوی کو دوران عدت میں لوٹا سکے، کیونکہ عقد ٹوٹ چکا۔ البتہ یہ ضرور جائز ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد اس سے دوبارہ نکاح کر لے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میری بیوی نے قاضی کے سامنے مجھ سے خلع کا مطالبہ کیا اور کہا وہ دو ہزار ریال اور میرے دو بچے میرے حوالے کر دے گی۔ چنانچہ معاہدہ طے ہو گیا اور بچے میرے سپرد کر دیے گئے، مگر رقم ادا نہیں کی۔ اور قاضی نے اس سے کہا کہ عدت گزارے، چنانچہ اس نے عدت پوری کی اور ایک جگہ شادی کر لی، حالانکہ اس نے مجھے طے شدہ رقم ادا نہیں کی تھی، بلکہ ابھی تک وہ میری مقروض ہے اور کوئی طے نہیں کیا کہ کب دے گی۔ بلکہ اب بذریعہ پولیس بچوں کا مطالبہ بھی کر رہی ہے۔ کیا قاضی نے ہمارا جو خلع کرایا اور عورت نے جو مجھے رقم نہیں دی کیا یہ صحیح ہوا ہے؟ اور عورت نے جو نکاح کیا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں عورت نے جو نکاح کیا ہے وہ صحیح ہے، کیونکہ اس خلع میں رقم وصول کر لینا شرط نہیں تھا۔ اور شوہر کا یہ سمجھنا کہ وہ اس عوض کی وصولی میں کوئی مدت نہیں دے گا، یہ اس کی اپنی سوچ کی حد تک ہے، اگرچہ بنیادی طور پر خلع میں اگر مدت طے نہ کی گئی ہو تو اصل یہی ہے کہ اس میں مدت اور تاخیر نہیں ہوتی، اور عورت جو اس میں تاخیر کر رہی ہے اس سے وہ ادائیگی مؤجل بھی نہیں بنتی ہے۔ بلکہ یہ عورت اس انداز سے "ٹال مٹول کرنے والی" بنی ہے، بشرطیکہ وہ ادائیگی پر قادر ہو۔ اور اس کا اس عوض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لینا اور ظلم کرنا، اس خلع کے صحیح ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر سے خلع لینے کے لیے ایک طے شدہ رقم پر اتفاق کیا، اور دونوں کے مابین طے پایا کہ یہ رقم عورت کے ذمے ہے جو وہ چار سال میں ادا کر دے گی، چنانچہ شوہر نے طلاق دے دی۔ اور جب اس پر پانچ ماہ گزر گئے تو ایک دوسرے آدمی نے اس عورت سے نکاح کی پیش کش کی۔ عورت کا سوال ہے کیا اس کا یہ نکاح کر لینا صحیح ہوگا جبکہ اس کے ذمے پہلے شوہر کی رقم باقی ہے؟ جس سے اس نے خلع لیا ہے؟

جواب: جب پہلے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے، تو دوسرے آدمی سے، جس نے پیش کش کی ہے اس عورت کے نکاح میں کوئی مانع نہیں ہے جبکہ وہ پہلے شوہر کی عدت گزار چکی ہے۔ اور پہلے شوہر کی رقم اس کے ذمے ہونا اس کی پسند کی جگہ نکاح کے لیے مانع نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: خلع کے بارے میں وضاحت چاہیے کہ کیا اس میں رجوع ہو سکتا ہے؟ ایک خاتون نے دو سال ہوئے کچھ مال دے کر شوہر سے خلع لیا تھا، اب چاہتی ہے کہ اسی کی طرف رجوع ہو جائے تاکہ اپنے بچوں کی پرورش

کر سکے، اور اس عرصے میں اس نے کسی اور سے بھی نکاح نہیں کیا ہے؟

جواب: ہاں، خلع لینے والی عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر لے، اس قول کی بنا پر کہ خلع فسخ ہوتا ہے (یعنی یہ تعلق توڑا جاتا ہے) طلاق نہیں۔ اور زوجین خواہ سو بار بھی خلع کریں اس میں کوئی عدد معین نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: بیوی شوہر سے مطالبہ کرتی ہے کہ مجھے طلاق دے دو، مگر وہ شرط کرتا ہے کہ یہ تبھی ہوگا جب تو مجھے میرے ذمے اپنے حقوق سے بری الذمہ قرار دے۔ چنانچہ عورت نے اسے ذمیہ حقوق سے بری کر دیا۔ تو کیا عورت کا یہ فعل درست ہے خواہ اس کے والد نے اسے اجازت نہ دی ہو؟

جواب: اگر عورت عقل مند اور اپنے بھلے برے کو بخوبی سمجھتی ہے تو اس کے لیے ماں باپ سے اجازت لینا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اس نے اپنے شوہر کو بری قرار دیا ہو تو صحیح اور ثابت ہوگا خواہ عورت کے ماں باپ انکاری بھی ہوں۔ لیکن اگر عورت نادان ہو مثلاً چھوٹی عمر کی ہو یا ویسے بھی اپنے معاملات سے کما حقہ آگاہ نہ ہو تو اس کے لیے (اپنے اولیاء) مثلاً والد بھائی کی اجازت کے بغیر اپنے شوہر کو بری کرنا صحیح نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس امر میں ان میاں بیوی دونوں کی مصلحت ہو، مثلاً ان دونوں کو ایک دوسرے سے راحت دینا مطلوب ہو۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر کوئی عورت صغیر السن ہو یا پاگل یا نادان ہو تو کیا اس کا خلع لینا درست ہے؟

جواب: عورت اگر پاگل ہو تو اسے مالی معاملات میں تصرف کا کوئی حق نہیں ہے، خواہ اس کے ولی نے اجازت بھی دی ہو، اور نہ ہی ولی کو اسے ان امور میں کوئی اجازت دینی چاہیے کیونکہ اسے عقل و شعور ہی نہیں ہے۔ اور جو نادان ہو یا صغیر السن ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا خلع لینا ولی کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے جیسے کہ دوسرے معاملات میں ہوتا ہے۔ اور ولی کی اجازت بھی دیگر امور کی طرح ہے۔ جیسے کسی صغیر السن (لڑکا ہو یا لڑکی) یا نادان کی بیع یا کرایہ پر لینا دینا وغیرہ ولی کی اجازت پر موقوف ہے اسی طرح خلع کا معاملہ بھی ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس قدر ضرور ہے کہ ولی کے لیے حلال نہیں کہ اسے کسی ایسے معاملے کی اجازت دے جس میں اس (عورت) کا نقصان ہو یا اس کی مصلحت نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کیا باپ کے لیے جائز ہے کہ اپنی صغیر السن بیٹی یا بیٹے کے مال سے خلع کا معاملہ کرے؟

جواب: ہاں باپ کے لیے جائز ہے کہ اپنے صغیر السن بیٹے کی طرف سے خلع کا معاملہ کرے اور طلاق دے۔ اور ایسے ہی صغیر السن بیٹی کے لیے بھی اس کے مال سے یہ معاملہ کر سکتا ہے۔ علامہ الموفق اور شارح اسی طرف مائل ہیں۔ یعنی جہاں مصلحت ہو وہ کیا جا سکتا ہے۔ اور ''الانصاف'' میں بھی اسی کو درست قرار دیا گیا ہے کہ یہ معاملہ اصل کے موافق ہے۔ کیونکہ باپ اپنے صغیر السن بچے/بچی کے تمام امور اور احوال میں، جن میں وہ

مستقل بالذات نہیں ہے، نائب ہوتا ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: ایک عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے اور خلع کا مطالبہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر تو نے مجھے علیحدہ نہ کیا تو میں خودکشی کرلوں گی، چنانچہ ولی نے عورت کو علیحدہ کر دینے کے لیے شوہر پر جبر کیا۔ پھر عورت نے کسی اور سے نکاح کرلیا، حالانکہ پہلا شوہر اس کا خواہش مند تھا، اور وہ کہتا ہے کہ میں نے جبر کے تحت اسے علیحدہ کیا ہے، مگر عورت ہے کہ دوسرے کو چاہتی ہے؟

جواب: اگر پہلے شوہر کو بجا طور پر مجبور کیا گیا ہو مثلاً وہ بیوی کے واجبات ادا نہ کرتا ہو یا ناحق طور پر قول یا فعل سے دکھ دیتا ہو تو یہ فرقت اور علیحدگی درست ہے اور نکاح ثانی بھی صحیح ہے، اور یہ عورت دوسرے مرد کی بیوی ہے۔

اور اگر پہلے شوہر کو علیحدگی کے لیے مار کر یا قید کر کے مجبور کیا گیا ہو جبکہ وہ اس کے ساتھ اچھے انداز سے معاملہ کرتا تھا تو یہ علیحدگی نہیں ہوگی۔

ہاں اگر عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور شوہر اس کے ساتھ معروف کا معاملہ کرتا ہو تو وہ شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کرسکتی ہے لیکن شوہر پر اسے لازم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر شوہر یہ مطالبہ تسلیم کر لے تو بہتر ورنہ عورت سے کہا جائے گا کہ صبر سے کام لے، جب تک کہ کوئی ایسی صورت سامنے نہ آئے جو فسخ کو مباح بنا دے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: میری شادی کو تیرہ سال ہو رہے ہیں اور میری تین بیٹیاں ہیں، میرے شوہر کا معاملہ میرے ساتھ بہت برا ہے، معمولی معمولی وجہ سے بری بری گالیاں دینے لگتا ہے۔ اگرچہ اس نے ڈاڑھی رکھی ہوئی ہے، دیندار بھی ہے لیکن انتہائی جذباتی ہے۔ اس کے برے سلوک کی وجہ سے اس کے متعلق میرے دل میں کراہت بیٹھ گئی ہے، اور میں ان عادات کی وجہ سے اس کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتی ہوں۔ تو میں کیا کروں؟

جواب: شریعت نے ایسے حالات میں بصورت خلع حل پیش کیا ہے، بشرطیکہ ان اسباب کے تحت عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور وہ حق پر ہو۔ مرد کے لیے قطعاً مناسب نہیں ہے کہ معمولی معمولی وجہ سے بیوی کو مارنے لگے۔ اگر وہ کسی سبب سے مارے بھی تو چاہیے کہ پہلے نصیحت کر چکا ہو اور بستر سے علیحدہ کیا ہو یا اسی انداز کے دوسرے اسالیب سے اسے سمجھا چکا ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما كان الرفق فی شی إلا زانه وما نزع من شیء إلا شانه .))

''نرم خوئی جس چیز میں بھی آئے اسے خوبصورت اور مزین بنا دیتی ہے، اور جس چیز سے بھی اسے نکال لیا جائے اسے بدصورت بنا دیتی ہے۔''[1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة والاداب، باب فضل الرفق، حدیث : ۲۵۹٤ ومسند احمد بن حنبل : ٦/ ۱۷۱، حدیث : ۲٥٤۲٥ (نزع کی بجائے ینزع ہے۔ عاصم)

ایک اور حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الله رفيق يحب الرفق ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف .))

''اللہ تعالیٰ رفیق (نرم خو) ہے نرم خوئی کو پسند کرتا ہے، اور نرم خوئی پر وہ کچھ عنایت فرماتا ہے جو بدخوئی پر نہیں دیتا۔''❶

یہ آدمی (جس کا سوال میں ذکر ہوا ہے) احمق اور حدود شریعت سے خارج ہے اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ثابت آتا ہے:

((إن شر الرعاة الحطمة .))

''برا چرواہا وہ ہے جو اونٹوں پر ظلم کرے۔''❷

(یعنی جو کمزور پر ظلم کرے وہ کسی طرح پسندیدہ نہیں ہوسکتا) اسے اس کی زوجہ ناپسند کرتی ہے۔ اگر شوہر اسے طلاق دے دے تو بہتر ورنہ یہ اس سے خلع لے لے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بیٹیاں بدحال ہو جائیں گی حالانکہ وہ اس بات کی انتہائی محتاج اور ضرورت مند ہیں کہ ماں اور باپ (دونوں) ان کی تربیت کریں۔ شوہر کو اجازت نہیں کہ بیوی کو مارے، سوائے اس کے کہ وہ کسی فحش کی مرتکب ہو۔ اگرچہ بقول امام احمد رحمہ اللہ عورت کا ''نشوز'' اور ''نافرمانی'' بھی ''فاحشہ'' میں شامل ہے۔

سنن ابی داود اور ترمذی وغیرہ میں حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث آئی ہے کہ پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ فرمایا:

((تطعمها إذا طعمت وأن تكسوها إذا اكتسبت، ولا تضرب الوجه، ولا تقبح، ولا تهجر إلا في البيت .))

''اسے کھلا جب تو کھائے، اسے پہنا جب تو پہنے، چہرے پر مت مار، برا مت بول، اور اس سے مقاطعہ نہ کر سوائے گھر کے۔''❸

اور جمہور آخری بات میں اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ''نہی تنبیہ'' ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین سے گھر سے باہر علیحدگی اختیار کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ صحيح مسلم، كتاب البر و الصلة و الاداب، باب فضل الرفق، حديث: ٢٥٩٣ السنن الكبرى للبيهقي: ١٩٣/١٠، حديث: ٢٠٥٨٦.

❷ صحيح مسلم، كتاب التفسير، في قوله هذان خصمان اختصموا في رجهم، حديث: ٣٠٣٣، صحيح ابن حبان: ٣٦٨/١٠، حديث: ٤٥١١.

❸ سنن ابى داود، كتاب النكاح، باب فى حق المرأة على زوجها، حديث: ٢١٤٢ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: ١٨٥٠.

﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾

(النساء: ٤/ ٣٤)

''اور جن عورتوں کے متعلق تمہیں ان کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور بستروں سے علیحدہ کر دو اور سزا دو۔''

مگر شوہر معمولی معمولی بات پر مارنے لگے تو یہ انتہائی بداخلاقی ہے اور بڑے افسوس کی بات ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

رجعت اور اس کے احکام

سوال: جب عورت کو رجعی طلاق ہوئی ہو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان کا حکم میاں بیوی کا ہے۔ شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس کو دیکھ سکتا ہے، اس کے ساتھ خلوت میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور عورت کے لیے بھی جائز ہے کہ ایام عدت میں شوہر کی خدمت کرے، بلکہ اسے چاہیے کہ عدت پوری ہونے تک گھر سے نہ نکلے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر عورت کی عدت گزر جائے اور شوہر کہے کہ میں تو پہلے سے ہی تمھاری رجوع کر چکا ہوں، مگر بیوی اسے جھٹلاتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: صاحب ''متن الزاد'' اس طرف گئے ہیں کہ یہ بات عورت کی بات کی طرح ہے جب وہ ابتداءً یہ کہے کہ میری عدت گزر چکی ہے پہلے اس سے کہ تو نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ اس میں عورت کی بات معتبر ہے حتیٰ کہ شوہر کوئی ایسا گواہ لائے جو بیان کرے کہ اس نے تکمیل عدت سے پہلے ہی رجوع کر لیا تھا، اور یہی بات صحیح ہے، اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ مرد ابتداءً کہے یا عورت اور قاعدہ یہ ہے کہ گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمے ہوتا ہے، اور جو انکار کرے (مدعا علیہ) اس کے ذمے قسم آتی ہے، دعویٰ کرنے میں خواہ کوئی ابتداء کرے۔ تاہم فقہائے کرام مرد کی ابتداء اور عورت کی ابتداء کرنے میں فرق کرتے ہیں، اور اگر مرد ابتداء کرے تو اس کی بات قبول کی جاتی ہے۔ مگر یہ قول از حد ضعیف ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر پہلے شوہر نے تین طلاقیں دی ہوں اور پھر دوسرا شوہر اس سے بحالت حیض ملاپ کرے یا اگر وہ خصی ہو یا اس کے خصیتین کچلے ہوں اور ملاپ کرے تو کیا وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی؟

جواب: موفق اور اس کے شارح کے نزدیک یہ ہے کہ یہ صورت اسے پہلے شوہر کے لیے حلال بنا دے گی کہ حقیقت وطی (مباشرت) کا اعتبار کیا جائے گا۔ مگر مشہور قول یہ ہے کہ اس طرح عورت حلال نہیں ہوگی۔ مگر میرے نزدیک اس میں اشکال ہے۔ میں کسی بھی قول کو راجح نہیں کہہ سکتا۔

اور خصی اور جس کے خصیتین کچلے ہوئے ہوں، یا اس طرح کے مرد کی مباشرت سے اگر فی الواقع یہ عمل ثابت ہوا ہو تو عورت حلال ہو جائے گی، کیونکہ وہ لازمی شرط جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے ثابت ہو چکی ہے یعنی (زوجین کا) ایک دوسرے سے متلذذ ہونا۔'' ❶ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ اگر عورت تیسرے حیض سے پاک ہو گئی ہو مگر غسل نہ کیا ہو تو اس وقت شوہر کا اس کی طرف رجوع کرنا درست ہے، کیا یہ قول صحیح ہے؟

جواب: یہ قول محل نظر ہے۔ کیونکہ اس موضوع کے تمام مسائل تیسرے حیض کا خون رک جانے سے متعلق ہیں، تو ضروری ہے کہ یہ بھی اسی سے متعلق ہو، اور جمہور اسی کے قائل ہیں اور قرآن کریم کا ظاہر بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ (البقرة: ۲/ ۲۲۸)

''اور ان کے شوہر اس دوران میں انہیں لوٹا لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

اور قبل ازیں قروء کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ خون رک جائے تو یہ کیفیت طہر کے بعد کی ہے، قروء میں سے نہیں ہے، کیونکہ ''قروء'' سے مراد حیض ہے۔ (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: اگر شوہر نے بیوی کو ایک طلاق دی ہو، پھر معلوم ہو کہ وہ حمل سے ہے، تو کیا اسے رجوع کا حق حاصل ہے، خواہ عورت ناپسند بھی کرے؟

جواب: ہاں، جب تک ولادت نہ ہو شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہے خواہ عورت راضی ہو یا ناراض۔ مگر ولادت کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا، البتہ نیا نکاح ہو سکتا ہے جس میں نیا حق مہر، ولی اور گواہ مقرر کیے جائیں۔

(عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: شوہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، پھر ملک سے باہر چلا گیا اور تقریباً ایک سال باہر رہا، واپس آیا تو اس کی مطلقہ بیوی نے کہیں نکاح نہیں کیا تھا، چنانچہ اس نے اسی سے نیا نکاح کر لیا اور پھر بیوی بھی اس کے گھر آ بسی۔ جبکہ عدت کے دوران میں اس کی طرف رجوع نہیں کیا تھا، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر یہ فی الواقع ایسے ہی ہوا ہے جیسے کہ سائل نے ذکر کیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے بشرطیکہ یہ سب ولی کی ولایت، دو عادل گواہوں اور عورت کی رضا مندی سے ہوا ہو۔ ایک طلاق سے عورت اپنے شوہر کے لیے حرام نہیں ہو جاتی ہے۔ البتہ تین طلاقیں ہوئی ہوں تو عورت حرام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے علاوہ کسی اور آدمی سے شرعی نکاح ہو اور ان کا ملاپ ہو (یعنی مباشرت ہو)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الشهادات، باب شهادة المختبيء...... ، حديث : ٢٦٣٩ وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا، حديث : ١٤٣٣ .

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۹)

''پھر یا تو معروف اور بھلے طریقے سے روک رکھنا ہے یا احسان کر کے چھوڑ دینا ہے۔''

آگے فرمایا:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۳۰)

''تو اگر شوہر اسے (تیسری) طلاق (بھی) دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اس علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔''

تو یہ اس کی آخری طلاق ہوتی ہے یعنی تیسری طلاق، اور سب علماء یہی کہتے ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دی اور پھر اس کی تحریر بھی اس کے حوالے کر دی، اور اب وہ اس کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا یہ رجوع عورت کی مرضی کے بغیر اجباری عمل ہے یا یہ عورت کی رضامندی پر موقوف ہے، اور کیا رجوع کی کوئی شرطیں بھی ہیں؟

جواب: اگر طلاق فی الواقع سنت کے مطابق دی گئی ہو تو جب تک عورت عدت میں ہو شوہر کو حق ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لے، عورت خواہ رضامند ہو یا نہ ہو، بشرطیکہ یہ اس کی آخری تیسری طلاق نہ ہو یا بیماری میں نہ دی ہو۔ اگر عورت اپنی عدت پوری کر چکی ہو، یا شوہر نے بیماری کے باعث طلاق دی ہو اور طلاق آخری تیسری نہ ہو تو شوہر کو نئے عقد اور نئے مہر کے ساتھ اور عورت کی رضا مندی سے رجوع کا حق حاصل ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں شوہر کی ایک طلاق شمار ہو گی۔

اور اگر یہ طلاق تیسری طلاق ہو تو عورت اس آدمی کے لیے حلال نہیں رہتی سوائے اس کے کہ یہ کسی اور آدمی سے حقیقی شرعی نکاح کرے اور پھر وہ اس سے ملاپ بھی کرے۔ تو اگر وہ دوسرا طلاق دے دے یا وفات پا جائے تو عدت کے بعد یہ پہلے شوہر کے لیے نئے عقد اور نئے مہر کے ساتھ حلال ہو جائے گی بشرطیکہ عورت راضی ہو۔

اور اگر کوئی عورت حمل سے ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ طلاق ہو یا شوہر وفات پا جائے۔ اگر شوہر وفات پا جائے اور عورت حمل سے نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اور اگر معمول کے حالات میں طلاق ہو یعنی حیض کی عمر میں اور حیض بھی آتا ہو تو عدت تین حیض ہوتی ہے۔ یعنی بڑی عمر کی ہو اور حیض نہ آتا ہو یا صغیر السن ہو کہ حیض نہ آیا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میرے شوہر نے مجھ پر طلاق کی قسم ڈالی اور کہا کہ تو میرے لیے ایسے ہے جیسے کہ میری ماں یا بہن، اور پھر ایسے مقدر ہوا کہ ہم دوبارہ اکٹھے ہو گئے، اور میں حمل کے ساتویں مہینے میں تھی۔ میرے گھر والوں نے میرے شوہر کو پابند کیا کہ وضع حمل سے پہلے پہلے تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور اب مجھے دو ماہ ہو رہے ہیں کہ وضع حمل ہو گیا ہے۔ میرا شوہر مالی مشکلات سے دو چار ہے۔ اس کی نیت تو ہے کہ تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے گا مگر ابھی

تک یہ نہیں کر سکا ہے۔ اور میں ایک مسلمان دیندار خاتون ہوں، اللہ سے بہت ڈرتی ہوں کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ حرام انداز میں نہ رہ رہی ہوں، براہ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: آپ کے شوہر نے یہ الفاظ جو بولے ہیں یہ طلاق کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ ''ظہار'' ہے، یوں کہ اس نے کہا ''تو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں ہو یا بہن۔'' اور ''ظہار'' جیسے کہ اللہ عزوجل نے بیان فرمایا، بہت بری اور غلط بات ہے۔ آپ کے شوہر کو چاہیے کہ جو اس سے ہو چکا اس کی اللہ سے معافی مانگے اور جب تک اللہ کے فرمان کے مطابق کفارہ نہ دے لے اسے تم سے تمتع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ ظہار کے کفارہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○﴾

(المجادلة: ٥٨/ ٣۔٤)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیتے ہیں، اور پھر اپنے کہے سے رجوع کرتے ہیں تو (ان کے ذمے ہے) ایک گردن آزاد کرنا، قبل اس سے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ تمہیں اس کی نصیحت کی جا رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ جو بھی تم عمل کرتے ہو اس سے خوب باخبر ہے اور جو شخص نہ پائے تو (اس کے ذمے) دو مہینے کے روزے ہیں متواتر، قبل اس سے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، اور جسے یہ طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں (یعنی نہ ماننے والے) کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

الغرض شوہر کو آپ کے قریب ہونا اور تم سے متمتع ہونا جائز نہیں حتیٰ کہ وہ ادا کر دے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور تمہارے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ جب تک وہ اللہ کا حکم پورا نہ کر لے اسے اپنے نفس پر کوئی موقع دو۔

اور خاتون کے گھر والوں نے جو اسے تیس مسکینوں کو کھانا کھلانے کا پابند کیا ہے، یہ غلط ہے، ٹھیک نہیں ہے۔ قرآن کریم کے مطابق، جیسے کہ آپ نے سنا، اس پر واجب ہے کہ ایک گردن آزاد کرے، اگر یہ نہ کر سکے تو دو ماہ متواتر روزے رکھے، یہ بھی اگر مشکل ہوں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ''گردن آزاد'' کرنے کا مفہوم واضح ہے کہ کسی مملوک غلام کو خرید کر غلامی سے آزاد کرے۔ اور دو ماہ متواتر روزے رکھنے کا مفہوم یہ ہے مسلسل بلا کسی تعطل اور وقفہ کے روزے رکھے، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی عذر پیش آ جائے، مثلاً بیمار ہو جائے یا سفر در پیش ہو۔ اس عذر کے زائل ہونے کے بعد سابقہ گنتی پر بقیہ روزے پورے کرے۔ اور ساٹھ مساکین کو کھانا

کھلانے کی دو صورتیں ہیں: یا تو کھانا تیار کر کے انہیں اس کی دعوت دے حتیٰ کہ وہ اسے کھا لیں یا خشک طعام چاول وغیرہ جو طعام لوگ کھاتے ہیں، ان میں تقسیم کر دے۔ گندم (یا اسی قسم کا غلہ) ہر ایک کو ایک ایک مد (اڑھائی پاؤ) پیش کرے یا دوسری قسم کا کوئی اور طعام ہو تو آدھا آدھا صاع (سوا کلو) ہونا چاہیے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہمارے ہاں یہ رواج ہو چلا ہے کہ لڑکی یا اس کا والد نکاح کا پیغام ٹھکرا دیتے ہیں اور بہانہ یہ کیا جاتا ہے کہ لڑکی زیر تعلیم ہے، حالانکہ تکمیل تعلیم میں کئی سال پڑے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو آپ کیا فرمائیں گے؟ اور بعض اوقات لڑکیاں تیس تیس سال کو پہنچ جاتی ہیں اور ان کی شادی نہیں ہوتی ہے؟

جواب: یہ صورت حال نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے برخلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه .))

''جب تمہیں کسی ایسے فرد کا پیغام آئے جس کا دین و خلق پسندیدہ ہو تو اسے نکاح کر دو۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان یہ بھی ہے کہ:

((يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر أحصن للفرج .))

''اے نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کر لے، بلاشبہ یہ عمل نظروں کو بہت زیادہ جھکانے والا اور عصمت کی بہت حفاظت کرنے والا ہے۔''[2]

اور نکاح و شادی سے انکار کر دینے سے بے شمار شرعی اور معاشرتی مصالح فوت ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے مسلمان بہن بھائیوں سے جو لڑکیوں کے ولی اور سرپرست ہیں، یہی کہوں گا کہ تکمیل تعلیم یا تدریس کے بہانے سے ان کی شادیوں میں تاخیر نہ کیا کریں۔ (اگر کہیں زیادہ ہی ضروری ہو تو) شوہر سے یہ شرط طے کی جا سکتی ہے کہ لڑکی تکمیل تعلیم تک زیر تعلیم رہے گی یا جب تک بچے بچی کی مشغولیت سامنے نہیں آتی ایک دو سال کے لیے تدریس کرتی رہے گی۔ مگر ایسے علوم اور ایسے تعلیمی مراحل یونیورسٹی وغیرہ کے جن کی ہمیں کوئی خاص ضرورت نہیں ان میں ترقی کا شوق ایک ایسا مسئلہ ہے جو قابل بحث ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الاكفاء، حديث: ١٩٦٧ والمستدرك للحاكم: ١٧٩/٢، حديث: ٢٦٩٥۔ یہ روایت اسی مفہوم و معنی میں بہت سی کتب حدیث میں موجود ہے لیکن یہاں حوالہ صرف شیخ صاحب کے بیان کردہ الفاظ کے مطابق ہے۔ (عاصم)

[2] صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، حديث: ٤٧٧٩ وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن ......، حديث: ١٤٠٠ وسنن النسائي، كتاب الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن ابي يعقوب، حديث: ٢٢٣٩ .

میں سمجھتا ہوں کہ لڑکی جب اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کر لے اور لکھنا پڑھنا بخوبی جان لے کہ قرآن کریم، تفسیر احادیث نبویہ اور ان کی شروحات پڑھ سکتی ہو تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔ ہاں ایسے علوم وفنون جن کی لوگوں کو اشد ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ علم طب وغیرہ ہے تو ان میں عورتوں کو ضرور آگے بڑھنا چاہیے بشرطیکہ کوئی شرعی رکاوٹ از قسم مردوں کے ساتھ اختلاط وغیرہ نہ ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بغیر کسی معقول وجہ کے قطع نسل (نس بندی یا خاندانی منصوبہ بندی) کا کیا حکم ہے؟ اور وہ کیا کیا عذر ہیں جن کی بنا پر یہ عمل جائز ہو سکتا ہے؟

جواب: علمائے کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ کلی طور پر قطع نسل کی کوشش کرنا حرام ہے، کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اس خواہش اور احادیث کی مخالفت ہے جو آپ نے اپنی امت میں چاہی ہے،[1] اور یہ عمل مسلمانوں کی ذلت و کمزوری کا ایک بڑا سبب ہے۔ مسلمانوں کی تعداد جس قدر زیادہ ہوگی اس میں ان کی شان اور رفعت ہے۔ اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کی کثرت تعداد کو ان پر ایک بڑے احسان کے طور پر شمار فرمایا ہے:

﴿وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا﴾ (الاسراء: ١٧/ ٦)

''اور تمہارے افراد کو بہت زیادہ بنا دیا۔''

شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یہی انعام یاد دلایا اور فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ﴾ (الاعراف: ٧/ ٨٦)

''اور یاد کرو کہ تم تھوڑے تھے تو اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا۔''

اور صورت حال اس کی بہترین گواہ ہے کہ جو قوم کثیر تعداد میں ہو وہ دوسروں سے مستغنی ہوتی ہے اور اسے اپنے دشمنوں کے مقابلے میں رعب و ہیبت حاصل ہوتا ہے، تو انسان کے لیے جائز نہیں کہ کلی طور پر قطع نسل کی کوشش کرے۔ ہاں اگر فی الواقع اس کی ضرورت ہو تو ایک بات ہے۔ مثلاً کوئی ماں صحت کے اعتبار سے ایسی کمزور ہو کہ اگر حمل سے دوچار ہوئی تو اسے ہلاکت اور موت کا اندیشہ ہو تو یہ ایک شرعی ضرورت ہے۔ ایسی عورت کے لیے جائز ہے کہ اس کی نس بندی کر دی جائے کہ وہ آئندہ کے لیے حاملہ نہ ہو۔ یا مثلاً اس کے رحم میں کوئی ایسی تکلیف ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر اسے نکالا نہ گیا تو عورت ہلاک ہو جائے گی تو ایسی صورت میں اس کا رحم کاٹ کر نکال دینا جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: وہ کیا خاص صفات ہیں جن کے پیش نظر کسی دوشیزہ کو اپنے جیون ساتھی کا انتخاب کرنا چاہیے؟ اور کیا کسی

[1] نبی کریم ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ تم زیادہ بچے پیدا کرو گے تو میری امت بڑھتی جائے گی اور پھر میں روز قیامت دیگر امتوں کے مقابل اپنی امت کے کثیر ہونے پر فخر (خوشی محسوس) کروں گا۔ دیکھیے: سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب النهی عن تزوج من لم یلد من النساء، حدیث: ٢٠٥٠.

دنیاوی لالچ کے تحت کسی صالح آدمی کا پیغام ٹھکرا دینا اللہ کی ناراضی کا باعث ہو سکتا ہے؟

جواب: سب سے اہم صفات جن کا کسی امیدوار نکاح میں لحاظ رکھنا ضروری ہے، اس کا بااخلاق اور دین دار ہونا ہے۔ ان کے مقابلے میں مال اور نسب یہ ثانوی چیزیں اور غیر اہم ہیں۔ ایسا آدمی اگر اسے رکھے گا تو معروف اور بھلائی کے ساتھ رکھے گا اور اگر چھوڑے گا تو احسان کے ساتھ چھوڑے گا۔ علاوہ ازیں ایک صاحب دین اور بااخلاق شوہر اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے باعث برکت ہوگا اور دوشیزہ (اور پھر اس کی اولاد) اس سے دین و اخلاق کی تعلیم پائیں گے۔

اور جو ان سے عاری ہو اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔ بالخصوص بعض لوگ نماز کے معاملے میں سست اور غافل ہوتے ہیں یا شراب نوش وغیرہ، والعیاذ باللہ۔ جو لوگ بالکل ہی نماز نہیں پڑھتے وہ تو کافر ہیں، صاحب ایمان عورتیں ایسے لوگوں کے لیے یا ایسے مرد باایمان عورتوں کے لیے حلال نہیں ہیں۔ مختصر یہ کہ ایک عورت کو چاہیے کہ اپنے ہونے والے شوہر میں دین و اخلاق کو پرکھیں۔

نسب، اگر حاصل ہو تو بہتر ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد رکھیں:

((إذا أتاکم من ترضون دینه وخلقه فأنکحوه .))

''جب تمہیں کوئی ایسا آدمی پیش کش کرے جس کا اخلاق اور دین پسندیدہ ہو تو اس سے نکاح کر دو۔''[1]

الغرض اسی طرح کا ہم پلہ آدمی مل جائے تو بہت عمدہ ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ رہی ہوں اور شرعی آداب کی پابند عورت ہوں۔ مجھے ایک نوجوان نے نکاح کا پیغام دیا ہے اور وہ حیلے سے مجھے ملنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ ''بس اب تو میری بیوی ہے۔'' اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض اہل علم شہرت دیے بغیر نکاح کو جائز کہتے ہیں کہ بعد میں اعلان کرایا جائے گا۔ نیز امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کا بھی سہارا لیتے ہیں کہ ''جس نے شہرت دیے بغیر نکاح کیا ہو، اسے رجم نہیں کیا جائے گا۔'' اور میں (سائلہ) اکیلی رہتی ہوں، میں نے اس شخص کو ملنے سے انکار کر دیا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ ''تو میری بیوی ہے، تو مجھے کیسے منع کر سکتی ہے'' اور جب میں کہتی ہوں کہ گواہ لاؤ اور میرے والد کو لے آؤ، تو وہ کہتا ہے کہ میں ایسے گواہ تلاش کر رہا ہوں جو اس خبر کو فی الحال پوشیدہ رکھیں تاکہ میری پہلی بیوی کو علم نہ ہو، میں اسے بعد میں خود ہی بتاؤں گا۔

جواب: ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں اور نہ ہی کسی کے لیے ممکن ہے کہ عورت کے عصبہ میں سے کسی ولی کی موجودگی کے بغیر اس سے نکاح کر سکے، اور ولی بھی وہ جو شرعی ترتیب سے اولیٰ ہو۔ بغیر ولی کے نکاح قطعاً صحیح نہیں ہے۔ کتاب و سنت سے یہی ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الاکفاء، حدیث: ۱۹۶۷، المستدرك للحاکم: ۲/ ۱۷۹، حدیث: ۲۶۹۵.

﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾ (البقرة ٢/ ٢٢١)

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں، (ان کے مقابلہ میں) مومنہ لونڈی مشرکہ عورت سے بہت بہتر ہے خواہ وہ (مشرکہ) تمہیں کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگے۔ اور مشرک مردوں کو (اپنی لڑکیاں) نہ بیاہ دو، حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

مردوں سے فرمایا ہے کہ ''مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو'' اور مسلمان عورتوں کے بارے میں فرمایا: ''مشرکوں کو نکاح نہ کر دو''۔ یہ الفاظ دلیل ہیں کہ عورت اپنے نکاح کے سلسلے میں مستقل بالذات نہیں ہے۔

اسی طرح نکاح کی ترغیب کے سلسلے میں اولیاء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ﴾ (النور: ٢٤/ ٣٢)

''اور تم میں سے جو نکاح کے بغیر ہیں ان کے نکاح کر دو اور (اسی طرح) اپنے صالح غلاموں کے بھی۔''

اور عورتوں کے معاملات میں بھی اولیاء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ﴾

(البقرة: ٢/ ٢٣٢)

''تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو جب وہ بھلائی کے ساتھ آپس میں رضامند ہوں۔''

اگر نکاح میں ولی ہونا شرط نہ ہوتا تو اس فرمان میں اس کے منع کی کوئی حیثیت ثابت نہیں ہوتی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت فرمایا ہے کہ:

((لا نكاح إلا بولي .))

''ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''[1]

اور فرمایا:

((لا تنكح الايم حتى تستامر ولا البكر حتى تستأذن .))

''شوہر دیدہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ کر لیا جائے، اور کنواری کا بھی جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔''[2]

---

[1] سنن ابی داود، کتاب النكاح، باب فی الولی، حدیث: ٢٠٨٥۔ سنن الترمذی، کتاب النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولی، حدیث: ١١٠١ وسنن ابن ماجه، کتاب النكاح، باب لا نكاح إلا بولی، حدیث: ١٨٨١.

[2] صحیح بخاری، کتاب النكاح، باب لا ینکح الاب وغیره البکر والثيب إلا برضاها، حدیث ٤٨٤٣ وصحیح مسلم، کتاب النكاح، باب استئذان الثيب فی النكاح، حدیث: ١٤١٩.

صحابہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کنواری کی اجازت کیسے ہوگی؟ فرمایا ''یہی کہ وہ خاموش رہے۔''
ان حقائق کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ یہ آدمی جو ایک حیلے سے اس عورت کے ساتھ خلوت میں ملنا چاہتا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ: ''تو میری ہی بیوی ہے۔'' یہ بات کہنے سے یہ عورت اس کی بیوی نہیں بن سکتی، بلکہ اس مقصد کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے۔

اور یہ مسئلہ کہ نکاح کی شہرت ہو اور اس کا اعلان کیا جائے، اس میں علماء کا قدرے اختلاف ہے۔ کچھ تو قائل ہیں کہ اعلان بہت ضروری ہے اور دوسرے کہتے ہیں اظہار اور شہرت کافی ہے، اعلان خواہ نہ بھی ہو۔

الغرض اس آدمی کا یہ دعویٰ کہ یہ عورت میری بیوی ہے سراسر جھوٹ ہے، اس کی شرعی طور پر کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اس عورت کو چاہیے کہ اپنے اولیاء اور سرپرستوں سے رابطہ کرے تاکہ وہ اس آدمی کو اس سے دفع دور کر دیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر شوہر نماز نہ پڑھتا ہو تو کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ اس سے الگ ہو جائے؟

جواب: اگر عورت کی شادی ہو اور اس کا شوہر بالکل نماز نہ پڑھتا ہو، نہ جماعت کے ساتھ اور نہ بغیر جماعت کے، تو اس کا اس سے نکاح فسخ کرایا جائے، یہ عورت اس کی بیوی نہیں ہو سکتی، اور نہ اس آدمی کے لیے جائز ہے کہ اس عورت سے وہ کچھ حلال جانے جو ایک مرد کے لیے اپنی بیوی سے حلال ہوتا ہے، کیونکہ یہ اس کے لیے اجنبی ہے، اور عورت پر لازم ہے کہ اپنے ماں باپ کے ہاں چلی جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس سے خلاصی کی کوشش کرے، جو مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو چکا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

سو، میں عرض کرتا ہوں اور امید ہے کہ خواتین بھی میری گذارشات سن رہی ہوں گی کہ جو عورت ایسی ہو کہ اس کا شوہر نماز نہ پڑھتا ہو تو اسے ایسے آدمی کے ساتھ رہنا ایک لمحہ کے لیے بھی جائز نہیں ہے، خواہ اس کی اولاد بھی ہو، تو اس صورت میں یہ اولاد یقیناً ماں ہی کے پاس آئے گی، اور ایسے باپ کو ان کی تربیت کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ کوئی کافر مسلمان بچے کا تربیت کنندہ نہیں ہو سکتا۔

لیکن ہاں، اگر اللہ تعالیٰ ایسے شوہر کو ہدایت دے دے اور وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور نماز پڑھنے لگے، تو یہ عورت بھی عدت کے دوران تک اس کی طرف واپس آ سکے گی۔ اگر اس مرد کے نماز کی طرف رجوع سے پہلے پہلے عورت کی عدت ختم ہو جائے تو عورت کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہوگا۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ مرتد کی بیوی کی عدت اگر پوری ہو جائے تو وہ اس مرد کے پاس نئے عقد کے بغیر نہیں آ سکتی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

(اپنی ماں کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ پی لینے سے متعلق احکام)

سوال: کیا کسی دودھ شریک بھائی کے لیے جائز ہے کہ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ خلوت میں علیحدہ ہو؟

جواب: کسی مرد کا غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت میں علیحدہ ہونا حرام ہے، اور بہت سے دودھ شریک لڑکے لڑکیوں کا آپس میں خلوت میں بیٹھنا خطرات سے خالی نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب وہ ناقابل اعتماد ہوں اور ان کی شہرت بھی بری ہو، تو ایسوں کو خلوت میں موقع نہیں دینا چاہیے۔ اور نہ ہی یہ سفر حج وغیرہ میں (اپنی رضاعی بہنوں کے) محرم بن سکتے ہیں، جیسے کہ ''کتاب المناسک'' میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اہل رضاعت میں بالعموم وہ غیرت نہیں پائی جاتی جو حقیقی رشتے میں ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رضاعی قرابت دار کئی طرح کے ہیں۔ بنیادی طور پر شرعاً (ان کی خلوت وغیرہ) حلال اور جائز ہے۔ مگر بسا اوقات ایسے متعلقین پر کچھ شبہات ہوتے ہیں، اس لیے اس سے متنبہ کیا گیا ہے۔ اور بالخصوص جو لوگ اخلاقی اعتبار سے ناقابل اعتماد ہوں انہیں سفر وغیرہ میں محرم نہ بنایا جائے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہ میری والدہ نے میرے بیٹی اور بیٹے کو دودھ پلایا ہے (یعنی دادی نے اپنے پوتے پوتی کو) جبکہ وہ دودھ کی عمر میں نہ تھی، بلکہ چونتیس سال پہلے اس کی یہ حالت تھی۔ اس نے بس شفقت ومحبت میں آ کر پلا دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا میرے بیٹے کے لیے جائز ہے کہ میرے حقیقی بھائی بہنوں میں سے کسی

کی بیٹی کے ساتھ یا میری بیٹی ان میں سے کسی کے بیٹے کے ساتھ شادی کر سکے؟

جواب: اگر دودھ پلانا دو سال کی عمر کے اندر اندر اور پانچ یا زیادہ بار ہو، تب تو یہ رضاعت شرعاً معتبر ہوگی اور اس کی حرمت بھی منتشر اور مؤثر ہوگی۔ اس کا حکم بالکل وہی ہوگا جیسے کسی نے اپنے حقیقی بچے کو پلایا ہو، اس سے حقیقی اور غیر حقیقی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس پر شرعی رضاعت کی تعریف صادق آتی ہے کہ عورت کا دودھ اس کی چھاتی سے ہو۔ لہٰذا سائل کے بیٹے کے لیے اس کے بھائیوں کی کوئی بیٹی حلال نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ پینے والا لڑکی کا رضاعی چچا بنے گا اور نہ ہی اس کی بہنوں میں سے کسی کی لڑکی حلال ہوسکتی ہے کیونکہ یہ ان کا ماموں بنے گا۔ اسی طرح سائل کی بیٹی اس کے بھائیوں میں سے کسی کے بیٹے کے لیے حلال نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ اس لڑکے کی پھوپھی بنے گی، اور نہ اس کی بہنوں میں سے کسی کے بیٹے کے لیے حلال ہوسکتی ہے کیونکہ یہ ان کی رضاعی خالہ ہوگی۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت نے اپنے نواسے کو اس کی ولادت کے بعد دو دن تک دودھ پلایا ہے، اور اب اس کی ایک پوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پوتی اس کے اس نواسے کے لیے حلال ہے یا نہیں؟

جواب: اگر یہ دودھ پلانا پانچ یا اس سے زیادہ بار ہو چکا ہے تو یہ لڑکی اس لڑکے کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ لڑکا اس لڑکی کا رضاعی چچا بن گیا ہے۔ ہاں اگر یہ دودھ پینا پانچ بار نہیں ہوا تو حرام نہیں ہوگی۔

شریعت کی رو سے ایک رضعہ (ایک بار یا ایک چوسنی) سے مراد یہ ہے کہ بچہ ماں کی چھاتی اپنے منہ میں لے کر دودھ چوسنا شروع کر دے، تو جب تک وہ چھاتی کو اپنے منہ میں لے کر چوستا رہے یہ ایک رضعہ (ایک بار یا ایک چوسنی) ہے۔ بغیر اس فرق کے کہ چھاتی کو منہ میں لیے رکھنے کا وقت تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اگر بچہ اسے چھوڑ دے، سانس لینے کے لیے چھوڑے یا کھانسی کی وجہ سے یا ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونے کے لیے، پھر دوبارہ چوسنے لگے تو یہ دوسری رضعہ اور دوسری بار ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: اگر کوئی عورت دودھ پلائے، اس صورت میں کہ اس نے دودھ نچوڑ کے دیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: رضاعت، جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جب پانچ یا اس سے زیادہ بار ہو، اور بچے کی عمر دو سال کے اندر اندر ہو۔ لیکن اگر کوئی پینے والا بڑی عمر کا ہو تو اس کے لیے رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہے۔[1] (محمد بن ابراہیم)

سوال: ایک عورت جس کا کوئی محرم نہیں ہے، اپنے ملک کی طرف سفر کرنا چاہتی ہے، تو اس نے ایک پیالی میں اپنا دودھ نچوڑا اور ایک آدمی کو پلا دیا۔ کیا اس طرح سے وہ آدمی اس کا محرم بن جائے گا؟

جواب: یہ عورت اس آدمی کو اس عورت کا محرم نہیں بناتی ہے۔ کیونکہ رضاعت، جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے، وہ ہے جو بچے کی دودھ پینے کی عمر دو سال کے اندر اندر ہو، اور کم از کم پانچ چوسنیاں (پانچ رضعات) ہوں۔ (محمد بن ابراہیم)

---

[1] اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ براہ راست سینے سے پیئے یا اسے نچوڑ کر چمچ یا پیالی سے پلایا گیا ہو۔ (مترجم)

سوال: میں اپنی ایک دینی بہن سے ملاقات کے لیے گئی۔ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہائش پذیر تھی۔ میں نے اچانک دیکھا کہ وہ اپنے بہنوئی کے سامنے آتی جاتی ہے اور اس سے کوئی حجاب نہیں کرتی۔ میں نے اس بارے میں اس سے بات کی تو اس کے بہنوئی نے کہا: میں اس کے والد کی وفات کے بعد سے بچپن ہی سے اس کی سرپرستی کر رہا ہوں، جبکہ اس کی والدہ نے ایک دوسرے آدمی سے شادی کر لی تھی۔ جب اس کی بہن بڑی ہوئی تو اس نے اپنی بہن کا دودھ پی لیا تھا جبکہ یہ بالغ ہوچکی تھی۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ رضاعت اس کے بہنوئی کو اس کے لیے ابدی محرم بنا سکتی ہے؟

جواب: نہیں، یہ رضاعت اس لڑکی کو اپنے بہنوئی کے لیے ابدی محرم نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ حدیث میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا یحرم من الرضاع إلا ما فتك الامعاء فی الثدی وکان قبل الطعام .))

''یعنی وہی رضاعت محرم بناتی ہے جو انتڑیوں کو بڑھائے، اور دودھ چھاتی سے پیے، اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پیا ہو۔''[1] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہ میرا ایک چچا زاد بھائی ہے، میرا اس کی بیٹی سے رشتہ طے ہوا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ میرے اس چچا زاد نے میرے ایک دوسرے چچا کی بیوی کا دودھ پیا ہوا ہے، مگر صرف دو بار پیا ہے۔ اور یہ عورت جس نے اسے دودھ پلایا ہے، اس نے مجھے بھی پلایا ہے، مگر وہ رضاعت کی مقدار بیان نہیں کرتی ہے۔ کیا یہ رضاعت ہمارے عقد کے لیے مانع ہوسکتی ہے؟

جواب: یہ عقد صحیح ہے، اور یہ رضاعت غیر مؤثر ہے، کیونکہ حرمت اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جب وہ یقین سے پانچ رضعات ہوں اور ابتدائی دو سال کے اندر اندر ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: دو عورتیں ہیں، ایک کے ہاں لڑکا اور دوسری کے ہاں لڑکی ہے، اور ان دونوں نے ایک دوسرے کے بچے کو دودھ پلایا ہے، تو ان میں سے کون کون ایک دوسرے کے لیے حلال ہو سکتے ہیں؟

جواب: اگر کسی عورت نے کسی لڑکی کو اس کے ابتدائی دو سالوں میں واضح طور پر پانچ یا زیادہ بار دودھ پلایا ہو تو یہ لڑکی اس عورت اور اس کے شوہر کی، جس کی طرف عورت کا دودھ منسوب ہے، رضاعی بیٹی بن جائے گی۔ اور پھر اس عورت کی تمام اولاد جو اس شوہر (صاحب اللبن) سے ہو، یا کسی دوسرے شوہر سے بھی ہو، وہ سب اس لڑکی کے رضاعی بہن بھائی بن جائیں گے۔ اور اس صاحب اللبن شوہر کی تمام اولاد، اس دودھ پلانے والی بیوی سے ہو یا دوسری بیویوں سے، وہ اس دودھ پینے والی کے رضاعی بہن بھائی بن جائیں گے۔ اور مرضعہ (دودھ

[1] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء ان الرضاعة لا تحرم الا فی الصغر دون الحولین، حدیث: ۱۱۵۲۔ نیز حدیث مبارکہ میں مستقل لفظ "فتق" ہے، "فتك" نہیں ہے۔ (عاصم)

پلانے والی) کے بھائی اس لڑکی کے رضاعی ماموں اور شوہر (صاحب اللبن) کے بھائی اس لڑکی کے رضاعی چچا، مرضعہ کا والد اس کا نانا، اور اس کی ماں اس کی نانی، صاحب اللبن شوہر کا باپ اس لڑکی کا دادا، اور شوہر کی ماں اس کی دادی بن جائے گی۔ کیونکہ محرمات کے سلسلے میں سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

''اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب .))

''یعنی رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''[1]

اور آپ کا یہ فرمان بھی ہے:

((لا رضاع الا فی الحولین .))

''رضاعت وہی معتبر ہے جو (ابتدائی) دو سال کے اندر اندر ہو۔''[2]

اور صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ: ''قرآن مجید میں ابتدا میں دس معلوم (واضح) چوسنیوں کا حکم نازل ہوا تھا، جو حرمت کا باعث ہوتی تھیں، پھر انہیں پانچ معلوم چوسنیوں سے منسوخ کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو حکم (یا معاملہ) یہی تھا۔''[3] (جامع ترمذی، اور اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے)۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: دو بہنیں ہیں، ایک کے ہاں صرف ایک لڑکا اور دوسری کے ہاں چار بچے ہیں۔ ان میں سب سے چھوٹی لڑکی ہے۔ پہلی کے لڑکے نے دوسری کے پہلے تینوں بچوں کے ساتھ، علاوہ چوتھی لڑکی کے، دودھ پیا ہے۔ کیا پہلی کا لڑکا دوسری کی اس لڑکی کے ساتھ شادی کر سکتا ہے جس کے ساتھ اس نے دودھ نہیں پیا ہے؟

جواب: جب پہلی کے لڑکے نے دوسری بہن یعنی اپنی خالہ کا دودھ پانچ یا اس سے زیادہ بار پی لیا ہے، ایک مجلس میں ہو یا کئی مجلسوں میں، خواہ پہلے بچے کے ساتھ پیا ہو یا دوسرے اور تیسرے کے ساتھ یا تینوں ہی کے ساتھ، تو

[1] صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب الشھادۃ علی الانساب والرضاع، حدیث: ٢٥٠٢ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب تحریم الرضاعۃ من ماء الفحل، حدیث: ١٤٤٥۔ سنن النسائی، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاع، حدیث: ٣٣٠١ وسنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، حدیث: ١٩٣٧.

[2] سنن الدارقطنی: ٤/ ١٧٤، حدیث: ١١.

[3] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، حدیث: ١٤٥٢ وسنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصۃ ولا المصتان، حدیث: ١١٥٠۔ سنن النسائی، کتاب النکاح، باب القدر الذی یحرم الرضاعۃ، حدیث: ٣٣٠٩.

اس طرح یہ لڑکا دوسری بہن کا رضاعی بیٹا بن گیا ہے، اور اب یہ اس کی ساری اولاد کا رضاعی بھائی ہے، خواہ وہ اس سے پہلے کے ہوں یا بعد کے، لہٰذا یہ لڑکا اس لڑکی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ یہ اس کا رضاعی بھائی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (النساء : ٤/ ٢٣)

''یعنی تم پر حرام ہیں..... تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی۔''

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب .))

''رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''[1]

اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ اگر رضاعت پانچ بار (پانچ چوسنیوں) سے کم ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اگر بچہ دو سال سے بڑا ہو تو بھی اس رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرة : ٢/ ٢٣٣)

''جو چاہتا ہو کہ اس کا بچہ پورا دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا رضاع الا ما فتق الامعاء وكان قبل الفطام .))

''رضاعت وہی معتبر ہے جو آنتوں کو بڑھائے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔''[2]

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، فرماتی ہیں کہ ''قرآن کریم میں ابتداء میں دس معلوم رضعات (چوسنیوں) کا حکم نازل ہوا تھا، جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی۔ پھر انہیں منسوخ کرکے پانچ معلوم رضعات (چوسنیاں) کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو معاملہ اسی پر تھا۔''[3] (عبدالعزیز بن باز)

---

[1] صحيح بخارى، كتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حديث : ٢٥٠٢ وصحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: ١٤٤٥ سنن النسائى، كتاب النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، حديث: ٣٣٠١ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حديث: ١٩٣٧ .

[2] سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب ما جاء أن الرضاعة لا تحرم إلا فى الصغر دون الحولين، حديث : ١١٥٢ ومصنف ابن ابى شيبة : ٣/ ٥٥٠، حديث : ١٧٠٥٧ .

[3] صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث : ١٤٥٢ وسنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حديث : ١١٥٠ ـ سنن النسائى، كتاب النكاح، باب القدر الذى يحرم الرضاعة، حديث : ٣٣٠٧ .

سوال: ایک خاتون کا سوال ہے کہ مجھے درج ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں:

الف: میری نانی کے بیٹے میری بہنوں کے ہم عمر ہیں۔ میری والدہ نے اپنے چھوٹے بھائی محمد کو میری بہن سعاد کے ساتھ دودھ پلایا ہے۔

ب: میری والدہ نے اپنی بڑی بہن کے بیٹے ثمیر کو میری بہن سحر کے ساتھ دودھ پلایا ہے، اس لیے کہ وہ بیمار تھی، اور یہ صرف میری والدہ نے پلایا ہے۔

ج: میری والدہ نے میری چھوٹی بہن کی بیٹی کو میری چھوٹی بہن کے ساتھ دودھ پلایا ہے، ان کی عمر تقریباً برابر تھی، میری بہن دوسری سے صرف ایک ماہ بڑی تھی، رات کے کسی وقت وہ چلانے لگی تو میری والدہ نے سوتے میں اسے دودھ پلا دیا۔ جب جاگی تو معلوم ہوا کہ اس کے دامن میں تو اس کی اپنی نواسی ہے۔ تب ایک عالم سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اب اسے اور دودھ پلا دو تا کہ شبہ نہ رہے۔ چنانچہ اس نے اسے دوسری بار پھر پلا دیا، اور پھر تبادلہ میں میری بہن نے بھی اپنی بہن کو دودھ پلا دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا میرے سب ماموں میرے رضاعی بھائی بن گئے ہیں؟ یا صرف چھوٹا ماموں ہی میرا رضاعی بھائی بنا ہے؟ اور کیا میں اپنے ماموں کے بچوں کی پھوپھی بن گئی ہوں یا نہیں؟

جواب: اگر آپ کی والدہ نے آپ کے کسی ماموں یا کسی خالہ کو پانچ یا اس سے زیادہ بار دودھ پلایا ہے بشرطیکہ دو سال کے اندر اندر ہو تو آپ کی والدہ اس دودھ پینے والے ماموں اور دودھ پینے والی آپ کی خالہ کی ماں بن جائے گی اور تم بھی ان سب کی جن کو دودھ پلایا گیا ہو بہن بن جائیں گی۔ اور ایسے ہی جب آپ کی والدہ نے آپ کی بھانجی کو پانچ یا اس سے زیادہ بار دودھ پلایا ہو اور دو سال کی عمر کے دوران میں پلایا ہو تو آپ کی والدہ رضاعی اعتبار سے ان کی ماں اور نسبی لحاظ سے نانی ہوگی۔ اور رضاعت کے سب مسائل میں یہی انداز ہے۔ ہاں اگر یہ دودھ پینا پانچ بار (پانچ رضعات یا پانچ چوسنیوں) سے کم ہو تو اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور نہ رضاعی رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی اگر دودھ پینے والا بچہ دو سال سے بڑا ہو تو بھی رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((لا رضاع الا في الحولين .)) ''رضاعت وہی معتبر ہے جو (ابتدائی) دو سال کے اندر اندر ہو۔'' اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ ''ابتدا میں دس معلوم رضعات سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر انہیں منسوخ کر کے پانچ معلوم رضعات کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو وفات ہوئی تو معاملہ اسی طرح تھا۔''❷ (عبدالعزیز بن باز)

---

❶ سنن الدارقطني: ٤/ ١٧٤، حديث: ١١.

❷ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: ١٤٥٢۔ سنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حديث: ١١٥٠ وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب القدر الذي يحرم الرضاعة، حديث: ٣٣٠٩.

سوال: میں اپنی پھوپھی زاد سے شادی کرنا چاہتا ہوں، جبکہ میرے بڑے بھائی نے میری پھوپھی کا ایک سے زیادہ بار دودھ پیا ہے، لیکن میں نے نہیں پیا، اور اسی طرح میری پھوپھی زاد نے بھی میری والدہ کا دودھ نہیں پیا ہے، تو کیا ہمارا رشتہ ہوسکتا ہے یا کیا میں اس کا بھائی بن گیا ہوں؟

جواب: اس سوال کا جواب ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں ملتا ہے، فرمایا:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب .))

"یعنی رضاعت (دودھ پینا) وہ سب رشتے حرام کر دیتا ہے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"[1]

کیونکہ اصل قرابت نسب سے ہے۔ اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ آپ کے لیے جائز ہے کہ اپنی پھوپھی زاد سے شادی کر سکتے ہیں، اگرچہ آپ کے بھائی نے اس لڑکی کی ماں کا دودھ پیا ہے۔ آپ کا کوئی ایسا تعلق نہیں بنتا جو حرمت کا باعث ہو یا آپ اس کے بھائی بنیں، کیونکہ آپ نے اس کی ماں کا یا اس لڑکی نے آپ کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے تو وہ بھی آپ کی بہن نہ بنی۔

رضاعت کی حرمت دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کی طرف سے صرف دودھ پینے والے بچے اور اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہے اور ان پر مؤثر ہوتی ہے (شوہر کی طرف اس لیے کہ عورت کا دودھ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور اسے صاحب اللبن کہا جاتا ہے)۔

دودھ پینے والے کے دوسرے بہن بھائی یا اس کے ماں باپ یا جو ان سے اوپر ہوں ان کی طرف یہ حرمت مؤثر نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح دودھ پلانے والی عورت اس پینے والے کی ماں، اس عورت کی ماں اس بچے کی نانی، عورت کا باپ اس بچے کا نانا، عورت کے بھائی اس بچے کے ماموں، عورت کی بہنیں اس بچے کی خالائیں بن جاتی ہیں۔ اور وہ مرد جو صاحب اللبن ہوتا ہے وہ عورت کا شوہر ہو یا آقا اور مالک حتیٰ کہ وہ مرد بھی جس نے کسی شبہ کے تحت اس عورت سے ملاپ کیا ہو، اس دودھ پینے والے بچے کا باپ، اور اس کی اولاد اس پینے والے کے بہن بھائی، اس مرد کے بھائی اس بچے کے چچا اور اس کی بہنیں اس بچے کی پھوپھیاں بن جاتی ہیں اور یہ سب تفصیلات ہمیں نبی ﷺ کے فرمان: ((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب .)) (رضاعت (دودھ پینے سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں) سے حاصل ہوتی ہے۔[2] (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحيح بخارى، كتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حديث: ٢٥٠٢ وصحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: ١٤٤٥ ـ سنن النسائى، كتاب النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، حديث: ٣٣٠١ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حديث: ١٩٣٧ .

[2] صحيح بخارى، كتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حديث: ٢٥٠٢ وصحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: ١٤٤٥ ـ سنن النسائى، كتاب النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، حديث: ٣٣٠١ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حديث: ١٩٣٧ .

سوال: میری ایک چچا زاد بہن ہے، میں نے اس کا صرف ایک بار دودھ پیا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اس کے ساتھ شادی کرلوں؟

جواب: صرف ایک رضعہ (ایک بار دودھ پینا، ایک چوسنی) حرمت کا باعث نہیں بنتا۔ ضروری ہے کہ یہ پانچ رضعات ہوں اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پہلے پیا ہو۔ محض ایک، دو، تین یا چار بار دودھ پینے سے کوئی آدمی کسی عورت کا بیٹا نہیں بن جاتا۔ ضروری ہے کہ واضح اور یقینی طور پر پانچ بار پیا ہو۔ اگر کہیں شک ہو کہ چار بار پیا ہے یا پانچ بار، تو اصل یہی ہے کہ یہ چار بار سمجھا جائے گا، کیونکہ ہمیں اس میں شک ہے، اور جہاں کہیں شک ہو وہاں وہی عدد لیا جاتا ہے جو کم ہو۔ مثلاً اگر کوئی عورت یہ کہے کہ میں نے اس بچے کو دودھ پلایا ہے مگر معلوم نہیں کہ ایک بار یا دو بار یا تین بار یا چار بار یا پانچ بار پلایا ہے، تو ہم کہیں گے کہ یہ اس کا بیٹا نہیں بنا ہے، کیونکہ ضروری ہے کہ یقینی طور پر بلا شک وشبہ پانچ رضعات معلوم ہوں۔ [1] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک شخص نے اپنی ایک قرابت دار کے لیے نکاح کا پیغام دیا تو لڑکی کے والد نے یہ عذر کر کے انکار کر دیا کہ اس نے تمہارے ساتھ دودھ پیا ہے۔ پھر جب لڑکی کا والد فوت ہو گیا تو اس لڑکے نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کر لی۔ جب کہ عادل گواہوں نے اس لڑکی کی ماں کے متعلق گواہی دی ہے کہ اس نے اس لڑکے کو دودھ پلایا ہے، مگر بعد میں اس عورت نے اپنی بات سے انکار کیا اور کہا کہ پہلے جو اس نے کہا تھا ایک مقصد اور غرض کے تحت کہا تھا۔ سوال یہ ہے کیا کہ ان کا نکاح جائز ہے؟

جواب: اگر عورت حق سچ بولنے میں معروف ہو اور اس نے بتایا ہو کہ وہ اس لڑکے کو پانچ رضعات دودھ پلا چکی ہے، تو اس کی یہ بات مقبول ہو گی۔ اور اگر ان لڑکے لڑکی کا نکاح ہو چکا ہو تو ان میں تفریق کرا دی جائے، جیسے کہ علماء کا صحیح تر قول ہے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اپنی بیوی کو علیحدہ کر دے، اس وجہ سے کہ ایک سیاہ لونڈی نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ان دونوں کو دودھ پلا چکی ہے۔ [2]

اور اگر عورت کی صداقت میں شبہ ہو یا عدد رضعات میں شک ہو تو بھی یہ معاملہ مشکوک قرار پائے گا، تو اس سے اجتناب بہتر ہے، تاہم جب تک کوئی معتبر دلیل نہ ملے ان میں تفریق کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور اگر وہ عورت نکاح سے پہلے ہی اپنی شہادت سے پھر گئی ہو تو یہ زوجہ حرام نہیں ہو گی لیکن اگر معلوم ہو کہ یہ عورت اپنی شہادت سے رجوع میں جھوٹی ہے اور اس نے اپنی شہادت سے رجوع کیا ہے، اور پھر وہ شوہر بھی اس بیوی سے مجامعت

---

[1] راقم مترجم کی رائے میں جب عدد رضعات میں شبہ ہو تو معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نکاح کے معاملات میں شبہات سے بچنا از حد ضروری ہے جیسے کہ ذیل میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور جناب محمد بن عبدالمقصود حفظہ اللہ کے فتاویٰ موجود ہیں۔ بلکہ جناب محمد بن صالح عثیمین کا اپنا فتویٰ بھی آگے آ رہا ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب اذا شهد شاهد، حديث: ٢٦٤٠ وسنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی شهادة المرأة الواحدة فی الرضاع، حديث: ١١٥١.

کر چکا ہے، اور اس عورت نے اپنی گواہی چھپائی ہے، تو یہ زواج صحیح نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: میری خالہ کہتی ہے کہ اس نے مجھے اور مجھ سے چھوٹی بہن کو دودھ پلایا ہے مگر مجھے اس رضاعت کا کوئی علم نہیں، اور نہ ہی اسے کچھ یاد ہے کہ کتنی بار پیا تھا، تو کیا میں اپنے خالو اور اپنی خالہ زاد کے سامنے کھلے منہ آ سکتی ہوں؟

جواب: احتیاط اسی میں ہے کہ آپ ان کے سامنے کھلے منہ نہ ہوا کریں، اور اپنے کسی خالہ زاد کے ساتھ شادی بھی نہ کریں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ حرمت ان رضعات سے آتی ہے جو واضح طور پر پانچ ہوں۔ [1] چونکہ یہاں مقدار معلوم نہیں ہے، تو ایسے امور میں احتیاط کا پہلو غالب رکھنا ضروری ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں غور کیجیے کہ فتح مکہ کے موقع پر سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک لڑکے کی تولیت کے بارے میں جھگڑا ہو گیا، اور یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ اس میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے، اس کے متعلق میرے بھائی نے مجھے وصیت کی ہے، اور عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ یہ لڑکا میرا بھائی اور میرے باپ (زمعہ) کا بیٹا ہے۔ دراصل عتبہ بن ابی وقاص نے کسی وقت زمعہ کی لونڈی کے ساتھ زنا کیا تھا اور یہ لڑکا اسی کا نتیجہ تھا، اور مرتے وقت اپنے بھائی کو وصیت کر گیا کہ اس زمعہ کی لونڈی کے لڑکے کو اپنی تولیت میں لے لینا، وہ مجھ سے ہے۔ اس معاملے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((الولد للفراش، وللعاهر الحجر واحتجبی منه یا سودة.))

"یعنی لڑکا بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں، اور اپنی اہلیہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس لڑکے سے پردہ کر لے۔" [2]

آپ نے بچہ تو عبد بن زمعہ کو دیا۔ اس جانب سے اگرچہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی بنتا تھا، مگر (دعوائے زنا اور زانی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے) سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس سے پردہ کر لو۔ چنانچہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک اس لڑکے نے سیدہ کو نہیں دیکھا تھا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک شخص ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، جبکہ لڑکی کے باپ نے نکاح کے طالب (خاطب) کے

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، حدیث: ١٤٥٢۔ سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حدیث: ١١٥٠ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب القدر الذی یحرم الرضاعة، حدیث: ٣٣٠٧.

[2] صحیح بخاری، کتاب الخصومات، باب دعوی الوصی للمیت، حدیث: ٢٢٨٩ کتاب البیوع، باب تفسیر المشبهات، حدیث: ١٩٤٨ (یہ روایت بخاری میں متعدد مقامات پر مذکور ہے) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقی الشبهات، حدیث: ١٤٥٧ وسنن النسائی، کتاب الطلاق، باب الحاق الولد بالفراش، حدیث: ٣٤٨٤.

باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہوا ہے۔ کیا یہ رشتہ ہوسکتا ہے؟ اور عورت کہتی ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اسے کس قدر دودھ پلایا ہے؟

جواب: اس صورت میں لڑکی کا باپ خاطب کا پدری (رضاعی) بھائی بنتا ہے۔ اس طرح یہ لڑکی اس خاطب کی بھتیجی اور خاطب اس لڑکی کا چچا بن گیا ہے۔ اور عورت کا یہ کہنا کہ میں نے دودھ تو پلایا ہے مگر معلوم نہیں کتنا پلایا ہے تو اس سے رضاعت کا حکم زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ''شروع میں قرآن کریم میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا کہ ان سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی تھی۔ پھر انہیں پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو معاملہ اسی طرح تھا۔''[1]

اور جب عدد رضعات میں شک ہو جائے تو اس سے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ واضح طور پر پانچ رضعات (یعنی پانچ بار دودھ پیا جانا) ثابت ہو۔ البتہ ورع وتقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رشتہ چھوڑ دیا جائے۔ تاہم یہ لڑکی اس لڑکے کے لیے محرم نہیں بنے گی۔ کیونکہ رضاعت اس انداز سے ثابت نہیں ہوئی ہے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہو۔ اگر لڑکا اس لڑکی سے نکاح کا اقدام کر ہی لے تو یہ گناہ گار نہیں ہوگا کیونکہ معلوم اور واضح طور پر رضاعت ثابت نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا رضاعی باپ کی دوسری بیوی رضاعی بیٹے کے لیے محرم ہوتی ہے یا نہیں؟ جبکہ بچے نے اس دوسری کا دودھ نہ پیا ہو، بلکہ پہلی سے پیا ہو؟

جواب: اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء بشمول ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ رضاعی باپ کی بیوی ایسے ہی ہے جیسے کہ نسبی باپ کی بیوی، اور سبھی جانتے ہیں کہ نسبی باپ کی بیوی بیٹے کے لیے محرم ہوا کرتی ہے۔ مثلاً اگر ایک آدمی شادی کرے اور پہلی بیوی سے اولاد ہو تو یہ دوسری بیوی ان بچوں کے لیے محرم ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء: ٤/ ٢٢)

''اور مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو۔''

جبکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ رضاعی باپ کی دوسری بیوی، نسبی باپ کی دوسری بیوی کی مانند نہیں ہے، یعنی رضاعی بیٹے کے لیے محرم نہیں ہے۔ اور جسے اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہو اسے امام ابن القیم رحمہ اللہ کی ''زاد المعاد'' دیکھنی چاہیے۔ وہاں یہ مسئلہ بڑی تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا گیا ہے،

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: ١٤٥٢۔ سنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حديث: ١١٥٠ وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب القدر الذي يحرم الرضاعة، حديث: ٣٣٠٧.

اور شیخ الاسلام کے مذہب کی تقویت بھی جانچی جا سکتی ہے۔

اور اگر کوئی درمیانی راہ اختیار کرے یعنی یہ کہے کہ بقول جمہور رضاعی بیٹے کے لیے اس عورت کا نکاح حلال نہیں، اور بقول شیخ الاسلام یہ عورت اس کی محرم نہیں، اور احتیاط کی راہ اپنائے، تو یہ سب سے عمدہ ہے۔ کیونکہ اس قسم کی صورتوں میں احتیاط کرنا ہی سنت ہے۔ مثلاً احادیث میں ہے کہ زمعہ کے لڑکے کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہما کا تنازع ہو گیا تھا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے، وہ مجھے اس کی وصیت کر گیا تھا، لہٰذا یہ اس کا بیٹا ہے۔ مگر عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہما نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی ہے، میرے والد کی لونڈی سے ہے، اور میرے والد کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کی شباہت ملاحظہ فرمائیے۔ آپ نے دیکھا تو اسے عتبہ بن ابی وقاص (زانی) کے مشابہ پایا۔ مگر آپ نے اس کا فیصلہ عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہما ہی کے حق میں کیا اور فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! یہ تیرا (بھائی) ہے، بیٹا بستر والے کا ہوتا ہے اور زانی محروم رہتا ہے۔'' پھر آپ نے (اپنی زوجہ ام المومنین) سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے سودہ! اس لڑکے سے پردہ کر لو۔'' باوجودیکہ آپ نے فیصلہ یہی فرمایا تھا کہ یہ اس (سودہ رضی اللہ عنہا) کا بھائی ہے، لیکن ساتھ ہی پردے کا حکم بھی دیا۔ کیونکہ آپ کو اس لڑکے اور اس کے مدعی عتبہ کے درمیان واضح مشابہت نظر آئی تھی۔'' [1]

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حکم احتیاط پر مبنی تھا، اور یہ حجاب اس شبہ کی بنا پر تھا، اگرچہ فیصلہ یہی فرمایا کہ یہ اُمّ المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی ہے، کیونکہ یہ ان کے والد کے فراش (بستر) پر پیدا ہوا تھا۔

تو رضاعی باپ کی بیوی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ اس سے نکاح حلال نہیں ہے لیکن یہ عورت اس آدمی کی محرم بھی نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری والدہ نے اپنے ماموں کی بیٹی کو دودھ پلایا ہے، تو کیا میری والدہ کے لیے جائز ہے کہ اس لڑکی کے بھائی کے سامنے کھلے منہ آ جائے، جبکہ یہ لڑکا اس لڑکی کی دوسری ماں سے ہے؟

جواب: آپ کی والدہ نے اپنی ماموں زاد کو دودھ پلایا ہے تو یہ لڑکی آپ کی (رضاعی) بہن ہوئی۔

ہمیں رضاعت کے مسئلہ میں ایک قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ دودھ کی تاثیر صرف پینے والے اور اس کے فروع (اولاد) ہی کی طرف مؤثر اور منتقل ہوتی ہے (اس کے دوسرے بہن بھائیوں کی طرف نہیں جاتی)۔ جب اس خاتون نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو یہ عورت اس کی رضاعی ماں بن گئی۔

[1] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبهات، حدیث: ١٩٤٨ كتاب الخصومات، باب دعوى الوحى للميت، حديث: ٢٢٨٩ وصحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقى الشبهات، حديث: ١٤٥٧ وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب الحاق الولد بالفراش . . ، حديث: ٣٤٨٤.

(یہاں پوچھا جاسکتا ہے کہ) کیا یہ حرمت رضاع اس بچے کے ماں باپ کی طرف بھی مؤثر ہوگی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ رضاعت صرف اس لڑکے اور اس کی فروع (اولاد) ہی کی طرف مؤثر ہوگی، اصول (ماں باپ) اور حواشی (بہن بھائیوں) کی طرف منتشر اور مؤثر نہیں ہوگی۔ ہم اس مسئلہ کو درج ذیل مثال سے مزید واضح کیے دیتے ہیں: ایک عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا۔ یہ لڑکی اس عورت کی (رضاعی) بیٹی بن گئی اور اس عورت کی اولاد اس لڑکی کے رضاعی بہن بھائی بن گئے اور عورت کی بہنیں اس لڑکی کی خالائیں، اس عورت کی مائیں، اس لڑکی کی نانیاں وغیرہ وغیرہ بن گئے۔ [1] لیکن دودھ پینے والی لڑکی کے رشتہ داروں یعنی ماں، باپ اور بہن بھائی وغیرہ پر اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہوگا، سوائے اس لڑکی کی اولاد کے۔ اس لڑکی کی اولاد دودھ پلانے والی کے نواسے نواسیاں بن جائیں گے۔ [2] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جو عورت سن یاس کو پہنچ چکی ہو، وہ کسی بچے کو دو سال کے دوران میں پانچ یا اس سے زیادہ بار دودھ پلادے تو کیا یہ اس کے لیے حرمت کا باعث ہوگا یا نہیں؟ اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ عورت شوہر والی نہیں ہوتی تو اس صورت میں بچے کا رضاعی باپ کون ہوگا؟

جواب: دودھ پینے سے (بچے اور ماں اور ماں کے متعلقین کے مابین) حرمت ثابت ہو جاتی ہے، بالکل وہی حرمت جو نسب سے ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا سوال میں جو پوچھا گیا ہے کہ جب دودھ پینا دو سال کی عمر کے دوران اور پانچ بار ہوا ہے تو یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بن گئی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

’’اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو (تم پر حرام ہیں)۔‘‘

اس آیت کے عموم سے یہی ثابت ہے۔ اور یہ دودھ خواہ عورت کے سن یاس میں اترا ہو، اگر عورت شوہر والی ہو تو یہ شیر خوار بچہ اس عورت کے ساتھ ساتھ اس کے شوہر کا بھی رضاعی بیٹا ہوگا، وہ شوہر جس کی طرف اس کا دودھ منسوب ہو۔ اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ عورت شوہر کے بغیر ہو مثلاً اس نے شادی ہی نہ کی ہو اور دودھ پلادے تو عورت تو ماں بن جائے گی مگر بچے کا رضاعی باپ کوئی نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ رضاعی باپ ہو مگر رضاعی ماں کوئی نہ ہو۔

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ یہاں بیان میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ مزید یہ رشتے اس طرح بنتے ہیں کہ اس عورت کا شوہر، جس کی طرف اس کا دودھ منسوب ہے، اسے صاحب اللبن بھی کہتے ہیں، اس پینے والی کا رضاعی باپ، شوہر کا باپ اس پینے والی کا دادا، شوہر کے بھائی اس پینے والی کے چچا اور شوہر کی بہنیں اس پینے والی کی پھوپھیاں بن جائیں گی، اور اس شوہر کی ساری اولاد اس پینے والی کے بہن بھائی ہوں گے۔ دودھ پلانے والی ماں کے بھائی اس پینے والی کے رضاعی ماموں کہلائیں گے۔

[2] (از مترجم) لہٰذا سوال میں جو بات دریافت کی گئی ہے اس میں دودھ پینے والی لڑکی کا بھائی اس عورت کا بیٹا یا محرم نہیں بنا ہے بلکہ وہ غیر محرم ہی رہے گا اور اس سے پردہ کرنا ہوگا۔

پہلی حالت کی مثال یوں ہے کہ عورت نے ایک بچے کو دو رضعات (یعنی دو بار) دودھ پلایا جبکہ وہ ایک آدمی کی زوجیت میں تھی، اور پھر اس شوہر نے اسے چھوڑ دیا، تو اس نے عدت کے بعد ایک اور شخص سے شادی کر لی، پھر اس سے وہ حاملہ ہوئی اور بچے کو جنم دیا، اور پھر اس سابقہ رضاعی بچے کو مزید تین بار دودھ پلایا (اور یہ کل پانچ بار اور پانچ رضعات ہوگئیں) اس طرح یہ پانچوں رضعات کسی ایک مرد کی طرف منسوب نہیں ہیں (بلکہ دو رضعات ایک مرد اور تین رضعات دوسرے مرد کی طرف منسوب ہیں)۔

دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ بچے کا رضاعی باپ ہو مگر رضاعی ماں کوئی نہ ہو۔ مثلاً ایک مرد کی دو بیویاں ہوں، ان میں سے ایک اس بچے کو دو بار دودھ پلائے اور دوسری تین بار۔ اس صورت میں یہ بچہ اس مرد کا رضاعی بیٹا تو ہوگا کیونکہ اس نے پانچ رضعات لی ہیں جو اس آدمی ہی کی طرف منسوب ہیں، مگر اس کی رضاعی ماں کوئی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے ایک سے دو بار اور دوسری سے تین بار دودھ پیا ہے۔ باقاعدہ طور پر کسی ایک عورت سے پانچ بار (یا پانچ رضعات) نہیں پیا ہے، اس لیے کوئی بھی اس کی رضاعی ماں نہ بنی۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری والدہ محترمہ کو ایک عورت نے دودھ پلایا ہے، اور اس مرضعہ کی سوتنیں ہیں۔ کیا ان سوتنوں کی اولاد میرے رضاعی ماموں سمجھے جائیں گے یا نہیں؟

جواب: یہ دودھ پلانے والی آپ کی رضاعی نانی ہے، کیونکہ آپ کی والدہ نے اس کا دودھ پیا ہے۔ اس عورت کا شوہر آپ کی والدہ کا رضاعی باپ اور آپ کا رضاعی نانا ہوا۔ تو آپ کی والدہ کی سوتنیں آپ کی رضاعی باپ کی بیویاں ہیں۔ اس طرح ان سوتنوں کی اولاد آپ کی والدہ کے رضاعی بھائی اور آپ کے رضاعی ماموں بن گئے کیونکہ ان کا والد آپ کا رضاعی نانا ہے، اور وہ آپ کے نانا کی اولاد ہیں۔ الغرض وہ آپ کے رضاعی ماموں ہیں۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: ایک آدمی جو اپنے بھائیوں میں تیسرے نمبر پر ہے، اس نے ایک دوسرے خاندان کی لڑکی کی معیت میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے۔ کیا یہ لڑکی اس لڑکے کے تمام چھوٹے بڑے بھائی بہنوں کی بہن شمار ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے ہی اس لڑکی کے بھائی جو اس کی دوسری ماں سے ہیں؟

جواب: ''رضاعت'' (یعنی بچے کا دودھ پینا) جس سے حرمت ثابت ہو، تب ہے جب بچہ پانچ یا اس سے زیادہ بار دودھ پیئے اور دو سال کی عمر کے دوران میں پیئے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۳۳)

''جو چاہتا ہو کہ اس کا بچہ پورا دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔''

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، بیان کرتی ہیں کہ ابتدا میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا، جو

حرمت کا باعث بنتی تھیں، پھر انہیں منسوخ کر کے پانچ معلوم رضعات کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو حکم اور معاملہ ایسے ہی تھا۔ [1]

ایک رضعہ (چوسنی) سے مراد یہ ہے کہ بچہ ماں کی چھاتی اپنے منہ میں لے کر دودھ چوسنا شروع کر دے، اور پھر اپنی مرضی سے چھوڑے، خواہ سانس لینے کے لیے یا دوسری جانب منتقل ہونے کے لیے ہو۔ تو یہ ایک رضعہ اور ایک چوسنی ہے (جسے ہم اردو ترجمہ میں ''ایک بار'' سے تعبیر کر دیتے ہیں)۔ پھر جب دوبارہ اپنے منہ میں لے کر دودھ چوسنے لگے حتیٰ کہ خود ہی چھوڑ دے تو یہ دوسری رضعہ دوسری چوسنی اور دوسری بار ہوگی (اس طرح کل پانچ بار ہو تو حرمت ثابت ہوتی ہے)۔

جب ثابت ہو کہ ایک شخص نے ایک لڑکی کی ماں کا دودھ پیا ہے، یا اس لڑکی کے باپ کی کسی بیوی کا دودھ پیا ہے تو یہ پینے والا اس لڑکی کا رضاعی بھائی ہوگا، بلکہ اس لڑکی کے تمام بھائی بہنوں کا بھی بھائی ہوگا، خواہ وہ اس لڑکی کے حقیقی بہن بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے۔ البتہ اس دودھ پینے والے لڑکے (رضیع) کے بھائیوں میں سے کسی کے لیے بھی یہ جائز ہوگا کہ اس لڑکی یا اس کی کسی بہن سے شادی کرنا چاہیں تو کر سکیں گے۔ ان کے لیے اس رضاعت کا کوئی اثر حرمت نہیں ہوگا۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت کی بیٹیاں ہیں جو شادی شدہ ہیں۔ ان میں سے ایک نے ایک بیٹے کو جنم دیا، تو اس بچے نے اپنی نانی کا دودھ پیا۔ اس دودھ پینے والے کے دو بھائی اور بھی ہیں۔ اس رضاعت کا ان دو بھائیوں پر کیا اثر ہے؟ کیا جائز ہے کہ ان بھائیوں میں سے کوئی ان لڑکیوں کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کر لے جنہوں نے دودھ نہیں پیا ہے یا نہیں پلایا ہے؟

جواب: دعا ہے کہ اللہ عزوجل اسلام کو عزت دے اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ بشرط کہ صحت سوال کہ بھائیوں میں سے ایک نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے، اور دوسروں نے نہیں پیا ہے، سو ان دوسروں کے لیے جائز ہے کہ اپنی خالہ کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں۔ نانی کی اس رضاعت کا ان دوسرے بچوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا، وہ اپنی کسی بھی خالہ زاد کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنی کسی ماموں زاد کے ساتھ شادی کرلوں؟ یہ ماموں میری والدہ کا حقیقی بھائی ہے؟

جواب: ''رضاعت'' جس سے کہ حرمت ثابت ہوتی ہے وہی ہے جو بچے کی دو سال کی عمر کے اندر اندر ہو اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، حدیث : ١٤٥٢ وسنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حدیث : ١١٥٠ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب القدر الذی یحرم من الرضاعة، حدیث : ٣٣٠٧.

پانچ یا زیادہ بار ہو۔ شرعی اعتبار سے ایک رضعہ (ایک چوسنی یا ایک بار) سے مراد یہ ہے کہ بچہ عورت کی چھاتی اپنے منہ میں لے کر اس سے دودھ چوسنا شروع کر دے اور پھر اپنی مرضی سے چھوڑے، تو یہ ایک رضعہ (ایک چوسنی یا ایک بار) ہے۔ اور جب وہ دوبارہ منہ میں لے کر چھوڑے گا تو یہ دوسری رضعہ اور دوسری بار ہوگی۔

لہٰذا اگر تمہارا دودھ پینا مذکورۂ بالا انداز سے پانچ یا اس سے زیادہ بار ہوا ہے تو آپ اپنے ماموں کے رضاعی بھائی بن گئے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْأَخِ وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

"تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں...... الیٰ...... اور بھائی کی بیٹیاں اور بہنوں کی بیٹیاں......"

اسی طرح فرمایا:

﴿وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

(البقرة: ٢/ ٢٣٣)

"اور جو چاہتا ہو کہ اس کا بچہ پورا دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔"

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ "قرآن کریم میں ابتدا میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جو حرمت کا باعث بنتی تھیں، پھر انہیں منسوخ کر دیا گیا اور پانچ معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو معاملہ ایسے ہی تھا۔"❶

اگر آپ کا اپنی نانی سے دودھ پینا مذکورۂ بالا صورت میں پانچ بار سے کم ہے یا دو سال کی عمر کے بعد ہے تو (یہ حرمت ثابت نہیں اور) آپ کے لیے جائز ہے کہ اپنے ماموں کی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنی ممانی سے سلام یا مصافحہ کر لیا کروں؟ جبکہ میں نے اپنے ماموں کے ساتھ اپنی نانی کا دودھ پیا ہے، یا یہ میرے لیے ناجائز اور ممانی میرے لیے غیر محرم ہے؟

جواب: آپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے ماموں کی بیوی کا ہاتھ چھوئیں، خواہ آپ کی رضعات آپ کی نانی سے ثابت ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ آپ اس کے لیے اجنبی اور غیر محرم ہو۔ صرف زبانی سلام یقیناً جائز ہے۔ خواتین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے سلسلہ میں نازل شدہ آیات کی تفسیر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

((ولا واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ فی المبایعۃ قط، ما بایعھن إلا بقولہ: قد

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: ١٤٥٢ وسنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حديث: ١١٥٠ وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب القدر الذي يحرم من الرضاعة، حديث: ٣٣٠٧.

بايعتك على ذلك .))

''اللہ کی قسم! آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیعت کے سلسلہ میں کسی عورت کے ہاتھ کو چھوا تک نہیں۔ آپ نے ان سے صرف زبانی بیعت لی، اور فرماتے: میں نے تجھ سے ان امور کی بیعت لے لی۔''

اس طرح سیدہ امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ''میں اور دوسری عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی غرض سے آپ کے پاس حاضر ہوئیں تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا: نہیں، میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔ میرا ایک عورت سے بات کرنا (بغرض بیعت) اور سو عورتوں سے بات کرنا ایک ہی ہے۔ [1] (مجلس افتاء)

کیا خون کو دودھ پر قیاس کیا جا سکتا ہے

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہ اس کی بیوی بیمار تھی، اور اشد ضرورت تھی کہ اسے خون دیا جائے، تو ہسپتال والوں نے اس کے لیے میرا (شوہر کا) خون لے لیا۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ عمل ہمارے ازدواجی تعلقات پر کسی طرح مؤثر تو نہیں ہے؟

جواب: شاید کہ سوال کرنے والے نے خون کو دودھ پر قیاس کیا ہے جو حرمت کا باعث بنتا ہے۔ مگر یہ قیاس صحیح نہیں ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ خون اس انداز سے غذا نہیں بنتا جیسے کہ دودھ بنتا ہے۔

۲۔ اور وہ چیز جو نص شریعت میں باعث حرمت بتائی گئی ہے وہ دودھ ہے، اور اس کی بھی دو شرطیں ہیں:
یہ کہ پانچ یا زیادہ بار پیا گیا ہو۔ اور دوسرے یہ کہ دو سال کی عمر کے اندر اندر پیا ہو۔

اس لیے آپ سے خون لے کر جو آپ کی بیوی کو دیا گیا ہے، یہ آپ کے ازدواجی تعلقات پر قطعاً مؤثر نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں نے اپنی بیٹی کی نسبت اپنے بھتیجے سے طے کی ہے۔ مگر اس نسبت کے بعد ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ اس لڑکے کے والد کی بیوی نے میری بیٹی کو پانچ دن تک دودھ پلایا ہے۔ اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ چار دن تک متواتر پلاتی رہی ہے۔ خیال رہے کہ دودھ پلانے والی اس لڑکے کی حقیقی ماں نہیں، بلکہ اس کے والد کی بیوی ہے۔ کیا یہ لڑکی اس لڑکے کے لیے حلال ہو سکتی ہے؟

جواب: جب معلوم ہو چکا ہے کہ اس لڑکی نے اپنے منگیتر کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے، اور یہ دودھ اس کے

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٣٥٧، حديث: ٢٧٠٥٤ (حديث اميمة بنت رقيقة رضی اللہ عنہا) المعجم الكبير للطبرانی: ٢٤/ ١٨٦، حديث: ٤٧٠.

باپ ہی کی طرف منسوب ہے، اور دودھ پینا بھی پانچ بار اور دو سال کی عمر کے دوران میں ثابت ہے، تو یہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی بہن بن گئی، لہٰذا ان کا نکاح جائز نہیں ہوسکتا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

''تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں.......... اور تمہاری رضاعی بہنیں..... بھی۔''

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ''ابتدا میں قرآن کریم میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جو حرمت کا باعث بنتی تھیں، مگر بعد میں انہیں منسوخ کر کے پانچ معلوم رضعات سے بدل دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو معاملہ اسی پر تھا۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٣٣)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ:

((لایحرم من الرضاع الا ما فتق الامعاء وكان قبل الفطام .))

''یعنی حرمت اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو آنتوں کو پھاڑے، اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔''[2]

اور شریعت میں رضاعت اور رضعہ سے مراد یہ ہے کہ بچہ ماں کی چھاتی اپنے منہ میں لے کر دودھ چوسنا شروع کر دے، اور پھر چوستا رہے، حتیٰ کہ اپنی مرضی سے چھوڑے، خواہ سانس لینے کے لیے ہو یا ایک جانب سے دوسری جانب کے لیے وغیرہ۔ اگر دوبارہ اپنے منہ میں لے کر پیئے تو یہ دوسری رضعہ اور دوسری بار ہوگی، اگرچہ اسی قریبی وقت میں ایسے کرے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میرے والد اور چچا دو بھائی ہیں۔ میرے والد کے ہاں لڑکے اور چچا کے ہاں لڑکیاں ہیں۔ ایک مدت کے بعد میرے والد اور چچا کی والدہ فوت ہوگئی تو میرے دادا نے ایک اور عورت سے شادی کر لی۔ اس نے سات ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیا مگر وہ جلد ہی فوت ہوگیا۔ پھر چالیس دنوں کے بعد میری والدہ نے ایک بچے کو

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، حدیث: ٤٥٢ وسنن الترمذی۔ کتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حدیث: ١١٥٠ وسنن النسائی، کتاب النکاح۔ باب القدر الذی یحرم الرضاعة، حدیث: ٣٣٠٧۔

[2] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء ان الرضاعة لا تحرم الا فی الصغر دون الحولین۔ حدیث: ١١٥٢۔ مصنف ابن ابی شیبة: ٣/ ٥٥٠، حدیث: ١٧٠٥٧۔

جنم دیا، تو میرے دادا کی نئی بیوی اٹھی (اور اس نے مجھے دودھ پلایا)۔ میری والدہ کہتی ہیں کہ میں نے آٹھ بار دودھ پلایا مگر تو سیراب نہیں ہوا، کیونکہ میں اس وقت ایک سال اور آٹھ ماہ کا تھا۔ یہ فرمائیے کہ آیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ شادی کرسکوں؟

جواب: ''رضاعت'' جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو پانچ یا زیادہ بار ہو اور ابتدائی دو سال کے اندر اندر ہو اور ''ایک بار'' دودھ پینا جسے رضعہ کہتے ہیں وہ یوں ہے کہ بچہ ماں کی چھاتی اپنے منہ میں لے کر اس سے دودھ چوسنے لگے، پھر اپنی مرضی سے چھوڑے، تو یہ ایک بار اور ایک رضعہ ہے۔ اگر دوبارہ منہ میں لے کر چوسنے لگے تو یہ دوسری بار شمار ہوگی۔ لہٰذا آپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے چچا کی کسی بیٹی سے شادی کرسکیں۔ کیونکہ جب آپ نے اپنے دادا کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو ان لڑکیوں کے رضاعی چچا بن گئے ہو۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (النساء: ٤/ ٢٣)

''تم پر حرام ہیں تمہاری مائیں ...... الی ...... اور تمہاری دودھ کی بہنیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

(البقرة: ٢/ ٢٣٣)

''اور جو چاہے کہ اس کا بچہ پورا دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((تحرم الرضاعة ما تحرم الولادة.))

''رضاعت وہ تمام رشتے حرام کر دیتی ہے جو ولادت (نسب) سے حرام ہوتے ہیں۔''[1]

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''ابتدا میں جو قرآن نازل ہوا اس کے مطابق دس معلوم رضعات سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر انہیں منسوخ کر کے پانچ معلوم رضعات کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو

[1] یہ حدیث جن الفاظ سے فتویٰ کے جواب میں یہاں ذکر کی گئی ہے بعینہ الفاظ تو مجھے نہیں ملے، البتہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة على الانساب والرضاع، حدیث: ٢٦٤٦ کتاب فرض الخمس، باب ما جاء في بيوت ازواج النبي ﷺ وما نسب من البيوت اليهن، حدیث: ٣١٠٥ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من الولادة، حدیث: ١٤٤٤ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب ما يحرم من الرضاع، حدیث: ٣٣٠٥ وسنن الترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حدیث: ١١٤٧۔

معاملہ اسی طرح تھا۔"❶ (مجلس افتاء)

سوال: میں نے ایک دوشیزہ کو نکاح کا پیغام دیا۔ جب میرے سامنے اس کا شجرہ آیا تو معلوم ہوا کہ اس نے میری بہن کا دودھ پیا ہوا ہے، مگر صرف ایک یا دو بار۔ کیا اس صورت میں میرے لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہے؟ جبکہ دودھ ایک یا دو بار پیا گیا ہے۔

جواب: اس قدر دودھ پینا اسے آپ کے لیے حرام نہیں بناتا ہے۔ امام احمد اور شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی رُو سے آپ کا اس سے نکاح کر لینا جائز ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک یا دو چوسنیوں سے بھی حرمت ثابت ہوجاتی ہے مگر یہ مذہب (مذہب امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہ اللہ) دلائل کی رو سے مرجوح ہے، اور درست بات ان حضرات کی ہے جن کا پہلے ذکر ہوا (یعنی امام احمد و امام شافعی رحمہ اللہ کی)۔

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تحرم المصة و لا المصتان .))

"ایک یا دو چوسنیاں حرام نہیں کرتی ہیں۔"❷

ایسے ہی صحیح مسلم میں سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی ہے، اس کے ہوتے ہوئے میں نے ایک دوسری عورت سے شادی کی ہے۔ اس کے متعلق میری پہلی بیوی کا دعویٰ ہے کہ اس نے اس دوسری عورت کو ایک یا دو چوسنیاں دودھ پلایا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تحرم الإملاجة و لا الإملاجتان .))

"ایک یا دو بار کا دودھ پلانا حرام نہیں کرتا ہے۔"❸

اور وہ تعداد جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے پانچ رضعات (یعنی پانچ چوسنیاں یا پانچ بار) ہے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے فرمایا تھا کہ اپنے خادم (مولیٰ ابی حذیفہ) کو پانچ چوسنیاں دودھ پلا

❶ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، حدیث: ۱۴۵۲ وسنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حدیث: ۱۱۵۰ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب القدر الذی یحرم الرضاعة، حدیث: ۳۳۰۷.

❷ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب فی المصة والمصتان، حدیث: ۱۴۵۰ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب القدر الذی یحرم الرضاعة، حدیث: ۳۳۱۱ وسنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حدیث: ۱۱۵۰.

❸ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب فی المصة والمصتان، حدیث: ۱۴۵۱ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب القدر الذی یحرم الرضاعة، حدیث: ۳۳۰۸.

دو تا کہ وہ تیرے سامنے (بے حجاب) آ سکے۔ (معروف حدیث ہے کہ) حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خادم کو ایک مدت سے اپنا لے پالک (متبنّیٰ) بنایا ہوا تھا، اس وقت متبنّیٰ بنانا جائز تھا۔ جب اس کی حرمت نازل ہوئی تو خاتون نے محسوس کیا کہ شوہر کو اس بچے کا اس کے سامنے آنا ناگوار گزرتا ہے، جبکہ وہ گھر کے کام کاج کے عام کپڑوں میں ہوتی ہے اور وہ سامنے آ جاتا ہے۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنی یہ مشکل پیش کی، تو آپ نے انھیں اجازت دی کہ ''اسے پانچ رضعات دودھ پلا دے تا کہ وہ تمہارے سامنے آ سکے۔''❶

نیز صحیح مسلم میں یہ بھی ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ''ابتدا میں قرآن کریم میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا، جو باعث حرمت ہوتی تھیں، پھر بعد میں ان کو پانچ معلوم رضعات سے منسوخ کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہ آیات قرآن کریم میں پڑھی جاتی تھیں۔''❷ جامع ترمذی میں ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو معاملہ ایسے ہی تھا۔''❸ یعنی معلوم پانچ رضعات سے حرمت ثابت ہوتی تھی۔

الغرض جب معاملہ یہ ہے کہ دس رضعات کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا ہے تو آپ کے لیے اس دوشیزہ سے نکاح کر لینا جائز ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میری ایک پھوپھی ہے یعنی میرے والد کی بہن، اس نے میرے بڑے بھائی کو اپنی بیٹی کے ساتھ ایک بار (ایک رضعہ) دودھ پلایا ہے، اور پھر میری اس پھوپھی نے ایک اور آدمی سے شادی کی ہے۔ اس سے اس کی ایک بیٹی ہے۔ ہم ایک دوسرے سے شرعی اصولوں کے تحت رشتہ کرنا چاہتے ہیں، کیا ہمارا آپس میں یہ رشتہ ہو سکتا ہے؟

جواب: اگر معاملہ فی الواقع ایسے ہی ہے کہ آپ کی پھوپھی نے آپ کے بڑے بھائی کو اپنی بیٹی کے ساتھ صرف ایک رضعہ (ایک بار) دودھ پلایا ہے، تو آپ میں سے کوئی بھی اس لڑکی یا اس کے علاوہ کسی دوسری پھوپھی زاد لڑکی کے ساتھ شادی کر سکتا ہے خواہ پہلے شوہر سے ہو یا دوسرے شوہر سے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صحیح طور پر ثابت ہے کہ: ((لا تحرم الرضعة ولا الرضعتان .)) ''ایک یا دو رضعہ (ایک یا دو چوسنیاں) حرام نہیں کرتی ہیں۔''❹

---

❶ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٠١، حديث: ٢٥٦٩١ صحيح ابن حبان: ١٠/ ٢٧، حديث: ٤٢١٥.

❷ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: ''پانچ کی تعداد کا نسخ اتنی تاخیر سے ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا واقعہ پیش آ گیا۔ اور بعض لوگ پھر بھی ان پانچ کی تعداد کو قرآن سمجھ کر تلاوت کرتے رہے، کیونکہ آپ کی وفات کے بالکل قریب ہی ان کی تلاوت کو منسوخ کیا گیا۔'' (بلوغ المرام اردو شرح مولانا صفی الرحمٰن رحمہ اللہ، ج: ٢/ ٧٣٤، ط دارالسلام)

❸ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: ١٤٥٢ وسنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، حديث: ١١٥٠ وسنن النسائى، كتاب النكاح، باب القدر الذى يحرم الرضاعة، حديث: ٣٣٠٧.

❹ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب فى المصة والمصتان، حديث: ١١٥٢، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب لا تحرم المصة ولا المصتان، حديث: ١٩٤٠.

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بیان کرتی ہیں کہ "ابتدا میں قرآن کریم میں دس معلوم رضعات نازل ہوئی تھیں جو حرمت کا باعث بنتی تھیں، پھر انہیں منسوخ کر کے پانچ رضعات کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو معاملہ اسی پر تھا۔" [1]

خیال رہے کہ جب بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ چوسنے لگے، پھر اسے چھوڑ دے خواہ تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو، تو اسے اصطلاح شرع میں ایک رضعہ کہتے ہیں (جسے اردو میں ایک بار یا ایک چوسنی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے)۔ پھر جب وہ دوبارہ چوسنے لگے خواہ پھر بھی تھوڑی ہی دیر کے لیے ہو تو یہ دوسرا رضعہ ہوگا ... (اور اسی طرح کل پانچ بار ہونا چاہیے)۔

اگر آپ کے بھائی نے اپنی پھوپھی کا پانچ بار (یعنی پانچ رضعات) دودھ پیا ہے یا اس سے زیادہ تو وہ لڑکی صرف آپ کے بھائی کے لیے حرام ہوگی، آپ دوسروں کے لیے حرام نہیں ہوگی۔ (مجلس افتاء)

سوال: دو بہنیں ہیں، دونوں کے بیٹے بیٹیاں ہیں، اور ہر ایک نے دوسری کی بیٹیوں کو دودھ پلایا ہے۔ کیا یہ لڑکیاں لڑکوں کے لیے حرام ہوں گی یا نہیں؟

جواب: جب کسی عورت نے کسی لڑکی کو اس کی عمر کے دو سال کے اندر اندر پانچ رضعات دودھ پلایا ہو تو وہ اس کی بیٹی بن جائے گی، اور پلانے والی کی ساری اولاد پینے والی کے رضاعی بہن بھائی بن جائیں گے، خواہ وہ رضاعت سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا بعد میں۔ پلانے والی کے کسی لڑکے کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ پینے والی لڑکی سے شادی کر سکیں (کیونکہ وہ ان کی رضاعی بہن ہوگی)۔

بلکہ پینے والی کے بھائیوں کے لیے جائز ہوگا کہ وہ پلانے والی کی دوسری لڑکیوں سے شادی کر سکتے ہیں (جنہوں نے ان لڑکوں کی ماں کا دودھ نہ پیا ہو)۔ دوسرے لفظوں میں لڑکے اپنی رضاعی بہن کی دوسری بہنوں سے شادی کر سکتے ہیں بشرطیکہ انہوں نے ان کی ماں کا دودھ نہ پیا ہو، اور ان لڑکیوں نے بھی ان لڑکوں کی ماں کا دودھ نہ پیا ہو۔

الغرض پینے والی، پلانے والی کے کسی لڑکے سے شادی نہیں کر سکتی۔ اور اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ دودھ پلانے والی پینے والی کی ماں بن جاتی ہے، تو اس پینے والی پر، پلانے والی کی ساری اولاد حرام ہو جاتی ہے۔ عورت کے تمام بھائی پینے والی کے رضاعی ماموں، عورت کی تمام بہنیں، پینے والی کی رضاعی خالائیں بن جائیں گی۔ اور پلانے والی کا شوہر، جس کی طرف اس کا دودھ منسوب ہے، پینے والی کا رضاعی باپ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: ١٤٥٢ وسنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان. حديث: ١١٥٠ ـ سنن النسائي، كتاب النكاح، باب القدر الذي يحرم الرضاعة، حديث: ٣٣٠٧۔

کہلائے گا، اور اس مرد کی ساری اولاد، اس پلانے والی سے ہو یا دوسری بیویوں سے، اس پینے والی کے (رضاعی) بہن بھائی بن جائیں گے اور اس رضاعی باپ کے بھائی اس پینے والی کے چچا اور اس کی بہنیں اس کی پھوپھیاں کہلائیں گی۔ اور پینے والی کی اولاد، اور آگے اس اولاد کی اولاد بھی، پلانے والی کی اور اس کے شوہر کی، جس کی طرف اس کا دودھ منسوب ہے، رضاعی اولاد کہلائیں گے۔ البتہ پینے والی کے نسبی بہن بھائی اور اس کے ماں باپ وہ اجانب ہی رہیں گے، اس رضاعت کی وجہ سے ان کے لیے کوئی حرام نہیں ہوگا۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ اگرچہ بعض دوسری جزئیات میں کچھ اختلاف ہے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک شخص نے دوسرے کی معیت میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک کی بیٹی ہے۔ کیا اس دودھ پینے والے کے لیے جائز ہے کہ دوسرے کی بیٹی سے شادی کر لے؟

جواب: جب ایک بچے نے کسی عورت کا دودھ دو سال کی عمر کے دوران میں اور پانچ رضعات پیا ہو تو وہ اس کا بیٹا بن گیا۔ پھر اس عورت کی ساری اولاد اس کے بہن بھائی بن گئے، خواہ وہ اس پینے والے سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا اس کے بعد۔ اور رضاعت سے عین وہی حرمت آتی ہے جو نسب سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ لہٰذا ان دودھ پینے والوں میں سے کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ دوسرے کی بیٹی سے نکاح کر سکے، جیسے کہ باتفاق ائمہ وہ اپنے کسی نسبی بھائی کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک شخص کی ایک رشتہ دار خاتون ہے۔ اس شخص اور خاتون کے چھوٹے بہن بھائیوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے سوائے ان دونوں کے۔ کیا اس شخص کے لیے جائز ہے کہ اپنی اس رشتہ دار خاتون سے شادی کر لے؟ اور اگر ان کی شادی ہوگئی ہو اور ان کا بچہ بھی ہو تو اب ان کا کیا حکم ہوگا؟ اور علماء ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: جب اس شخص نے اپنی اس رشتہ دار خاتون کی ماں کا اور اس عورت نے اس شخص کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے، بلکہ اس شخص کے دوسرے بھائیوں نے اس عورت کی ماں کا اور اس عورت کے بھائیوں نے اس شخص کی ماں کا دودھ پیا ہو، تو یہ عورت اس شخص کے لیے حلال ہے۔ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ کیونکہ رضاعت کی حرمت ہمیشہ دودھ پینے والے اور اس کی اولاد کی طرف اور دودھ پلانے والی اور اس کے شوہر کی طرف منتقل اور مؤثر ہوتی ہے۔ شوہر بھی وہ جس کے ملاپ سے وہ عورت دودھ والی ہوئی ہو۔ چنانچہ دودھ پلانے والی (اس شوہر کی بیوی) اس پینے والے بچے کے نسبی بھائی، اور اس کا نسبی باپ، اس لڑکے کے رضاعی ماں باپ اور رضاعی بہن بھائیوں کے لیے اجنبی ہی ہوں گے۔

اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ دودھ کی حرمت (پلانے والی کے) شوہر کی طرف مؤثر اور منتقل ہوتی ہے اور اسے کتب فقہ میں ''مسالہ الفحل'' یا ''لبن الفحل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب ہے۔ اگرچہ بعض سلف ''لبن الفحل'' کی حرمت کے قائل نہیں تھے مگر

صحیح احادیث جمہور ہی کے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: دو بہنیں ہیں، ایک کی دو بیٹیاں اور دوسری کا ایک بیٹا ہے۔ ایک بیٹی نے جو بڑی ہے دوسری کے بیٹے کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ کیا اس لڑکے کے لیے جائز ہے کہ ایک دوسری لڑکی جس کے ساتھ اس نے دودھ نہیں پیا ہے نکاح کر لے؟

جواب: جب ایک لڑکی نے لڑکے کی ماں کا دودھ پیا ہے، اور لڑکے نے لڑکی کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے تو اس لڑکے کے لیے جائز ہے کہ دوسری لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک عورت نے اپنی چھوٹی بیٹی اپنے بھائی کی بیوی کے پاس چھوڑی۔ بعد میں وہ آئی تو اس نے بھابی سے پوچھا: کیا تو نے اسے دودھ پلایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اور قسم بھی اٹھائی۔ اب بھائی کا بیٹا اور بہن کی چھوٹی بیٹی بڑی ہوگئی ہے، کیا ان کا رشتہ ہو سکتا ہے جبکہ لڑکی کی بہن نے اپنے منگیتر کے بھائی کے ساتھ دودھ پیا ہوا ہے؟

جواب: اگر لڑکی نے اپنے منگیتر کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے اور نہ اس لڑکے نے اپنی منگیتر کی ماں کا دودھ پیا ہے تو یہ آپس میں نکاح کر سکتے ہیں، خواہ منگیتر لڑکی کے بھائی بہنوں نے منگیتر لڑکے کی ماں کا دودھ پیا ہی ہو۔ باجماع المسلمین اس رضاعت کا دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف وہ بچہ جو کسی عورت کا دودھ پی لے وہی اس کا بیٹا بنے گا۔ عورت اس کی ماں، عورت کا شوہر جو صاحب اللبن ہے، اس بچے کا رضاعی باپ، اور ان کی اولاد اس پینے والے بچے کے رضاعی بہن بھائی ہوں گے۔ ان کے لیے جائز ہوگا کہ پینے والے بہنوں سے نکاح کرنا چاہیں تو کر لیں۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک شخص کی چچا زاد ہے، اور اس لڑکی کے والد نے مذکورہ شخص کی ماں کا اپنے ایک بھائی کے ساتھ دودھ پلایا تھا تو اس کی عمر دو سال سے زیادہ تھی۔ کیا مذکورہ شخص اپنی اس چچا زاد کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: اگر یہ رضاعت دو سال پورے ہونے کے بعد تھی تو نکاح حرام نہیں ہوا۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، ان کے کئی بچے بھی ہو گئے، پھر ایک شخص نے اس عورت کے بارے میں جھگڑا کیا اور شوہر سے کہا کہ یہ عورت جو تیری عصمت میں ہے اس نے تمہاری ماں کا دودھ پیا ہوا ہے؟

جواب: اگر یہ آدمی حق سچ بولنے میں معروف ہو اور جو بات وہ کہہ رہا ہے اس کے متعلق بخوبی آگاہ ہو اور بتائے کہ اس نے شوہر کی ماں کا دو سال کی عمر میں پانچ بار (پانچ رضعات) دودھ پیا ہے، تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی اور اگر وہ سچ بولنے میں معروف نہ ہو قابل تسلیم نہیں ہوگی، خواہ اس نے اسے دودھ پیتے دیکھا ہی کیوں نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: دو عورتیں حمام میں تھیں کہ ایک نے اپنا بچہ دوسری کو پکڑایا، اور پھر اچانک دیکھا کہ اس پکڑنے والی کی چھاتی اس بچے کے منہ میں تھی، تو اس نے فوراً اسے اپنے سے دور کر دیا اور کچھ معلوم نہیں کہ اس نے کچھ پیا بھی

ہے یا نہیں۔ کیا اس صورت میں اس بچے کے لیے مذکورہ عورت کی لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں اس بچے کے لیے اس عورت کی کسی لڑکی سے شادی کرنا کوئی حرام نہیں ہے، یہ اس کی ماں نہیں بنی ہے، اور محض شک کی بنا پر ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک شخص کی آنکھیں خراب ہوگئیں تو اس نے اپنی بیوی کے دودھ سے اپنی آنکھیں دھوئیں۔ اگر اس طرح کچھ دودھ اس کے پیٹ میں چلا گیا ہو تو کیا وہ اس کے لیے حرام ہو جائے گی؟ اسی طرح ایک آدمی نے اپنی اہلیہ سے ملاعبت میں اس کا دودھ پی لیا ہو تو کیا وہ اس کے لیے حرام ہو جائے گی؟

جواب: آنکھیں خراب ہونے کی صورت میں اس نے بیوی کے دودھ سے جو آنکھیں دھولی ہیں تو (اس میں کوئی حرج نہیں) یہ جائز ہے، بیوی اس کے لیے حرام نہیں ہوئی۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ شوہر بڑی عمر کا ہے، اور بڑی عمر کا آدمی اگر کسی عورت کا دودھ پیئے، خواہ اپنی بیوی کا ہو یا کسی اور کا، تو اس سے کوئی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا یہی قول ہے، اور کتاب وسنت سے اسی طرح ثابت ہے۔ اور وہ حدیث جو سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں آئی ہے تو ان سب کے نزدیک وہ ان ہی کے ساتھ خاص تھی۔ کیونکہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو متبنّیٰ بنانے کی حرمت سے پہلے ہی انھیں اپنا متبنّیٰ بنایا ہوا تھا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آنکھ میں دودھ ٹپکانے سے حرمت نہیں ہوتی۔ میرے علم کے مطابق اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف اس صورت میں ہے جب دودھ ناک میں ٹپکایا جائے یا منہ میں ڈالا جائے، بغیر اس کے کہ وہ سینے سے چوسے۔ اکثر کے نزدیک یہی صورت حرمت کا باعث ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی مشہور تر روایت، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں۔

اور مذکورہ بالا دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شوہر نے جو دودھ پی لیا ہے ائمہ اربعہ کے نزدیک اس سے اس کی عورت اس پر حرام نہیں ہوئی ہے۔ (امام ابن تیمیہ)

کتاب الحجاب

خواتین اور پردہ کے قدیم و جدید احکام و مسائل

سوال: ایک مسلمان عورت کے لیے غیر محرم مردوں سے چہرہ چھپانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ ایک عورت کے لیے غیر محرم مردوں سے چہرہ چھپانا واجب ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "(دوران حج میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں احرام باندھے ہوئے تھیں، تو جب قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے پردے کی چادر اپنے سر سے سرکا کر اپنے چہرے پر لٹکا لیتے تھے، اور جب وہ گزر جاتی تو ہم اپنے چہرے کھول لیتے تھے۔" [1]

اور کتاب و سنت میں چہرہ چھپانے کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ اے میری مسلمان بہن! میں آپ کو اس مسئلے میں چند کتابوں کا حوالہ دینا پسند کرتا ہوں، آپ ان کا مطالعہ کر لیں۔ ایک تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ہے "رسالہ الحجاب وللناس فی الصلة" دوسری فضیلة الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کا "رسالة الحجاب" اور شیخ حمود تویجری کا رسالہ "الصارم المشهور على الفتونين بالسفور" اور فضیلة الشیخ

[1] سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في المحرمة تغطي وجهها، حديث: ١٨٣٣ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٣٠، حديث: ٢٤٠٦٧.

محمد بن صالح العثیمین کا رسالہ ''الحجاب'' ان رسائل میں یہ موضوع بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ [1]

(صالح بن فوزان)

سوال: ایسی عورت کا کیا حکم ہے جو حجاب اور پردے کی چادر تو لیتی ہے مگر اجنبیوں اور غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہتی ہو، ان کے ساتھ بیٹھ کر چائے اور قہوے پیتی ہو، باتیں کرتی ہو، اور ان کے ساتھ باہر بھی چلی جاتی ہو اور اس کا ولی بھی ان باتوں پر راضی ہو؟

جواب: مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ غیر محرموں کے سامنے اپنا چہرہ کھولے، ان کے ساتھ مجلس کرے یا ان کے ساتھ باہر نکلے۔ (مجلس افتاء)

سوال: براہ مہربانی عورت کے لیے بالخصوص چہرے کے پردے کی اہمیت واضح فرمائیں۔ کیا شرع اسلامی کی رُو سے پردہ واجب ہے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے اور میرا اپنا خیال بھی یہ ہے کہ جزیرۃ العرب میں ترکوں کے دور سے اس کا استعمال عام ہوا ہے، اور اسی دور سے اس بارے میں شدت کی جانے لگی ہے حتیٰ کہ بہت سے لوگ اسے تمام عورتوں پر فرض سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم نے پڑھا ہے کہ دور نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانے میں عورتیں مردوں کے ساتھ بہت سے کاموں میں شریک ہوا کرتی تھیں مثلاً جنگوں میں بالخصوص۔ تو کیا ان باتوں کی کوئی اصلیت ہے یا یہ سراسر غلط ہیں؟ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا تاکہ حق سمجھ سکوں اور غلط سے باز رہوں۔

جواب: پردہ ابتدائے اسلام میں عورت پر فرض نہیں تھا اور وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ مردوں کے سامنے ظاہر کر لیا کرتی تھی۔ بعد میں اللہ نے اسے مشروع فرمایا اور عورتوں کے لیے واجب قرار دیا تاکہ یہ اجنبی مردوں کی نظروں سے محفوظ رہے اور فتنے کا دروازہ بند ہو، اور یہ سورۂ احزاب میں نازل ہونے والی آیات کے بعد ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَ قُلُوبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

''اور جب تم ان عورتوں سے کچھ ضرورت کی چیز مانگنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔''

یہ آیت کریمہ اگرچہ ازواج نبی کے متعلق ہے مگر اس میں ان کے علاوہ دیگر عورتیں بھی شامل ہیں، کیونکہ وہ علت اور سبب جو اس میں بیان ہوا ہے وہ عام ہے، جیسے کہ اسی طرح کا ایک دوسرا حکم اسی سورہ میں آیا ہے:

---

[1] جناب فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح کا رسالہ اردو میں ترجمہ ہو کر مطبوع ہے۔ جناب ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر شہید رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کا رسالہ ''احکام ستر وحجاب، مخالفین پردہ کے دلائل کا مکمل و مدلل جائزہ۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ کی کتاب ''پردہ'' اور اس کے علاوہ اور بھی کئی رسالے اس موضوع پر دستیاب ہیں۔ (مترجم)

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز میں اپنی زینت کا اظہار نہ کرتی پھرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اپناؤ۔''

اسی طرح کا ایک اور حکم بھی ہے جو اسی سورۂ احزاب میں ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر پردے کی چادریں اوڑھے رکھا کریں۔ یہ بات زیادہ قریب ہے اس کے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور انہیں کوئی اذیت نہیں دی جائے گی، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

علاوہ ازیں اسی موضوع کی دو آیتیں اور ہیں جو سورۂ نور میں آئی ہیں:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ ....﴾ (النور: ۲۴/ ۳۱)

''اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں جھکا کے رکھا کریں، اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے اس کے جو از خود ظاہر ہو، اور چاہیے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے دامنوں پر اوڑھے رکھا کریں اور اپنی زینت اپنے شوہروں، اپنے باپوں یا شوہروں کے باپوں ...... کے علاوہ کسی اور کے سامنے ظاہر نہ کیا کریں۔''

اور اس آیت کریمہ میں ''زینت'' سے مراد عورت کی زینت اور فتنے کے مقامات ہیں، جن میں سب سے بڑھ کر ''چہرہ'' ہے۔ اور ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ﴾ سے مراد صحیح تر قول کے مطابق ''کپڑے'' ہیں، جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [1] اور اللہ عزوجل کے درج ذیل فرمان میں اس کی وضاحت موجود ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِيْنَةٍ وَّاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ (النور: ۲۴/ ۶۰)

''اور بیٹھ رہنے والی عورتیں، جنہیں نکاح کی کوئی امید (رغبت) نہیں ہے، ان پر کوئی گناہ نہیں کہ

[1] المستدرك للحاكم: ۲/ ۴۳۱، حديث: ۳۴۹۹ والمعجم للطبرانى: ۹/ ۲۲۸، حديث: ۹۱۱۵ ومصنف ابن ابى شيبة: ۳/ ۵۴۶، حديث: ۱۷۰۰۴.

اپنے کپڑے اتار بھی دیا کریں، اس طرح کہ اپنی زینت کو نمایاں کرنے والی نہ ہوں، اور اگر وہ اس سے بھی پرہیز کریں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہے۔''

اس آیت کریمہ میں عورتوں کے لیے پردے کا وجوب اور یہ کہ وہ غیر محرم مردوں سے چہرے اور جسم بھی چھپائیں، اس طرح سے ہے کہ بڑی عمر کی بیٹھ رہنے والی عورتوں سے جنہیں نکاح کی کوئی رغبت نہیں، گناہ اٹھا لیا گیا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی زینت نمایاں نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جوان عورتوں کے لیے پردہ واجب ہے۔ اگر وہ پردہ نہیں کریں گی تو ان پر گناہ ہوگا۔ جیسے کہ بڑی عمر کی بوڑھی عورتیں اگر زینت ظاہر کرنے والی ہوں تو ان پر گناہ ہے، اور انہیں حکم ہے کہ پردہ کریں، کیونکہ اس طرح وہ فتنے کا باعث ہوں گی۔ اس کے باوجود آیت کے آخر میں فرمایا کہ اگر یہ (بڑی عمر کی) عورتیں اس (بے پردگی) سے پرہیز کریں تو بہت بہتر ہے۔ اور یہ تعلیم اسی لیے ہے کہ پردہ بہر صورت ان کے لیے فتنے سے تحفظ کا باعث ہے۔ اور سیدہ عائشہ اور ان کی ہمشیر سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہما کے متعلق جو آیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت غیر محرموں سے اپنا چہرہ چھپائے، خواہ وہ حج میں احرام کی حالت ہی کیوں نہ ہو۔ [1]

اور یہ ثابت ہے کہ ابتدائے اسلام میں عورتیں اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھیں، جیسے آیت حجاب سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کا پردہ کرنا قدیم دور یعنی دور نبوت سے ثابت ہے، جو اللہ عزوجل نے فرض فرمایا ہے، نہ کہ ترکوں کی عادت تھی۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ عورتیں دور نبوت میں بہت سے کاموں میں مردوں کے ساتھ شریک ہوا کرتی تھیں، مثلاً بیماروں کا علاج یا جہاد میں مجاہدین کو پانی پلانا وغیرہ، یہ بالکل صحیح ہے، پردہ کر کے یہ کام ہو سکتے ہیں اور عفت کے ساتھ اور شک وشبہ والی کیفیت سے بچ کر یہ اعمال سرانجام دیے جا سکتے ہیں۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے سفروں میں جایا کرتے تھے، ہم پانی بھرتے، پانی پلاتے اور بیماروں کا علاج معالجہ کیا کرتے تھے۔ [2]

یقیناً وہ یہ اعمال سرانجام دیتی تھیں، مگر اس طرح اور اس انداز سے نہیں جو آج اختیار کر لیے گئے ہیں، اس کے باوجود یہ لوگ اسلام کے دعویدار ہیں۔ ان کی عورتیں مردوں کے ساتھ بے محابا اختلاط کرتی ہیں، اپنی زینت کا

---

[1] سنن ابی داود، کتاب المناسک، باب فی المحرمة تغطی وجهها، حدیث ۱۸۳۳ ومسند أحمد بن حنبل: ٦/ ٣٠، حدیث: ٢٤٠٦٧.

[2] جناب الشیخ نے یہ روایت بالمعنی بیان کی ہے۔ بہرحال حوالہ کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب مداواة النساء الجرحی فی الغزو، حدیث: ٢٧٢٦ وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة النساء مع الرجال، حدیث: ١٨١٠ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٣٥٨، حدیث: ٢٧٠٦٢.

کام آزادانہ اظہار کرتی ہیں، جس کا نتیجہ فواحش و منکرات کے عام ہونے کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ خاندان ٹوٹنے لگے ہیں اور شر و فساد معاشرے میں عام ہوگیا ہے۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ سب کو اپنی سیدھی راہ کی ہدایت دے اور ہمیں اور آپ بلکہ سب بھائیوں کو علم نافع اور اس پر عمل کی توفیق دے، اور وہی سب سے بڑھ کر بہترین ذات ہے جس سے سوال کیا جاسکتا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: صحیح مسلم میں ہے کہ ایک لڑکی نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے نکاح کا پیغام دینے والے کو کھلے منہ مشروب پیش کیا تھا۔ آپ اس حدیث کا کیا جواب دیں گے؟

جواب: یہ اور اس قسم کی سب احادیث جن میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی عورتیں اپنے چہرے کھلا رکھا کرتی تھیں۔ اس بات پر معمول ہیں کہ یہ سب واقعات فرضیت حجاب سے پہلے کے ہیں۔ کیونکہ وہ آیات جن میں پردے کے وجوب کا بیان ہے چھٹی ہجری کے آخری میں نازل ہوئی ہیں، اور اس سے پہلے پردے کا کوئی اہتمام نہ تھا اور کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن میں یہ ہے کہ یہ واقعات نزول حجاب سے بعد کے ہیں۔ یہ اس لائق ہیں کہ ان کا جواب دیا جائے۔ مثلاً قبیلہ بنی خثعم کی وہ عورت جو حجۃ الوداع کے دوران میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے آئی تھی، اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما اسے اور وہ انھیں دیکھنے لگی تھی، تو آپ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا منہ دوسری طرف موڑ دیا۔ [1]

اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل لی ہے جو کہتے ہیں کہ عورت اپنا چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے۔ یہ حدیث بلاشبہ متشابہات میں سے ہے، جس میں جواز اور عدم جواز دونوں کا احتمال ہے۔ جواز کا احتمال تو ظاہر ہے، اور عدم جواز کا احتمال اس طرح ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بحالت احرام عورت کا چہرہ کھلا ہونا چاہیے۔ اور کہیں یہ بیان نہیں آیا کہ سوائے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے کسی اور نے اس کو دیکھا تھا۔ اور پھر فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری طرف پھیر دیا تھا۔ آپ نے ان کو اسے دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ اور رسول اللہ ﷺ تو کا اس عورت کو دیکھنا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ آپ کے لیے جائز تھا کہ آپ کسی عورت کو دیکھیں، یا اس کے ساتھ علیحدہ ہوسکیں، جو دوسروں کے لیے جائز نہیں تھا۔ جس طرح آپ کو کسی عورت کے ساتھ بلا مہر، بغیر ولی نکاح کی اجازت تھی، اور آپ کو یہ بھی جائز تھا کہ چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرلیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان امور میں کچھ ایسی وسعت عنایت فرمائی تھی جو کسی اور کے لیے نہ تھی اور آپ اپنی عفت میں بھی کمال انتہا پر تھے اور آپ پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا جو کسی دوسرے معزز سے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب وجوب الحج وفضله، حدیث: ١٤٤٢ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب الحج عن المعاجز لزمانة وهرم، حدیث: ١٣٣٤ وسنن ابی داود، کتاب المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، حدیث: ١٨٠٩.

معزز آدمی پر ہوسکتا ہے۔

بہر حال اہل علم کے ہاں ایک قاعدہ ہے" جب کسی چیز کا احتمال و امکان ہو تو اس سے استدلال غلط ہوتا ہے۔" لہٰذا یہ حدیث متشابہات میں سے ہے (لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا)۔

اور ایسی متشابہ نصوص کے متعلق ہم پر واجب ہے کہ انہیں واضح اور محکم نصوص کی طرف لوٹایا کریں۔ اور جن ملکوں میں جہاں جہاں عورتوں کے چہرے کھلے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، وہاں اس کے برے نتائج سامنے آ گئے ہیں۔ اور پھر ان عورتوں نے بھی صرف چہرے ہی کھلے رکھنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ چہرے کے ساتھ سر، گردن، گریبان اور بعض اوقات سینہ تک کھولنے لگی ہیں۔ اور باوجود یکہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کیفیت انتہائی بری اور عام ہے، وہ اپنی عورتوں کو اس سے روکنے سے عاجز ہیں۔ اور یقین کیجیے کہ اگر آپ شرم و حیا کا ایک پٹ کھولیں گے تو جلد ہی بہت سے دروازے کھل جائیں گے۔ اگر آپ اسے معمولی سی راہ دیں گے تو آگے چل کر وہ اس قدر پھیل جائے گا کہ آپ اسے بند نہیں کر سکیں گے۔ الغرض شرعی نصوص اور تمام تر عقلی دلائل ثابت کرتے ہیں کہ عورت کو اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے۔ اور مجھے تعجب آتا ہے ان حضرات پر جو عورتوں کو اپنے قدم چھپانا تو واجب کہتے ہیں مگر چہرے کھلے رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ غور کیا جانا چاہیے کہ ان میں سے چھپانے کے زیادہ لائق کیا چیز ہے؟ چہرہ یا قدم؟ کیا بھلا ہاتھوں اور انگلیوں کی خوبصورتی، ان کی نزاکت اور جاذبیت قدموں سے بڑھ کر نہیں ہوتی؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت اسلامی جو اپنے اندر جامعیت اور کمال رکھتی ہے اور حکیم و خبیر رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، عورت کو اپنے پاؤں چھپانے کا حکم تو دے اور چہرہ کھلا رکھنے کا کہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

یقیناً ایسی بات نہیں ہے، یہ ایک بڑا تناقض ہوگا۔ مردوں کی توجہ قدموں کی بجائے چہرے پر کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیا خیال ہے کہ کوئی نکاح کا پیغام دینے والا کسی عورت کے متعلق اس طرح کہے گا کہ اس کے پاؤں توجہ سے دیکھنا کہ خوبصورت ہیں یا نہیں؟ بلاشبہ یہ ایک محال بات ہے۔ فتنے کا مقام چہرہ ہے، اور اس کے لیے جو لفظ "عورۃ" آتا ہے، اس کے معنی وہ نہیں ہیں جو شرمگاہ کے لیے ہیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ چھپانے کے لائق ہے۔" یہ لوگ بڑے عجیب ہیں کہ ایک طرف تو عورتوں کے سر کے ایک دو بال ننگے ہونے کو ناجائز کہتے ہیں مگر بنے سنورے سیاہ خوبصورت ابروؤں کا دکھانا جائز کہتے ہیں۔ جبکہ آج کل زیب و زینت کے دسیوں انداز نکل آئے ہیں۔ کہیں سرخیاں ہیں اور کہیں طرح طرح کی کریمیں وغیرہ۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ کوئی انسان جسے عورتوں کے فتنوں کا علم ہو، ناممکن ہے کہ مطلق طور پر ان کے چہرے کھلے رکھنے کا کہے اور پاؤں چھپانے کا حکم دے، اور پھر اسے شریعت کی طرف منسوب کر دے؟!

اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین میں سے کچھ نے لکھا ہے کہ علمائے مسلمین کا اتفاق ہے کہ عورت کے لیے چہرہ چھپانا واجب ہے کیونکہ اس میں بہت بڑا فتنہ ہے۔ جیسے کہ صاحب نیل الاوطار نے ابن ارسلان سے نقل کیا

ہے۔ کہتے ہیں: "اب لوگوں کا ایمان کمزور ہو گیا ہے اور بہت سی عورتوں میں وہ عفت نہیں رہی، تو واجب ہے کہ ان کے چہرے چھپائے جائیں۔ اگر بالفرض یہ مباح بھی ہو مگر اب حالات کا تقاضا ہے کہ اس کے وجوب ستر کا حکم لگایا جائے۔ کیونکہ جب کوئی مباح کام کسی حرام کا وسیلہ وذریعہ بن رہا ہو تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اور قاعدہ بھی یہی ہے۔"

تعجب ہے ان لوگوں پر اور ایسے قلم کاروں پر جو بے حجابی کے مناد بنے ہوئے ہیں، ان کی اس کام کے لیے دعوت اور پکار تو ایسے لگتی ہے گویا یہ کوئی واجب کام تھا جسے لوگ چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بالفرض اس مسئلے میں اگر کچھ نرمی تھی بھی تو صرف ایک مباح کام کے لیے اس زور شور سے تحریک چلانا کس طرح درست ہو سکتا ہے جس کے بدترین نتائج اس کے قائلین نے دیکھ لیے ہیں۔

انسان کے لیے واجب ہے کہ بولنے سے پہلے کچھ سوچ بچار کر لیا کرے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ یہ موضوع اس قسم کے مسائل میں سے ہے کہ بہت سے طالب علموں کو ان کا علم نہیں ہے، اور کچھ کے پاس صرف نظری حد تک کچھ علم ہے۔ تو انسان کو لوگوں کے حالات اور ان کے نتائج دیکھ بھال کر ہی کوئی حکم لگانا چاہیے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بعض اوقات لوگوں کو کسی مباح چیز سے بھی منع فرما دیا کرتے تھے، اس لیے کہ اس منع میں ان کی مصلحت ہوتی تھی۔ مثلاً مسئلہ طلاق میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں، یعنی ایک جملہ میں تین طلاقیں، یا بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پے در پے تین جملوں میں کہی گئی طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں۔ مگر جب لوگوں میں یہ عادت بہت بڑھ گئی تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ اپنے اس طلاق کے معاملے میں، جس میں انہیں اعتدال اور ٹھہراؤ اختیار کرنا چاہیے تھا، جلدی کرنے لگے ہیں تو اگر ہم ان کی کہی ہوئی طلاقیں ان پر نافذ کر دیں تو (تو شاید یہ لوگ باز آ جائیں اور سمجھ جائیں)۔ چنانچہ انہوں نے اسے ان پر نافذ کر ہی دیا اور مذکورہ صورت میں بیویوں کی طرف رجوع کرنا منع کر دیا۔ [1] کیونکہ اس بارے میں اس طرح سے جلدی کرنا حرام تھا۔

اور اسی طرح اس مسئلہ میں میں کہتا ہوں کہ بالفرض اگر چہرہ ننگا رکھنا جائز ہو بھی تو امانت علمی اور مصلحت عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ناجائز بتایا جائے، کیونکہ یہ دور ایسا ہے کہ اس میں فتنے بڑھ گئے ہیں، اور یہ منع "تحریم وسائل" کے اصول پر ہوگی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں چہرہ ننگا رکھنا اصلاً حرام ہی ہے (جسے کہ "تحریم المقاصد" کہا جاتا ہے) اور چہرے کو ننگا رکھنے کی حرمت قدموں یا پنڈلیوں کو ننگا رکھنے کی نسبت کہیں بڑھ کر ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے چہرے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کیا ہی "عورۃ" ہے (کہ اسے چھپایا جائے)؟

[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ دیکھئے تفصیل: صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، حدیث: ۱۴۷۲۔ مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۸۷۷۔

جواب: ہاں، علماء کے صحیح تر قول کے مطابق عورت کا چہرہ قابل ستر ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: وہ کون سی زینت ہے جسے عورت اپنے اقرباء کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے؟

جواب: وہ زینت جسے عورت اپنے شوہر کے علاوہ اپنے محرم قرابت داروں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔ یہ ہے: چہرہ، دونوں ہاتھ، پازیب، بالیاں، چوڑیاں، کنگن، گلے کا ہار یا زیور پہننے کی جگہیں، سر اور پاؤں۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے بھائیوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے یا یہ صرف شوہر ہی کا حق ہے؟

جواب: عورت اپنی زینت اپنے محرم قرابت دار مردوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے، جائز ہے، یعنی وہ مرد جن سے اس کا کبھی نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: دو شادی شدہ بھائی ایک ہی مکان میں رہائش پذیر ہیں۔ کیا ان کی بیویوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے دیوروں کے سامنے کھلے چہروں کے ساتھ آ جایا کریں جبکہ دونوں بھائی بھی نیک اور صالح ہیں؟

جواب: جب ایک خاندان اکٹھے رہ رہا ہو تو واجب ہے کہ عورت اپنے غیر محرم سے پردہ کرے۔ عورت اپنے شوہر کے بھائی کے سامنے کھلے چہرے نہیں آ سکتی۔ یہ اس کے لیے بالکل اسی طرح ہے جیسے کسی گلی بازار کا کوئی اجنبی آدمی ہو۔ نہ ہی اس بھائی کے لیے جائز ہے کہ اپنی بھاوج کے ساتھ بھائی کی غیر موجودگی میں علیحدہ ہو۔ یہ ایک خاندانی مشکل مسئلہ ہے، جس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ اس شادی شدہ کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ جب وہ گھر سے باہر اپنے کام یا تعلیم وغیرہ کے لیے جائے تو پیچھے اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ علیحدہ رہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے: ((لا يخلون رجل بامرأة .)) ''ہرگز کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ علیحدہ نہ ہو۔'' [1] اور فرمایا: ((إياكم والدخول على النساء .)) ''اپنے آپ کو (اجنبی) عورتوں کے ہاں جانے سے بچاؤ۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اور دیور؟ فرمایا: ((الحمو الموت .)) ''دیور تو موت ہے۔'' [2] 'الحمو' کے لفظ میں شوہر کے سب رشتہ دار مرد مراد ہیں۔

اور عام طور پر خرابی اور برائی وبدکاری کی خبریں ایسی صورت ہی میں پیش آتی ہیں کہ شوہر اپنے کام سے

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الجهاد والسير، باب من اكتتب فی جيش فخرجت امرأته حاجة، حديث : ٢٨٤٤ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره، حديث : ١٣٤١ وسنن الترمذی، كتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث : ١١٧١ .

[2] صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة الا ذومحرم والدخول على المغيبة، حديث : ٤٩٣٤ وصحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالاجنبية والدخول عليها، حديث : ٢١٧٢ وسنن الترمذی، كتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث : ١١٧١ ومسند احمد بن حنبل : ٤/ ١٤٩، حديث : ١٧٣٨٥ .

نکل گیا، اس کی بیوی اور بھائی گھر میں اکیلے رہ گئے اور پھر شیطان انہیں ورغلا لیتا ہے اور وہ فحاشی کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ اور بھائی کی بیوی سے بدکاری، ہمسائے کی بیوی کے ساتھ بدکاری سے بھی بڑھ کر ہے۔ بہر حال یہ معاملہ انتہائی خطرناک اور قبیح ہے۔

میں آپ کو اپنے ان الفاظ سے آپ کی ذمہ داری سے آگاہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی براءت کے لیے کہنا چاہتا ہوں کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی اس کے بھائی کے پاس رہے۔ خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، خواہ بھائی کتنا ہی قابل اعتماد، کتنا ہی سچا اور نیک وصالح کیوں نہ ہو۔ کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح دورہ کرتا ہے جیسے خون، اور شہوانی جذبات، بالخصوص جوانی کے ایام میں، تو ان کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ان حالات میں کیا کیا جائے جب دو بھائی شادی شدہ ہوں اور ایک ہی گھر میں رہ رہے ہوں، تو کیا کام کے لیے جانے والا اپنی بیوی کو بھی ساتھ ہی لے جائے؟

جواب: نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے اور درمیانی دیوار میں دروازہ رکھ لیا جائے جو مقفل کیا جا سکے اور چابی شوہر کے پاس ہو اور بیوی اپنے حصے میں اور بھائی اپنے حصے میں رہے۔ ممکن ہے کہ بھائی اعتراض کرے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، کیا تجھے مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے کہیں کہ بھائی! یہ میں نے تمہاری خیر خواہی میں کیا ہے۔ شیطان انسان کے جسم میں ایسے دورہ کرتا ہے جیسے کہ خون۔ عین ممکن ہے کہ وہ تمھیں بہکا لے، اور ہوسکتا ہے کہ نفس تم پر غالب آ جائے اور جذبات پر پردہ ڈال دیں اور پھر تم ممنوع حد میں داخل ہو جاؤ۔ تو میرا یہ عمل تمہاری حمایت اور مصلحت میں ہے اور اس میں میری مصلحت بھی ہے۔

اور اگر وہ اس پر ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو، تمہیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ میں یہ مسئلہ آپ لوگوں کے سامنے واضح کر رہا ہوں تاکہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاؤں اور علم چھپانے کا مجرم نہ بنوں۔ اور تم لوگوں کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ عورت کے لیے اجنبیوں کے سامنے چہرہ کھولنا حرام ہے، نہ ہی وہ آپ کے بھائی کے سامنے کھول سکتی ہے، یہ اس کے لیے اسی طرح اجنبی ہے جیسے گلی بازار کا کوئی عام آدمی! (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے سر کا کپڑا اوڑھنی یا حجاب کیسا ہونا چاہیے، کیا اس کی کوئی خاص شکل وغیرہ ہے؟

جواب: اس کی کوئی خاص معین شکل وصورت نہیں ہے۔ تاہم مقصد یہ ہے کہ کپڑا ایسا ہو کہ عورت کے سر کو ڈھانپ لے اور نیچے کندھوں اور سینے تک کو چھپا لے۔ اور اس کی خاص شکل وصورت جیسے کہ آج کل ہے، یہ کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کی صفت معین ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک شادی شدہ مرد جس کی بیوی اور بچے ہیں، بیوی چاہتی ہے کہ شرعی پردہ کرے، مگر شوہر اس پر

اعتراض کرتا ہے۔ آپ اسے کیا نصیحت کرنا چاہیں گے؟

جواب: ہم اس مرد کو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرے اور شکر کرے کہ اسے اس طرح کی صالحہ بیوی ملی ہے جو اللہ کے حکم پر عمل کرنا چاہتی ہے، جس میں اس کی اپنی حفاظت اور فتنوں سے سلامتی ہے، جبکہ اللہ عزوجل کا بھی یہی حکم ہے کہ خود بچو اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰۗىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحريم : ٦٦/ ٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچالو، اس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ اس پر بڑے ترش رو اور قوی فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے مرد کو اپنے گھر والوں کا مسئول اور ذمہ دار بنایا ہے۔ فرمایا: ((الرجل راع فی أهله ومسئول عن رعيته .)) ''مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور ان کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا۔''[1]

تو اس شوہر کو کس طرح لائق ہے کہ اپنی بیوی کو مجبور کرے کہ شرعی لباس چھوڑ کر حرام لباس اپنا لے، جو خود اسی مرد کے لیے فتنے کا باعث ہوگا۔ اس آدمی کو اپنی ذات میں اور گھر والوں کے متعلق اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسے اس طرح کی صالحہ بیوی کی نعمت عنایت فرمائی ہے۔ اور اس بیوی کے لیے بھی قطعاً جائز نہیں ہے کہ شوہر کی بات تسلیم کرے۔ کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کو اپنا کپڑا لٹکانے کا حکم بطور استحباب ہے یا بطور وجوب؟ اور اگر عورت اپنے کپڑے کو اونچا رکھے مگر نیچے جرابیں پہن لے، اس طرح کہ اس کی پنڈلیوں سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو، تو کیسا ہے؟ اور عورت نے جو اپنا کپڑا لٹکانا ہے تو کیا یہ گھٹنے سے نیچے کرنے کا حکم ہے یا ٹخنوں سے؟

جواب: مسلمان خاتون سے مطالبہ یہ ہے کہ اجنبی مردوں سے اپنا تمام جسم چھپائے۔ اس لیے اسے رخصت دی گئی ہے کہ اپنے قدموں کو چھپانے کی غرض سے ایک ہاتھ کے برابر کپڑا نیچے لٹکائے۔ جبکہ اس کے بالمقابل مردوں کو ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت ہے اور یہ دلیل ہے کہ عورت کا سارا جسم چھپانا شرعاً مطلوب ہے۔ اور اگر

[1] صحيح بخاري، كتاب الوصايا، باب تاويل قول الله تعالىٰ من بعد وصية يوصى بها، حديث : ٢٦٠٠۔ صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضلة الامام العادل وعقوبة الجائز، حديث : ١٨٢٩ وسنن الترمذى، كتاب الجهاد، باب الامام، حديث : ١٧٠٥ .

وہ جرابیں بھی پہن لے تو یہ اس کے پردے میں اور زیادہ احتیاط کے معنی میں ہوں گی، اور یہ ایک اچھی بات ہے۔ مگر ساتھ ہی چاہیے کہ اس کا کپڑا لٹکا ہوا ہو، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ ❶ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جس میں علماء کا کچھ اختلاف ہے۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ اسبال (لٹکانا) وہی حرام ہے جو تکبر کی نیت سے ہو۔ جبکہ ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر اسبال (لٹکانا) حرام ہے، خواہ تکبر کی نیت سے ہو یا نہ ہو۔ اور یہ دوسرا قول ہی راجح ہے۔ اور ہماری ترجیح درج ذیل دلائل کے تقابل سے واضح ہوگی۔ جمہور کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظان امت حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے تکبر سے اپنا کپڑا لٹکایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری چادر کا ایک پلو ڈھیلا ہو جاتا ہے، سوائے اس کے کہ میں اس کا زیادہ ہی اہتمام کروں۔ آپ نے فرمایا: ''تم ان میں سے نہیں ہو جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں۔'' ❷

۲۔ صحیحین کے علاوہ مسند احمد میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس بندے کی طرف نظر نہیں کرے گا جو تکبر سے اپنا ازار لٹکاتا ہو۔'' ❸ اسی روایت میں جو بخاری میں ہے، یوں ہے کہ ''ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے۔'' ❹

اور ان کے بالمقابل جو کہتے ہیں کہ اسبال (کپڑا لٹکانا) ہر حال میں حرام ہے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ

---

❶ اس مقام پر شاید فضیلۃ الشیخ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا (ازار) تکبر کرتے ہوئے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائیں گے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ عورتیں اپنا دامن کہاں تک لٹکائیں؟ فرمایا: ایک بالشت۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا اس سے بھی ان کے پاؤں نظر آئیں گے۔ فرمایا کہ ایک ہاتھ کے برابر لٹکا لیں اور اس سے زیادہ نہ کریں۔ سنن الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی جر ذیول النساء، حدیث: ۱۷۳۱ وسنن النسائی، کتاب الزینة، باب ذیول النساء، حدیث: ۵۳۳۷، ۵۳۳۸.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضل الصحابة، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لو کنت متخذا خلیلا. حدیث: ۳٤٦٥۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم جر الثوب خیلاء ..... حدیث: ۲۰۸۵۔ مسلم کی روایت میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء فی اسبال الازار، حدیث: ٤۰۸۵۔ سنن الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی جر ذیول النساء، حدیث: ۱۷۳۱.

❸ مسند أحمد بن حنبل: ۲/ ۵۰۳، حدیث: ۱۰۵٤۸.

❹ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین فهو فی النار، حدیث: ۵٤۵۰ وسنن النسائی، کتاب الزینة، باب ما تحت الکعبین من الازار، حدیث: ۵۳۳۱.

قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ ہی انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ بہت ہی گھاٹے اور خسارے میں رہے وہ لوگ! آپ علیہ السلام نے دوسری اور تیسری بار بھی یہی بات دہرائی۔ تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے بھی پوچھا: کون ہیں وہ لوگ اے اللہ کے رسول! بہت ہی گھاٹے اور خسارے میں رہے وہ لوگ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی ازار لٹکانے والا، احسان کر کے جتلانے والا اور جھوٹی قسم سے اپنا مال بیچنے والا۔'' [1]

اس حدیث کی شرح میں امام شوکانی رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے، کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مطلق ''المسبل'' کا ذکر آیا ہے، اور حدیث ابن عمر وابی ہریرہ میں مقید آیا ہے۔ لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ مگر بات ایسے نہیں ہے، بلکہ "المسبل" عام معرف باللام ہے، جیسے کہ خود شوکانی رحمہ اللہ نے کئی ایک مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اور حدیث 'من جر ثوبه خيلاء او بطرا'' یہ اس عام کے اجزا ہیں، اور یہاں عام کے افراد میں سے ایک کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً آپ علیہ السلام دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے، اور کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہو رہا، لیکن ہاں بڑی بھی ہے۔ ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے طہارت نہیں کیا کرتا تھا، اور دوسرا لوگوں میں چغل خوری کرتا تھا۔'' [2]

ایک اور مثال:...... حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنی شرمگاہ کو چھوا، وہ نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ وضو کر لے۔'' [3] امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں بھی ایسا ہی ہے۔ [4]

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حنابلہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ ''جو اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگا بیٹھا ہو وہ وضو کرے۔'' اس پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا جیسے کہ منتقی الاخبار کی شرح دلیل الاوصاف میں ہے کہ یہ ارشاد عام ہے کہ ''آدمی اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے یا کسی دوسرے کی شرمگاہ کو۔'' یہ حکم دونوں کو شامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں کا مخرج ایک ہے، اس لیے دوسری روایت پہلی سے مقید ہونی چاہیے۔

[1] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار والمن بالعطية، حديث: ١٠٦ وسنن أبى داود، كتاب اللباس، باب ما جاء فى اسبال الازار، حديث: ٤٠٨٧ وسنن الترمذى، كتاب البيوع، باب فيمن حلف على سلعة كاذبة، حديث: ١٢١١ وسنن النسائى، كتاب الزكاة، باب المنان بما اعطى، حديث: ٢٥٦٣.

[2] صحيح بخارى، كتاب الوضوء، باب ما جاء فى غسل البول، حديث: ٢١٥ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه، حديث: ٢٩٢ وسنن أبى داود، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول، حديث: ٢٠.

[3] سنن الترمذى، كتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: ٨٢ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٤٠٦، حديث: ٢٧٣٣٦۔ المستدرك للحاكم: ١/ ٢٣٢، حديث: ٤٧٦.

[4] مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٤٠٦، حديث: ٢٧٣٣٥، ايضا: ٥/ ١٩٤، حديث: ٢١٧٣٥

اور ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یہ حدیث پہلی سے بالکل مختلف ہے ((ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة...... الخ))

۲۔ دوسری حدیث جو سنن ابی داود اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور سند اس کی صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کی ازار آدھی پنڈلی تک ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں اگر یہ آدھی پنڈلی سے لے کر ٹخنوں کے درمیان تک رہے۔ اور جو ٹخنوں سے نیچے ہے تو وہ آگ میں ہے۔'' [1]

۳۔ تیسری حدیث طبرانی میں ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے ایک چادر باندھی ہوئی تھی اور دوسری اوپر اوڑھی ہوئی تھی، نیچے کی چادر لٹک رہی تھی، تو نبی علیہ الصلاۃ والسلام اس کے کپڑے کا پلو، تواضع سے، اٹھانے لگے اور کہہ رہے تھے ''اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے، تیرے بندے کا بیٹا ہے، تیری بندی کا بیٹا ہے۔'' حتیٰ کہ عمرو بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میری پنڈلیاں بہت پتلی اور کمزور ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''اے عمرو! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہترین پیدا فرمایا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسبال کو پسند نہیں کرتا۔'' [2]

اس کے ساتھ وہ حدیث بھی ملا لیجیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اپنی ازار کو آدھی پنڈلی تک رکھو، اگر انکار کرو تو ٹخنوں تک، اور اپنے آپ کو اسبال سے بچاؤ، بیشک اسبال تکبر ہے اور اللہ کو تکبر پسند نہیں ہے۔'' [3]

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ازار لٹکانا تکبر ہے۔'' تو ان احادیث کی روشنی میں میں کہتا ہوں کہ مذکورۂ بالا اقوال میں سے دوسرا قول ہی صحیح ہے یعنی ازار لٹکانا حرام ہے۔ جبکہ جمہور علمائے کرام یہ شرط کرتے ہیں کہ یہ تبھی حرام ہے، جب تکبر سے کرے۔

خیال رہے کہ اسبال (لٹکانا، حد سے زیادہ لمبا کرنا) جس طرح ازار (نیچے کی چادر) میں ہوتا ہے، اسی طرح قمیص اور پگڑی میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسبال ازار، قمیص اور پگڑی میں ہوتا ہے۔ جس نے اپنا کپڑا تکبر سے لٹکایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر نہیں کرے گا۔'' [4]

---

[1] سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء فی قدر موضع الازار، حدیث: ٤٠٩٣ وسنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب موضع الازار أین هو، حدیث: ٣٥٧٣ ومسند احمد بن حنبل: ٣/ ٥، حدیث: ١١٠٢٣.

[2] المعجم الکبیر: ٨/ ٢٣٢، حدیث: ٧٩٠٩ ومسند الشامیین: ٢/ ٢٢٧، حدیث: ١٢٣٧.

[3] سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء فی اسبال الازار، حدیث: ٤٠٨٤۔ السنن الکبری للبیهقی: ١٠/ ٢٣٦، حدیث: ٢٠٨٨٢ المعجم الکبیر للبیهقی: ٧/ ٦٥، حدیث: ٦٣٨٦.

[4] سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء فی قدر موضع الازار، حدیث: ٤٠٩٤ وسنن النسائی، کتاب الزینة، باب اسبال الازار، حدیث: ٥٣٣٤ وسنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب طول القمیص کم هو، حدیث: ٣٥٧٦.

اور عورتوں کے لیے، بعض کے بقول، علماء کا اجماع ہے کہ عورت کو اپنی ازار لٹکانی چاہیے۔ شاید اس اجماع کی دلیل سنن نسائی اور ترمذی کی وہ حدیث ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! عورتیں اپنی چادروں کے پلوؤں کا کیا کریں؟'' فرمایا: ''ایک بالشت بھر لٹکا لیا کریں۔'' انہوں نے کہا: ''تب تو ان کے پاؤں نمایاں ہوں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''ایک ہاتھ لٹکایا کریں، اس سے زیادہ نہ لٹکائیں۔''[1] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں ایک مسلمان خاتون ہوں، بچپن ہی سے ایمان میرے دل میں گھر کیے ہوئے ہے، میں نے ایک پابند اسلام گھرانے میں پرورش پائی ہے، پانچ وقت کی پابند صلاۃ ہوں، جو بھی قدم اٹھاتی ہوں تو اللہ تعالیٰ میری نظروں کے سامنے ہوتا ہے، میں یوم حساب کے متعلق بہت سوچتی رہتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بھی بہت ڈرتی ہوں، مگر اس سب کے باوجود میں حجاب نہیں پہن سکی ہوں، یہی سوچتی ہوں کہ مستقبل میں پہن لوں گی، تو کیا اس پر میرے لیے آخرت میں جہنم کی آگ کی سزا ہے؟

جواب: اس بیان میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ:...... یہ کہ خاتون نے اپنے متعلق دین کی استقامت کا بیان کیا ہے کہ یہ ایک صالح ماحول میں پروان چڑھی ہے۔ اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے احسان کا اظہار ہے، اور یہ کہ دوسرے بھی یہی راہ اختیار کریں تو یہ ایک اچھی نیت ہے، جس پر اسے اجر ملے گا، اور شاید یہ اس معنی میں شمار ہو جو سورۂ والضحیٰ میں بیان ہوا ہے: ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحی: ۹۳/ ۱) ''اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کر۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جو شخص اسلام میں کسی اچھی سنت (خصلت اور طریقے) کی ابتدا کرے تو اس کے لیے اپنا اجر وثواب ہے، اور ان کا ثواب بھی ہے جو قیامت تک کے لیے اس پر عمل کرتے رہیں گے۔''[2]

اور اگر اس بیان میں مقصد صرف اپنی پاکیزگی بیان کرنا ہے، اپنے تئیں بڑا بننا ہے اور اپنے عمل کا اللہ پر احسان رکھنا ہے تو یہ نیت بڑی خطرناک ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ سائلہ نے اس نیت سے یہ باتیں ذکر نہیں کی ہوں گی۔

دوسرا مسئلہ:...... کہ یہ خاتون حجاب کے بارہ بے پروا ہے جیسے کہ اس نے اپنے متعلق خود بیان کیا ہے اور

---

[1] سنن الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی جر ذیول النساء، حدیث: ۱۷۳۱ وسنن النسائی، کتاب الزینة، باب ذیول النساء، حدیث: ۵۳۳۷، ۵۳۳۸.

[2] سنن الترمذی، کتاب العلم، باب فیمن دعا الی هدی فاتبع أو إلی ضلالة، حدیث: ۲۶۷۵ وسنن ابن ماجه، افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابة والعلم، باب من سن سنة حسنة أو سیئة، حدیث: ۲۰۳ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۵۰٤، حدیث: ۱۰۵٦۳.

پوچھا ہے کہ کیا اسے آخرت میں اس پر عذاب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہو، اگر اس کی نیکیاں اس کے گناہوں کا کفارہ نہ بن سکیں، تو ایسا بندہ بڑی بہ خطرناک حالت سے دو چار ہے۔ اگر یہ معصیت شرک وکفر ہو جو ملت اسلام سے نکل جانے کا باعث ہو، تو ایسے مشرک و کافر کے لیے عذاب لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء : ٤/ ٤٨)

''اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا، اور جس نے بھی شرک کیا اس نے بہت بڑا گناہ باندھا۔''

شرک وکفر کے علاوہ دوسرے گناہ جو انسان کو ملت سے نکالنے والے نہ ہوں، اور بندے کی نیکیاں بھی اس کے گناہوں کا کفارہ نہ بن سکیں، تو ایسا بندہ اللہ کی مشیت و مرضی کے تحت ہے، چاہے تو بخش دے اور چاہے تو نہ بخشے اور حجاب (پردہ) جس کا اہتمام کرنا ایک مسلمان خاتون کے لیے لازم ہے یہی ہے کہ عورت اپنا سارا جسم شوہر اور محارم کے علاوہ سب اجنبیوں سے چھپایا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ (الاحزاب : ٣٣/ ٥٩)

''اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر پردے کی چادریں اوڑھے رکھا کریں۔ یہ بات زیادہ قریب ہے اس کے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور انہیں کوئی اذیت نہیں دی جائے گی۔''

آیت کریمہ میں بیان کی گئی ''جلباب'' سے مراد وہ بڑی چادر ہوتی ہے جو عورت کے پورے بدن کو ڈھانپ لے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی سب عورتوں سے کہیں کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لیا کریں تاکہ اپنے چہرے اور گریبان بھی چھپائیں۔

کتاب وسنت اور صحیح فکر ونظر کے دلائل سے ثابت ہے کہ خاتون پر واجب ہے کہ وہ اجنبی اور غیر محرم مردوں سے اپنے چہرہ چھپائیں سوائے شوہر کے۔ کسی بھی عقلمند کے لیے اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے کہ جب اسے اپنا سر، اپنے پاؤں اور پاؤں کی پوشیدہ زینت پازیب وغیرہ چھپانے کے لیے اپنے پاؤں تک کی اجازت نہیں ہے تو چہرہ چھپانا اس سے بھی زیادہ واجب ہے، کیونکہ سر کے بال یا پاؤں کے ناخن ظاہر ہونے کے مقابلے میں چہرے کا ننگا ہونا کہیں زیادہ فتنے کا باعث ہے۔

اگر کوئی صاحب ایمان عقل مند اس شریعت کے اسرار و حکم میں ذرا بھی غور کرے تو اس کے لیے واضح

ہوگا کہ یہ بات نہایت غیر معقول ہے کہ کسی کو اپنا سر، گردن، بازو، پنڈلیاں اور پاؤں چھپانے کا حکم تو دیا جائے مگر اسے اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنے خوبصورت ہاتھ اور حسین و جمیل چہرہ ننگا رکھے۔ بلاشبہ یہ بات خلاف حکمت ہے۔

اگر لوگوں کے حالات میں غور و فکر کیا جائے تو پتا چلے گا کہ چہرے کے معاملے میں غفلت کا کیا نتیجہ نکلا ہے اور ہمارے مسلمان ملکوں ہی میں عورتیں اپنے چہرے تو کیا، اپنا سر، گردن، گریبان اور بازو بے دھڑک کھولے بازاروں میں گھومتی ہیں اور انہیں کسی قسم کی پروا تک نہیں ہوتی جبکہ دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں اپنے چہروں کا پردہ کریں۔

تو اے خاتون مسلم! آپ پر واجب ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور ایسا لازمی حجاب اپنائیں جس میں کسی قسم کا کوئی فتنہ نہ ہو۔ آپ کو چاہیے کہ اپنے شوہر اور اپنے محرموں کے علاوہ سب سے اپنا سارا جسم چھپائیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے لیے اپنا چہرہ کھلا رکھنے اور غیر محرم لوگوں میں آنے جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: الحمد للہ اس حقیقت میں کوئی اخفا نہیں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ اور سلف صالحین کی خواتین دور نبوت اور عہد خلفائے راشدین میں بلا جھجک کھلے منہ ہرگز نہ نکلا کرتی تھی۔ کتاب و سنت کے دلائل اور سلف امت کے بزرگوں کے اقوال اس بارے میں بہت ہی واضح اور بڑی کثرت سے ثابت ہیں۔ اور اللہ عزوجل نے مسلمان خواتین کو حکم دیا ہے کہ:

﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۹)

''اپنی پردے کی چادریں اپنے اوپر اوڑھے رہیں۔''

اس کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ عورت اجنبی مردوں سے اپنا چہرہ چھپائے اور اس بارے میں رعایت صرف بڑی بوڑھیوں کو ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کرنے والی ہوں۔ فرمایا:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِيْنَةٍ﴾ (النور: ۲۴/ ۶۰)

''اور بیٹھ رہنے والی عورتیں جنہیں اب کسی نکاح کی امید نہیں ہے، اگر وہ اپنے (حجاب کے) کپڑے اتار دیں تو ان پر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔''

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ((المراۃ عورۃ)) ''عورت سراسر قابل ستر ہے۔''[1] اور جو حصہ قابل ستر ہے اس کا مکمل چھپانا واجب ہے، اس کا کوئی حصہ بھی ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

[1] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب کراهية الدخول على المقيبات (باب منه)، حديث: ۱۱۷۳ وصحيح ابن خزيمة: ۳/ ۹۳، حديث: ۱۶۸۵.

اور امام ابن منذر رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عورت بحالت احرام اپنا سر چھپائے، بال نمایاں نہ کرے، اور اپنے چہرے پر بھی ہلکا سا کپڑا لٹکائے تاکہ اجنبی لوگوں کی نظروں سے پردہ رہے۔ ایسے ہی علامہ ابن ارسلان نے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ عورتوں کو کھلے منہ نکلنا منع ہے۔ اگر ہم اس مسئلے میں تمام دلائل و اقوال جمع کرنے لگیں تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ مگر جو لکھا گیا ہے وہ طالب حق کے لیے کفایت کرتا ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: اگر کوئی کسی مسلمان پردہ دار خاتون کا مذاق اڑائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص کسی مسلمان مرد یا عورت کا صرف اس وجہ سے مذاق اڑائے کہ وہ شریعت اسلامیہ پر عمل کرتا ہے/کرتی ہے، اس کا تعلق شرعی پردے سے ہو یا کسی اور عمل سے، تو ایسا آدمی کافر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک مجلس میں ایک شخص نے (مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہوئے) یوں کہا: میں نے اپنے قاریوں جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ لوگ بڑے بڑے پیٹوں والے، زبانوں کے بڑے جھوٹے اور دشمن سے مقابلے میں سب سے بڑھ کر بزدل ہیں۔ اس پر ایک شخص نے اس سے کہا: تو جھوٹ بکتا ہے بلکہ تو خود منافق ہے، میں تیری یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور کہوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچ گئی اور آیات بھی نازل ہوئیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر میں نے اسے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوے سے چمٹا ہوا تھا، پتھر اسے زخمی کر رہے تھے اور وہ کہے جا رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو بس ہنسی کھیل کی بات (مذاق) کر رہے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

﴿أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝﴾

(التوبة: ٩/ ٦٥-٦٦)

"کیا بھلا تم اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟ معذرتوں کی کوئی ضرورت نہیں، تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ اگر ہم نے تمہارے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا تو دوسرے کو سزا دیں گے، اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔"[1]

ان آیات میں اہل ایمان کے ساتھ مذاق کو اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرنا قرار دیا گیا ہے۔ اور حق کی توفیق اللہ کے پاس ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں ایک پریشان حال لڑکی ہوں، ایک ایسے گھرانے میں ہوں جس پر لادینی غالب ہے۔ میں حجاب لیا کرتی تھی، مگر مجھ پر ازحد سختی کی گئی، مذاق اڑایا گیا، حتیٰ کہ انہوں نے مجھے مارا بھی، اور گھر سے نکلنے پر پابندی لگا

[1] المعجم الكبير للطبراني: ١٩/ ٨٥، حديث: ١٧٣.

دی، تو اس طرح مجھے مجبوراً حجاب چھوڑنا پڑا۔ اب چادر لیتی ہوں اور چہرہ میرا کھلا ہوتا ہے۔ تو میں کیا کروں؟ کیا گھر سے نکل جاؤں؟ مگر باہر وحشی انسان بہت زیادہ ہیں۔ میں آپ سے رہنمائی کی خواستگار ہوں؟

جواب: اس سوال میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ:...... گھر والوں کا اس لڑکی کے ساتھ برا برتاؤ۔ یہ لوگ یا تو حق سے جاہل ہیں یا جانتے ہیں مگر متکبر ہیں، تب تو یہ ایک وحشت ناک کیفیت ہے۔ انہیں اس طرح کا سلوک کسی طرح جائز نہیں۔ کسی نوجوان لڑکی کا شرعی حجاب لینا نہ تو کوئی عیب ہے نہ ہی کوئی گستاخی۔ انسان اپنی شرعی حدود میں آزاد ہے (جو کرنا چاہتا ہے کرے، اور جو نہیں کرتا اپنا انجام خود دیکھ لے گا)۔ یہ لوگ اگر اس مسئلے سے جاہل اور ناواقف ہیں کہ پردہ کرنا ایک عورت کے لیے واجب ہے، تو ایسے لوگوں کو جاننا چاہیے (اور انہیں بتایا جانا چاہیے) کہ کتاب وسنت کی رو سے یہ واجب ہے اور اگر یہ لوگ جاننے بوجھنے کے باوجود اس سے اعراض کرتے ہیں تو یہ تکبر ہے اور بڑی مصیبت، جیسے کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے:

فإن كنت لا تدري فتلك مصيبة
وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم

"اگر تجھے خبر نہیں اور تو لاعلم ہے تو یہ ایک مصیبت ہے۔ اور اگر تجھے علم ہے تو یہ اس سے بڑھ کر مصیبت ہے۔"

دوسرا مسئلہ:...... اس لڑکی سے متعلق ہے۔ ہم اسے یہی کہیں گے کہ آپ پر واجب ہے کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کریں۔ اگر گھر والوں کے علم میں لائے بغیر حجاب استعمال کر سکتی ہیں تو استعمال کریں لیکن اگر وہ مارکٹائی اور حجاب اتارنے کے لیے مجبور کرنے تک آ گئے ہیں (اور اسے اتارنا پڑتا ہے) تو اس پر آپ کو کوئی گناہ نہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

(النحل: ١٦/ ١٠٦)

"جس شخص نے ایمان لے آنے کے بعد کفر کیا، سوائے اس کے جس کا دل ایمان پر مطمئن تھا (تو اس پر کوئی حرج نہیں)، لیکن جس نے کھلے دل سے کفر کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

اور فرمایا:

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵)

''تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جس میں تم سے خطا ہوئی، لیکن جو تمہارے دلوں نے جان بوجھ کر کیا (تو اس کا مواخذہ ہے) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

بہرحال جہاں تک ہو سکے اسے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔

اور گھر والے اگر پردے کی حکمت اور فوائد سے آگاہ نہ ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ انہیں بتائے کہ مومن کے ذمے سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے والا ہو، اسے ان حکموں کی حکمتیں اور فوائد سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، مسلمان کے ذمے ان کا ماننا ہے اور خود یہ اطاعت ہی سب سے بڑی حکمت ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۶)

''کسی صاحب ایمان مرد یا عورت کو قطعاً لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول نے کسی بات کا فیصلہ کر دیا ہو تو انہیں اپنے معاملے میں اپنا کوئی اختیار باقی ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ گمراہ ہوا واضح گمراہ ہونا۔''

یہی وجہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ حائضہ عورت روزوں کی قضا دیتی ہے لیکن نمازوں کی قضا نہیں دیتی؟ انہوں نے جواب میں (یہی) کہا: ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہ عارضہ لاحق ہوتا تھا تو ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ روزوں کی قضا دیں، نمازوں کی قضا کا نہیں کہا جاتا تھا۔''[1]

اس میں انہوں نے محض اللہ کا حکم (اور اس کی اطاعت ہی) کو حکمت بتایا ہے۔

بہرحال مسئلہ حجاب کی حکمتیں اور فوائد بالکل واضح ہیں کہ عورت کا اپنے حسن و جمال کو نمایاں کرنا ایک بڑے فتنے کا باعث ہے، اس سے گناہ اور بے حیائی آتی ہے۔ اور جب گناہ اور بے حیائی عام ہو جائیں تو یہ ہلاکت اور تباہی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میرے اسلامی ملک میں بالائی سطح پر یہ قرار پایا ہے کہ لڑکیوں اور تمام عورتوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ حجاب اور پردے اتار پھینکیں، حتیٰ کہ سر کا کپڑا (سکارف) بھی نہ لیں۔ خیال رہے کہ جو اس کا انکار کرے گی سزا کی مستحق ہو گی، مثلاً سکول سے نکال دیا جانا، ملازمت سے معزول کر دیا جانا یا قید وغیرہ۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض، حدیث: ۳۳۵ وسنن الترمذی، کتاب الصوم، باب قضاء الحائض الصیام دون الصلاۃ، حدیث: ۷۸۷ وسنن النسائی، کتاب الصیام، باب وضع الصیام عن الحائض، حدیث: ۲۳۱۸۔

جواب: یہ مصیبت جو آپ کے ملک میں آئی ہے ان چیزوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا اور ان کا امتحان لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (العنکبوت: ۲۹/ ۲-۳)

''کیا لوگوں نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ ایسے ہی چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ بلاشبہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا ہے، اور اللہ بالضرور نمایاں کرے گا ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے، اور ایسے لوگوں کو بھی ظاہر کرے گا جو جھوٹے ہیں۔''

اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کی مسلمان خواتین کو اس مسئلے میں حکام کے ان احکام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہیے کیونکہ گناہ کے حکم کی کوئی اطاعت نہیں، وہ ناقابل تسلیم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

(النساء: ٤/ ٥٩)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے حکم والوں کی (یعنی حکام کی)۔''

اگر آپ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کریں تو دیکھیں گی کہ اللہ اور رسول کے لیے لفظ ''اطیعوا'' دو بار آیا ہے مگر اولی الامر منکم کے ساتھ یہ لفظ نہیں لایا گیا، جو دلیل ہے کہ حکام کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ اگر ان حکام کی طرف سے کوئی ایسا حکم آ جائے جو اللہ اور رسول کے خلاف ہو تو اس کی کوئی اطاعت نہیں ہو گی۔ ایسا حکم نہ سنا جائے گا، نہ مانا جائے گا۔ جیسے کہ کہا گیا ہے:

((لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق.)) [1]

''خالق کی معصیت اور نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

اور عورتوں اس مسئلے میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، انہیں ان پر صبر کرنا واجب ہے، اور اس صبر کے لیے بھی اللہ ہی سے توفیق مانگنی چاہیے۔ ہم ایسے حکام کے لیے بھی اللہ سے دعا گو ہیں کہ اللہ انہیں حق سمجھائے۔ اور ان لوگوں کا یہ جبر میرے خیال میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی ہے جب عورت کو اپنے گھر تک محدود ہو جانا ممکن ہو، تاکہ وہ ان مشکلات سے محفوظ رہے۔

اور ایسی تعلیم جس کے نتیجے میں اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہو، جائز نہیں ہے۔ بلکہ چاہیے کہ لڑکیاں ایسی تعلیم

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۸/ ۱۷۰، حدیث: ۳۸۱ ومصنف ابن ابی شیبة: ٦/ ٥٤٥، حدیث: ۳۳۷۱۱.

حاصل کریں جو ان کے لیے دین و دنیا میں مفید ہو، جو غالباً گھر کے اندر ہو سکتی ہے۔

مختصر یہ کہ کسی معصیت اور غیر شرعی کام میں حکام کی اطاعت قطعاً جائز نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بہت سی عورتیں خریداری کے لیے بازار جاتی ہیں اور اس دوران میں ان کے ہاتھ اور ان کی کلائیاں تک غیر محرموں کے سامنے کھلی ہوتی ہیں، اور بازاروں میں یہ مصیبت بہت زیادہ ہے۔ آپ ان کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جواب: بلاشبہ عورت کا بازار میں اپنے ہاتھ اور کلائیاں نمایاں کرنا بہت برا عمل ہے اور باعث فتنہ ہے۔ بالخصوص کئی عورتوں نے انگلیوں میں انگوٹھیاں اور کلائیوں میں کنگن بھی پہن رکھے ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا مومنات کے لیے فرمان ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

''اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مومنہ خاتون اپنی کسی زینت کو ظاہر نہ ہونے دے۔ اور اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کی پوشیدہ زینت کا علم ہو جائے۔ تو اس عورت کا کیا حال ہوگا جو اپنے ہاتھوں کی زینت لوگوں کو خود دکھاتی پھرتی ہے؟

میں اہل ایمان خواتین کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور اپنی ہوا (خواہش نفس) پر ہدیٰ (ہدایت) کو ترجیح دیں، جس کا اللہ نے اپنے نبی کی عورتوں کو حکم دیا ہے، جبکہ وہ اہل ایمان کی مائیں اور ہر طرح کے آداب اور عفت میں تمام عورتوں سے بڑھ کر تھیں۔ فرمایا:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب : ٣٣/ ٣٣)

''اور اپنے گھر میں ٹکی رہو اور پہلے دور جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہل بیت (نبی)! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر کے تمہیں اچھی طرح پاک صاف بنا دے۔''

اور میں اہل ایمان مردوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں، جنہیں اللہ نے عورتوں کا نگہبان بنایا ہے، کہ وہ اپنی اس امانت کی ذمہ داری کو جو انہوں نے اپنے ذمے لی ہے اور اللہ نے انہیں اس کا ذمہ دار بنایا ہے، بخوبی ادا کرنے والے بنیں، اپنی عورتوں کو حق و ہدایت کی تلقین کرتے رہا کریں، اور ایسے تمام امور سے باز رکھیں جو کسی بھی طرح فتنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ آپ لوگ اپنی ان ذمہ داریوں کے متعلق پوچھے جائیں گے۔ آپ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہو، ذرا غور کریں وہاں کیا جواب دیں گے:

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا﴾ (آل عمران : ٣/ ٣٠)

''وہ دن (آنے والا ہے) جب ہر شخص اپنے اچھے اعمال کو اپنے سامنے پائے گا اور (اسی طرح) اپنے برے اعمال کو بھی۔ وہ یہ تمنا کرے گا کاش اس کے اور اس کے برے اعمال کے درمیان دور دراز کا فاصلہ ہوتا۔''

میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ سب عام وخاص تمام مسلمانوں کی، مردوں عورتوں کی، چھوٹوں بڑوں کی اور سب کی اصلاح فرمائے اور ان کے دشمنوں کے مکر و تدابیر کو ان ہی پر پلٹ دے۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی سخی اور مہربان ہے۔ اور سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کے لیے گھر سے باہر نکلتے ہوئے پردے کے لیے جرابیں اور دستانے پہننا جائز ہے؟ یا بدعت ہے؟ اور کیا جب ہاتھوں پر کوئی زینت نہ ہو تب بھی اجنبی کا انہیں دیکھنا حرام ہے؟

جواب: عورت کے لیے ایسا لباس پہننا واجب ہے جو اس کے بدن اور محاسن کو چھپا لے، بالخصوص جب اس نے بازار وغیرہ جانا ہو۔ اس میں پاؤں کی جرابیں اور ہاتھوں کے دستانے بھی شامل ہیں، تاکہ اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ جو فتنے کا باعث ہوسکتا ہو ظاہر نہ ہوں۔ البتہ ضرورت کے تحت ہاتھوں کو دستانے کے بغیر بھی ظاہر کرنا جائز ہے، جبکہ انہیں مہندی یا زیور وغیرہ سے مزین نہ کیا گیا ہو۔ ''ہاتھ'' لوگوں میں بالعموم ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: عورت کا بازار میں اپنے ہاتھوں کو ظاہر کرنا کیسا ہے؟ کیا سیاہ دستانے پہننا افضل ہے یا سفید؟ جبکہ کئی کہتے ہیں کہ ہاتھوں کے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ دستانے پہننا گویا اپنے آپ کو خواہ مخواہ دیندار ظاہر کرنے والی بات ہے۔ اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: عورت پر واجب ہے کہ اپنا چہرہ، اپنے ہاتھ، بلکہ سارا بدن غیر محرم لوگوں سے چھپائے۔ اور جب بازار جانا ہو تو یہ عمل اور زیادہ تاکیدی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسے حکم ہے کہ اپنے کپڑے لمبے کرے اور لٹکائے تاکہ اس کی ایڑیاں بھی چھپ جائیں۔ تو (ان کے مقابلے میں) ہاتھوں کو چھپانا اور زیادہ ضروری ہے۔ جب ہاتھوں کے ظاہر ہونے میں فتنہ ہے تو عورت پر واجب ہے کہ انہیں غیر محرموں سے چھپائے، خواہ اپنی چادر سے عبا میں چھپائے یا دستانوں سے۔ (صالح بن فوزان)

سوال: جو بچیاں ابھی بالغ نہ ہوئی ہوں ان کے متعلق کیا حکم ہے، کیا وہ بے پردہ نکل سکتی ہیں؟ اور کیا انہیں اوڑھنی کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: ان بچیوں کے سرپرستوں اور ذمہ داروں پر واجب ہے کہ انہیں اسلامی آداب کا پابند بنائیں۔ چاہیے

کہ انہیں حکم دیں کہ اپنی زینت چھپا کے باہر نکلیں، تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو، اور وہ بھی عمدہ اخلاق وآداب کی پابند بن جائیں، اور معاشرے میں کسی فساد کا باعث نہ بنیں۔ انہیں کہا جائے کہ اوڑھنی لے کر نماز پڑھیں۔ نابالغ لڑکی اگر اوڑھنی کے بغیر بھی نماز پڑھ لے گی تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار .)) [1]

"کسی بالغ لڑکی کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتا ہے۔" (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اس زوجہ کا کیا حکم ہے جو اپنے شوہر کے بھائی کے سامنے آجاتی ہے جبکہ وہ بھائی بھی قابل اعتماد اور صالح ہو؟

جواب: شوہر کا بھائی محض اس وجہ سے کہ وہ شوہر کا بھائی ہے، بیوی کے لیے محرم نہیں بن جاتا ہے۔ لہٰذا بیوی کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ اپنی وہ زینت جو وہ اپنے محرم رشتہ داروں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے، شوہر کے بھائی کے سامنے ظاہر کرے، خواہ وہ کتنا ہی نیک صالح اور قابل اعتماد کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام رشتہ دار وضاحت سے بیان کر دیے ہیں جن کے سامنے عورت اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

"اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو از خود ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں، اور اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: خاوند، باپ، خاوند کے باپ (سسر)، بیٹے، اپنے شوہروں کے بیٹے (یعنی سوتیلے بیٹے)، بھائی بھتیجے، بھانجے، اپنے میل جول والی عورتیں، غلام جن کے وہ مالک ہوں، اپنے خادم مرد جو عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں، اور ایسے لڑکے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔ اور اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہوئے نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے اور اے

[1] سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب المرأة تصلی بغیر خمار، حدیث : ٦٤١ وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب اذا حاضت الجارية لم تصل الا بخمار، حدیث : ٦٥٥ وسنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب لا تقبل صلاة المرأة الا بخمار، حدیث : ٣٧٧ ومسند احمد بن حنبل : ٦/ ٢١٨، حدیث : ٢٥٨٦٧ .

ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو، توقع ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اور شوہر کا بھائی محض اس وجہ سے کہ اس کا بھائی ہے، مندرجہ بالا رشتوں میں سے نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں صالح اور غیر صالح کا کوئی فرق نہیں رکھا۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ: "نبی ﷺ سے "دیور/جیٹھ" کے متعلق پوچھا گیا، تو فرمایا: 'الحمو الموت' "دیور/جیٹھ تو موت ہے۔" [1] اور عربی زبان میں "حمو" سے مراد شوہر کے وہ بھائی بند ہوتے ہیں جو بیوی کے محرم نہ ہوں۔

الغرض مسلمان کو اپنے دین اور اپنی کرامت کی خوب حفاظت کرنی چاہیے۔ (مجلس افتاء)

سوال: سورۃ النور کی آیہ مبارکہ ۳۱ ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ....الاية﴾ میں جن محرم رشتوں کا بیان آیا ہے کہ عورت ان کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے، کیا یہی خاص اور متعین رشتے ہیں، یا ان میں کوئی اور بھی ہیں۔ اگر ان میں کوئی اور شامل نہیں ہیں تو چچا اور ماموں کا کیا حکم ہے؟

جواب: بقول جمہور علماء چچا اور ماموں بھی ان میں شامل ہیں (کہ عورت ان کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے) مگر ائمہ تابعین میں سے ایک امام شعبی اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ ان کے سامنے زینت ظاہر کرنا حلال نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ عورت کی صفات اپنے لڑکوں کے سامنے بیان کر دیں۔ جبکہ جمہور نے آیت کریمہ میں مذکور رشتوں کو صرف انہی میں محصور اور متعین نہیں سمجھا ہے، اور ان کا قول زیادہ صحیح ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے کہ افلح ابوالقعیس کے بھائی نے ان سے ملاقات کی اجازت چاہی، جبکہ پردہ فرض ہو چکا تھا۔ کہتی ہیں کہ میں نے انھیں اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جب نبی ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ کو ان کی آمد اور اجازت لینے کا بتایا تو آپ نے فرمایا: "اسے اجازت دے دو۔" [2] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ: "افلح نے کہا: کیا تم مجھ سے چھپتی ہو حالانکہ میں تیرا چچا ہوں۔ کہتی ہیں، میں نے پوچھا: کس طرح سے؟ کہا: میرے بھائی کی بیوی نے تجھے دودھ پلایا ہے۔ میں نے کہا: مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے، مرد نے تو نہیں پلایا۔ تو جب نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: "وہ تیرا چچا ہے، وہ اندر آ سکتا ہے۔" [3] (محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بأمرأة الاذو محرم والدخول علی المغیبة، حدیث: ٤٩٣٤ وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوة بالاجنبیة والدخول علیها، حدیث: ٢١٧٢ وسنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب کراهیة الدخول علی المقیبات، حدیث: ١١٧١ ومسند احمد بن حنبل: ١٤٩/٤.

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة الاحزاب، حدیث: ٤٥١٨ وصحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل، حدیث: ١٤٤٥ وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب لبن الفحل، حدیث: ٣٣١٨ ومسند احمد بن حنبل: ٣٣/٦، حدیث: ٤١٠٠.

[3] صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة علی الانساب والرضاع، حدیث: ٢٥٠١ وسنن أبی داود، کتاب النکاح، باب فی لبن الفحل، حدیث: ٢٠٥٧.

سوال: بعض عورتیں اپنے دامادوں سے پردہ کرتی ہیں اور ان سے مصافحہ کرنے سے پرہیز کرتی ہیں۔ کیا یہ ان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عورت کی بیٹی کا شوہر، دامادی کے رشتے کی بنا پر اس کا محرم بن جاتا ہے۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی ساس سے وہ کچھ دیکھ سکے جو وہ اپنی حقیقی ماں، بہن، بیٹی اور دیگر محارم سے دیکھ سکتا ہے۔ ساس کا اپنے داماد سے اپنا چہرہ یا بال یا کلائیاں وغیر چھپانا یا ملاقات کے وقت مصافحہ سے پرہیز کرنا پردے کے معاملہ میں غلو اور لایعنی تحفظ ہے۔ ممکن ہے یہ انداز طبیعتوں میں نفرت اور قطع رحمی کا باعث بن جائے۔ تو چاہیے کہ ساس ایسا غلو چھوڑ دے۔ ہاں اگر اس نے کوئی شبہ محسوس کیا ہو یا معلوم ہوتا ہو کہ داماد کی آنکھ خائن ہے، تب یہ عمل بالکل بجا ہے اور خوب ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا بہن کے لیے جائز ہے کہ کھلی پنڈلیوں، گلے اور بازوؤں سے اپنے بھائی کے سامنے آ جائے؟

جواب: عورت اپنے محرم مردوں اور میل جول کی عورتوں کے سامنے سوائے چند اعضائے زینت کے اور کچھ نہیں ظاہر کر سکتی۔ ان رشتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی آیت ۳۱ میں فرمایا ہے: ﴿....وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ﴾ اور زینت کے اعضاء جو وہ ظاہر کر سکتی ہے یہ ہیں: سر، گردن جہاں ہار پہنا جاتا ہے، کلائیاں جہاں کنگن ڈالے جاتے ہیں، یا بازو بند کی جگہ، ایسے ہی پاؤں اور پازیب پہننے کی جگہ۔ صرف یہی اعضاء اور مقامات ہیں جو کوئی عورت اپنے محرم مردوں اور میل جول کی عورتوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔

(ناصر الدین الالبانی)

سوال: اپنے نوکروں اور ڈرائیوروں کے سامنے آ جانے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ اجانب اور غیر محرموں کے حکم میں ہیں؟ میری والدہ مجھے کہتی ہے کہ نوکروں کے سامنے ہو جایا کروں اور اپنے سر پر صرف اسکارف لے لیا کروں؟ کیا یہ ہمارے دین حنیف کی رُو سے جائز ہے جس میں احکام الٰہی کی نافرمانی معصیت اور گناہ ہے؟

جواب: ڈرائیور اور نوکر اگر محرم نہ ہوں تو ان کا حکم ان سب غیر محرم مردوں کا سا ہے جن سے پردہ کرنا واجب ہے۔ ان کے سامنے کھلے منہ آنا یا ان کے ساتھ علیحدگی میں آنا جانا جائز نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''کوئی مرد (اجنبی) عورت کے ساتھ ہرگز ہرگز علیحدگی میں نہ ہو، بلاشبہ شیطان ان کا تیسرا ہوگا۔''[1]

علاوہ ازیں وہ سب دلائل جن کی رو سے پردہ واجب اور غیر محرموں کے سامنے کھلے منہ آنا حرام ہے اس کی دلیل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں والدہ یا کسی اور کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ کسی نابینا کے سامنے اپنا چہرہ کھول لے؟

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث: ۱۱۷۱ ومسند احمدبن حنبل: ۱/ ۲۶، حديث: ۱۷۷، المستدرك للحاكم: ۱/ ۱۹۷، حديث: ۳۸۷.

جواب: اگر کوئی مرد نظر سے معذور ہو تو جائز ہے کہ عورت اس کے سامنے اپنا چہرہ کھول لے۔ صحیح مسلم میں سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا تھا، جبکہ انھیں طلاق ہوگئی تھی:

((اعتدى عند ابن أم مكتوم فإنه رجل اعمى تضعين ثيابك فلا يراك .))

''ابن ام مکتوم کے احاطے میں اپنی عدت کے دن پورے کرلو، بلاشبہ وہ نابینا آدمی ہے، اگر تم کسی وقت اپنا کپڑا اتار بھی لوگی تو وہ تمہیں دیکھ نہیں سکے گا۔''[1]

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنما جعل الإستيذان من أجل النظر .))

''کسی کے گھر جانے کے لیے اجازت لینا اسی غرض سے ہے کہ نظر نہ پڑے۔''[2]

اور نبہان کی وہ روایت جو وہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ سیّدہ ام سلمہ اور سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہما آپ کے پاس تھیں، تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ ان سے پردہ کرلو تو انہوں نے کہا: یہ تو نابینا ہے، ہمیں نہیں دیکھ سکتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أفعميا وان أنتما ، ألستما تبصرانه .))

''تو کیا تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہی ہو؟''[3]

تو یہ حدیث اپنے شذوذ اور دیگر صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہو مگر دیگر زیادہ صحیح احادیث کے

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها، حديث : ١٤٨٠ وسنن أبى داود، كتاب الطلاق، باب فى نفقة المبتوتة، حديث : ٢٢٨٤ وسنن النسائى، كتاب النكاح، باب اذا استشارت المرأة رجلا فيمن يخطبها، حديث : ٣٢٤٥ ومسند احمد بن حنبل : ٦/ ٤١٢، حديث : ٢٧٣٦٨۔ حدیث میں (فلا يراك) کے بجائے (لم يرك) ہے۔ (عاصم)

[2] صحيح بخارى، كتاب الاستئذان، باب الاستئذان من اجل البصر، حديث : ٥٨٨٧ وسنن الترمذى، كتاب الاستئذان، باب من اطلع فى دار قوم بغير اذنهم، حديث : ٢٧٠٩ ومسند أحمد بن حنبل : ٥/ ٣٣٠، حديث : ٢٢٨٥٤ وصحيح مسلم، نسائی میں بھی یہی الفاظ ہیں البتہ 'الاستئذان' کی جگہ 'الاذان' ہے۔ وسنن النسائى، كتاب القسامة، ذكر حديث عمرو بن حزم فى العقول والاختلاف الناقلين له، حديث : ٤٨٥٩ فتویٰ میں نقل کیے گئے الفاظ کے بارے میں فضیلۃ الشیخ نے فرمایا کہ صحیحین میں ہے جبکہ یہ الفاظ صحیحین میں مجھے نہیں ملے البتہ یہ الفاظ دیگر کتب میں ہیں۔ (عاصم) دیکھیے: مصنف ابن ابى شيبة:٢٩٤٥، حديث : ٢٦٢٣٢ والسنن الكبرى للبيهقى:٨/ ٣٣٨، حديث : ١٧٤٢٩ واللہ اعلم۔

[3] سنن ابى داود، كتاب اللباس، باب فى قوله تعالى وقل للمومنات يغضضن من أبصارهن، حديث : ٤١١٢ سنن الترمذى، كتاب الادب، باب احتجاب النساء من الرجال، حديث : ٢٧٧٨ .

خلاف ہو تو اسے شاذ اور ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ چونکہ صحیح حدیث کی شرط یہ ہے کہ وہ شاذ نہ ہو (یعنی دیگر صحیح احادیث کے مقابلہ میں منفرد اور اکیلی نہ ہو)، تو نبہان کی مذکورہ حدیث اگر صحیح بھی سمجھی جائے تو شاذ ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک اور علت بھی ہے کہ مذکورہ روای نبہان کو قابل اعتماد ائمہ جرح وتعدیل نے ثقہ (قابل اعتماد) نہیں سمجھا اور وہ قلیل الروایہ بھی ہے۔ تو اس قسم کی روایت میں اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اور بعض اہل علم نے اس شدت (حجاب) کو امہات المومنین سے خاص کرنے کی کوشش کی ہے، مگر یہ بات درست نہیں کیونکہ خصوصیت کے لیے کوئی دلیل ہونی چاہیے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: بڑی عمر کی عورت جو ستر یا نوے سال کی عمر کو پہنچ رہی ہو، کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے غیر محرم رشتہ داروں کے سامنے اپنا چہرہ کھول لیا کرے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

(النور: ٢٤/ ٦٠)

''اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید اور خواہش ہی نہ رہی ہو، وہ اگر اپنے (حجاب کے) کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگار ظاہر کرنے والی نہ ہوں، تاہم اگر وہ اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے بہت افضل ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔''

اور ''القواعد'' سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہیں نکاح کی امید اور خواہش نہ ہو، اور وہ بالعموم اپنی زینت ظاہر نہیں کرتی ہیں، اگر وہ اپنے غیر محرم لوگوں کے سامنے چہرہ کھلا بھی رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، تاہم پردہ کرنا افضل اور زیادہ احتیاط کا عمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے: ﴿وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ﴾ اور اس لیے بھی کہ ان میں سے بعض کو دیکھنے میں فتنہ بھی ہوتا ہے۔ گو وہ بوڑھی ہو چکی ہوتی ہیں مگر حسن وجمال کی حامل ہوتی ہیں۔ بہرحال انہیں حکم ہے کہ اپنی زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ زینت کرتی ہوں تو انھیں پردہ چھوڑنا جائز نہیں ہے اور اظہار زینت کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ سرمہ وغیرہ استعمال کرتی ہوں۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کوئی عورت بڑی عمر کی ہو اور ہاتھوں میں مہندی، کنگن اور پاؤں میں پازیب وغیرہ پہنتی ہو تو کیا اسے اپنے سر سے کپڑا اتارنا جائز ہے؟

جواب: ایسی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے سر کا کپڑا یا چہرہ کا گھونگھٹ یا اپنی عبا وغیرہ اتار دے، کیونکہ یہ چیزیں، جن کا سوال میں ذکر ہوا، اظہار زینت میں سے ہیں۔ (عبداللہ الفوزان)

سوال: میں نے اپنی بستی میں ایک لڑکی سے شادی کی ہے، جو بحمد اللہ بڑی با اخلاق ہے اور ہم نے اسے دین کی بہت سی باتیں سکھائی ہیں۔ ہمارے ہاں کی عورتیں برقع پہنتی ہیں۔ میں نے اسے کہا ہے کہ برقع چھوڑ کر حجاب استعمال کرے، کیونکہ اسے گھر کے کام میں دوسروں کا ہاتھ بٹانا ہوتا ہے، اور ہمارے ہاں یہ معمول ہے کہ عورتیں گھروں کے کام کرتی ہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی اور نہ ہو تو کم از کم ایک لڑکی ان کاموں کے لیے گھر میں ضرور ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا میں اپنی بیوی کو اس بات کا پابند کر سکتا ہوں کہ وہ برقع چھوڑ کر پردے کی چادر استعمال کرے؟ خیال رہے کہ برقع میں صرف آنکھیں ہی نظر آتی ہیں اور باقی سب کچھ چھپا ہوتا ہے۔

جواب: برقع استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ وہ آنکھوں یا ایک آنکھ کے علاوہ باقی چہرے کو چھپا لیتا ہے۔ اس طرح سے عورت زیادہ با حجاب ہو جاتی ہے اور وہ اپنی زینت ظاہر کرنے والی نہیں رہتی، اور اس قسم کے امور میں ہر قوم کے کچھ اپنے خاص رواج ہوتے ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: عورتوں کے لیے برقع اور دستانوں کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کو پردے کی غرض سے دستانے استعمال کرنے چاہییں، اور برقع کا استعمال بھی جائز ہے جبکہ دیکھنے کی غرض سے اس سے دونوں آنکھیں یا ایک آنکھ ظاہر ہو اور باقی چہرہ چھپا ہوا ہو، اور اس کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول دلیل ہے۔ وہ احرام والی کے لیے فرماتی ہیں کہ:

((لا تتلثم ولا تتبرقع ولا تلبس ثوبا بورس أو زعفران .))

''احرام والی عورت اپنا منہ نہ لپیٹے (ڈھاٹا نہ باندھے)، برقع نہ لے اور کوئی ایسا کپڑا بھی استعمال نہ کرے جو ورس یا زعفران سے رنگا گیا ہو۔'' [1]

اور اسی معنی میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

((لا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين .))

''احرام والی عورت نقاب نہ لے اور نہ دستانے پہنے۔'' [2]

یہ روایات دلیل ہیں کہ عورت احرام کے علاوہ دیگر حالات میں برقع اور دستانے پہن سکتی ہے۔ اگر یہ مفہوم نہ ہوتو احرام کی حالت میں اسے ان سے منع کرنے کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔

ہمارے بعض علماء کا خیال ہے کہ اس دور میں برقع کے جواز کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ فساد کا ذریعہ

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الحج، باب ما يلبس المحرم من الثياب والاردية والازر، (ترجمة الباب)

[2] صحيح بخاری، كتاب ابواب الاحصار وجزاء الصيد، باب ما ينهى من الطب للمحرم والمحرمة، حديث: ١٧٤١ وسنن الترمذی، كتاب الحج، باب ما لا يجوز للمحرم لبسه، حديث: ٨٣٣ وسنن النسائی، كتاب مناسك الحج، باب النهى عن أن تنتقب المرأة الحرام، حديث: ٢٦٧٣ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ١١٩، حديث: ٦٠٠٣.

بن گیا ہے اور عورتیں اب آنکھوں کے ساتھ ساتھ چہرے کا بھی کچھ حصہ ظاہر رکھتی ہیں جو فتنے کا باعث ہے، بالخصوص جب وہ سرمہ وغیرہ بھی لگا لیتی ہیں۔ ان حضرات کا روکنا یقیناً فتنے کا دروازہ بند کرنے کے معنی میں بہت ہی بہتر ہے۔ (عبداللہ فوزان)

سوال: ایک مسلمان عورت اپنے جسم سے کسی کافر عورت (بدھ مت، ہندو وغیرہ) کے سامنے کیا کچھ ظاہر سکتی ہے؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ مسلمان عورت کو ان کے سامنے اپنا چہرہ نہیں کھولنا چاہیے؟

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنی ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے کا حصہ کسی بھی عورت کے سامنے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، کھول سکتی ہے۔ اور ناف سے لے کر گھٹنے تک کے درمیان کا حصہ سب کے لیے قابل ستر ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اور رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، جیسے کہ مرد کا معاملہ دوسرے مرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک عورت دوسری کا سینہ، سر اور پنڈلیاں وغیرہ دیکھ سکتی ہے جیسے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے جسم کے یہ حصے دیکھ سکتا ہے۔

اور بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ مسلمان عورت کسی کافرہ کے سامنے چہرہ وغیرہ نہیں کھول سکتی، ان کا یہ قول مرجوح ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے زمانے میں یہودی اور بت پرست عورتیں اپنی ضروریات کے لیے امہات المومنین کے ہاں آیا کرتی تھیں، اور کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ ازواج النبی ان سے پردہ کرتی تھیں، حالانکہ وہ سب عورتوں سے بڑھ کر متقی اور افضل تھیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا گھر میں کام کرنے والی نوکرانی کے لیے واجب ہے کہ وہ گھر کے مالک (مخدوم) سے پردہ کرے؟

جواب: ہاں، نوکرانی کے لیے واجب ہے کہ اپنے مخدوم یعنی گھر کے مالک سے پردہ کرے، اور اس کے سامنے اپنی زیب وزینت اور سنگار ظاہر نہ کرے۔ اس کے لیے اس مالک کے ساتھ خلوت میں علیحدہ ہونا بھی حرام ہے۔ عمومی دلائل کا تقاضا یہی ہے۔ پردہ نہ کرنے اور اظہار زینت کا نتیجہ فتنے کی صورت میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ اور ایسے ہی علیحدگی میں اس کے پاس آنا جانا اس بات کا سبب بن سکتا ہے کہ شیطان ان دونوں کے لیے فتنے کو خوبصورت بنا دے۔ اور مدد اللہ ہی سے ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

حرام لباسوں کا بیان

سوال: عورت کا ایسا لباس جو اس کے اعضاء بازو، چھاتیاں اور سرین وغیرہ اور جسم کے دیگر شکن ظاہر کرے اور تنگ اور مختصر لباس جو بھی نہ ڈھانپے، ان سب کا کیا حکم ہے؟

جواب: از طرف...... محمد بن ابراہیم ...... اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے نام، جو اسے ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ مجھے اور ان سب کو ایسے اعمال کی توفیق دے جو اسے راضی کرنے والے ہوں اور ایسے

اسباب سے محفوظ رکھے جو اس کی نافرمانی اور ناراضی کا سبب ہو سکتے ہوں۔

اما بعد! اس دور کے حالات بہت حد تک بدل گئے ہیں۔ عورتوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنی حیا کی چادر اتار پھینکی ہے۔ دینی حدود کے معاملے میں یہ بڑی ڈھیٹ اور بے آبرو ہو رہی ہیں، بلکہ مسلسل آگے بڑھ رہی ہیں۔ اور خوف آتا ہے کہ یہ قوم اپنی عریانی، بے پردگی اور آزاد روی کی بنا پر اللہ کی طرف سے کسی بدترین سزا اور سابقہ قوموں کے سے انجام سے دوچار نہ ہو جائے۔ انہوں نے ایسے لباس پہننے شروع کر دیے ہیں جو ان کے جسم کے انگ انگ اور نشیب و فراز کو ظاہر کرتے ہیں، بازو، چھاتیاں، کمر اور سرین سب نمایاں ہوتی ہیں، اور جو کپڑے انہوں نے پہنے ہوئے ہوتے ہیں اس قدر باریک اور مہین ہوتے ہیں کہ ان سے ان کے جسم کی رنگت تک جھلکتی ہے۔ بازو بہت مختصر اور تنگ بلکہ نیچے سے پنڈلیاں تک ننگی ہوتی ہیں۔

اور یقیناً یہ چیزیں انہیں فرنگیوں کی تقلید اور پیروی سے ملی ہیں۔ یہ کیفیت انتہائی بے حیائی ہے اور لوگ اس صورت حال پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل اللہ کی حدود میں مداہنت، اللہ کی نافرمانی اور احمقوں کی اطاعت ہے۔ یہ خاموشی کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ اور کسی بڑے شر و فساد کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ تو ضروری ہے کہ اس صورت حال کی برائی اور حرمت واضح کی جائے، انہیں ان کے غلط اقدامات سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ لہٰذا اختصار کے ساتھ ذیل میں اس مسئلہ کے اہم نکات بیان کیے جاتے ہیں:

(۱)...... یہ (بے پردگی اور عریانی) فرنگیوں اور عجمیوں کی تقلید ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اور احادیث میں عجمیوں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ ان صریح احکام سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کی پیروی اور تقلید سے روکنا صاحب شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی عظیم تالیف "اقتضاء صراط المستقیم فی مخالفة اصحاب الجحیم" میں وہ تمام نقصانات شمار کرائے ہیں جو ان عجمیوں اور کفار کی تقلید سے سامنے آتے ہیں۔ [1] شریعت نے کفار کے علاوہ عجمیوں، بدویوں اور دیہاتیوں کی مشابہت سے بھی منع کیا ہے۔ اور اس منع میں آج کے یہ عجمی بھی شامل ہیں جیسے کہ شروع اسلام کے اعاجم اور کفار شامل تھے۔ بلکہ اس میں مسلمان عجمی بھی شامل ہیں، جن سے سابقین اولین محفوظ تھے۔ اور ان لوگوں کے رسوم و رواج اور بہت سے معمولات اس "جاہلیت اولیٰ" کے زمرے میں آتے ہیں جن میں لوگ قبل از اسلام مبتلا تھے۔ اور اب تو عرب کی بھی ایک بڑی تعداد اپنی ان سابقہ عادات و رسوم کی طرف لوٹ رہی ہے!

(۲)...... عورت سرتاپا قابل ستر ہے اور اس بات کی پابند ہے کہ اپنے آپ کو چھپائے اور پردہ کرے اور

---

[1] یہ ایک اہم کتاب ہے۔ اردو میں اس کے چند ایک تراجم بازار میں میسر ہیں۔ چاہیے کہ صاحب نظر اور داعی حضرات اسے اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ مثلاً "اسلام اور غیر اسلامی تہذیب" ترجمہ از مولوی شمس تبریز خان صاحب، رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، "راہ حق کے تقاضے" مکتبہ السلفیہ لاہور وغیرہ

کسی صورت بھی اپنے حسن و جمال، زیب وزینت، بناؤ سنگار اور فتنہ بھرے جسم کی نمائش نہ کرتی پھرے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھے رکھا کریں۔''

اور سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اور سابقہ جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرتی پھریں۔''

یہ فرنگی لباس کفار کی مشابہت کے علاوہ عورت کے جسم کو کسی طرح بھی چھپاتا نہیں ہے، بلکہ اس کے فتنہ ہائے جسم کو از حد نمایاں کرتا ہے اور خود عورت اور اسے تاکنے والے کو دھوکے اور فتنے میں ڈالتا ہے۔ ایسا لباس پہننے والی عورت یقیناً رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی مصداق بنتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((صنفان من أهل النار من أمتي لم أرهما بعد نساء كاسيات عاريات مائلات مميلات على رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها ورجال معهم سياط مثل أذناب البقر يضربون بها الناس.))

''میری امت میں سے دو طرح کے لوگ دوزخی ہوں گے، میں نے ابھی تک انہیں دیکھا نہیں ہے۔ عورتیں ہوں گی (کہنے کو تو) کپڑے پہنے ہوں گی مگر (حقیقت میں) بے لباس اور ننگی ہوں گی، (بے حیائی کی طرف) مائل اور دوسروں کو مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سروں کے جوڑے ایسے ہوں گے کہ بختی اونٹنیوں کے ڈھلکے ہوئے کوہان ہوں، یہ جنت میں داخل نہ ہوں گی، بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پا سکیں گی۔ اور (دوسرا گروہ) مرد ہوں گے، ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دمیں ہوتی ہیں، وہ ان سے لوگوں کو مارتے پھیرتے ہوں گے۔''

اس حدیث کی شرح میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ ان عورتوں کے لباس اس قدر باریک اور مہین ہوں گے کہ ان کے جسم کی رنگت دکھاتے ہوں گے یا اس قدر تنگ اور چست ہوں گے کہ ان کے جسم کا انگ انگ ظاہر ہوتا ہوگا۔

لباس، بالخصوص عورت کا، ایسا ہونا چاہیے جو اس کے جسم کو پوری طرح چھپا لے۔ کپڑا موٹا (اور کھلا ہونا) چاہیے کہ اس سے جسم کے اعضاء کی جسامت نمایاں نہ ہو۔ مسلمان عورت پابند ہے کہ اپنے آپ کو چھپائے اور

پردہ کرے۔ کیونکہ وہ سراسر عورۃ ہے یعنی ستر اور چھپانے کی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اللہ کے حضور نماز پڑھتے ہوئے بھی اپنا سر ڈھانپنے کا حکم ہے خواہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو، اور کوئی اجنبی اسے نہ بھی دیکھ رہا ہو:

((لا يقبل الله صلاة حائض الا بخمار .))

"اللہ تعالیٰ کسی جوان بالغ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں کرتا ہے۔"

اس فرمان کا مفہوم اور تقاضا یہ ہے کہ شریعت نے عورت کو بالخصوص چھپنے کا حکم دیا ہے جو مردوں کو نہیں ہے، اور یہ خالص اللہ کا حق ہے، خواہ اسے کوئی اجنبی نہ بھی دیکھ رہا ہو۔ اور "عورہ" (یعنی چھپانے کی چیز اور شرمگاہ) کا چھپانا اللہ عزوجل کا واجبی حق ہے، خواہ بندہ نماز میں نہ بھی ہو، یا اندھیرے میں ہو، یا اکیلا ہو تب بھی ستر عورہ واجب ہے۔ اسے ایسا لباس پہننا واجب ہے جو اسے کما حقہ چھپا دے، جلد کا رنگ اس سے ظاہر نہ ہوتا ہو۔ جناب بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہماری شرم گاہیں، ہم ان میں سے کیا کچھ ظاہر کر سکتے ہیں اور کیا کچھ چھپائیں؟ فرمایا:

((احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك .))

"یعنی اپنے ستر (اور شرمگاہ) کی حفاظت کر (اور اسے چھپا) سوائے اپنی بیوی یا لونڈی کے۔"

کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اگر لوگ اپنے ہی ہوں؟ فرمایا:

((فإن استطعت أن لا يراها أحد فلا يرينها .))

"جہاں تک ہو سکے، اسے کوئی اور نہ دیکھے۔"

اگر آدمی اکیلا ہو؟ فرمایا:

((فالله تعالیٰ أحق أن يستحيى منه .)) [1]

"اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔"

فقہائے اسلام نے صراحت سے لکھا ہے کہ انسان کو باریک لباس جس سے جسم کی رنگت جھلکتی ہو پہننا منع ہے، خواہ شرمگاہ ڈھکی ہوئی ہو۔ اور یہ حکم عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں کے لیے بھی ہے، خواہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی ہوں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس بارے میں صراحت کی ہے۔

بلکہ ایسا لباس بھی صریحاً منع ہے جو جسم کی نرمی اور سختی یا اس کا حجم واضح کرتا ہو۔ امام احمد نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبطی (مصری) کپڑا عنایت فرمایا، جو مناسب حد تک گاڑھا اور کثیف تھا۔ یہ کپڑا آپ کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے ہدیہ کیا تھا۔ میں نے وہ اپنی بیوی کو

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الحمام، باب ما جاء فی التعری، حدیث: ٤٠١٧ وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب حفظ العورة، حدیث: ٢٧٦٩ وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب التستر عند الجماع، حدیث: ١٩٢٠.

پہنا دیا۔ بعد میں آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ''کیا بات ہے کہ تو نے وہ قبطی کپڑا پہنا نہیں ہے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ میں نے اپنی بیوی کو پہنا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

((مرها فلتجعل تحتها غلالة فإني أخاف أن تصف حجم عظامها .))

''اسے کہنا کہ اس کے نیچے (بنیان کی طرح کوئی) زیر جامہ بھی استعمال کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے اس کی ہڈیوں کا حجم جھلکے گا۔''❶

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے اپنا کمر بند کس کر باندھنا بھی درست نہیں ہے، جیسے کہ زنار❷ ہوتی ہے، نماز کے اندر ہو یا اس کے علاوہ، کیونکہ اس سے عورت کی سرین اور دیگر اعضا بہت نمایاں ہو جاتے ہیں۔ فقہاء یہاں تک لکھتے ہیں کہ عورت کو اٹھتے بیٹھتے اپنے کپڑے بھی نہیں سمیٹنے چاہئیں کیوں کہ اس سے اس کے جسم کے انگ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ تو یہ لباس (جس کا چلن روز بروز بڑھتا جا رہا ہے) کمر بند باندھنے یا کپڑے سمیٹنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہٰذا اس کی منع اور زیادہ تاکیدی ہے۔

(۳)...... یہ لباس جو عورتوں نے اختیار کرنا شروع کر دیے ہیں ان میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ حدیث میں ہے:

((لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال ولعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء .))❸

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

((لعن الله المتخنثين من الرجال والمترجلات من النساء .))

''اللہ کی لعنت ہے ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں اور ایسے مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اپنائیں۔''❹

---

❶ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٢٠٥، حديث: ٢١٨٣٤.

❷ یعنی وہ رسی (یا بیلٹ) جو عیسائی، یہودی اور مجوسی اپنی کمر میں باندھتے ہیں۔ ہندو اپنے گلے اور بغل کے نیچے پہنتے ہیں۔

❸ صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، حديث: ٥٥٤٦ وسنن ابي داود، كتاب اللباس، باب لباس النساء، حديث: ٤٠٩٧ وسنن الترمذي، كتاب الادب، باب المتشبهات بالرجال من النساء، حديث: ٢٧٨٤ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب في المتخنثين، حديث: ١٩٠٤.

❹ مصنف ابن ابي شيبة: ٥/ ٣١٩، حديث: ٢٦٤٨٩۔ یہ روایت متعدد کتب احادیث میں موجود ہے لیکن 'المتخنثين' کا لفظ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے دیگر کتب میں 'المخنثين' ہے، باقی الفاظ اسی طرح ہیں۔ دیکھیے: صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب اخراج المتشبهين بالنساء من البيوت، حديث: ٥٥٤٧ وسنن ابي داود، كتاب الادب، باب الحكم في المخنثين، حديث: ٤٩٣٠ وسنن الترمذي، كتاب الادب، باب المتشبهات بالرجال من النساء، حديث: ٢٧٩٥ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٢٥، حديث: ١٩٨٢

ایک روایت میں ہے:

"اللہ کی لعنت ہے ایسے مردوں پر جو ہیجڑے بنتے ہیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اپنائیں۔"

جو عورت مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے وہ آہستہ آہستہ ان کی عادات بھی اپنانے لگتی ہے، مثلاً کھلے عام باہر نکلنا، زینت کا اظہار کرنا، مردوں کی مجلسوں میں بیٹھنا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کا جسم بھی ظاہر اور نمایاں ہوگا۔ مرد عورتوں پر حاوی ہوتے ہیں۔ تو ان عادات سے وہ ایسے اعمال کی مرتکب ہوگی جو حیا اور نسوانی صفات اور حدود کے بالکل خلاف ہوں گے۔

بالکل اسی طرح جو مرد عورتوں کی مشابہت اور ان کی نقالی کرتے ہیں، وہ ان کی سی عادات بھی اپنانے لگتے ہیں حتیٰ کہ ہیجڑا پن اور تلون مزاجی ان کی مستقل عادت بن جاتی ہے۔ بلکہ بعض تو، العیاذ باللہ، اپنے اوپر موقع بھی دینے لگتے ہیں جیسے کہ وہ عورت ہو۔ تو اللہ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتی ہو اس ذات پاک پر جس نے اللہ کا دین پہنچایا اور خوب واضح کر کے پہنچایا، اللہ کی امانت کامل طور پر ادا فرما دی اور امت کی خیر خواہی کرنے میں قطعاً کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

فرنگیوں کے نقش قدم پر چلنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مردوں عورتوں کی اکثریت بے محابا اکٹھے باہر آتے جاتے ہیں، دفتروں میں اکٹھے کام کرتے ہیں، دکانوں اور بازاروں میں اکٹھے کام کرتے ہیں، عورتیں بلا محرم (اور بلا جھجک) دوسروں کے ساتھ سفر کرتی ہیں۔ اور مردوں کا حال یہ ہے کہ عورتوں کی طرح بناؤ سنگار کرتے ہیں، اپنی گفتگو میں عورت پنے کا اظہار کرتے ہیں، ڈاڑھیاں منڈاتے اور لچک لچک کر چلتے ہیں، انگوٹھیاں اور بٹن سونے کے استعمال کرتے ہیں، اور ایسی گھڑیاں باندھنے میں حرج نہیں سمجھتے جن میں سونا استعمال کیا ہوتا ہے، مرد ہوتے ہوئے عورتوں کی طرح اپنی چادریں اور شلواریں لٹکاتے ہیں۔ اور دوسری طرف عورتوں کا حال یہ ہے کہ ان کا لباس مختصر ہوتے ہوتے گھٹنے یا اس سے اوپر تک آ رہا ہے، جس سے ان کی رانیں بالکل نمایاں (بلکہ عریاں) ہو رہی ہوتی ہیں۔ ہم ان کی بے حیائی اور اللہ کی حرمتوں کی پامالی پر اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(۴)...... ان کا یہ لباس، بے دین لوگ خواہ اسے کتنا ہی زیب و زینت قرار دیں، اور ان کا یہ خیال باطل محض ہے اور زینت حقیقت میں وہ ہے جس میں پردہ ہو اور عورت اس میں باوقار نظر آئے۔ یقیناً لباس اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کا اللہ نے احسان جتلایا ہے۔ فرمایا:

﴿يَـٰبَنِىٓ ءَادَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَٰرِى سَوْءَٰتِكُمْ وَرِيشًا﴾ (الاعراف: ۷/ ۲۶)

"اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لیے زینت ہے۔"

اور یہ کوئی زینت نہیں ہے کہ بندہ بے لباس اور ننگا ہو جائے اور بے دین فرنگیوں کی نقالی کرنے لگے۔

بالفرض اگر اسے زینت سمجھ بھی لیا جائے تو ہر عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جو اس کے جی میں آئے اسے زینت اور سنگار کے نام سے اپنا لے۔ زینت کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جو شریعت میں ممنوع بلکہ حرام ہیں اور ان کا مرتکب لعنت کا نشانہ بنتا ہے۔ جیسے کہ ''واصلہ'' یعنی بال جوڑ کر لمبے کرنے اور کروانے والی جیسے کہ ہمارے ہاں وگیں ہوتی ہیں، ''نامصہ اور متنمصہ'' یعنی اپنے ابروؤں کو نوچ کر باریک بنانے اور بنوانے والی، ''واشرہ اور مستوشرہ'' یعنی اپنے دانت باریک کرنے اور کروانے والی، ''واشمہ اور مستوشمہ'' جسم گودنے اور گدوانے والی، ان سب عورتوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ اس معنی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

(((عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه لعن رسول الله ﷺ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات لخلق الله'

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ایسے اور ایسے کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: میں کیوں لعنت نہ کروں اس کو جسے رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو، جبکہ وہ کتاب اللہ میں بھی مذکور ہو۔ وہ عورت کہنے لگی میں نے قرآن جو اِن گتوں کے درمیان ہے وہ سب پڑھا ہے، مجھے تو کہیں نہیں ملا جو آپ کہتے ہیں! آپ نے فرمایا: اگر تو نے پڑھا ہوتا تو پالیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ٥٩/ ٧)

''جو کچھ تمہیں رسول دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان سب امور سے منع فرمایا ہے۔ [1]

(۵)......عورتیں اپنی عقل اور اپنے دین میں کمزور ہیں اور دینی تصورات اور عملی دائرے میں بہت حد تک ضعیف ہیں۔ ان کی فرنگیوں کی تقلید سے معاشرے میں جو شر اور فساد پھیل رہا ہے اس کی انتہاء اللہ ہی کے علم میں ہے۔ ملکوں میں جو فساد پھیل رہا ہے وہ سب ان عورتوں کی اطاعت کی وجہ سے ہے۔ صحیحین میں ہے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما تركت بعدى على أمتى فتنة اضر على الرجال من النساء .))

''میں نے اپنے بعد اپنی امت میں مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔'' [2]

---

[1] صحيح بخارى، كتاب التفسير، باب سورة الحشر، حديث: ٤٦٠٤ صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة، حديث: ٢١٢٥ وسنن ابى داود، كتاب الترجل، باب فى صلة الشعر، حديث: ٤١٦٩ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الواصلة والواشمة، حديث: ١٩٨٩ ان روایات میں ہے کہ (ان عورتوں پر) اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت فرمائی ہے۔ اور جن روایات میں صرف نبی اکرم ﷺ کے ان عورتوں کے لیے لعنت کرنے کا ذکر ہے وہ درج ذیل ہیں: سنن الترمذى، كتاب الادب، باب الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة، حديث: ٢٧٨٢ وسنن النسائى، كتاب الزينة، باب المتنمصات، حديث: ٥٠٩٩.

[2] مصنف ابن ابى شيبة: ٤/ ٤٦، حديث: ١٧٦٤٢.

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے:

((إن الدنيا حلوة خضره وإن الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون فاتقوا الدنيا واتقوا النساء، فإن أول فتنة بني اسرائيل كانت في النساء.))

''یہ دنیا انتہائی شیریں اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ نے تمہیں اس کا جانشین بنایا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم لوگ کیسے عمل کرتے ہو۔ سوتم دنیا سے اور عورتوں سے متنبہ رہو، بلاشبہ سب سے پہلا فتنہ جو بنی اسرائیل میں ہوا تھا وہ عورتوں ہی میں تھا۔'' ❶

اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة.))

''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جو اپنے معاملات عورتوں کے سپرد کردے۔'' ❷

اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ:

((هلك الرجال حين أطاعوا النساء.))

''جب عورتوں کی اطاعت ہونے لگے تو اس میں مردوں کے لیے ہلاکت ہے۔'' ❸

اور ایک حدیث میں یوں ہے:

((ما رأيت من ناقصات عقل ودين أغلب للب ذي اللب من إحداكن.))

''میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کسی کم عقل اور ناقص دین کو نہیں دیکھا جو کسی اچھے بھلے دانا مرد کی عقل کھو دیتی ہیں۔'' ❹

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب اكثر اهل الجنة الفقراء واكثر اهل النار النساء، حديث: ٢٧٤٢ وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب اخبرالنبي صلى الله عليه وسلم اصحابه بما هو كائن الى يوم القيامة، حديث: ٢١٩١.

❷ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبي صلى الله عليه وسلم الى كسرى وقيصر، حديث: ٤١٦٣ وسنن النسائي، كتاب آداب القضاءة، باب النهي عن استعمال النساء في الحكم، حديث: ٥٣٨٨ المستدرك للحاكم:٣/ ١٢٨، حديث: ٤٥٠٨.

❸ اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة للبوصيري: ٥/ ٢٦ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ٤٥، حديث: ٢٠٤٧٣ والمستدرك للحاكم:٤/ ٣٢٣، حديث: ٧٧٨٩.

❹ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان نقصان الايمان بنقص الطاعات، حديث: ٧٩ وسنن ابي داود، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه، حديث: ٤٦٧٩ وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب فتنة النساء، حديث: ٤٠٠٣ ''حدیث کے الفاظ 'اغلب لذی لب......' اور بخاری میں 'اذهب للب الرجل الحازم' ہیں۔ دیکھیے: صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، حديث: ٢٩٨.

اور اعشیٰ (عبداللہ بن اعور مازنی) نے اپنی ایک ملاقات میں آپ ﷺ کو اپنے کچھ اشعار سنائے تو ان میں ایک مصرع یہ تھا:

((وهن شر غالب لمن غلب .))

''اور یہ عورتیں جس پر غالب آ جائیں بہت بری ہوتی ہیں۔'' ❶

اور آپ یہ مصرع بار بار دہرانے لگے: ((وهن شر غالب لمن غلب .))

الغرض ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ مردوں پر واجب ہے کہ اپنی عورتوں کی نگہبانی کا فریضہ سرانجام دیں، اور یہ جو اپنی حدود سے تجاوز کر رہی ہیں ان کے ہاتھ پکڑیں اور انہیں ان کے کپڑوں کے نت نئے فیشن سے منع کریں، اللہ کی حدود کے معاملے میں ان کے ساتھ مداہنت نہ کریں، اور یہ ذمہ داریاں مردوں پر شرعی لحاظ سے واجب ہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنفُسَكُمْ وَاَهْلِيكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾

(التحريم: ٦٦/ ٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچالو، جس کا ایندھن لوگ ہوں گے اور پتھر، اور اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو اور سخت ہیں، اللہ جو انہیں حکم دے دے اس کی وہ قطعاً نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

علمائے امت نے صراحت سے لکھا ہے کہ عورت کے ولی امر اور سرپرست پر واجب ہے کہ اسے حرام سے بچائے۔ وہ لباس کا مطالبہ ہو یا کچھ اور۔ اگر وہ باز نہ آئے تو (ولی پر) واجب ہے کہ اسے تادیبی سزا (تعزیر) دے۔ اور حدیث میں ہے کہ:

((كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته .))

''تم میں سے ہر شخص مسئول اور ذمہ دار ہے، اور ہر شخص اپنے زیر تولیت (رعیت) کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' ❷

الغرض اس معاشرتی فتنے پر بند باندھنا بہت ہی ضروری معاملہ ہے۔ اولاً تو حکام پر واجب ہے اور ساتھ ہی

❶ زهرة الا من فى الامثال والحكم: ١٠٢.

❷ صحيح بخارى، كتاب الجمعة، باب الجمعة فى القرى والمدن، حديث: ٨٥٣ وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الامام العادل وعقوبة الجائر، حديث: ١٨٢٩ وسنن الترمذى، كتاب الجهاد، باب الامام، حديث: ١٧٠٥ وسنن ابى داود، كتاب الخراج والفى والامارة، باب ما يلزم الامام من حق الرعية، حديث: ٢٩٢٨.

ان عورتوں کے والدین اور سرپرستوں پر بھی، اور پھر بذات خود عورت بھی ذمہ دار ہے اپنی بھی اور اپنے گھر کی بہو بیٹیوں کی بھی، اس سے ان امور کی پوچھ گچھ ہوگی۔ اور اہل علم پر لازم ہے کہ ان مسائل سے لوگوں کو آگاہ کریں، انہیں برے انجام سے ڈرائیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو شعبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے وابستہ ہیں، انہیں چاہیے کہ ان امور کی برائی واضح کریں اور ان کے ازالہ میں بھرپور محنت کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں ان ظاہر و پوشیدہ گمراہ کن فتنوں سے بچائے رکھے، اپنے دین کی نصرت فرمائے اور اس کا کلمہ سربلند ہو اور دین کے دشمنوں کو ذلیل ورسوا کرے؟ بلاشبہ وہ بڑا ہی سخی اور مہربان ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: عورتیں جو آج کل ''کرتہ'' نامی لباس استعمال کرتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے یا حرام؟

جواب: آج کل ''کرتہ'' نامی جو لباس معروف ہوا ہے اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((صنفان من أهل النار من أمتى لم أرهما بعد نساء كاسيات عاريات مميلات على رؤوسهن مثل أسنمة البخت لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها ورجال معهم سياط مثل أذناب البقر يضربون بها عباد الله .))

''میری امت میں دو قسم کے لوگ جہنمی ہوں گے، میں نے ابھی تک انہیں دیکھا نہیں ہے۔ عورتیں ہوں گی کپڑے پہنے ہوئے مگر ننگی، دوسرے کو اپنی طرف مائل کرنے والی، ان کے سروں کے جوڑے ایسے ہوں گے جیسے کہ بختی اونٹنیوں کے کوہان، یہ جنت میں داخل بھی نہ ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہیں پاسکیں گی۔ اور مرد ہوں گے، ان کے پاس کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دمیں ہوں، اللہ کے بندوں کو ان کے ساتھ مارتے پھرتے ہوں گے۔''[1]

اس فرمان کی تفسیر یہی کی گئی ہے کہ یہ عورتیں ایسے لباس پہنتی ہوں گی جو ان کی ستر پوشی نہیں کرتے ہوں گے۔ کہنے کو تو یہ کپڑے پہنے ہوں گی مگر فی الحقیقت عریاں اور بے لباس ہوں گی، مثلاً اتنا مہین اور باریک لباس جس سے ان کے جسم کا رنگ جھلکتا ہوگا، یا تنگ، اور فٹ لباس جو ان کے انگ انگ مثلاً سرین اور بازوؤں وغیرہ کا حجم اور جسامت ظاہر کرتا ہوگا۔ چاہیے کہ عورت کا لباس ایسا موٹا اور کھلا ہو جو اسے چھپالے، اس کے جسم اور

[1] یہ روایت مختلف ترتیب والفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ فتویٰ میں بیان کیے گئے الفاظ میں 'مائلات' کا ذکر نہیں ہے جبکہ روایات میں یہ لفظ موجود ہے اور 'عباد اللہ' کی جگہ روایات میں 'الناس' ہے۔ واللہ اعلم۔ (عاصم)

صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات والعاريات المائلات المميلات، حديث: ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٥، حديث: ٨٦٥٠ صحيح ابن حبان:١٦/ ٥٠٠، حديث: ٧٤٦١.

اعضاء کی جسامت ظاہر نہ کرے۔ ایک پہلو اس مسئلے کا یہ ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں فرنگی عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((من تشبه بقوم فهو منهم .))

''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو وہ ان ہی میں سے ہوا۔'' ❶

اور یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

((ليس منا من تشبه بغيرنا .))

''جو ہمارے غیر کی مشابہت اپنائے وہ ہم میں سے نہیں۔'' ❷

اس معنی و مفہوم کی اور بھی کئی حدیثیں ہیں۔ جو لباس خاص کفار کا پہناوا ہو، وہ مسلمانوں کو منع ہے۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کے نام لکھا جو فارسی (ایرانی) علاقوں میں رہائش پذیر تھے: ((اياكم والتنعم وزى العجم .)) ''اپنے آپ کو لایعنی آسودگی اور دولت مندی کے اطوار سے اور عجمیوں کے پہناوے سے دور رکھو۔'' ❸ مسند احمد میں بسند صحیح اس مضمون کے الفاظ یہ ہیں: ((ذروا التنعم وزى العجم .)) ❹ اور کتاب الزہد میں بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ ہیں: ((أياكم وزى الاعاجم ونعيمها .)) ''اپنے آپ کو عجمیوں کے پہناوے اور ان کی سی آسودگی سے دور رکھو۔'' ❺

علامہ ابن عقیل رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عجمیوں کی مشابہت سے منع حرمت (یعنی حرام ہونے) کے معنی میں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''کفار سے مشابہت بالا جماع منع ہے۔'' (محمد بن ابراہیم)

---

❶ سنن ابى داود، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة، حديث : ٤٠٣١ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٥٠، حديث : ٥١١٥، ٥١١٤ .

❷ سنن الترمذى، كتاب الاستئذان، باب كراهية اشارة اليد بالسلام، حديث : ٢٦٩٥ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ١٩٩، حديث : ٦٨٧٥ .

❸ فتویٰ میں اس روایت کے صحیحین میں ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ الفاظ مجھے صحیحین میں نہیں ملے۔ شاید بالمعنی ہونے کی وجہ سے۔ بہرحال صحیح مسلم میں 'وزى العجم' کی جگہ 'زى اهل الشرك' ہے اور اسی طرح ہی مسند احمد کی ایک روایت میں بھی ہے۔ بہرحال دیگر کتب میں بعینہٖ وہ الفاظ موجود ہیں جو فتویٰ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ (عاصم)

صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم استعمال اناء الذهب والفضة على الرجال، حديث : ٢٠٦٩ ومسند احمد بن حنبل : ١/ ١٥، حديث : ٩٢۔ فتویٰ میں مذکور الفاظ درج ذیل مقامات پر دیکھے جا سکتے ہیں: صحيح ابن حبان : ١٢/ ٢٦٨، حديث : ٥٤٥٤۔ السنن الكبرى للبيهقى: ١٠/ ١٤، حديث : ١٩٥٢٢ ومسند ابى الجعد : ١/ ١٥٦، حديث : ٩٩٥ مسند احمد کی ایک روایت میں 'وذروا التنعم وزى العجم' ہے دیکھیے: ١/ ٤٣، حديث : ٣٠١ .

❹ مسند احمد بن حنبل : ١/ ٤٣، حديث : ٣٠١ السنن الكبرى للبيهقى: ١٠/ ١٢٨، حديث : ٢١٠٩٩ .

❺ یہ الفاظ کتاب الزہد کے بجائے مصنف عبدالرزاق میں سے ملے ہیں، وہ بھی معمولی تبدیلی کے ساتھ۔ مصنف عبدالرزاق : ١١/ ٨٥، حديث : ١٩٩٤ .

سوال: میری بیوی ایسے کپڑے پہنتی ہے جو شرعی آداب کے خلاف ہیں۔ وہ اپنی بیٹی کو بھی، جو ابھی سات سال کی ہے، ایسے ہی کپڑے پہناتی ہے۔ میں نے اسے اور بیٹی کو بھی اس سے بہت روکا ہے، بالخصوص اس سے کہ وہ یہ کپڑے پہن کر باہر نہ جایا کرے۔ البتہ اس کے اصرار کی وجہ سے میں نے اسے اور بیٹی کو گھر میں پہننے کی رخصت دی ہے۔ تو مجھے کیا کرنا چاہیے جبکہ وہ فرنگی لباس پہننے پر مصر ہے؟

جواب: آپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اہلیہ کی شرعی مصلحت اور آداب کے تحت تادیب کریں اور سمجھائیں۔ پہلے سختی اور ڈانٹ ڈپٹ سے، پھر بات چیت اور بستر سے علیحدہ کرنا، پھر جسمانی سزا مگر ایسی جو سخت نہ ہو۔ اگر یہ تنبیہات اس کے لیے مؤثر اور مفید نہ ہوں۔ اور آپ کو وسائل حاصل ہوں کہ دوسری شادی کر سکتے ہیں تو دوسری شادی کر لیں اور اسے بھی رکھو تاکہ یہ درست ہو جائے۔ اگر وہ اس کے باوجود اس پر مصر ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دیں، کیونکہ اس کا نقصان آپ کی اولاد تک پہنچے گا۔

اور بیٹی کے متعلق تمہیں قطعاً جائز نہیں ہے کہ اسے غیر شرعی لباس پہننے کی اجازت دو۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تادیب کرو، حتیٰ کہ وہ ایسے لباس سے باز آ جائے۔ مگر تادیب میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ اسی قدر ہو جس سے یہ مصلحت اور مقصد حاصل ہو جائے اور کوئی منفی صورت سامنے نہ آئے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ قیامت کے روز انسان سے اس کے لباس کا بھی حساب لیا جائے گا جو وہ پہنتا ہے؟

جواب: ہاں، انسان سے اس کے مال کے متعلق پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا تھا، جیسے کہ حدیث میں شریف میں آیا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت کے لیے سیاہ رنگ کے کپڑے پہننے واجب ہیں یا وہ دوسرے رنگ بھی استعمال کر سکتی ہے؟

جواب: یہ بات کہنا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور جھوٹ باندھنا ہے اور دین میں غلو ہے۔ صحیح بخاری میں ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان پر سبز رنگ کا کپڑا تھا۔ [1] اور جو تفصیل چاہے اسے علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کی تالیف دیکھ لینی چاہیے۔ انہوں نے اس کے آخری طبع میں لکھا ہے کہ خواتین صحابیات سیاہ رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں کے کپڑے بھی پہنا کرتی تھیں۔ سیاہ رنگ کے وجوب کی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور علمائے امت نے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ عورت کے لیے سیاہ لباس جائز ہے مگر واجب ہونا کسی نے نہیں لکھا ہے۔ واجب ہونے کی بات ابھی اس زمانے میں بعض غالی اور جاہل قسم کے لوگوں نے کہی ہے جو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کے فرمان یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت نہیں ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الثیاب الخضر، حدیث: ٥٤٨٧ والسنن الکبری للبیهقی: ٧/ ٢٢٧، حدیث: ١٤٠٧٩.

سوال: عورتوں کے لیے سفید لباس کا کیا حکم ہے؟

جواب: علمائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر ملک میں سفید لباس بالخصوص مردوں کی عادت اور خصوصیت ہو تو عورت کو یہ (سفید لباس) پہننا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کی مردوں کے ساتھ مشابہت ہو گی۔ واللہ اعلم۔ جبکہ فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ سفید لباس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس کی کٹائی اور سلائی وغیرہ مردوں سے مختلف ہو کیونکہ ان چیزوں میں اصل ''جواز'' ہے۔ اس کے علاوہ ایک شرط اور بھی ہے کہ عورت یہ لباس پہن کر بازار بھی نہ جائے، کیونکہ اس میں زینت کا اظہار ہے۔ (عبداللہ فوزان)

سوال: ایک عورت کا سوال ہے کہ کچھ دوپٹے ایسے ہیں جو ہمیں پن لگا کر لینے پڑتے ہیں اور ان سے جسم بھی جھلکتا ہے، تو کیا یہ جائز ہیں؟

جواب: صرف پنوں کے ساتھ لیے جانے والے دوپٹے ہی جسم نہیں دکھلاتے (بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن سے جسم جھلکتا اور نظر آتا ہے) پنیں استعمال ہونا ہی جسم دکھلانے کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ اصل علت وہ کپڑا اور اس کا حجم ہے۔ کچھ عورتوں نے دوپٹے لیے ہوتے ہیں اور کوئی پن بھی نہیں لگائی ہوتی مگر ان کا جسم صاف نظر آرہا ہوتا ہے۔

ایک اور اہم ضروری بات ہے مگر عورتیں اس سے پہلوتہی کرتی ہیں، وہ یہ کہ عورت کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ وہ ایسے کپڑے پہنتی ہی کیوں ہے؟ انسان کو اپنے بارے میں خوب علم ہوتا ہے، جیسے کہ اللہ عزوجل نے بھی فرمایا ہے:

﴿بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝﴾ (القیامۃ : ۰۰/ ۱۴۔۱۵)

''بلکہ انسان اپنے متعلق جانتا ہوتا ہے، خواہ کتنے ہی بہانے بنائے۔''

عورت یہی چاہتی ہے تاکہ نفیس اور پسندیدہ دکھائی دے۔ لیکن اس کا یہ شوق سراسر خلاف شریعت ہے۔ عربی میں اوڑھنی کے لیے استعمال ہونے والا لفظ ''خمار'' تخمیر سے لیا گیا ہے (جس کے معنی ڈھانپنا ہیں)۔ تو جب کوئی عورت کوئی ایسا کپڑا لیتی ہے جو اس کے بالوں اور گردن کو چھپا لے اور اس کے کندھوں اور سینے کو بھی ڈھانپ لے تو وہ ''خمار'' ہے۔ اور اگر اس کی تین تہیں کر جائیں تو اس کا حلال وحرام پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ کسی چیز (کے حلال وحرام ہونے) اور اس میں وسعت اور تنگی کی بنیاد ''پنیں لگانا'' نہیں ہے، بلکہ کپڑے کی نوعیت، اس کی مقدار اور عورت کی اپنی خواہش ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: لباس شہرت کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایک مسلمان خاتون کے لیے جائز نہیں ہے کہ محض رواج اور فیشن کی بنیاد پر اپنے کپڑے اور ان کے رنگ انتخاب کرے، بلکہ بحیثیت لباس انتخاب کیا جائے۔ تاہم حسن وجمال کی جائز حد تک رعایت رکھنے میں کوئی

حرج نہیں ہے۔ ''حرج اور منع'' وہاں اور اس وقت ہے جب وہ یہ کام اس غرض اور انداز سے کرے کہ لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھیں اور ان کی بھوکی نظریں اس کے فتنے میں مبتلا ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من لبس ثوب شهرة في الدنيا ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيامة ثم ألهب فيه نارا.))

''جو کوئی دنیا میں شہرت والا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ذلت اور رسوائی کا لباس پہنائے گا، پھر وہ اس لباس میں جہنم میں دہکایا جائے گا۔''[1]

لباس شہرت کسے کہتے ہیں؟

امام ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لباس شہرت'' سے مراد یہ ہے کہ آدمی اس کے پہننے سے جگ ہنسائی کا باعث بنے اور لوگوں میں مشہور ہو جائے۔[2] (عبداللہ فوزان)

سوال: پینٹ اور پتلون میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، مرد پہنے یا عورت؟ اور اگر کوئی عورت اس قدر ہلکے کپڑے پہنے جس سے اس کے قابل ستر مقامات بھی نمایاں ہوتے ہوں تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

جواب: تنگ اور فٹ لباس جو اعضائے جسم کو نمایاں کرنے والا ہو، عورت کی سرین اور دیگر اعضاء اور شکن اس سے نمایاں ہوتے ہوں تو اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔ اس قسم کا تنگ اور فٹ لباس عورتوں کے علاوہ مردوں کے لیے بھی جائز نہیں ہے، مگر عورتوں کے لیے اس کی ممانعت زیادہ سخت ہے، کیونکہ ان کا فتنہ بڑا سخت ہے۔ اور یہ مسئلہ کہ ایسے لباس میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو جب انسان ایسی حالت میں نماز پڑھے کہ اس لباس سے اس کی شرمگاہ ڈھانپی ہوئی ہو تو نماز بحیثیت نماز درست ہے کہ شرمگاہ ڈھانپی ہوئی ہے، لیکن دوسرے اعتبار سے وہ

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب، حديث: ٣٥٠٧، وسنن ابى داود، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة، حديث: ٤٠٢٩ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٩٢، حديث: ٥٦٦٤، فتویٰ میں بیان کردہ الفاظ سنن ابن ماجہ کے ہیں۔ (عاصم)

[2] راقم مترجم کا خیال ہے کہ اس تعریف میں عجیب طرح کی وسعت ہے۔ ایک تو یہی مفہوم ہے کہ لباس شرعی اور معاشرتی آداب کے خلاف ہو مثلاً تنگ اور فٹ پتلونیں۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ لباس تو مباح اور جائز ہو مگر آدمی اپنے معاشرے میں اس کے باعث دوسرے سے بالکل الگ اور منفرد نظر آئے۔ مثلاً ہمارے پاک وہند کے ماحول میں عربی جبہ پہننا کہ اس سے آدمی دوسرے سے بالکل ہی الگ نظر آتا ہے اور ممکن ہے وہ اپنی پارسائی کا عندیہ بھی دیتا ہو۔ یہ بھی لباس شہرت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اور اس میں صرف کپڑوں کی تراش ہی نہیں بلکہ بالوں کے مختلف عجیب انداز کے سٹائل بھی شامل ہیں جو بعض اوقات خلاف شریعت بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح مکانات اور کوٹھیاں اور آئے دن گاڑیوں اور کاروں وغیرہ کے ماڈل تبدیل کرنا بھی ''شہرت'' کے معنی ومفہوم میں آجاتے ہیں۔ ونسأل الله العافيه.

گناہ گار ہوسکتا ہے۔ممکن ہے لباس کی تنگی کے باعث وہ نماز کی کئی سنتیں ادا نہ کر پائے۔ اور میں ایک پہلو گناہ کا یہ بھی ہے کہ ایسا بندہ دوسرے کے لیے فتنے کا باعث بنتا ہے، نظریں خواہ مخواہ اس کی طرف اٹھتی ہیں، اور بالخصوص عورت کی طرف!

تو واجب ہے کہ عورت اپنے آپ کو کافی حد تک کھلے کپڑے میں ڈھانپے کہ اس کے اعضاء اس سے نمایاں نہ ہوں، دوسروں کی نظریں اس کی طرف نہ اٹھیں، کپڑا بہت ہی ہلکا اور شفاف نہ ہو، بلکہ ایسا ہو جو کامل طور پر اسے چھپا لے اور اس کے جسم سے کچھ نمایاں نہ ہو، اس قدر مختصر نہ ہو کہ اس سے اس کی پنڈلیاں یا بازو ننگے ہوں، بلکہ ہاتھ بھی دوسروں کو نظر نہیں آنے چاہئیں۔

عورت کو غیر محرم مردوں کے سامنے اپنا چہرہ بھی نہیں کھولنا چاہیے۔ اور ایسا کپڑا جس سے عورت کا جسم یا اس کا رنگ جھلکتا ہو پردے کا حق ادا نہیں کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں خبر دی ہے کہ ''دو قسم کے لوگ دوزخی ہوں گے، میں نے ابھی انہیں نہیں دیکھا ہے۔ (ایک) عورتیں جو کپڑے پہنے ہوں گی، (مگر) ننگی ہوں گی، مائل ہونے والی اور (دوسرے کو اپنی طرف) مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان، یہ جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکیں گی۔'' [1]

اس صحیح حدیث میں یہی بیان ہوا ہے کہ ان عورتوں نے کسی قدر کپڑے تو پہنے ہوں گے، لیکن حقیقت میں بے لباس ہوں گی، کیونکہ ان کے لباس انہیں ڈھانپتے اور چھپاتے نہیں ہوں گے۔ یہ لباس محض نام اور شکل کے لباس ہوں گے، جو ان کے نیچے جسم ہوگا اسے چھپاتے نہ ہوں گے۔ یا تو اس قدر مہین اور شفاف ہوں گے یا بہت ہی مختصر اور تنگ کہ جسم پر پورے نہ آتے ہوں گے۔ الغرض مسلمان خواتین پر واجب ہے کہ ان مسائل سے آگاہ اور متنبہ رہیں۔ (صالح فوزان)

سوال: آج کل شادیوں وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے کہ کچھ عورتیں عجیب سے لباس پہنتی ہیں۔ کچھ کہا جائے تو کہتی ہیں کہ ہم یہ صرف عورتوں ہی کے درمیان پہنتی ہیں۔ یہ کپڑے ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اعضائے زینت نمایاں ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اُوپر سے اس قدر کھلے ہوتے ہیں کہ سینے کا کچھ حصہ تک ننگا ہوتا ہے، یا کمر ننگی ہوتی ہے، یا نیچے سے اس طرح سے کاٹا گیا ہوتا ہے کہ گھٹنے کے قریب تک کا جسم ظاہر ہوتا ہے۔

جواب: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صنفان من أهل النار لم أرهما بعد: قوم معهم سياط كأذناب البقر

[1] صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث: ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٢٥٥، حديث: ٨٦٥٠ صحيح ابن حبان: ١٦/ ٥٠٠، حديث: ٧٤٦١.

يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات رؤوسهن كأسنمة البخت لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا...... .))

''دو قسم کے لوگ ہیں جو دوزخی ہوں گے، میں نے ابھی تک انہیں دیکھا نہیں ہے۔ ایک وہ لوگ کہ ان کے ہاتھ میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دمیں ہوتی ہیں، وہ ان کے ساتھ لوگوں کو مارتے پھرتے ہوں گے۔ اور دوسری عورتیں ہوں گی، لباس پہنے ہوئے مگر ننگی، (دوسروں کو اپنی طرف) مائل کرنے والی، ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے کہ بختی اونٹوں کے کوہان، یہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے محسوس ہوتی ہوگی......''❶

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان کہ ''وہ کپڑے پہنے ہوں گی'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان پر کپڑے تو ہوں گے مگر ان کے لازمی پردے کے لیے کافی نہ ہوں گے یا تو مختصر اور تنگ ہوں گے یا وہ بہت ہلکے اور باریک اور شفاف ہوں گے۔

اس مفہوم کی ایک روایت مسند احمد میں بھی آئی ہے، اگرچہ اس میں کچھ کمزوری بھی ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبطی (مصری) کپڑا عنایت فرمایا۔ پھر آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تو نے وہ قبطی کپڑا پہنا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وہ میں نے اپنی بیوی کو پہنا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''اسے حکم دینا کہ اس کے نیچے (بنیان کی طرح کا) کوئی زیر جامہ بھی لگا لے، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس کی ہڈیوں کا حجم نمایاں کرے گا۔''❷

آج کل کے کپڑے جو اوپر سے اس قدر کھلے ہوتے ہیں کہ کچھ سینہ، کمر ننگی ہوتی، اللہ تعالیٰ کے حکم کے صریحاً خلاف ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

اس کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور اس کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنی اوڑھنی کی بکل مار لے، اس طرح کہ اس کا گریبان اور سینہ چھپ جائے۔''❸

---

❶ صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث : ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٢٥٥ ، حديث : ٨٦٥٠- صحيح ابن حبان:١٦/ ٥٠٠ ، حديث : ٧٤٦١ .

❷ مسند احمد بن حنبل : ٥/ ٢٠٥ ، حديث : ٢١٨٣٤ .

❸ تفسير قرطبى:١٢/ ٢٠٥ (سورة النور ، آيت:٣١).

پھر اس کے بعد انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک اثر بیان کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حمنہ بنت عبدالرحمٰن ان کے پاس آئیں، ان کی اوڑھنی میں سے اس کی گردن وغیرہ جھلکتی تھی تو وہ انہوں نے پھاڑ ڈالی اور فرمایا:

''کپڑا ایسا لو جو موٹا ہو اور جسم چھپائے۔'' [1]

اور وہ کپڑے کہ نیچے سے ان کی کٹائی اس طرح ہوتی ہے کہ گھٹنے یا اس سے نیچے تک وہ چرے ہوئے ہوتے ہیں، اگر ان کے نیچے کوئی چھپانے والا اور بھی زیر جامہ ہو تو بہتر (ورنہ ناجائز ہے)۔ اور اگر یہ مردوں کے لباس سے مشابہ ہو تو مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہے۔ [2]

اور عورت کے ولی، سرپرست اور ذمہ دار پر لازم ہے کہ وہ اسے ہر حرام لباس سے منع کرے اور پابند کرے کہ وہ میک اپ کر کے یا خوشبو لگا کر باہر نہ جائے۔ ولی اس کا ذمہ دار اور مسئول ہے، قیامت کے دن اس سے اس کے بارے میں پوچھ ہوگی، اور قیامت کا دن وہ ہے کہ اس دن کوئی جان کسی سے کوئی کفایت نہیں کر سکے گی، نہ اس سے کوئی سفارش قبول ہوگی، اور نہ کوئی عوض قبول کیا جائے گا، اور نہ کوئی مدد ہوگی۔ اللہ عزوجل ہر ایک کو ایسے اعمال کی توفیق دے جو اس کے پسندیدہ ہیں اور وہ ان پر راضی ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: سکولوں میں طالبات کی اس وردی کا کیا حکم ہے جس میں بعض اوقات آگے، پیچھے اور اطراف میں ایسے چاک ہوتے ہیں جن سے (جسم ظاہر ہوتا ہے) اور نیچے سے پنڈلیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ سب عورتوں کے ماحول میں ہوتا ہے، اور کیا اس طرح پنڈلی کا ظاہر ہونا ''عورہ'' (قابل ستر) نہیں ہوتا؟

جواب: جہاں تک میں سمجھتا ہوں، عورت کے لیے واجب ہے کہ ایسا لباس پہنے جو اسے پوری طرح ڈھانپ لے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں عورتیں ایسی قمیص پہنتی تھیں جو ٹخنوں اور قدموں تک ہوتی تھیں، اور بازو ہاتھوں کو بھی چھپا لیتے تھے۔ اور سائل نے جو بات پوچھی ہے کہ شلوار پاجامہ کا چاک جس سے پنڈلی ظاہر ہوتی ہے، عین ممکن ہے کہ معاملہ اس سے آگے بڑھ جائے اور اس سے اوپر کا حصہ ننگا کیا جانے لگے۔ عورت پر واجب ہے کہ ایسا لباس پہنے جو اسے باحیا اور باوقار بنائے اور اسے چھپانے والا ہو، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید میں شامل نہ ہو:

((صنفان من أهل النار لم أرهما بعد، قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات رؤوسهن كأسنمة

---

[1] ان کا نام حمنہ نہیں بلکہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی بیٹی ہیں۔ ان کی باریک اوڑھنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھاڑ دی اور موٹی اوڑھنی دے دی۔ (عاصم) السنن الكبرى للبيهقي: ٢/ ٢٣٥، حديث: ٣٠٨٢.

[2] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ عورتوں کا یہ عذر کرنا کہ ہم یہ صرف عورتوں کے سامنے ہی پہنتی ہیں، تب بھی یہ جائز نہیں ہے۔ شروع فتویٰ میں بیان کی گئی حدیث کے عموم کا تقاضا یہی ہے۔

البخت لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا......))

''دو قسم کے لوگ ہیں جو دوزخی ہوں گے، میں نے ابھی تک انہیں دیکھا نہیں ہے۔ایک وہ لوگ کہ ان کے ہاتھ میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دمیں ہوتی ہیں، وہ ان کے ساتھ لوگوں کو مارتے پھرتے ہوں گے۔ اور دوسری عورتیں ہوں گی، لباس پہنے ہوئے مگر ننگی، (دوسروں کو اپنی طرف) مائل کرنے والی، ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے کہ بختی اونٹوں کے کوہان، یہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے محسوس ہوتی ہوگی......''[1]

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بعض عورتیں ہیں، اللہ انہیں ہدایت دے، وہ اپنی چھوٹی بچیوں کو بڑا مختصر لباس پہناتی ہیں، اس سے ان کی پنڈلیاں ننگی ہوتی ہیں، جب ان کی ماؤں کو کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو جواب دیتی ہیں: ہم بھی اس سے پہلے اسی طرح پہنا کرتی تھیں، اس نے ہمیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور ہم بڑی ہوگئی ہیں۔اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ چھوٹی بچی کو بھی اس طرح مختصر لباس نہیں پہنانا چاہیے کیونکہ اگر وہ اس کی عادی ہوگئی تو یہ ہمیشہ اسے ہی اپنائے گی اور یہ لباس اس کے لیے ایک عام اور معمول کی بات ہوگی۔لیکن اگر اسے باحیا اور باوقار لباس کا عادی بنایا جائے تو بڑی ہو کر وہ اسی کی عادی ہوگی۔

میں اپنی مسلمان بہنوں کو نصیحت کروں گا کہ باہر کے دشمنان دین کا لباس چھوڑ دیں، اور اپنی چھوٹی بچیوں کو بھی کامل اور ساتر (چھپا لینے والے) لباس کا عادی بنائیں اور یہ کہ وہ حیادار بنیں۔اور حیا ایمان کا حصہ ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایسے لباس کا کیا حکم ہے جس پر انگریزی میں کچھ لکھا ہوا ہوتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ کیا لکھا ہے۔ ممکن ہے کوئی غلط بات لکھی ہو؟ اور کیا یہ تشبیہ میں شامل ہے؟

جواب: ضروری ہے کہ پہلے ان انگریزی حروف وکلمات کے معانی وحقائق دریافت کیے جائیں۔ممکن ہے یہ ایسے معانی کے حامل ہوں جو اخلاق وشرافت کے خلاف ہوں۔تحریر (پرنٹ) کی تحقیق کیے بغیر، خواہ وہ انگریزی میں ہو یا کسی اور زبان میں، ایسے لباس کا پہننا جائز نہیں ہے۔ممکن ہے وہ عبارت اسلامی شرف ووقار کے منافی ہو یا اس میں کفار کی تعظیم ہو جیسے کہ کھلاڑی ہوتے ہیں یا فلمی اداکار یا بعض ایجادات کے موجد وغیرہ۔اگر ان

[1] صحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حدیث: ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٥، حدیث: ٨٦٥٠.

تحریروں میں کفار کی تعظیم ہو تو ان کا پہننا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے وہ الفاظ کسی بیچ اور غلط معانی والے ہوں تو بھی ان کا پہننا جائز نہیں۔ الغرض ضروری ہے کہ پہلے ان پرنٹ شدہ الفاظ کے معانی معلوم کیے جائیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہم خواتین ایک بڑی مشکل سے دوچار ہیں۔ ہم چاہتی ہیں کہ اس بارے میں آپ کا تفصیلی واضح بیان سامنے آئے۔ اور وہ مشکل یہ ہے کہ عورتوں کے بیشتر کپڑے مغرب سے آتے ہیں۔ ان کے پہننے میں اولاً تو ان کفار کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، پھر وہ عورتوں میں اس قدر عام ہوجاتے ہیں کہ ان ہی کا رواج اور فیشن ہوجاتا ہے اور ہر طرف یہی نظر آتے ہیں۔ اور یہی کچھ حال بالوں کے اسٹائلوں کا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ان کپڑوں کا کیا حکم ہے جبکہ ان میں مغربی تہذیب وثقافت واضح نظر آتی ہے جسے عقل صحیح اور فطرت سلیمہ کسی طرح قبول نہیں کرسکتی؟

جواب: (ممنوعہ) تشبہ اور مشابہت سے مراد وہ مشابہت ہے جو کسی ایسے کام میں ہو جو صرف اس مشبہ بہ سے خاص ہو (یعنی جس کی مشابہت کی جا رہی ہے، وہ چیز اور کام صرف اسی سے مخصوص ہو)۔ اگر یہ چیز مشبہ بہ سے خاص نہ ہو بلکہ مسلم، غیر مسلم سب میں عام اور منتشر ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ آیا اس میں کوئی اور چیز باعث حرمت تو نہیں؟ مثلاً لباس اس قدر تنگ ہو (کہ شرعی اعتبار سے جسم کو کماحقہ نہ ڈھانپتا ہو) یا اس میں کوئی تصویر وغیرہ ہو۔ ورنہ اصل قاعدہ کی رُو سے یہ چیزیں حلال ہیں، حتیٰ کہ ان کے حرام ہونے کی کوئی دلیل مل جائے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

(الاعراف: ۷/ ۳۲)

"آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں، انہیں کس نے حرام کیا ہے۔"

اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ عورتوں کو اپنے وہ قدیم اور اسلاف والے باپردہ لباس پہننے چاہئیں جن میں کافر عورتوں سے کوئی مشابہت نہیں ہوتی۔ جب کہ ان موجودہ لباسوں سے ہر دیکھنے والا پہلی نظر میں یہی سمجھتا ہے کہ یہ کوئی مغربی عورت ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: تجارتی مراکز اور شوروموں وغیرہ میں چھوٹی بڑی تصاویر کی بھرمار ہورہی ہے، یہ تصویریں عالمی معیار کے فلمی اداکاروں یا دیگر مشہور و معروف شخصیات کی ہوتی ہیں، ان کے ذریعے سے کسی صنعت وغیرہ کا اشتہار دیا گیا ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض عطر وغیرہ ہوتے ہیں۔ اگر ان دکانداروں پر اعتراض کیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تصویریں مجسم نہیں ہیں۔ مقصد اس سے ان کا یہ ہوتا ہے کہ یہ حرام نہیں ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کی نقالی نہیں ہے

اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے مجلّہ ''المسلمون'' میں آنجناب کا فتویٰ دیکھا ہے کہ تصویر وہی حرام ہے جو مجسم ہو، دوسری حرام نہیں ہے۔ آپ سے امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔ وجزاکم اللہ خیرا

جواب: جس نے ہماری طرف یہ بات نسبت کی ہے کہ تصویر صرف مجسم ہی حرام ہے دوسری حرام نہیں ہے، اس نے ہم پر جھوٹ بولا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس لباس پر تصویر ہو اس کا پہننا جائز نہیں ہے خواہ وہ چھوٹے بچوں کے کپڑے ہوں یا بڑوں کے، اور یادداشت کے طور پر تصویریں سنبھال کے رکھنا بھی جائز نہیں ہے، سوائے خاص ضرورت کے، مثلاً وثیقہ شہریت (تابعیہ) یا کوئی لائسنس وغیرہ۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: آج کل ہمیں ایک بڑی اہم بحث کا سامنا ہے، یعنی چمڑے کی جیکٹ پہننا۔ بعض بھائی کہتے ہیں کہ یہ عموماً خنزیر سے بنتی ہے۔ اس صورت میں ان کے پہننے کا کیا حکم ہے؟ کیا دینی لحاظ سے یہ جائز ہو سکتی ہیں؟ بعض دینی کتب مثلاً علامہ قرضاوی کی "الحلال والحرام" یا" الدين على المذاهب الاربعة" وغیرہ میں اس کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر وضاحت سے کچھ نہیں لکھا ہے؟

جواب: صحیح احادیث میں نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ثابت ہے کہ:

((إذا دبغ الجلد فقد طهر .))

''جب چمڑے کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔'' ❶

اور فرمایا:

((دبغ جلد الميت طهورها .))

''مردار جانور کے چمڑے کا رنگ دیا جانا اس کی پاکیزگی اور طہارت ہے۔'' ❷

پھر علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث تمام قسم کے چمڑوں کو شامل ہے یا صرف ان مردہ جانوروں کے چمڑوں کے ساتھ جو ذبح کرنے سے حلال ہوتے ہیں؟

اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ جو جانور ذبح سے حلال کیے جاتے ہیں وہ اگر مردہ ہو جاتے ہیں جیسے کہ اونٹ گائے وغیرہ ہیں تو ان کے چمڑے کا استعمال (رنگنے کے بعد) ہر طرح جائز ہے۔ علماء کا صحیح تر قول یہی ہے۔ اور خنزیر اور کتا وغیرہ جو ذبح سے حلال نہیں ہوتے، ان کے چمڑے رنگنے سے پاک ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے استعمال نہ کیا جائے۔ نبی علیہ السلام کا قول ہے:

---

❶ احادیث میں 'الجلد' کی جگہ 'الاهاب' ہے: صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، حديث: ٣٦٦ وسنن ابى داود، كتاب اللباس، باب في اهب الميت، حديث: ٤١٢٣ السنن الكبرى للبيهقي: ١/ ٢٠، حديث: ٦٨ .

❷ روایت کے بعینہ الفاظ نہیں ملے البتہ 'دباغ جلد الميتة ذكاته' کے الفاظ ایک روایت میں موجود ہیں الاستذكار لابن عبدالبر: ٥/ ٣٠٢ بطور اسم 'دبغ' کے بجائے 'دباغ' کا لفظ مستعمل ہے اور 'الميت' کی جگہ 'الميتة' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ (عاصم)

((ومن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه .))

''جو بندہ شبہ والی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا۔''❶

اور آپ کا یہ فرمان بھی ہے:

((دع ما يريبك إلى ما لا يريبك .))

''شبہ والی چیز کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کر جس میں تجھے کوئی شبہ نہ ہو۔''❷ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایسے رسائل ومجلّات خریدنے کا کیا حکم ہے جو عورتوں کے کپڑوں کی نئی ورائٹی اور لباس کے ڈیزائنوں کے اشتہارات پر مشتمل ہوتے ہیں، جبکہ ان کی خریداری کا مقصد بھی صرف نئے نئے ڈیزائنوں سے آگاہ ہونا ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد انہیں سنبھال کے رکھنے کا کیا حکم ہے جبکہ یہ عورتوں کی تصویروں سے بھرے ہوتے ہیں؟

جواب: بلاشبہ ایسے رسائل خریدنا جن میں حرام تصویریں ہی ہوں ناجائز ہے، اور پھر تصویریں سنبھال کے رکھنا بھی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة .))

''اس گھر میں جس میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''❸

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک غالیچہ یا تکیہ دیکھا جس پر تصویر تھی، تو آپ دروازے پر رک گئے اور اندر داخل نہ ہوئے اور انہوں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس کیے۔❹

ان لباسوں سے متعلق رسالوں کی تحقیق ہونی چاہیے، اور ہر لباس حلال نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کوئی اس میں ایسا ہو جو ''ظہور عورہ'' کا کوئی پہلو لیے ہوئے ہو، اس انداز میں کہ وہ تنگ ہو یا کچھ اور۔ اور ممکن ہے کہ یہ لباس کفار کے مخصوص لباسوں میں سے ہو تو کافروں کی مشابہت بھی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ صحيح مسلم، كتاب المسافات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حديث: ١٥٩٩ وسنن ابى داود، كتاب البيوع، باب فى اجتناب الشبهات، حديث: ٣٣٣٠ وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبهات، حديث: ٣٩٨٤.

❷ صحيح بخارى، كتاب البيوع، باب تفسير المشبهات(ترجمة الباب) وسنن الترمذى، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب صفة اوانى الحوض(باب منه)، حديث: ٢٥١٨ وسنن النسائى، كتاب آداب القضاءة، باب الحكم باتفاق اهل العلم، حديث: ٥٣٩٧ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٠٠، حديث: ١٧٢٣

❸ صحيح بخارى، كتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم آمين والملائكة فى السماء، حديث: ٣٠٥٤، وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حديث: ٢١٠٦ وسنن النسائى، كتاب الطهارة، باب فى الجنب اذا لم يتوضا، حديث: ٢٦١.

❹ مسند اسحاق بن راهويه: ٢/ ٤١٧، حديث: ٩٧٦.

((من تشبه بقوم فهو منهم .))

''جو کسی قوم کی مشابہت اپنائے، وہ ان ہی میں سے ہے۔'' ❶

سو میں اپنے مسلمان بھائیوں کو بالعموم اور بہنوں کو بالخصوص نصیحت کرنا چاہوں گا کہ ان (مغربی) لباسوں سے اپنے آپ کو بچائیں، کیونکہ ان میں کئی وہ ہیں جن میں کافروں سے مشابہت ہوتی ہے اور کئی وہ ہیں جن میں کماحقہ پردہ نہیں ہوتا، جسم ان میں ننگا رہتا ہے۔ پھر ہماری عورتوں کا ان نت نئے ڈیزائنوں کے طرف مائل اور راغب ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری عادات اور خصائل بھی بدل جائیں گے جن کا منبع دین حق ہے، اور ہم وہ عادتیں اپنالیں گے جو غیر مسلموں سے آئی ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

زینتیں جو بالاتفاق حرام ہیں

سوال: ابروؤں کے بال نوچنے کا کیا حکم ہے؟ اور عورت کے لیے اپنی ڈاڑھی، مونچھوں، بازوؤں اور پنڈلیوں کے بال اتارنے کا کیا حکم ہے، جبکہ یہ شوہر کے لیے نفرت کا باعث بھی ہوں؟

جواب: ابروؤں کے بال نوچنا جائز نہیں ہے۔ اسے ہی حدیث میں ''النمص'' کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نامصہ اور متنمصہ (یعنی جو ابروؤں کے بال نوچے اور نچوائے) کو لعنت کی ہے۔ ❷ البتہ اگر اس کو ڈاڑھی یا مونچھیں اُگ آئیں اور اسی طرح بازوؤں اور پنڈلیوں پر بال ہوں تو انہیں زائل کرنا جائز ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک دوشیزہ ہے، ابتدائے عمر ہی سے اس کے ابرو اس قدر گھرے ہیں جو ایک حد تک برے لگتے ہیں۔ اس نے کچھ مونڈ دیے ہیں تاکہ دونوں ابروؤں کا فاصلہ نمایاں ہوجائے، اور کچھ بال ہلکے کر دیے ہیں، حتیٰ کہ منظر شوہر کے لیے قابل قبول ہوگیا ہے۔ اس صورت میں ان دونوں کا ارادہ ہوا ہے کہ کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کریں جسے ان مسائل کا علم ہو جو عام لوگوں کے لیے مشکل کا باعث بنتے ہیں۔ تو کیا اس دوشیزہ کو اپنا یہ

---

❶ سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث: ٤٠٣١، ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٥٠، حدیث: ٥١١٥، ٥١١٤.

❷ وصحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة، حدیث: ٢١٢٥، مسلم کی روایت میں ہے کہ ان عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن پر اللہ کے نبی نے لعنت کی ہے میں کیوں نہ کروں۔ سنن ابی داود میں صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لعنت کرنے کا ذکر ہے۔ نسائی اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابروؤں کے بال نوچنے اور نچوانے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے یعنی ان روایات میں لعنت کا ذکر نہیں ہے۔ سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی صلة الشعر، حدیث: ٤١٧٠، سنن النسائی، کتاب الزینة، باب المتنمصات، حدیث: ٥١٠١ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٥٧ صحیح بخاری کی روایت میں صرف ''المتنمصات'' بال نچوانے والیوں پر لعنت کا ذکر ہے۔ بہرحال نوچنے والی کو بھی یہ لعنت محیط ہے۔ اس کی وضاحت دیگر احادیث سے ہوتی ہے۔ (عاصم)

معمول جاری رکھنا چاہیے؟

جواب: ابروؤں کا منڈوانا یا ہلکا کروانا جائز نہیں ہے، اور یہ وہی ''نمص'' ہے جس کے کرنے والے یا کروانے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ ❶ تو اس لڑکی کو چاہیے کہ پہلے جو کچھ ہو چکا اس سے استغفار کرے، اور آئندہ کے لیے اس سے باز رہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: اگر عورت نے اپنے چہرے سے بال نوچے یا ابروؤں کے بال مونڈے ہوں تو کیا اس صورت میں اسے اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے؟

جواب: ہاں اس حالت میں اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنا چہرہ چھپائے۔ بال نوچنا اور چہرہ چھپانا دونوں علل سلب و ایجاب (یعنی نفی و اثبات) میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ مطلق بال نوچنا حرام ہے تو اس پر چہرہ چھپانا بھی واجب ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ کچھ بال نوچ لینا جائز ہے تو جائز ہوگا کہ چہرہ نہ چھپائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ کی لعنت ہے بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں پر۔'' ❷

اور دوسری حدیث میں اس کی علت اور سبب بھی بتایا ہے:

'المغيرات خلق الله' ''جو اللہ کی خلقت اور پیدائش میں تبدیلی کرتی ہیں۔'' ❸

تو یہ حدیث دلیل ہے کہ لعنت کا سبب کثرت اور قلت نہیں بلکہ اللہ کی خلقت اور پیدائش کو تبدیل کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت صرف ابروؤں کے بال نوچتی ہے تو اس پر مذکورہ لعنت ثابت ہوگی، کیونکہ علت اپنے علم کے ساتھ ہے۔

بعض معاصرین اہل علم نے بال نوچنے کی حرمت کو صرف ابروؤں تک خاص کیا ہے اور کچھ دوسروں نے صرف چہرے تک۔ لیکن درست بات یہ ہے کہ کامل حدیث پر مطلقاً عمل کیا جائے۔ لہٰذا عورت کے لیے، اور اسی طرح مرد کے لیے بھی، بدن کے بال نوچنا جائز نہیں ہے، سوائے اس کے جس کی اجازت آئی ہے۔ نص کے عموم اور اس کے ساتھ ملحق علت کا تقاضا یہی ہے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: ابروؤں کے بال ہلکے کر لینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ابروؤں کے بالوں کا نوچنا حرام ہے بلکہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ یہ نص اور صراحت ہے جس کے

---

❶ وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، حديث: ٢١٢٥.

❷ وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، حديث: ٢١٢٥.

❸ صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن، حديث: ٥٥٨٧ وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، حديث: ٢١٢٥.

مرتکب پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ [1] البتہ انہیں کاٹنا یا مونڈنا تو اسے بعض اہل علم نے مکروہ کہا ہے اور بعض نے اس سے بھی منع فرمایا ہے اور اسے نمص (یعنی نوچنے) ہی میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے بقول "نمص" صرف نوچنے ہی سے خاص نہیں ہے بلکہ چہرے کے بالوں کی ہر وہ تغییر جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے، اس کو شامل ہے۔

اور جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہی ہے کہ عورت کو اس کام سے بچنا چاہیے، سوائے اس صورت کے کہ بال بہت زیادہ ہوں جو آنکھ پر آ کر نظر کو متاثر کرتے ہوں تو اس اذیت کو دور کرنے کی غرض سے انہیں کاٹ لے تو جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایک عورت کا سوال ہے کیا ہمیں سیاہ رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں سے بال رنگ لینا جائز ہے؟

جواب: ہاں جائز ہے، بشرطیکہ سیاہ رنگ سے بچے۔ اور میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ عورت کی زینت وہ ہے جس میں رنگ نمایاں اور خوشبو مخفی ہو۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک دوشیزہ کے ابروؤں کے بال بہت زیادہ گنجان اور ڈھلکے ہوئے ہیں تو اس نے ایک دوسری عورت سے پوچھا تو اس نے کہا کہ زائد بالوں کو اگر دور کر دو تو کوئی حرج نہیں؟

جواب: ہاں ان کا زائل کرنا جائز نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ اتنے لمبے ہوں کہ آنکھوں پر پڑتے اور نظر کے لیے اذیت کا باعث ہوں۔ جیسے کہ حدیث میں ہے: ((لا ضرر ولا ضرار.)) "یعنی اسلام میں دکھ اور نقصان پہنچانا نہیں ہے اور نہ ہی نقصان کے بدلے میں نقصان پہنچانا۔" [2] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: دانتوں کو اس طرح ترشوانا کہ ان کے درمیان کچھ خلا ہو جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ کام حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((...... والمتظجات للحسن الغيرات لخلق الله.))

"لعنت ہے ایسی عورتوں پر جو اپنے دانتوں کو کریدتی یا ان میں خلا پیدا کرواتی ہیں، اللہ کی خلقت اور پیدائش میں حسن و زیبائش کے لیے تغییر کرتی ہیں۔" [3]

---

[1] وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، حديث: ٢١٢٥.

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الاحكام، باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره، حديث: ٢٣٤٠ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٣١٣، حديث: ٢٨٦٧، سنن الدارقطنى: ٣/ ٧٧، حديث: ٢٨٨، السنن الكبرى للبيهقى: ٦/ ٦٩، حديث: ١١١٦٦، المستدرك للحاكم: ٢/ ٦٦، حديث: ٢٣٤٥.

[3] صحيح بخارى، كتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن، حديث: ٥٥٨٧ وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة و المستوصلة، حديث: ٢١٢٤ والسنن الكبرى للبيهقى: ٧/ ٣١٢، حديث: ١٤٦١٠.

یہ عمل اللہ کی خلقت اور پیدائش میں تغیر ہے اور بے قیمت حقیر کام میں مشغول ہونا ہے، اور اس میں وقت کا ضیاع بھی ہے۔ جبکہ ضروری ہے کہ انسان اپنے وقت کو کسی ایسے کام میں صرف کرے جو اس کے لیے نفع آور ہو۔ اور دانتوں میں خلا پیدا کرنا ایک معنی میں دوسروں کے لیے دھوکہ دہی ہے اور تدلیس ہے کہ انسان اپنے آپ کو عمر میں چھوٹا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ (عبداللہ الفوزان)

سوال: عورت زینت کی خاطر اپنے دانتوں میں خلا پیدا کروائے کہ ان کے درمیان معمولی سا فرق پیدا ہو جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایک مسلمان کے لیے حرام ہے کہ محض حسن و جمال کی خاطر اپنے دانتوں کو کشادہ کرائے۔ ہاں اگر وہ بہت ہی بدنما ہوں اور کسی طرح ان کی اصلاح ہو سکتی ہو تو جائز ہے یا ان میں کیڑا وغیرہ لگ گیا ہو تو اس بیماری کا علاج درست ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ ایک علاج اور بدنمائی کا دور کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ عمل کسی ماہر فن لیڈی ڈاکٹر یا لیڈی ڈینٹل سرجن ہی سے ہو سکے گا۔ (صالح بن فوزان)

سوال: علاج، دوا اور ازالہ عیب کی غرض سے دانتوں میں خلا پیدا کروانا کیسا ہے؟

جواب: محض حسن و جمال اور یہ کہ عورت صغیر السن دکھائی دے، اس غرض سے دانتوں کو کچھ کرانا شرعاً حرام ہے۔ لیکن علاج اور دوا کی غرض سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کوئی دانت زائد نکل آیا ہو تو اس کا نکلوا دینا بھی جائز ہے، کیونکہ اس سے انسان کا ظاہری منظر خراب ہو جاتا ہے اور بعض اوقات کھانے میں بھی رکاوٹ بنتا ہے، اور عیوب کا ازالہ کر دینا شرعاً جائز ہے۔ اسی طرح کیڑا وغیرہ لگنے کی صورت میں بھی اس کی اصلاح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عبداللہ فوزان)

سوال: جسم گدوانے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ فریضہ حج کی ادائیگی سے مانع ہے یا نہیں؟

جواب: جسم گدوانا حرام ہے۔ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ:

((لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة .))

''آپ نے اس عورت پر لعنت کی ہے جو جعلی بال جوڑتی یا لگواتی ہے، اور اسے بھی جو جسم گدواتی اور گودواتی ہے۔''[1]

اور یہ عمل (وشم) رخساروں اور ہونٹوں وغیرہ میں کیا جاتا ہے کہ اس میں بعض اوقات جسم گود کر نیلا، سبز یا

[1] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الوصل فی الشعر، حدیث: ٥٥٨٩ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة، حدیث: ٢٧٨٣، صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الموصلة، حدیث: ٥٥٩٦ وصحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة، حدیث: ٢١٢٤ وسنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی صلة الشعر، حدیث: ٤١٥٨.

سیاہ رنگ بھر دیتے ہیں۔ اور اگر کسی نے یہ کام کروایا ہو تو یہ ادائے حج سے مانع نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میری والدہ بتاتی ہیں کہ جہالت کے دنوں میں جبکہ علم کی روشنی نہ تھی، اس نے اپنے نچلے جبڑے پر ایک لکیر سی بنائی تھی جو کامل طور پر وَشم اور گودنا نہ تھی اور معلوم نہ تھا کہ یہ عمل حرام ہے یا حلال۔ اب ہم نے سنا ہے کہ گدوانے والی معلونہ ہے۔ تو اب کیا ہو؟ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب: گودنے، گدوانے کا عمل جسم میں کہیں بھی ہو حرام ہے، خواہ یہ کامل ہو یا غیر کامل۔ آپ کی والدہ پر واجب ہے کہ اگر کوئی خاص ضرر اور نقصان نہ ہوتا ہو تو اس کا ازالہ کر دے اور ساتھ ہی ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس سے توبہ اور استغفار کرے۔ (مجلس افتاء)

سوال: عورت کا اپنے بالوں کے ساتھ بناوٹی چوٹی لگانا کیسا ہے؟

جواب: عورت کو اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال جوڑنا یا کوئی ایسی چیز جو بالوں کا شبہ دے، استعمال کرنا حرام ہے، کیونکہ اس کے دلائل ثابت ہیں۔ [1] (مجلس افتاء)

سوال: کیا سر پر مصنوعی طور پر بال اُگانا جائز ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے پانی سر کی جلد تک نہیں پہنچتا ہے۔ جب پانی نہیں پہنچتا، وضو ہو یا غسل وغیرہ تو طہارت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: عورت کے لیے "باروکہ" یعنی مستعار بالوں کا استعمال کیسا ہے؟

جواب: "باروکہ" حرام ہے اور وصل (یعنی بال جوڑنے اور ملانے) کے حکم میں ہے۔ یہ اگرچہ فی الواقع وصل نہیں ہوتا، تاہم اس سے عورت کا سر حقیقت کے خلاف بھرا بھرا نظر آتا ہے، اس لیے یہ وصل سے مشابہ ہے، اور نبی ﷺ نے واصلہ اور مستوصلہ عورت کو لعنت فرمائی ہے۔ [2] (یعنی جو جعلی بال جوڑے اور جڑوائے)۔ ہاں اگر عورت کے سر پر بال بالکل ہی نہ ہوں اور گنجی ہو، تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں تاکہ یہ عیب چھپ جائے اور عیوب کا ازالہ جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا حدیث مبارکہ ((لعن الله الواصلة والمستوصلة .)) کے معنی میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں

---

[1] اس مسئلہ کا تعلق ہمارے دور میں معروف چیز "وگ" سے ہے جو سراسر جعلی بال ہوتے ہیں۔ البتہ پراندہ یا پراندی (یعنی موباف)، بالوں کو باندھنے کے لیے ناگے وغیرہ، وہ راقم کی نظر میں ان شاء اللہ اس وعید میں نہیں آتے، کیونکہ یہ محض ایک زینت کی چیز ہے۔ (سعیدی)

[2] صحيح بخاری، كتاب اللباس، باب الوصل فی الشعر، حدیث: ٥٥٨٩ سنن الترمذی، كتاب الادب، باب الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة، حدیث: ٢٧٨٣، صحيح بخاری، كتاب اللباس، باب الموصلة، حدیث: ٥٥٩٦ وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، حدیث: ٢١٢٤ وسنن ابی داود، كتاب الترجل، باب فی صلة الشعر، حدیث: ٤١٥٨.

جو ہمارے طالبات کے مدارس میں مروج اور معمول ہیں، مثلاً طالبات ربنوں سے کوئی پھول وغیرہ بنا کر اپنے سروں پر باندھتی ہیں، یا ایک سفید ربن گردن میں لپیٹا جاتا ہے اور پھر اس کا ایک حصہ سینے پر لٹکایا جاتا ہے اور یہ سب زینت کے طور پر ہوتا ہے۔ میری بچیاں ہیں، سکولوں میں پڑھتی ہیں، مجھے ان چیزوں میں اللہ کی نافرمانی کا ڈر ہے؟

جواب: ذکر کی گئی حدیث جو صحیح بخاری ومسلم میں ہے، اس کے معنی اور مفہوم یہ ہیں کہ اگر کوئی عورت کوئی دوسرے بال مستعار لے کر اپنے بالوں سے جوڑے تو یہ وصل ہے، وصلہ ہے، اور مستوصلہ وہ ہے جو یہ کام کروائے، اور واصلہ وہ ہے جو یہ کام کرے۔ اور اس نہی کی حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات زواج وغیرہ میں دھوکہ دینے کے لیے یہ کام کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسے زُور یعنی جھوٹ (اور دھوکے) سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1] جب حدیث نبوی کے معنی ومفہوم اور اس کی حکمت نہی واضح ہوگئی تو معلوم ہوا کہ طالبات جو اپنے سروں پر ربن سے پھول وغیرہ بنا کر لگا لیتی ہیں، وہ اس میں شامل اور شمار نہیں ہیں، اور اسی طرح جو سفید پٹی گلے میں لپیٹ کر اس کا ایک حصہ سینے پر لمبا لٹکا لیا جاتا ہے اگر یہ چیز کافروں کا مخصوص عمل نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ان امور میں اصل ان کا حلال ہونا ہے۔

اور ضروری ہے کہ لڑکی یہ چیزیں جو بطور زینت استعمال کرے تو اسے غیر محرموں سے چھپا لے جبکہ اس پر پردہ کرنا واجب ہو۔ لیکن یہ چیزیں اگر کفار کے خاص اعمال ہوں تو ان کا استعمال حرام ہوگا کیونکہ کافروں کی مشابہت حرام ہے۔ (مجلس افتاء)

وہ سنگار جو بال اڑانے اور کنگھی کے اسٹائل وغیرہ سے متعلق ہیں

سوال: عورت کے لیے اپنے جسم کے بال زائل کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو یہ کام کون کرے؟

جواب: عورت کے لیے اپنے سر اور ابروؤں کے بالوں کے علاوہ جسم کے باقی بال دور کر لینا جائز ہے۔ سر اور ابروؤں کے سارے بال یا ان کا کچھ حصہ بھی دور کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ کام عورت کو چاہیے کہ خود کرے، یا اپنے شوہر سے مدد لے، یا اس محرم سے جس کے لیے اس کا جسم دیکھنا جائز ہے یا کوئی عورت ہونی چاہیے جسے اس کا جسم دیکھنا جائز ہو۔ (مجلس افتاء)

سوال: عورت کے لیے سر مونڈنے کا کیا حکم ہے؟

---

[1] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الوصل فی الشعر، حدیث: ٥٥٩٤ وصحیح مسلم، کتاب، اللباس و الزینة، باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة، حدیث: ٢١٢٧ وسنن النسائی، کتاب الزینة، باب الوصل فی الشعر، حدیث: ٥٢٤٦.

جواب: علمائے امت کا اجماع ہے کہ حج جیسی عبادت میں عورت کو سر مونڈنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اگر ان کے لیے سر منڈوانا جائز ہوتا تو حج میں بھی جائز ہوتا جیسے کہ مرد کے لیے مشروع ہے۔ ہاں اگر کسی مرض یا زخم کی وجہ سے ضروری ہو مثلاً ٹانکے لگانا وغیرہ، تو بال مونڈ دینا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (المائدة: ٥/ ٣)

''پھر اگر کوئی شخص (ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی کو کھانے پر) مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ یقیناً بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔'' (مجلس افتاء)

سوال: ابروؤں کے بال مونڈنا یا کترنا یا کسی پاؤڈر یا پیسٹ وغیرہ سے دور کرنا کیسا ہے؟

جواب: کسی مسلمان خاتون کے لیے حرام ہے کہ اپنے ابروؤں کے بال کل یا بعض مونڈے یا کتروائے یا کوئی پاؤڈر یا پیسٹ وغیرہ اس مقصد کے لیے استعمال کرے۔ کیونکہ یہ عمل ''نمص'' میں شمار ہوتا ہے (یعنی بال نوچنا اور اکھیڑنا)، اور جو کوئی عورت یہ کام کرے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کی لعنت ہے۔ آپ نے نامصہ اور متنمصہ کو لعنت فرمائی ہے۔ نامصہ وہ عورت ہوتی ہے جو بغرض زینت اپنے ابروؤں کے بال یا ان کا کچھ حصہ نوچے۔ اور متنمصہ: وہ ہے جو یہ کام کروائے۔ اور یہ کام اللہ کی خلقت اور پیدائش کو تبدیل کرنا ہے، جس کا شیطان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ابن آدم کو اس کا حکم دے گا۔ جیسے کہ قرآن کریم میں اس کا بیان آیا ہے:

﴿....وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ....﴾ (النساء: ٤/ ١١٩)

''شیطان نے کہا...... میں انہیں ضرور حکم دوں گا، پھر وہ اللہ کی خلقت اور پیدائش کو تبدیل کریں گے۔''

صحیح حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لعن الله الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله عزوجل.))

''اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو جسم گودتی ہیں اور جو گدواتی ہیں، اور ان عورتوں کو جو بال نوچتی اور جو نچواتی ہیں اور جو حسن وجمال کی خاطر اپنے دانتوں کو باریک کرواتی اور اللہ کی پیدا کردہ صورت کو تبدیل کرتی ہیں۔''

پھر جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی اس پر لعنت بھیجتا ہوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے، اور یہ بات اللہ کی کتاب میں بھی ہے۔ ان کا اشارہ اللہ عزوجل کے اس فرمان کی طرف تھا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ٥٩/ ٧)

''اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو، اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔'' ❶

(صالح بن فوزان)

سوال: یہ سوال بڑی کثرت سے پوچھا جاتا ہے کہ اگر عورت کے بازوؤں پر بال ہوں اور شوہر اسے برا سمجھتا ہو تو کیا اسے تھریڈنگ وغیرہ کے ذریعے سے نوچنا جائز ہے؟

جواب: یہ اللہ کی پیدا کردہ خلقت اور صورت کو تبدیل کرنا ہے۔ اگر اللہ عزوجل نے اس عورت کو اسی طرح پیدا کیا ہے کہ اس پر بال قدرے زیادہ ہیں، تو واجب ہے کہ وہ اللہ کی اس خلقت اور پیدائش پر راضی رہے اور اسے تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرے، سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے مثلاً بغلوں وغیرہ کے بال نوچنا۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: عورتوں کے لیے بالوں کے کتروانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی عورت یہ کام کافر عورتوں کی مشابہت میں کرے تو جائز نہیں ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ ان ہی میں سے ہے۔'' ❷ اور اگر اس طرح سے کاٹے کہ مردوں کے بالوں کی طرح ہو جائیں، مثلاً جڑ کے پاس سے کاٹے یا کانوں کے پاس سے کاٹے جسے ''لمہ'' کہتے ہیں کہ کانوں کی لووں تک لٹک جائیں اور کندھوں تک نہ پہنچیں، تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور یقیناً جڑوں کے پاس سے کاٹنا، کانوں کے نیچے سے کاٹنے سے زیادہ برا ہے۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں۔ ❸ اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

اگر عورت نے مشابہت کی نیت کے بغیر کچھ بال ہلکے کیے ہوں اور زینت بھی مقصود نہ ہو مثلاً بہت زیادہ لمبے بالوں کو سنبھالنا مشکل ہو تو علماء نے حسب ضرورت اس کی اجازت دی ہے۔ اور جناب ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی روایت اسی معنی پر محمول ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے متعلق دریافت کیا

---

❶ صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب المتنمصات، حديث : ٥٥٩٥، صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة ...... حديث : ٢١٢٥ وسنن ابى داود، كتاب الترجا ، باب فى صلة الشعر ، حديث : ٤١٦٩ وسنن الدارمى:٢/ ٣٦٣، حديث : ٢٦٤٧ .

❷ سنن ابى داود، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة، حديث : ٤٠٣١ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٥٠، حديث : ٥١١٥، ٥١١٤ .

❸ صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، حديث : ٥٥٤٦ وسنن ابى داود، كتاب اللباس، باب لباس النساء، حديث : ٤٠٩٧ وسنن الترمذى، كتاب الادب، باب المتشبهات بالرجال من النساء، حديث : ٢٧٨٤ وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب فى المخنثين، حديث : ١٩٠٤ .

اور بیان کیا کہ ازواج نبی اپنے بال کٹوالیا کرتی تھیں حتیٰ کہ وہ "وفرہ" ہوجاتے تھے۔ یعنی کانوں سے بڑھے ہوئے اور لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ ❶ (صالح بن فوزان)

سوال: ضرورت کے تحت عورت اپنے بال چھوٹے کروائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مثلاً برطانیہ میں کچھ عورتوں کا خیال ہے کہ گھنے بالوں کا دھونا، جبکہ موسم بھی سرد ہوتا ہے، ان کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے بال چھوٹے کرا لیتی ہیں؟

جواب: اگر بات فی الواقع ایسے ہی ہو جیسے کہ آپ نے ذکر کی ہے تو ان کے لیے جائز ہے کہ صرف حسب ضرورت بال چھوٹے کرا سکتی ہیں۔ لیکن کافر عورتوں کی مشابہت اور ان کی نقالی میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((من تشبه بقوم فهو منهم.))

"جو کسی قوم کی مشابہت اپنائے تو وہ ان ہی میں سے ہے۔" ❷ (مجلس افتاء)

سوال: میری اہلیہ کے بال بہت زیادہ گرتے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ اگر وہ اپنے بال چھوٹے کرا لے تو بال گرنا کم ہو جائیں گے۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب: اگر بات ایسے ہی ہے جیسے کہ ذکر کی گئی ہے تو جائز ہے، کیونکہ اس طرح سے اس کے ضرر اور تکلیف کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: مردوں اور عورتوں کے لیے کنگھی کرتے ہوئے بال بنانے کی کیا کیفیت ہونی چاہیے؟ کیا احادیث میں اس بارے میں کوئی خاص کیفیت بیان ہوئی ہے یا کسی سے منع کیا گیا ہے؟

جواب: اس سلسلے میں خواتین کے لیے صحیح بخاری میں امام صاحب نے ایک باب یوں ذکر کیا ہے "باب فی جعل شعر المراة ثلاثة قرون" "عورت کا اپنے بالوں کی تین چوٹیاں بنانے کا بیان" پھر امام صاحب نے سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ذکر کی ہے، کہتی ہیں کہ "...... پھر ہم نے دختر نبی کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر گوندھ دیں۔" جناب سفیان نے تفصیل بیان کی کہ ایک چوٹی پیشانی کے بالوں کی اور دو اطراف کے بالوں کی۔ ❸ اور بالوں کا اس طرح سے گوندھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے تھا۔ سنن سعید ابن منصور میں سیدہ ام

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة......، حدیث: ۳۲۰.

❷ سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث: ۴۰۳۱ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۵۰، حدیث: ۵۱۱۵، ۵۱۱۴.

❸ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب هل یجعل شعر المرأة ثلاثة قرون، حدیث: ۱۲۰۳ فتویٰ میں باب کے جو الفاظ ذکر کیے گئے ہیں وہ بخاری میں موجود اصل الفاظ سے مختلف ہیں۔ اصل الفاظ وہ ہیں جو یہاں حوالہ درج کرتے ہوئے بیان کیے گئے ہیں۔ (عاصم)

عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا، اسے طاق عدد سے غسل دو اور اس کے بالوں کی چوٹیاں بنا دو۔'' ❶

جبکہ صحیح ابن حبان میں وضاحت ہے، ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ فرمایا:

((اغسلها ثلاثا أو خمسا أو سبعا واجعلن لها ثلاثة قرون .))

''اسے تین، پانچ یا سات بار غسل دو اور اس کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا دو۔'' ❷

مصنف عبدالرزاق میں اور زیادہ تفصیل ہے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((ضفرنا ثلاثة قرون ناصيتها وقرنيها وألقيناها خلفها .))

''ہم نے اس کے بالوں کی تین، چوٹیاں بنائیں ایک پیشانی کے بالوں کی اور دو اطراف کے بالوں کی، اور پھر ہم نے انہیں اس کی کمر کی طرف ڈال دیا۔'' ❸

امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے بالوں میں کنگھی اور پھر اس کی مینڈھیاں یا چوٹی بنایا مستحب ہے۔''

اور جو آج کل بعض مسلمان عورتوں میں یہ چلن آیا ہے کہ ٹیڑھی مانگ نکالتی ہیں اور گدی کے پاس یا عین چوٹی کے اوپر بنالیتی ہیں جیسے کہ فرنگی عورتوں کا معمول ہے، تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں کافر عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ امام احمد اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی اپنی سندوں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کسی قوم کی مشابہت اپنائے وہ ان ہی میں سے ہوگا۔'' ❹

اس حدیث کو امام ابن حبانؒ اور حافظ عراقیؒ نے صحیح کہا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ: اس کی سند جید یعنی عمدہ ہے۔ اور امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

---

❶ یہ الفاظ مسند سعید بن منصور سے تو نہیں مل سکے البتہ اس مفہوم ومعنی کی روایات دیگر کتب میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔ دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب فى غسل الميت، حديث: ٩٣٩، وسنن الترمذى، كتاب الجنائز، باب غسل الميت، حديث: ٩٩٠، سنن النسائى، كتاب الجنائز، باب غسل الميت وترا، حديث: ١٨٨٥

❷ صحيح ابن حبان:٧/ ٣٠٤، حديث: ٣٠٣٣.

❸ صحيح بخارى، كتاب الجنائز، باب يلقى شعر المرأة خلفها، حديث: ١٢٠٤ وصحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب فى غسل الميت، حديث: ٩٣٩ السنن الكبرى للبيهقى:٤/ ٥، حديث: ٦٥٥٨، مصنف عبدالرزاق:٣/ ٤٠٢، حديث: ٦٠٨٩ یہ روایات الفاظ کی کمی بیشی اور ترتیب الفاظ میں تقدیم وتاخیر کے ساتھ مروی ہیں، اور یہ تمام روایات حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ ہیں۔ (عاصم)

❹ سنن ابى داود، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة، حديث: ٤٠٣١ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٥٠، حديث: ٥١١٥، ٥١١٤.

ایک طویل روایت میں آیا ہے "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو قسم کے لوگ دوزخی ہوں گے، میں نے انہیں دیکھا نہیں ہے۔ ایک تو وہ ہیں کہ ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دُمیں ہوں، ان سے وہ لوگوں کو مارتے ہوں گے، اور (دوسری قسم) عورتیں ہوں گی (کہنے کو تو) کپڑے پہنے ہوں گی مگر (درحقیقت) ننگی ہوں گی، مائل ہونے والی اور (اپنی طرف) مائل کرنے والی، ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے کہ دبلی پتلی بختی اونٹنیوں کے کوہان، وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گی نہ اس کی خوشبو ہی پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے آتی ہوگی۔" [1]

بعض علماء نے 'مائلات ممیلات' کی تشریح میں لکھا ہے کہ ان کے کنگھی کرنے اور مانگ نکالنے کا انداز ٹیڑھا ہوگا، اور یہ فاحشہ عورتوں کا انداز ہے، اور اب یہ فرنگی عورتوں کا معمول ہے جو مسلمان عورتوں نے بھی اپنا لیا ہے۔

دوسرا مسئلہ:...... عورتوں کا سر کے بال منڈوانا بالکل جائز نہیں ہے۔ سنن نسائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور مسند بزار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور تفسیر ابن جریر میں عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

((نهى رسول الله ﷺ أن تحلق المرأة رأسها .))

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ عورت اپنا سر منڈوائے۔" [2]

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہی اس کام کے حرام ہونے کا تقاضا کرتی ہے، بشرطیکہ اس کے برخلاف کچھ اور نہ ہو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ "عورت کی زلفیں حسن و جمال میں ایسے ہی ہیں جیسے کہ مردوں کے حق میں ڈاڑھی۔ البتہ زلفوں کو آخر سے کچھ ہلکا کر لینا جائز ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے:

"ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی بھائی بھی تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے غسل جنابت کے متعلق سوال کیا۔ سیدہ نے پانی منگوایا جو ایک صاع کے برابر تھا۔ انہوں نے اس سے غسل کیا، اور ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا، اور اس موقع پر انہوں نے اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ازواج نبی اپنے بال کچھ ہلکے کر لیتی تھیں کہ وفرہ ہوجاتے تھے (یعنی کانوں سے نیچے تک

---

[1] صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث: ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٥، حديث: ٨٦٥٠ وصحيح ابن حبان: ١٦/ ٥٠٠، حديث: ٦٤٦١.

[2] سنن النسائى، كتاب الزينة، باب النهى عن حلق المرأة رأسها، حديث: ٥٠٤٩ وسنن الترمذى، كتاب الحج، باب كراهية الحلق للنساء، حديث: ٩١٤.

آ جاتے تھے)۔“ ❶

امام نووی بیان کرتے ہیں کہ قاضی عیاض نے کہا کہ معروف ہے کہ عرب کی عورتیں لمبے بال رکھتی تھیں، اور شاید ازواج نبی نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد یہ عمل اپنایا تھا کیونکہ وہ زیب و زینت چھوڑ چکی تھیں، اور انہیں بال لمبے کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی اور یہ بھی چاہتی تھیں کہ بالوں کے بارے میں انہیں کچھ زیادہ محنت نہ کرنی پڑے۔ ❷

قاضی عیاض اور دیگر ائمہ نے یہی لکھا ہے کہ ان کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے، نہ کہ آپ کی زندگی کا۔ اور ان سیدات کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایسے عمل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس میں دلیل ہے کہ عورت اپنے سر کے بال ہلکے کروا سکتی ہے۔ مذکورۂ بالا روایت (ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی والی) میں قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سیدہ کا یہ عمل سر دھونا اور جسم کا اوپر کا حصہ دیکھا تھا جس کا کسی محرم کے لیے دیکھنا حلال ہے۔ ❸ (محمد بن ابراہیم)

سوال: عورت کے لیے اپنی چوٹی پر جوڑا بنانا کیسا ہے جسے کہ لوگ کعکعہ سے تعبیر کرتے ہیں؟

جواب: عین سر کے اوپر بالوں کا اس طرح سے جمع کر لینا اہل علم کے نزدیک اس نہی یا تحذیر میں شامل ہے جس کا نبی ﷺ نے اپنی اس معروف حدیث ((صنفان من اهل النار لم ارهما بعد.......... .)) میں ذکر کیا ہے، اور اس میں ہے کہ ”عورتیں ہوں گی کپڑے پہنے ہوئے مگر ننگی، مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی، ان کے سر بختی اونٹوں کے جھکے کوہانوں کی مانند ہوں گے۔“ ❹ یہ حکم تو عین سر کے اوپر جوڑا بنانے کا ہے۔ البتہ گردن پر ان کا جمع کر لینا، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر عورت نے بازار وغیرہ جانا ہے تو اگر اسی حال میں جائے گی تو یہ وہ تبرج ہوگا (یعنی اظہار زینت ہوگا) جو ممنوع ہے۔ کیونکہ باوجود عبایہ (یا برقع) پہننے کے یہ پیچھے اسے

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة......، حدیث: ۳۲۰.

❷ شرح السیوطی علی مسلم: ۲/ ۸۰، حدیث: ۳۲۰.

❸ یہ حضرات جو اس ملاقات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے ہیں یہ دونوں ان کے محرم ہیں۔ ابوسلمہ جناب عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے فرزند اور سیدہ کے بھتیجے ہیں اور دوسرے ان کے اپنے رضاعی بھائی ہیں، اور ضروری نہیں کہ بقول قاضی عیاض رحمہ اللہ انہوں نے سیدہ کا غسل کرنا دیکھا ہو، بلکہ جب یہ حضرات آئے تو آپ غسل کے لیے تیار تھیں۔ ان کی آمد پر کچھ توقف ہوا۔ ادھر انہوں نے غسل نبی کے متعلق سوال کیا کہ تھوڑے سے پانی سے غسل کر لینا بہت عجیب ہے؟ سیدہ نے کہا: عجیب نہیں بلکہ یہ ہو سکتا ہے اور ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی ایک صاع (چار مد، تین ساڑھے تین کلو) پانی منگوا کر پردے میں جا کر غسل کیا اور کہا دیکھو میں نے اسی پانی سے غسل کیا ہے اور سر بھی دھویا ہے۔ (از افادات شیخنا سلطان محمود رحمہ اللہ۔ (سعیدی)

❹ صحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات، حدیث: ۲۱۲۸ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۵۵، حدیث: ۸٦۵۰ وصحیح ابن حبان: ۱٦/ ۵۰۰، حدیث: ٦٤٦۱.

بطور علامت نظر آئے گا۔ یہ تبرج ہے اور اسباب فتنہ میں ہے لہٰذا جائز نہیں۔ [1] (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: موقع بموقع عورتوں کے بالوں کے طرح طرح کے اسٹائل نظر آتے ہیں، اور پھر دوسری عورتیں بھی ان کی نقالی شروع کر دیتی ہیں۔ کہیں تو یہ بالکل مردوں کی طرح ہوتے ہیں یا طرح طرح سے رنگے ہوئے ہوتے ہیں، یا انہیں بکھیر بکھیر کر رکھتی ہیں، اور ان اسٹائلوں کے لیے وہ بیوٹی پارلروں میں جاتی ہیں اور اس کا کے عوض میں وہ سوسو یا ہزار ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ دے آتی ہیں؟

جواب: ''بال'' عورت کا حسن و جمال ہیں اور اس سے مطلوب ہے کہ وہ انہیں بنائے سنوارے اور جائز حد تک ان کو خوبصورت بنائے، اور اس سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ اپنے بال بڑھائے مگر غیر محرموں سے چھپائے بھی۔ بالخصوص نماز میں حکم ہے کہ:

((لا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار .))

''اللہ تعالیٰ کسی جوان عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں کرتا ہے۔'' [2]

مگر انہیں کاٹنا یا مردوں کی حجامت کے مشابہ بنانا یا ان کی کیفیت کا بگاڑ دینا یا بلا ضرورت رنگنا، یہ باتیں جائز نہیں ہیں۔ ہاں اگر بال سفید ہو جائیں تو ضرور رنگنا چاہیے، مگر کالے نہ کیے جائیں۔ سفید بالوں کو رنگنا شرعاً مطلوب ہے۔ مگر ان کے بنانے سنوارنے میں حد سے مبالغہ کرنا اور بیوٹی پارلروں میں جانا کسی طرح درست نہیں

---

[1] راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ گدی کے پاس گردن پر جوڑا بنالینا عام حالت میں تو جائز ہے مگر نماز کی حالت میں جائز نہیں ہے، خواہ وہ مرد بنائے یا عورت، جیسے کہ فضیلۃ الشیخ نے گھر سے باہر بازار وغیرہ میں اسے منع فرمایا ہے۔ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب الرجل يصلي عاقصا شعره، حديث : ٦٤٦-٦٤٧ (طبع دار السلام)

((عن سعيد بن ابی سعيد يحدث عن أبيه أنه رأى أبا رافع مولى النبی ﷺ مر بحسن بن علی رضی اللہ عنہما وهو يصلی قائما، وقد غرز ضفره فی قفاه، فحلها أبو رافع، فالتفت حسن إليه مغضبا، فقال: أبو رافع، أقبل على صلاتك، ولا تغضب، فإنی سمعت رسول الله ﷺ يقول: ذلك كفل الشيطان، يعنی مقعد الشيطان، يعنی مغرز ضفره.))

''جناب ابورافع رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرے جبکہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور انہوں نے اپنے بال اپنی گدی کے پاس بصورت جوڑا اکٹھے کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ ابورافع رضی اللہ عنہ ان کے بال کھولنے لگے، تو حسن رضی اللہ عنہ غصے سے ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنی نماز پڑھیے اور غصے مت ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ یہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ یعنی اس طرح سے جوڑا باندھ کر یا بنا کر نماز پڑھنا۔''

[2] سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب المراة تصلی بغير خمار، حديث : ٦٤١ وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب اذا حاضت الجارية لم تصل إلا بخمار، حديث : ٦٥٥ وسنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب لا تقبل صلاة المرأة إلا بخمار، حديث : ٣٧٧، ومسند احمد بن حنبل : ٦/ ٢١٨، حديث : ٢٥٨٧٦ .

ہوسکتا۔ ممکن ہے وہاں کام کرنے والے مرد ہوں یا کافر عورتیں ہوں۔ چاہیے کہ عورت اپنے بال گھر میں خود درست کرے۔ اس میں اس کا پردہ ہے اور لایعنی خرچ سے بچت بھی! (صالح بن فوزان)

سوال: عورتوں میں کچھ ایسا چلن آ گیا ہے کہ وہ مغرب سے درآمد شدہ مجلّات میں شائع ہونے والی تصویریں دیکھ کر ان کی نقالی میں اپنے بال ان جیسے بنا لیتی ہیں یا پھر کوئی خاص معروف نام والی کٹنگ کروا لیتی ہیں، حالانکہ وہ بھی مغرب ہی سے آئی ہوتی ہے۔ ان سب کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمان عورتوں میں ان کا یہ چلن ''مشابہت'' کے ضمن میں نہیں آتا؟ ہم آپ سے اس مسئلے میں تسلی بخش وضاحت چاہتی ہیں۔ اور یہ کہ ''مشابہت'' کے مسئلہ میں اصولی ضابطہ کیا ہے کہ کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے؟ اللہ عزوجل آپ کو برکت دے۔ یہ ایک ایسی مشکل ہے جس سے سب ہی لوگ دوچار ہیں۔

جواب: اللہ عزوجل نے عورت کے سر کے بال اس کے لیے حسن و جمال بنائے ہیں، اسے ان کا منڈوانا حرام ہے، سوائے اس کے کہ کوئی خاص شرعی ضرورت پیش آ جائے۔ شرعی ضرورت وہ ہے کہ حج وعمرہ میں جہاں مردوں کے لیے سر کے بال منڈوانا سنت ہے، عورتوں کے لیے صرف اس قدر ہے کہ اپنی انگلی کے پور کے برابر کاٹ لیں، اس سے زیادہ نہ کاٹیں، یا پھر کوئی اور خاص ضرورت پیش نظر ہو اور زینت کی نیت نہ ہو تو بال ہلکے کرا سکتی ہے، مثلاً سر میں کوئی تکلیف ہو یا عورت اس قدر فقیر اور محتاج ہو کہ سر کی صفائی ستھرائی کے خرچ کی بھی متحمل نہ ہوسکتی ہو تو بال مختصر کرا لے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ کی وفات کے بعد ایسا کیا ہے۔[1]

لیکن اگر کافر اور فاسق عورتوں کی مشابہت اور نقالی میں ایسا کرے تو اس کے حرام ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے، خواہ مسلمان عورتوں میں اس کا کس قدر ہی رواج کیوں نہ ہو جائے، یہ عمل حرام ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ''مشابہت'' ہے، اس لیے یہ حرام ہے۔ عورتوں کی کثرت کا اسے اپنا لینا اسے حلال نہیں بنا دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((من تشبه بقوم فهو منهم .))

''جو کسی قوم کی مشابہت اپنائے وہ ان ہی میں سے ہے۔''[2]

اور فرمایا:

((ليس منا من تشبه بغيرنا .))

---

[1] شرح السيوطى على مسلم: ۲/ ۸۰، حديث : ۳۲۰.

[2] سنن أبى داود، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة، حديث : ٤٠٣١ مسند احمد بن حنبل : ۲/ ۵۰، حديث : ٥١١٤، ٥١١٥.

''جو ہمارے غیر کی مشابہت اپنائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''❶

اور مسئلہ مشابہت کا ضابطہ یہ ہے کہ ایسی تمام عادات جو کفار ہی سے خاص ہوں، ان کا اپنا لینا ہم مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ظاہری مشابہت دلیل ہے کہ باطن میں ان سے محبت ہے۔ (صالح بن فوزان)

سوال: ٹیڑھی مانگ نکالنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: بالوں میں مانگ نکالنے میں سنت یہ ہے کہ پیشانی کے درمیان سے سر کے اوپر کی طرف مانگ نکالی جائے۔ سر کے بالوں کی کئی جہات ہیں۔ کچھ بال آگے کی طرف ہوتے ہیں، کچھ پیچھے کی طرف اور کچھ دائیں اور بائیں۔ تو مانگ میں سنت یہی ہے کہ سر کے درمیان سے ہو۔ دائیں بائیں مانگ نکالنا سنت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے اس میں غیر مسلم سے مشابہت ہو، اور ممکن ہے یہ اس فرمان نبی کی وعید میں آتی ہو:

((صنفان من أهل النار لم أرهما بعد: قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مائلات مميلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها.))

''دو قسم کے لوگ دوزخی ہیں، میں نے ابھی تک انہیں دیکھا نہیں ہے۔ ایک قوم تو وہ ہے کہ ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دُمیں ہوں، ان سے لوگوں کو مارتے پھرتے ہوں گے۔ اور دوسری عورتیں ہوں گی، (بظاہر) لباس پہنے ہوں گی مگر (درحقیقت) ننگی اور بے لباس ہوں گی، مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی، ان کے سر بختی اونٹوں کے جھکے کوہانوں کی مانند ہوں گے، یہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو ہی پاسکیں گی۔''❷

بعض علمائے کرام نے 'المائلات المميلات' کی تفسیر یہی ٹیڑھی مانگ کی ہے کہ وہ اپنی مانگ ٹیڑھی نکالتی ہوں گی اور دوسروں کی اسی انداز میں نکالتی ہوں گی۔ مگر حق تشریح ان کلمات کی یہ ہے کہ یہ عورتیں دین و حیا کے دائرے سے ہٹی ہوئی ہوں گی اور دوسروں کو اس سے ہٹانے والی ہوں گی۔❸ واللہ اعلم۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بعض طالبات جن کے بال نرم و ملائم ہوتے ہیں وہ انہیں عمداً مصنوعی طریقے سے خشک اور کھردرے سے

❶ سنن الترمذي، كتاب الاستئذان، باب كراهية اشارة اليد بالسلام، حديث: ٢٦٩٥ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ١٩٩، حديث: ٦٨٧٥

❷ صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث: ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٥، حديث: ٨٦٥٠ وصحيح ابن حبان: ١٦/ ٥٠٠، حديث: ٦٤٦١.

❸ مترجم عرض گزار ہے کہ یہ حکم عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں کے لیے بھی ہے۔ کیونکہ معروف تفسیری و فقہی قاعدہ ہے کہ 'العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب'' یعنی احکام میں اعتبار عام لفظوں کا ہوتا ہے، نہ کہ ان کے خاص سبب کا۔''

بنا لیتی ہیں جو ان کی سہیلیوں میں معروف ہوتے ہیں۔ ان کے اس فعل کا کیا حکم ہے؟ خیال رہے کہ یہ سب مغرب سے آیا ہے اور ان کی نقالی ہی میں ایسے کیا جاتا ہے جو یہ ان مغربی رسالوں میں دیکھتی ہیں؟

جواب: اہل علم فرماتے ہیں کہ بالوں کو گھنگھریالے بنا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان امور میں یہی اصل ہے، بشرطیکہ عورت نے کافر فاجر وعورتوں کی مشابہت میں ایسے نہ کیا ہو۔ مگر جیسے کہ سوال میں دریافت کیا گیا ہے کہ لڑکیاں یہ سب کچھ رسائل اور مجلّات میں دیکھ کر ایسا کرتی ہیں، اس پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اہل ایمان کی خواتین کو چاہیے کہ ان درآمد شدہ اسٹائلوں سے اپنے آپ کو بالا اور دور رکھیں۔ ان مجلّات کو قطعاً اس نیت سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ معلوم ہو کہ کافر و فاجر اور ان کی نقال کیا اور کیسے کرتی ہیں۔ عورت کو اس غرض سے پیدا نہیں کیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو محض ایک ''مورتی'' بنا لے۔ اسے تو اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، جیسے کہ دوسرے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝﴾ (الذاريات : ٥١/ ٥٦-٥٨)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''

اور مسلمانوں کی عورتوں نے اگر اپنے ہاں کے معروف آداب و انداز کو چھوڑ کر کافروں جیسی زیب و زینت کا دروازہ کھول لیا تو پھر اس کی کوئی حد نہ ہو گی۔ ممکن ہے معاملہ ایسے لباس تک جا پہنچے جو صراحتاً حرام ہو۔ [1] مومن خواتین کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے اور یہ کہ ان باطل اور لغو امور سے باز اور دور رہیں۔

ان عورتوں کے اولیاء اور ذمہ دار مردوں پر واجب ہے جنہیں کہ ان عورتوں پر نگہبان اور حاکم بنایا گیا ہے کہ اپنی عورتوں اور بچیوں پر کڑی نظر رکھیں، انہیں ایسے لباس اور انداز و ادا سے منع کریں جس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ مجھے تعجب ہے ان عورتوں پر، اور ساتھ ہی مردوں پر بھی، کہ یہ عورتیں اپنی ایسی عادتیں اور ایسے آداب چھوڑ رہی ہیں جو ان کے لیے حیا اور عزت و وقار کی علامت ہیں، اور ان کے بجائے ان لوگوں کی عادات اپنا رہی ہیں جن میں کوئی حیا، عزت اور وقار نہیں۔ اور یہ صورت حال دلیل ہے اس بات کی کہ ان لوگوں میں اپنی کوئی عزت نفس، خودی اور غیرت نہیں ہے، انہوں نے اپنے آپ کو دوسروں کا تابع مہمل بنا لیا ہے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ ان کا ایمان بہت ہی کمزور ہو رہا ہے۔ ان کے یہ فیشن اسلامی آداب کے سراسر خلاف ہیں!

(محمد بن صالح عثیمین)

[1] اور فی الواقع یہ صورت ظاہر ہو چکی ہے۔ ونسال اللہ العافیة. (سعیدی)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ موجودہ دور کے مطابق بال بنوائے؟ اور اس میں یہ نیت ہرگز نہیں کہ کافروں کے ساتھ مشابہت ہو مگر صرف اپنے شوہر کے لیے۔ اور عورت بحمد اللہ دینی آداب کی پابند ہے؟

جواب: جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، بال بنوانے پر کافی خرچ آتا ہے، تو اس طرح سے بال بنوانے میں مال کا ضیاع ہے۔ میں اپنی مسلمان خواتین کو نصیحت کروں گا کہ اس طرح کی خوشنمائی سے دور رہیں۔ عورت کو اپنے شوہر کے لیے اس طرح سے زینت کرنی چاہیے کہ اس پر اس طرح سے روپیہ ضائع نہ ہو۔ نبی ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر کسی بال سنوارنے والی کے پاس، جو مناسب رقم سے یہ کام کرتی ہو، اور عورت اپنے شوہر کے لیے کرے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بالوں کی لٹیں اور انہیں سر کے اردگرد ایسے لپیٹ لینا جیسے کہ پگڑی ہوتی ہے، یا انہیں دو حصے کر کے کمر پر ڈال لینا اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کے لیے اپنے بال اپنے سر کے اوپر اکٹھے کر لینا جائز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان سے اس سے متنبہ فرمایا ہے:

((صنفان من أهل النار لم أرهما بعد: قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات رؤوسهن كأسنمة البخت لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا...... .))

''دو قسم کے لوگ دوزخی ہوں گے، میں نے ابھی تک انہیں دیکھا نہیں ہے۔ ایک وہ لوگ ہوں گے کہ ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دُمیں ہوتی ہیں، ان سے وہ لوگوں کو مارتے ہوں گے۔ اور دوسری عورتیں ہوں گی، (بظاہر) کپڑے پہنے ہوئے مگر ننگی اور بے لباس، مائل ہونے اور مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سروں پر (ایسے جوڑے) ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے ڈھلکے ہوئے کوہان، یہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی مسافت سے محسوس ہوتی ہوگی۔''[1]

اور اسی طرح عورت اپنے بالوں کو جمع کر لے یا سر کے اردگرد لپیٹ لے حتیٰ کہ ایسے ہو جائیں جیسے کہ مردوں کی پگڑی ہوتی ہے، تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ لیکن اگر انہیں سمیٹ کر ایک چوٹی بنا لے یا اپنی کمر پر ڈال لے، خواہ انہیں گوندھا ہو یا نہ گوندھا ہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ

[1] صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث: ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٥، حديث: ٨٦٥٠ وصحيح ابن حبان: ١٦/ ٥٠٠، حديث: ٦٤٦١.

غیر محرموں سے چھپائے۔ (مجلس افتاء)

سوال: عاشوراء محرم کے دنوں میں کنگھی کرنے اور بال سنوارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عاشوراء (دس محرم) اور اس سے پہلے کے دنوں میں بالوں میں کنگھی کرنا بالکل اسی طرح جائز ہے، جیسے کہ باقی دنوں میں۔ (مجلس افتاء)

سوال: سر کے بالوں میں ربن باندھنا یا ایسے کلپ استعمال کرنا جس سے سر کا حجم بڑھ جائے اور بالوں کی لمبائی میں اضافہ ہوجائے، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: سر کے بال اکٹھے کر کے ان میں رِبن باندھنا یا اس طرح کے کلپ لگانا جن سے سر کا حجم بڑا ہوجائے جائز نہیں ہے، خواہ بال سر کے اوپر جمع کرے یا اس کی ایک جانب میں کہ اس طرح لگے گویا اس کے دو سر ہوں۔ اور جو عورتیں اس طرح کرتی ہیں ان کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے (کہ ان کے سر ایسے ہوں جیسے کہ بختی اونٹوں کے ڈھلکے ہوئے کوہان)۔ بختی، اونٹوں کی ایک قسم ہے جن کے دو کوہان ہوتے ہیں۔ [1]

البتہ ربن باندھنا، جن سے سر یا بالوں کا حجم نہیں بڑھتا، بلکہ بالوں کو باندھنے کے لیے ان کی ضرورت ہوتی ہے تو بعض علماء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔

(کتاب فقہ) شرح الزاد میں ہے ((ولا باس بوصله بقرامل)) ''اگر عورت اپنے بالوں کو تاگوں کے موباف (پراندی ر پراندہ) سے باندھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔'' [2] اور قرامل (یعنی موباف ر پراندے) بالوں کے علاوہ ریشمی یا غیر ریشمی تاگوں سے بنائے جاتے ہیں۔ تاہم ان کا بھی چھوڑ دینا زیادہ افضل ہے تاکہ آدمی اختلاف سے نکل جائے۔ کیونکہ بعض علماء نے اسے جائز نہیں کہا ہے۔

اور اگر یہ ربن یا کلپ حیوانات یا آلات موسیقی کی شکلوں کے ہوں تو ان کا استعمال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ لباس وغیرہ میں تصویر کا استعمال جائز نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان کو روندا جاتا ہو یا فرش وغیرہ پر ان کی اہانت ہوتی ہو، اور آلات موسیقی کا تلف کر دینا واجب ہے۔ اور ان شکلوں کے ربنوں اور کلپوں کا استعمال گویا ان کو رواج دینے والی بات ہے، اس میں ان کی یاد دہانی اور ان کے استعمال کی دعوت ہے۔ (صالح بن فوزان)

زیب وزینت اور سنگار (میک اپ) کی مختلف صورتیں

سوال: عورت کے لیے ریشم، زیور، خوشبو اور سنگار (میک اپ) کی مختلف اشیاء کا استعمال کیسا ہے؟

---

[1] صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث : ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٣٥٥، حديث : ٨٦٥٠ وصحيح ابن حبان:١٦/ ٥٠٠، حديث : ٦٤٦١ .

[2] الروض المربع لمنصور بن يونس:١/ ١٦ المبد شرح المقنع ، لابن مفلح المقدسي:٢/ ٨٥ .

جواب: عورت کے لیے ہر وہ زینت جو شریعت نے حلال کی ہے، استعمال کرنا جائز ہے، جس میں اس کا جمال ہو اور نقصان دہ نہ ہو مگر ان معروف شرطوں کے ساتھ جو شریعت میں معلوم ہیں۔ اس میں خوبصورت لباس، ریشم، زیور، خوشبو اور موجودہ دور کی مروج چیزیں سبھی شامل ہیں۔ (صالح فوزان)

سوال: ایک عورت نے کسی سے پہننے کا زیور مستعار لیا اور پھر وہ اس سے گم ہو گیا، کیا اس کی قیمت دینا لازم ہے؟

جواب: اگر اس عورت نے اس کی حفاظت میں قصور اور بے احتیاطی کی ہو تو باتفاق علماء اسے اس کا جرمانہ دینا ہوگا۔ اگر حفاظت میں کوئی کمی نہ کی ہو تو اس صورت میں علماء کا اختلاف مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں اس پر کوئی ضمانت (جرمانہ) نہیں ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب میں ہے کہ اسے ضمانت (جرمانہ) دینا ہوگا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اس کے ضائع ہونے کا سبب معلوم ہو تو کوئی ضمانت نہیں ہے، اور اگر کہے کہ معلوم نہیں کس طرح کھو گیا تو اس کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی۔ واللہ اعلم

(امام ابن تیمیہ)

سوال: اس زیور کے استعمال کا کیا حکم ہے جو حلقوں کی صورت میں ہو (یعنی جو رنگ، چھلے اور چوڑیوں وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے)؟

جواب: خواتین کے لیے سونا پہننا جائز ہے خواہ حلقہ دار ہو یا غیر حلقہ دار۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ (الزخرف: ۴۳/ ۱۸)

''کیا جو زیور میں پرورش پاتی اور بحث و حجت میں اپنا مدعا بھی واضح نہیں کر سکتی۔''

میں بطور عموم بیان ہے کہ زیور عورتوں کا گہنا ہوتا ہے، خواہ سونے کا ہو یا کچھ اور۔

مسند احمد، ابوداؤد اور نسائی میں بسند جید مروی ہے، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم لیا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا، پھر سونا لیا اور اسے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا، پھر فرمایا:

((إن هذين حرام على ذكور أمتي .))

''یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔''[1]

اور ابن ماجہ میں ہے ((حل لاناثهم .)) ''اور ان کی عورتوں کے لیے حلال ہیں۔''[2]

---

[1] سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء، حدیث: ۴۰۵۷ وسنن النسائی، کتاب الزینة، باب تحریم الذهب علی الرجال، حدیث: ۵۱۴۴ وسنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب لبس الحریر والذهب للنساء، حدیث: ۳۵۹۵ ومسند احمد بن حنبل: ۱/ ۱۱۵، حدیث: ۹۳۵.

[2] سنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب لبس الحریر والذهب للنساء، حدیث: ۳۵۹۵ ومصنف ابن ابی شیبة: ۵/ ۱۵۲، حدیث: ۲۴۶۵۹

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أحل الذهب والحرير لاناث من أمتي وحرم على ذكورها.))

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور اس کے مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے۔''❶

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: عورت کے لیے سونے کے بٹن استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: عورت کے لیے سونے یا غیر سونے کے بٹن استعمال کرنا جائز ہیں، بشرطیکہ وہ خاص مردوں کے بٹنوں کی طرح کے نہ ہوں، کیونکہ احادیث میں ہے، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پکڑا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیا، اور سونا پکڑا اور اسے اپنے بائیں ہاتھ میں لیا اور فرمایا:

''یہ دونوں میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں۔''❷

اور ابن ماجہ کی روایت میں مزید ہے کہ: ''یہ ان کی عورتوں کے لیے حلال ہیں۔''❸

اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ علاوہ ازیں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سونا میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے۔''❹

یہی وجہ ہے کہ علامہ رافعی رحمہ اللہ نے ان لوگوں کا قول رد کیا ہے جنہوں نے عورت کے لیے سونے کے بٹن ممنوع کہے ہیں۔

علامہ محمد بن عبدالرحمٰن المعروف ''حطاب'' نے شرح مختصر خلیل میں بیان کیا ہے کہ ''اور (سونے کی) وہ چیزیں جو عورتیں اپنے بالوں کے لیے یا اپنے دامنوں اور کپڑوں کے بٹن وغیرہ بنا لیتی ہیں، یعنی جو ان کے لباس کا حصہ ہوں، تو وہ جائز ہیں۔ اگر مردوں کا کوئی خاص انداز ہو تو عورتوں کو اس کا استعمال جائز نہیں ہوگا، کیونکہ عورتیں مردوں کی مشابہت کرنے سے روکی گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶ سنن النسائی، کتاب الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، حديث: ٥١٤٨ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٣٩٢، حديث: ١٩٥٢٠، ١٩٥٢١.

❷ سنن أبی داود، کتاب اللباس، باب فی الحرير للنساء، حديث: ٤٠٥٧، وسنن النسائی، کتاب الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، حديث: ٥١٤٤ وسنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب لبس الحرير والذهب للنساء، حديث: ٣٥٩٥ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ١١٥، حديث: ٩٣٥.

❸ وسنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب لبس الحرير والذهب للنساء، حديث: ٣٥٩٥ مصنف ابن ابی شيبة: ٥/ ١٢٥، حديث: ٢٤٦٥٩.

❹ سنن النسائی، کتاب الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، حديث: ٥١٤٨ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٣٩٢، حديث: ١٩٥٢١، ١٩٥٢٠.

نے ایسی عورتوں کو لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں، اور ایسے مردوں کو لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اپنائیں۔ ❶

خلاصہ یہ ہے کہ ایسے بٹن جو خاص مردوں کا پہناوا ہوں، عورتوں کو ان کا استعمال کرنا حرام ہے، کیونکہ اس میں ان مردوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، اور جو ایسے نہ ہوں ان کا استعمال جائز ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا مرد اور عورت کے لیے انگوٹھی، عینک، کنگن، کڑا، گھڑی اور زنجیر وغیرہ پہننا جائز ہیں جبکہ یہ سونے، چاندی، پیتل یا لوہے وغیرہ کی بنی ہوئی ہوں؟

جواب: عینک چاندی کی ہو سکتی ہے اور سونے کی یا ان کے علاوہ بھی، اسے مرد اور عورت سبھی استعمال کر سکتے ہیں، سوائے اس کے کہ اس میں سونا بہت زیادہ ہو (تو مرد استعمال نہیں کر سکتا) کیونکہ سونا مردوں کے لیے منع اور حرام ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أحل الذهب والحرير لاناث من أمتي وحرم على ذكورها.))

''سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور اس کے مردوں کے لیے حرام کیا گیا ہے۔'' ❷

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((نهى رسول الله ﷺ عن لبس الذهب إلا مقلعا.))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا پہننے سے منع فرمایا ہے سوائے اس کے کہ تھوڑا سا ہو۔''

اور سند اس کی جید (عمدہ) ہے۔ ❸

اور اگر عینک چاندی کی ہو تو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: 'ولكن عليكم بالفضة فالعبوا بها لعبا' ''لیکن چاندی اختیار کرو اور اس سے خوب کھیلو۔'' ❹

---

❶ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، حدیث: ٥٥٤٦ وسنن أبي داود، کتاب اللباس، باب لباس النساء، حدیث: ٤٠٩٧ وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب المتشبهات بالرجال من النساء، حدیث: ٢٧٨٤ وسنن ابن ماجه، کتاب النكاح، باب فی المخنثين، حدیث: ١٩٠٤.

❷ سنن النسائی، کتاب الزینة، باب تحريم الذهب على الرجال، حدیث: ٥١٤٨ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ٣٩٢، حدیث: ١٩٥٢١، ١٩٥٢٠.

❸ سنن النسائی، کتاب الزینة، باب تحريم الذهب على الرجال، حدیث: ٥١٥٠ وسنن أبی داود، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی الذهب للنساء، حدیث: ٤٢٣٩ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٩٣، حدیث: ١٦٨٩٠.

❹ سنن ابی داود، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی الذهب النساء، حدیث: ٤٢٣٦ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٣٤، حدیث: ٨٣٩٧ والسنن الکبری للبیهقی: ٤/ ١٤٠، حدیث: ٧٣٤٤.

اور اسی طرح انگوٹھی مردوں کے لیے سونے کے علاوہ چاندی کی ہو یا لوہے کی، پیتل کی ہو یا تانبے کی، کوئی بھی حرام نہیں ہے۔ اور گھڑی جیسی بھی ہو، عورتوں کے لیے حلال ہے۔ مگر انگریزی ہیٹ (ٹوپ) کا پہننا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کفار کا خاص پہناوا اور ان کے ساتھ مشابہت ہے، اور کافروں کی مشابہت حرام ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((من تشبه بقوم فهو منهم .))

''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے تو وہ ان ہی میں سے ہوا۔''[1] (محمد بن ابراہیم)

سوال: حدیث نبوی ہے: ''اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند آتی ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے'' اسے دلیل بنا کر بعض عورتیں اپنے کپڑوں اور زیب وزینت پر بہت زیادہ روپیہ خرچ کرتی ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: جسے اللہ عزوجل نے حلال مال سے بہرہ ور فرمایا ہو، اسے ایک ایسی نعمت دی ہے جس پر اس کا شکر کرنا واجب ہے، جس کی صورت صدقہ کرنا اور اسراف اور تکبر کیے بغیر کھانا پینا اور پہننا ہے۔ اور اس کے بالمقابل جو بعض عورتیں کرتی ہیں کہ بلا ضرورت مہنگے مہنگے بے تحاشا کپڑے وغیرہ خریدتی ہیں اور ان کا مقصد صرف اپنی بڑائی کا اظہار اور مارکیٹوں میں لگی سیل کو بڑھانا ہوتا ہے، ایسی عورتیں اسراف اور تبذیر (بے جا اور فضول خریداری) کی مرتکب ہوتی ہیں جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ مسلمان خاتون پر واجب ہے کہ ان معاملات میں میانہ روی اختیار کرے، سامان آرائش میں مبالغہ اور اظہار زینت سے دور رہے، بالخصوص جب گھر سے باہر جانا ہو۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اور سابقہ جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرتی پھریں۔''

اور فرمایا:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا

[1] سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث: ۴۰۳۱ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۵۰، حدیث: ۵۱۱۵، ۵۱۱۴.

يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ......﴾ (النور:٢٤/ ٣١)

”اے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام! مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں، اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو از خود ظاہر ہو، اور اپنے گریبان پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں، اور اپنا (پوشیدہ) بناؤ سنگار کسی کو نہ دکھائیں سوائے اپنے خاوندوں کے، یا اپنے باپوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بیٹوں کے، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھتیجوں کے، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنے دین والی عورتوں کے، یا اپنے غلاموں کے، یا گھر کا کام کاج کرنے والے مردوں کے جن کو عورتوں کی خواہش نہیں، یا ان لڑکوں کے جو عورتوں کے بھید سے آگاہ نہیں ہیں، اور (چلتے وقت) اپنے پاؤں زمین پر نہ پٹکیں کہ (لوگوں کو) ان کے مخفی سنگار کی خبر ہو۔“

اور یہ روپیہ پیسہ اور مال ایسی چیز ہے جس کے بارے میں قیامت کے روز ہم سے پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا تھا؟ (صالح بن فوزان)

سوال: عورت کے لیے سونے کی گھڑی کا کیا حکم ہے؟

جواب: گھڑی زیور نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی اجتہاد کرے اور زیور کہے بھی کہ یہ کنگن کی قسم ہے اور زینت کی جگہ کنگن کے بجائے پہنی جاتی ہے، تو ممکن ہے۔ بہرحال عورت کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: سونے کے دانت لگوانا، مردوں یا عورتوں کے لیے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: مردوں اور عورتوں کے لیے سونے کے دانتوں کی کوئی صورت مجھے معلوم نہیں ہے سوائے اس کے کہ اپنے پہلے دانت نکلوائے اور پھر ان کی جگہ سونے کے دانت لگوائے۔ تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں مردوں کے لیے جائز نہیں ہیں البتہ عورتوں کے۔ یہ تخفیف ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا الکحل ملے عطر حرام ہیں؟

جواب: ہاں الکحل شراب ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ (الکحل) نجس ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ عورت کو باہر جاتے وقت ایسی خوشبو استعمال کرنا جائز نہیں جس کی مہک بکھرنے والی ہو۔ اگر مسجد جانے کے لیے کوئی ایسی خوشبو استعمار کرے جو اس کی خاص باس دور کر دے جو صابن سے رہ جاتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ عورت کے لیے گھر سے باہر جاتے وقت مہک والی خوشبو لگانا جائز نہیں ہے خواہ اس نے مسجد جانا ہو یا کہیں اور۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((أيما امرأة استعطرت ثم خرجت فمرت على قوم ليجدوا ريحها فهي زانية

وكل عين زانية .))

''یعنی جو کوئی عورت خوشبو لگا کر نکلے اور کسی قوم کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو پا لیں تو وہ زانیہ ہے اور اس کی طرف متوجہ ہونے والی ہر آنکھ زانیہ ہے۔''❶

اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے جسم کی کوئی ایسی باس نہیں ہوتی جو صابن سے دور نہ ہو جاتی ہو، کہ غسل کے بعد مزید خوشبو کی ضرورت پڑتی ہو۔ اور پھر عورت سے اس بات کا مطالبہ بھی نہیں ہے کہ وہ مسجد جائے بلکہ اس کی اپنے گھر میں نماز مسجد سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: مسک، عود اور گلاب وغیرہ ایسی خوشبوئیں ہیں کہ ان کی مہک واضح اور نمایاں ہوتی ہے تو عورت کے لیے ان کا استعمال بالخصوص باہر نکلتے وقت کیسا ہے؟ اور اگر کوئی مہمان خواتین آئیں تو انہیں بخور پیش کرنا یا اس طرح کی خوشبو سے ان کی تکریم کرنا کیسا ہے؟

جواب: عورت کا خوشبو لگا کر بازار وغیرہ جانا ممنوع ہے، اسے اس حالت میں باہر نہیں جانا چاہیے اور ان نہ ہی مہمان خواتین کو یہ خوشبو لگانی چاہیے، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ انہیں بھی اس مسئلے میں نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات کہے۔ مثلاً یہ کہہ سکتی ہے: ہم چاہتے تو تھے کہ تمہیں خوشبو لگائیں، مگر اور خوشبو لگا کر عورت کا بازار جانا بالکل منع ہے۔ اور اس طرح وہ نصیحت کرنے اور اللہ کے حرام کردہ فعل سے بچنے پر عمل کر سکتی ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ نماز تراویح کے لیے مسجد جانے لگے تو خوشبو کی دھونی لے لے (جسے کہ بخور کہتے ہیں) اور کوئی عطر استعمال نہ کرے؟

جواب: عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اس نے بازار سے گزرنا ہو، نماز کے لیے ہو یا کسی اور غرض سے، کہ خوشبو کی دھونی لے یا کوئی اور عطر استعمال کرے۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((أيما امرأة اصابت بخور فلا تشهد معنا صلاة العشاء .))

''جس عورت نے خوشبو کی دھونی لی ہو وہ ہمارے عشاء کی نماز میں حاضر نہ ہو۔''❷

---

❶ سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب ما جاء فی المرأة تتطيب للخروج، حديث : ٤١٧٣ وسنن الترمذی، كتاب الادب، باب كراهية خروج المرأة متعطرة، حديث : ٢٧٨٦ وسنن النسائی، كتاب الزينة، باب ما يكره للنساء من الطيب، حديث : ٥١٢٦ ومسند احمد بن حنبل : ٤/ ٤١٣، حديث : ١٩٧٢٦ صحيح ابن خزيمة: ٣/ ٩١، حديث : ١٦٨١ ۔ فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ بعینہٖ ایک ہی روایت میں نہیں مل سکے البتہ یہ الفاظ سنن النسائی اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت کے الفاظ کے قریب قریب ہیں۔ (عاصم)

❷ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنة، حديث : ٤٤٤ ، سنن النسائی، كتاب الزينة، باب النهی للمرأة أن تشهد الصلاة اذا اصابت من البخور، حديث : ٥١٢٨۔ معنا صلاة العشاء کی جگہ معنا العشاء الاخرۃ کے الفاظ ہیں۔

میں اسی مناسبت سے کہنا چاہوں گا کہ رمضان شریف میں بعض عورتیں عود اور انگیٹھی وغیرہ لے کر مسجد آتی ہیں اور وہاں اس کی دھونی لیتی ہیں جبکہ وہ مسجد میں ہوتی ہیں، چنانچہ وہ عورتیں اس سے معطر ہو جاتی ہیں، اور جب نکلتی ہیں اور بازار سے گزرتی ہیں تو وہ خوشبو میں بسی ہوئی ہوتی ہیں اور یہ بات ان کے حق میں خلاف شریعت ہے۔

ہاں اس قدر جائز ہے کہ عورت مسجد میں انگیٹھی لے آئے اور عورتوں سے ہٹ کر صرف مسجد کو دھونی دے۔ مگر عورتوں کا اس سے معطر ہونا درست نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: پاؤڈر اور کریمیں جو عورتیں اپنے چہروں پر لگاتی ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((طيب الرجل ما ظهرت رائحته وخفي لونه وطيب المرأة ما خفيت رائحته وظهر لونه .))

''مرد کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک نمایاں اور رنگ مخفی ہو، اور عورت کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ نمایاں اور مہک مخفی ہو۔'' [1]

لہٰذا عورت کی خوشبو (اور زینت کی اشیاء) میں رنگ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا پردہ دار بہنوں کے لیے جائز ہے کہ بیوٹی پارلر قسم کی جگہوں میں جائیں جہاں بالوں کی کٹنگ اور رنگ وغیرہ تبدیل کیے جاتے ہیں؟ خیال رہے یہ وہاں کسی حرام کی مرتکب نہیں ہوتیں۔ یا انہیں وہاں نہیں جانا چاہیے کہ ان جگہوں پر حرام کام بھی ہوتے ہیں؟

جواب: خاتون کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایسا کام کرنے والی عورت کو اپنے گھر میں بلا لے اور خود وہاں نہ جائے۔ لیکن اگر جائے تو اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرنا چاہیے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے کہے، اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو دل سے (برا جانے)، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' [2]

---

[1] سنن الترمذی، کتاب الادب، باب طیب الرجال والنساء، حدیث: ۲۷۸۸ فضیلۃ الشیخ نے روایت بالمعنی بیان کی ہے۔ (عاصم)

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان وان الایمان یزید وینقص، حدیث: ۴۹ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب الخطبة یوم العید، حدیث: ۱۱۴۰ وسنن النسائی، کتاب الایمان وشرائعه، باب تفاضل اهل الایمان، حدیث: ۵۰۰۸ وسنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر، حدیث: ۴۰۱۳.

اور چاہیے کہ یہ عورت کا کام اخلاق و حکمت سے کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((وما كان الرفق في شيء إلا زانه، وما نزع من شيء إلا شانه.))

''نرمی جس چیز میں بھی ہو اسے مزین اور خوبصورت بنا دیتی ہے، اور جس کسی چیز سے نکال لی جائے اسے عیب دار کر دیتی ہے۔''❶ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: عورتوں کے لیے ہاتھوں پاؤں میں مہندی لگانا کیسا ہے؟

جواب: شادی شدہ عورت کے لیے اپنے ہاتھوں پاؤں میں مہندی لگا لینا مستحب ہے جیسے کہ مشہور احادیث میں آیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے مہندی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: ''اس میں کوئی حرج نہیں، مگر مجھے پسند نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی باس پسند نہ آتی تھی۔''❷

ایک اور روایت میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے ایک تحریر آپ ﷺ طرف بڑھائی، تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: ''مجھے نہیں معلوم، یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا۔''❸ تاہم ناخنوں پر کوئی ایسی پالش نہ لگائے جو ان پر جم جائے اور پھر اس کے لیے طہارت سے رکاوٹ بنے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا ماہانہ ایام کے دوران میں ہاتھوں اور بالوں میں مہندی لگانا جائز ہے؟

جواب: جائز ہے، اور ایسے امور میں جب تک منع ثابت نہ ہو اصل حکم جواز ہی کا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: جب بال گرتے ہوں تو بغرض علاج ان میں مہندی لگانے کا کیا حکم ہے جبکہ رنگ بدلنا مقصد نہ ہو؟

جواب: مہندی لگانا مطلق طور پر جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ناخن بڑھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ناخن بڑھانا حرام نہ بھی ہو تو مکروہ ضرور ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ناخن تراشنے کے لیے چالیس

❶ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والاداب، باب فضل الرفق، حديث: ٢٥٩٤ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٢٥، حديث: ٢٤٩٨٢ فضیلۃ الشیخ نے روایت بالمعنی بیان کی ہے البتہ الفاظ میں معمولی فرق ہے۔

❷ سنن النسائی، كتاب الزينة، باب كراهية ريح الحناء، حديث: ٥٠٩٠ وسنن أبی داود، كتاب الترجل، باب فی الخضاب للنساء، حديث: ٤١٤٦ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢١٠، حديث: ٢٥٨٠١.

❸ آپ کو بتایا گیا کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر عورت ہے تو تجھے چاہیے تھا کہ اپنے ناخنوں کو مہندی کا رنگ لگاتی۔ سنن النسائی، كتاب الزينة، باب الخضاب للنساء، حديث: ٥٠٨٩ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٦٢، حديث: ٢٦٣٠١

دن مقرر فرمائے ہیں۔ ❶ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ناخنوں کو چالیس دنوں سے زیادہ عرصے تک چھوڑے رکھنا کیسا ہے؟

جواب: اس میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر اس عمل کی بنیاد کفار کی نقالی ہو کہ ان کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے، تو یہ حرام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی قوم کی مشابہت اپنائے وہ ان ہی میں سے ہے۔'' ❷

اور اگر یہ عمل محض نفس کے تحت ہو جو عموماً انسان میں ہوتی ہے کہ انہیں چالیس دن سے زیادہ عرصہ تک چھوڑے رہے تو یہ خلاف فطرت اور نبی اکرم ﷺ کی اس تعلیم کے خلاف ہے جو آپ نے اپنی امت کو دی ہے۔ ❸ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کٹے ہوئے بالوں اور ناخنوں کو دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اہل علم ذکر کرتے ہیں کہ بالوں اور ناخنوں کو دفن کر دینا بہتر اور مناسب ہے اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس بارے میں آتا ہے کہ وہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: حمام میں ناخن کاٹنا اور انہیں گندگی میں بہا دینا کیسا ہے؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ تکریم کے پہلو سے ایسا نہ کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے لیے اونچی ایڑی کے جوتے اور ناخنوں پر پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا مہندی لگانا افضل ہے یا پالش؟ اور ماہانہ ایام کے دوران میں مہندی کا استعمال کیسا ہے؟

جواب: اونچی ایڑی کا جوتا پہننا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے انسان کے گرنے کا خطرہ رہتا ہے۔ اور انسان شرعاً ایسی چیزوں کا پابند ہے جو اسے خطرات سے بچانے والی ہوں۔ اللہ عزوجل کا ایک عام فرمان ہے:

---

❶ صحیح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٨ (اس روایت میں چالیس راتوں کا ذکر ہے جبکہ دیگر روایات میں چالیس دن کا ذکر بھی ہے) سنن النسائى، كتاب الطهارة، باب التوقيت فى ذلك، حديث: ١٤ وسنن ابى داود، كتاب الترجل، باب فى اخذ الشارب، حديث: ٤٢٠٠ وسنن الترمذى، كتاب الادب، باب فى التوقيت فى تقليم الاظافر واخذ الشارب، حديث: ٢٧٨٩.

❷ سنن ابى داود، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة، حديث: ٤٠٣١ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٥٠، حديث: ٥١١٤ مصنف ابن ابى شيبة: ٤/ ٢١٢، حديث: ١٩٤٠١.

❸ نبی اکرم ﷺ کی تعلیم یہ کہ ناخنوں کو چالیس دن سے زائد تک نہ بڑھنے دیا جائے۔ ملاحظہ کیجیے: صحیح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٨ وسنن النسائى، كتاب الطهارة، باب التوقيت فى ذلك، حديث: ١٤ سنن ابى داود، كتاب الترجل، باب فى اخذ الشارب، حديث: ٤٢٠٠ وسنن الترمذى، كتاب الادب، باب فى التوقيت فى تقليم الاظافر واخذ الشارب، حديث: ٢٧٥٩.

﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة : ٢/ ١٩٥)

''اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (النساء : ٤/ ٢٩)

''اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔''

نیز اس سے عورت کا قد حقیقت سے زیادہ نظر آتا ہے، سرین بھی کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو جاتی ہے، اور یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے۔ اور اس میں ایک پہلو سے اظہار زینت بھی ہے جس سے ایک صاحب ایمان عورت کو منع کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿.... وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ....﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

''اور یہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے لیے، یا اپنے باپوں کے لیے، یا شوہروں کے باپوں کے لیے، یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے لیے، یا اپنے بھائیوں کے لیے، یا اپنے بھتیجوں کے لیے، یا اپنے بھانجوں کے لیے، یا اپنی عورتوں کے لیے۔''

اور مہندی کے استعمال میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جیسے کہ ایام طہر میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: بطور زینت بچیوں کے کان، ناک چھدوانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ کان چھدوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عمل ایک مباح زینت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور صحیح طور پر ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی خواتین اپنے کانوں میں بالیاں ڈالا کرتی تھیں، اور اس میں ہونے والی تکلیف بہت ہی معمولی ہوتی ہے، بالخصوص جب بچپنے میں ہو، اور یہ زخم بہت جلد ٹھیک ہو جاتا ہے۔ البتہ ناک کا چھدوانا، یہ ایک قسم کا مثلہ اور چہرہ بگاڑنے والی بات ہے۔

شیخ عبداللہ الفوزان فرماتے ہیں کہ بچی کے کان چھدوانا جائز ہیں کیونکہ اس میں عورت کی ایک فطری خواہش زینت کی تکمیل ہے، اور اس سلسلے میں آنے والی تکلیف کو رکاوٹ نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ یہ بہت خفیف ہے اور زخم بہت جلد مندمل ہو جاتا ہے اور یہ عمل بالعموم بچپنے میں کیا جاتا ہے۔ اور کان چھدوانا ایک ایسا عمل ہے جو عورتوں میں قدیم سے مروج رہا ہے۔ کتاب وسنت میں اس بارے میں کوئی منع وارد نہیں ہے، بلکہ ایسے بیانات آئے ہیں جو اس کا جواز ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ لوگ اس پر کاربند رہے ہیں۔

جناب عبدالرحمٰن بن عابس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا آپ عید کے موقع پر

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر رہے ہیں: فرمایا: ہاں، اگر چھوٹا ہونے کی وجہ سے مجھے آپ کے ہاں قربت نہ ہوتی تو شاید میں یہ کچھ نہ دیکھ پاتا۔ آپ علیہ السلام اس جھنڈے کے پاس آئے جو کثیر بن صلب رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس تھا، تو آپ نے (عید کی) نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔ اس میں انہوں نے کسی اذان یا اقامت کا ذکر نہیں کیا۔ پھر آپ نے صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی تو عورتوں نے اپنے ہاتھ جلدی جلدی اپنے کانوں اور اپنی گردنوں کی طرف بڑھانے شروع کیے۔ تو آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا تو وہ ان کی طرف آئے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ گئے۔ ❶ صحیح بخاری میں بھی الفاظ اسی کے قریب ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: منگنی کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے؟

جواب: منگنی کی انگوٹھی میں بحیثیت انگوٹھی کے تو کچھ نہیں ہے، سوائے اس اعتقاد کے جو لوگوں نے اپنے ذہن میں بٹھا رکھا ہے (وہ قطعاً درست نہیں ہے) یعنی پیغام نکاح دینے والا انگوٹھی پر اپنی منگیتر کا نام لکھواتا ہے اور وہ لڑکی اپنے ہونے والے شوہر کا نام لکھواتی ہے اور پھر وہ ایک دوسرے کو پہناتے ہیں، اور دونوں طرف سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے زوجین میں ارتباط ومحبت ہوگی تو اس طرح یہ انگوٹھی پہنانا حرام ہوجاتا ہے کیونکہ اس سے انسان کا تعلق ایک ایسی چیز سے ہوجاتا ہے جس کی شرعی اور عقلی لحاظ سے بھی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ نیز یہ بھی کسی صورت میں جائز نہیں کہ لڑکا اپنے ہاتھ سے لڑکی کو یہ انگوٹھی پہنائے، کیونکہ وہ تاحال اس کے لیے اجنبی ہے، بیوی نہیں بنی۔ بیوی تو وہ عقد کے بعد ہی بنے گی۔ ❷ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: انگوٹھی بالخصوص منگنی کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے جبکہ وہ چاندی، سونے یا کسی اور قیمتی دھات کی ہو؟

جواب: مرد کے لیے سونا پہننا، وہ انگوٹھی ہو یا کچھ اور، کسی صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے مردوں کے لیے حرام بتایا ہے۔ آپ نے ایک بار ایک شخص کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار پھینکا اور فرمایا:

((يعمد أحدكم إلى جمرة نار فيضعها في يده .))

"(تعجب ہے) کہ تم میں سے ایک آگ کے انگارے کا قصد کرتا اور پھر اسے اپنے ہاتھ میں رکھ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب صفة الصلوة، باب وضوء الصبيان ومتى يجب عليهم الغسل والطهور......، حديث: ٨٢٥ وأيضا، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق اهل العلم، حديث: ٦٨٩٤ وسنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب ترك الاذان فى العيد، حديث: ١١٤٥ .

❷ از مترجم: فی الواقع یہ ایک لایعنی اور لغو رسم ہے، جس کی خیر القرون میں کوئی اصل نظر نہیں آتی ہے۔ اس سے احتراز ہی افضل واعلیٰ ہے۔ تاہم اگر مذکورۂ بالا ممنوعات نہ ہوں اور بطور علامت خطبہ اور مبادی عقد کے ہدیہ کے معنی میں یہ ہوجائے تو مباح ہے۔ لیکن لڑکی والوں کی طرف سے اپنے ہونے والے داماد کو "سونے کی انگوٹھی" پہنانا تو گویا اسے آگ کا چھلہ پہنانا ہے۔ جیسے کہ اگلے فتویٰ میں اس کا بیان آرہا ہے۔

لیتا ہے۔"[1]

الغرض مسلمان مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے۔ البتہ سونے کے علاوہ چاندی یا دیگر قیمتی دھات کی ہو تو جائز ہے۔

اور منگنی کی انگوٹھی (جسے عرب لوگ "دبلہ" سے تعبیر کرتے ہیں) یہ مسلمانوں کے معمولات میں سے نہیں ہے، بالخصوص جب یہ عقیدہ ہو کہ یہ زوجین میں محبت کا سبب ہوگی اور اگر اسے اتار دیا تو ان کے ازدواجی تعلقات پر برا اثر پڑے گا، اس صورت میں یہ شرکیہ عمل ہوگا جو ایک جاہلی عقیدہ ہے۔ الغرض منگنی کی انگوٹھی درج ذیل اسباب کے تحت جائز نہیں ہے:

۱۔ یہ ان لوگوں کی نقالی ہے جن میں کوئی خیر نہیں، یہ چیز ان ہی سے مسلمانوں میں داخل ہوئی ہے، قدیم مسلمانوں کی عادات میں سے نہیں ہے۔

۲۔ اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ یہ ازدواجی تعلقات پر اثر انداز ہوتی ہے تو یہ شرک میں داخل ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (صالح بن فوزان)

سوال: رنگین عینکیں اور لینز کے استعمال کا کیا حکم ہے جبکہ یہ صرف بطور زینت کے پہنی جائیں؟ خیال رہے ان کی قیمت ۷۰۰ ریال سے کم نہیں ہوتی؟

جواب: حسب ضرورت عینک یا لینز کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر بلا ضرورت ہو تو اس کا ترک کر دینا ہی افضل ہے، خاص طور پر جب یہ بہت ہی مہنگی ہو، تب یہ اسراف ہوگا جو حرام ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دوسروں کو کچھ دھوکہ دینا بھی ہے کہ اس میں آنکھ بلا ضرورت حقیقت کے خلاف نظر آتی ہے۔[2]

(صالح بن فوزان)

سوال: عورت کے لیے پازیب کا کیا حکم ہے جب وہ صرف شوہر کے سامنے پہنے؟

جواب: اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے شوہر، محرم یا عورتوں کے سامنے پہنے، کیونکہ یہ زیور کی ایک قسم ہے جسے عورت اپنے پاؤں میں پہنتی ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

---

[1] صحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم خاتم الذهب علی الرجال ونسخ ما کان من اباحته فی اول، حدیث: ۲۰۹۰ السنن الکبری للبیهقی: ۲/ ۴۲۴، حدیث: ۴۰۱۴.

[2] از مترجم: مثلاً اگر کوئی نابینا، کانا یا بھینگا آدمی/عورت اپنا یہ عیب چھپانے کے لیے پہنے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور بطور زینت مناسب حد تک جائز ہے۔

اعمال فطرت [1]

سوال: لڑکیوں کے ختنے کا کیا حکم ہے؟ [2]

جواب: لڑکیوں کے حق میں ختنہ ایک شرعی عمل ہے، اور مستحب ہے، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے (لڑکوں اور لڑکیوں کے حق میں) عام ہے: الفطرة خمس ''اعمال فطرت پانچ ہیں'' اور پھر ان میں ختنہ کو بھی شمار فرمایا۔ [3] اور جناب خلال اپنی سند سے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

((الختان سنة للرجال ومكرمة للنساء .))

''ختنہ مردوں کے حق میں سنت اور عورتوں کے لیے باعث کرامت (اور شرافت) ہے۔'' [4]

(امام ابن تیمیہ)

سوال: میں نے اپنی مسجد کے خطیب صاحب سے سنا، وہ برسر منبر کہہ رہے تھے کہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے ختنہ کو حلال اور مشروع فرمایا ہے۔'' ہم نے ان سے کہا کہ ہماری عورتیں تو یہ نہیں کرتی ہیں۔ تو کیا ہم غلطی پر ہیں یا حق پر کہ لڑکیوں کے ختنے نہیں کراتے ہیں؟

جواب: عورتوں کے حق میں ختنہ ان کے لیے باعث کرامت اور ان کی عزت کا بچاؤ ہے۔ اور چاہیے کہ ان کے اس عمل میں ان کی اندام نہانی کا ابھار زیادہ نہ تراشا جائے، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے منع فرمایا ہے (یعنی

---

[1] یعنی وہ اعمال جن کی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو تلقین کی گئی اور انھوں نے انہیں اختیار فرمایا اور اپنی امتوں کو دعوت دی۔ (مترجم)

[2] از مترجم: لڑکیوں کے ختنہ کی بات سن پڑھ کر ہمارے بعض لاعلم حضرات کو کچھ جھرجھری سی آتی ہے، اور اس کی وجہ شاید انسانی خلقت اور طبائع سے کماحقہ آگاہ نہ ہونا ہے، اور دوسرے ہمارے پاک وہند کے معاشرہ میں اس کا مروج نہ ہونا بھی ہے۔ عرب اور افریقہ کے گرم علاقوں میں خواتین کی جسمانی ساخت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کہ ان کی اندام نہانی کا ابھار قدرے زیادہ ہوتا ہے، جو بڑے ہونے پر ان کے صنفی جذبات کو از حد حساس بنانے کا باعث بنتا ہے، اور صنفی جذبات کا از حد ذی الحس ہونا یقیناً باعث فتنہ ہے، جس کا علاج شریعت نے ختنہ تجویز فرمایا ہے جو لڑکوں کے حق میں واجب ہے، کیونکہ اس میں ان کے لیے طہارت کا مسئلہ بھی ہے، البتہ لڑکیوں میں مستحب محض۔ اور ہمارے پاک وہند کے معاشرہ میں لڑکیوں کی طبعی ساخت ان علاقوں سے کافی تک مختلف ہے اس لیے علمائے اسلام نے یہاں اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ واللہ اعلم

[3] صحيح بخارى، كتاب اللباس، باب قص الشارب، حديث: ٥٥٥٠ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٧ سنن ابى داود، كتاب الترجل، باب فى اخذ الشارب، حديث: ٤١٩٨ وسنن النسائى، كتاب الطهارة، باب ذكر الفطرة الاختتان، حديث: ٩ .

[4] مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٧٥، حديث: ٢٠٧٣٨ والسنن الكبرى للبيهقى: ٨/ ٣٢٤، حديث: ١٧٣٤٣ و مصنف اب ابى شيبة: ٥/ ٣١٧، حديث: ٢٤٦٦٨ .

مبالغہ نہ کیا جائے) اور فرمایا:

((الفطرة خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الظفر ونتف الابط .))

''یعنی اعمال فطرت پانچ ہیں: ختنہ کرنا، زیرناف کے بال صاف کرنا، مونچھیں کترانا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال نوچنا۔''❶ (مجلس افتاء)

سوال: کیا عورتوں کا ختنہ برا اور غلط عمل ہے۔ میں نے ایک رسالہ میں پڑھا تھا کہ عورتوں کا ختنہ جس صورت میں بھی ہو ایک برا کام اور غلط رواج ہے، طبی طور پر بھی اس میں نقصان ہے کہ بعض اوقات اس سے عورت بانجھ ہو جاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: دختران آدم کا ختنہ (اسلامی) سنت ہے، کوئی برا رواج نہیں ہے، اور اس میں لڑکی کے لیے قطعاً کوئی ضرر اور خطرہ نہیں ہوتا بشرطیکہ اس میں اعتدال سے کام لیا جائے۔ ہاں اگر اس کے جسم کا حصہ گہرا کاٹ دیا جائے تو خطرہ ہو سکتا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: لڑکیوں کے ختنہ کا کیا حکم ہے؟ اور اس موقع پر رقص کرنا اور خوشی و تقریب کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

جواب: لڑکیوں کا ختنہ شرعی سنت اور ان کی کرامت کے تحفظ کا باعث ہے، اور اس موقع پر رقص و سرود اور تقریب کے اہتمام کے بارے میں ہم شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں جانتے۔ البتہ فرح و سرور کا اظہار، یہ شرعاً مطلوب ہے کیونکہ ختنہ ایک شرعی عمل ہے، اور عزوجل کا فرمان ہے:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۝﴾

(یونس: ۱۰/ ۵۸)

''آپ لوگوں کو بتا دیجئے (کہ یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت (سے نازل ہوئی)، لہٰذا انہیں اس پر خوش ہونا چاہیے، یہ ان چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔''

اور عمل ختنہ بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل اور رحمت میں سے ہے، تو اس مناسبت سے اللہ کا شکر کرتے ہوئے کھانے کا اہتمام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا بغلوں کی صفائی کے لیے بلیڈ استعمال کرنا درست ہے؟

---

❶ صحيح بخارى، كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار، حديث: ٥٥٥٢ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٧ سنن النسائى، كتاب الطهارة، باب ذكر الفطرة الاختتان، حديث: ٩ وسنن ابى داود، كتاب الترجل، باب فى اخذ الشارب، حديث: ٤١٩٨۔ یہ روایت الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ مختلف و متعدد مقامات پر مروی ہے۔ (عاصم)

جواب: جائز ہے، کیونکہ مقصد بالوں کا دور کرنا ہے، خواہ وہ نوچنے سے ہو یا مونڈنے وغیرہ سے۔ تاہم نوچنا اور اکھیڑنا اگر آسان ہو تو افضل ہے، کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمان میں ایسے ہی ہے:

((الفطرة خمس: الختان وقص الشارب وقلم الظفر ونتف الابط وحلق العانة .))

''اعمال فطرت پانچ ہیں: ختنہ کرنا، موچھیں تراشنا، ناخن تراشنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، اور زیر ناف کے مونڈنا۔''[1] (مجلس افتاء)

سوال: کیا بغلوں کے بال مردوں یا عورتوں کو مونڈنا جائز ہیں، جبکہ ان کے اکھیڑنے اور نوچنے میں تکلیف ہوتی ہو یا جسم کی حرارت اور حساسیت بڑھ جاتی ہو؟

جواب: (اے خاتون!) آپ کو علم ہونا چاہیے کہ بغلوں کے بال ''نوچنا یا اکھیڑنا'' ہی شرعی سنت اور بالاجماع مستحب عمل ہے۔ لیکن اگر کوئی اکھیڑ نہ سکتا ہو تو اسے جائز ہے کہ مونڈ لے یا بال صفا کریم سے صاف کر لے۔ اور راضی ہو اللہ تعالیٰ امام شافعی رحمہ اللہ سے کہ یونس بن عبدالاعلیٰ ان کے پاس آئے جبکہ حجام ان کی بغلیں صاف کر رہا تھا، تو امام صاحب نے فرمایا: ''سنت تو یہی ہے کہ انہیں اکھیڑا جائے مگر میں اس کی ہمت نہیں پاتا ہوں۔'' الغرض انہیں اکھیڑنا اور نوچنا سنت مستحبہ ہے۔ صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((خمس من الفطرة: الاستحداد والختان وقص الشارب ونتف الابط وتقليم الاظفار .))

''پانچ چیزیں اعمال فطرت ہیں: بلیڈ استعمال کرنا (زیر ناف کے لیے)، ختنہ کرانا، موچھیں کتروانا، بغلوں کے بال نوچنا، اور ناخن تراشنا۔''[2]

---

[1] سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب نتف الابط، حدیث: ۱۱۔ فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ سنن نسائی کی اس روایت کے الفاظ سے ملتے ہیں البتہ تقدیم وتاخیر موجود ہے اور الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہ روایت مروی ہے مثلاً حلق العانة کی جگہ الاستحداد کا لفظ وغیرہ، اور جن روایات میں حلق العانة کے الفاظ ہیں، عموماً ان میں فطری امور پانچ کے بجائے دس بیان ہوئے ہیں، یا تعداد متعین کیے بغیر تین تک بھی بیان ہوئے ہیں، مزید برآں حلق العانة کے الفاظ عموماً ان روایات میں ملتے ہیں جن میں ان امور کے لیے حد وقت کا ذکر ہے۔ (عاصم) ملاحظہ کیجیے: صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب تقليم الاظفار، حدیث: ۵۵۵۱ وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ۲۵۷، ۲۶۱ وسنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ۵۳، ایضا کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ۴۲۰۰۔

[2] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، حدیث: ۵۵۵۰ وصحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ۲۵۷ وسنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ۴۱۹۸ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب تقليم الاظفار، حدیث: ۲۷۵۶ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۲۸۳، حدیث: ۷۸۰۰۔ فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ سنن ترمذی اور مسند احمد کی روایت کے مطابق ہیں۔ دیگر میں الفاظ کی تقدیم وتاخیر ہے۔ (عاصم)

اور یہ بھی سنت ہے کہ انہیں چالیس راتوں سے زیادہ نہ چھوڑا جائے۔ صحیح مسلم میں ہے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

((وقت لنا أن لا نترك الاستحداد، ونتف الابط، وقص الشارب، وحلق العانة، وقص الاظفار اكثر من اربعين ليلة.))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے متعین فرمایا کہ بلیڈ استعمال کرنے، بغلوں کے بال اکھیڑنے، مونچھیں کتروانے، زیر ناف کی صفائی اور ناخن کاٹنے میں چالیس رات سے زیادہ نہ ہونے دیں۔''[1]

اور یہ مدت متعین کرنے والے کون ہیں؟ یقیناً وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام ہی ہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: بغلوں اور زیر ناف کی صفائی کا کیا حکم ہے؟

جواب: بغلوں اور زیر ناف بالوں کا دور کرنا سنت (نبوی) ہے۔ اور بغلوں کے بارے میں افضل یہ ہے کہ انہیں اکھیڑا اور نوچا جائے جبکہ زیر ناف کو مونڈا جائے، اور اگر اس کے علاوہ دوسرے کسی انداز سے بھی ان کا ازالہ کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت کے لیے ضروری ہے کہ ہر مہینہ بعد از ایام زیر ناف کی صفائی کرے؟

جواب: زیر ناف بالوں کی صفائی سنن فطرت (اعمال فطرت) میں ہے، جن کی اسلام نے بڑی ترغیب اور تشویق فرمائی ہے۔ اور زیر ناف کی صفائی اکھیڑنے سے ہو، تھریڈنگ سے ہو، مونڈنے سے ہو، یا کاٹنے اور تراشنے سے، سب ہی جائز ہے۔ لیکن عورتوں کے لیے یہ کہیں تحدید نہیں ہے کہ ہر ماہانہ ایام کے بعد ہو۔ مسند احمد، بخاری، مسلم، اور سنن میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خمس من الفطرة: الاستحداد، والختان، وقص الشارب، ونتف الابط، وتقليم الاظافر.))

''پانچ چیزیں اعمال فطرت میں سے ہیں: بلیڈ استعمال کرنا، ختنہ کروانا، مونچھیں تراشنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا اور ناخن کاٹنا۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٨ وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب الفطرة، حديث: ٢٩٥۔ بعض روایات میں چالیس راتوں کے بجائے چالیس دن کے الفاظ منقول ہیں۔ دیکھیے سنن النسائی، كتاب الطهارة، باب التوقيت فى ذلك، حديث: ١٤، سنن ابى داود، كتاب الترجل، باب فى اخذ الشارب، حديث: ٤٢٠٠ وسنن الترمذى، كتاب الادب، باب فى التوقيت فى تقليم الاظافر واخذ الشارب، حديث: ٢٧٥٩.

[2] صحيح بخارى، كتاب اللباس، باب قص الشارب، حديث: ٥٥٥٠ وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: ٢٥٧ وسنن ابى داود، كتاب الترجل، باب فى اخذ الشارب، حديث: ٤١٩٨ سنن الترمذى، كتاب الادب، باب تقليم الاظفار، حديث: ٢٧٥٦ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٢٨٣، حديث: ٧٨٠٠۔ فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ سنن ترمذی اور مسند احمد کی روایت کے مطابق ہیں۔ (عاصم)

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((وقت لنا فی قص الشارب، وتقليم الاظافر، ونتف الابط، وحلق العانة، ألا نترك أكثر من أربعين ليلة .))

''مونچھوں کے کاٹنے، ناخن تراشنے، بغلوں کے نوچنے اور زیر ناف مونڈنے کے سلسلے میں ہمارے لیے مقرر فرمایا کہ ہم انہیں چالیس رات سے زیادہ نہ چھوڑیں۔''[1] (مجلس افتاء)

ناخن تراشنا

سوال: ناخن بڑھا لینے اور ان پر پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ میں پالش لگانے سے پہلے وضو کر لیتی ہوں، اور پھر وہ چوبیس گھنٹے لگی رہتی ہے، اور پھر اتار دیتی ہوں؟

جواب: ناخن بڑھانا اور لمبے کر لینا خلاف سنت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((الفطرة خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب ونتف الابط وتقليم الاظافر .))

''پانچ چیزیں اعمال فطرت ہیں: ختنہ کرانا، بلیڈ استعمال کرنا (زیر ناف کے لیے)، مونچھیں کاٹنا، بغلوں کے بال نوچنا اور ناخن تراشنا۔''[2]

اور انہیں چالیس رات سے زیادہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مقرر فرمایا کہ مونچھیں کاٹنے، ناخن تراشنے، بغلوں کے بال اور زیر ناف کی صفائی چالیس رات سے زیادہ نہ چھوڑیں۔''[3] اور ناخن لمبے کرنا حیوانیت اور بعض کافروں سے مشابہت ہے۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الطھارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ۲۵۸ وسنن ابن ماجه، کتاب الطھارة وسننها، باب الفطرة، حدیث: ۲۹۵ بعض روایات میں چالیس راتوں کے بجائے چالیس دن کے الفاظ منقول ہیں۔ دیکھیے سنن النسائی، کتاب الطھارة، باب التوقیت فی ذلك، حدیث: ۱٤، سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ٤۲۰۰ وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب فی التوقیت فی تقلیم الاظافر واخذ الشارب، حدیث: ۲۷۵۹.

[2] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، حدیث: ۵۵۵۰ وصحیح، کتاب الطھارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ۲۵۷ وسنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ٤۱۹۸ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب تقلیم الاظفار، حدیث: ۲۷۵٦ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۲۸۳، حدیث: ۷۸۰۰۔ فضیلۃ الشیخ کے بیان کردہ الفاظ سنن ترمذی اور مسند احمد کی روایت کے مطابق ہیں۔ (عاصم)

[3] صحیح مسلم، کتاب الطھارة، باب خصال الفطرة، حدیث: ۲۵۸ وسنن ابن ماجه، کتاب الطھارة وسننها، باب الفطرة، حدیث: ۲۹۵ بعض روایات میں چالیس راتوں کے بجائے چالیس دن کے الفاظ منقول ہیں۔ دیکھیے سنن النسائی، کتاب الطھارة، باب التوقیت فی ذلك، حدیث: ۱٤، سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب، حدیث: ٤۲۰۰ وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب فی التوقیت فی تقلیم الاظافر واخذ الشارب، حدیث: ۲۷۵۹.

اور ناخن پالش کا ترک کر دینا ہی افضل ہے۔ البتہ وضو (اور غسل) کے لیے اس کا ازالہ واجب ہے کیونکہ اس سے پانی ناخنوں تک نہیں پہنچ پاتا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک شخص کا سوال ہے، کیا بھائی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بھاوج کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے جبکہ بھائی موجود نہ ہو، یا بھائی خود جانے سے معذرت کرے، اور ہسپتال بھی شہر کے اندر ہی ہو؟

جواب: عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ" شوہر کے بھائی کے ساتھ اکٹھی گاڑی میں سوار ہو کیونکہ یہ خلوت اور علیحدگی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے فتنہ کہا ہے اور فرمایا:

((أیاکم والدخول علی النساء .))

"اپنے آپ کو (اجنبی) عورتوں پر داخل ہونے سے بچاؤ۔"

صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! دیور کے متعلق کیا فرمان ہے؟ فرمایا: ((الحمو الموت))

"دیور تو موت ہے۔" [1]

تو اے اللہ کے بندو! آپ لوگ ان کلمات سے کیا سمجھتے ہیں؟ تنبیہ یا رخصت اور اجازت؟ بلاشبہ ان الفاظ میں تنبیہ ہی کا مفہوم ہے، اجازت قطعاً نہیں ہے۔ لہٰذا آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ علیحدہ ہو، گھر ہو یا گاڑی۔

اور سب سے بری صورت یہ ہے کہ گھر میں اس کا مہمان آ جاتا ہے اور صاحب خانہ اپنے کام پر ہوتا ہے اور بیوی مہمان کے لیے دروازہ کھول دیتی ہے اور وہ گھر میں داخل ہو جاتا ہے اور وہیں صاحب خانہ کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ الغرض عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ (اجنبی غیر محرم) مردوں کے ساتھ خلوت میں ہو، خواہ وہ شوہر کے عزیز رشتہ دار ہوں یا اس کے اپنے یا ہمسائے ہی کیوں نہ ہوں۔ بالخصوص جب اس کے پاس اس کا اپنا کوئی محرم نہ ہو، خواہ یہ شہر کے اندر ہو یا سفر میں۔ جبکہ (غیر محرم کے ساتھ) سفر حرام ہے، خواہ خلوت نہ بھی ہو۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو ایک خطبہ کے دوران میں سنا، فرما رہے تھے:

((لا یخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذومحرم، ولا تسافر امرأة إلا مع ذی محرم .))

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول علی المغیبة، حدیث: ٤٩٣٤، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوة بالاجنبیة والدخول علیها، حدیث: ٢١٧٢ وسنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب کراهیة الدخول علی المغیبات، حدیث: ١١٧١ ومسند احمد بن حنبل: ١٤٩/٤، حدیث: ١٧٣٨٥.

''کوئی شخص ہرگز کسی عورت کے ساتھ خلوت اور علیحدگی میں نہ ہو، سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو، اور نہ کوئی عورت (اکیلی) سفر کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔''[1]

(محمد بن صالح عثیمین)

لباس، ڈرامے اور تصویری نمائش دیکھنا

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنا کپڑا اپنے قدم سے پانچ سنٹی میٹر تک لمبا رکھ لے؟

جواب: ہاں، عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنا کپڑا اپنے ٹخنوں سے نیچے رکھے، بلکہ اس کے حق میں یہی مشروع ہے، تاکہ اس کے قدم چھپے رہیں، بلکہ اکثر اہل علم اسے واجب کہتے ہیں۔ الغرض عورت کو چاہیے کہ اپنے آپ کو چھپائے، یا تو شلوار (یا ازار) خوب کھلی اور لمبی ہو، یا جرابیں وغیرہ پہنے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: موسیقی اور گانے سننے سے لطف اندوز ہونا کیا حکم رکھتا ہے؟ اسی طرح ڈرامے وغیرہ دیکھنا جن میں کہ عورتیں اپنی زینت کا خوب اظہار کرتی ہیں؟

جواب: موسیقی اور گانوں سے لطف اندوز ہونا حرام ہے، اور ان کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ سلف میں سے بہت سے صحابہ اور تابعین کا بیان ہے کہ ''گانا'' دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور گانے سننا ''لہو الحدیث'' میں سے ہے (یعنی دل کو غافل کر دینے والی، کھیل تماشے کی باتیں ہیں)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (لقمان:٣١/ ٦)

''اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے تاکہ بغیر علم کے اللہ کی راہ سے بہکا دے اور اس کا مذاق اڑاتا ہے، ایسے ہی لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہا کرتے تھے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، یقیناً اس سے مراد گانا ہی ہے۔''[2]

اور صحابی کی تفسیر حجت ہوا کرتی ہے، اور یہ تفسیر کا تیسرا مرتبہ ہوتا ہے۔

مراتب تفسیر:...... تفسیر کے تین مراتب ہیں: قرآن کی تفسیر قرآن سے، قرآن کی تفسیر حدیث وسنت سے، اور قرآن

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ، حدیث: ١٣٤١۔ فتویٰ میں مذکور الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے عین مطابق ہیں۔ تاہم یہ روایت بخاری اور دیگر کتب میں بھی ہے۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب من اكتتب فی جيش فخرجت امراته حاجة وكان له عزوجل يوذن له، حديث: ٢٨٤٤ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٢٢، حديث: ١٩٣٤.

[2] تفسير ابن كثير: ٣/ ٥٩٢ تحت آیت ومن الناس من يشترى الخ، سورة لقمان: آيت ٦.

کی تفسیر اقوال صحابہ سے۔ اور بعض علماء تو یہاں تک گئے ہیں کہ صحابی کی تفسیر حکماً مرفوع ہوتی ہے۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ اسے مرفوع کا حکم حاصل نہیں ہوتا بلکہ حق وصواب کے قریب ترین ہوتی ہے۔

گانے اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی اس سے ممنوعہ حد اور ناجائز عمل کا مرتکب ہوتا ہے، جس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متنبہ فرمایا ہے:

((ليكونن اقوام من أمتي ليتحلون الحر والحرير والخمر والمعازف .))

''یقیناً میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کے آلات کو حلال سمجھنے لگیں گے۔'' ❶

اور مردوں کے لیے ریشم حلال نہیں ہے۔

الغرض میں اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات کہنا چاہتا ہوں کہ گانے اور موسیقی سننے سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور ان لوگوں کے بھرے میں مت آئیں جو اہل علم ہوتے ہوئے ان کو حلال کہتے ہیں، کیونکہ صریح دلائل سے اس کا حرام ہونا واضح ہے۔

اور ایسے ڈرامے اور پروگرام دیکھنا جن میں عورتیں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں حرام ہیں، کیونکہ ان کا انجام فتنہ ہے۔ اور ایسے پروگرام جن میں عورت شامل اور شریک ہو نقصان دہ ہیں، خواہ عورت ان میں دکھائی نہ بھی دیتی ہو، مرد ہی نظر آتے ہوں، کیونکہ ان کا غالب مقصد معاشرتی اخلاق و کردار کو بگاڑنا ہی ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مسلمانوں کو ان چیزوں کے شر سے محفوظ رکھے، اور حکام و امرائے مسلمین کی اصلاح فرمائے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی بہت بڑی بھلائی ہے۔ واللہ اعلم۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: گزارش ہے کہ تصویر کا حکم بیان فرمائیں جو ہاتھ سے بنائی جاتی ہیں یا کیمرے سے۔ اسی طرح انہیں دیواروں پر لٹکانا یا بطور یادگیری اپنے پاس محفوظ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى اله وصحبه اجمعين .

تصویر جو ہاتھ سے بنائی جاتی ہے حرام ہے بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ نبی ﷺ نے تصویریں بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔ ❷ اور لعنت ہمیشہ کسی بڑے گناہ ہی پر ہوتی ہے۔ اور تصویر بنانے والے نے خواہ اپنے فن میں مہارت کے اظہار کے لیے بنائی ہو یا طالب علموں کی وضاحت کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے، یہ سب

---

❶ صحيح بخاری، كتابه الاشربة، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، حديث : ٥٢٦٨ صحيح ابن حبان:١٥/ ١٥٤، حديث : ٦٧٥٤ .

❷ صحيح بخاری، كتاب الطلاق، باب مهر البغي والنكاح الفاسد، حديث : ٥٠٣٢ ومسند احمد بن حنبل : ٤/ ٣٠٨، حديث : ١٨٧٧٨ .

حرام ہے۔لیکن اگر اجزائے بدن کی تصویر بنائے جیسے کہ صرف ہاتھ یا صرف سر وغیرہ تو اس میں کئی کوئی نہیں۔ البتہ کیمرے کی تصویر، جس میں ہاتھ کی کوئی خاص حرکت نہیں ہوتی، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ''تصویر'' میں داخل نہیں ہے۔ [1]

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیمرے سے یہ تصویر کس مقصد کے لیے لی گئی ہے۔ اگر مقصد حرام ہو تو یہ تصویر لینا بھی حرام ہوگا، کیونکہ وسائل کا حکم مقاصد کے ساتھ ہے۔ اور تصویر صرف یادگیری کے طور پر سنبھال کے رکھنا حرام ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے بتایا ہے کہ ''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جس میں تصویر

[1] راقم مترجم سمجھتا ہے کہ کہیں اس فتویٰ کی تحریر میں کوئی تحریف نہ ہوگئی ہو۔ واللہ اعلم۔ بہرحال اس میں بہت بڑا تسامح ہے۔ ہم انتہائی ادب واحترام کے ساتھ، ان بزرگوں سے جو کیمرے کی تصویر کو جائز کہہ دیتے ہیں، پوچھ سکتے ہیں کہ ''لغت، عرف عوام اور شریعت میں اس چیز کا نام کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ تصویر کے علاوہ اس کا اور کوئی نام نہیں۔ اگر یہ تصویر ہی نہیں تو پھر اسے بطور یادگار اپنے پاس رکھنا یا دیواروں پر لٹکانا کیوں ناجائز ہے؟ جبکہ آپ اسے ''تصویر'' ہی کے مفہوم سے خارج کر رہے ہیں۔ نیز یہ کہنا کہ ''اس میں ہاتھ کا عمل دخل نہیں'' یہ بات محض وہم ہے۔ کیمرے میں ہاتھ کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ ہاتھ ہی اسے سیٹ کرتا ہے۔ ہاتھ اور نظر ہی سے اس کا رخ متعین ہوتا ہے۔ ہاتھ ہی بٹن دبا کر کیمرے کا عمل شروع کرتا ہے۔ ہاتھ ہی اس کے جاری عمل کو بند کرتا ہے۔ اور ہاتھ ہی اس میں فلم ڈالتا اور پھر اس کا حاصل باہر نکالتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے یہ کارروائی دنوں اور گھنٹوں میں ہوتی تھی، اور اب دور جدید کی ترقی اور مشینوں نے اسے منٹوں اور سکنڈوں میں کر دیا ہے۔

تصویر کا موجودہ بلوائے عام کہ شناختی کارڈ، پاسپورٹ، کرنسی اور دیگر دستاویزات میں اس کی اہمیت اور ضرورت بہت زیادہ ہے وغیرہ وغیرہ تو اس سے یہ حلال نہیں بن جاتی ہے۔صرف اضطراری اور مجبوری کی کیفیت میں اس کا بنوانا، حاصل کرنا اور محفوظ رکھنے کی رخصت ہے 'لا يكلف الله نفسا الا وسعها' اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ استغفار کرنا چاہیے اور حتی الامکان احتراز بھی، اور اصحاب حل وعقد کو اس مسئلے کی شرعی حیثیت واضح کرنی چاہیے۔ اور دل سے ان اعمال کو انتہائی مبغوض اور مکروہ جاننا واجب ہے۔اور بغیر معقول وجہ کے تصویروں کو اپنے پاس سنبھال کر رکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس نیت کے ساتھ ان شاء اللہ بندے کا یہ گناہ معاف کر دیا جائے گا۔لیکن اگر دل میں اس کے متعلق کوئی نرم گوشہ ہوا تو آدمی ان لوگوں کے ساتھ شریک گناہ ہوگا جنہوں نے اسے مسلمانوں پر مسلط کیا ہے۔ ونسال الله العافية

اور وہ اسباب ومقاصد جن کے لیے تصاویر کو ناگزیر سمجھا جانے لگا ہے، وہ پہلے بھی تھے مگر مسلموں اور غیر مسلموں سب نے ان ضروریات کا حل تصویر کے علاوہ میں تلاش کیا ہوا تھا۔ بلکہ اب بھی ان ہی ذرائع کے استعمال کو زیادہ کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ میرا اشارہ ہے فنگر پرنٹس کی طرف یعنی انگوٹھے اور انگلیوں کے نشانات۔ یہ نشانات علامتی مقاصد کے لیے انتہائی باعتماد اور کامیاب ہیں، جبکہ تصویر بسا اوقات ناکام ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ بے خدا تعلیم نے اللہ کی حدود کی پاسداری کو بے قیمت بنانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے اور تصویروں میں کشش پیدا کر دی ہے، تو ہمارے بعض اصحاب علم ان کی کثرت سے متاثر ہو کر اس کو حلال بنانے کے درپے ہوگئے ہیں جو قطعاً درست نہیں ہے۔ الغرض تصویر جان دار اشیاء کی شریعت نے حرام ٹھہرائی ہے اور بہرصورت حرام ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں ان کا مواخذہ نہیں ہے مثلاً جب ان کی اہانت ہوتی ہو۔ والله اعلم وعلمه اتم۔ کتبہ عمر فاروق السعیدی فضیلۃ الشیخ کا ایک اور فتویٰ اس بارے میں ''حرام لباس'' کے باب میں بھی گزر چکا ہے۔

ہو۔"❶ یہ حدیث دلیل ہے کہ گھروں (دکانوں وغیرہ) میں تصویر رکھنا حرام ہے، اور یہی حکم ان کے دیواروں پر لٹکانے کا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

ڈرائیوروں، نوکروں اور اسی طرح کے دیگر غیر محرموں کے ساتھ آنا جانا اور خلوت میں ہونا

سوال: عورتوں کا (بلا محرم) ٹیکسیوں میں سوار ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کا اپنے کسی محرم کی معیت کے بغیر ٹیکسی والے کے ساتھ سوار ہو جانا ایک بہت بڑی اور بری برائی ہے۔ اس میں ایسے ایسے اندیشے اور خطرات ہیں جن کو معمولی نہیں کہا جا سکتا۔ اور عورت اس سفر میں خواہ پردہ دار ہو یا بے پردہ، خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ اور وہ مرد جو اپنی خواتین کے لیے یہ عمل پسند اور قبول کرتا ہے وہ دینی اعتبار سے بہت ہی ناقص ہے اور قلیل الغیر ت ہے۔ اس کے اوفاب رجولیت بہت کمزور ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جب بھی کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ اکیلا ہوگا تو ان کا تیسرا شیطان ہوگا۔"❷ اور اکیلی عورت کا ٹیکسی والے اجنبی کے ساتھ سوار ہو جانا گھر میں خلوت سے زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اسے شہر سے باہر لے جائے یا شہر ہی میں کسی اور جگہ لے جائے، خواہ عورت چاہے یا نہ چاہے۔ اور اس طرح جو نتائج سامنے آ سکتے ہیں عام خلوت سے زیادہ خطرناک ہوں گے۔ اور عورتوں کے فتنے کے آثار کوئی مخفی چیز نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں حدیث میں بھی آیا ہے "میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔"❸ مزید فرمایا: "دنیا سے بچو اور عورتوں سے (بھی) بچو، بلاشبہ بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں ہی سے اٹھا تھا۔"❹

الغرض ہم سب پر واجب ہے کہ عورتوں کو بلا محرم ٹیکسیوں پر سوار ہونے سے قطعی منع کر دیں، اور ضروری ہے

---

❶ صحيح بخارى، كتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدكم آمين والملائكة فى السماء، حديث : ٣٠٥٤ وصحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حديث : ٢١٠٦ وسنن النسائى، كتاب الطهارة، باب فى الجنب اذا لم يتوضأ، حديث : ٢٦١

❷ سنن الترمذى، كتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث : ١١٧١ ومسند احمد بن حنبل : ١/ ٢٦، حديث : ١٧٧ والمستدرك للحاكم: ١/ ١٩٩، حديث : ٣٩٠.

❸ مصنف ابن ابى شيبة: ٤/ ٤٦ حديث : ١٧٦٤٢.

❹ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب اكثر اهل الجنة والفقراء واكثر اهل النار والنساء، حديث : ٢٧٤٢ وسنن الترمذى، كتاب الفتن، باب اخبر النبى صلى الله عليه وسلم اصحابه بما هو كائن الى يوم القيامة، حديث : ٢١٩١.

کہ ان کے ساتھ ان کا کوئی محرم یا اس کا کوئی قائم مقام ساتھ ہو۔ اسی طرح عورتوں اور ان کے ذمہ داران کو نصیحت کی جاتی ہے کہ عورتوں کی من مرضی کی اطاعت سے پرہیز کریں۔ حدیث میں آیا ہے:

((هلك الرجال حين اطاعوا النساء .))

''مرد جب عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں گے تو اس میں ان کی ہلاکت ہے۔''[1]

اور دوسری حدیث میں ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ''میں نے عورتوں سے بڑھ کر کسی ناقص عقل اور ناقص دین کو نہیں پایا جو ایک سمجھ دار مرد پر غالب آ جاتی ہو۔''[2]

اسی طرح ایک بار ایک شاعر اعشیٰ نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے کچھ اشعار سنائے تو ان میں ایک مصرع یوں تھا: ((وهن شر غالب لمن غلب .)) ''اور یہ عورتیں ایک برا شر ہیں، جس پر بھی غالب آ جائیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مصرع بار بار دہرانے لگے۔[3] (محمد بن ابراہیم)

سوال: نوکروں اور ڈرائیوروں کے سامنے بلا حجاب آ جانے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ لوگ اجنبی شمار ہوتے ہیں؟ میری والدہ مجھے کہتی ہیں کہ میں نوکر کے سامنے چلی جایا کروں اور اپنے سر پر ہیٹ رکھوں۔ کیا یہ چیزیں میں ہمارے دین حنیف جائز ہیں، جس میں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جائز نہیں ہے؟

جواب: ڈرائیو، نوکر اور خادم کا حکم بھی دوسرے اجنبی اور غیر محرم آدمیوں کی طرح ہے۔ جب یہ محرم نہ ہوں تو اجنبی اور غیر محرم ہیں، ان سے پردہ کرنا واجب ہے۔ کھلے منہ ان کے سامنے آ جانا یا ان کے ساتھ خلوت اور علیحدگی میں ہونا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے:

((لا يخلون رجل بامرأة فإن الشيطان ثالثهما .))

''کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ہرگز علیحدگی میں نہ ہو، ورنہ ان کا تیسرا شیطان ہوگا۔''[4]

---

[1] اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، للبوصيري:٥/ ٢٦ مسند احمد بن حنبل : ٥/ ٤٥ ، حديث : ٢٠٤٧٣ المستدرك للحاكم:٤/ ٣٢٣، حديث : ٧٧٨٩ .

[2] صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، حديث : ٢٩٨، وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان نقصان الايمان بنقص الطاعات، حديث : ٧٩ سنن أبي داود، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه، حديث : ٤٦٧٩ وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب فتنة النساء، حديث : ٤٠٠٣ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے تاہم مفہوم ایک ہی ہے۔ (عاصم)

[3] زهرة الاكم في الامثال والحكم : ١٠٢ .

[4] المستدرك للحاكم:١/ ١٩٩ ، حديث : ٣٩٠ وسنن النسائي الكبرى:٥/ ٣٨٨، حديث : ٩٢٢٣۔ فتویٰ میں بیان کیے گئے الفاظ مستدرک اور النسائی الکبریٰ کے ہیں، تاہم دیگر کتب احادیث میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ اسی مطلب و مفہوم کی روایات موجود ہیں۔ دیکھیے: سنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث : ١١٧١ ومسند احمد بن حنبل : ١/ ٢٦، حديث : ١٧٧ ، ايضا:١/ ١٨، حديث : ١١٤ .

علاوہ ازیں وجوب حجاب اور غیر محرموں کے سامنے بے حجابی کی حرمت کے عمومی دلائل کا یہی تقاضا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں والدہ یا کسی اور کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہمارا گھرانہ بہت بڑا ہے اور سکول، بازار یا عزیز رشتہ داروں کے ہاں جانا ہو تو ڈرائیور ہی ہمیں پہنچا کے آتا ہے۔ سو ہمارا اس ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں سوار ہونے کا کیا حکم ہے جبکہ شہر میں جانا ہو یا شہر سے باہر بھی، اور ہمارے ساتھ کوئی اور مرد بھی نہیں ہوتا؟

جواب: ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ عورتیں دو یا زیادہ ہوں، اور ان میں کوئی شک وشبہ والی بات بھی نہ ہو تو سکول وغیرہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کسی مرد کی معیت اور رفاقت حاصل ہو تو بہت ہی بہتر ہے، مگر واجب نہیں ہے۔ بلکہ کوئی ایسی کیفیت کافی ہے جس سے ''خلوت'' کے معنی دور ہو جاتے ہوں اور وہ کسی دوسری عورت کی موجودگی یا ڈرائیور کے علاوہ کسی اور مرد سے حاصل ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ان میں شک وشبہ والی کوئی بات نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ہر وقت محرم کا میسر آنا بھی محال ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی فاصلہ ایسا ہو جسے ''سفر'' سے تعبیر کیا جاتا ہو تو اس صورت میں محرم کی معیت لازمی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے ''کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''

اور عورت کو اس دوران میں حجاب کرنا از حد ضروری ہے اور اسباب فتنہ سے بچنا چاہیے تاکہ ان کے مابین کوئی خرابی نہ ہو جائے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت بھی صلہ رحمی کے احکام کی پابند ہے؟

جواب: ہاں، عورتیں مردوں ہی کی طرح ہیں (جس طرح مرد صلہ رحمی کے مکلّف اور پابند ہیں، عورتیں بھی ہیں)، اور خیال رہنا چاہیے کہ یہ شریعت جنوں، انسانوں، مردوں، عورتوں، غلاموں اور آزاد سب کے لیے ہے، ان میں سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے سوائے اس بات کے جو کسی دلیل سے ثابت ہو۔ اور کہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ عورت شادی ہو جانے کے بعد صلہ رحمی نہیں کر سکتی۔ بلکہ صحیحین میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔'' (۲) اور آپ کو اللہ عزوجل کا یہ فرمان بھی پیش نظر رکھنا چاہیے:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝﴾ (محمد: ۰۰/ ۲۲-۲۳)

''پھر تم لوگوں سے کیا بعید ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو زمین پر فساد کرنے لگو اور قطع رحمی کرنے لگو۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔''

الغرض عورت بھی صلہ رحمی کی پابند ہے، اور اس کے شوہر پر واجب ہے کہ اپنی اہلیہ کو یہ فریضہ سرانجام دینے

کا موقع دے۔ اور ویسے بھی شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے لیے ناصح اور خیر خواہ بنے، اسے اچھی باتوں کی تلقین کرے اور برائی سے روکے۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اپنے والدین کی نافرمانی یا دیگر تعلق داروں سے قطع تعلقی وغیرہ کا کہتا ہے تو ایسا شوہر کوئی دیندار اور صالح نہیں ہے، ایسا آدمی دینداری سے بہت دور ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ مگر بیوی کے لیے لازم ہے کہ اس معاملہ میں شک وشبہ والی کیفیت سے بالا رہے۔ اس کام میں کسی فتنہ اور گناہ کی بات نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً اگر کوئی عورت اپنے بھائی سے صلہ رحمی کا معاملہ کرتی ہے مگر بھائی ہے کہ ٹیلیویژن کے آگے بیٹھا رہتا ہے اور اللہ کی ناراضی کے کام کرتا ہے تو ایسا آدمی اگر محرمات پر مصر ہو تو اس صورت میں اس سے صلہ رحمی جائز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ اولاً اللہ سے دعا کریں کہ اللہ اسے ہدایت دے، پھر مالی تعاون کی ضرورت ہو تو مالی تعاون کریں وغیرہ وغیرہ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے بلند آواز سے فرمایا، آپ نے اپنی آواز کو پست نہیں کیا تھا:

((ألا إن آل أبی طالب لیسوا بأولیائی إنما ولیی اللہ وصالح المومنین ولکن لھم علی رحم .))

''خبردار! آل ابی طالب میرے ولی اور دوست نہیں ہیں۔ میرا ولی اور دوست تو اللہ ہے، اور صالح مومنین، تاہم ان لوگوں کا میرے ساتھ ایک رشتہ ضرور ہے۔'' [1]

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت عباس، سیدہ صفیہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''عمل کرلو، میں اللہ کے ہاں تمہاری کوئی کفایت نہیں کرسکوں گا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جس قدر چاہتے ہو مال لے لو۔'' [2]

اس حدیث کے ضمن میں کہ'' وہ میرے ولی اور دوست نہیں ہیں، لیکن میرا ان کے ساتھ ایک رشتہ ہے'' امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ایسا رشتہ جس میں کوئی خرابی اور فساد ہو اسے کاٹ دینا چاہیے۔'' اگرچہ اس میں کسی قدر شدت محسوس ہوتی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قبل الرحم ببلالھا، حدیث: ٥٦٤٤، وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب موالاۃ المومنین ومقاطعۃ غیرھم......، حدیث: ٢١٥ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٢٠٣، حدیث: ١٧٨٣٧۔ فتویٰ میں بیان کیے گیے الفاظ میں ''آل ابی طالب'' کے الفاظ حدیث کی عبارت میں نہیں ملے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں ان الفاظ کی جگہ پر بیاض (خالی جگہ) ہے تو بعد میں بعض ائمہ نے اس جگہ ''فلان'' لکھ دیا، لیکن کسی خاص نام کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ (عاصم)

[2] صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء والولد فی الاقارب، حدیث: ٢٦٠٢ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول اللہ تعالیٰ وانذر عشیرتك الاقربین، حدیث: ٢٠٦ وسنن النسائی، کتاب الوصایا، باب اذا اوصی لعشیرتہ الاقربین، حدیث: ٣٦٤٦.

سیدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ہاں ان کی والدہ آئی اس کا ارادہ تھا، اور وہ چاہتی تھی کہ بیٹی اس کے ساتھ کوئی تعاون کرے، تو اسماء رضی اللہ عنہا نے اس سے پہلوتہی کی، پھر سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور دریافت کیا کہ میری والدہ میرے ہاں آئی ہے اور وہ مجھ سے کچھ تعاون چاہتی ہیں، تو کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ''اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔'' [1]

الغرض اس میں ایک طرح کا ابتلاء اور آزمائش ہے۔ اللہ نے دلوں میں مال و اولاد کی محبت ڈال دی ہے:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (الكهف: ١٨/ ٤٦)

''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ (آل عمران: ٣/ ١٤)

''لوگوں کے لیے خواہشات نفس سے محبت یعنی عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے جمع کردہ خزانوں سے دلفریب بنا دی گئی ہے۔'' (محمد بن عبدالمقصود)

خادمہ کے ساتھ خلوت

سوال: گھروں میں مرد عورتیں بطور خادم رکھنا کیسا ہے، جبکہ بعض ان میں سے غیر مسلم بھی ہوتے ہیں؟

جواب: کسی مسلمان مرد کے لیے روا نہیں ہے کہ اپنے گھر میں کسی کافر عورت کو موقع دے کیونکہ یہ کافر خادمہ یقیناً مسلمان عورت کے پردے کے اعضاء پر بھی مطلع ہوگی اور مسلمان خاتون کا کسی کافر عورت کے سامنے عیاں ہونا ایسے ہی ہے جیسے کہ مرد کے سامنے ہونا، تو مسلمان خاتون کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنا آپ کسی کافر عورت کے سامنے نمایاں کرے خواہ وہ خادمہ ہی کیوں نہ ہو، سوائے اپنے چہرے اور ہاتھوں کے۔ جب عورت کا یہ معاملہ ہے تو کسی کافر مرد کو بطور خادم رکھنا تو اور زیادہ سخت ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کو اگر خادم رکھا ہے (تو عورت اس کے سامنے نہیں ہوسکتی)۔ اور اگر کوئی گھرانہ کسی عورت کو بطور خادمہ رکھنا بھی چاہتا ہو تو ضروری ہے کہ وہ مسلمان عورت ہو۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: کسی معاملہ کی تحقیق وتفتیش کے لیے کسی مرد کا کسی عورت کے ساتھ تخلیہ میں ہونا کیسا ہے؟

جواب: کوئی مرد ہرگز کسی عورت کے ساتھ تخلیہ اور علیحدگی میں نہ ہو، خواہ تحقیق وتفتیش ہی ہو۔ اور عورت کو لازماً

[1] صحيح بخاري، كتاب الهبة وفضلها، باب الهدية للمشركين، حديث: ٢٤٧٧ وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على الاقربين، حديث: ١٠٠٣.

دوسری عورتوں کے ساتھ ہی قید میں رکھا جائے۔ ایسے ہی نو عمروں کا معاملہ ہے۔ اور عہد نبوت اور عہد صحابہ میں اس انداز میں عورتوں کو لمبی قید میں نہیں رکھا جاتا تھا۔ اگر کہیں ضرورت پیش آ بھی جائے تو ضروری ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ رکھی جائے جو انتہائی قابل اعتماد اور مضبوط ہوں، ان پر مردوں کا کوئی تسلط نہ ہو، اور مقید عورت کو کسی ضروری کام ہی سے باہر نکالا جائے، اور وہ اپنے محرم کی معیت میں لائی جائے، حتیٰ کہ اپنی جگہ پر پہنچا دی جائے، کوئی مرد اس کے ساتھ تخلیہ میں نہ ہو۔ اور اگر بالفرض کوئی تحقیق راز دارانہ بھی ہو تو کوئی نہ کوئی محرم مرد اس کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر محرم نہ ہو تو کوئی امانت دار مضبوط عورت اس کے ساتھ ضرور ہو، جو کسی مرد کو اس کے ساتھ علیحدہ نہ ہونے دے۔ اگر دو عورتیں ہوں جو اس کے ساتھ ہوں تو یہ زیادہ محتاط ہے۔ بہرحال جہاں تک ہو سکے اس کے ساتھ اس کے باغیرت محرم کا ہونا بہت ہی لازمی ہے۔

اس مناسبت سے یہ کہنا ضروری ہے کہ عورتوں اور بچوں کی جیلوں کا جائزہ لیا جانا چاہیے اور ان پر جو لوگ متعین ہیں ان پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ اور قیدی عورتوں اور بچوں کے معاملات کا بھرپور جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔ اور یہ سب اللہ کی حرمتوں کی غیرت کی بنیاد پر ہو اور مسلمانوں کی عزتیں محفوظ رہیں۔ ان امور میں محض حسن ظن کافی نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ انتہائی حساس اور خطرناک ہے جس میں تنبیہ، احتیاط اور دانشمندی کا اظہار کرنا لازمی ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: اس صورت میں کہ کسی عورت کے خلاف فیصلہ ہوا ہو کہ اسے اس شہر سے دور بھیجنا ہے اور اس کا کوئی محرم نہ ہو تو کیا کسی سپاہی کی معیت میں اسے بھیج دیا جائے؟

جواب: عورت کو کسی سپاہی کے ساتھ جو اس کا محرم نہیں ہے، اکیلے روانہ کرنا جائز نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ عورت کا محرم ساتھ ہو۔ اگر محرم نہ ہو یا وہ اس کے ساتھ سفر سے انکار کرتا ہو تو اسے عورت کے مال میں سے اجرت اور عوض دے کر روانہ کیا جائے۔ اگر عورت کے پاس مال نہ ہو تو یہ اخراجات بیت المال سے ادا کیے جائیں۔ اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہو اور کوئی عورتوں کی جماعت ہو جو اس جانب جا رہی ہو جدھر اس عورت کو روانہ کیا جانا ہے، جہاں اس کی شہر بدری ہو سکتی ہے تو یہ عورت اس جماعت خواتین کے ساتھ سفر کر لے، جب کہ محرم نہ ہو۔ مگر عورتوں کے ساتھ دوران سفر میں بھی امن اور اس شہر میں جہاں اسے بھیجا جا رہا ہے وہاں امن و حفاظت شرط ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو اسے اپنے شہر ہی میں رہنے دیا جائے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: میں ایک ایسی خاتون ہوں کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے اور مجھ پر ایک بھاری قرض بھی ہے۔ مجھے ملک سے باہر ایک کام کی پیش کش ہوئی ہے جس کا معاوضہ قابل قدر ہے۔ عدالتی فیصلے کے تحت یا تو میں محرم کے بغیر سفر کر جاؤں ورنہ میرے لیے قید ہے۔ اس صورت میں کیا میں بلا محرم سفر کر لوں؟

جواب: اگر معاملہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ نے ذکر کیا ہے، کہ آپ کے پاس ادائیگی قرض کے لیے کچھ نہیں

ہے، تو آپ کے لیے جائز ہے کہ بلا محرم سفر کر لیں، کیونکہ دو نقصانات میں اسے اخف اور ہلکا نقصان برداشت کرنا واجب ہے۔ عورت کے لیے بلا محرم سفر کرنا اگرچہ جائز نہیں ہے، مگر اس کے مقابلہ میں یہ بھی جائز نہیں کہ اسے حوالات کے حوالے کر دیا جائے حتیٰ کہ وہ قید ہو جائے۔ جبکہ جیلوں میں فسق اور ظلم ہوتا ہے۔ اللہ اس سے پناہ دے۔ (محمد بن ابراہیم)

قراءت قرآن اور قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے آداب جبکہ عورت ایام مخصوصہ میں ہو

سوال: ہم مدرسہ بنات کی طالبات ہیں اور قرآن کریم کے پیریڈ میں ہمیں قرآن کریم پڑھنے کا کہا جاتا ہے جبکہ ہم حالت عذر میں ہوتی ہیں اور استاذ صاحب سے ذکر کرنے میں بھی حیا آتی ہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے، بالخصوص امتحانات کے دنوں میں ہم کیا کریں؟

جواب: حائضہ اور نفاس والی کے لیے قراۃ قرآن کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے:

۱۔ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حرام ہے یعنی عورت ان ایام میں قرآن کریم نہیں پڑھ سکتی ہے۔ انہوں نے اسے جنابت کے ساتھ ملایا ہے، اور کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے کہ جنبی آدمی قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا، اور جنابت حدث اکبر ہے اور حیض اور نفاس بھی اسی طرح سے ہے۔ ان کے نزدیک حیض اور نفاس والی پاک ہونے تک قرآن کریم نہیں پڑھ سکتی۔ ان کی ایک دلیل سنن ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے، جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن .))

''حائضہ عورت اور جنابت والا (اور جنابت والی) قرآن مجید میں سے کچھ نہ پڑھے۔''[1]

۲۔ اہل علم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ حائضہ اور نفاس والی زبانی قرآن پڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایام طویل ہوتے ہیں، تو اسے جنبی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ جنابت کی مدت بہت مختصر ہوتی ہے اور جنبی کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ فوراً ہی غسل کر لے اور قراءت کرنے لگے۔ جبکہ حیض اور نفاس والی ایسا نہیں کر سکتی۔ اور اوپر جو حدیث مذکور ہوئی ہے اس کے بارے میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، کئی محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت اسماعیل بن عیاش کی ان روایات میں سے ہے جو وہ اہل حجاز سے روایت کرتے ہیں، اور اہل حجاز سے اس کی روایات ضعیف ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔ لہٰذا حائضہ اور نفاس والی زبانی طور پر قرآن کریم پڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ مدت طویل ہوتی ہے اور اسے

[1] سنن الترمذی، کتاب ابواب الطهارة، باب الجنب والحائض أنهما لا يقرأن القرآن، حديث : ١٣١ السنن الكبرى للبيهقي:١/ ٣٠٩، حديث : ١٣٧٥ .

جنابت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔لہٰذا طالبہ اور ایام امتحانات میں زبانی پڑھنا بالکل درست ہے۔ اور اگر مجبوری ہو تو ہاتھوں پر دستانے وغیرہ چڑھا کر وہ قرآن مجید پکڑ بھی سکتی ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہم گرلز کالج کی طالبات ہیں۔ نصاب کے مطابق ہم نے قرآن کریم کے دو پارے بھی حفظ کرنے ہوتے ہیں۔ تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے امتحانات اور ہمارے ماہانہ ایام ایک وقت میں آ جاتے ہیں۔ کیا اس صورت میں قرآن کریم لکھنا اور یاد کرنا جائز ہے؟

جواب: علماء کے صحیح تر قول کے مطابق حیض اور نفاس والی عورت کو قرآن کریم پڑھنا جائز ہے، مگر اسے چھوا نہ جائے۔ کیونکہ اس کی مقابل کوئی ایسی دلیل ثابت نہیں ہے جو منع ثابت کرتی ہو۔ لہٰذا اس حالت میں جائز ہے کہ عورت کسی حائل کے ساتھ (یعنی کسی پاک کپڑے وغیرہ کے ساتھ) قرآن مجید کو پکڑ لے۔ اور یہی حکم اس ورق کا ہے جس پر بوقت ضرورت قرآن کریم لکھنا ہے۔

البتہ جنبی (مرد ہو یا عورت) غسل کیے بغیر قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث ثابت ہے، اور حیض اور نفاس والی کو جنبی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ حیض اور نفاس کی مدت طویل اور جنابت کی مدت انتہائی قلیل ہوتی ہے۔ جنبی کے لیے جنابت کے بعد جلد ہی بروقت غسل کر لینا عین ممکن ہوتا ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت کے لیے اس کے ایام مخصوصہ میں ہاتھ لگائے بغیر قرآن کریم پڑھنا جائز ہے؟ کیونکہ مدرسہ میں یہ ایک لازمی مضمون ہے، اور ہم عذر سے بھی ہوتی ہیں؟

جواب: حائضہ عورت کے لیے قرآن مجید کو پکڑنا اور چھونا جائز نہیں ہے، کیونکہ اسے مطہر اور پاکیزہ لوگوں کے علاوہ دوسرے ہاتھ نہیں لگا سکتے ہیں ﴿لا یمسه الا المطهرون﴾ اور اسے یہ بھی جائز نہیں کہ اسے زبانی پڑھے۔ کیونکہ قرآن کریم ایک جلیل القدر عظیم الشان کتاب ہے۔ اور حدیث میں ہے:

((لا أحل القرآن الحائض ولا جنب .))

''میں حائضہ اور جنابت والے کے لیے قرآن کریم کو حلال نہیں کرتا۔'' [1]

تاہم بعض علماء نے امتحانات وغیرہ کے مواقع پر ضرورت کے تحت لازمی حد تک (چھونے اور پڑھنے) کی اجازت دی ہے۔ (صالح بن فوزان)

ایک دوسرے موقع پر دیا گیا جواب:

جواب: نفاس والی عورت کو قرآن مجید پکڑنا اور اس کی قراءت کرنا حرام ہے، جب تک کہ اسے بھول جانے کا اندیشہ نہ ہو، جیسے کہ حائض ہوتی ہے۔ (صالح بن فوزان)

---

[1] یہ الفاظ مجھے کتب احادیث میں نہیں ملے۔ (عاصم)

سوال: کیا قرآن مجید کو بلا وضو پکڑنا اور اس کی قراءت کرنا جائز ہے؟

جواب: قرآن مجید بلا وضو تلاوت کر لینا جائز ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی نص کتاب وسنت میں نہیں آئی ہے جس سے ثابت ہو کہ بلا وضو قرآن کریم کی تلاوت نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں مرد عورت، باوضو اور بے وضو، بلکہ عورت کے لیے حائضہ اور غیر حائضہ کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے دلائل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ:

((أن النبی ﷺ كان يذكر الله فی كل احواله .))

''نبی ﷺ اپنے تمام حالات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔''[1]

اور حائضہ عورت شرعی طور پر اس بات کی پابند ہے کہ نماز نہ پڑھے۔ اور اس کے لیے ان دنوں میں نماز نہ پڑھنے کی بڑی حکمتیں ہیں، جیسے کہ وہ ایام شروع ہونے سے پہلے اس کے پڑھنے کی پابند تھی۔ تو ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اس کے لیے نماز کے ساتھ ملحق عبادت کی پابندی بھی لگا دیں، جبکہ اس پر صرف نماز نہ پڑھنے کی پابندی لگائی گئی ہے۔ اسے نماز کے علاوہ اور کسی چیز سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جس بات میں وسعت دی ہے ہم بھی وسعت دیں گے۔ اور میں ایسے مواقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث بیان کیا کرتا ہوں، جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھیں۔ مکہ کے قریب مقام سرف پر پڑاؤ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ کو دیکھا کہ ایام آ جانے کی وجہ سے رو رہی ہیں، تو آپ نے ان سے فرمایا:

((اصنعی يصنع الحاج غير الا تطوفی ولا تصلی .))

''تم وہ سب کچھ کرو جو حاجی کرتا ہے، سوائے اس کے کہ طواف نہیں کر سکتی ہو، نماز نہیں پڑھ سکتی ہو۔''[2]

تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں قراءت قرآن سے منع نہیں فرمایا ہے اور نہ مسجد حرام میں داخل ہونے سے۔[3]

(ناصر الدین الالبانی)

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الاذان، باب هل يتبع المؤذن فاه ههنا وههنا. (ترجمة الباب) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب ذكر الله تعالىٰ فی حال الجنابة وغيره، حديث: ۳۷۳ سنن ابی داود، كتاب الطهارة، باب فی الرجل يذكر الله تعالىٰ علی غير طهر، حديث: ۱۸ روایت میں "فی كل احواله" کی جگہ "علی كل احيانه" کے الفاظ ہیں فتویٰ میں روایت بالمعنی ذکر کی گئی ہے۔ (عاصم)

[2] سنن ابی داود، كتاب المناسك، باب فی افراد الحج، حديث: ۱۷۸۶۔ فتویٰ میں بیان کیے گئے الفاظ سنن ابی داود اور السنن الکبریٰ للبیہقی کی روایات کے ہیں البتہ ان میں سیدہ کے رونے کا ذکر نہیں ہے جن روایات میں رونے کا ذکر ہے وہ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ صحيح بخاری، كتاب الحيض، باب كيف كان بدء الحيض وقول النبی صلی الله عليه وسلم هذا شیء كتبه الله كتبه، حديث: ۲۹۰ وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب وجوه الاحرام وانه يجوز افراد الحج، حديث: ۱۲۱۱۔

[3] یہ آخری جملہ شاید درست نقل نہیں ہوا ہے حائضہ کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ (مترجم)

سوال: میں کچھ تفسیر پڑھاتی ہوں اور صفوۃ التفاسیر جیسی کتابوں سے قراءت کرنی ہوتی ہے جبکہ میں بعض اوقات ایام ماہانہ کی وجہ سے طاہر بھی نہیں ہوتی۔ کیا اس بارے میں مجھ پر کوئی حرج ہے اور کیا میں گناہ گار ہوں گی؟

جواب: حائضہ اور نفاس والی کے لیے کتب تفسیر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح ہاتھ لگائے بغیر قرآن کی تلاوت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ علماء کا صحیح تر قول یہی ہے۔

البتہ بحالت جنابت قبل از غسل قراءت کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اسی طرح کتب تفسیر بھی (بحالت جنابت) پڑھ سکتی ہے، مگر اس میں وارد آیات نہیں پڑھ سکتی۔ کیونکہ احادیث میں ہے کہ:

((إنه كان لا يحجزه شيء من قراءة القرآن إلا الجنابة .))

''آپ کو جنابت کے علاوہ قراءت قرآن سے اور کوئی چیز نہ روکتی تھی۔'' [1]

اسی طرح مسند احمد میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں آیا ہے:

((فاما الجنب فلا و لا آية .)) ''اور جنبی کے لیے قراءت قرآن جائز نہیں اور نہ اس کی کوئی آیت۔'' [2]

اس روایت کی سند جید (یعنی عمدہ) ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عرفات کے دن حائضہ عورت کے لیے دعاؤں کی کتاب میں سے دعائیں پڑھنا جائز ہے جبکہ ان میں کہیں کہیں قرآنی آیات بھی ہوتی ہیں؟

جواب: حائضہ اور نفاس والی کو مناسک حج کے دوران میں دعاؤں کی کتاب میں سے دعائیں پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح اس کے لیے صحیح قول کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت بھی جائز ہے۔ کیونکہ کوئی ایسی صحیح صریح نص موجود نہیں ہے جو حائضہ اور نفاس والی کو تلاوت قرآن سے منع کرتی ہو۔ اور جو منع آئی ہے وہ صرف جنبی کے لیے ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت نہ کرے۔ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [3]

ایک روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ:

((لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن .))

''یعنی حائضہ عورت اور جنابت والا مرد و عورت قرآن کریم میں سے کچھ نہ پڑھیں۔'' [4]

مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کا راوی اسمٰعیل بن عیاش اسے حجازیوں سے روایت کرتا ہے اور ابن

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، حديث : ٥٩٤ سنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب فى الجنب يؤخر الغسل، حديث : ٢٢٩ مسند ابى داود الطيالسى:١/ ١٧، حديث : ١٥١ .

[2] مسند احمد بن حنبل : ١/ ١١٠، حديث : ٨٧٢ .

[3] مسند احمد بن حنبل : ١/ ١١٠، حديث : ٨٧٢ .

[4] سنن الترمذى، أبواب الطهارة، باب الجنب والحائض انهما لا يقرأن القرآن، حديث : ١٣١ السنن الكبرى للبيهقى:١/ ٣٠٩، حديث : ١٣٧٥ .

عیاش حجازیوں سے روایت کرنے میں ضعیف ہے۔ تاہم حائضہ قرآن کریم کو پکڑے بغیر زبانی قراءت کرے تو جائز ہے۔

اور جنابت والے کو خواہ مرد ہو یا عورت، قرآن کی قراءت کسی بھی طرح جائز نہیں ہے، نہ زبانی نہ قرآن پکڑ کر، حتیٰ کہ غسل کر لے۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جنابت کا وقت بہت تھوڑا اور مختصر ہوتا ہے اور آدمی بروقت غسل کر سکتا ہے اور معاملہ اس کی اپنی مرضی پر ہوتا ہے کہ جب چاہے غسل کر لے۔ اگر پانی نہ ملے یا اس کے استعمال سے معذور ہو تو آدمی تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے تو تلاوت بھی کر سکتا ہے۔

مگر حائضہ اور نفاس والی کا معاملہ ان کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ (حیض اور نفاس) کئی دنوں تک جاری رہتے ہیں، اس لیے ان کے لیے قراءت قرآن مباح کی گئی ہے تاکہ وہ بھول نہ جائیں اور انہیں قراءۃ قرآن اور اس سے احکام شریعت کے استفادہ سے محرومی نہ ہو۔ جب یہ حکم اور معاملہ قرآن کریم کا ہے تو دعاؤں کی کتاب پڑھنا اور زیادہ سہل اور آسان ہے، جن میں آیات اور احادیث مخلوط ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ میں یہی بات درست اور اقوال علماء میں سے زیادہ صحیح ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا حائضہ عورت کے لیے دوران تدریس میں مثال اور استدلال کے لیے قرآنی آیات لکھنا جائز ہیں؟ اور کیا اس کے لیے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی کتابت جائز ہے؟

جواب: حائضہ عورت کے لیے ایسی کتابیں پڑھنا جن میں آیات قرآن اور ان کی تفسیر ہو بالکل جائز ہے۔ اسی طرح کسی مقالہ وغیرہ میں ضمناً آیات لکھنا یا استدلال میں پیش کرنا یا بطور دعا اور ورد ان کا پڑھنا بالکل جائز ہے کیونکہ اسے تلاوت نہیں کہا جاتا، اسی طرح ضرورت کے تحت تفاسیر کی کتب اٹھا لینا بھی جائز ہے۔
(عبداللہ بن الجبرین)

حائضہ اور نفاس والی کے بدن کی نجاست

سوال: کیا ایام مخصوصہ کے بعد طہارت کے وقت عورت کو اپنے کپڑے تبدیل کرنے ضروری ہیں جبکہ انہیں کوئی خون اور نجاست وغیرہ نہ لگی ہو؟

جواب: نہیں اسے لباس تبدیل کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ حیض بدن کو پلید نہیں کرتا۔ بلکہ حیض کا خون جہاں لگے صرف وہ جگہ پلید ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو حکم دیا تھا کہ جب ان کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ اسے اچھی طرح دھو لیں اور پھر اس میں نماز پڑھیں۔ [1] (محمد بن صالح عثیمین)

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم، حدیث: ۲۲۶ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، حدیث: ۳۳۳ سنن أبی داود، کتاب الطهارة، باب من روی ان الحیضة اذا ادبرت لا تدع الصلاة، حدیث: ۲۸۲ وسنن الترمذی، أبواب الطهارة، باب المستحاضة، حدیث: ۱۲۵.

سوال: میری بیوی نے ایک بچے کو جنم دیا تو میرے دوستوں نے میرے گھر آنے میں جھجک محسوس کی، اس وجہ سے کہ جب عورت نفاس میں ہوتو اس کے ہاتھ سے کھانا حلال نہیں ہوتا، اور وہ بدن اور عمل کے لحاظ سے نجس اور پلید ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی اس بات نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ براہ مہربانی اس مسئلہ کی وضاحت کی جائے جبکہ میں یہ جانتا ہوں کہ ایام نفاس میں عورت کے لیے نماز، روزہ اور قرآن کریم کی تلاوت منع ہوتی ہے۔

جواب: حیض یا نفاس کی وجہ سے عورت نجس یا پلید نہیں ہوجاتی ہے اور اس کے ہاتھ سے یا اس کے ساتھ مل کر کھانا قطعاً حرام نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ شرمگاہ کے علاوہ اس سے تمتع بھی حلال اور جائز ہے۔ صرف ناف سے لے کر گھٹنے کے مابین تمتع مکروہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودی لوگوں میں جب عورت ایام سے ہوتی تو وہ اس کے ساتھ مل کر نہیں کھاتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم سب کچھ کر سکتے ہو سوائے عملی مباشرت اور جماع کے۔'' ❶

صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے، کہتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے اور میں چادر باندھ لیتی، اور پھر وہ میرے ساتھ لیٹ جاتے جبکہ میں ایام سے ہوتی تھی۔'' ❷

اور ان ایام میں نماز، روزے اور قراءت قرآن سے منع کے یہ معنی بالکل نہیں ہیں کہ اس کے ساتھ مل کر کھانا بھی جائز نہیں یا جو کھانا اس نے تیار کیا ہو اس کا کھانا درست نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا نفاس والی عورت کے لیے ضروری ہے کہ جب تک اس کے یہ دن پورے نہ ہو جائیں وہ گھر سے باہر نہیں جاسکتی ہے؟

جواب: نفاس والی عورت کے احکام باقی عورتوں کی مانند ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو اس کے لیے گھر سے باہر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر کام نہ ہو تو سب ہی عورتوں کے لیے افضل یہ ہے کہ اپنے اپنے گھر ہی میں رہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز میں اپنی زینت کا اظہار نہ کرتی پھرو۔''

(عبدالعزیز بن باز)

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب غسل رأس زوجها وترجيله وطهارة سورها، حديث: ۳۰۲ وسنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن، سورة البقرة، حديث: ۲۹۷۷ وسنن الدارمي: ۱/ ۲۶۱، حديث: ۱۰۵۳ السنن الكبرى للبيهقي: ۱/ ۳۱۳، حديث: ۱۳۹۶.

❷ صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض، حديث: ۲۹۵ وصحيح مسلم، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الازار، حديث: ۲۹۳ سنن الترمذي، كتاب الطهارة، باب مباشرة الحائض، حديث: ۱۳۲ سنن النسائي، كتاب الحيض والاستحاضة، باب مباشرة الحائض، حديث: ۳۷۳

سوال: کیا حائضہ عورت کے لیے جائز ہے کہ مسجد میں تعلیم و ذکر کے حلقہ میں حاضر ہو سکے؟

جواب: حائضہ عورت کے لیے مسجد میں ٹھہرنا اور رکنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر گزرنا پڑے تو گزر سکتی ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ سو جب عورت کے لیے مسجد میں رکنا اور ٹھہرنا جائز نہیں ہے تو مسجد میں حلقہ ذکر وسماع اور قراءت قرآن وغیرہ کے لیے تو بالکل نہیں جاسکتی۔ ہاں اگر وہاں کوئی علیحدہ جگہ ہو جہاں لاؤڈ سپیکر وغیرہ کے ذریعے سے آواز آتی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ عورت کے لیے ان ایام میں قرآن کریم یا درس وغیرہ سننے کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور احادیث میں ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایام سے ہوتی تھیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی گود کا سہارا لے لیتے اور قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ [1]

عورت کا مسجد میں اس غرض سے جانا کہ وہاں درس سننے اور قرآن پڑھنے وغیرہ کے لیے بیٹھے تو یہ جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ایام شروع ہوگئے ہیں تو آپ نے کہا: ''کیا یہ ہمیں روکنے والی ہے؟'' آپ کا خیال تھا کہ انہوں نے طواف افاضہ (دس ذوالحجہ کا طواف) نہیں کیا ہے۔ مگر آپ کو بتایا گیا کہ انہوں نے طواف افاضہ کرلیا ہے (تو انھیں بھی روانہ ہونے کی اجازت دے دی اور خود بھی روانہ ہو گئے)۔'' [2]

تو یہ دلیل ہے کہ عورت ایام حیض میں مسجد میں عبادت یا غیر عبادت کے لیے نہیں رک سکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ثابت ہے کہ عید کے موقعہ پر آپ نے عورتوں کو حکم دیا کہ نماز اور ذکر میں شمولیت کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلیں، مگر ایام والیوں سے فرمایا کہ نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا حائضہ عورت کے لیے جائز ہے کہ مسجد حرام میں بیٹھ کر درس وغیرہ سن سکے؟

جواب: مسجد حرام بلاشبہ تمام مساجد سے بڑھ کر افضل مسجد ہے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ایام والیوں کو عیدگاہ میں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا ہے [3] جبکہ وہاں لوگ صرف نماز عید ہی پڑھتے ہیں تو مسجد حرام کے متعلق

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب قراءة الرجل فی حجر امرأته وهی حائض، حدیث: ۲۹۳ وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجیله، حدیث: ۳۰۱، سنن أبی داود، کتاب الطهارة، باب فی مواکلة الحائض ومجامعتها. حدیث ۲۶۰ وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب بسط الحائض الخمرة فی المسجد، حدیث: ۲۷۳.

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، باب حدیث ۴۱۴۰ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان وجوه الاحرام وانه یجوز افراد الحج، حدیث: ۲۰۰۳ سنن الترمذی، کتاب الحج، باب المرأة تحیض بعض الافاضة، حدیث: ۹۴۳.

[3] صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب شهود الحائض العیدین ودعوة المسلمین، حدیث ۳۱۸ وصحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب ذکر اباحة خروج النساء فی العیدین، حدیث: ۸۹۰ وسنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب فی العید، حدیث: ۱۱۳۶ وسنن الترمذی، أبواب العیدین، باب خروج النساء فی العیدین، حدیث: ۵۳۹

آپ کا کیا خیال ہے؟ مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ مسجد حرام یا کسی اور مسجد میں رکے اور ٹھہرے۔ وہاں اگر صرف گزرنے کی ضرورت ہو تو گزر سکتی ہے بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ مگر اس کا وہاں رکنا حرام ہے، خواہ اس کی نیت درس و وعظ سننا ہی ہو۔ اور اب تو اللہ نے دوسرے وسائل مہیا فرما دیے ہیں کہ کیسٹوں وغیرہ کے ذریعے سے یہ سنے جا سکتے ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

دعاؤں کے الفاظ میں مذکر مؤنث کے صیغے

سوال: احادیث میں آیا ہے کہ جس بندے کو کوئی غم اور پریشانی لاحق ہو تو یوں دعا کرے: ((اللهم إني عبدك وابن عبدك ...... الخ)) تو کیا عورت یہ دعا پڑھتے ہوئے مذکر کے الفاظ پڑھے یا مؤنث کے اور اسی طرح دوسری دعاؤں میں بھی اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں ان شاء اللہ وسعت ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ عورت مؤنث کے صیغے استعمال کرتے ہوئے یوں کہے: ((اللهم إني أمتك وابنة عبدك ...... الخ)) اس طرح کے الفاظ (میں اس کے لیے تبدیلی کر لینا) عورت کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ لیکن اگر وہ ان منقول الفاظ ہی سے دعا کرے (ان میں تبدیلی نہ کرے) جو حدیث میں آئے ہیں تو ان شاء اللہ اس میں کوئی ضرر نہیں۔ یہ اگرچہ ''اللہ کی بندی'' ہے مگر اس کے بندوں کا ایک فرد بھی تو ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)
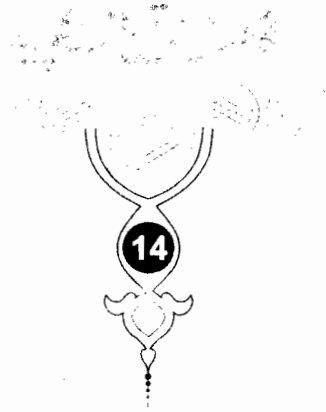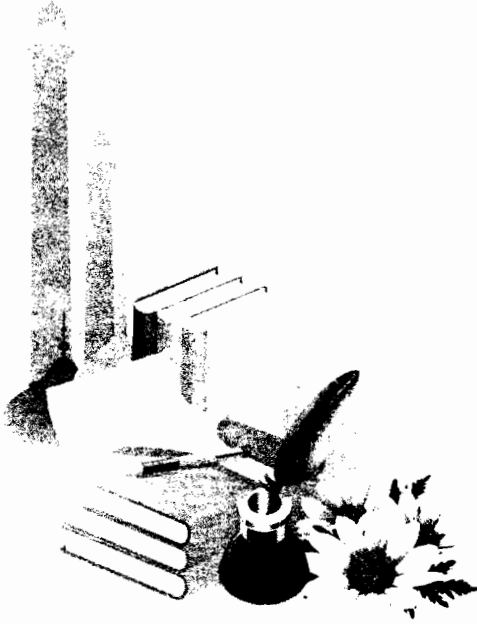
سوال: بعض تاجر اپنی اشیاء فروخت پر انعامی کارڈ دیتے ہیں، مثلاً اگر کوئی اتنے کی خریداری کرے گا تو اسے فلاں چیز انعام میں دی جائے گی۔ اور کبھی وہ انعامی کارڈ یا کوپن کے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ جو یہ ٹکڑے مکمل کرلے گا وہ فلاں انعام کا مستحق ہوگا۔ تو کیا یہ انداز درست ہے؟

جواب: اس کی کئی شکلیں ہیں:

شکل اول:...... مثلاً یہ ہے کہ تاجر کہتا ہے کہ جو مجھ سے ایک ہزار کی خریداری کرے گا، اسے فلاں انعام دیا جائے گا۔ انعام کی چیز اور اس کی مقدار وغیرہ سب معلوم ہوتی ہے۔ اس میں بظاہر کوئی منع نہیں ہے، مگر خریدار کے لیے خسارا ہوسکتا ہے۔ مثلاً اسے چیز کی کم ضرورت ہو، مگر وہ اس انعام کے لالچ میں زیادہ خرید لیتا ہے، اور اس طرح اس کی رقم ضائع ہوتی ہے۔

شکل دوم:...... بعض اوقات تاجر انعام کی تصویر وغیرہ بنا دیتا ہے، مثلاً کار کی تصویر آدھی ایک کارڈ پر اور آدھی دوسرے کارڈ پر، اور کہتا ہے کہ جو یہ تصویر مکمل کرے گا اسے کار انعام میں دی جائے گی۔ جب آپ ایک کارٹن خریدتے ہیں اور کچھ پتہ نہیں کہ اس میں اس کا دوسرا حصہ موجود ہے یا نہیں، تو آدمی جسے اپنے گھر کے لیے ایک کارٹن کافی ہو وہ اس لالچ میں دسیوں اور سیکڑوں کارٹن خریدے گا، اس لالچ میں کہ شاید اس کا دوسرا حصہ مل

جائے، تو خریدار کو کوئی سو کا خسارا ہو گا مگر کچھ نہیں ملے گا، بلکہ تاجر کو بہت کچھ مل جائے گا۔ اس میں بھی خریدار کے مال کا ضیاع ہے، لہٰذا یہ انداز جائز نہیں ہے۔

اس کی شکل سوم بھی ہے جو سائل نے ذکر نہیں کی۔ مثلاً تاجر کہتا ہے کہ جو مجھ سے ایک ہزار کی خریداری کرے گا۔ تو ایسے خریداروں میں قرعہ ڈالا جائے گا اور پھر جس کے نام قرعہ نکلے گا اسے پچاس ریال کا انعام ملے گا۔ یہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ جب قرعہ نکلنے والا ہوتا ہے تو آپ کو خطرہ سا ہوتا ہے کہ ممکن ہے وہ پچاس تمہیں مل جائیں تو یہ جوئے کی قسم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جوئے کو شراب اور بتوں کی عبادت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدہ: ۵/ ۹۰)

''اے ایمان والو! سوائے اس کے نہیں کہ شراب، جوا، بت اور پانسے پلید اور شیطانی عمل ہیں، تو ان سے دور رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔''

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تاجروں کو حلال نفع کمانے کی توفیق دے جو ان کے لیے نفع آور ہو اور کسی قسم کے خسارے کا باعث نہ بنے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: جب انسان کسی سنار کو اپنا زیور بیچے اور اس سے دوسرا خریدے جو پہلے سے قیمت میں زائد ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ہم اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ نبی ﷺ کی حدیث میں ہے کہ:

((الذهب بالذهب مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد' [عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ] .))

''سونا سونے کے بدلے ہم مثل، برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہونا چاہیے۔''[1]

اگر آپ اپنا سونا مثلاً اٹھارہ قیراط کا بیچتے ہیں اور اس کے بدلے چوبیس قیراط لیتے ہیں تو ضروری ہے کہ یہ دونوں آپس میں وزن میں برابر ہوں اور خریدار اور بائع الگ ہونے سے پہلے اپنا اپنا مال ایک دوسرے سے وصول کر لیں۔ اگر آپ سنار کو اپنا سونا بیچتی اور اس سے دوسرا اس سے خریدتی ہیں، یا تو یہ ان میں مسابقہ ہوگا کہ میں تجھے دس ہزار کا اپنا سونا بیچوں گی اور اس قیمت میں تجھ سے خریدوں گی تو یہ زیور وزن میں کم ہوگا۔ اگر یہ سودا با قاعدہ اتفاق سے کیا گیا ہو تو جائز نہیں ہوگا۔ یہ حرام ہے اگرچہ شکل وصورت خرید وخروخت کی ہے۔ اگر یہ

---

[1] یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں، البتہ اس میں سونے کے بعد چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک کا بھی ذکر ہے۔ یہ روایت مختلف الفاظ سے مروی ہے بلکہ الفاظ کی کمی بیشی، اختلاف ترتیب الفاظ اور الفاظ کے فرق کے ساتھ مختلف راویوں سے بھی بیان کی گئی ہے۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا، حدیث: ۱۵۸۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الصرف، حدیث: ۳۳۴۹ وسنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ان الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، حدیث: ۱۲۴۰.

سودا باقاعدہ شدہ پروگرام کے تحت نہ ہو بلکہ وہ آئے، اپنا سونا بیچے اور اپنی رقم وصول کر لے۔ اب وہ دوسرا سودا کرتے ہوئے کچھ اور زیور خریدے تو یہ جائز ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ اسے چاہیے کہ یہ اپنا سونا بیچنے کے بعد بازار میں کہیں اور جائے اور اپنے مطلب کی چیز خرید لے۔ اگر کہیں اور نہ ملے تو دوبارہ واپس آ کر اسی سے خرید لے۔ یقیناً امام احمد رحمہ اللہ کی بات قابل قدر ہے تاکہ یہ عمل حرام کا حیلہ نہ بنے اور دوسروں کے لیے راہ نہ کھلے۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنی مطلوبہ چیز بازار میں تلاش کرے۔ اگر نہ ملے تو پھر آ کر اس سے لے لے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: سناروں کے ہاں یہ معمول ہے کہ وہ مستعمل سونا مثلاً تیس ریال فی گرام کے حساب سے خریدتے ہیں اور پھر اسی شخص کو اپنا نیا سونا چالیس ریال فی گرام کے حساب سے بیچتے ہیں۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے کہ نئے پرانے سونے کا تبادلہ ہو اور آپ زائد فرق کی حدیث سے ثابت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عمدہ کھجور لائے، آپ نے پوچھا: یہ کہاں سے ہے؟ بلال نے کہا: ہمارے پاس ...... صاع دے کے یہ ایک صاع خریدی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: ''اوہ .... کیا کرو، یہ تو عین سود ہے۔''[1]

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرمایا کہ جن............ طرف (فروخت کردہ اور خرید شدہ میں) برابر ہونی چاہیے، محض وصف کے .... سے۔ ان میں کمی بیشی کرنا سود بن جاتا ہے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی احادیث مبارکہ کے مطابق اسے حلال اور جائز طریقہ بتایا کہ آپ اپنی نکمی کھجور ......اور اہم (روپوں) سے بیچیں۔ پھر ان روپوں سے نئی اور عمدہ کھجور خرید لیں۔ اسی طرح یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس پرانا سونا ہو، یا ایسا زیور ہو کہ لوگوں نے اس کا پہننا چھوڑ دیا ہو، تو اسے چاہیے کہ اپنے سونے کو بازار میں علیحدہ سے فروخت کرے، اس کے درہم (یا روپے) لے، پھر ان روپوں سے دوسرا پسندیدہ زیور خرید لے، جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: سنار یا دکاندار سونے کے بدلے میں سونا اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور خریدار کہتا ہے کہ میں گھر والوں سے مشورہ کر آؤں، دکاندار نے جو سونا رکھا ہے، وہ اس کے اپنے سونے کے بدلے میں رہن ہوتا ہے تاآنکہ خریدار واپس لے آئے۔ اور ظاہر ہے ان دونوں میں وزن کا فرق بھی ہوتا ہے؟

جواب: اگر اس میں ان کا سودا (بیع) اور خرید وفروخت نہیں ہوئی ہے تو یہ جائز ہے کہ وہ واپس لائے گا تو سودا ہوگا اور جب وہ سودا کر لیں اور دکاندار اپنی قیمت لے لے اور خریدار اپنا سونا واپس کر لے جو دکاندار کے پاس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ، باب إذا باع الوکیل شیئا فاسدا فبیعه مردود، حدیث: ٢٣١٢ وصحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب بیع الطعام مثلاً بمثل، حدیث: ١٥٩٤ وسنن النسائی، کتاب البیوع، باب بیع التمر بالتمر متفاضلا، حدیث: ٤٥٥٧.

رہن رکھا تھا۔ تو یہ جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: قیمت وصول کرنے سے پہلے ہی سونا دے دینا کہ وہ عنقریب ادا کر دے گا، اس کا کیا حکم ہے؟ بالخصوص جب یہ معاملہ کسی قریبی کے ساتھ ہو؟ اگر اعتماد نہ کیا جائے تو قطع رحمی کی صورت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو؟

جواب: اس بارے میں ایک اصول وقاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ سونا اسی صورت میں بیچنا درست ہو سکتا ہے جب اس کی قیمت پوری کی پوری وصول کر لے۔ اس میں قریبی یا دور والے کی بات نہیں ہے۔ اللہ کے دین میں الفتیں نہیں چلتی ہیں۔ اگر وہ عزیز اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو۔ اس میں وہی ظالم اور گناہگار ہوگا جو تم سے معصیت کا کام کرانا چاہتا ہے۔ آپ جب اس کے ساتھ حرام معاملہ نہیں کرنا چاہتے تو آپ حق پر ہیں، وہی گناہ گار ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: خریدار نے سونا خریدا، کچھ قیمت ادا کر دی اور کچھ ابھی باقی ہے، اور پھر وہ سونا دکاندار کے پاس محفوظ کرا لینا، حتیٰ کہ اس کی پوری قیمت ادا کر کے اسے وصول کر لے گا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ سودا ہو چکا ہے۔ اور بیع کا تقاضا ہے کہ اس کی ملکیت دکاندار سے خریدار کی طرف منتقل ہو جائے۔ پوری قیمت وصول کیے بغیر اسے بیچنا جائز نہیں۔ ضروری ہے کہ کامل قیمت وصول کر لے۔ پھر اگر خریدار اسے دکاندار کے پاس (بطور امانت) رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے اور چاہے تو اپنے ساتھ لے جائے۔ ہاں اگر کچھ رقم ادا کر دی اور سودا طے نہیں کیا، پھر جا کر باقی رقم لے کر آتا ہے اور نئے سرے سے سودا کرتے ہیں تو جائز ہوگا۔ یہ سودا کل رقم پیش کرنے پر ہی ہو سکے گا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایسا زیور بیچنا جس پر کوئی تصویر، پتنگا یا سانپ کا سر او غیرہ بنا ہوتا ہے، اس کا حکم ہے؟

جواب: سونے چاندی کا ایسا زیور جس پر کسی حیوان کی تصویر بنی ہوئی ہو اس کا بیچنا، خریدنا، پہننا بلکہ رکھنا بھی جائز نہیں، حرام ہے۔ تصویروں کے بارے میں مسلمان پر واجب ہے کہ انہیں مٹائے اور ختم کرے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہیاج سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے کہا:

> ''کیا میں تجھے اس کام پر روانہ نہ کروں جس کے لیے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ کیا تھا؟ یہ کہ کسی تصویر کو مٹائے بغیر اور کسی اونچی قبر کو برابر کیے بغیر نہ چھوڑنا۔''[1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر، حديث: ٩٦٩، وسنن أبى داود، كتاب الجنائز، باب في تسوية القبر، حديث: ٣٢١٨ سنن الترمذى، كتاب الجنائز، باب تسوية القبر، حديث: ١٠٤٩ وسنن النسائى، كتاب الجنائز، باب تسوية القبور اذا رفعت، حديث: ٢٠٣١

''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جہاں تصویر ہو۔''[1]

لہٰذا مسلمانوں کو ایسے زیور بیچنے، خریدنے اور استعمال کرنے سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: سونے کی خرید فروخت میں چیک کے ساتھ ادائیگی کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اپنی جان یا مال کے چوری کے ہونے کے ڈر سے رقم پاس نہیں رکھتے اور بذریعہ چیک ادائیگی کرتے ہیں، اور بیع کے وقت ان پر وصول ہوسکتی ہے؟

جواب: سونے کی خرید وفروخت میں چیکوں کے ساتھ ادائیگی کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ چیک رقم کی وصولی نہیں ہے، بلکہ یہ حوالے کا ایک وثیقہ ہے۔ اس کے لیے دلیل یہ ہے کہ اگر بالفرض چیک وصول کرنے والے سے وہ ضائع ہوجائے تو وہ اس چیک دینے والے سے دوبارہ لے سکتا ہے۔ جبکہ اگر رقم وصول کر چکا اور وہ اس سے ضائع ہوجائے تو دوبارہ طلب نہیں کرسکتا۔

مزید یوں سمجھیے کہ ایک آدمی نے سونا خریدا اور رقم ادا کر دی، دکاندار سے وہ رقم ضائع ہوگئی تو وہ سونے کے خریدار سے دوبارہ کوئی مطالبہ نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر اس نے چیک وصول کیا ہو اور وہ بنک جائے مگر چیک ضائع ہوجائے تو خریدار سے وہ رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ چیک رقم کی ادائیگی نہیں ہے۔ جب یہ رقم کی ادائیگی اور قبض نہیں ہے تو بیع بھی صحیح نہ ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے سونے چاندی کی بیع میں یہ ضابطہ دیا ہے کہ یہ نقد ونقد ہاتھوں ہاتھ ہونی چاہیے۔

ہاں اگر وہ چیک بنک کی طرف سے تصدیق شدہ ہو، اور بنک سے رابطہ کر کے اس کی تصدیق کر لی جائے، اور دکاندار کہے کہ میری یہ رقم اپنے پاس محفوظ رکھیں تو اس میں رخصت ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ایسے لوگوں کے ہاں ملازمت وغیرہ کرنے کا کیا حکم ہے جو سونے کے بیوپار میں بالخصوص سود یا کھوٹ ملاوٹ اور دھوکے وغیرہ سے کام کرتے ہیں جو سراسر غیر شرعی ہوتے ہیں؟

جواب: جو لوگ سود اور دھوکے وغیرہ کا کاروبار کرتے ہیں، جو سراسر حرام ہیں، ان کے ہاں ملازمت اور کام کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من کرہ القعود علی الصورۃ، حدیث: ٥٩٨٢ وصحیح مسلم، کتاب اللباس و الزینۃ، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، حدیث: ٢١٠٦ سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب التصاویر، حدیث: ٥٣٤٧۔ یہ روایت مختلف صحابہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کی ہے اور اس میں تصویر کے ساتھ کتے کا بھی ذکر ہے۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ...... وحدیث: ٣٢٢٥.

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدہ : ۵/ ۲)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

اور فرمایا:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ (النساء : ٤/ ١٤٠)

''اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی کتاب میں یہ نازل کیا ہے جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تم بھی ان ہی کی مثل ہو گے۔''

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه.)) [1]

''جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اگر یہ بھی نہ ہو تو دل سے برا جانے۔''

تو جو آدمی ایسے لوگوں کے پاس کام کرتا ہے اس نے اس برائی کو نہ ہاتھ سے روکا نہ زبان سے اور نہ دل سے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہوا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بعض سونے کے بیوپاری اس طرح کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنا سونا لے کر دوسرے تاجر کے پاس جاتا ہے، یہ اس کو اپنا خالص سونا دیتا ہے اور وہ اسے اپنا سونا دیتا ہے، جس میں بعض ہیرے جواہرات نگینے وغیرہ جڑے ہوتے ہیں۔ دکاندار سونے کے جواہرات کے بدلے برابر کا سونا ہی لیتا ہے، پھر اس کی بنوائی کی قیمت مزید وصول کرتا ہے۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ لین دین حرام ہے کیونکہ اس میں سود ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں جیسے کہ سائل نے بتایا:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب كون النهى عن المنكر من الايمان، حديث : ٤٩۔ سنن ابى داود (١١٤٠)۔ سنن الترمذى، كتاب الفتن، باب تغيير المنكر باليد أو باللسان، حديث : ٢١٧٢۔ سنن النسائى (٥٠٠٨)۔ سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى صلاة العيدين، حديث ١٢٧٥۔ مسند احمد بن حنبل : ٣/ ٢٠، حديث : ١١١٦٦۔ فتویٰ میں مذکور الفاظ صحیح مسلم اور مسند احمد کے ہیں۔ دوسری روایات میں الفاظ کا معمولی فرق ہے۔ نیز صحیح مسلم کی روایت میں " فبلسانه " کے بعد " فان لم " کے بجائے " فمن لم " ہے۔ (عاصم)

۱۔ سونا زیادہ وصول کرنا کہ وہ اپنے پتھروں اور نگینوں کے بدلے میں سونا وصول کرتا ہے۔ یہ بالکل وہی ہے جو حدیث قلادہ میں آیا ہے۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے ایک ہار خریدا، اس میں سونا اور کچھ منکے تھے، وہ انہوں نے بارہ دینار میں خریدا، پھر اسے کھولا تو اس میں سونا زیادہ نکلا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے کھولے بغیر نہیں بیچنا چاہیے تھا۔'' ❶

۲۔ بنوائی کی قیمت وصول کرنا۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں بنوائی کی قیمت کا اضافہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اگرچہ آدمی کی ہے مگر اس میں سودی اضافہ ہے، جو اس وصف سے مشابہ ہے جو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صاع نکمّی کھجور کے بدلے ایک صاع عمدہ کھجور لینے سے منع فرمایا تھا۔ ❷ مسلمان کو سود سے بچنا واجب ہے اور اس سے دور رہنا چاہیے کیونکہ یہ ایک بڑا گناہ ہے۔

سوال: ایک آدمی نے سونا خریدا اور سودا ہو گیا، رقم دینے لگا تو کچھ کم پڑ گئی، تو وہ کہتا ہے کہ بقیہ میں لا کر دیتا ہوں، گاڑی میں سے یا بنک سے، اور سونا وصول نہیں کرتا۔ جب پوری لا کر دے دیتا ہے تو اپنا سونا بھی لے لیتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا بیع دوبارہ کرنی ہوگی؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ جب وہ باقی رقم لے آئے تو سودا دوبارہ کریں، اور اس میں انہیں اپنے الفاظ ہی دہرانے ہوں گے۔ اگر وہ اپنا سودا چھوڑ دے اور بقیہ رقم لے آنے کے بعد ہی سودا کرے تو زیادہ اچھا ہے۔ رقم سے پہلے سودے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ واللہ الموفق (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا آدمی سونا خریدتا ہے، اور اس کے ذمے کچھ رقم باقی رہ جاتی ہے، اور وہ کہتا ہے، جب آسانی ہوئی تو دے جاؤں گا؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے۔ جس قدر سونے کی اس نے قیمت ادا کر دی وہ صحیح ہے اور باقی جس کی قیمت ادا نہیں کی وہ باطل ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے چاندی کے بارے میں فرمان ہے: ''جیسے چاہو بیچ لو جب ہاتھوں ہاتھ نقد ہو۔'' ❸ (محمد بن صالح عثیمین)

---

❶ صحیح مسلم، كتاب المساقاة، باب بيع القلادة فيها خرز وذهب، حديث: ١٥٩١۔ سنن ابی داود (٣٣٥٢) وسنن الترمذی، كتاب البيوع، باب شراء القلادة وفيها ذهب وخرز، حديث: ١٢٥٥ وسنن النسائی، كتاب البيوع، باب بيع القلادة فيها الخرز والذهب بالذهب، حديث: ٤٥٧٣.

❷ صحيح بخاری، كتاب البيوع، باب بيع الخلط من التمر، حديث: ٢٠٨٠ وسنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الصرف وما لا يجوز متفاضلا يدا بيد، حديث: ٢٢٥٦ وسنن النسائی، كتاب البيوع، باب بيع التمر بالتمر متفاضلا، حديث: ٤٥٥٤.

❸ صحيح بخاری، كتاب البيوع، باب بيع الذهب بالذهب، حديث: ٢١٧٥، وصحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: ١٥٩٠۔ سنن النسائی (٤٥٧٨)۔ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٣٢٠، حديث: ٢٢٧٧٩.

سوال: ایک شخص دکاندار کو اپنا سونا بیچتا ہے، اور پھر اس سے اسی رقم کے قریب قریب اس کا سونا خریدتا ہے۔ خریدار اپنے خریدے گئے سونے کی ادائیگی فروخت کیے گئے سونے سے کر دیتا ہے، مگر دکاندار سے اپنا خریدا ہوا سونا وصول نہیں کرتا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنی چیز قیمتاً فروخت کی اور پھر اس کے عوض وہ چیز خریدی جیسے ادھار بیچنا جائز نہیں۔ فقہاء نے اس کے حرام ہونے کی صراحت کی ہے۔ کیونکہ یہ ان ممنوعہ بیوع کے لیے حیلہ بن سکتی ہے، جنہیں اس انداز میں وصول کیے بغیر ادھار نہیں بیچا جا سکتا، بالخصوص جب کہ اس میں ربا الفضل یا ربا النسیئہ ہو سکتا ہے۔ ربا الفضل یہ ہے کہ سونا چاندی یا مطعومات کو زیادتی کے ساتھ بیچا جائے۔ اور ربا النسیئہ (ادھار کا سود) یہ ہے کہ جن چیزوں کو بیع کے وقت قبضہ میں لینا شرط ہے، اسے وصول کرنے میں تاخیر کر دی جائے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بعض سونے کے خریدار نئے سونے کا بھاؤ پوچھتے ہیں۔ بھاؤ معلوم ہونے پر وہ اپنا مستعمل سونا پیش کر دیتے ہیں اور اسے فروخت کرتے ہیں۔ مگر رقم وصول کرتے وقت اسی رقم سے نیا سونا خرید لیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ پہلے سے ایسا کوئی پروگرام طے نہ کیا گیا ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس صورت میں خریدار کو چاہیے کہ وہاں سے چلا جائے اور کہیں اور سے اپنے مطلب کی چیز خرید لے۔ اگر نہ ملے تو اس کے پاس دوبارہ آ کر خرید کر لے۔ یہ اس لیے کہ حیلہ کے شبہ سے نکل جائے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر کوئی سونے وغیرہ کی کوئی چیز خریدے اور شرط کر لے کہ اگر پسند نہ آئی تو واپس کر کے اپنی قیمت لے جائے گا یا اس کے بدلے کچھ اور خرید لے گا۔ اور بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ گھر دور ہوتا ہے تو اسی دن یا اگلے دن واپس آنا مشکل ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں صحیح شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب: اس میں افضل یہ ہے کہ سودا مکمل کرنے سے پہلے وہ اس چیز کو اگر پسند آ جائے تو دکان پر آ کر اس کا سودا کر لے۔ لیکن اگر خرید لے اور سودا مکمل کر لے پھر شرط کرے کہ اگر پسند آ گیا تو بہتر ورنہ واپس کر دے گا، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز کہا ہے کہ مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔ اور بعض نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ شرط ایک حرام کو حلال بناتی ہے۔ اپنی بیع مکمل ہونے سے پہلے فریقین کا جدا جدا ہونا۔

پہلا قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے اور دوسرا علمائے حنابلہ میں مشہور ہے یہ کہ ہر وہ چیز جس میں بیع میں قبض کر لینا شرط ہے، اس میں اختیار کی شرط درست نہیں ہے۔ اس لیے جو انسان شبہات سے بری رہنا چاہتا ہے اس کے لیے یہی ہے کہ پہلا طریقہ اختیار کرے یعنی چیز لے جائے اور مشورہ کر لے، بعد میں بیع مکمل کرے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اس صورت کا کیا حکم ہے کہ بعض دکاندار شرط کرتے ہیں کہ اگر آپ اپنا سونا ہمیں بیچنا چاہتے ہیں تو نیا

بھی ہم ہی سے خریدیں؟

جواب: یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ سونے کے سونے کے ساتھ، مع الاضافہ بیع کا حیلہ ہے، اور حیلے شریعت میں منع ہیں۔ کیونکہ یہ دھوکہ اور اللہ کے احکام کے ساتھ کھیل ہوتا ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بعض سونے کے تاجر سونا ادھار خرید لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ حلال ہے، اس بنا پر کہ یہ بھی ایک تجارتی مال ہے۔ ان کے ایک تاجر سے بحث کی گئی تو اس نے کہا کہ یہ علماء حضرات ان معاملات کو نہیں جانتے؟

جواب: سونے کی بیع ادھار کرنا بالاجماع حرام ہے کیونکہ اس میں ربا النسیہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''سونا سونے کے ساتھ، چاندی چاندی کے ساتھ نقدا نقد ہاتھوں ہاتھ، مثل بالمثل اور برابر برابر ہونی چاہیے۔ جب ان جنسوں میں اختلاف ہو تو جیسے چاہو بیچ سکتے ہو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ نقد ہو۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہی ہے:

اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ''علماء ان چیزوں کو نہیں جانتے'' یہ اہل علم پر لایعنی تہمت ہے کہ وہ نہیں جانتے۔ یہ اہل علم ہیں جیسے کہ اس نے خود کہا: ''علماء'' اور علم جہالت کی ضد ہے۔ اگر وہ جانتے نہ ہوتے تو انہیں ''اہل علم'' کہنا درست نہ ہوتا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان حدود کو بخوبی جانتے ہیں جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہیں اور وہ اس مسئلے کو بھی جانتے ہیں کہ یہ حرام ہے کیونکہ نص اس کے حرام ہونے پر دلیل ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بہت سے دکاندار مستعمل سونا خریدتے ہیں، اور پھر وہ سونے کے بیوپاری سے اس کے بدلے نیا بنا ہوا زیور خریدتے ہیں جو اس کے ہم وزن ہوتا ہے، اور وہ لوگ اس نئے کی بنوائی علیحدہ سے لیتے ہیں؟

جواب: الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين .

نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والتمر بالتمر والشعير بالشعير والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد' [مسلم عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه] .))

''سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، جو جو کے بدلے، اور نمک نمک کے بدلے مثل بالمثل، برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ نقد ہونا چاہیے۔'' [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقدا، حدیث : ۱۵۸۷۔ سنن ابی داود (۳۳۴۹) وسنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل ......، حدیث : ۱۲۴۰۔ سنن النسائی (۴۵۶۰)۔ سنن ابن ماجه (۲۲۵۴)۔ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ بہرحال فتویٰ میں مذکور الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔ (عاصم)

[2] صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقدا، حدیث : ۱۵۸۷ وسنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ان الحنطة بالحنطة مثلا بمثل ......، حدیث : ۱۲۴۰۔ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ بہرحال فتویٰ میں مذکور الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔ نیز دیکھئے: سابقہ حوالہ۔ (عاصم)

اور یہ بھی ثابت ہے کہ:

((من زاد او استزاد فقد اربی.)) ❶

"جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا، اس نے سود کا معاملہ کیا۔"

احادیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے پاس عمدہ کھجور لائی گئی تو آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ: "ہم اس کے ایک صاع کے بدلے دو صاع کھجور دیتے ہیں یا تین صاع۔" تب آپ نے حکم دیا کہ یہ سودا واپس کیا جائے اور فرمایا: "یہ عین سود ہے۔" اور پھر ارشاد فرمایا کہ "گھٹیا کھجور دراہم (روپوں) میں فروخت کریں، پھر ان سے نئی کھجور خریدیں۔" ❷

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ سونے کو سونے سے تبدیل کرنا اور پھر اس پر بنوائی کی اضافی اجرت لینا، یہ حرام اور ناجائز ہے اور اس ممنوعہ سود میں داخل ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اس میں درست طریقہ یہ ہے کہ مستعمل اور مکسور سونا علیحدہ سے بیچا جائے، پہلے سے کوئی پروگرام طے نہ کیا گیا ہو۔ جب اس کا مالک اپنی رقم وصول کر لے تب یہ نئی چیز خرید کرے اور اس سے بھی افضل یہ ہے کہ وہ اپنی مطلوبہ چیز کسی اور دکان سے تلاش کرے۔ اگر کہیں اور نہ ملے تب پہلے دکاندار کے پاس آ کر مطلوبہ چیز خرید لے۔ اب اگر دکاندار مزید بھی لیتا ہے تو جائز ہے۔ الغرض سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ، فرق کی قیمت ادا کر کے نہیں ہونا چاہیے کہ یہ بنوائی کی اجرت ہے۔ یہ سونے کے تاجر کی بات ہے۔ اور اگر وہ زیورات تیار کرنے والا سنار ہو تو اسے چاہیے کہ کہے کہ یہ لو میرا سونا، اس سے مجھے میرا مطلوبہ زیور بنا دو، میں تمہیں اس کی محنت اور بنوائی دوں گا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات وصلی الله تعالیٰ علی النبی محمد وعلی آله وصحبه أجمعين.

العبد الفقير الى رحمة رب العالمين ابوعمار عمر فاروق بن عبدالعزيز السعيدی عفا الله عنه ومن آباء ه ومشائخه اجمعين

جامع ریاض الاسلام

منڈی واربرٹن

۱۴۲۸/۰۶/۲۷ھ ۲۰۰۷/۰۷/۱۲م

❶ حوالہ سابقہ۔

❷ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اراد بیع بتمر خیر منه، حدیث: ۲۲۰۱ وصحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب بیع الطعام مثلا بمثل، حدیث: ۱۵۹۳ وسنن النسائی، کتاب البیوع، باب بیع التمر بالتمر متفاضلا، حدیث: ۴۵۵۳.

کتاب المتفرقات

خواتین اور روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے متفرق احکام و مسائل

سوال: شریعت اسلامی کی رُو سے عورت کے کام کرنے کی کیا حیثیت ہے، جیسے کہ ہم دیکھتے ہیں، کہ عورت اپنے خاص لباس میں سڑکوں اور بازاروں میں نکلتی ہے، سکول کالج جاتی ہے۔ اسی طرح دیہاتی عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ کھیتوں میں کام کرنا کیسا ہے؟

جواب: اس میں شک نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کو عزت دی ہے، اس کی حفاظت کی ہے، انسانی بھیڑیوں سے اسے بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے، اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے اور اسے معاشرے میں بلند مقام دیتے ہوئے مردوں کے ساتھ وراثت میں برابر کا حقدار اور حصہ دار بنایا ہے۔ جاہلیت میں جو اسے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اسلام نے اس عمل کو حرام قرار دیا ہے اور نکاح شادی کے معاملات میں اس سے اجازت اور مشورہ کرنا لازم قرار دیا ہے۔ اور اگر عورت سمجھ دار اور دانا ہو تو اسے مالی تصرفات کی بھی اجازت دی ہے، اور اس کے شوہر پر اس کے بہت سے حقوق واجب ٹھہرائے ہیں اور اس کے باپ اور دیگر رشتہ داروں پر واجب کیا ہے کہ حسب ضرورت اس پر خرچ اخراجات کریں، اور خود عورت پر واجب کیا ہے کہ ہر ایک کی لذت اندوزی کا سستا سودا نہ بنے بلکہ ان کی نظروں سے بچاؤ کے لیے پردہ اختیار کرے۔ سورۃ الاحزاب میں ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾
(الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

''اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی زیادہ پاکیزگی کا باعث ہوگا۔''

اور سورۃ النور میں فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَo وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوبُوْا إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo﴾ (النور: ۲۴/ ۳۰۔۳۱)

''مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ اور مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں، اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے، یا اپنے والد کے، یا اپنے سسر کے، یا اپنے لڑکوں کے، یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھتیجوں کے، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنے میل جول کی عورتوں کے، یا غلاموں کے، یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں، یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔ اور اسی طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ نجات پا جاؤ۔''

اس آیت کریمہ میں وارد الفاظ ((إلا ما ظهر منها.)) ''اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے'' کی تفسیر میں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سے مراد ظاہری کپڑے ہیں، کیونکہ ان کا چھپانا ممکن نہیں ہے۔ جبکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مراد''

چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔"[1]

ان میں سے راجح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کیونکہ اس سے پہلے حجاب والی آیت دلیل ہے کہ ہاتھ اور چہرے کا چھپانا واجب ہے، کیونکہ یہ اعضاء ہی زینت میں سب سے بڑھ کر ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا چھپانا بہت ضروری ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "چہرے اور ہاتھوں کا نمایاں رکھنا اول اسلام میں تھا، مگر آیت حجاب کے نازل ہونے سے ان کا چھپانا بھی واجب ٹھہرا، کیونکہ غیر محرم کے سامنے ان کا نمایاں رکھنا بہت بڑے فتنے کا سبب ہوسکتا ہے، نیز ان کا ننگا رکھنا دیگر اعضاء کے عریاں کرنے کا بھی سبب ہوسکتا ہے، اور بالخصوص جب آنکھیں سرمے اور ہاتھ مہندی وغیرہ سے مزین ہوں تو ان کا کھلا رکھنا بالا جماع حرام ہے۔ اور جو کام اب عورتوں نے شروع کر دیا ہے کہ سر، گردن، سینہ، کلائیاں، پنڈلیاں حتیٰ کہ رانیں تک ظاہر کرنے لگی ہیں یہ بدترین برائی ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ جس میں ذرا بھر بھی بصیرت ہو وہ اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ یہ ایک عظیم فتنہ ہے اور اس کے نتائج انتہائی برے ہیں۔ ہم اللہ عزوجل سے دعا گو ہیں کہ مسلمانوں کے اس فتنے کی سرکوبی اور اسے ختم کرنے کی توفیق دے اور عورت کو بھی توفیق دے کہ حجاب کی طرف لوٹ آئے جو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے اور اسباب فتنہ سے محفوظ رہے۔

اس مسئلہ میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۳۳)

"اور اے عورتو! اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز میں اپنی زینت کا اظہار نہ کرتی پھرو۔"

اور فرمایا:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِيْنَةٍ وَّاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

(النور : ۲٤/ ٦٠)

"اور بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید اور خواہش ہی نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگار ظاہر کرنے والی نہ ہوں، تاہم اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے بہت افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے۔"

پہلی آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے خواتین کو پابند بنایا ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں رہیں، کیونکہ عورتوں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۷۸، تحت آیت ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ﴾ (النور : ۳۱)

کا اپنے گھروں سے بلا ضرورت باہر نکلنا بالعموم فتنے کا سبب ہے۔ تاہم شرعی دلائل کی رُو سے ضرورت ہو تو انہیں نکلنا جائز بھی ہے مگر پردے کے ساتھ اور بغیر زیب وزینت کے۔ تاہم ان کا اپنے گھروں میں رہنا ہی اصل اور ان کے حق میں بہتر اور فتنے سے بعید تر ہے۔ پھر انہیں جاہلیت کے سے سنگار اور اس کے اظہار سے منع فرمایا ہے۔ اور دوسری آیت کریمہ بڑی بوڑھیوں کو جنہیں نکاح وغیرہ کی خواہش نہیں ہوتی، اجازت دی ہے کہ پردہ نہ کریں تو کوئی حرج کی بات نہیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ بھی اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔ اگر بوڑھیاں زیب وزینت اور سنگار اختیار کریں تو انہیں بھی پردے کی پابندی کرنا ہو گی حالانکہ وہ بالعموم فتنے کا باعث نہیں ہوتی ہیں اور ان کی طرف کوئی رغبت یا توجہ نہیں کی جاتی ہے۔ جب بوڑھیوں کا یہ حکم ہے تو الھڑ دوشیزاؤں کا کیا حکم ہو گا۔ پھر اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے کہ ان بڑی بوڑھیوں کا بے پردگی سے احتراز کرنا ان کے حق میں بہت بہتر ہے خواہ وہ اپنی زینت کا اظہار نہ بھی کریں۔ تو یہ سب دلائل اپنے معنی اور مفہوم میں واضح ہیں کہ عورتوں کو باپردہ رہنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ کہ عریانی، بے پردگی اور اسباب فتنہ سے دور رہیں۔ اور مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ مل کر کھیتوں میں یا کارخانے اور گھر میں کام کرنا، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اور اسی طرح وہ اپنے محرم عزیزوں کے ساتھ مل کر بھی کام کر سکتی ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ اور کوئی اجنبی نہ ہو۔ اور ایسے ہی وہ عورتوں کی معیت میں بھی کام کرے تو کوئی حرج نہیں۔ ناجائز صرف اس صورت میں ہے جب وہ غیر محرم مردوں کے ساتھ مل کر کام کرے، کیونکہ اس کا نتیجہ بہت بڑے فساد اور کسی عظیم فتنے کی صورت میں سامنے آ سکتا ہے۔ اس دوران میں ان کی آپس میں خلوت اور علیحدگی ہو سکتی ہے، اور وہ اس عورت کے محاسن وغیرہ دیکھ سکتے ہیں۔

جب کہ شریعت اسلامیہ کا ہدف ہے کہ بنی آدم کو مصالح حاصل ہوں اور ان کی تکمیل ہو، مفاسد دور اور ان میں کمی ہو اور ایسے تمام راستے اور ذرائع بند کر دیے جائیں جو اللہ کی حرمتوں کی پامالی تک پہنچاتے ہوں۔ اور دنیا و آخرت میں سعادت، عزت، کرامت اور نجات کی ایک ہی راہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اور اس کے احکام کی پابندی کی جائے اور ایسے تمام امور سے احتراز کیا جائے جن میں اس کی مخالفت ہوتی ہو، اور لوگوں کو بھی اسی راہ کی دعوت دی جائے اور اس راہ کی مشکلات پر صبر سے کام لیا جائے۔

اللہ عزوجل ہمیں اور آپ سب کو بلکہ تمام بھائیوں کو ان کاموں کی توفیق عنایت فرمائے جس میں اس کی رضا ہے اور ایسے تمام کاموں سے بچائے رکھے جو فتنوں اور گمراہیوں کا سبب ہیں بلاشبہ وہ بڑا ہی سخی اور عطا کرنے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں ایک حکومتی ادارے میں کام کرتی ہوں جہاں لوگوں کی رقمیں جمع ہوتی ہیں۔ پھر ان رقموں ہی میں

سے کارکنوں کو ان کا حق الخدمت بذریعہ بنک ادا کیا جاتا ہے۔ میرا کام یہ ہوتا ہے کہ ان رقوم کے چیک خزانہ میں جمع کراتی ہوں، پھر وہاں سے رقم بذریعہ چیک واپس آتی ہے۔ میرے اس کام کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا میں اپنا تبادلہ اسی ادارے کے کسی اور شعبے میں کرا لوں؟

جواب: اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے، اور آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ کسی اور شعبے میں اپنا تبادلہ کرائیں۔ بنک اس محکمے میں صرف اس شخص کے وکیل کا کرتا ہے، جو چیک لکھتا ہے کہ یہ چیک محکمے کے فلاں حساب میں جمع کیے جائیں اور یہ سارا مال حکومت ہی کا ہوتا ہے۔ اور حکومتی محکموں کے مختلف شعبوں کے مابین کوئی سودی لین دین نہیں ہوتا ہے اور یہ مال سراسر حکومت کا مال ہوتا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میری بیوی نے بفضلہ تعالیٰ سکول میں تدریس چھوڑ دی ہے اور اب وہ گھر داری میں لگ گئی ہے، لیکن ہوا یہ کہ ایک محکمہ جاتی تحقیق کے سلسلے میں اسے ایک گواہی کے لیے طلب کیا گیا جو مدیر کے خلاف تھی، کہ اس کا اخلاق کیسا ہے، تو بیوی نے اللہ کی قسم اٹھا کر کہا کہ وہ اچھے اخلاق کا مالک ہے۔ چونکہ یہ ان معاملات میں نئی تھی اس لیے اس طرح سے کہہ دیا، حالانکہ وہ مدیر فی الواقع کوئی اچھے اخلاق و کردار مالک نہیں ہے۔ تو اس گواہی کا کیا حکم ہے اور اس کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: اسے چاہیے کہ کثرت سے استغفار کرے اور اللہ عزوجل سے معافی مانگے اور دیگر اعمال صالحہ کثرت سے کرنے کی کوشش کرے، اور آپ بھی اس کے لیے دعا کریں اور اس کے علاوہ اس کے ذمے کچھ نہیں ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا، اس بارے میں اسلام کی کیا تعلیمات ہیں؟

جواب: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عورت کا مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا مذموم و مکروہ اختلاط کا باعث ہوتا ہے۔ اجنبی مرد ان عورتوں کے ساتھ خلوت میں ہوتے ہیں، جس کے نتائج انتہائی خطرناک ہو سکتے ہیں۔ اور یہ انداز عمل ان صریح نصوص کے بھی خلاف ہے جو اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایسے کام اختیار کریں جو فطرتاً ان کے ساتھ خاص ہیں۔ جن میں وہ مردوں کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہتی ہیں۔ عورتوں کے ساتھ علیحدگی اور خلوت میں ہونے کی حرمت، ان کی طرف نظر کرنے کی حرمت اور ایسے اعمال و وسائل سے دور رہنے کے وجوب کے دلائل جو ان حرام اعمال و نتائج تک پہنچاتے ہیں، انتہائی صریح اور صحیح ہیں، اور تعداد میں بھی بہت زیادہ ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ ایسے اختلاط اور میل جول سے بچنا واجب ہے جس کے نتائج کسی طرح بھی قابل مدح نہیں ہو سکتے۔ مثلاً اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ○﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۳۳۔۳٤)

''اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکاۃ دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ ہر قسم کی لغو بات کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک صاف کر دے۔ تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو حدیثیں پڑھی جاتی ہیں، یاد رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار ہے۔''

اور اللہ کا یہ فرمان:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر ستائی نہ جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنہار اور مہربان ہے۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ○ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○﴾ (النور : ۲٤/ ۳۰۔۳۱)

''مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے۔ لوگ جو کچھ بھی کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے

بکل مارے رہیں، اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے، یا اپنے والد کے، یا اپنے خسر کے، یا اپنے لڑکوں کے، یا اپنے خاوندوں کے لڑکوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھتیجوں کے، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنی میل جول کی عورتوں کے، یا غلاموں کے، یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں، یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہ ہوئے ہوں، اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ نجات پا جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

"اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو۔ یہ انداز تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی والا ہے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((إياكم والدخول على النساء قيل يارسول الله! أفرأيت الحمو؟ الحمو الموت .))

"اپنے آپ کو اجنبی عورتوں کے ہاں جانے سے باز رکھو۔" کہا گیا "اے اللہ کے رسول! دیور کے متعلق فرمائیے؟" فرمایا: "دیور تو موت ہے۔"[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کے لیے کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اور علیحدگی میں ہونے سے مطلقاً طور پر منع فرمایا ہے اور متنبہ کیا کہ ((ان ثالثهما شيطان .)) "ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"[2]

اور عورت کو پابند کیا ہے کہ سفر ہمیشہ اپنے محرم کی معیت میں کیا کرے۔ اس سے مقصود فساد کی راہ کو روکنا، گناہ کا دروازہ بند کرنا اور اسباب شر ختم کرنا ہے۔

یہ آیات اور احادیث اپنے مفہوم و مقصد میں صریح ہیں کہ مردوں عورتوں کا ایسا اختلاط اور میل جول جو خرابی کا باعث ہو، اس سے دور رہنا اور بچنا واجب ہے۔ ایسے اختلاط سے خاندان کا شیرازہ بکھرتا اور معاشرہ گندگی اور خرابی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ اور بعض مسلمان ممالک میں جہاں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا ہے اور وہ اپنے فطری

---

[1] صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة......، حديث: ٤٩٣٤ وصحيح مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية، حديث: ٢١٧٢ وسنن الترمذی، كتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث: ١١٧١.

[2] وسنن الترمذی، كتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث: ١١٧١ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٢٦، حديث: ١٧٧، مسند الحميدی: ١/ ١٩، حديث: ٣٢.

فرائض کے علاوہ دوسرے کام کرنے لگی ہے وہاں وہ اپنی عزت اور وقار کھو بیٹھی ہے۔

اور اب تو مغرب کے دانشور بھی پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عورت کو اپنی فطری اور طبعی حالت پر واپس لایا جانا چاہیے، جو اللہ نے اس کی بنائی ہے، جس کی خاطر اس کا جسم اور عقل مرکب کیا گیا ہے۔ مگر کب؟ ''جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!''

عورتوں کے لیے گھریلو کام کاج یا صرف عورتوں کی تدریس کا کام ایسا ہے کہ اس میں مردوں کے ساتھ اختلاط نہیں ہوتا ہے۔

ہماری اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اور مسلمانوں کے ممالک کو دشمنوں کی تدبیروں اور ان کے غلط منصوبوں سے محفوظ رکھے، اور ہمارے ذمہ داران حکومت کے علاوہ اہل قلم کو بھی توفیق دے کہ وہ خواتین کو ایسے امور کی ترغیب دیں جن میں ان کی دین و دنیا کی بھلائی ہے، اسی میں ان کے رب اور خالق کے احکام کی تعمیل ہے جو ان کے مصالح سے خوب آگاہ ہے، اور ممالک اسلامیہ کے حکام کو ایسے اعمال کی توفیق دے جس میں دین و دنیا کے امور میں بندوں کی فلاح اور ان کے ممالک کی اصلاح ہے۔ اور ہمیں اور ان سب کو گمراہ کن فتنوں اور اللہ تعالیٰ کے اسباب غضب سے محفوظ رکھے۔ بلاشبہ وہ ہی ہمارا دوست اور ان سب امور پر کامل قدرت رکھنے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: عورت کے لیے کام کرنے کا کیا حکم ہے؟ میری عنقریب شادی ہونے والی ہے اور شادی کی ضروریات کی چیزیں خریدنا چاہتی ہوں، جن کا حاصل کرنا میرے والد اور بھائیوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیا اس صورت میں مجھے کوئی ملازمت وغیرہ کر لینا جائز ہے؟ جبکہ میں باپردہ اور دستانے پہن کر نکلتی ہوں اور مردوں کے ساتھ میرا کوئی اختلاط نہیں ہوتا ہے؟

جواب: ہاں آپ کے لیے جائز ہے اور کوئی مناسب کام اختیار کر سکتی ہیں اور کتاب وسنت میں ایسی کوئی بات نہیں آئی ہے جو عورت کو کام کرنے سے روکتی ہو، جیسا کہ مجلس افتاء نے فتویٰ دیا ہے۔ اور جو اس کے برعکس کا مدعی ہو کہ عورت کے لیے کام کرنا حرام ہے، اسے چاہیے کہ دلیل پیش کرے۔ مقصد یہ ہے کہ بنیادی طور پر عورت کے لیے کوئی کام اختیار کر لینا جائز ہے۔ لیکن اس کام میں اگر کوئی حرام اور غلط عمل ہوتا ہو تب یہ ناجائز ہوگا۔ لیکن فی ذاتہ کام کرنا جائز ہے۔

اور جیسے کہ سائلہ نے بیان کیا ہے کہ وہ باحجاب نکلتی ہے، مردوں کے ساتھ اس کا کوئی اختلاط نہیں ہوتا ہے، نہ کوئی مصافحہ یا مذاق وغیرہ، تو جب یہ صورتیں حاصل ہیں تو اس کے لیے کام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میرے والد صاحب وفات پا گئے ہیں، ان کے بعد مجھے ایک حکومتی ادارے کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے،

اوراس کی شرط یہ ہے کہ میں کوئی ملازمت وغیرہ نہ کرتی ہوں یا شادی نہ کی ہو۔ اور اب میرا خیال بن رہا ہے کہ اس ادارے میں ملازمت کرلوں جو چھوٹے بچوں کی نگہداشت سے متعلق ہے۔ تو کیا میرے لیے ضروری ہے کہ اس حکومتی ادارے کو مطلع کروں؟ مگر اس طرح میرا وظیفہ منقطع ہوسکتا ہے۔ یا میں اپنی یہ بات ان سے چھپائے رکھوں تاکہ وظیفہ منقطع نہ ہو؟ میرا یہ وظیفہ میری اس تنخواہ سے زیادہ ہے جو مجھے اس ادارے سے ملے گی۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں شرط یہ ہے کہ وظیفہ خوار حکومتی ملازمت نہ کرے، اور وہ حکومت کی طرف سے دو وظیفے یا تنخواہیں نہ لے؟

جواب: آپ کے لیے جائز ہے کہ بچوں کے اس ادارے میں ملازمت حاصل کرلیں اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ حکومتی ادارے کو اس کی خبر کریں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک مسلمان خاتون کے لیے وہ کون سے میدان ہیں جہاں کوئی عورت ملازمت یا کام کرسکتی ہے، جہاں کہ دینی تعلیمات کی مخالفت نہ ہوتی ہو؟

جواب: کسی خاتون کے لیے کام کا میدان وہی شعبے ہیں جو صرف عورتوں سے متعلق ہیں، مثلاً بچیوں کی تعلیم وتدریس خواہ یہ عمل دفتری ہو یا فنی وغیرہ۔ یہ گھر میں کپڑوں کی سلائی بھی کرسکتی ہے بالخصوص عورتوں کے، اور اسی طرح کے دوسرے کئی کام ہوسکتے ہیں۔

لیکن ایسے میدان اور شعبے جو مردوں سے مخصوص ہیں، ان میں عورتوں کو کام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا نتیجہ ان کے ساتھ اختلاط کی صورت میں نکلتا ہے، اور یہ ایک بڑا فتنہ ہے جس سے بچنا واجب ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((ما تركت بعدى فتنة أضر عل الرجال من النساء، وإن أول فتنة بنى اسرائيل كانت فى النساء.))

''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔[1] اور بنی اسرائیل میں سب سے پہلے ان عورتوں ہی کا فتنہ برپا ہوا تھا۔''[2]

الغرض انسان کے لیے لازم ہے کہ اپنے گھر والوں کو ہر حال میں فتنوں اور ان کے اسباب سے بھی

---

[1] صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة، حديث: ٤٨٠٨ وصحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة، باب اكثر اهل الجنة الفقراء، حديث: ٢٧٤٠، ٢٧٤١ وسنن الترمذى، كتاب الادب، باب تحذير فتنة النساء، حديث: ٢٧٨٠ وصحيح ابن حبان: ١٣/ ٣٠٦، حديث: ٥٩٦٧.

[2] صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب اكثر اهل الجنة الفقراء، حديث: ٢٧٤٢ ومسند احمد بن حنبل: ٣/ ٢٢، حديث: ١١٨٥

دور رکھے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کے لیے ملازمت اور کام کرنے کا کیا حکم ہے اور اسے کن میدانوں اور شعبوں میں کام کرنا جائز ہے؟

جواب: اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ عورت کام کرسکتی ہے (یا ملازمت بھی کرسکتی ہے) مگر بحث اس میں ہے کہ وہ کون سے شعبے ہیں جہاں وہ کام کرے۔ عورت کو چاہیے کہ ایسے کام اختیار کرے جو ایک خاتون اپنے شوہر اور خاندان کے گھر میں کرتی ہے مثلاً کھانا پکانا، آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، گھر کی جھاڑ پونچھ اور صفائی کرنا، کپڑے دھونا اور اسی طرح کے دیگر کام جن میں خاندان کی خدمت اور ان کا تعاون ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے یہ بھی ممکن ہے معلّمی کرلے، خرید و فروخت بھی کرسکتی ہے، کپڑے بننا اور ان کی رنگائی کا کام بھی ہوسکتا ہے، کپڑوں کی سلائی یا اون کا تنا وغیرہ بھی ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان کاموں میں کوئی شرعی مخالفت نہ ہوتی ہو کہ کسی اجنبی اور غیرمحرم کے ساتھ مخالطت یا خلوت ہو۔ ان اختلاطات سے بڑے فتنے اٹھتے ہیں اور ایسے نقصانات سامنے آتے ہیں جو اس کی اپنی ذات یا اس کے خاندان کے لیے ضرر رساں ہوسکتے ہیں۔ اور ان کاموں میں ضروری ہے کہ عورت اپنے گھر والوں کی رضامندی سے یہ اختیار کرے، اور اس طرح سے کہ اس کی گھریلو ذمہ داریاں متاثر نہ ہوں یا پھر اپنے لیے کسی قائم قام اور نائب کا انتظام و اہتمام کرے۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت جو کسی کمپنی میں کام کرتی ہے، اسے سالانہ اور اتفاقی رخصتیں ملتی ہیں اور ساتھ ہی وہ وضع حمل کی رخصت بھی لیتی ہے، تو ان رخصتوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس میں اس پر کچھ نہیں ہے، قانون اس کی اجازت دیتا ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا بنک کی ملازمت سے پنشن لینا جائز ہے؟

جواب: اس بات سے قطع نظر کہ آدمی پنشن لینے سے پہلے کس قسم کا کام کرتا تھا، محض پنشن لینا حرام نہیں ہے۔ پنشن دراصل وہ تعاون ہے جو حکومت اپنے سن رسیدہ ملازموں کو دیتی ہے جب وہ کام کے اہل نہیں رہتے، اور اس کے لیے بالعموم ساٹھ سال کی عمر مقرر ہے۔ الغرض پنشن وصول کرلینا جائز ہے۔ اور پنشن دراصل دوران ملازمت آدمی کی تنخواہ کا ایک حصہ ہوتی ہے، جو اس دور میں کاٹ لی جاتی ہے، اور پھر وہ حکومت کے مرکزی خزانے میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا یہ آدمی بنک سے پنشن نہیں لے رہا ہے، بلکہ حکومتی ادارے کی طرف سے لے رہا ہے۔ اور حکومتی اموال میں کچھ تو حرام ہوتے ہیں، اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن میں حلال مال غالب ہوتا ہے، جیسے کہ پٹرول اور گیس وغیرہ کی کمپنیاں ہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

عورت کی آواز

سوال: عورت کا پارچہ فروش کے ساتھ باتیں کرنا کیسا ہے؟ ہم چاہتے ہیں کہ اس بارے میں خواتین کے لیے

عمومی گفتگو کرنے کے راہنما اصول واضح کیے جائیں۔

جواب: کسی عورت کا دکاندار وغیرہ کے ساتھ گفتگو کرنا اگر بقدر ضرورت ہو جس میں کوئی فتنے والی بات نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خیر القرون میں عورتیں اپنی ضروریات اور مختلف امور میں جن میں کوئی فتنہ نہ ہوتا تھا، حسب ضرورت باتیں کیا کرتی تھیں۔ لیکن اگر اس گفتگو میں ہنسی مذاق، آزاد منشی اور بولنے کا انداز فتنہ پرور ہو تو ناجائز اور حرام ہے۔ اللہ عزوجل کا نبی علیہ السلام کی ازواج کے لیے فرمان ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾

(الاحزاب : ۳۳/ ۳۲)

''نرم لہجے سے بات نہ کرو، ورنہ جس کے دل میں کوئی روگ ہوگا وہ کوئی خیال کر بیٹھے گا۔ ہاں قاعدے کے مطابق بات کرو۔''

اور ''قول معروف'' سے مراد یہی ہے کہ جسے لوگ درست سمجھتے اور درست قرار دیتے ہیں کہ حسب ضرورت ہو۔ لیکن اگر ضرورت سے زیادہ ہو مثلاً چہرہ ننگا کرنا یا بازو اور ہاتھ نمایاں کرنا تو یہ سب ناجائز اور حرام کام ہوں گے جو فتنے اور فحش میں پڑنے کا سبب ہو سکتے ہیں۔

الغرض مسلمان خاتون، جو اللہ سے ڈرنے والی ہے، پر واجب ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور اجنبی لوگوں سے ایسی بات چیت نہ کرے جو ان کے لیے کسی طمع یا فتنے کا باعث ہو، اور جب کبھی اسے کسی دکان پر یا کسی ایسی جگہ جانا بھی پڑے جہاں مرد ہوں، تو چاہیے کہ باوقار ہو کر جائے اور اسلامی و شرعی آداب کا اہتمام رکھے اور اجنبی لوگوں سے بات چیت کرتے ہوئے بھلا انداز اپنائے جس میں کوئی شبہ یا فتنہ نہ ہو۔

(صالح بن فوزان)

سوال: نوجوان لڑکے لڑکیوں کا ٹیلیفونوں پر بات چیت کرنا کیسا ہے جبکہ وہ دونوں ہی غیر شادی شدہ ہوں؟

جواب: کسی اجنبی عورت (یا لڑکی) سے کوئی ایسی اور اس انداز سے بات نہیں کرنی چاہیے جو اس کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والی ہو مثلاً الفت، محبت یا فداکاری کی باتیں یا انداز گفتگو میں لوچ پن ہو، خواہ یہ ٹیلیفون پر ہو یا بغیر ٹیلیفون کے۔ عورتوں کے لیے بالخصوص اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۳۲)

''اے عورتو! نرم لہجے سے بات نہ کرو، ورنہ جس کے دل میں کوئی روگ ہوگا وہ کوئی خیال کر بیٹھے گا۔ ہاں قاعدے کے مطابق بات کرو۔''

ہاں اتفاقاً حسب ضرورت بات کرنی پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ضرورت کی حد تک اور شبہ اور فتنے سے پاک ہو۔ (عبداللہ بن جبرین)

سوال: کیا یہ بات درست ہے کہ عورت کی آواز بھی لائق حجاب ہے؟

جواب: ''عورت'' مردوں کے جذبات کی تسکین کا مقام ہے۔ وہ فطری طور پر صنفی جذبات کے تحت اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ بالخصوص عورت جب اپنے کلام کے انداز میں نرمی اور لوچ ظاہر کرتی ہے تو فتنہ کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ عورتوں سے اپنی کوئی ضرورت کی چیز طلب کریں تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

''اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی زیادہ پاکیزگی کا باعث ہوگا۔''

اور عورتوں کو پابند کیا ہے کہ جب انہیں مردوں سے بات چیت کرنی ہو تو ان کے انداز میں لوچ اور لہک نہیں ہونی چاہیے۔ فرمایا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم دوسری عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو (غیر مردوں سے) دبی زبان سے (باریک آواز سے) بات نہ کرو، ورنہ جس کے دل میں کھوٹ ہوا، اس کو لالچ پیدا ہوگی۔''

جب یہ حال اور حکم ان اہل ایمان کو ہے جن کا ایمان مضبوط اور عزائم انتہائی قوی ہوتے تھے تو اب اس زمانے میں کیا حال ہوگا جب کہ ایمان کمزور اور دین کے ساتھ تعلق انتہائی کمزور ہو گیا ہے۔

تو اے مسلمان خاتون! آپ کو غیر مردوں سے میل جول نہیں رکھنا چاہیے، ان سے گفتگو انتہائی کم اور انتہائی ضرورت تک کرنی چاہیے، اور بات کے انداز میں بھی کسی طرح کا لوچ اور نرمی نہیں ہونی چاہیے، جیسے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ اس سے آپ پر واضح ہوگا کہ محض آواز جس میں کوئی لوچ اور نرمی نہ ہو وہ ''عورۃ'' یا قابل حجاب نہیں ہے۔ کیونکہ عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کیا کرتی تھیں اور اپنے دینی اور دوسرے مسائل دریافت کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ان کی گفتگو ہوا کرتی تھی اور اس میں ان پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ (مجلس افتاء)

سوال: نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے باہمی ٹیلیفون مکالمات کا کیا حکم ہے؟ بالخصوص جب انہوں نے روزے بھی رکھے ہوئے ہوں۔ اور اگر کوئی نوجوان کسی لڑکی کا منگیتر ہو تو؟

جواب: نوجوان کا لڑکیوں سے ٹیلیفون پر باتیں کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بہت بڑا فتنہ ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنی منگیتر سے (مناسب حد تک) بات کرے اور مقصد اس ہونے والے تعلق میں کسی لازمی مفاہمت اور مصلحت ہو تو اسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔ مگر زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس طرح کی بات چیت لڑکی کا ولی کرے۔

نسبت نکاح کے علاوہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی گفتگو جائز نہیں ہے۔ اور بحالت روزہ ایسی باتیں کرنا، اس سے روزے کے اجر پر برا اثر پڑتا ہے اور اس کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مطلوب یہ ہے کہ بندہ اپنے روزے کو ہر اعتبار سے محفوظ بنائے اور کسی ایسے کام کا مرتکب نہ ہو جو اس میں خلل اور نقصان کا باعث بنے۔ اور کتنے ایسے واقعات ہیں کہ لڑکے لڑکیوں کے ان ٹیلیفونی رابطوں کی وجہ سے ان کے مابین اخلاقی اور معاشرتی مصائب نے جنم لیا ہے۔ لہٰذا لڑکیوں کے ذمہ داران پر واجب ہے کہ ان امور میں ان پر نظر رکھیں اور ایسے رابطوں سے انہیں منع کریں۔ (صالح بن فوزان)

سوال: کیا منگیتر (لڑکے) کے لیے جائز ہے کہ ٹیلیفون پر اپنی منگیتر سے بات چیت کرے؟

جواب: اگر ان لڑکے لڑکی کا آپس میں عقد ہو گیا ہے تو جائز ہے کہ وہ لڑکا اس لڑکی سے ٹیلیفون پر بات کر لے۔ لیکن اگر صرف نسبت ہی طے ہوئی ہو تو بات کرنا درست نہیں ہے سوائے اس کے کہ لڑکی کے ولی الامر اس کی اجازت دیں، اور یہ بھی شرط ہے کہ ان کی بات چیت کسی مصلحت کے تحت ہو اور دوران گفتگو میں کسی طرح کی لوچ، لہک اور نرم گفتگو نہ ہو، لطائف سنے سنائے نہ جائیں اور اپنے جذبات کا اظہار نہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ بات کرنے والا اور نکاح کا پیغام دینے والا تا حال ایک اجنبی اور غیر مرد ہے، اس لیے لڑکی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اولیاء سے اجازت لے لے۔ [1] (محمد بن عبدالمقصود)

عورتوں کا گاڑیاں چلانا اور ڈرائیونگ کرنا

سوال: عورت کے لیے ڈرائیونگ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو لوگ عورتوں کے لیے ڈرائیونگ پسند کرتے ہیں، ان کے سامنے اس عمل کے منفی پہلو بھی مخفی نہیں ہیں۔ مثلاً یہ عمل عورت کے ساتھ ناجائز اور حرام خلوت کی راہ کھولتا ہے، عورت بے حجاب ہوتی ہے، بے محابہ مردوں کے ساتھ خلوت کرتی ہے، علاوہ ازیں اور بھی کئی ممنوع اور حرام اعمال کی مرتکب ہوتی ہے۔

اور شریعت مطہرہ نے ایسے تمام ذرائع و وسائل منع فرما دیے ہیں جو خود حرام یا حرام تک پہنچاتے ہوں۔ اللہ عزوجل نے اپنے نبی کی ازواج کے ساتھ ساتھ عام اہل ایمان کی عورتوں کو بھی گھروں میں ٹکے رہنے، پردہ کی

[1] مترجم عرض کرتا ہے ہی فتاوی صاحب دین وایمان، باحیا اور باعزت لڑکے، لڑکی اور والدین سے متعلق ہے۔ اگر یہ اوصاف ہی نہ ہوں تو......؟

پابندی اور غیر محرموں کے سامنے اظہار حسن و جمال سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ ان سے وہ آزاد روی آتی ہے جو ایک معاشرے کے لیے مہلک ہوتی ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳۔۳۴)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز میں اظہار زینت نہ کرو، نماز کی پابندی کرو اور زکاۃ دیتی رہو اور اللہ کے رسول کی اطاعت اپناؤ۔''

اور فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے، بیٹیوں سے اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لپیٹ لیا کریں، یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور کوئی ایذا نہیں دی جائیں گی۔''

مزید فرمایا:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (النور: ۲۴/ ۳۰۔۳۱)

''مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں، اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے، یا اپنے والد کے، یا اپنے سسر کے، یا اپنے لڑکوں کے، یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھتیجوں کے، یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنے میل جول کی عورتوں کے، یا غلاموں کے، یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں، یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں پر مطلع

نہیں، اور اسی طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ نجات پا جاؤ۔''

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((ما خلا رجل بأمرأة إلا كان الشيطان ثالثهما .))

''جب بھی کہیں کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ علیحدہ ہوتا ہے تو شیطان ان کا تیسرا ہوتا ہے۔''[1]

چنانچہ شریعت مطہرہ نے ایسے تمام اسباب منع کر دیئے ہیں جو (اسلامی، انسانی اور معاشرتی) رزائل تک پہنچاتے ہوں۔ مثلاً پاک دامن لاعلم عورتوں کو بدکاری کا الزام دینا، اس کی سزا بڑی سخت رکھی گئی ہے تاکہ معاشرے میں بے حیائی اور رذالت کے اسباب کی اشاعت نہ ہو۔ جبکہ عورت کا کار چلانا (ڈرائیونگ کرنا) ایک ایسا عمل ہے جو ان نتائج تک پہنچاتا ہے، اس میں کسی طرح کا کوئی خفا نہیں ہے۔ لیکن شرعی احکام سے جہالت اور ان سے وغفلت کے باعث ان کی پروا نہیں کی جاتی ہے۔ اور کچھ بیمار دل، اباحیت کے دلدادہ اور غیروں کی عورتوں کو دیکھنے اور ان سے لطف اندوز ہونے کے رسیا لوگ بڑی بے پروائی کے ساتھ ان برائیوں کی دلدل میں دھنستے جا رہے ہیں، اور انہیں اپنے بدانجام کا کوئی احساس نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(الاعراف: ۷/ ۳۳)

''کہہ دیجیے کہ میرے رب نے ان تمام فحش باتوں کو حرام کر دیا ہے جو ظاہر ہیں یا پوشیدہ، اور ہر گناہ کی بات اور ناحق ظلم کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی، اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ کے ذمے کوئی ایسی بات لگا دو جس کی تم کوئی سند نہ رکھتے ہو۔''

اور فرمایا:

﴿...... وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۶۸)

''اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

---

[1] بعینہٖ یہ الفاظ مجھے نہیں ملے، البتہ ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں ((ما خلا رجل وامرأة إلا خل الشيطان بينهما .)) دیکھیے: المعجم الکبیر للطبرانی: ۸/ ۲۰۵، حدیث: ۷۸۳۰۔ اس کے ہم معنی مزید روایات دیگر کتب میں موجود ہیں دیکھیے: سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب کراھیة الدخول علی المغیبات، حدیث: ۱۱۷۱ ومسند احمد بن حنبل: ۱/ ۱۸، حدیث: ۱۱۴.

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔''

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہتے ہیں کہ:

''لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق پوچھا کرتے تھے جبکہ میں آپ سے شر اور برائی کے متعلق پوچھا کرتا تھا، کہ کہیں مجھے نہ آلے۔ ایک بار میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم جہالت اور برائی میں تھے، تو اللہ عزوجل ہمارے لیے یہ خیر (دین اسلام) لے آیا۔ تو کیا اس کے بعد کوئی شر بھی ہے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا: کیا اس شر کے بعد خیر بھی ہوگی؟ فرمایا: ہاں، مگر اس میں کھوٹ اور کینہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اس میں کیا کھوٹ ہوگی؟ فرمایا: لوگ ہوں گے جو میری راہ کے علاوہ دوسری راہ پر چلتے ہوں گے، ان میں کچھ اچھے ہوں گے تو کچھ برے بھی ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: کیا اس خیر کے بعد پھر بھی کوئی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں، داعی ہوں گے، جہنم کے دروازوں کے! جس نے ان کی بات مان لی، وہ اسے اس میں پھینک ماریں گے۔ میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان کی وضاحت فرما دیں!؟ فرمایا: وہ ہمارے ہی جیسے ہوں گے، ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے! میں نے عرض کیا: آپ مجھے کیا ارشاد فرماتے ہیں، اگر مجھے یہ حالات درپیش آ جائیں؟ فرمایا: ((تلزم جماعة المسلمين وامامهم .)) ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔'' میں نے عرض کیا: اگر ان کا کوئی امام نہ ہو اور نہ جماعت؟ فرمایا:

((فاعتزل تلك الفرق كلها ولو أن تعض بأصل شجرة حتى يدركك الموت وأنت على ذلك .))

''تو تو ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا، خواہ تجھے کسی درخت کی جڑ ہی چبانی پڑے، تا آنکہ تجھے موت آ جائے اور تو اسی حال پر ہو۔''[1]

اور میں تمام مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اپنے قول و عمل میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، ان فتنوں اور ان کی طرف دعوت دینے والوں سے انتہائی محتاط رہیں، اور ایسے تمام امور سے دور رہیں جو اللہ کی ناراضی کا سبب بن سکتے ہوں، اور ڈریں اور متنبہ رہیں اس بات سے کہ کہیں ان لوگوں میں سے ہو جائیں جن کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں خبر دی ہے۔

---

[1] صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب علامات النبوة، حديث : ٣٤١١ وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن، حديثك١٨٤٧ السنن الكبرى للبيهقى:٨/ ١٩٠، حديث : ١٦٥٧٢ .

اللہ ہم سب کو فتنوں اور فتنہ پرور لوگوں سے محفوظ رکھے، امت کے دین کی حفاظت فرمائے، برائی کی دعوت دینے والوں کے شر سے بچائے اور ہمارے قلمکار اور صحافی حضرات کو ایسے اعمال کی توفیق دے جن میں اللہ کی رضا، مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔ بلاشبہ وہی کارساز اور ہر چیز کی کامل قدرت والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا عورت کے لیے شہر کی سڑکوں پر کار چلانا جائز ہے، جبکہ شہر بڑا ہو اور اس کا دوسرے مرد ڈائیوروں اور عورتوں کے ساتھ اختلاط بھی ہوتا ہو؟

جواب: عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ شہروں کی سڑکوں پر کار چلائے، اور نہ ہی اس کے لیے یہ جائز ہے کہ دوسرے مرد ڈرائیوروں کے ساتھ گھلے ملے۔ کیونکہ اس میں اسے اپنا چہرہ یا اس کا کچھ حصہ بے حجاب کرنا پڑتا ہے اور غالباً کچھ بازو بھی عریاں ہو جاتے ہیں، جبکہ یہ اس کے لیے ستر اور قابل حجاب ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ اس کا اجنبی مردوں کے ساتھ گھلنا ملنا فتنے اور فساد کو جنم دے سکتا ہے۔ (مجلس افتاء)

مردوں عورتوں کا آپس میں مصافحہ کرنا

سوال: مردوں کے لیے عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورتوں سے مصافحہ کے مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر یہ عورتیں اس مرد کے لیے محرم ہوں مثلاً ماں، بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی اور خود اس کی بیوی، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر یہ عورتیں غیر محرم ہوں تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ایک عورت نے اپنا ہاتھ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بڑھایا کہ آپ اس سے مصافحہ کر لیں، تو آپ نے فرمایا: ((إننی لا أصافح النساء .)) ''میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی (اجنبی) عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، اور آپ ان سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔''[2]

الغرض عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے محارم کے علاوہ دوسروں سے ہاتھ ملائے اور نہ کسی مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنی محرم عورتوں کے علاوہ دوسروں سے مصافحہ کرے، جیسا کہ اوپر کی احادیث میں بیان ہوا ہے۔

---

[1] سنن النسائی، کتاب البیعة، باب بیعة النساء، حدیث: ٤١٨١، سنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، حدیث: ٢٨٧٤ ومسند أحمد بن حنبل: ٦/ ٣٥٣، حدیث: ٢٧٠٥١

[2] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب اذا اسلمت المشرکة، حدیث: ٤٩٨٣ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب کیفیة بیعة، حدیث: ١٨٦٦ وسنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، حدیث: ٢٨٧٥ .

نیز اس میں فتنے کا ڈر بھی ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا کسی منگیتر لڑکے کو اپنی منگیتر لڑکی سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟

جواب: یہ جائز اور حلال نہیں ہے۔ جس کی ابھی صرف نسبت طے ہوئی ہے وہ تاحال اجنبی ہے۔ اور اسی طرح لڑکی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ کسی اجنبی کا ہاتھ چھوئے۔ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لأن يطعن أحدكم في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له .))

''تم میں سے کوئی دوسرے کے سر میں لوہے کی کوئی سوئی گھونپ دے، یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ کسی اجنبی عورت کو چھوئے جو اس کے حلال نہ ہو۔''[1]

اور نسبت کی تکمیل کے لیے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اجنبی مردوں سے ہاتھ ملایا جائے۔ جبکہ مسلمان ہونے والے لوگ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کیا کرتے تھے یعنی ہاتھ ملاتے تھے، یہ ایک اسلامی سنت ہے۔ مگر جو عورتیں مسلمان ہوتیں اور بیعت کرتیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، جبکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عورتوں کے فتنے سے معصوم تھے، اور بیعت اسلام ایک ایسا موقع ہوتا تھا جو مصافحہ کا تقاضا کرتا تھا، لیکن تقاضے اور ضرورت کے باوجود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کے باوجود آپ نے عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا، نہ بیعت میں اور نہ کسی اور موقعہ پر۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی بیعت یا غیر بیعت کے موقعہ پر کسی (اجنبی) عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔''[2] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اجنبی عورت اگر بوڑھی ہو تو اس کے ساتھ مصافحہ کا کیا حکم ہے؟ اور اسی طرح اگر وہ اپنے ہاتھ پر کوئی کپڑا وغیرہ لپیٹ کر یہ کام کرے؟

جواب: عورتوں کا اپنے غیر محرموں سے مصافحہ تو مطلقاً ناجائز ہے خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی، اور مقابلے میں کوئی جوان ہو یا بوڑھا۔ کیونکہ اس میں ان دونوں کے لیے فتنے کا ڈر ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح سند سے ثابت

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: ٢٠/ ٢١١، حديث: ٤٨٦.

[2] مسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٥٣، حديث. ٢٥٢٤٥ فتویٰ میں موجود الفاظ مسند احمد کی روایت کے الفاظ کے زیادہ قریب ہیں البتہ اس میں قسم کا ذکر نہیں۔ دیگر روایات میں قسم کا بھی ذکر ہے اور الفاظ بھی قدرے مختلف ہیں۔ دیکھیے: صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب إذا اسلمت المشركة...، حديث: ٤٩٨٣، وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء، حديث: ١٨٦٦ وسنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب بيعة النساء، حديث: ٢٨٧٥.

ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

((إنی لا أصافح النساء .))

''میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔'' ❶

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ کی ان سے بیعت زبانی ہوا کرتی تھی۔'' ❷

اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ مصافحہ کرنے والی اپنے ننگے ہاتھ سے مصافحہ کرے یا اس پر کوئی کپڑا لپیٹا ہو۔ فتنے سے بچاؤ کے پیش نظر اور دیگر عمومی دلائل کا تقاضا یہی ہے کہ یہ عمل ناجائز ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کوئی عورت بڑی عمر کی ہو تو کیا اس سے مصافحہ ہو سکتا ہے؟ اور اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت اور اس کے ساتھ خلوت کا کیا حکم ہے؟

جواب: ممکن ہے اسے جائز کہہ دیا جائے بشرطیکہ یہ مقولہ ہمارے سامنے نہ ہو:

((لکل ساقطة فی الحی لاقطة .))

''ہر قبیلے میں گری پڑی چیز کا اٹھانے والا بھی ہوتا ہے۔'' ❸

اس لیے بہتر ہے کہ اس سے دور ہی رہا جائے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: طالب علم لڑکے کا اپنی جماعت (کلاس فیلو) لڑکی سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟ اگر لڑکی ہی سلام اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: لڑکے لڑکیوں کا اکٹھے مل جل کر ایک ہی جگہ پڑھنا، خواہ سکول میں ہو یا کسی اور جگہ، یا ان کی کرسیاں ساتھ ساتھ ہوں، جائز نہیں ہے، اس میں بہت بڑا فتنہ ہے۔ لڑکے لڑکیوں کا یہ اشتراک و اختلاط جائز نہیں ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، خواہ اس میں لڑکی ہی پیش قدمی کرے۔ لڑکے کو چاہیے کہ اسے متنبہ کر دے کہ اجنبی مردوں سے ہاتھ ملانا جائز نہیں ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے کہ جب عورتیں آپ سے بیعت ہوتیں تو آپ کہتے کہ:

---

❶ سنن النسائی، کتاب البیعة، باب بیعة النساء، حدیث: ٤١٨١، سنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، حدیث: ٢٨٧٤ ومسند أحمد بن حنبل: ٦/ ٣٥٣، حدیث: ٢٧٠٥١.

❷ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب إذا اسلمت المشركة......، حدیث: ٤٩٨٣، وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء، حدیث: ١٨٦٦ وسنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، حدیث: ٢٨٧٥.

❸ مجمع الامثال، احمد بن محمد الميرانی: ٢/ ١٩٣.

''میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔'' ❶

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ ان عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے۔'' ❷

اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے لیے بہترین نمونہ بنایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۲۱)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں بہترین نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔''

عورتوں کا غیر محرموں سے مصافحہ کرنا، دونوں جانب فتنے کا باعث ہے، لہٰذا اس کا چھوڑنا واجب ہے۔ اور شرعی ومسنون سلام جو بغیر مصافحہ کے ہو، اس میں کسی شبہ اور فتنے کی بات نہیں ہے، بشرطیکہ لڑکی باحجاب ہو، خلوت میں نہ ہوں، بات کرنے میں لوچ اور لہک نہ ہو۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم دوسری عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقوی والی ہو تو بات کرنے میں لوچ نہ دکھاؤ ورنہ جس کے دل میں کوئی روگ ہو وہ کوئی طمع کر بیٹھے گا، اور بھلی بات کہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں آپ کو سلام کہتی تھیں، اپنے مسائل آپ سے دریافت کرتی تھیں۔ اسی طرح بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی پوچھا کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں عورت کا اپنے محرم مردوں سے مصافحہ مثلاً باپ، بھائی اور چچا وغیرہ سے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میں چھ ماہ، سال بعد اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے جاتا ہوں، تو وہاں مجھے خاندان کی چھوٹی بڑی عورتیں ملنے کے لیے آتی ہیں تو کئی عورتیں مجھے بوسہ بھی دیتی ہیں، مگر حیا اور وقار والا، اور یہ ہمارے ہاں ایک رواج ہے، اور وہ لوگ اسے ناجائز نہیں سمجھتے۔ لیکن میں کسی حد تک بحمد اللہ دینی آداب وثقافت سے آگاہ ہوں،

---

❶ سنن النسائی، کتاب البیعة، باب بیعة النساء، حدیث: ٤١٨١، سنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، حدیث: ٢٨٧٤ ومسند أحمد بن حنبل: ٦/ ٣٥٣، حدیث: ٢٧٠٥١.

❷ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب إذا اسلمت المشرکة......، حدیث: ٤٩٨٣، وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب کیفیة بیعة النساء، حدیث: ١٨٦٦ وسنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، حدیث: ٢٨٧٥.

اس لیے پریشان ہوں کہ عورتوں کے بوسے کا کیسے مقابلہ کروں۔ اگر میں ان سے مصافحہ نہیں کروں گا تو وہ مجھ پر بہت زیادہ غصے ہوں گی اور کہیں گی کہ یہ ہمارا احترام نہیں کرتا، اسے ہم سے کوئی لگاؤ اور الفت نہیں ہے، یعنی وہ الفت جو افراد کو افراد سے ہوتی ہے، نہ وہ جو نوجوان لڑکے لڑکیوں میں ہوتی ہے۔ تو اگر میں اس رواجی انداز میں کسی عورت کو بوسہ دوں تو کیا گناہ گار ہوں گا جبکہ میری نیت میں کوئی خرابی نہیں؟

جواب: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی بیوی یا اپنی محرم خواتین کے علاوہ کسی اور سے مصافحہ کرے یا اسے بوسہ دے۔ بلکہ یہ حرام کاموں میں سے ہے اور فتنے اور فحش کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے متعلق فرمایا ہے کہ: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''[1] اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی (اجنبی) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، آپ ان عورتوں سے زبانی ہی بیعت کر لیتے تھے۔''[2]

عورتوں کا اپنے غیر محرموں سے مصافحہ کرنے سے بڑھ کر قبیح عمل یہ ہے کہ وہ انہیں بوسے دیں، خواہ وہ چچا زاد ہوں، یا ماموں زاد یا خاندان اور قبیلے کی عام عورتیں۔ یہ سب باجماع المسلمین حرام ہے اور فحش کاری کا ایک بہت بڑا دروازہ!

لہٰذا ایک مسلمان پر واجب ہے کہ اس عمل سے پرہیز کرے اور اپنی سب عورتوں کو جو اس عادت بد کی عادی اور رسیا ہیں، قبیلے کی ہوں یا دوسری، انہیں واضح کر دے کہ یہ کام حرام اور ناجائز ہے۔ خواہ لوگوں میں اس کا کتنا ہی رواج کیوں نہ ہو۔ کسی مسلمان مرد اور عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، خواہ رشتہ دار یا اہل شہر اس کے کتنے ہی عادی کیوں نہ ہوں۔ ضروری ہے کہ اس عمل کی برائی سے انہیں آگاہ کیا جائے اور معاشرے کو اس سے باز رکھا جائے اور مصافحہ اور بوسے کے بغیر زبانی سلام پر اکتفا کیا جائے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا مردوں کا قریبی رشتہ دار خواتین سے مصافحہ کرنا جائز ہے جیسے کہ ماموں زاد یا چچا زاد وغیرہ؟

جواب: جائز نہیں ہے، کیونکہ ماموں زاد یا چچا زاد لڑکی آپ کے لیے ابدی حرام نہیں ہے۔ ان کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ معجم طبرانی میں سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لأن يطعن فى رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له .))

---

[1] سنن النسائى، كتاب البيعة، باب بيعة النساء، حديث : ٤١٨١، سنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب بيعة النساء، حديث : ٢٨٧٤ ومسند أحمد بن حنبل : ٦/ ٣٥٣، حديث : ٢٧٠٥١ .

[2] صحيح بخارى، كتاب الطلاق، باب إذا اسلمت المشركة......، حديث : ٤٩٨٣، وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء، حديث : ١٨٦٦ وسنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب بيعة النساء، حديث : ٢٨٧٥ .

''تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی گھونپ دی جائے، یہ اس کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی غیر عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔''[1] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اگر کوئی دستانے پہن کر کسی اجنبی مرد سے مصافحہ کرے تب بھی وہ گناہ گار ہوگی؟

جواب: عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ غیر محرم اجنبی مردوں سے مصافحہ کرے خواہ اس نے دستانے ہی پہن رکھے ہوں یا وہ اپنی چادر اور عبا کے پیچھے یا کسی اور حائل سے مصافحہ کرے، یہ سب مصافحہ ہی ہے۔

(عبداللہ بن الجبرین)

سوال: اسلام نے عورتوں کے لیے غیر محرموں سے مصافحہ کرنا کیوں حرام ٹھہرایا ہے؟

جواب: آدمی کسی اجنبی عورت کے جسم کو چھوئے، اس میں بہت بڑا فتنہ ہے، اسی لیے اسلام نے اسے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور ہر وہ عمل جو کسی فتنے کا باعث ہوسکتا ہو، صاحب شریعت نے اس سے منع فرما دیا ہے۔ اسی وجہ سے مردوں عورتوں کو اپنی نظریں جھکائے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ فتنہ وفساد سے بچاؤ رہے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: کیا مرد کے لیے جائز ہے کہ اجنبی عورت کے کسی حصے کو چھوئے؟

جواب: بعض کمزور ایمان عورتیں زرگروں وغیرہ کے سامنے اپنے ہاتھ ظاہر کرنے سے پرہیز نہیں کرتی ہیں، کہ وہ چوڑی یا انگوٹھی وغیرہ کا سائز اور حجم لے لے۔ یا وہ مرد عورتوں کے ہاتھوں سے زیور اتارنے یا پہنانے کے بہانے ان کے ہاتھ اور بازو چھوتے ہیں (اور یہ بھی اپنے ہاتھ پیش کر دیتی ہیں)۔ یہ سب حرام کام ہیں۔ مرد کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے کہ اجنبی عورت کے جسم کو ہاتھ لگائے۔ اور اسی طرح یہ عورت بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمان بنتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لأن يطعن أحدكم في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له .))

''تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی کوئی سوئی چبھو دی جائے، یہ اس کے لیے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگائے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔''[2]

اگر عورت اس عمل میں اس مرد کے ساتھ معاون ہے تو وہ بھی اس کے گناہ میں برابر کی شریک اور حصہ دار ہے۔ محض آنکھ سے دیکھ لینے کے مقابلے میں جسم کا جسم سے مس ہونا بہت زیادہ لذت کا باعث ہوتا ہے، اس سے جنسی جذبات بہت زیادہ بیدار ہوتے ہیں۔ اور اسلام کا کسی اجنبیہ کے جسم کو چھونا حرام قرار دینا، ان حفاظتی

[1] المعجم الكبير للطبراني: ۲۰/ ۲۱۱، حديث: ۴۸۶ .

[2] المعجم الكبير للطبراني ۲۰/ ۲۱۱، حديث: ۴۸۶ .

تدابیر میں سے ہے جن کے ذریعے سے افراد اور معاشرہ فتنہ و فساد اور فحش کاری سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہ وہ خرابیاں ہیں جو افراد کی عفت و پاک دامنی اور طہارت کو تار تار کر دیتی ہیں، اور نہ ہلاکت ان کا لازمی انجام ہوا کرتا ہے۔ (عبداللہ بن فوزان)

سوال: میں نے ایک واقعہ سنا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے آپ سے سلام کیا۔ اس موقعہ پر آپ نے اس عورت کے ہاتھ کو کھردرا سا پایا اور فرمایا: ''کیا یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا؟''

جواب: یہ قصہ کسی جاہل کا من گھڑت اور وضع کردہ ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ دیا ہے۔ بالخصوص عورتوں سے مصافحہ کے مسئلہ میں اس کا کہیں کوئی وجود نہیں ہے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی (اجنبی) عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، نہ بیعت کے لیے نہ کسی اور کام سے۔'' [1]

جبکہ آپ معصوم بھی تھے اور بیعت میں مصافحہ کی ضرورت بھی ہوتی ہے، مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا۔ چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کام نہ کرنا، جبکہ آپ معصوم ہیں، اور یہ موقع اس (مصافحہ) کا متقاضی بھی ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام دوسروں کے لیے حرام ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو معجم طبرانی میں بسند جید حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لأن يطعن أحدكم في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له .))

''تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی کوئی سوئی چبھو دی جائے، یہ اس کے لیے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگائے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔'' [2]

آپ ایسے لوگوں کی باتوں سے محتاط رہیں جنہیں دین کا کچھ علم نہیں اور اجنبی عورتوں سے ہاتھ ملانے سے پرہیز کریں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ اس حدیث میں ''مس'' (ہاتھ لگانے) کا مفہوم مباشرت اور جماع نہیں ہے۔ لغوی طور پر اس لفظ کا ترجمہ ''جلد کا جلد کے ساتھ لگنا اور چھو جانا'' ہے۔ اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٥٣، حدیث: ٢٥٢٤٥ فتویٰ میں موجود الفاظ مسند احمد کی روایت کے زیادہ قریب ہیں البتہ اس میں قسم کا ذکر نہیں ہے جبکہ دیگر روایات میں قسم کا ذکر بھی ہے اور الفاظ بھی معمولی فرق کے ساتھ مروی ہیں۔ دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب إذا اسلمت المشركة ...، حديث: ٤٩٨٣ صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء، حديث: ١٨٦٦ سنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب بيعة النساء، حديث: ٢٨٧٥

[2] المعجم الكبير للطبراني: ٢٠/ ٢١١، حديث: ٤٨٦.

دوسری جگہ جہاں ''مس'' کے معنی مباشرت اور جماع کے ہیں تو ہر جگہ یہ دوسرے ہی معنی مراد لیے جائیں۔ یہ جاہلوں کا انداز ہے۔ لفظ کو اولاً اس کے لغوی معنی ہی میں لینا چاہیے۔ اور جب تک کوئی نص یا اجماع نہ ہو اس کے حقیقی لغوی معنی سے مجازی معنی میں نہیں لینا چاہیے۔

اس کی ایک اور مثال 'إن الله وملائكته يصلون على النبى ......' ہے۔ اس میں اللہ عزوجل کی صلاۃ اپنے نبی پر رحمت نازل کرنا اور اسے عزت دینا ہے۔ تو کیا اس کا مفہوم یہ لیا جائے کہ جہاں بھی لفظ ''صلاۃ'' آیا ہے، وہاں دوسرے ہی معنی مراد لیے جائیں؟ ہم اس طرح نہیں کہتے۔ ائمہ نے اس کی اسی طرح وضاحت کی ہے۔ تو آپ ان ''دین کے دکانداروں۔'' سے محتاط رہیں۔ ان لوگوں نے اس مفہوم کی ایک اور روایت بھی بنا رکھی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیعت کے موقعہ پر جناب عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور آپ نے ایک عورت سے مصافحہ کیا، اور پھر دوسری بار آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔'' تو یہ ایسی باتیں ہیں جن کا کوئی وجود نہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

غیر محرموں کی طرف دیکھنا

سوال: کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ جس عورت سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے اس کے چہرے اور ہاتھ کے علاوہ بال اور گردن وغیرہ دیکھ لے؟

جواب: بظاہر، واللہ اعلم، یہ جائز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ پہلے سے یہ معاملہ طے شدہ نہ ہو۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک فرمان کا مفہوم کچھ یوں ہے:

((إذا ألقى فى قلب أحدكم خطبة امرأة فلينظر إن ما يدعوه إلى نكاحها .))

''جب تم میں سے کسی کے دل میں کسی عورت کے لیے پیغام کی بات ڈال دی جائے، تو اسے چاہیے کہ جو بات اس کے لیے اس سے نکاح کی داعی ہے، اسے دیکھ لے۔''[1]

اور کسی طے شدہ بات کے تحت اسے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ دیکھنا جائز نہیں ہے۔

(ناصر الدین الالبانی)

سوال: حرم (مکہ و مدینہ) میں آدمی جو عورتوں کو دیکھتا ہے، کیا اس پر بھی اس کا مواخذہ ہوگا، جبکہ اس میں کسی

[1] معلوم ہوتا ہے کہ جناب شیخ نے یہ روایت بالمعنی بیان کی ہے کیونکہ کتب احادیث میں الفاظ اس سے قدرے مختلف ہیں، تاہم شرح معانی الآثار (للطحاوی) میں موجود الفاظ جناب الشیخ کے الفاظ سے کچھ موافقت رکھتے ہیں۔ دیکھیے: شرح معانی الاثار: ۳/ ۱۳، حدیث: ۲۹۵۸ سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب النظر الى المرأة إذا اراد ان يتزوجها، حديث: ۱۸٦٤ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ۲۵۵، حديث: ۱۸۰۰۵.

لذت اور جذبات کی بات نہیں ہوتی، بلکہ یہ عورتیں ہی ہوتی ہیں جو لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں؟

جواب: بلاشبہ اس مقام پر عورتوں کا مسئلہ انتہائی اہم اور پریشان کن ہے۔ یہ مقام عبادت اور اللہ کے حضور خشوع وخضوع کا مقام ہے مگر عورتیں ہیں کہ ایسی حالت میں آتی ہیں کہ اس کو بھی فتنے میں ڈالتی ہیں جو بالعموم فتنے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ عورت اپنی آرائش کا اظہار کرتے ہوئے آتی ہے، خوشبو لگا کے آتی ہے، اور اس کی بعض حرکات ایسی ہوتی ہیں کہ گویا وہ لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔ یہ صورتِ حال جب مسجد سے باہر برائی اور گناہ ہے تو مسجد میں کیوں برائی نہ ہوگی؟

میں ان عورتوں میں سے ہر سننے والی کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ذات کے بارے میں اللہ سے ڈریں، اللہ کے گھر کا احترام کریں اور اس میں گناہ کے کام نہ کریں۔ اور مردوں کے لیے واجب ہے کہ جب وہ کسی عورت کو نامعقول انداز میں دیکھیں تو اسے نصیحت کریں، ڈانٹیں۔ اگر یہ ہمت نہ ہو تو ان لوگوں کو مطلع کریں جو یہ کام کر سکتے ہیں۔ اور لوگوں میں، بحمد اللہ بہت ہی خیر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم کہیں گے کہ مرد کے لیے واجب ہے کہ جہاں تک ہو سکے نظریں جھکا کے رکھیں:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ﴾ (النور: ٢٤/ ٣٠)

''اہل ایمان سے کہیے کہ اپنی نظریں جھکا کے رکھا کریں اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں۔''

بالخصوص جب دل میں کوئی ایسی تمتع اور لذت والی تحریک ہو تو اپنی نظریں جھکا لیں۔ اور لوگوں کی ایسے مواقع پر کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اپنی منگیتر کو کس حد تک دیکھ لینا جائز ہے؟

جواب: چہرہ اور دونوں ہاتھ۔ عورت اس سے زیادہ ظاہر نہیں کر سکتی۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ عورت گوشت والے حصے ظاہر کر سکتی ہے۔ بہرحال جو وہ دیکھ سکتا ہو دیکھ لے، مگر چھپ کر، اسے بتائے بغیر۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ان لوگوں کا کیا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ ٹیلی ویژن یا رسائل وغیرہ میں عورت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ دلیل دیتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حبشیوں کو دیکھا کرتی تھیں، جبکہ وہ مسجد میں اپنے کرتبوں کا اظہار کرتے تھے؟

جواب: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت کی تصویر دیکھنا جائز ہے۔ بقول ان کے تصویر محض ایک خیال ہے، جبکہ فرد اور شخصیت کی طرف دیکھنا ہی حقیقی دیکھنا ہے۔ مگر یہ سد ذرائع سے غفلت والی بات ہے۔ بھلا ایک عورت کو ٹیلی ویژن یا مجلّے یا حقیقتاً اسے دیکھنے میں کیا فرق ہے؟ فقہائے کرام نے تصویر دیکھنے کو حرام کیوں کہا ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ بلکہ یہ اندیشہ موجود ہے، خواہ عورت کی تصویر دیکھی جائے یا خود اس کی شخصیت کو دیکھا جائے۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کو دیکھنا [1] تو یہ ایک کام تھا اور اس کا دیکھنا انہیں اور دوسروں سب کے لیے جائز تھا۔ کیونکہ اس میں نظر ان افراد کی طرف نہیں بلکہ ان کے کھیل اور کرتب کی طرف تھی۔ جیسے کوئی عورت کسی معرکہ قتال کا منظر دیکھے تو اس موقعہ پر کسی عورت کے دل میں یہ خیال تک نہ آئے گا جو عام حالات میں شیطان دل میں ڈال دیتا ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر کسی خاص مرد کو دیکھے۔ اسی لیے وہاں اجازت دی گئی تھی، کیونکہ فتنے کا کوئی ڈر نہ تھا۔

اور اس طرح یہ حدیث اس آیت کریمہ کے کسی طرح خلاف نہیں ہے، فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ .... وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ (النور : ٢٤/ ٣٠ـ٣١)

''اہل ایمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں جھکا کے رکھا کریں اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں..........اور اہل ایمان خواتین سے کہیے کہ اپنی نظریں جھکا کے رکھا کریں اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں۔''

اس حدیث میں دیکھنا ایک مقصد کی طرف ہے۔ تو جب دیکھنا کسی خاص مقصد کا ہو تو جائز ہے اور آیت کریمہ میں بھی یہی ہے۔ اس میں عام دیکھنے کی نہی نہیں ہے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((لا تتبع النظرة النظرة فإن النظرة الاولى لك والثانية عليك.))

''پہلی نظر کے پیچھے دوسری نظر مت لگا، پہلی تو تیرے لیے (معاف) ہے اور دوسری تجھ پر (وبال) ہے۔'' [2]

یعنی جب انسان کسی عورت کو بحیثیت عورت دیکھے گا تو یہ شیطان کی طرف سے ہوگا۔

صحیح بخاری میں ایک خثعمی خاتون کی حدیث ہے جب وہ اپنے والد کے متعلق پوچھنے کے لیے کھڑی ہوئی، کہ باپ کو فریضہ حج نے آلیا ہے اور وہ بڑی عمر کا ہے، مگر سواری پر ٹک نہیں سکتا، تو اس نے پوچھا: کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ''تو اس کی طرف سے حج کر لے۔'' اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سواری پر

---

[1] یہ روایت مندرجہ ذیل مقامات پر دیکھی جاسکتی ہے: صحیح بخاری، کتاب المساجد، باب اصحاب الحراب فی المسجد، حدیث : ٤٤٣ صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیة فیه، حدیث : ٨٩٢ سنن النسائی، کتاب العیدین، باب اللعب فی المسجد یوم العید ونظر النساء الی ذلك، حدیث : ١٥٩٥ .

[2] یہ الفاظ سنن الدارمی کے ہیں لیکن اس میں الثانیۃ کی جگہ الاخرۃ ہے۔ دیگر کتب احادیث میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ دیکھیے: سنن الدارمی: ٢/ ٢٨٦ ، حدیث : ٢٧٠٩ ، سنن أبی داود، کتاب النکاح، باب فیما یؤمر به من غض البصر، حدیث : ٢١٤٩ ۔ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب نظرة المفاجأة، حدیث : ٢٧٧٧

پیچھے جناب فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، وہ اس کی طرف اور وہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف پھیرنے لگے کہ کہیں شیطان ان دونوں کے درمیان داخل نہ ہو جائے۔ ❶

اس لیے عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ مرد کو بار بار دیکھے، جیسے کہ مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورت کو بار بار دیکھے۔ مگر سوائے ایک صورت کے کہ وہ اسے نکاح کا پیغام دینا چاہتا ہو۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: عورت کا ٹیلی ویژن یا عمومی انداز میں سڑکوں پر مردوں کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورت کا مردوں کو دیکھنا دو طرح سے ہو سکتا ہے، خواہ ٹیلی ویژن پر ہو یا اس کے علاوہ:

۱: شہوانی جذبات اور تلذذ کی غرض سے دیکھنا، یہ حرام ہے کیونکہ اس میں ایک بڑا فتنہ اور فساد ہے۔

۲: عام نظر سے دیکھنا کہ اس میں کوئی جذباتی کیفیت یا تلذذ مقصود نہ ہو۔ اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق اس میں کچھ نہیں ہے اور یہ جائز ہے۔ صحیحین میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حبشیوں کو دیکھا کرتی تھیں جبکہ وہ مسجد میں اپنے کرتبوں کا مظاہرہ کرتے تھے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انھیں پردہ دیے ہوتے تھے اور آپ نے خود انھیں یہ سب کچھ دکھلایا۔ ❷

اسی طرح عورتیں بازاروں میں چلتی تھیں اور مردوں کو دیکھتی تھیں جبکہ وہ باپردہ ہوتی تھیں، الغرض عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے، خواہ وہ اسے نہ دیکھ رہا ہو، مگر شرط یہ ہے کہ اندر خانہ شہوانی جذبات یا کوئی اور فتنے والی بات نہ ہو۔ اگر یہ چیز موجود ہو تو دیکھنا حرام ہے خواہ ٹیلی ویژن میں دیکھے یا اس کے علاوہ۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: عورت کا اجنبی عورت کو دیکھنا اس کا شرعی کیا حکم ہے؟

جواب: ہم عورت کو نصیحت کریں گے کہ اجنبی مردوں کو مت دیکھے، اور نہ ہی وہ اسے دیکھیں، خواہ یہ کشتی رانی کے مناظر ہوں یا کوئی دوسرے مقابلے۔ عورت بہت کمزور پیدا کی گئی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس طرح کی فلمیں اور جذباتی تصویریں دیکھنے سے عورت کے صنفی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور پھر وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ تو ان اسباب سے دور رہنے ہی میں سلامتی ہے، اور مدد اللہ ہی سے ہے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے شوہر کی ''عورۂ مغلظہ'' دیکھے، اور اسی طرح اس کے برعکس؟

❶ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب وجوب الحج وفضله، حدیث: ١٤٤٢ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانه وهرم ونحوهما أو للموت، حدیث: ١٣٣٤ سنن أبی داود، کتاب المناسك، باب الرجل یحج عن غیره، حدیث: ١٨٠٩ وسنن النسائی، کتاب مناسك الحج، باب حج المرأة عن الرجل، حدیث: ٢٦٤١.

❷ صحیح بخاری، کتاب المساجد، باب اصحاب الحراب فی المسجد، حدیث: ٤٤٣ صحیح مسلم و کتاب صلاة العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیة فیه، حدیث: ٨٩٢ وسنن النسائی، کتاب العیدین، باب اللعب فی المسجد یوم العید ونظر النساء الی ذلك، حدیث: ١٥٩٥.

جواب: ہاں جائز ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جناب بہز بن حکیم اپنے دادا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے پوچھا:

((يا رسول الله! عوراتنا ما نبدى منها وما نذر؟ فقال عليه الصلاة والسلام: احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك .))

"اے اللہ کے رسول! ہم اپنی شرمگاہوں سے کیا کچھ ظاہر کر سکتے ہیں اور کیا نہیں؟ آپ نے فرمایا: اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر، سوائے اپنی بیوی یا لونڈی کے۔" [1]

یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

اور صحیحین میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ:

((كنت اغتسل أنا و رسول الله ﷺ من إنا واحد تختلف أيدينا فيه من الجنابة حتى أقول دع لى دع لى ويقول دعى لى دعى لى .))

"میں اور رسول اللہ ﷺ جنابت کی وجہ سے ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے، اور اس میں ہمارے ہاتھ باری باری پڑتے تھے۔ میں کہتی: میرے لیے چھوڑیے، میرے لیے رہنے دیجیے اور آپ کہتے: میرے لیے چھوڑ دو، میرے لیے رہنے دو۔" [2] (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا اجنبی مرد عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا حرام ہے؟

جواب: ہاں، یہ حرام ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "اصرف بصرك" "اپنی نظر پھیر لو۔" [3] صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((كنت على ابن آدم حظة من الزنا، مدرك ذلك لا محالة، العينان تزنيان

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الحمام، باب ما جاء فی التعری، حدیث : ٤٠١٧، سنن الترمذی، کتاب الادب، باب حفظ العورة، حدیث : ٢٧٦٩ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الستر عند الجماع، حدیث : ١٩٢٠، تمام احادیث میں 'ما نبدی' کی جگہ 'ما ناتی' کے الفاظ ہیں۔

[2] صحیحین میں اس روایت کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب هل یدخل الجنب یده فی الاناء قبل ان یغسلها، حدیث : ٢٥٨، صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة، حدیث : ٣٢١ سنن النسائی، کتاب الغسل والتیمم، باب الرخصة فی ذلك، حدیث : ٤١٤ .

[3] صحیح مسلم، کتاب الادب، باب نظر الفجاة، حدیث : ٢١٥٩ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فیما یؤمر به غض البصر، حدیث : ٢١٤٨ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب نظرة المفاجاة، حدیث : ٢٧٧٦ مسلم اور ترمذی کے الفاظ ہیں 'اصرف بصری' ہے جبکہ فتویٰ میں مذکور الفاظ سنن ابی داود کے ہیں۔ (عاصم)

وزناهما النظر .))

''ابن آدم پر اس کے زنا کا ایک حصہ لکھ دیا گیا ہے، جسے وہ لازماً پا کے رہے گا۔ آنکھیں زنا کرتی ہیں، ان کا زنا دیکھنا ہے۔'' ❶

سنن ابی داؤد اور ترمذی میں جناب بردہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے علی! (پہلی) نظر کے پیچھے دوسری نظر مت لگا۔ تیرے لیے پہلی تو درست ہے، دوسری کا تجھے حق نہیں ہے۔'' ❷

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ رسائل یا فلموں وغیرہ میں عریاں تصاویر دیکھے؟ [بلیو پرنٹ فلموں کا حکم]

جواب: اجنبی عورت کی عریاں تصاویر دیکھنا جائز نہیں ہے اور نہ ایسی فلمیں یا رسائل خریدنا جائز ہے جن میں ایسی تصویریں ہوں۔ بلکہ انہیں جلا کر ضائع کر دینا چاہیے تاکہ یہ برائی اور فحش کاری پھیلنے نہ پائے۔ یہ رسائل اور فلمیں فحاشی پھیلانے کے بڑے اسباب اور ذرائع ہیں۔

(عبداللہ بن الجبرین)

سوال: میں نے شادی کی ہے اور میری بیوی بحمداللہ پردہ کرتی ہے۔ مگر ہمارے ہاں رواج کی وجہ سے وہ اپنے بہنوئی سے اور اس کی بہن مجھ سے پردہ نہیں کرتی ہے۔ اسی طرح میری بیوی میرے بھائی سے اور اپنے خالہ زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں سے بھی پردہ نہیں کرتی ہے۔ کیا یہ سب دین اسلام اور شریعت کی رُو سے غلط ہے؟ ہمارے ہاں یہ سب رواج ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اگر میں اپنی بیوی کو ان رشتہ داروں سے پردے کا پابند کروں تو وہ سب مجھے الزام دیں گے کہ اسے اپنی بیوی پر اعتماد نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جواب: یہ سب رشتہ دار جن کا ذکر کیا گیا ہے عورت کے لیے اجنبی اور غیر محرم ہیں۔ ان کے سامنے چہرہ اور زینت کا اظہار جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی رخصت صرف محرم رشتہ داروں کے لیے دی ہے جیسے کہ سورۃ النور کی آیت نمبر ۳۱ میں بیان ہوا ہے۔

آپ کو چاہیے کہ پہلے اپنی بیوی کو مطمئن کریں کہ غیر محرموں کے سامنے چہرہ ننگا کرنا حرام ہے، اور پھر اسے چاہیے کہ اس شرعی حکم کی پابندی کرے۔ خواہ یہ بات آپ کے ہاں کے رواج اور عادت کے خلاف ہی ہو، اور وہ لوگ آپ کو الزام دیں اور باتیں بنائیں۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب زنا الجوارح ورن الفرج، حدیث: ۵۸۸۹ وصحیح مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظة من الزنا وغیره، حدیث: ۲۸۵۷ السنن الکبری للبیهقی: ۷/ ۸۹، حدیث: ۱۳۲۸۸ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۴۳، حدیث: ۸۵۰۷ فتویٰ میں مذکور الفاظ مسند احمد کی روایت کے قریب ہیں، البتہ یہ روایت مختصر ہے۔ 'مدرك ذلك' کے الفاظ مسلم اور بیہقی کی روایت کے ہیں۔ دیگر مقامات پر 'ادرك' ہے۔ (عاصم)

❷ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فیما یؤمر من غض البصر، حدیث: ۲۱۴۹ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب نظرة المفاجاة، حدیث: ۲۷۷۷ ومسند احمد بن حنبل: ۵/ ۳۵۱، حدیث: ۲۳۰۲۴.

اس کے ساتھ ساتھ چاہیے کہ اپنے ان رشتہ داروں کے سامنے مسئلہ واضح کریں کہ دیور، بہنوئی، پھوپھی زاد اور ماموں زاد وغیرہ سب غیرمحرم رشتے ہیں۔ اگر بالفرض اس عورت کو یہاں سے طلاق ہو جائے تو یہ رشتہ دار اس سے نکاح کر سکیں گے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: اگر سامنے اور قریب میں اجنبی لوگ موجود ہوں تو عورت نماز کیسے پڑھے جیسے کہ مسجد حرام وغیرہ میں ہوتا ہے؟

جواب: اگر عورت کے قرب وجوار میں اجنبی اور غیرمحرم لوگ موجود ہوں یا اس کے پاس سے گزرتے ہوں، جیسے کہ مسجد حرام وغیرہ میں ہوتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اپنا سارا بدن، چہرہ، ہاتھ اور پاؤں سب چھپا لے۔ یہ محض نماز کے لیے نہیں ہے (بلکہ اجنبی لوگوں کی نظروں سے بچاؤ کے لیے ہے)۔ نماز کے لیے حجاب اور نظر دو علیحدہ علیحدہ مسئلے ہیں، ان کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہے۔ (عبداللہ بن فوزان)

خواتین کا طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانا

سوال: مرد ڈاکٹروں کا عورتوں کو علاج وغیرہ کے لیے دیکھنا اور ان کے ساتھ خلوت میں ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب: (۱)......عورت سراسر قابل ستر اور چھپانے کے لائق ہے اور مردوں کے لیے طمع وتلذذ کا مقام ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ مرد ڈاکٹروں کو اپنا آپ نہ دکھائے، خواہ علاج کی غرض ہی سے کیوں نہ ہو۔

(۲)...... اگر خاتون ڈاکٹر میسر نہ ہو تو جائز ہے کہ مرد سے علاج کروا لے۔ کیونکہ یہ ایک اشد ضرورت ہے۔ مگر اس کے لیے معروف شرطیں ہیں اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ''ضرورتوں کو ہمیشہ اپنی حد تک ہی رکھنا چاہیے۔'' لہٰذا مرد ڈاکٹر کے لیے جائز نہیں کہ مریضہ عورت کو بلا ضرورت اور بلا حاجت دیکھے یا چھوئے یا ٹٹولے۔ اور عورت پر بھی واجب ہے کہ جسم کے جس حصے کے نمایاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسے نمایاں نہ کرے۔

(۳)......عورت سراسر قابل ستر اور لائق حجاب ہے۔ مگر ستر کے مختلف درجات ہیں۔ مثلاً کچھ تو ''عورۂ غلیظہ'' ہے (یعنی قُبل اور دُبر) اور کچھ حصے اس سے کم تر ہیں۔ اور بیماری بھی کئی انداز کی ہو سکتی ہے۔ مثلاً کوئی تو انتہائی خطرناک ہو سکتی ہے کہ اس کے علاج میں تاخیر نہیں کی جا سکتی۔ اور بعض محض عوارض ہوتے ہیں کہ ان میں تاخیر ہو سکتی ہے اور خطرہ نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کا محرم آ جائے۔

اور مریض عورتوں کی کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بعض بڑی بوڑھیاں ہوتی ہیں۔ بعض جوان اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ بعض درمیانی سی۔ اور کئی ایسی ہوتی ہیں کہ بیماری نے انہیں بالکل ہی بدحال کر دیا ہوتا ہے۔ اور کئی ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر بیماری کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہوتا۔ اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے علاج کے لیے ڈاکٹروں کا بیٹھنا ہے۔ اور بعض کو محض چند گولیاں وغیرہ ہی کافی ہوتی ہیں۔ الغرض ان سب میں ہر ایک کا علیحدہ حکم ہے۔

بہرحال اجنبی عورت کے ساتھ مرد کی خلوت اور علیحدگی شرعاً حرام ہے، خواہ وہ اس کا معالج اور طبیب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ما خلا رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما .))

''جب بھی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''[1]

لہٰذا ان دونوں کے ساتھ کسی نہ کسی کو ضرور ہونا چاہیے۔ وہ شوہر ہو یا کوئی اور محرم مرد۔ اگر مرد میسر نہ ہو تو کوئی قرابت دار عورت۔ اگر یہ بھی نہ ہو اور علاج میں تاخیر ممکن نہ ہو تو کم از کم نرس کو ضرور ڈاکٹر کے پاس ہونا چاہیے، تاکہ ممنوعہ خلوت سے بچاؤ ہو جائے۔

(۴)...... بچی کے چھوٹی شمار ہونے کی عمر کا مسئلہ: جب تک بچی سات سال کی نہ ہو جائے، وہ صغیر السن سمجھی جاتی ہے، اور بقول فقہاء اس کے لیے ''عورہ'' کا حکم نہیں ہے۔ سات سال کی ہو جائے تو اس کے لیے ''عورہ'' کا حکم ہوگا یعنی اس کا جسم چھپایا جائے۔ اگرچہ اس کے اور اس سے بڑی کی ''عورہ'' میں فرق ضرور ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: اس بات کا کیا حکم ہے کہ عورت کے جادو کا علاج کرتے ہوئے اسے چھوا جاتا ہے، جبکہ دوسرے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں، اور وہ بھی اپنے چہرے سے کپڑا اتار دیتی ہے، اور آج کل اس طرح علاج کرنے والوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور جنوں سے ایسی ایسی باتیں پوچھی جاتی ہیں جن کا معالج کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا؟

جواب: اس مسئلہ میں بہت سے لوگ ملوث ہیں اور قلت علم کی وجہ سے عورتوں کے فتنہ میں بھی پھنس جاتے ہیں۔ صحیحین میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔''[2]

اور آپ کا ایک فرمان یوں بھی ہے:

---

[1] بعینہ یہ الفاظ مجھے نہیں مل سکے، شاید روایت بالمعنی ذکر کی گئی ہے۔ بہرحال ایک روایت میں اس سے ملتے جلتے یہ الفاظ موجود ہیں: ما خلا رجل وامرأة إلا خل الشيطان بينهما۔ دیکھیے: المعجم الكبير للطبراني: ۸/ ۲۰۵، حديث: ۷۸۳۰ اس کے ہم معنی روایات دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ سنن الترمذی، كتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، حديث: ۱۱۷۱ ومسند احمد بن حنبل: ۱/ ۱۸، حديث: ۱۱۴.

[2] صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة، حديث: ۴۸۰۸ وصحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة، باب اكثر اهل الجنة الفقراء، حديث: ۲۷۴۰ وسنن الترمذی، كتاب الادب، باب تحذير فتنة النساء، حديث: ۲۷۸۰، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب فتنة النساء، حديث: ۳۹۹۸.

((إن الدنيا حلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعلمون، فاتقوا الدنيا واتقوا النساء، فإن أول فتنة بني اسرائيل كانت في النساء.))

''یہ دنیا بڑی شیریں اور شاداب ہے، اور اللہ نے تمہیں اس میں جانشین بنایا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ سو دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی، بلاشبہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔''[1]

اور اس سائلہ سے بھی میری گزارش یہی ہے کہ آج کے یہ ڈاڑھیوں والے ویسے نہیں جو پہلے ستر کی دہائیوں میں تھے، اور آج کی یہ نقاب اوڑھنے والیاں بھی اس طرح کی نہیں ہیں جو پہلے ستر کی دہائیوں میں تھیں۔ اور انسان اپنے ماحول و معاشرے کا قیدی ہے۔ اور ہم سب اس فتنہ و فساد سے متاثر ہوتے ہیں جو ہمارے اردگرد سر اٹھاتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ بہرحال ہر معالج اور مریضہ پر فرض ہے کہ دونوں ہی اللہ کی حدود کا خیال رکھیں۔ مرد کے لیے حلال نہیں کہ عورت کے محرم یا غیر محرموں کی غیر موجودگی میں اس کا علاج کرے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: اخلاقی الزام و تہمت کی صورت میں مرد ڈاکٹر کا عورت کو عریاں کر کے دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: اخلاقی الزام و تہمت کی تحقیق کے لیے عورتوں کو کوئی عورت ہی دیکھے، بشرطیکہ قاضی اس عمل کو ضروری سمجھے۔ مردوں کا عورتوں کو دیکھنا خلاف شریعت ہے۔ جب یہ ضروری ہو تو قابل اعتماد عورتوں سے یہ کام لیا جائے جیسے کہ وزارت صحت میں دائیاں ہوتی ہیں یا قابل اعتماد دوسری عورتیں۔

خیال رہے کہ (عورت یا لڑکے کی شرمگاہ کو) علاج کے لیے دیکھنے اور اخلاقی تہمت اور الزام کی تحقیق کے لیے دیکھنے میں فرق ہے۔ تہمت کی تحقیق کے لیے دیکھنا اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب قاضی اس طرح سے تحقیق کو ضروری سمجھے۔ محض الزام کے تحت ایسا نہیں ہوسکتا (بالخصوص جب ایک فریق اس کا انکاری ہو)۔ لیکن اگر علاج کی ضرورت ہو تو طبی اور علاج کی مصلحت کے پیش نظر دیکھا جاسکتا ہے۔ تاہم مرد معالج عورت کو اس وقت دیکھے جب اس کے قریب عورت کا کوئی اور محرم وغیرہ بھی موجود ہو۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: شرمگاہ کو کس صورت میں عریاں دیکھا جاسکتا ہے؟

جواب: خطرناک امراض کی صورت ہی میں شرمگاہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ کتب فقہ میں ہے ((ويباح كشفها للتداوي.))[2] یعنی ''عورۃ'' غلیظہ (قبل و دبر) کو اس وقت دیکھا جاسکتا ہے، جب عضو کے تلف یا مرض کے

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب اكثر اهل الجنة الفقراء، حديث: ٢٧٤٢ وسنن الترمذي، كتاب الفتن، باب اخبر النبي صلى الله عليه وسلم اصحابه بما هو كائن الى يوم القيامة، حديث: ٢١٩١ السنن الكبرى للبيهقي: ٧/ ٩١، حديث: ......

[2] شرح منتهى الارادات: ١/ ١٤٩.

استمرار کا اندیشہ ہو۔ لیکن خفیف امراض میں اس کی رخصت نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہوسکتا ہے۔ مگر خاتون کو مرد نہ دیکھے بلکہ کوئی عورت ہی دیکھے۔ اگر چہ عورت کے لیے اپنی شرمگاہ کو دوسری عورت سے چھپانا بھی واجب ہے، مگر ضرورت کے تحت کسی عورت کے سامنے عریاں کرنا خفیف اور ہلکا ہے۔ کیونکہ عورت کے سامنے یہ عمل فتنے کا باعث نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عمل دوا اور علاج کے لیے ہو، تقویت مزید کے لیے نہ ہو۔ مگر اب جو صورت حال ہے کہ معمولی مرض یا تقویت مزید کے لیے عریاں کر دیتے ہیں، یہ غلط ہے، اس میں ایک بڑا فتنہ ہے۔ اور لوگوں میں جو ریت چلی ہے یہ ان کا اپنا عمل ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: اگر عورت کو اچانک تکلیف شروع ہو جائے اور مرد حیران ہو کہ کہاں اور کدھر جائے، تو کیا جوان طبیب کو بلالے یا کسی بڑی عمر والے کو؟

جواب: اتفاقی اور مجبوری کے اوقات میں جب فوری اور جلدی کا معاملہ ہو تو جو فوری اور جلدی میسر آسکتا ہو، اسے ہی طلب کر لے۔ مگر فرصت اور اختیار کے وقت میں نہیں۔ مجبوری کے لیے ایک معروف شرعی اصول موجود ہے کہ ((الضرورات تبیح المحظورات .)) ''ضرورتیں ممنوعہ امور کو مباح کر دیتی ہیں۔''[1]

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: جناب شیخ! آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں جو اکثر پوچھا بھی جاتا ہے اور مسلمانوں کے لیے مشکل کا باعث بھی ہے۔ میری مراد ہے عورت اور مرد ڈاکٹر۔ آپ اس مسئلہ میں مسلمان بہنوں اور ان کے سرپرستوں کو کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب: بلاشبہ ''عورت اور مرد ڈاکٹر'' کا مسئلہ بڑا اہم اور پریشان کن بھی ہے۔ لیکن اگر اللہ نے خاتون کو تقویٰ اور بصیرت سے بہرہ ور کیا ہو تو وہ یقیناً اپنے آپ میں بہت احتیاط کرتی ہے۔ عورت کو ڈاکٹر کے ساتھ خلوت میں نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ڈاکٹر ہی کو یہ لائق ہے۔ اور (مملکہ عربیہ سعودیہ میں) محکمہ صحت کی طرف سے احکام اور تعلیمات دی جاچکی ہیں۔ پہلے تو خود عورت کو اس مسئلہ میں احتیاط اور اہتمام کرنا چاہیے کہ لائق لیڈی ڈاکٹر کے متعلق معلومات مہیا رکھے۔ جب یہ میسر ہوں تو الحمد للہ، مرد ڈاکٹر کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ اگر لیڈی ڈاکٹر موجود نہ ہو تو ضرورت کی حد تک مرد ڈاکٹر کے پاس جایا جاسکتا ہے۔ مگر خلوت میں وہ اسے نہ دیکھے بلکہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم موجود ہونا چاہیے۔ اگر ظاہری اعضاء مثلاً سر، ہاتھ یا پاؤں وغیرہ دیکھنا ہو تو اسی قدر کافی ہے۔ لیکن اگر شرمگاہ دیکھنے کی ضرورت ہو تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو یا کوئی اور عورت ہو۔ یہ زیادہ بہتر اور احتیاط کا معاملہ ہے۔ یا ایک دو نرسیں ہوں۔ مگر اس کی اپنی کوئی قریبی عورت ہو تو زیادہ مناسب

[1] المنثور فی القواعد للزرکشی: ۲/ ۳۱۷ الموافقات فی اصول الفقة للشاطبی: ۴/ ۱۴۵ .

ہے، اس میں احتیاط اور شک وشبہ سے زیادہ دوری ہے۔ مگر ان دونوں کا خلوت میں ہونا جائز نہیں ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: چند ماہ ہوئے ہیں کہ میری شادی ہوئی ہے اور حمل کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ میری بیوی کا اصرار ہے کہ ٹیسٹ کروائے جائیں۔ کیا میں اس کی یہ بات مان لوں؟ اور کیا یہ چیز اسباب میں سے ایک سبب ہے جو لوگ اختیار کرتے ہیں؟

جواب: یہ چیز مباح اعمال سے ہے۔ اور اگر معاملہ صرف ٹیسٹوں تک ہو اور عورت مردوں کے سامنے منکشف نہ ہو تو یہ مباح ہے، آپ اس کی بات مان سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو کچھ مدت موقوف کر لیں حتیٰ کہ جو ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دے۔ اگر ٹیسٹ ہی کروانے ہیں تو دونوں میاں بیوی کے ہونے چاہئیں، کیونکہ عین ممکن ہے رکاوٹ دونوں طرف سے ہو، اور یہ کوئی عدل نہیں ہے کہ صرف شوہر ہی کے ٹیسٹ ہوں۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا خواتین کے نسوانی امراض حمل وولادت کے مسائل میں مرد ڈاکٹر کے پاس لے جانا جائز ہے جبکہ کوئی مشکل اور الجھن والی بات نہ ہو؟ اور جو جاتے ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ لیڈی ڈاکٹرز، مردوں کے مقابلے میں اتنی ماہر نہیں ہوتیں اور دوسرے یہ کہ ضرورت کے تحت یہ جائز ہے؟

جواب: پہلی دلیل کے متعلق میں یہ کہوں کہ گا ہمارے ہاں بڑی معروف اور تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر موجود ہیں، بلکہ مرد ڈاکٹر بھی ان کی مہارت کے معترف ہیں اور میں کئی ایک کے نام شمار کر سکتا ہوں۔

اور دوسری دلیل، میں نے اس سے پہلے اس طرح کا کوئی فتویٰ نہیں سنا ہے، اور میں نہیں سمجھتا کہ آپ عورتوں نے اپنی طرف سے اسے جائز بنا لیا ہو گا۔ اور اگر ضرور ہی ہو تو پہلے یقین کر لینا ضروری ہے کہ قرب وجوار میں کوئی مسلمان لیڈی ڈاکٹر موجود نہیں ہے۔ پھر غیر مسلم لیڈی ڈاکٹر کا نمبر ہے، پھر اس کے بعد مسلمان مرد ڈاکٹر کا نمبر ہے، اور چاہیے کہ وہ قابل اعتماد ہو۔ اور پھر یہ بھی حلال نہیں ہے کہ اس مرد ڈاکٹر اور خاتون کے مابین کسی طرح کی کوئی خلوت ہو۔ اور کپڑا اتارنے میں بھی صرف اس قدر اتارا جائے جس کی لازمی ضرورت ہو۔ تو کیا ہماری بہنیں یہ سب شرائط وضوابط جانتی ہیں؟ (محمد بن عبدالمقصود)

ایسے محرم اور اقرباء جن کی حرکات مشکوک ہوں؟

سوال: چچا اپنی بھتیجیوں سے فحش مذاق کرتا ہے، کیا ان لڑکیوں پر لازم ہے کہ اس سے کنارہ کش ہو جائیں؟

جواب: یہ آدمی جو اپنی بھتیجیوں سے فحش مذاق کرتا ہے تو ان لڑکیوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے پاس آئیں یا اس کے سامنے اپنا چہرہ کھولیں۔ کیونکہ علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ عورت کے لیے ان محرموں

کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا چاہیے جن سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور یہ آدمی جو اپنی بھتیجیوں سے فحش مذاق کرتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے۔

اور اسباب فتنہ سے کنارہ کش ہونا واجب ہے۔ اور یہ کوئی انہونی بات نہیں، بعض میں ایسا ہونا عین ممکن ہے کہ وہ اپنی محرم لڑکیوں کی طرف برائی سے مائل ہو جاتے ہیں۔ کچھ ایسی خبریں بھی ملی ہیں کہ بھائی اپنی پدری بہن سے ملوث ہو گیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اپنی ماں سے ملوث ہو گیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ذرا قرآن کریم کے الفاظ پر غور کریں:

﴿....وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (النساء: ٤/ ٢٢)

''اور مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہو، سوائے اس کے جو ہو چکا۔ بلاشبہ یہ بے حیائی اور اللہ کی ناراضی کا کام ہے اور بری راہ ہے۔''

زنا کے متعلق فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ١٧/ ٣٢)

''اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، بلاشبہ یہ بے حیائی کا کام اور بری راہ ہے۔''

پہلے مقام پر صرف ''فاحشہ'' نہیں بلکہ ساتھ ''مقتا'' بھی فرمایا ہے، جو دلیل ہے کہ اپنی محارم بالخصوص باپ کی بیوی سے نکاح کرنا زنا سے بھی برا کام ہے۔

خلاصۃ الجواب یہ ہے کہ ان لڑکیوں پر واجب ہے کہ اپنے اس چچا سے کنارہ کش رہیں اور اس کے سامنے اپنے چہرے نہ کھولیں جب تک کہ وہ اپنے گندے مذاق سے باز نہ آئے جو شبہ کا باعث ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اپنے محرم اقرباء کو بوسہ دینا کیسا ہے؟ اگر کسی عورت کا بھائی بے نماز ہو تو کیا وہ اس سے مصافحہ کر سکتی ہے؟

جواب: اپنے محرم رشتہ داروں کو بوسہ دینا، اگر شہوانی جذبات سے ہو، مگر یہ بات بعید ہے، یا اندیشہ ہو کہ اس سے جذبات کو انگیخت ہوگی، یہ بھی بعید ہے، مگر ممکن ہے کسی وقت کچھ ہو جائے مثلاً جب تعلق رضاعی یا سسرالی ہو۔ اپنے قرابت داروں میں، میں سمجھتا ہوں ایسے نہیں ہوتا۔ بہرحال اگر اندیشہ ہو کہ اس سے انگیخت ہو سکتی ہے تو یہ بلاشبہ حرام ہے۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو سر اور پیشانی پر بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر رخساروں اور ہونٹوں سے بچنا چاہیے۔ البتہ اپنی بیٹی یا ماں اپنے بیٹے کو دے تو معاملہ آسان ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے جبکہ وہ بیمار تھیں، تو انہوں نے ان کے رخسار پر بوسہ دیا اور پوچھا: بٹیا تمہارا

کیا حال ہے۔ [1]

اور بھائی جو نماز نہیں پڑھتا، اس کے ساتھ مصافحہ، بحیثیت مصافحہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر بے نمازی سے مقاطعہ کرنا چاہیے، اس سے سلام نہ کرنا چاہیے اور نہ مصافحہ ہی، حتیٰ کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر آئے اور نماز پڑھنے لگے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہمارے ہاں رواج ہے کہ آدمی عورتوں سے ملنے کے لیے آتا ہے تو وہ اس کے سر کو سلام (پیار) دیتی ہیں بشرطیکہ مرد کے سر پر رومال یا ٹوپی وغیرہ ہو، اور اس میں بوسہ نہیں ہوتا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ جائز ہے بشرطیکہ عورت یہ کام اپنے محرم کے ساتھ کرے مثلاً باپ یا بھائی وغیرہ۔ اسی طرح وہ اس کے ساتھ مصافحہ بھی کر سکتی ہے مگر اجنبی کے ساتھ مصافحہ یا سر کو بوسہ وغیرہ نہیں دے سکتی، خواہ اس کے سر پر رومال ہو یا نہ، تاکہ فتنے سے بچاؤ رہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: کیا نو سال کے بچے کو عورتوں میں بیٹھنا جائز ہے؟ اسے کس عمر میں ان کی مجلس سے منع کیا جائے؟

جواب: وہ عمر جس میں بچے کے لیے عورتوں میں بیٹھنا ناجائز ہوتا ہے وہ اس کی بلوغت ہے، اور اس کی کچھ علامات ہیں، مثلاً اس کے زیر ناف سخت بال اُگ آئیں، یا احتلام ہو، یا پندرہ سال کا ہو جائے جیسے کہ بعض علماء کا قول ہے۔

اور عورت کو بھی چاہیے کہ جو بچہ سمجھ دار ہو گیا ہو کہ عورتوں میں خوبصورت اور بدصورت میں امتیاز کرتا ہو، بغیر اس کی عمر کے لحاظ کے، اس کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ کچھ ظاہر نہ کرے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

"وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ نہ ہوئے ہوں، ان کے سامنے زینت ظاہر کی جا سکتی ہے۔"

بعض علمائے کرام نے دانا اور سمجھ دار بچے کو "عام بچوں" کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے کہ اس فرمان الٰہی میں "بچوں کی غالبیت" کا بیان ہے، اس میں عموم نہیں۔

بہر حال عورت کے لیے جائز ہے کہ نابالغ بچوں کے سامنے بیٹھ جائے، اور وہ حصہ ظاہر نہ کرے جو وہ اجانب کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتی ہے۔ یعنی کام کاج کے کپڑوں میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ "جب بچہ عورتوں کے ناز نخرے، بات چیت میں لوچ،

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ھجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ، حدیث: ۳۷۰٤ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی قبلۃ الخلد، حدیث: ٥٢٢٢ السنن الکبری للبیھقی: ۷/ ۱۰۱، حدیث: ۱۳۳٦۰.

چال میں لہک اور ان میں حسن و قبح کو سمجھنے لگے تو عورت کو چاہیے کہ اس کے سامنے چہرے اور ہاتھ کے علاوہ کچھ ظاہر نہ کرے۔"❶

المختصر بعض ائمہ نے ﴿الذین لم یظهروا علی عورات النساء﴾ کے الفاظ کو قید (اور شرط) قرار دیا ہے، اور کچھ نے اسے قید نہیں کیا بلکہ عورت بچوں کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے اور یہ الفاظ بطور غالب کیفیت کے کہے گئے ہیں، لہٰذا ان کا ظاہر مفہوم مراد نہیں ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: جب کوئی عورت اپنے اقارب میں کوئی برائی دیکھے تو اس کا اس سلسلے میں کیا مؤقف ہونا چاہیے؟

جواب: اسے چاہیے کہ بھلے انداز میں اس پر اپنی ناگواری اور ناراضی کا اظہار کرے، انداز گفتگو عمدہ اور نرم ہو، اور اس آدمی کے لیے ہمدردی کا پہلو بھی ہو۔ ممکن ہے کہ وہ جاہل اور لاعلم ہو، اور ممکن ہے کرخت مزاج بھی ہو۔ اگر اس پر سختی کی گئی تو ممکن ہے اس کی شرارت اور بڑھ جائے۔ اور اس کی دلیل وہی ہے جو اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں ہے۔ اور اس کے لیے دعا بھی ضرور ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمائے۔ اور یہ کہ فریقین میں نفرت پیدا نہ ہو۔ نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے والے کو ایسے ہی ہونا چاہیے کہ وہ علم، بصیرت، نرمی اور تحمل سے موصوف ہو تا کہ مخاطب اصلاح قبول کر لے، نفرت نہ کرے، ضد اور ہٹ دھرمی پر نہ اتر آئے۔ الغرض مصلح اور خیر خواہ کو چاہیے کہ الفاظ ایسے استعمال کرے، جن سے امید ہو کہ وہ حق کو قبول کر لے گا۔❷

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: میرے شوہر کی ایک قہوہ خانہ میں شراکت ہے، جسے لوگ کیفے ٹیریا بھی کہتے ہیں۔ میں اسے کہتی ہوں کہ یہ مال حرام ہے۔ تو کیا فی الواقع یہ حرام ہے یا حلال؟ اور حلال کیا ہے؟

جواب: خیال رہے کہ قہوہ خانہ میں مشروبات پیش کیے جاتے ہیں مثلاً قہوہ، چائے اور دیگر مشروبات وغیرہ، لیکن ساتھ ساتھ کچھ اور چیزیں بھی پیش کی جاتی ہیں مثلاً حقہ جو حرام ہے۔ اور اس بارے میں عام فتویٰ مساجد کے دروازوں پر بھی آویزاں کیا گیا ہے کہ سگریٹ نوشی اور حقہ نوشی انتہائی نقصان دہ ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((لا ضرر ولا ضرار .)) "نہ نقصان اٹھانا ہے اور نقصان دینا ہے۔"❸

علاوہ ازیں ممنوعہ لہو ولعب کی کچھ اور چیزیں بھی ان جگہوں پر مہیا کی جاتی ہیں جیسے کہ کیرم بورڈ اور چوسر

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ٣/ ٣٧٨، تحت آیت نمبر: ٣١، سورة النور.

❷ اور اپنے اقرباء میں یہ عمل ایک تسلسل اور لمبی مدت چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ حق کی بات دل میں اتار دے۔ (مترجم)

❸ مسند احمد بن حنبل: ١/ ٣١٣، حدیث: ٢٨٦٧ والمستدرك للحاكم: ٢/ ٦٦، حدیث: ٢٣٤٥ وسنن الدارقطني: ٣/ ٧٧، حدیث: ٢٨٨.

(لڈو کی انداز کی چیز) ❶ اور ''نرد'' یعنی چوسر حرام ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((من لعب بالنردشير فكأنما صبغ يده في لحم خنزير ودمه .))

''جس نے نردشیر (چوسر) کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے رنگ لیا۔'' ❷

یہ چیزیں مسلمان کے لیے حرام ہیں کہ نجس چیزوں سے آلودہ ہو، سوائے اس کے کہ کہیں خاص ضرورت ہو۔ تو حسب ضرورت شدیدہ یہ ممنوعہ چیزیں کسی قدر مباح کہی جا سکتی ہیں۔ ((الضرورات تبيح المحظورات .)) ❸

مسند احمد اور ابوداؤد میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من لعب بالنردشير فقد عصى الله ورسوله .))

''جس نے چوسر کھیلی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' ❹

الغرض قہوہ خانہ میں مشروبات کے ساتھ جو ناجائز چیزیں پیش کی جاتی ہیں تو اس وجہ سے حلال، حرام کے ساتھ خلط ہو جاتا ہے۔ حلال چیزوں کی جو قیمت وصول کی جاتی ہے وہ حلال ہے، اور حرام چیزوں کی قیمت حرام ہے۔ اس سائلہ کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس نیت سے کھائے کہ وہ حلال میں سے کھا رہی ہے۔

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں ایک کارخانے میں کام کرتی ہوں جہاں خاص قسم کی ٹافیاں بنتی ہیں۔ ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ اس کے اجزا اصل اور خالص ہیں، اس میں کوئی نقصان دہ مصنوعی (کیمیائی) چیز شامل نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ میرا کام اس کا مرکب تیار کرنا اور پھر اس کی پیکنگ کرنا ہوتا ہے۔ تو اس مشکل کا کیا حل ہے؟

جواب: اس کا حل یہ ہے کہ آپ انہیں اس کام سے منع کریں۔ اگر وہ باز آ جائیں تو بہتر، ورنہ آپ یہ کام چھوڑ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

❶ حدیث ''نردشیر'' کا ترجمہ چوسر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک فارسی کھیل تھا۔ ایک ڈبیا میں کنکریاں یا پلاسٹک کی گوٹیاں ہوتی ہیں اور دو نگ ہوتے ہیں، جنھیں ہلا کر جیسا نگ نکل آتا ہے اس کے مطابق کنکریاں یا گوٹیاں آگے بڑھائی جاتی ہیں۔ اس طرح کے کھیلوں میں وقت کا ضیاع اور شرط لگتی ہے، اس وجہ سے ناجائز ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو امید ہے مباح ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

❷ صحيح مسلم، كتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنردشير، حديث : ٢٢٦٠ وسنن ابى داود، كتاب الادب، باب فى النهى عن اللعب بالنرد، حديث : ٤٩٣٩ سنن ابن ماجه، كتاب الادب، باب اللعب بالنرد، حديث : ٣٧٦٣ وسنن ابى داود، سنن ابن ماجہ کی روایت میں 'صبغ' کی جگہ 'غمس' ہے۔ (عاصم)

❸ المنثور فى القواعد للزركشى:٢/ ٣١٧ الموافقات فى اصول الفقه للشاطبى:٤/ ١٤٥ .

❹ سنن ابى داود، كتاب الادب، باب فى النهى عن اللعب والنرد، حديث : ٤٩٣٨ سنن ابن ماجه، كتاب الادب، باب اللعب بالنرد، حديث : ٣٧٦٢ مسند احمد بن حنبل : ٤/ ٣٩٤، حديث : ١٩٥٣٩

((من غشنا فليس منا .))

''جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔''❶

یا دوسرے الفاظ ہیں ''جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔''❷

اور جیسا کہ معلوم ومعروف ہے کہ خالص اجزاء کی اشیاء مہنگی فروخت ہوتی ہیں۔ اس صورت میں مصنوعی اجزا کی چیز کو خالص اور اصل کہہ کر فروخت کرنا، اس میں اپنے صارفین کو بھی دھوکہ دینا ہے، اور بسا اوقات یہ چیزیں کچھ لوگوں کے لیے بہت نقصان دہ بھی ہوتی ہیں، بالخصوص جن کو ڈاکٹر نے ایسی مصنوعی اشیاء کے استعمال سے روکا ہو۔ اس طرح سے انہیں دھوکہ دینے کے ساتھ ساتھ نقصان دہ بنانا بھی ہے۔ تو آپ کو ان کا شریک اور حصہ دار نہیں بننا چاہیے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (المائدہ : ٥/ ٢)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔'' (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک خاتون اپنے ساتھ والیوں کو کس طرح نصیحت کرے اور سمجھائے جو بے پردگی اور اختلاط کی مرتکب ہوں؟

جواب: ان کو نصیحت کرنی چاہیے کہ تم میری دینی بہن ہو، تمہیں نامحرم اور اجنبی مردوں میں گھلنے ملنے اور پردہ نہ کرنے سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب : ٣٣/ ٥٣)

''اور جب تم ان سے کوئی سامان وغیرہ طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔ یہ انداز تمہارے اور ان عورتوں کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہوگا۔''

اور اس کے علاوہ بھی دیگر آیات اور احادیث انہیں سناؤ اور واضح کرو کہ شریعت مطہرہ کی مخالفت کا نتیجہ بہت خطرناک ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی ان دینی بہنوں کو بتائے کہ ہم سب پر فرض ہے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچائیں، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون بنیں اور حق کی وصیت

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الايمان، كتاب قول النبى ﷺ من غشنا فليس منا، حديث : ١٠١ سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب النهى عن الغش، حديث : ٢٢٢٥ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٥٠، حديث : ٥١١٣ .

❷ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب قول النبى ﷺ من غشنا فليس منا، حديث : ١٠٢ وسنن الترمذى، كتاب البيوع، باب كراهية الغش فى البيوع، حديث : ١٣١٥ السنن الكبرى للبيهقى:٥/ ٣٢٠، حديث : ١٠٥١٤ .

ایک دوسرے کو کرتی رہیں اور اس راہ میں صبر سے بھی کام لیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کسی عزیزہ چچازاد یا خالہ زاد وغیرہ کو کسی بے دینی میں پائے تو خود اسے براہ راست دین کی دعوت دے، مثلاً وہ بے پردہ رہتی ہو یا اپنے سنگار کا اظہار کرتی ہو؟ اس کے ساتھ دوسری بہنیں بھی ہیں مگر وہ کما حقہ سمجھا نہیں سکتی ہیں یا ان میں حکمت کی کمی ہے؟

جواب: آپ کی ذمہ داری ہے کہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، مخاطب خواہ مرد ہو یا عورت۔ لیکن یہ ضرور یاد رکھیے کہ جسے آپ سمجھانے جارہے ہیں وہ آپ کی حرکات کا بھی جائزہ لے رہی ہے۔ کئی ایسے افسوسناک اور مضحکہ خیز واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں۔ مثلاً ایک نے کہا کہ یہ ڈاڑھیوں والے جب مجھ سے بات کرتے ہیں تو مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں، تو اس طرح کی صورت قطعاً جائز نہیں ہے۔ اس انداز سے وہ عورت بھی فتنے میں پڑ سکتی ہے۔ اگر آپ کوئی بات کہنا چاہتے ہیں تو خیال رکھیے گا کہ خود کسی برائی میں ملوث نہ ہو جایئے گا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ خوشبو لگائے ہوئے مسجد جا رہی تھی، تو آپ نے اس سے کہا: اے جبار کی بندی! کیا تو مسجد جا رہی ہے؟ کیا تو اللہ کی رضا چاہتی اور اسی کے لیے نکلی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، تو انہوں نے کہا: اپنے گھر واپس جا اور غسل کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے:

((لا تخرج المرأة من بيتها متعطرة فيأتي الله عزوجل منها صلاة حتى ترجع الى البيت فتغتسل .))

"جب کوئی عورت خوشبو لگا کر نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا ہے، حتیٰ کہ گھر لوٹ جائے اور غسل کرے۔"[1]

بہرحال (خیر القرون میں) عورتیں مردوں کی اور مرد عورتوں کی اصلاح کر دیتے تھے۔ لیکن اللہ کا حکم بتانے کے ساتھ ساتھ بہترین نمونہ بھی پیش کرتے تھے۔ آپ کو اجنبی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت میں ہونا جائز نہیں ہے۔ اس کی طرف تاک کر دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی کوئی غلطی کر بیٹھیں گے تو یاد رکھیں کہ برائی دور کرنا، بھلائی حاصل کرنے کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ آپ کا اس عورت کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونا آپ کے اور اس کے دین کے ضائع ہونے کا باعث ہے۔ کیونکہ آپ کی ان غلط حرکات سے اسے

[1] یہ روایت مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ شاید فضیلۃ الشیخ نے بالمعنی ذکر کر دی ہے۔ دیکھیے: سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب ما جاء فی المرأة تتطیب للخروج، حدیث: ٤١٧٤ سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب فتنة النساء، حدیث: ٤٠٠٢ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٢٤٦، حدیث: ٧٣٥٠.

فتنے میں مبتلا کریں گے اور وہ دین کے مسائل نہیں سمجھ پائے گی۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا عورت بھی تبلیغ ودعوت کی پابند ہے؟ تو وہ یہ کام کس طرح کرے؟

جواب: اس مسئلے میں عورت بھی مرد ہی کی طرح ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔ کیونکہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی نصوص اس بارے میں بالکل واضح ہیں اور اہل علم نے اس کی صراحت کی ہے۔ عورت کے بھی یہی ذمے ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں وہی آداب اختیار کرے جو مرد کے لیے ہیں۔ گھبراہٹ، بے صبری، یا لوگوں کا اسے حقیر جاننا یا برا بھلا کہنا یا مذاق اڑانا وغیرہ امور سے اسے بے دل نہیں ہونا چاہیے بلکہ تحمل اور صبر سے کام لینا چاہیے۔ پھر اسے ایک اور بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اجانب سے پردہ کرنے اور عفت و پاک دامنی میں بہترین نمونہ ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط نہ کرے۔ اپنی دعوت میں ان تمام امور کا خاص خیال رکھے۔ اگر کہیں مردوں کو کچھ کہنا ہو تو پردے سے کہے۔ عورتوں کو دعوت دینے میں حکمت سے کام لے، اور اپنے اخلاق وسیرت میں پاک صاف ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس پر اعتراض کیا جانے لگے کہ خود کیوں نہیں کرتی ہے۔ اس کا لباس ایسا ساتر ہو کہ دوسروں کے لیے فتنے کا باعث نہ ہو۔ ہر طرح کے اسباب فتنہ اور اظہار محاسن سے دور ہو۔ کلام میں قابل اعتراض لوچ نہ ہو۔ بلکہ دعوت دین ہی اس کا مطمح نظر ہو کہ اس کے اپنے دین یا اس کی شہرت کو نقصان نہ پہنچے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ دعوت وتبلیغ کا کام کرنے لگی ہوں، وسعت بھر پڑھتی ہوں اور قرآن مجید بھی یاد کرتی ہوں۔ مگر پہلے بچے چھوٹے تھے، اب بڑے ہوگئے ہیں، ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اور بیمار بھی رہنے لگی ہوں۔ دعوت کا کام جو ہو سکے کرتی ہوں۔ لیکن یہ احساس بڑی شدت سے ہے کہ میں کماحقہ علم حاصل نہیں کر رہی۔ بیٹی سولہ سال کی ہوگئی ہے اور مجھے زیادہ وقت گھر پر رہنا ہوتا ہے۔ تو اگر میں گھر ہی میں رہوں اور مطالعہ کروں اور ممکن حد تک دعوت کا کام بھی کروں تو کیا میں اس میں گناہ گار تو نہ ہوں گی کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی اور بچوں کو ترجیح دینے کی مجرم گردانی جاؤں؟

جواب: نہیں، ہرگز نہیں، آپ ان میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ بچوں کی تربیت اور ان کا خیال رکھنا ماں باپ کے لیے سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ افسوس یہ کہ ہم لوگ اس پہلو سے بہت تقصیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ ﴾

(التحریم : ٦٦/ ٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچا لو، جس کا ایندھن لوگ ہوں گے اور پتھر، اس پر بڑے ترش رو اور سخت فرشتے مقرر ہیں، اللہ جو انہیں حکم دے وہ اس کی نافرمانی

نہیں کرتے ہیں، وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت اور ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی اور ذمہ دار ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے، اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خادم اپنے مالک کے مال کا راعی اور ذمہ دار ہے، اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص راعی اور ذمہ دار ہے اور اپنی رعیت اور ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔''❶

سنن ابی داود میں جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''بچے سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو۔ (اگر نہ پڑھیں اور) دس سال کے ہو جائیں تو انہیں سزا دو اور انہیں بستروں میں الگ الگ کر دو۔''❷

الغرض عورت کے ذمے ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت میں محنت کرے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی وقت اچانک لائن میں کھڑا کر کے حاضری لگانی شروع کر دے (بلکہ یہ ایک ہمہ وقتی اور مسلسل عمل ہے)۔ کہا جاتا ہے کہ راعی اور ذمہ دار کو محتاط رہنا چاہیے کہ کہیں اپنی اولاد کی طرف سے نقصان نہ اٹھا بیٹھے۔

میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں بلکہ خود بھی اس کا محتاج ہوں۔ اگر تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ علم حاصل کریں گی اور دین میں فہم پیدا کریں گی اور دعوت کا کام بھی سرانجام دیں گی، تو یہ سب حسب استطاعت ہی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ: ٢/ ٢٨٦)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی ہمت سے زیادہ کا مکلف نہیں ٹھہراتا ہے۔'' (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میں ایک مدرسہ میں بطور نرس کام کرتی تھی۔ میں نے اپنے کام میں بعض چیزیں غیر شرعی پائیں تو ان پر انکار کیا، جس کی وجہ سے مجھے کام سے نکال دیا گیا اور پھر مجھے کئی ایک نفسیاتی الجھنوں کا شکار بھی ہونا پڑا ہے۔ اور اب میں اپنے بچوں سے کہتی ہوں کہ کسی برائی کا انکار نہ کریں۔ مجھے اس بارے میں کوئی رہنمائی دیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض واداء الدیون والحجر، باب العبد راع فی مال سیدہ، حدیث: ٢٢٧٨ وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائز، حدیث: ١٨٢٩ وسنن ابی داود، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب ما یلزم الامام من حق الراعیۃ، حدیث: ٢٩٢٨.

❷ سنن ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، حدیث: ٤٩٥ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ١٨٠، حدیث: ٦٦٨٩.

جواب: بلاشبہ آپ کے ساتھ جو ہوا اور جس نے کیا، بہت غلط کیا ہے۔ اگر آپ نے علم و بصیرت کے ساتھ اس برائی کی نشاندہی کی تھی اور تم پر انکارِ منکر واجب تھا، اور اب جبکہ انہوں نے آپ کو وہاں سے نکال دیا ہے اور اپنے آپ کو آپ سے مستغنی کر لیا ہے، گھبرانا نہیں چاہیے۔ آپ نے بہر حال اپنے رب کو راضی کیا ہے اور اپنا ایک فریضہ ادا کیا ہے۔ امور سب کے سب اللہ کے ہاتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے کہے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔''[1]

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبة: ۹/ ۷۱)

''اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔''

اگر آپ نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا جوئی میں کیا ہے تو ان شاء اللہ اس کا انجام بہت عمدہ ہوگا، اور اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، اللہ عزوجل آپ کو ان سے بے پروا کر دے گا۔ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، سب بھلائیاں اسی کے پاس ہیں، اور اسی کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاo يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُo﴾

(الطلاق: ۶۵/ ۲-۳)

''جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اس کے لیے نکلنے کی کوئی راہ بنا دے گا، اور اس جگہ سے رزق عنایت فرمائے گا جس کا اسے کوئی خیال و گمان بھی نہ ہوگا۔''

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنكر من الایمان، حدیث: ۴۹ سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب الخطبة یوم العید، حدیث: ۱۱۴۰ وسنن الترمذی، کتاب الفتن، باب تغییر المنکر بالید أو باللسان أو بالقلب، حدیث: ۲۱۷۲.

اور مزید فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق: ٦٥/ ٤)

''جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اس کا کام آسان بنا دے گا۔''

ایک صاحب ایمان خاتون کو، خواہ وہ معلّمہ ہو یا نرس یا ڈاکٹر یا پرنسپل وغیرہ، تو چاہیے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ اور سب پر لازم ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والے بن جائیں۔ جیسے یہ مردوں پر واجب ہے، عورتوں پر بھی واجب ہے، جیسے کہ اوپر کی آیات واحادیث میں ذکر ہوا ہے۔

اور آپ نے جو اپنے بچوں سے یہ کہا ہے کہ تم کسی کو اس کی برائی سے نہ روکو، یہ آپ کی غلطی ہے۔ اللہ سے ڈریں، اس سے توبہ کریں اور انہیں اسی بات کی تلقین کریں جو اللہ نے ان پر واجب اور لازم ٹھہرائی ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں ایک نوجوان لڑکی ہوں، مجھے غیبت اور چغل خوری سے بڑی نفرت ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مجلس میں لوگ دوسروں کی برائی شروع کر دیتے ہیں، اور مجھے ان کا یہ عمل بہت برا لگتا ہے، لیکن مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہوتی ہے کہ انہیں اس سے روک سکوں، اور مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملتی کہ ان سے دور ہو جاؤں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ میری بھرپور خواہش ہوتی ہے کہ یہ لوگ کوئی اور بات شروع کریں۔ کیا اگر میں ان کے ساتھ بیٹھی رہوں تو مجھ پر گناہ ہوگا؟ اور پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ عزوجل آپ کو ایسے اعمال کی توفیق دے جن میں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہے۔

جواب: آپ اس صورت میں گناہ گار ہیں، سوائے اس کے کہ انہیں برائی سے روکیں۔ اگر وہ مان جائیں تو بہتر، والحمدللہ، ورنہ آپ پر لازم ہے کہ ان سے علیحدہ ہو جائیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

(الانعام: ٦/ ٦٨)

''اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو کہ ہماری آیتوں کو کریدتے ہیں تو ان کے پاس سے سرک جا، یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان (یہ نصیحت) بھلوا دے تو یاد آنے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔''

اور فرمایا:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ (النساء: ٤/ ١٤٠)

’’اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں تم پر یہ اتار چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات سے کفر اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، ورنہ تم بھی ان ہی کی طرح ہو گے۔‘‘

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

’’جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔‘‘ [1]

علاوہ ازیں بھی اس معنی کی آیات واحادیث بہت زیادہ ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں ایک طالبہ ہوں اور دوسری طالبات کے ساتھ ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ اللہ نے مجھے ہدایت دی ہے اور بحمداللہ دینی تعلیمات کی پابند ہوں۔ مگر جب اپنے ماحول میں، بالخصوص اپنی ساتھی طالبات میں برائیاں دیکھتی ہوں تو بہت پریشان اور تنگ دل ہو جاتی ہوں۔ مثلاً گانے سننا اور ایک دوسرے کی غیبت اور چغلی کھانا۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا ہے مگر کئی تو میرا مذاق اڑاتی ہیں، اور کئی کہتی ہیں کہ یہ نفسیاتی مریض ہے۔ جناب شیخ! براہ مہربانی میری رہنمائی فرمایے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: آپ کی ذمہ داری ہے کہ جہاں تک ہو سکے، نرمی، عمدہ اخلاق اور بھلے انداز میں ان برائیوں کی نشاندہی کریں اور اس سے انہیں باز رہنے کی تلقین کرتی رہیں، اور اپنے علم کے مطابق اس بارے میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پیش کریں، اور ان کے غلط اور حرام اعمال (گانے سننا، غیبت کرنا وغیرہ) میں ان کے ساتھ مت بیٹھیں، اور جہاں تک ہو سکے ان سے دور رہیں، حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں، جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾

(الانعام: ٦/ ٦٨)

’’اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو کہ ہماری آیتوں کو کریدتے ہیں، تو ان کے پاس سے سرک جا، یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں لگ جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان (یہ نصیحت) بھلوا دے تو یاد آنے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔‘‘

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان، حدیث: ٤٩ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب الخطبة یوم العید، حدیث: ١١٤٠ وسنن الترمذی، کتاب الفتن، باب تغییر المنکر بالید أو باللسان أو بالقلب، حدیث: ٢١٧٢.

اور جب آپ انہیں اپنی طاقت و ہمت کے مطابق زبانی نصیحت کریں گی اور ان کے عمل سے علیحدہ اور دور رہیں گی تو پھر ان کا فعل آپ کو کوئی نقصان نہ دے گا اور نہ ان کی طعنہ زنی آپ کے لیے کوئی مضر ہو گی، جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدۃ: ٥/ ١٠٥)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ جب تم خود ہدایت پر ہوئے تو گمراہ لوگ تمہیں کوئی ضرر نہیں دے سکیں گے۔ تم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے، تو جو تم عمل کر رہے ہو وہ تمہیں (اس کا بدلہ دے کر) بتا دے گا۔''

اللہ عزوجل نے واضح فرمایا ہے کہ صاحب ایمان جب حق کا التزام کرے اور ہدایت پر مستقیم رہے تو گمراہ لوگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور یہ (التزام واستقامت) تبھی ہے جب بندہ برائی سے منع کرے اور خود حق پر ثابت قدم رہے اور بھلے انداز میں حق کی دعوت دے۔ اور بہت جلد ہے کہ وہ آپ کے لیے ان مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور آپ کی دعوت کے نتیجے میں انہیں بھی فائدہ دے گا، بشرطیکہ آپ اس حق پر صبر و ثبات سے کام لیں اور اس برائی کا انکار کرتی رہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (ھود: ١١/ ٤٩)

''بہترین انجام تقویٰ والوں ہی کے لیے ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾

(العنکبوت: ٢٩/ ٦٩)

''اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں، انہیں اپنے (قرب کی) راہیں دکھاتے ہیں، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی کے اعمال کی توفیق دے، صبر و ثبات سے بہرہ ور فرمائے اور آپ سب گھر والوں، بھائیوں اور آپ کی سہیلیوں سب کو اپنے پسندیدہ اور رضامندی کے اعمال کی توفیق دے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور اپنے بندوں سے قریب ہے اور وہی سیدھی راہ پر چلانے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک خاتون کا سوال ہے کہ مجھے ریا کاری سے بہت خوف آتا ہے اور اسی وجہ سے میں کچھ لوگوں کو بعض برائیوں سے روک نہیں سکتی ہوں، مثلاً غیبت اور چغلی وغیرہ سے کہ وہ مجھے ریا کار سمجھیں گے۔ اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ لوگ پڑھے لکھے ہیں، انہیں سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس بارے میں آپ مجھے کیا

رہنمائی دیتے ہیں؟

جواب: یہ شیطانی وسوسے ہیں، ان کے ذریعے سے وہ لوگوں کو دعوت وتبلیغ کے عمل سے روکتا ہے۔ وہ انہیں وہم میں مبتلا کرتا ہے کہ یہ ریا کاری ہے یا لوگ اسے ریا کار کہیں گے۔ تو اے میری بہن! آپ کو اس طرف توجہ نہیں دینی چاہیے بلکہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بھائی بہنوں کو جس کسی کی کوتاہی یا حرام کے وہ مرتکب ہوں، انہیں نصیحت کرتی رہا کریں جیسے کہ غیبت ہے، یا چغل خوری، یا لڑکیوں کا بے پردہ رہنا وغیرہ۔ ریا وغیرہ کا کوئی اندیشہ نہ کریں بلکہ اللہ کے لیے صدق و اخلاص سے یہ کام کرتی رہا کریں۔ اللہ عزوجل آپ کے دل، عمل اور اخلاق سے خوب آگاہ ہے کہ آپ لوگوں کو خیر کی بات کہنا چاہتی ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ریا اور دکھلاوا شرک ہے، جس کا مرتکب ہونا کسی صورت جائز نہیں۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ کوئی صاحب ایمان مرد یا عورت اللہ کا فریضۂ دعوت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ریا کے خوف سے چھوڑ دے۔

آپ کو بہرحال اس سے متنبہ رہنا چاہیے اور مردوں اور عورتوں میں یہ فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ اور اس مسئلہ میں مرد اور عورت دونوں کی ذمہ داری برابر کی ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبة: ۹/ ۷۱)

''ایمان دار مرد اور ایمان عورتیں یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، یہ سب نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے ہوتے ہیں۔'' (عبدالعزیز بن باز)

سوال: شوہر نماز باجماعت کے مسئلہ میں غافل ہو اور بیوی اسے نصیحت کرے، یا اس پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرے، تو وہ گناہ گار ہوگی؟ کیونکہ شوہر کا حق بہرحال فائق ہے؟

جواب: شوہر اگر کسی حرام کام کا مرتکب ہوتا ہو، مثلاً نماز باجماعت میں غافل ہو، نشہ کرتا ہو، یا راتوں کو (بے مقصد) جاگتا رہتا ہو تو عورت اسے نصیحت کرے تو اس پر قطعاً کوئی گناہ نہیں، بلکہ اجر کی مستحق ہوگی اور چاہیے کہ یہ نصیحت اچھے انداز میں نرمی سے ہو، تبھی امید ہے کہ یہ قبول کی جائے گی اور اس کا فائدہ ہوگا۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کسی کو غیبت اور چغل خوری سے منع کریں، اور وہ بدلے میں برا بھلا کہنے لگے اور گالیاں دے، تو یہ کیسا ہے؟ کیا اس کے غصے کا ہمیں کوئی گناہ ہوگا؟ اگر یہ صورت والدین کے ساتھ ہو تو؟ کیا ہم انہیں اس سے منع کریں یا چھوڑ دیں کہ ہمیں ان سے کیا؟ ہماری رہنمائی فرمائیں، اللہ آپ کا بھلا کرے۔

جواب: مسلمان کے ذمے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبة : ۹/ ۷۱)

''ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے اور زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں، امید ہے کہ اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اور اللہ عزوجل نے اس امت کی خاص صفت یہی بیان کی ہے کہ یہ لوگ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکتے ہیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۳/ ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے کہے، اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''[1]

علاوہ ازیں بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کی گئی ہے اور جو لوگ اس بارے میں غفلت کریں ان کی مذمت ہے۔

تو آپ عورتوں پر واجب ہے، بلکہ ہر صاحب ایمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، خواہ مقابل میں ناراضی کا اظہار ہی کرے یا گالی گلوچ ہی کرے، تو اس پر اسوۂ رسول کے مطابق صبر کرنا چاہیے۔ فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف : ۴۶/ ۳۵)

''تو صبر کیجیے جیسے کہ باہمت رسولوں نے صبر کیا تھا۔''

اور فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنكر من الایمان، حدیث : ۴۹ سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب الخطبة یوم العید، حدیث : ۱۱۴۰ وسنن الترمذی، کتاب الفتن، باب تغییر المنكر بالید أو باللسان أو بالقلب، حدیث : ۲۱۷۲.

﴿وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال : ۸/ ٤٦)

''اور صبر سے کام لو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔''

اللہ عزوجل نے جناب لقمان حکیم کی نصیحت بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند سے کہا تھا:

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (لقمان : ۳۱/ ۱۷)

''اے میرے بیٹے! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دیا کر اور برائی سے روک، اور (اس راہ میں) جو تکلیف آئے اس پر صبر سے کام لے، بلاشبہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرے کا خیر و صلاح پر مستقیم رہنا اولاً اللہ عزوجل کی طرف سے ہوتا ہے اور پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے۔ اور اس میں شر و فساد اور مختلف قسم کی خرابیاں اور سزائیں اس سبب سے ہوتی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملے میں غفلت ہوتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إن الناس إذا رأوا المنكر فلم يغيروه، أو شك أن يعمهم الله بعقابه .))

''اگر لوگ برائی کو دیکھیں اور پھر اس کے ازالے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب لوگوں کو اپنی سزا کی لپیٹ میں لے لے۔''[1]

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو بنی اسرائیل کے چلن سے متنبہ کیا اور ڈرایا ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ٥ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ٥﴾ (المائدہ : ۵/ ۷۸۔۷۹)

''بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ کی زبان سے پھٹکار پڑ چکی ہے، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے، بڑی بات کر بیٹھتے تو اس سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے۔ بے شک وہ برا کام کرتے تھے۔''

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کو، حکام ہوں یا رعایا، سب ہی کو یہ فریضہ بہترین انداز میں ادا کرنے کی توفیق دے اور ان کے تمام احوال کی اصلاح فرمائے اور ہم سب کو اس کے غضب و انتقام کے اسباب سے محفوظ رکھے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں بہت سے لوگوں کو دیکھتی ہوں کہ وہ میرے سامنے اور پھر دوسروں کے سامنے دو رنگی باتیں کرتے

[1] مسند احمد بن حنبل : ۱/ ۲، حدیث : ۱، صحیح ابن حبان: ۱/ ٥٤٠، حدیث : ۳۰۵ ومسند ابی یعلی : ۱/ ۱۱۹، حدیث : ۱۳۱.

ہیں، تو کیا میں اس پر خاموش رہوں یا انہیں متنبہ کروں؟

جواب: کسی بھی مسلمان کے لیے دورنگی باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے:

((تجدون شر الناس ذا الوجهين الذين يأتي هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه .)) [1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کسی کی اس کے منہ پر بڑی تعریف کرے اور مقصد اس سے کوئی دنیاوی ہی ہوتا ہے، پھر پیٹھ پیچھے دوسروں کے سامنے اس کی مذمت کرتا اور عیب چینی کرتا ہے، بلکہ ہر وہ آدمی جس کے ساتھ اس کی مناسبت نہیں ہوتی اس کا طرز عمل یہی ہوتا ہے۔تو جس آدمی کو کسی کے متعلق علم ہو کہ وہ اس دورنگی کا مرتکب ہوتا ہے تو چاہیے کہ اسے نصیحت کرے اور اس برے فعل سے متنبہ کرے کہ یہ منافقوں کا کام ہے۔ اور اسے یقین ہونا چاہیے کہ لوگ جلد یا بدیر اس کی اس بدخصلت کو پہچان جائیں گے، اور پھر اس کو بہت برا سمجھنے لگیں گے اور پھر اس کی مجلس اور صحبت سے گریز کرنے لگیں گے، تب اسے اپنے مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔ اور اگر یہ اس نصیحت سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس سے اور اس کے فعل سے متنبہ رہنا چاہیے، خواہ اس کے متعلق لوگوں کو بتانا پڑے (اور یہ غیبت جائز ہوگی)۔بعض روایات میں آیا ہے:

((اذكروا الفاسق بما فيه كي يحذره الناس .))

"فاسق کی بدعادت کا ذکر کرو، تاکہ لوگ اس سے متنبہ رہیں۔" (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: میں دیکھتی ہوں کہ میری والدہ محترمہ کا عمل درست نہیں ہے۔ میں انہیں سمجھاتی ہوں تو وہ مجھ سے ناراض ہوجاتی ہیں اور پھر کئی کئی دن گزر جاتے ہیں کہ وہ مجھ سے بات نہیں کرتی ہیں۔ مجھے ان کو نصیحت کرنے میں کیا اسلوب اختیار کرنا چاہیے کہ ان کی ناراضی کا بھی سامنا نہ کرنا پڑے اور اللہ بھی ناراض نہ ہو کہ وہ مجھے مسلسل بد دعائیں دینے لگتی ہیں۔ یا پھر میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دوں تاکہ مجھے ان کی رضامندی حاصل رہے اور اللہ عزوجل کی رضامندی بھی؟

جواب: آپ کو چاہیے کہ اپنی والدہ کو خیرخواہی کی بات کرتی رہیں اور واضح کریں کہ یہ عمل گناہ اور سزا کا باعث ہے۔ اگر وہ اس سے متاثر نہ ہو تو پھر اس کے شوہر یا والد یا کسی اور ولی سے کہیں جو اس کو سمجھائے۔ اور پھر اگر اس کا یہ عمل کوئی کبیرہ گناہ ہو تو آپ اس سے مقاطعہ کرلیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی بد دعائیں یا الزام مقاطعہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، بشرطیکہ آپ نے یہ سب برائی کے اظہار اور اللہ کے لیے غیرت سے کیا ہو۔ اور اگر یہ عمل صغیرہ گناہ ہو تو مقاطعہ جائز نہیں ہے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

---

[1] صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب قول الله تعالىٰ يا يها الناس أنا خلقناكم من ذكر وانثى، حديث : ٣٣٠٤ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب خيار الناس، حديث : ٢٥٢٦ مسند اسحاق بن راهويه: ١/ ٢٢٦، حديث : ١٨٣ .

سوال: میری کچھ ہمسائیاں ہیں جو غیر مسلم ہیں، مجھے ان کے بعض اعمال پر اعتراض بھی ہے تو ہمارا آپس میں ایک دوسرے کے پاس آنا جانا کیسا ہے؟

جواب: اس صفت میں آپ کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا اگر اصلاح و خیر خواہی اور تعاون علی البر اور تقویٰ کی نیت ہے تو بہت اچھا عمل ہے۔ اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

((یقول اللہ عزوجل وجبت محبتی للمتحابین فی والمتزاورین فی والمتجالسین فی والمبتاذلین فی .))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واجب ہوگئی ہے میری محبت ان لوگوں کے لیے جو میری خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں، اور میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔'' ❶

اور ایک فرمان یوں ہے کہ:

''سات قسم کے افراد ہوں گے کہ اللہ عزوجل انہیں اس دن اپنا سایہ عنایت فرمائے گا جب اس کے سائے کے علاوہ کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا۔'' ❷

یہاں الفاظ اگرچہ ''آدمیوں اور مردوں'' کے ہیں مگر یہ بطور مثال کے ہے۔ اس کا حکم خواتین کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان عورت کی زیارت کسی مسلمان عورت سے یا عیسائی وغیرہ عورت سے ہو اور اس نیت سے ہو کہ اسے اللہ کے دین کی دعوت دینی ہے، تو یہ بہترین عمل ہے۔ اگر کوئی خاتون دوسری سے ملتی ہے اور اسے بے حجابی یا دیگر گناہوں سے روکتی ہے یا جن امور میں وہ کاہل اور سست ہو تو یہ قابل قدر عمل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں آتا ہے: ((الدین النصیحة .)) ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' ❸ اگر وہ یہ قبول کرے تو الحمد للہ، اور اگر قبول نہ کرے تو پھر یہ میل ملاقات چھوڑ دے۔

لیکن اگر میل ملاقات اور باہمی آنے جانے کا مقصد ہی دنیا داری، لہو و لعب اور بے مقصد باتیں اور کھانا پینا ہو تو کافر عورتوں کے ہاں اس طرح سے جانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح سے اس مسلمان کے دین

❶ موطا امام مالک (بروایة یحییٰ اللیثی):۲/ ۹۵۳، حدیث: ۱۷۱۱ مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۲۳۳، حدیث: ۲۲۰۸۳ وصحیح ابن حبان:۲/ ۳۳۵، حدیث: ۵۷۵ تمام روایات میں 'المتجالسین' 'المتزاورین فی' سے پہلے ہے۔ (عاصم)

❷ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقة بالیمین، حدیث: ۱۳۵۷ وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل اخفاء الصدقة، حدیث: ۱۰۳۱ وسنن الترمذی، کتاب الزھد، باب الحب فی اللہ، حدیث: ۲۳۹۱ وسنن النسائی، کتاب آداب القضاۃ، باب الامام العادل، حدیث: ۵۳۸۰ .

❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحة، حدیث: ۵۵ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی النصیحة، حدیث: ٤٩٤٤ سنن النسائی، کتاب البیعة، باب النصیحة للامام، حدیث: ٤١٩٧ .

و اخلاق پر برا اثر پڑے گا۔ کیونکہ کفار ہمارے دشمن ہیں، ہم سے بغض رکھتے ہیں تو ہمیں قطعاً روا نہیں ہے کہ انہیں اپنے جگری دوست بنائیں، سوائے اس کے کہ دعوت دین، ترغیب خیر اور تحذیر شر کی نیت سے ہو تو یہ ایک اہم کام ہے، جیسے کہ اوپر ذکر ہوا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ (الممتحنة: ٦٠/ ٤)

"(اے مسلمانو!) تمہارے لیے ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ اور اچھی پیروی ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک کہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی ہے۔"

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: وہ نغمے جو دف پر گائے جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: آج کل کے معروف نغموں کا نام بدل دیا گیا ہے اور لوگ انہیں اسلامی نغمے یا اسلامی ترانے کہنے لگے ہیں۔ اسلام میں دینی یا اسلامی نغموں کا کوئی تصور نہیں ہے، البتہ اسلامی اشعار کا بیان ضرور ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بھی ہے کہ: ((إن من الشعر لحكمة .)) "بعض شعر حکمت بھرے ہوتے ہیں۔"[1]

اور اگر ہم ان اشعار کو نغمے ترانے یا اسلامی نغمے اور ترانے کہنے لگیں تو سلف صالح میں یہ چیز نہیں ہے البتہ کچھ اشعار ضرور ہیں جو بڑے لطیف معانی کے حامل ہوں تو ان کا پڑھنا گانا جائز ہے، خواہ انفرادی طور پر پڑھے جائیں یا اجتماعی طور پر جیسے کہ شادیوں میں ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق آتا ہے کہ وہ انصاریوں کی ایک شادی سے واپس آئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا:

((هل غنيتم لهم ، فإن الانصار يحبون الغناء .))

"کیا تم نے ان کے لیے کچھ گایا بھی تھا؟ انصاریوں کو تو گانا بہت پسند آتا ہے۔"

انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم کیا کہتے؟ فرمایا: مثلاً یوں:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یجوز من الشعر والرجز، حدیث: ٥٧٩٣ وسنن ابی داود، کتاب الادب، باب ما جاء فی الشعر، حدیث: ٥٠١٠ وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب ان من الشعر حکمة، حدیث: ٢٨٤٤ وسنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب الشعر، حدیث: ٣٧٥٥.

أتيناكم أتيناكم فحيونا نحييكم
ولولا الحبة السمراء لم تسمن عذاريكم

''ہم تمہارے ہاں آئے ہیں، تمہارے ہاں آئے ہیں، تم ہمارا اکرام کرو، ہم تمہارا اکرام کریں۔ اگر یہ سمراء گندم کے دانے نہ ہوتے تو تمہاری دوشیزائیں فربہ اندام نہ ہوتیں۔''❶

تو یہ شعر ہے، مگر اسے دینی شعر نہیں کہہ سکتے بلکہ ایسے شعر ہیں جن میں ایک مباح کلام ہے، جس سے راحت نفس مطلوب ہے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: ایک خاتون کا سوال ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے تین بچے ہیں۔ بعض اوقات ہمسایوں کی طرف سے گانوں اور موسیقی کی آواز آتی ہے تو میں بچوں کو بعض اسلامی کیسٹیں لگا دیتی ہوں جن میں دف بجائی گئی ہے اور بڑے با مقصد نغمے پڑھے گئے ہیں مثلاً جہاد کی ترغیب وتشویق ہے اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرنے کا پیغام ہے وغیرہ، تو کیا کیسٹیں جن میں دف بجائی گئی ہے، حرام ہیں؟

جواب: مردوں کے لیے دف بجانا بالاجماع حرام ہے۔ حافظ ابن حجر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ دف صرف عورتوں کے لیے حلال ہے۔ اور اس کی دلیل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے:

((لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال .))

''اللہ کی لعنت ہے ایسے مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔''❷

سو دف صرف عورتوں کے لیے ہے۔ اور جو مرد اسے بجاتے ہیں وہ مخنث اور ہیجڑے ہیں، انہیں اس کا بجانا جائز نہیں ہے۔ لیکن لوگ ہیں کہ وہ شریعت کی بعض جزئیات کو اپنی غفلت سے عام بنا لیتے ہیں۔

اور مسجد اقصیٰ کی آزادی کے لیے حرام وسائل کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی کیسٹوں کا خریدنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں 'تعاون علی الاثم والعدوان' ہے۔ یہ فتویٰ خاص مردوں کے دف بجانے سے متعلق ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

---

❶ یہ الفاظ دو مختلف روایات کے ہیں۔ پہلا حصہ الگ اور اشعار الگ روایت میں ہیں۔ دیکھیے: المعجم الاوسط للطبرانی: ٥/ ٣٥١، حدیث: ٥٥٢٧، ایضا: ٣/ ٣١٥، حدیث: ٣٢٥٦.

❷ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، حدیث: ٥٥٤٥ وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب المتشبهات بالرجال من النساء، حدیث: ٢٧٨٤ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب فی المخنثین، حدیث: ١٩٠٤ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٣٣٩، حدیث: ٣١٥١، المعجم الکبیر: ١١/ ٢٥٢، حدیث: ١١٦٤٧ فتویٰ میں مذکور الفاظ مسند احمد اور معجم الکبیر کے ہیں۔ باقی روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔''

سوال: کیا اسلام نے ہم مسلمانوں کو کافروں، یورپیوں وغیرہ کی عادات اپنانے کی اجازت دی ہے؟ اور کیا لباس یا دیگر تقریبات وغیرہ میں ان کی تقلید کرنا جائز ہے؟ اور کیا دولھے کے لیے جائز ہے کہ وہ غیر محرم عورتوں میں آ بیٹھے اور فوٹو گرافر بھی اس کے ساتھ ہو، خواہ وہ عربی ہو یا غیر عربی؟ جبکہ اس دولھے کا یا فوٹو گرافر کا ان عورتوں کے ساتھ محرم ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

جواب: تمام مسلمان مردوں عورتوں پر واجب ہے کہ اسلامی اخلاق و عادات کی پابندی کریں۔ اپنی غمی، خوشی، لباس، طعام وغیرہ ہر طرح کے امور میں اسلامی عادات اختیار کریں۔ لباس میں کفار کی مشابہت کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے کہ ایسا تنگ اور چست لباس پہنیں جس سے اعضائے جسم کی تحدید ہوتی ہو، یا ایسے باریک اور شفاف کپڑے پہنیں جو جسم کو چھپاتے نہ ہوں بلکہ رنگت وغیرہ کی جھلک دیتے ہوں، یا ایسے مختصر لباس پہننا جو سینہ، بازو گردن، سر اور چہرہ وغیرہ نہ چھپائے، یا کھانے پینے کے انداز میں ان کی نقالی کرنا جیسے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے ہیں، یا مرد عورتیں گھل مل کر کھاتے ہیں، اور غیر محرم عورتوں کے ساتھ کھانے پینے کی چیزوں میں تبادلہ کرتے ہیں، یا آپس میں ہنسی مذاق اور کھیل کود وغیرہ کرتے، یہ اعمال قطعاً جائز نہیں ہیں۔

یا خوشی کی تقریبات میں مثلاً آدمی اپنی دلھن کے پاس جاتا ہے اور اس کے ساتھ فوٹو گرافر بھی ہوتا ہے جبکہ اس دلھن کے پاس محرم اور غیر محرم سب طرح کی عورتیں بھی ہوتی ہیں، اور پھر وہ ان کی تصویریں لیتا ہے اور طرح طرح کے انداز سے لیتا ہے، تو ان تصویروں میں بالخصوص جو روح والی اشیاء کی ہوتی ہیں، یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ پھر یہ تصویریں غیر لوگوں کو دکھائی جاتی ہیں، اس طرح وہ اس کی باطنی زینت سے مطلع ہوتے ہیں، مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے جبکہ شریعت نے ان سب امور سے منع کیا ہے اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو کفار کی مشابہت سے منع کیا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے، وہ مرد ہوں یا عورتیں، کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کی راہ مستقیم پر چلیں۔ بلاشبہ اس عمل کے بغیر جس کی رسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے، کہیں اور خیر نہیں، اور اس چیز سے بڑھ کر جس سے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا ہے اور کوئی شر نہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ہمیں کافروں کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ تو ہمارے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ کفار کی عادات اپنائیں یا ان کی تقلید کریں، ورنہ زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔ (عبدالعزیز بن باز)

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت

سوال: جب ماں کسی معصیت اور نافرمانی کا حکم دیتی ہو، مثلاً پردہ کرنے سے روکے، بے حجاب ہونے کا حکم دے اور پردے کو احمقانہ فعل قرار دے اور کہے کہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے، اور عام مخلوط اجتماعات میں جانے کا

حکم دے اور ایسا لباس پہننے کا کہے جس میں حرام کا ارتکاب ہوتا ہو وغیرہ، تو ان حالات میں والدہ کی اطاعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے، خواہ وہ باپ ہو یا ماں یا کوئی اور۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((إنما الطاعة فی المعروف .)) ''طاعت صرف معروف اور نیکی کے کام میں ہے۔'' [1]
اور فرمایا: ((لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق .)) ''خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔'' [2]

اور سائلہ نے جو امور گنوائے ہیں یہ سب اللہ کی نافرمانی کے کام ہیں، ان میں والدہ کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ان سب کے لیے ہدایت کی اور شیطان کی اطاعت سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: میں اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے اعمال کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور شرعی پردے کی پابندی کرتی ہوں۔ مگر میری والدہ، اللہ اسے معاف فرمائے، کو میرے اس پردے پر اعتراض ہے۔ وہ مجھے سینما اور ویڈیو وغیرہ دیکھنے کا بھی کہتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر تم یہ چیزیں نہیں دیکھو گی اور ان میں اپنا دل نہیں لگاؤ گی تو بہت جلد بوڑھی ہو جاؤ گی، تمہارے بال سفید ہو جائیں گے وغیرہ......؟

جواب: آپ کو چاہیے کہ والدہ کے ساتھ نرم روی اور احسان کا معاملہ کریں اور بہترین انداز میں بات چیت کریں، کیونکہ والدہ کا حق بہت بڑا ہے۔ مگر غیر معروف (یعنی نافرمانی کے) کاموں میں اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ((إنما الطاعة فی المعروف .)) ''طاعت صرف معروف اور نیکی کے کاموں میں ہے۔'' [3] اور فرمایا: ((لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق .)) ''خالق تعالیٰ کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التمنی، باب ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلاة والصوم، حدیث: ٦٨٣٠ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصية...... ، حدیث: ١٨٤٠ وسنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی الطاعة، حدیث: ٢٦٢٥ .

[2] مسند احمد بن حنبل: ١/ ١٣١، حدیث: ١٠٩٥ (اس روایت میں خالق کی جگہ لفظ 'الله' ہے) المعجم الکبیر للطبرانی: ١٨/ ١٧٠، حدیث: ٣٨١ ومصنف ابن ابی شیبة: ٦/ ٥٤٥، حدیث: ٣٣٧١٧۔ فتویٰ میں مذکور الفاظ معجم الکبیر اور مصنف کے ہیں۔

[3] صحیح بخاری، کتاب التمنی، باب ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلاة والصوم، حدیث: ٦٨٣٠ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصية...... ، حدیث: ١٨٤٠ وسنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی الطاعة، حدیث: ٢٦٢٥ .

نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''[1]

اور یہی حکم والد اور شوہر وغیرہ کا ہے کہ مذکورہ احادیث کی روشنی میں رب کی نافرمانی کے احکام میں ان کی اطاعت نہیں ہے۔

مگر بیوی اور بچوں وغیرہ کو چاہیے کہ ان مشکلات کے حل میں نرمی اور حسن کلام سے کام لیں، ان کے سامنے شرعی دلائل رکھیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت فرض ہونے کی وضاحت کریں، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے ڈرائیں اور خود حق پر ثابت قدم رہیں، اور ان امور میں اپنے شوہر یا ماں باپ کی کوئی بات تسلیم نہ کریں۔ اور ٹیلی ویژن اور ویڈیو میں اگر کوئی مفید قسم کے درس ہوں یا کوئی تعلیمی پروگرام ہو تو اس کے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر برے اور غلط پروگرام نہ دیکھے جائیں۔ اور اسی طرح سینما بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں کئی قسم کی برائیاں ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا ملک سے باہر سفر کرنے کی صورت میں میرے لیے جائز ہے کہ چہرہ ننگا کر لوں اور حجاب اتار دوں؟ کیونکہ ہم اپنے ملک اور اپنے جاننے والوں سے بہت دور ہو چکے ہوتے ہیں اور کوئی ہمیں پہچانتا نہیں ہوتا۔ میری والدہ کئی غلط کام کر جاتی ہیں اور میرے والد سے بھی کہتی ہیں کہ وہ مجھے پردہ اتارنے پر مجبور کرے۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب میں اپنا چہرہ چھپاتی ہوں تو لوگوں کی نظروں کا اور زیادہ نشانہ بن جاتی ہوں۔

جواب: آپ کو یا دوسری عورتوں کے لیے کافروں کے ملکوں میں بے پردہ ہونا جائز نہیں، جیسے کہ اپنے مسلمان ملکوں میں جائز نہیں ہے، بلکہ اجنبی اور غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا واجب ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، بلکہ غیر مسلموں سے اور بھی زیادہ ہونا چاہیے، کیونکہ ان میں کوئی ایمان نہیں ہوتا کہ وہ حرام سے بچیں۔ اور آپ کو اور اسی طرح دوسروں کو بھی اللہ و رسول کے حرام کردہ امور میں والدین وغیرہ کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

''اور جب تم ان عورتوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو، یہ انداز تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے زیادہ لائق ہے۔''

اس آیت میں یہی فرمایا ہے کہ عورتیں غیر محرم مردوں سے پردہ کریں، اس میں سب کے دلوں کی پاکیزگی

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۱۳۱، حدیث: ۱۰۹۵ (اس روایت میں خالق کی جگہ لفظ 'اللہ' ہے) المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۸/ ۱۷۰، حدیث: ۳۸۱ ومصنف ابن ابی شیبۃ: ۶/ ۵۴۵، حدیث: ۳۳۷۱۷ فتویٰ میں مذکور الفاظ معجم الکبیر اور مصنف کے ہیں۔

ہے۔ اور سورۃ النور میں فرمایا:

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ (النور: ٢٤/ ٣١)

''اور مؤمن عورتوں سے کہیے کہ اپنی نظریں جھکا کے رکھا کریں اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں۔''

آگے فرمایا:

﴿....وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ....﴾ (النور: ٢٤/ ٣١)

''اور اپنی زینت اور سنگار کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہو، اور چاہیے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے دامنوں پر اوڑھے رہیں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا باپوں کے یا شوہروں کے باپوں کے......''

اور چہرہ تو زینت میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے! (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہم لوگ دیہات میں رہتے ہیں اور ہمارے ہاں کچھ غلط سی رسمیں ہیں، مثلاً گھر میں جب کوئی مہمان آتا ہے تو گھر کے سب لوگ مرد عورتیں اس سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ اگر میں یہ نہ کروں تو سب مجھے نشانہ بنا لیتے ہیں کہ یہ تو کوئی الگ ہی شے ہے۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسلمان پر فرض ہے کہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرے کہ جن چیزوں کا اس نے حکم دیا ہے انہیں بجا لائے اور جن سے اس نے روکا ہے، ان سے باز رہے۔ اس کی پابندی کرنے والا کوئی منفرد اور الگ فرد نہیں ہو سکتا، بلکہ منفرد اور الگ تو وہ ہے جو اللہ کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور مذکورہ بالا عادت اور رواج ایک غلط رواج ہے۔ عورت کا غیر محرم مرد سے مصافحہ کرنا اور ہاتھ ملانا حرام ہے خواہ کپڑا لپیٹ کر ملائے یا اس کے بغیر۔ کیونکہ یہ لمس ہے اور فتنے کا باعث ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی وعید آئی ہے۔ ان کی سند میں اگرچہ کچھ کمزوری ہے مگر معنی صحیح ہیں واللہ اعلم۔

اور سائلہ سے میں یہی کہوں گا کہ گھر والوں کے طعن کی کوئی پروا نہ کرے، بلکہ چاہیے کہ آپ انہیں نصیحت کریں کہ یہ عادت بد چھوڑ دیں اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی کے اعمال اپنائیں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر ماہانہ ایام کا اخیر ہو اور شوہر بلائے تو کیا بیوی اس کی موافقت کرے یا نہ؟

جواب: یہ سوال دلیل ہے کہ خاتون آگاہ ہے کہ جب عورت اپنے ایام ماہانہ میں ہو تو شوہر کو اس کے ساتھ مباشرت جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ

حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۲)

"لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ یہ گندگی ہے، حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان کے قریب نہ جاؤ۔ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ، جہاں سے کہ آپ اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اور علماء کا اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ شوہر کے لیے ان ایام مخصوصہ میں مجامعت کرنا حرام ہے اور بیوی پر بھی واجب ہے کہ وہ اسے منع کرے اور اس کی مخالفت کرے اور اس کی طلب کی موافقت نہ کرے، کیونکہ یہ حرام ہے اور خالق تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی بات نہیں مانی جاسکتی۔

تاہم اس کیفیت میں جماع کے بغیر، فرج کے علاوہ میں تمتع وتلذذ میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر انزال ہو جائے، کسی ایک کو ہو یا دونوں کو تو غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں، کیونکہ وجوب غسل کے دو سبب ہیں: ایک انزال خواہ کسی سبب سے ہو، دوسرا دخول سے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: مجھے میرے والد نے وصیت کی تھی کہ میں ہر سال پندرہ شعبان کو صدقہ کیا کروں، میں پہلے تو کرتی رہی ہوں، بعد میں مجھے کسی نے اس پر ٹوکا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ براہ مہربانی اس بارے میں وضاحت فرمائیں؟

جواب: اس صدقہ کے لیے ہر سال پندرہ شعبان کی تاریخ معین کر لینا بدعت ہے اور جائز نہیں ہے، خواہ آپ کے والد نے اس کی وصیت ہی کی ہے۔ آپ یہ صدقہ کریں مگر یہ تاریخ معین اور خاص نہ کریں، بلکہ کسی اور مہینے اور تاریخ میں کر لیں اور افضل رمضان المبارک ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: میری ایک سہیلی نے مجھے بتایا ہے کہ میرا شوہر مجھے اپنے ایک عزیز سے پردہ نہ کرنے کا کہتا ہے، اور یہ اس بدلے میں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو میرے شوہر کے پاس بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: اس مسئلے میں آپ کا اپنے شوہر کی بات تسلیم کرنا جائز نہیں ہے کہ آپ اس کے اقرباء کے سامنے چہرہ کھول لیں خواہ وہ اس کے سگے بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ وہ غیر محرم ہیں اور ان کے سامنے چہرہ کھولنا فتنے سے خالی نہیں۔ جیسے کہ اس عزیز کی بیوی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ آپ کے شوہر کے سامنے چہرہ کھولے اور اپنے شوہر کی یہ بات تسلیم کرے، کیونکہ علت اور سبب دونوں طرف ایک ہی ہے۔ (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: جب خاندان کے مرد عورتیں اکٹھے ہوں، تو کیا عورت کو ان کے ساتھ باحجاب ہو کر بیٹھنا جائز ہے تاکہ قربت اور تعارف حاصل ہو؟

جواب: کسی خاص مصلحت اور فائدہ کے بغیر اس طرح بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کسی درس وغیرہ کا اجتماع ہو تو

عورتیں باحجاب ہو کر مردوں سے پیچھے بیٹھ سکتی ہیں۔ اور اگر درمیان میں پردہ وغیرہ ہو تو اور بھی زیادہ بہتر ہے۔

مگر جب میدان کھلا ہو، اور لوگ بھی ادھر ادھر آتے جاتے ہوں اور اختلاط اور اسباب فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہو تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ کوئی شخص اسباب فتنہ کے جس قدر قریب ہو گا یقیناً اس کے اثرات سے متاثر ہو گا۔ لہٰذا ہر انسان کو، مرد ہو یا عورت، جہاں تک ہو سکے ان فتنوں سے دور ہی رہنا چاہیے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میری ساس صاحبہ مجھے کہتی ہے کہ جب گھر والے ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہوتے ہیں یا قہوہ وغیرہ پی رہے ہوتے ہیں تو میں بھی اپنی عبا اور چادر وغیرہ لے کر دیور کے ساتھ بیٹھا جایا کروں، مگر میں اس سے انکار کرتی ہوں، تو کیا میں حق پر ہوں یا نہیں؟

جواب: آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کیفیت میں ان کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر سکتی ہیں کیونکہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے اور آپ کے شوہر کا بھائی بالخصوص جبکہ وہ کنوارا بھی ہے آپ کے لیے اجنبی اور غیر محرم ہے۔ لہٰذا اس کا آپ کو دیکھنا اور آپ کی آواز کا سننا فتنہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپ کا اسے دیکھنا بھی! (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ اپنے شوہر کے بھائیوں کے سامنے اپنے ہاتھ ننگے کر لوں۔ اور کیا جب میرا شوہر حاضر اور موجود ہو تو کیا اس بارے میں حکم مختلف ہو گا؟

جواب: مسلمان عورت پر واجب ہے کہ ہر غیر محرم اجنبی سے کامل پردہ کرے خواہ وہ شوہر کے سگے بھائی ہوں یا بہنوئی یا چچا زاد وغیرہ، اور خواہ مجلس میں کوئی محرم موجود ہو یا نہ ہو، لازم ہے کہ عورت اپنے محاسن یعنی چہرہ، کلائیاں، پنڈلیاں اور سینہ وغیرہ ان سے چھپائے۔ البتہ ہاتھ اور پاؤں کا ظاہر کرنا جائز ہے کیونکہ چیزیں لینی دینی ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ان میں بھی فتنے کا اندیشہ ہو تو انہیں چھپانا واجب ہو گا۔ مثلاً اگر کسی اجنبی کے متعلق محسوس ہو کہ وہ ٹکٹکی لگا کر گہری نظر سے دیکھتا ہے اور مسلسل دیکھے جاتا ہے تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے اجنبیوں کے ساتھ اختلاط اور مجلس باعث فتنہ ہو سکتی ہے تو اس سے روکا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(عبداللہ بن الجبرین)

سوال: میں نے ایک مسلمان عورت سے شادی کی ہے مگر وہ پردہ نہیں کرتی تھی۔ میں نے اسے کافی وعظ و نصیحت کی تو نماز کے معاملے میں بحمد اللہ وہ پابند ہو گئی ہے مگر پردے کے معاملے میں انکاری ہے۔ تو مجھے اس کے بارے میں کیا موقف اختیار کرنا چاہیے؟ کیا اسے طلاق دے دوں؟ اور کیا طلاق دینا واجب ہے؟ اور اگر یہ واجب نہ ہو تو کیا میں (شوہر) اس کی اس بے پردگی کا مجرم اور گناہ گار ہوں گا؟ جبکہ ہر انسان اپنے افعال ہی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ میں گزارش کروں گا کہ اس مسئلہ اور حدیث ((کلکم راع وکلکم مسئول عن

رعیته .)) ❶ میں مطابقت فرمائیں۔

جواب: شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کو پردے کی تلقین کرے کیونکہ پردہ واجب ہے، اور اس مسئلہ میں اس پر محنت کرے حتیٰ کہ وہ پردہ اپنا لے۔ اور مرد سے اپنے گھر میں اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور بیوی اس کی رعیت میں سے ہے۔ جب شوہر اللہ سے ڈرنے والا اور تقوی والا ہوگا اور صبر وتحمل سے کام لے گا تو ان شاء اللہ اس کا معاملہ بھی آسان ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اعمال میں برکت دے گا، جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ (الطلاق : ٦٥/ ٤)

''جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے معاملے کو آسان بنا دے گا۔'' ❷ (مجلس افتاء)

سوال: کیا سفر میں ایک عورت دوسری اجنبی عورت کے لیے محرم ہوسکتی ہے؟

جواب: ایک عورت دوسری عورت کے لیے محرم نہیں ہوسکتی، محرم صرف مرد ہی ہوسکتا ہے جو نسب، رضاعت یا صہر (سسرالی رشتہ) کے باعث اس کے لیے حرام ہو، مثلاً باپ، بھائی، شوہر، سسر، رضاعی باپ اور رضاعی بھائی وغیرہ۔ اجنبی مرد کے لیے اجنبی عورت کے ساتھ علیحدگی میں ہونا یا اس کی معیت میں سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''عورت صرف اپنے محرم ہی کے ساتھ سفر کرے۔'' ❸ مسند احمد وغیرہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی آدمی کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ ہرگز علیحدگی میں نہ ہو، ورنہ شیطان ان کا تیسرا ہوتا ہے۔'' ❹ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: بہت سی عورتیں کہتی ہیں کہ ایک خاتون کے لیے عورہ (لازمی قابل ستر حصہ) صرف ناف سے گھٹنے تک

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض واداء الدیون والحجر، باب العبد راع فی مال سیده، حدیث : ٢٢٧٨ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائز، حدیث : ١٨٢٩ وسنن ابی داود، کتاب الخراج والفیء والامارة، باب ما یلزم الامام من حق الرعیة، حدیث : ٢٩٢٨

❷ راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ سوال کے ایک حصے کا جواب رہ گیا ہے: اگر شوہر نے بیوی کے لیے پردے کے مسئلے میں ہر اعتبار سے حجت پوری کر دی ہے اور وہ پھر بھی پردہ نہیں کرتی تو اس بارے میں وہ خود مسئول اور ذمہ دار ہوگی۔ اور شوہر اس پر اپنی ناراضی، ملامت، عدم موافقت اور براءت کا اظہار کرتا رہے اور نصیحت سے خاموش نہ رہے۔ لیکن اگر محسوس ہو کہ وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے گھر یا خاندان میں یا گھر سے باہر کسی فتنے کا باعث بنتی ہے تو واجب ہے کہ اسے طلاق دے دے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

(عمر فاروق السعیدی)

❸ صحیح بخاری، ابواب العمرة، باب حج النساء، حدیث : ١٧٦٣ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیره، حدیث : ١٣٤١ المعجم الکبیر للطبرانی: ١١/ ٤٢٥، حدیث : ١٢٢٠٣ .

❹ سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، حدیث : ٢١٥٦ ومسند احمد بن حنبل : ١/ ٢٦، حدیث : ١٧٧ .

ہے۔ اس لیے انہیں تنگ اور فٹ لباس یا عریاں لباس پہننے میں کوئی جھجک نہیں آتی، کہ اس میں سے ان کا سینہ یا بازو نمایاں ہوں؟

جواب: ایک مسلمان عورت کو باوقار اور باحیا ہونا چاہیے اور یہ کہ وہ اپنی دوسری مسلمان بہنوں کے لیے عمدہ نمونہ ثابت ہو، اور اس کے جسم سے عورتوں کے سامنے وہی کچھ ظاہر ہونا چاہیے جو باوقار اور دینی آداب کی پابند خواتین اپنی مجلسوں میں ظاہر کرتی ہیں۔ یہی ان کے لائق ہے اور اسی میں احتیاط ہے۔ کیونکہ جسم کے جن حصوں کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کو نمایاں اور عریاں کرنے میں غفلت کا نتیجہ بالکل ہی بے پردگی کی صورت میں سامنے آئے گا۔ (صالح بن فوران)

سوال: کیا عورتوں کو فٹ بال کھیلنا اور اسی طرح کے مقابلوں میں حصہ لینا جائز ہے؟

جواب: جس انداز سے آج کل مرد کھیلتے ہیں اس طرح سے ان عورتوں کو کھیلنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر مرد پاس نہ ہوں اور نہ کوئی انہیں دیکھ رہا ہو نہ سن رہا ہو تو جائز ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر مرد سامنے ہوں تو یہ قطعاً حرام ہے، اس سے روکنا ضروری ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: کیا عورت، دوسری عورتوں اور اپنے محرم مردوں کے سامنے اپنے بچے کو دودھ پلا سکتی ہے؟

جواب: جمہور علماء کے قول مطابق عورتوں کے سامنے وہ پلا سکتی ہے۔ ان کے نزدیک ایک عورت کے لیے دوسری عورت کے لیے لازمی قابل ستر حصہ یعنی ''عورہ'' ناف سے گھٹنے تک ہے۔

اور دوسرا قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے کہ اس کے سامنے اگر مسلمان عورتیں ہوں یا اہل کتاب کی عورتیں تو اتنا ہی حصہ ظاہر کرے جو ضروری ہے۔ اگر ضروری نہ ہو تو عورتوں یا محرم مردوں یا اہل کتاب کی عورتوں کے سامنے بھی سینہ کھولنا جائز نہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: میرا بھائی ٹینس کھیلتا ہے، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ حرام ہے؟

جواب: یہ کھیل کھیلنا حلال ہے اور جو آپ نے سنا درست نہیں۔ کسی صحابی سے اس کی ممانعت یا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہے۔ اور ایسی چیزوں کا اصل حکم حلال ہونا ہی ہے اور ورزش کے لیے اس طرح سے کچھ کھیلنا جائز ہے۔ کیونکہ اس سے بدن کو راحت ملتی ہے، خون گردش کرتا ہے اور سستی اور تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ الغرض اس میں ممانعت والی کوئی بات نہیں۔ یہ کوئی حرام یا مکروہ نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: بعض مقامات پر نہانے کے تالاب (سوئمنگ پول) بنے ہوتے ہیں جو مردوں اور عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ ان میں نہانے کے لیے عورت کو بڑا مختصر لباس پہننا ہوتا ہے۔ جس سے صرف ''عورہ غلیظہ'' ہی مستور ہوتی ہے اور وہاں صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ یہ دوسری عورتوں کو اور دوسری عورتیں اسے اس حالت میں دیکھتی ہیں۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور ایسے ہی مردوں کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اگر عورت عورتوں میں ہو تو اس پر واجب ہے کہ ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ڈھانپا ہوا ہو اور کپڑا موٹا اور کھلا ہونا چاہیے۔ ایسا باریک نہ ہو کہ اس سے جسم جھلکے یا اتنا چست نہ ہو کہ جسم کا حجم نمایاں کرے۔ یہ حکم تب ہے جب وہ صرف عورتوں کے اندر ہو۔ اور یہی حکم مردوں کا ہے جو شرعی دلائل سے ثابت ہے۔ (مجلس افتاء)

غیر مسلم عورتوں سے پردہ

سوال: ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمائیں ہیں۔ کیا مجھے ان سے پردہ کرنا واجب ہے؟ کیا ان سے کپڑے ھلوائے جاسکتے ہیں، پھر میں ان میں نماز پڑھ لوں؟ اور کیا میں انہیں ان کے دین کی حقیقت اور اس کی کمزوری بتاؤں اور دین اسلام کی فضیلت واضح کروں؟

جواب: علماء کے صحیح تر قول کے مطابق غیر مسلم عورتوں سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے۔ وہ دیگر عورتوں کی طرح ہیں۔ ان سے کپڑے اور برتن دھلوانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتیں تو ان کے ساتھ معاملہ ختم کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ جزیرۃ العرب ہے، اس میں صرف دین اسلام ہی ہونا چاہیے۔ یہاں جو بھی کارکن اور خادم مرد یا عورتیں بلوائے جائیں صرف مسلمان ہی بلوائے جائیں۔ نبی ﷺ نے وصیت فرمائی ہے کہ یہاں جزیرۃ العرب سے مشرکوں کو نکال باہر کیا جائے۔[1] یہاں دو دین نہیں ہوسکتے۔ جزیرۃ العرب اسلام کا منبع ومرکز ہے، اسلام کا سورج یہیں طلوع ہوا۔ اس لیے یہاں سوائے دین حق اسلام کے اور کوئی دین باقی نہیں رکھا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق کی پیروی اور اس پر ثابت قدمی کی اور دوسروں کو دائرۂ اسلام میں آ جانے اور اس کے خلاف کو چھوڑ دینے کی توفیق دے۔

آپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ان خادمات کو اسلام کی دعوت دیں، اسلام کے محاسن وفضائل بیان کریں، ان کے دین کی خرابیاں اور کمزوریاں واضح کریں، اور یہ کہ دین اسلام نے باقی سب دینوں کو منسوخ کر دیا ہے اور اسلام ہی وہ دین حق ہے جو تمام انبیاء کرام لے کر آتے رہے ہیں، اور اس کے مطابق کتابیں نازل ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۹)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب جوائز الوفد، حدیث: ۲۸۸۸، وصحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ترك الوصیة لمن لیس له شیء یوصی فیه، حدیث: ۱٦۳۷ وسنن ابی داود، کتاب الخراج والفیء والامارة، باب فی اخراج الیهود من جزیرة العرب، حدیث: ۳۰۲۹.

''اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔''

اور ضروری ہے کہ آپ علم و بصیرت کے ساتھ گفتگو کریں۔ کیونکہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین میں کچھ کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۷/ ۳۳)

''کہہ دیجیے کہ میرے رب نے ان تمام فحش باتوں کو حرام کیا ہے جو علانیہ ہوں اور پوشیدہ، اور ہر گناہ کی بات کو، اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی، اور اس بات کو بھی کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کی تم سند نہ رکھتے ہو۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے علم کے بغیر بات کرنے کو سب سے بڑھ کر قرار دیا ہے، اور یہ دلیل ہے کہ اس کی حرمت بڑی سخت اور اس کے نتائج خطرناک ہیں اور فرمایا:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۱۰۸)

''کہہ دیجیے کہ میری راہ یہی ہے، میں اور میرے فرمانبردار، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ، اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

سورۂ بقرہ میں اللہ عزوجل نے بتایا ہے کہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے متعلق کچھ کہنا، ایسا کام ہے جس کا حکم شیطان دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۶۸-۱۶۹)

''لوگو! زمین میں جو بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو، اور شیطانی راہ پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔''

میں اللہ عزوجل سے اپنے لیے اور آپ کے لیے توفیق و ہدایت کی دعا کرتا ہوں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا کسی مسلمان خاتون کے لیے جائز ہے کہ اپنے بال وغیرہ غیر مسلم خاتون کے سامنے ظاہر کرے،

بالخصوص جب یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس کا تذکرہ اپنے غیر مسلم مردوں کے سامنے کرے گی؟

جواب: دراصل یہ مسئلہ سورۃ النور کی آیت کریمہ (۳۱) ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ......﴾ کے آخر میں وَنِسَآئِهِنَّ کے مفہوم میں اختلاف پر مبنی ہے۔ بعض علمائے تفسیر نے ونساء ھن سے مراد جنس خواتین مراد لی ہے اور بعض نے "ھن" کی ضمیر سے وصف مراد لیا ہے۔ یعنی ایک مسلمان عورت صرف مسلمان عورتوں کے سامنے ہی اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے۔ لہٰذا پہلے قول کے مطابق جائز ہے کہ غیر مسلم عورت کے سامنے بھی وہ اپنا چہرہ اور بال وغیرہ ظاہر کر سکتی ہے، اور دوسرے قول کے مطابق نہیں کر سکتی۔ اور ہمارا میلان پہلے قول کی طرف ہے اور یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ عورت کا عورت کے سامنے ہونا اس میں مسلمان اور کافرہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر خیال رہے کہ اس میں کوئی فتنہ نہ ہو۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ کافرہ عورت اس مسلمان عورت کے متعلق اپنے مردوں کو بتائے گی تو اس سے اجتناب ضروری ہے۔ اس صورت میں یہ اپنے جسم سے پاؤں اور بال وغیرہ ظاہر نہ کرے، خواہ اس کے سامنے کوئی کافر عورت ہو یا مسلمان۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا کوئی عورت کسی غیر مسلمہ کافرہ عورت کے سامنے اپنے بال اور ہاتھ وغیرہ ظاہر کر سکتی ہے؟

جواب: مجلس افتاء اس بارے میں فتویٰ جاری کر چکی ہے، اور سنت نبویہ سے ثابت ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنے کام کاج کے عام کپڑوں میں کسی کافر عورت کے سامنے آ سکتی ہے۔ جیسے کہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عورت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور صدقے کا سوال کیا۔ اور اس اثنا میں اس نے کہا: "اللہ تجھے قبر کی آزمائش سے محفوظ رکھے۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس عورت کی بات کی۔ پہلے تو آپ نے کہا، یہودی غلط کہتے ہیں، مگر بعد میں آپ نے فرمایا: "لوگو! تم لوگ قبروں میں آزمائے جاؤ گے۔"[1] اور پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فتنہ قبر سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور صدقہ طلب کرتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ عورت اپنے گھر میں اپنے کام کاج کے عام کپڑوں میں ہوتی ہے، تو جائز ہے کہ کسی کافر عورت کے سامنے اس کے بال، ہاتھ اور قدم وغیرہ ظاہر ہوں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کچھ عیسائی لوگ ہمارے ہمسائے ہیں، ہمارا ان کے ساتھ لین دین کیسا ہونا چاہیے؟ بالخصوص جب وہ کوئی ہدیہ دیں؟ اور کیا ہم ان کے سامنے کھلے منہ آ سکتے ہیں؟ اور کیا عیسائی دکانداروں سے خریداری کرنا جائز ہے؟

جواب: اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ احسان کریں تو تم بھی ان کے ساتھ احسان کرو۔ اگر وہ تمہیں کوئی حلال اور جائز چیز ہدیہ دیں تو آپ بھی اس کا بدلہ دیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رومیوں کے عیسائی بادشاہ کا اور ایسے ہی یہودیوں کا ہدیہ قبول کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] مسند احمد بن حنبل: ۶/ ۲۳۸، حدیث: ۲۶۰۵۰.

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ٥ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ٥﴾ (الممتحنة : ٦٠/ ٨-٩)

''جن لوگوں نے تم سے دین میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا، ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے مذہبی لڑائیاں کیں اور تمہیں دیس نکالے دیے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی۔ جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہی ظالم اور بے انصاف ہیں۔''

لہٰذا آپ ان کی عورتوں کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کر سکتی ہیں جیسے مسلمان عورتوں کے سامنے ظاہر کرتی ہیں اور جو زینت کے کپڑے وغیرہ پہنے ہوتے ہیں انہیں دکھا سکتی ہیں۔ علماء کا صحیح تر قول یہی ہے۔ اور ضرورت کی مباح چیزیں بھی ان سے خریدی جا سکتی ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

ضرورت کے تحت اسقاط کرانا

سوال: اسقاط حمل کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر جنین زندہ ہو تو اس کا اسقاط کرانا جائز نہیں ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: مجھے پانچ ماہ کا حمل ہے، اور یہ میرا دوسرا حمل ہے۔ پہلے حمل میں بچے میں کچھ عیب ونقص سامنے آیا تھا اس لیے ساقط کرا دیا گیا۔ اب یہ پانچ ماہ کا ہے، اور ہسپتال والوں نے خاص قسم کے ٹیسٹ ایکس رے کرانے کا کہا ہے، جس سے بچے کی صحت کا علم ہو گا۔ اگر ثابت ہو کہ بچہ ناقص الخلقت ہے تو کیا اس کا اسقاط کرا دینا جائز ہو گا؟

جواب: علماء کا اجماع ہے کہ حمل ساقط کرانا جائز نہیں ہے، بالخصوص جب اسے ایک سو بیس دن ہو جائیں۔ کیونکہ اس مدت کے بعد بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ ساقط کرانے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس سے ماں کی زندگی کو فی الواقع خطرہ ہو۔ خیال کریں اگر یہ بچہ زندہ ہوتا تو کیا اس عیب اور نقص کی وجہ سے اسے قتل کرنا جائز ہوتا؟ اور اس مسئلہ میں اجماع ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ماں حمل سے ہے اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بچہ ناقص الخلقت پیدا ہو گا، اس لیے اسقاط کرا لیا جائے۔ تو کیا ان لوگوں کی بات قبول کر لی جائے یا نہیں؟

جواب: اگر بچہ میں روح پھونکی جا چکی ہے تو کسی صورت اس کا اسقاط جائز نہیں ہے، خواہ بچہ مریض پیدا ہو اور

اس کی ولادت میں ماں کی موت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ ایک محترم جان ہے۔ حمل کو جب چار ماہ ہو جاتے ہیں تو اس میں روح ڈال دی جاتی ہے اور رزق، عمر، عمل اور اس کا شقی وسعید ہونا سب لکھ دیا جاتا ہے۔

اگر روح ڈالے جانے سے پہلے ڈاکٹروں کی مذکورہ باتیں ثابت ہو جائیں تو اسقاط میں کوئی حرج نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تاحال روح ڈالے جانے سے خالی ہے۔ اگر اس کے متعلق ڈاکٹر بتائیں کہ بچہ ناقص الخلقت ہوگا جو اپنے لیے اور گھر والوں کے لیے بوجھ ہوگا تو اس کے اسقاط میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں بیمار رہتی ہوں، ضیق النفس کی مریضہ ہوں، اس سے پہلے ڈاکٹر کے کہنے پر دو بار اسقاط کرا چکی ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ بچے آپریشن سے ہوں گے، اور یہ اسقاط شوہر کی رضامندی سے کرایا تھا۔ تو کیا یہ حرام ہے یا اس میں کفارہ وغیرہ واجب ہے؟

جواب: (۱)...... حمل ساقط کرانا جائز نہیں ہے۔ جب حمل ٹھہر جائے تو اس کی حفاظت کرنا واجب اور اسے نقصان پہنچانا یا کسی ذریعے سے اسے ساقط کرنا کرانا حرام ہوتا ہے۔ یہ ایک امانت ہے جو اللہ نے اس ماں کے شکم میں رکھی ہے۔ تو اس کا ایک حق ہے، اس کو کسی طرح کا ضرر پہنچانا یا تلف کرنا جائز نہیں۔ اس بارے میں طبیب اور ڈاکٹر کی بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ ایک شرعی حکم ہے اور شرعی دلائل کی رو سے حمل ساقط کرانا حرام ہے۔ اور یہ مسئلہ کہ ولادت آپریشن ہی سے ہوگی، تو یہ کوئی ایسا سبب نہیں ہے جس سے حمل ساقط کرانا جائز ہو جائے۔ بہت سی عورتیں آپریشن کی کیفیت سے دوچار ہوتی اور اسی انداز میں ان کے ہاں ولادت ہوتی ہے۔ بہرحال ڈاکٹر اور طبیب انسان ہے، اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے، اور درست بھی کہتے ہیں۔ مگر اس بات میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۲)...... دوسرا مسئلہ کفارے کا۔ اگر حمل کے جنین میں روح پڑ چکی تھی اور بچہ حرکت کرنے لگ گیا تھا، پھر اسے ساقط کرایا گیا اور وہ مر گیا، تو اس طرح یہ عورت ایک جان کی قاتل ہے۔ اس پر کفارہ واجب ہے اور وہ ہے ایک گردن کا آزاد کرنا۔ اگر نہ پائے تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا، اللہ کے ہاں توبہ کی قبولیت کے لیے۔ اور یہ چار ماہ میں ہوتا ہے، کہ بچے میں جان پڑ جاتی ہے۔

بہرحال یہ معاملہ بہت بڑا ہے، اس میں تساہل کرنا جائز نہیں۔ اگر عورت بیماری کے باعث حمل کی متحمل نہ ہو سکتی ہو تو اسے چاہیے کہ مانع حمل ادویات استعمال کرے، جس سے حمل ایک مدت تک کے لیے مؤخر ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ اپنی صحت اور طاقت میں لوٹ آئے گی۔ (صالح بن فوزان)

سوال: ایسی چیزیں استعمال کرنا جن سے حمل ساقط ہو جائے، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: حمل ساقط کرنے کے عمل کی دو صورتیں ہیں:

(۱)...... ساقط کرانے کا مقصد اس بچے کو تلف کرنا ہو۔ اگر یہ جان پڑنے کے بعد ہو تو اس کے حرام ہونے

میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک محترم جان کو ناحق قتل کرنا ہے جو کتاب وسنت اور اجماع مسلمین سب کی رو سے حرام ہے۔ اگر جان پڑنے سے پہلے ہو تو اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس دن گزرنے اور لوتھڑا بننے سے پہلے جائز ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ جب تک شکل نہ بنے جائز ہے۔ مگر احتیاط اس میں ہے کہ انتہائی ضرورت کے بغیر یہ کام ناجائز ہے۔ مثلاً ماں بیمار ہو اور حمل کے مشاکل کی متحمل نہ ہوسکتی ہو تو جنین کے انسانی شکل بننے سے پہلے پہلے اسقاط کرانا ممکن ہے، ورنہ منع ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲)...... دوسری صورت یہ ہے کہ حمل کو تلف کرنا مقصد نہیں مگر آپریشن کی ضرورت پیش آ جائے تو اس کی چار صورتیں ہیں:

۱: ماں زندہ ہو، بچہ بھی زندہ ہو، تو اشد ضرورت کے تحت آپریشن کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً بچے کا جسم سے باہر آنا مشکل ہو، کیونکہ یہ جان بندے کے پاس امانت ہے۔ تو اس میں کسی اہم ترین مصلحت کے تحت ہی کوئی تصرف کرنا جائز ہوگا۔ بعض اوقات سمجھا جاتا ہے کہ آپریشن میں کوئی خطرہ نہیں، مگر خطرہ سامنے آ جاتا ہے۔

۲: دوسری صورت یہ ہے کہ ماں مردہ ہو اور بچہ بھی مردہ ہو، تو اس میں آپریشن کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

۳: تیسری صورت یہ ہے کہ ماں زندہ اور بچہ مردہ ہو، تو اس کو نکالنے کے لیے آپریشن کیا جائے، سوائے اس کے کہ ماں کے لیے کوئی خطرہ ہو، کیونکہ ظاہر یہی ہے، واللہ اعلم کہ مردہ بچے کا عام حالت میں نکلنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے آپریشن کیا جائے۔ اگر یہ اس کے پیٹ میں رہا تو ماں کے لیے اذیت کا باعث ہوگا، اور اگر وہ سابقہ شوہر سے عدت میں ہو تو مشقت میں پڑے گی۔

۴: چوتھی صورت یہ ہے کہ ماں مردہ ہو اور حمل زندہ ہو۔ اگر بچے کے زندہ بچ رہنے کی امید نہ ہو تو آپریشن درست نہیں۔ اگر بچ رہنے کی امید ہو، مثلاً وہ آدھا اندر اور آدھا باہر ہو، تو آپریشن کیا جائے۔ اگر وہ جسم کے اندر ہی ہو تو ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ حمل نکالنے کے لیے ماں کا پیٹ چاک نہ کیا جائے، کیونکہ یہ مثلہ ہوگا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس کے بغیر نہ نکل سکتا ہو تو پیٹ چاک کیا جائے۔ علامہ ابن ہبیرہ نے یہی قول اختیار کیا ہے اور ''الانصاف'' میں اسے ہی راجح کہا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے اس دور میں پیٹ چاک کرنا (یا آپریشن کرنا) مثلہ نہیں ہے، بلکہ اسے بعد میں سی دیا جاتا ہے، اور زندہ جان کی حرمت مردہ سے بڑھ کر ہے، اور ایک معصوم جان کو ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔ اور حمل بھی ایک معصوم انسان ہے تو اسے بچانا واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

ضروری نوٹ:...... مذکورہ بالا صورتوں میں جہاں حمل اسقاط کرانا جائز ہے، وہاں صاحب حمل یعنی شوہر سے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری بیوی بلڈ پریشر کی مریضہ ہے اور حمل میں اس کے لیے جان کا خطرہ ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے اس کیفیت سے منع کیا ہے۔ مگر اللہ کی قدرت کہ وہ حمل سے ہوگئی ہے اور ابھی ابتدائی ہفتے ہیں۔ ڈاکٹر اسقاط کا کہتے ہیں، مگر میں نے انکار کیا ہے، تاکہ شرعی حکم معلوم کرلیں۔ تو کیا اس کے لیے اسقاط کرا لینا جائز ہے؟

جواب: چالیس دن پورے ہونے سے پہلے پہلے کسی مباح دوا کے ذریعے سے نطفے کا اسقاط کرا دینا جائز ہے، اور اس مدت کے بعد اگر قابل اعتماد ڈاکٹر کہیں کہ حمل جان یا بدن کے لیے ضرر رساں ہوگا تو اس کا اسقاط کرا دینا جائز ہوگا۔ (عبداللہ بن الجبرین)

سوال: میری والدہ فوت ہوگئی ہے۔ اب میرے لیے اس کے ساتھ حسن سلوک کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

جواب: (۱)...... اس کے لیے اللہ سے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتی رہا کریں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا﴾

(بنی اسرائیل: ۱۷/ ۲۴)

"عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔"

(۲)...... اس کے لیے بہت زیادہ استغفار کیا کریں۔ مسند احمد اور بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جنت میں میت کے درجات بلند کیے جاتے ہیں تو وہ پوچھتی ہے، اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل فرماتا ہے: تیرے بیٹے نے (بیٹی نے) تیرے لیے استغفار کیا (اور معافی مانگی) ہے۔"[1]

(۳)...... اللہ کا قرض ادا کرنا: بالفرض اس کے ذمے روزے رہتے ہوں تو اس کا ولی یا تو ہر روزے کے بدلے اس کی طرف سے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے یا خود اس کی طرف سے روزے رکھے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو فوت ہوجائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔"[2]

---

[1] الادب المفرد للبخاری: ۱/ ۲۸، حدیث: ۳۶.

[2] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیه صوم، حدیث: ۱۸۵۱ وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصیام عن المیت، حدیث: ۱۱۴۷ وسنن ابی داود، کتاب الصیام، باب فیمن مات وعلیه صیام، حدیث: ۲۴۰۰ ومسند احمد بن حنبل: ۸/ ۳۳۴، حدیث: ۳۵۶۹.

بخاری و مسلم میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کا قرض زیادہ لائق ہے کہ ادا کیا جائے۔'' [1]

حج بھی ایک مبارک عمل ہے، جو آپ اس کی طرف سے ادا کر سکتی ہیں۔

(۴)...... اگر بندوں کے قرض باقی ہوں تو ادا کیے جائیں۔

(۵)...... وہ لوگ جو اس سے محبت کرنے والے تھے، یا اس کو ان سے محبت تھی، آپ بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرتی رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا ہے کہ وہ راستے میں ایک اعرابی دیہاتی سے ملے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اونٹ پر سوار تھے، ان کے سر پر پگڑی تھی، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی سواری سے اتر آئے، اس اعرابی سے گلے ملے، اپنی پگڑی اس کے سر پر رکھ دی اور اسے اپنی سواری پر سوار کرا لیا۔ جب وہ اعرابی چلا گیا تو ان سے کہا گیا، اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ آپ پر رحم کرے، یہ بدوی اور دیہاتی لوگ اس سے کہیں کم تر پر راضی ہو جاتے ہیں، تو انہوں نے بتایا کہ اس کا والد (میرے والد) عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا تھا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ: ''سب سے بڑھ کر نیکی یہ ہے کہ بندہ اپنے باپ کی وفات کے بعد اس کے اہل محبت سے صلہ رحمی کرے۔'' [2] (محمد بن عبدالمقصود)

ماں کی کسی غلطی سے بچہ مر جائے

سوال: ماں اپنے بستر میں اپنی چھوٹی بچی کے ساتھ سوئی ہوئی تھی، صبح اٹھی تو بچی کو مردہ پایا، اور اسے اس کی وفات کا کوئی علم نہیں، اور بچی بھی صحیح سالم تھی، کوئی بیمار نہ تھی؟

جواب: اس ماں پر اس بارے میں کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ آدمی بنیادی طور پر ''بری الذمہ'' ہے۔ لیکن اگر ظن غالب ہو کہ بچی کی موت کا سبب اس کی ماں ہے، اور کوئی علامات و قرائن بھی موجود ہوں، تو کفارہ دینا راجح ہوگا، بالخصوص جب کوئی دوسرے لوگ اس پر دباؤ بھی ڈالتے ہوں تو احتیاطاً کفارہ دینا چاہیے۔

(محمد بن ابراہیم)

سوال: تیس سال پہلے کی بات ہے کہ میری والدہ کھیتوں میں کام کرتی تھی۔ ایک دن وہ تھکی ماندی آئی اور رات کو سوتے وقت اس نے اپنی تین ماہ کی بچی کو دودھ پلایا اور اس کے پہلو میں سو گئی۔ صبح اٹھی تو بچی کو مردہ پایا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیہ صوم، حدیث: ۱۸۵۲ وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصیام عن المیت، حدیث: ۱۱۴۸ وسنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب ما جاء فیمن مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ، حدیث: ۳۳۱۰.

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب فضل صلة اصدقاء الاب والام ونحوھما، حدیث: ۲۵۵۲.

معلوم نہیں کہ وہ ماں کے نیچے آ گئی یا ماں اس پر آ گئی، لیکن چھاتی بچی کے منہ میں تھی۔ الغرض موت کا سبب معلوم نہیں تو اب ماں پر کیا ہے؟

جواب: اس کے لیے احتیاط یہی ہے کہ ساٹھ دن متواتر روزے رکھے۔ چونکہ کوئی اور سبب معلوم نہیں ہے تو بظاہر یہی ہے کہ وہ بچی اسی کی وجہ سے مری ہے۔ اور شرعی قاعدہ ہے کہ شبہ کی صورت میں احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے تاکہ بندہ اللہ اور مخلوق کے حقوق سے بری الذمہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے یہ عمل پورا کرنے کی توفیق دے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: ماں نے اپنی دودھ پیتی بچی کو بستر میں لٹایا اور خود دوسرے بچوں کے ہاں چلی گئی، حتیٰ کہ وہ بھی سو گئے اور اسے بھی نیند آ گئی تو ان کے ساتھ سو گئی۔ جاگنے پر معلوم ہوا کہ بچی بہت زیادہ روتی رہی ہے، اس پر اس کے رونے کا اثر نمایاں تھا، پھر اسے ہسپتال لے جایا گیا تو وہ کئی دن سوتی رہی، اور پھر اس وجہ سے فوت ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ ماں پر کوئی کفارہ وغیرہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

جواب: اگر معاملہ فی الواقع ایسے ہی ہے جیسے کہ سائل نے ذکر کیا ہے تو ماں پر کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ ماں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس سے اس کی موت ہوئی ہو۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ماں کی دو سالہ بچی تھی۔ ماں نے قہوہ اور چائے کی کیتلی رکھی اور خود برتن دھونے چلی گئی۔ جبکہ بچی ساتھ ہی کھیل رہی تھی۔ اچانک ایسے ہوا کہ ماں کی بے خبری میں بچی نے کیتلی کو پکڑا جو سخت گرم تھی، تو وہ الٹی اور گرم گرم قہوہ اس کے اندرونی اعضاء تک میں چلا گیا، اور پھر چوبیس گھنٹوں بعد بچی فوت ہو گئی۔ ماں دریافت کرتی ہے کیا اس صورت میں اس پر کوئی کفارہ ہے؟ اگر ہے تو کتنا؟

جواب: ماں ان احوال وظروف سے بخوبی آگاہ ہے جن میں یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ اگر وہ سمجھتی ہے کہ بچی کو اس طرح چھوڑنے میں وہ قصوروار ہے اور اسی کی وجہ سے یہ سب جو ہونا تھا ہوا ہے، تو اس پر کفارہ ہے، اور وہ ہے کہ ایک گردن آزاد کرنا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو دو ماہ متواتر روزے رکھے۔ (مجلس افتاء)

عورتوں کا بہت زیادہ بازار جانا

سوال: میں اور میری بیوی، اسی کی ضروریات یا گھر کی ضروریات کی خریداری کے لیے بازار جاتے ہیں۔ وہ میری معیت میں اور کامل پردے میں ہوتی ہے، دکانداروں سے کوئی بات نہیں کرتی۔ کیا اس طرح سے اس کے بازار جانے میں کوئی گناہ تو نہیں؟

جواب: عورت کا اپنی ضروریات کی خریداری کے لیے بازار جانا، جب کوئی اور خریدنے والا نہ ہو، تو جائز ہے بشرطیکہ کامل پردے میں جائے، مردوں کے ساتھ اختلاط اور ان سے لایعنی گفتگو سے احتراز کرے۔ اگر اس کے

ساتھ کوئی محرم بھی ہو تو یہ بہت بہتر ہے۔

اگر کوئی ایسا فرد موجود ہو جو یہ ضروریات لا سکتا ہے، تب اسے جانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ بازار جانے میں فتنہ اور کئی اندیشے ہیں۔ بالخصوص اس دور میں جب فتنے بہت زیادہ ہو گئے ہیں، حیا اٹھ گئی ہے، سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ لہٰذا عورتوں کا حتی الامکان اپنے گھروں میں رہنا ہی واجب ہے، جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور گزشتہ جاہلیت کے سے انداز میں اپنی زینت کا اظہار مت کرو۔''

(صالح بن فوزان)

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنی اور اپنی بیٹیوں کی ضروریات خریدنے کے لیے شوہر کو بتائے بغیر بازار چلی جائے؟

جواب: عورت پر واجب ہے کہ جب گھر سے باہر بازار جانا ہو یا کہیں اور، تو ہمیشہ اپنے شوہر کو بتا کر اور اس سے اجازت لے کر جائے۔ اور جب ممکن ہو کہ اس کی ضروریات کی خریداری شوہر یا اس کا کوئی محرم کر سکتا ہے، تو یہ اس کے لیے بہت زیادہ بہتر ہے۔ اور جب باہر جانا ہو تو واجب ہے کہ شرعی ممنوعات کے ارتکاب سے احتراز کیا جائے یعنی اس کا چہرہ اور جسم کامل طور پر پردے میں ہو۔ اللہ جل وعلا کا فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور سابقہ جاہلیت میں انداز میں اپنی زینت کا اظہار نہ کرو۔''

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی اوڑھنیوں کی بکل مارے رہا کریں۔''

اور عربی زبان میں ''جلباب'' اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو عورت اپنے کپڑوں کے اوپر لیتی ہے جس سے اس کا سر اور بدن مزید ڈھانپ جاتا ہے۔ اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۳)

''اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کیا کرو، یہ چیز تمہارے

اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہوگی۔" (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا کریڈٹ کارڈ (جو بنک مہیا کرتا ہے) کے ذریعے سے قسطوں میں خریداری کرنا درست ہے؟ اس کی ایک مدت ہوتی ہے مثلاً اکیاون دن وغیرہ۔

جواب: نہیں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سود ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: بہت سی عورتیں ضرورت سے اور کبھی بلا ضرورت بھی بہت زیادہ بازار جاتی ہیں، اور ان کے ساتھ ان کا کوئی محرم بھی نہیں ہوتا، جبکہ بازار میں فتنے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کا اپنے گھر میں رہنا اس کے لیے انتہائی خیر کا باعث ہے، جیسے کہ حدیث میں آیا ہے: 'وبیوتھن خیر لھن' اور اسے باہر آنے جانے کی کھلی چھوٹ دینا ان قواعد وضوابط کے خلاف ہے جو شریعت نے اس عورت کے تحفظ اور فتنوں سے بچاؤ کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ اور مردوں کے لیے ضروری ہے کہ فی الواقع مرد ثابت ہوں۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (النساء : ٤/ ٣٤)

"مرد عورتوں کے حاکم نگہبان ہیں، بسبب اس کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہوئی ہے۔"

اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں میں بھی دشمنان دین کی تقلید میں گھر کی سرداری و سربراہی عورتوں کے ہاتھ میں آ رہی ہے اور مردوں کے معاملات کی یہ عورتیں نگہبان اور منتظم بن رہی ہیں۔ اور تعجب ہے کہ یہ لوگ ترقی یافتہ اور مہذب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ افسوس ہے ایسی ترقی اور تہذیب پر! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ قوم ہرگز فلاح اور کامیاب نہیں ہو سکتی جنھوں نے اپنے معاملات عورتوں کے سپرد کر دیے ہوں۔"[1]

ہم ان عورتوں کے متعلق یہی جانتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کسی کم عقل اور ناقص دین کو نہیں پایا جو کسی سمجھدار بندے کی عقل کو مار لینے والی ہو۔"[2]

الغرض مردوں پر واجب ہے کہ جو سربراہی اور قوامیت اللہ نے ان کو دی ہے، اس کو عمل میں لائیں۔

---

[1] صحيح بخارى، كتاب المغازى، باب كتاب النبى صلى الله عليه وسلم الى كسرى وقيصر، حديث : ٤١٦٣ وسنن الترمذى، كتاب الفتن، باب ما جاء فى لا نهى عن سب الرياح (باب منه)، حديث : ٢٢٦٢ وسنن النسائى، كتاب آداب القضاة، باب النهى عن استعمال النساء فى الحكم، حديث : ٥٣٨٨

[2] صحيح بخارى، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، حديث : ٢٩٨، وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان نقصان الايمان بنقص الطاعات، حديث : ٧٩، وصحيح ابن خزيمة:٣/ ٣٦٨، حديث : ٢٠٤٥.

اگر کہیں معاملہ اس کے برعکس ہو تو بھی بہت برا ہے کہ آدمی اس قدر بدخلق بن جائے کہ عورت کو اپنے عزیز واقارب سے ملنے سے بھی منع کر دے جیسے کہ ماں، باپ، بھائی، چچا اور ماموں وغیرہ رشتہ دار ہوتے ہیں، جہاں کوئی فتنہ نہیں ہوتا، اور اسے کہنے لگے کہ تو ہرگز کسی طرح گھر سے باہر نہیں نکل سکتی، تجھے گھر ہی میں پابند رہنا پڑے گا، اور (غلط طور پر) رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنائے: ((هن عورن عندكم .)) ''یہ تمہاری اسیر اور پابند ہیں۔''❶ (اور یہ کہے:) تو میری اسیر ہے، تو کہیں آ جا نہیں سکتی اور نہ کوئی تیرے پاس آ سکتا ہے اور نہ تو کسی دینی بہن سے مل سکتی ہے وغیرہ، تو یہ باتیں غلط ہیں۔ دین اور دونوں کے بین بین ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: کیا عورت کا محرم کے بغیر بازار جانا جائز ہے یا نہیں؟ یہ کب جائز اور کب ناجائز ہے؟

جواب: بازار جانا بنیادی طور پر جائز ہے، اور یہ کوئی شرط نہیں کہ اس کے ساتھ ضرور ہی کوئی محرم ہو۔ ہاں اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرم ہو جو اس کا محافظ ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ بازار جانے میں زینت کا اظہار نہ کرے، خوشبو نہ لگائی ہو۔ اگر اس کے خلاف کرے گی تو اس کا جانا حلال نہیں ہو گا۔ جیسے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روک، اور انہیں بھی چاہیے کہ انتہائی سادگی اور زیب و زینت کے بغیر نکلیں۔''❷ اور یہ خوشبوئیں لگا کر اور زینت کا اظہار کرتے ہوئے نکلیں گی تو سراسر فتنہ بنیں گی۔ الغرض جب فتنہ نہ ہو اور شرعی آداب کے ساتھ بغیر زیب و زینت اور بغیر خوشبو کے اگر جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دور نبوت میں عورتیں محرموں کے بغیر بازار میں آتی جاتی تھیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

ان احادیث کی شرح اور تفصیل جو عورتوں سے متعلق ہیں

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی؟ اور کیوں؟

جواب: ہاں یہ صحیح ہے۔ آپ علیہ السلام نے عورتوں سے ایک خطاب کے دوران میں یہ فرمایا تھا:

((يا معشر النساء تصدقن ، فإنكن أكثر أهل النار .))

''اے عورتو! صدقہ کیا کرو، بلاشبہ تم عورتوں کی تعداد جہنم میں بہت زیادہ ہو گی۔''❸

❶ سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب حق المرأة علی زوجها، حدیث: ١١٦٣ .

❷ سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء إلی المساجد، حدیث: ٥٦٥ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٤٣٨، حدیث: ٩٦٤٣ وصحیح ابن حبان: ٥/ ٥٨٩، حدیث: ٢٢١١ .

❸ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترك الحائض الصوم، حدیث: ٢٩٨ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث: ٧٩، وسنن الترمذی، کتاب الایمان، باب استکمال الایمان وزیادته ونقصانه، حدیث: ٢٦١٣ ومسند احمد بن حنبل: ١/ ٤٣٣، حدیث: ٤١٢٢ ۔ فتویٰ میں مذکور الفاظ ترمذی اور مسند احمد کے ہیں۔ (عاصم)

اس پر ایک سائلہ نے اپنا یہ اشکال پیش کرتے ہوئے دریافت کیا کہ ''یہ کیوں ہوگا اے اللہ کے رسول!؟'' فرمایا: ''کیونکہ تم لعنت بہت زیادہ کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی ناقدری کرتی ہو۔'' تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی لعنت بازی اور بہت زیادہ گالی گلوچ اور شوہر کی ناقدری کو جہنم میں ان کی کثرت کا باعث بتایا ہے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: ہم یہ حدیث سنتی ہیں کہ ''عورتیں عقل اور دین میں ناقص ہیں'' اور پھر کچھ مرد یہ حدیث لے کر عورتوں سے برا سلوک کرنے لگتے ہیں۔ براہ مہربانی اس حدیث کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: حدیث: ((ما رأيت من ناقصات عقل ودين أغلب للب الرجل الحازم من إحداكن .)) ''میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کسی کم عقل اور ناقص دین کو نہیں دیکھا جو ایک عقلمند سمجھدار مرد کی عقل پر غالب آ جانے والی ہو۔'' آپ سے پوچھا گیا، ''اے اللہ کے رسول! اس کی کم عقلی کیا ہے؟'' فرمایا: ''کیا دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر نہیں ہوتی؟'' اور پھر پوچھا گیا کہ ''اس کے دین میں کیا نقص ہے؟'' فرمایا: ''کیا یہ بات نہیں کہ جب یہ ایام سے ہوتی ہے تو نماز نہیں پڑھتی، روزے نہیں رکھتی؟'' آپ نے واضح فرمایا کہ عقل کی کمی اس کے حافظے کی کمزوری کی وجہ سے ہے، اس لیے اس کی گواہی دوسری عورت کو ساتھ ملانے سے پوری ہوتی ہے۔ یہ بالعموم بھول جاتی اور اس میں کمی بیشی کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۸۲)

''اور اپنے میں سے دو مرد گواہ بنا لیا کرو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرلو، تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔''

اور دین میں نقص یہ ہے کہ حیض و نفاس کے ایام میں یہ نماز روزہ چھوڑ دیتی ہے اور پھر نماز کی قضا بھی نہیں دیتی، تو یہ اس کے دین کی کمی ہے۔ لیکن یہ نقص ایسا نہیں ہے کہ اس پر اس کا مواخذہ اور پکڑ ہو، بلکہ یہ اللہ کی شریعت میں ان کے لیے نرمی اور آسانی کے لیے ہے۔ کیونکہ ایام حیض و نفاس کی صورت میں اگر یہ روزے رکھے گی تو اس کے لیے مشقت ہوگی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان ایام میں روزوں کی رخصت دی ہے کہ بعد میں ان کی قضا دے لیں۔

اور نماز اس لیے نہیں پڑھ سکتی کہ یہ طہارت سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا اللہ نے شریعت بنا دی کہ حیض و نفاس کے دنوں میں یہ نماز نہ پڑھے، اور پھر قضا دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس میں بہت مشقت ہوتی۔ نمازیں روز کی پانچ ہیں، اور ایام مخصوصہ بعض اوقات آٹھ نو دن تک جاری رہتے ہیں، اور ایام نفاس چالیس دنوں تک چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا اللہ نے اپنی رحمت و احسان سے نماز ادا کرنے یا اس کی قضا دینے کی معافی دے دی ہے۔

اور اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عورت ہر ہر شے میں کم عقل اور ہر ہر معاملے میں ناقص دین ہے۔ بلکہ وہ اسی قدر ہے جو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ گواہی کے معاملے میں اسے بات پوری طرح یاد نہ رہی ہو، اور دین کے معاملہ میں وہ نماز روزہ چھوڑے رہتی ہے۔

اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ یہ ہر ہر معاملہ میں مرد سے کم اور مرد اس سے افضل و اعلیٰ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے مردوں کی جنس، عورتوں کی جنس کے مقابلے میں مجموعی طور پر افضل ہے۔ اور اس کے کئی اسباب ہیں، جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء : ٤/ ٣٤)

''مرد عورتوں پر نگہبان ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس سبب سے بھی کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

جبکہ بعض اوقات بہت سے معاملات میں عورتیں اپنی عقل، اپنے دین اور حفظ و ضبط کے اعتبار سے بہت سے مردوں سے فائق ہوتی ہیں۔ اور حدیث میں صرف جنس کی افضلیت بتائی گئی ہے۔ کئی عورتیں اعمال صالحہ میں بہت سے مردوں سے بڑھ کر ہوتی ہیں، ان کا تقویٰ مردوں سے بڑھ کر ہوتا ہے اور آخرت میں بھی بعض عورتیں بہت سے مردوں سے افضل ہوں گی۔ اور بعض معاملات میں ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کا حفظ و ضبط بہت سے مردوں سے بڑھ کر ہوتا ہے، اور یہ صورت مسائل میں بھی ہوتی ہے تو تاریخ اسلامی وغیرہ میں یہ مرجع بن جاتی ہے۔ اس کمی کے باعث اس کی روایت کو ناقابل اعتماد نہیں ٹھہرایا جاسکتا، اور ایسے ہی گواہی کے معاملہ میں جب یہ کسی دوسری عورت کے ساتھ مل کر گواہی دے۔ ایسے ہی اگر کوئی عورت اپنے دین میں پختہ ہو اور صاحب تقویٰ ہو تو اللہ کے مقرب بندوں اور مقرب بندیوں میں سے ہوسکتی ہے۔ خواہ نماز روزے کے معاملے میں اسے ایک خاص رعایت حاصل ہے۔

لہٰذا کسی بھی صاحب ایمان کو روا نہیں ہے کہ عورت کو ہر ہر معاملے میں ناقص العقل اور دین کے سب پہلوؤں سے اسے ناقص الدین قرار دے۔ بلکہ وہ خاص امور ہیں جن کی آپ ﷺ نے وضاحت فرما دی ہے۔ اور آپ ﷺ کے فرامین کا بہترین مفہوم ہی مراد لینا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ منسوخ ہے تو اس کی ناسخ کون سی حدیث ہے؟

جواب: اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے کا حکم دو صحیح حدیثوں سے ثابت ہے:

۱۔ صحیح مسلم اور مسند میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا: کیا ہم بکریوں کے گوشت سے وضو کریں؟ فرمایا: ''چاہو تو وضو کرلو اور چاہو تو نہ کرو۔'' اس نے کہا: ''کیا ہم اونٹ کے

گوشت سے وضو کریں؟" فرمایا: "ہاں، اونٹ کے گوشت سے وضو کرو۔" اس نے کہا: "کیا ہم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیں؟" فرمایا: "ہاں۔" اس نے پوچھا: "کیا ہم اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لیں؟" فرمایا: "نہیں"۔ ❶

۲۔ دوسری حدیث مسند احمد اور ابوداؤد میں آئی ہے اور حافظ بیہقی وغیرہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کے گوشت سے وضو کا پوچھا گیا تو فرمایا: "اس سے وضو کرو۔" پھر بکریوں کے گوشت سے وضو کا پوچھا گیا تو فرمایا: "اس سے وضو کی ضرورت نہیں۔" آپ سے اونٹوں کے باڑوں میں نماز کا پوچھا گیا تو فرمایا: "اس میں نماز نہ پڑھو، بلاشبہ یہ شیطان (صفت) ہوتے ہیں۔" آپ سے بکریوں کے باڑوں میں نماز کا پوچھا گیا، تو فرمایا: "اس میں نماز پڑھ لو، بلاشبہ یہ بابرکت ہوتی ہیں۔" ❷

ان دو حدیثوں کی روشنی میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، اہل ظاہر، علمائے شافعیہ میں سے ابن منذر ابن خزیمہ اور بیہقی وغیرہ رحمہم اللہ اونٹ کے گوشت سے وضو کرنا لازم کہتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر اونٹ کے گوشت کے بارے میں حدیث صحیح ہوتی تو میں اس کے بموجب فتویٰ دیتا۔ اس پر امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے: "میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں دو حدیثیں صحیح ثابت ہیں۔" امام مالک، ابوحنیفہ، شافعی رحمہم اللہ اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے کی حدیث منسوخ ہے۔ ان کے بقول اس کی ناسخ وہ حدیثیں ہیں جن سے آگ سے متاثرہ چیزوں سے وضو کرنے کا حکم منسوخ ہے۔ مثلاً صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ، زید بن ثابت اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس سے وضو کرو۔" ❸ تو ان کے بقول جن احادیث سے یہ حکم منسوخ ہے ان سے اونٹ کے گوشت سے وضو کا حکم بھی منسوخ ہے۔

فریق اول کہتا ہے کہ امام نووی اور شافعی رحمہما اللہ کے بقول اونٹ کے گوشت سے وضو واجب ہونا راجح ہے ان حضرات کے نزدیک جو وضو واجب کہتے ہیں کہ آگ سے متاثرہ چیزوں سے وضو کا حکم عام اور اونٹ کے گوشت سے وضو کا حکم خاص ہے، اور عام کو خاص پر مطلقاً بنا کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اہل علم نے اسے مطلق نہیں کہا

❶ صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، حديث: ٣٦٠ مسند احمد بن حنبل: ٥/ ٩٨، حديث: ٢٠٩٦٣ وصحيح ابن حبان: ٣/ ٤٣١، حديث: ١١٥٤.

❷ سنن ابى داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الابل، حديث: ١٨٤ ومسند احمد بن حنبل: ٤/ ٢٨٨، حديث: ١٨٥٦١.

❸ صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء مما مست النار، حديث: ٣٥١، ٣٥٢، ٣٥٣ وسنن أبى داود، كتاب الطهارة، باب التشديد فى ذلك، حديث: ١٩٥ وسنن النسائى، كتاب الطهارة، باب الوضوء مما غيرت النار، حديث: ١٧١ وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء مما غيرت النار، حديث: ٤٨٦.

ہے۔ ان کے نزدیک عام حکم جو متاخر ہو وہ سابقہ خاص حکم کا بھی ناسخ ہوسکتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک، جیسے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے، اونٹ کے گوشت سے وضو کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اگر آپ اونٹ کے گوشت سے وضو کی حدیث کو آگ کی پکی اشیاء سے وضو کی احادیث کو ناسخ بنائیں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بکری کے گوشت سے وضو نہ کرنے کا حکم، آگ سے پکی اشیاء سے وضو کے نسخ کے بعد کا ہے۔ حالانکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں میں فرق کیا ہے، جبکہ بکری اور اونٹ دونوں کے گوشت آگ پر پکتے ہیں۔ اس میں اس کی وضاحت ہے کہ اونٹ کے گوشت سے وضو کے حکم کا آگ اور عدم آگ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ خاص اونٹ کے گوشت سے متعلق ہے۔ اور اس پر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ ''یہ اونٹ شیطان (صفت) ہوتے ہیں۔''

تاہم اونٹوں کا پیشاب پاک ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ میں آئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں صدقے کے اونٹ دیے اور فرمایا کہ باہر جنگل میں چلے جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔'' ❶

وہ اجڈ اعرابی لوگ تھے، شرعی احکام سے کوئی زیادہ آگاہ نہ تھے۔ اگر اونٹوں کا پیشاب نجس ہوتا تو آپ انہیں کم ازکم یہ حکم ضرور دیتے کہ اسے پینے کے بعد کلی کرلیا کرنا۔ الغرض اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں امام احمد اور امام رحمہ اللہ بھی اس کے پاک ہونے کے قائل ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں وارد الفاظ 'المائلات، ممیلات' کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((صنفان من أهل النار لم أرهما: رجال بايديهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مائلات مميلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها.))

''دو طرح کے لوگ ہیں جو دوزخی ہوں گے، میں نے انہیں نہیں دیکھا ہے۔ ایک مرد ہوں گے، ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دُمیں ہوں، ان سے لوگوں کو مارتے ہوں گے، اور دوسری عورتیں ہوں گی کپڑے پہنے ہوئے مگر ننگی، مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی، ان کے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الوضوء باب ابوال الابل والدواب والغنم ومرابضها، حدیث: ۲۳۱ وصحیح مسلم، کتاب القسامة، باب حکم المحاربین والمرتدین، حدیث: ۱۶۷۱ وسنن ابی داود، کتاب الحدود، باب ما جاء فی المحاربة، حدیث: ٤٣٦٤ وسنن الترمذی، کتاب الاطعمة، باب شرب ابوال الابل، حدیث: ۱۸٤٥.

سر بختی اونٹوں کی طرح ڈھلکے ہوئے ہوں گے، یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور نہ اس کی خوشبو ہی پا سکیں گے۔'' [1]

اس میں بہت بڑی وعید ہے جس سے ڈرنا اور بچنا واجب ہے۔

مرد جن کے ہاتھوں میں بیلوں کی دموں کی مانند کوڑے ہوں گے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ناحق لوگوں کو مارتے ہوں جیسے کہ پولیس والے یا دوسرے ہوتے ہیں، خواہ وہ اہل حکومت کے حکم سے کریں یا اس کے علاوہ اپنے طور پر۔ حالانکہ حکومت کی بات صرف نیکی اور معروف میں قابل اطاعت ہوتی ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ((إنما الطاعة في المعروف .)) ''اطاعت صرف معروف اور نیکی میں ہے۔'' [2] آپ کا ایک فرمان یہ بھی ہے ''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔'' [3]

آپ کا فرمان: ''عورتیں ہوں گی کپڑے پہنے ہوئے مگر ننگی.....'' اہل علم نے اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ ''پہنے ہوں گی'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، اور ''ننگی ہوں گی۔'' یعنی ان کے شکر سے۔ اللہ کی اطاعت گزار نہ ہوں گی۔ اللہ کے انعامات مال وغیرہ پا کر گناہ اور برے کاموں سے باز نہ آتی ہوں گی۔ یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ان کا لباس ایسا ہوگا جو انہیں چھپاتا نہیں ہوگا، یا تو بہت ہی باریک ہوگا یا اس قدر مختصر ہوگا جس سے پردے کا فائدہ حاصل نہ ہوتا ہوگا۔ اس کے بعد ''عاریات'' فرمایا کہ ان کا لباس ان کا ستر نہیں ڈھانپتا ہوگا۔

'مائلات' ''مائل ہونے والی'' یعنی عفت و پاکدامنی سے اور دین میں پختگی اور استقامت سے۔ ان کے گناہ اور نافرمانیاں ان عورتوں کی طرح ہوں گی جو فحش اور بدکاری کی مرتکب ہوتی ہیں۔ یا نمازوں وغیرہ کے فرائض کی ادائیگی میں انتہائی قاصر ہوں گی۔

'ممیلات' ''یعنی دوسروں کو اپنے اقوال و افعال اور کردار سے شر اور فساد کی دعوت دینے والی ہوں گی۔ ایمان سے محرومی یا کمزوریِ ایمان کے باعث فواحش کی مرتکب اور دوسروں کو دعوت دیتی ہوں گی۔

اس حدیث میں درس یہی ہے کہ مختلف قسم کے ظلم و ستم اور شر و فساد سے بچنا چاہیے۔ مرد ہوں یا عورتیں، سب کو اس سے خبردار رہنا ضروری ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، حديث: ٢١٢٨ ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٥، حديث: ٨٦٥٠ والسنن الكبرى للبيهقي: ٢/ ٢٣٤، حديث: ٣٠٧٧۔ یہ روایت الفاظ کے معمولی فرق اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ مروی ہے۔

[2] صحيح بخارى، كتاب التمنى، باب ما جاء في اجازة خبر الواحد الصدوق في الاذان، حديث: ٦٨٣٠ وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب الطاعة الامراء في غير معصية، حديث: ١٨٤٠ وسنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الطاعة، حديث: ٢٦٢٥.

[3] المعجم الكبير للطبراني: ١٨/ ١٧٠، حديث: ٣٨١، مصنف ابن ابى شيبة: ٦/ ٥٤٥، حديث: ٣٣٧١٧.

''ان کے سر بختی اونٹوں کے ڈھلکے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔'' بعض اہل علم کے بقول یہ عورتیں اپنے سروں پر بال اور لفافے اس طرح سے رکھیں گی کہ ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ بختی اونٹوں کے دو کوہان ہوتے ہیں، درمیان میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے اور وہ ایک جانب کو جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو اسی طرح یہ عورتیں بھی اپنے سروں کو ان کی طرح بنانے والی ہوں گی۔

آپ کا فرمان '' یہ جنت میں داخل نہیں ہوگی'' یہ بڑی سخت وعید ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کافر ہوں گی یا ہمیشہ جہنم میں رہیں گی، بشرطیکہ اسلام پر ان کی موت ہوئی ہو، بلکہ اس میں انہیں اور دیگر گناہ گاروں سب کو آگ سے ڈرایا گیا ہے، اور یہ لوگ اللہ کی مشیت میں ہیں۔ چاہے تو معاف فرما دے اور چاہے تو عذاب دے، جیسے کہ اللہ عزوجل نے سورۃ النساء میں دو جگہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء : ٤/ ٤٨)

''اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔''

اور گناہ گار لوگ جو جہنم میں جائیں گے وہ کافروں کی طرح ہمیشہ ہی اس میں نہیں رہیں گے مثلاً قاتل، زانی، اور خودکشی کرنے والا وغیرہ۔ اس کا جہنم میں رہنا کفار کی طرح نہیں ہوگا بلکہ یہ ''خلود'' ایسا ہوگا جو ایک مدت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مسلک ہے، بخلاف خوارج، معتزلہ اور دیگر ان کی طرح کے اہل بدعت کے کہ وہ انہیں ابدی جہنمی کہتے ہیں۔ صحیح متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے کئی بار سفارش فرمائیں گے اور اللہ عزوجل بھی اسے قبول فرمائے گا اور ہر بار آپ کے لیے ایک حد متعین کر دی جائے گی، تو آپ ان لوگوں کو جہنم سے نکالیں گے۔[1] آپ کے علاوہ دیگر انبیاء و رسل، مومنین، فرشتے اور صغیر السن بچے، یہ سب اللہ کی اجازت سے سفارش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ بھی جن اہل توحید کے لیے چاہے گا قبول فرمائے گا۔ اور آخر میں کچھ گناہ گار ایسے بھی ہوں گے جو سابقہ سفارشوں سے رہ جانے والے ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خاص فضل واحسان سے انہیں بھی نکال دے گا، اور پھر جہنم میں صرف اور صرف کفار ہی رہ جائیں گے جو ہمیشہ ہمیش کے لیے اس میں رہیں گے، جن کے بارے میں فرمایا:

﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا﴾ (بنی اسرائیل : ١٧/ ٩٧)

''جب کبھی وہ آگ ہلکی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔''

اور فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، حدیث : ٤٢٠٦ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اهل الجنة منزلة فيها، حدیث : ١٩٣ وسنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر الشفاعة، حدیث : ٤٣١٢.

﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ (النبأ: ۷۸/ ۳)

"تو چکھو (اپنے کرتوتوں کا وبال) ہم تمہیں عذاب ہی میں بڑھائیں گے۔"

بت پرست کافروں کے بارے میں فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ۝﴾

(البقرة: ۲/ ۱۶۷)

"اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا، حسرت دلانے کو، یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (المائده: ۵/ ۳۶)

"یقین مانو کہ کافروں کے لیے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے، بلکہ اس کے مثل اور بھی ہو، اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذاب کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا فدیہ قبول کر لیا جائے۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہی ہے۔"

اور اس معنی کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح سے عافیت دے اور ان کے حال سے محفوظ رکھے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: رضاعت کبیر یعنی بڑی عمر کے بچے کو دودھ پلانے سے حرمت کے مسئلہ میں وارد سالم مولیٰ بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کیا انہی سے خاص ہے یا عام؟

جواب: آپ جانتے ہیں کہ یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے صحیح مسلم میں آئی ہے۔ زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہما اپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ بھرپور جوان لڑکا آپ کے ہاں آجاتا ہے، میں تو پسند نہیں کرتی کہ وہ میرے ہاں آئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ نہیں ہیں؟ انہوں نے بیان کیا کہ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: (ہمارا متبنّیٰ) سالم میرے سامنے آجاتا ہے، جبکہ وہ اب مرد بن چکا ہے، تو (میرے شوہر) ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اس کے بارے میں کچھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے دودھ پلا دو، حتیٰ کہ وہ تیرے سامنے آسکے۔"[1]

اس حدیث میں علماء کا تین نکات میں اختلاف ہے۔ آدمی کسی اجنبی عورت کو مس نہیں کر سکتا۔ عورت اپنا

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب رضاعة الكبير، حديث: ۱۴۵۳ ومسند احمد بن حنبل: ۶/ ۱۷۴، حدیث: ۲۵۴۵۴.

جسم کسی اجنبی کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتی، اور سینہ تو اور بھی حساس مقام ہے۔ پھر مرد اس پر ہاتھ رکھے، کجا یہ کہ وہ اسے چوسے۔ اس سے جانبین کے جذبات میں انگیخت ہو گی۔

دلائل ان چیزوں کے برعکس ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۳۳)

''مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔''

جمہور اس طرف گئے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

بعض نے کہا یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ خاص تھی۔ صحیح مسلم میں ہے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ) باقی تمام ازواج نبی نے ایسی رضاعت سے کسی بڑے بچے کو اپنے اوپر داخل ہونے کا انکار کیا۔ [1] اور ہم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ہم سمجھتی ہیں کہ یہ ایک خاص رخصت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم رضی اللہ عنہ کے لیے دی تھی، اس لیے ایسی رضاعت سے ہم پر کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔

امام ابن حزم، لیث بن سعد، عروہ بن زبیر (تابعی) رحمہم اللہ اور ان سے قبل صحابہ میں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رضاعت کبیر کی قائل ہیں۔

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نوے سال کا بھی ہو اور کسی عورت کے دودھ کا پانچ رضعہ (گھونٹ) پی لے، تو وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جائے گی اور اس کے لیے حرام ہو گی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک درمیانی راہ اختیار کی ہے کہ یہ جناب سالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رخصت تھی اور یہ ہر اس شخص کے لیے جو اس قسم کے حالات میں ہو، رخصت ہو سکتی ہے۔ مثلاً کوئی بچہ کسی عورت کی گود میں پلا بڑھا ہو اور اسے اپنی ماں سمجھتا ہو، بڑا ہونے پر بھی وہ اس سے معانقہ کرتا اور اس کا بوسہ لیتا ہو، اس یقین کے ساتھ کہ یہ اس کی ماں ہے، پھر اسے اچانک بتایا جائے کہ یہ تیری ماں نہیں ہے، تو اس کے جذبات یکدم تبدیل نہیں ہو جائیں گے۔ اس پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اس قسم کے حالات میں اس حدیث کو ہم سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیوں خاص کر دیں، بلکہ ایسے شخص کے لیے رضاعت (کبیر) کی رخصت ہو گی۔ مثلاً اگر کسی ماں باپ نے کسی بچے کو بطور متبنّیٰ لیا ہو اور وہ اس کا حکم نہ جانتے ہوں کہ متبنّیٰ بنانا ناجائز ہے، پھر بعد میں علم ہو تو عورت کے لیے جائز ہو گا کہ ایسے بڑے بچے کو دودھ پلا سکتی ہے، خواہ وہ مرد بھی بن گیا ہو۔

اگر آپ اس پر مطمئن نہ ہوں تو آپ کے سامنے جمہور کا قول موجود ہے۔ اور یہ احادیث سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کو مقید بنا سکتی ہیں۔ اس میں امہات مومنین کے قول کی دلیل ہے کہ یہ خاص رعایت تھی جو

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب رضاعة الكبير، حديث: ۱۴۵۳ ومسند احمد بن حنبل: ۶/ ۱۷۴، حديث: ۲۵۴۵۴

رسول اللہ ﷺ نے جناب سالم رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائی تھی۔ ❶ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ ''جس کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے، انہیں کھلائے پلائے اور پہنائے، تو وہ اس کے لیے آگ سے پردہ ہوں گی۔'' ❷ کیا یہ خوشخبری صرف والد کے لیے ہے یا ماں بھی اس میں شریک ہے؟ میرے ہاں بحمد اللہ تین بیٹیاں ہیں؟

جواب: (۱) یہ حدیث ماں اور باپ دونوں کے لیے عام ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں:

((من كانت له ابنتان فأحسن إليهما كن له سترا من النار .))

''جس کی دو بیٹیاں ہوں اور پھر وہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے تو وہ اس کے لیے آگ سے حجاب اور پردہ ہوں گی۔'' ❸

اس میں عموم ہے۔ اگر کسی کی بہنیں یا پھوپھیاں یا خالائیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، تو بھی اس اجر عظیم کا مستحق ہوگا اور جہنم سے روک لیا جائے گا اور اس کے اور جہنم کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی جائے گی، یہ اس کے پاکیزہ عمل کا بدلہ ہوگا۔ اور یہ اجر صرف مسلمانوں ہی کے لیے خاص ہے۔ لہٰذا اگر مسلمان اللہ کی رضا کے لیے یہ نیکیاں کمائے تو گویا اس نے اپنے لیے جہنم سے بچاؤ کا سبب پا لیا۔

جہنم سے بچاؤ اور جنت میں داخلہ کے کئی اسباب ہیں۔ ایک صاحب ایمان کی کثرت سے بیٹیاں ہوں، بہنیں ہوں، یا تین بچے جو بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں وہ اس کے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! اور (اگر کسی کے) دو (فوت ہوئے) ہوں؟، فرمایا: ''دو بھی''۔ صحابہ نے ایک کے متعلق سوال نہیں کیا۔ (مگر یہ معنی ومفہوم دوسری حدیث سے نکلتا ہے) آپ سے صحیح سند سے ثابت ہے، ❹ فرمایا:

((يقول الله عزوجل: ما لعبدي المومن جزاء إذا أخذت صفية من أهل الدنيا فاحتسب إلا الجنة .))

---

❶ اختصار از مترجم۔

❶ المعجم الكبير للطبرانی:۱۷/ ۳۰۰، حدیث: ۸۳۰.

❷ بعینہٖ الفاظ مجھے نہیں مل سکے البتہ اس کے ہم معنی الفاظ/روایات مندرجہ ذیل مقامات پر دیکھ سکتے ہیں۔ اکثر روایات میں ''من ابتلى من هنده البنات'' کے الفاظ ہیں دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الزكاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، حدیث: ۱۳۵۲ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب فضل الاحسان الى البنات، حدیث: ۲۶۲۹ مسند الطيالسی:۱/ ۲۲۵، حدیث: ۱۶۱٤ المعجم الكبير للطبرانی:۲۳/ ۳۹۲، حدیث: ۹۳۸.

❹ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، حدیث: ۱۱۹۲ سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، جاء فی ثواب من احسیب بولده، حدیث: ۱۶۰٦ (اس میں ایک بچے کا بھی ذکر ہے) صحیح ابن حبان: ۷/ ۲۰٦، حدیث: ۲۹٤٤.

''اللہ عزوجل نے فرمایا ہے، میں اپنے بندے سے جب اس کی اہل دنیا میں سے کسی محبوب چیز کو لے لوں اور پھر وہ اس پر ثواب کا امیدوار ہو تو اس کے لیے جنت سے ورے اور کوئی بدلہ نہیں۔''[1]

تو ان شاء اللہ اس حدیث کی روشنی میں ایک بچہ بھی اگر فوت ہو جائے اور پھر اس کی ماں یا باپ یا دونوں ہی صبر کریں تو ان دونوں کے لیے اللہ کے فضل سے جنت ہے۔ اور یہی حکم شوہر، بیوی اقارب کے امیدوار ہوں تو اس حدیث کی روشنی میں اس خوشخبری میں داخل ہوں گے، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے ان کی وفات ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

(۲) بیٹیوں کے ساتھ احسان کے معنی:

ان کے ساتھ احسان کے معنی ہیں کہ ان کی تربیت اسلامی اصولوں پر کی جائے، حق پر ان کی پرورش ہو، انہیں عفیف و پاک دامن رکھا جائے، اظہار زینت وغیرہ کے اعمال سے بچایا جائے۔ اور یہی عمل بہنوں کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا احسان وسلوک کرنا چاہیے، حتیٰ کہ ان سب کی اٹھان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہو، حرام کاموں سے بچنے والے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے والے ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس احسان کے معنی صرف کھلانے پلانے اور لباس تک محدود نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی اس سے وسیع تر ہیں کہ دین و دنیا کے سبھی معاملات میں ان کے ساتھ احسان کیا جائے۔

(۳) کیا ان وعدوں کے حصول کے لیے کبیرہ گناہوں سے بچنا شرط ہے؟

ہاں، یہ ایک اہم اصول وقاعدہ ہے اور اہل السنۃ کا اس پر اجماع ہے کہ رب تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے مغفرت یا جنت یا جہنم سے نجات کے جو وعدے کیے ہیں وہ سب مشروط ہیں اس بات سے کہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء: ٤/ ٣١)

''اگر تم منع کیے گئے کبیرہ گناہوں سے بچو گے، ہم تمہاری دوسری غلطیاں معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل کریں گے۔''

یہ دلیل ہے کہ جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں کرے گا، اسے یہ جزا بھی حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ 'ان تجتنبوا' شرط اور اس کے بعد 'نکفر عنکم' اس کی جزا اور جواب شرط ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقائق، باب العمل الذی یبتغی بہ وجہ اللہ، حدیث: ٦٠٦٠، مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٤١٧، حدیث: ٩٣٨٢ روایات میں "المومن" کے بعد "عندی" اور "اخذت" کی جگہ "قبضت" ہے۔ (عاصم)

الغرض صاحب ایمان مرد اور اسی طرح عورت سب کے لیے واجب ہے کہ کبائر سے ڈرتے رہیں اور بچیں۔
کبائر یا کبیرہ گناہوں سے مراد وہ بڑے گناہ ہیں جن پر اللہ اور رسول کی طرف سے لعنت، غضب یا جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، یا جن پر دنیا میں کوئی حد مرتب ہوتی ہے جیسے کہ زنا اور چوری ہے۔ اسی طرح ماں باپ کی نافرمانی، قطع رحمی، سود خواری، یتیم کا مال ہڑپ کر جانا، غیبت، چغل خوری اور گالی گلوچ وغیرہ سب کبیرہ گناہ ہیں، لہٰذا ان سے بچنا واجب ہے۔ اگر پہلے کوئی سرزد ہوا ہو تو اس سے توبہ کرنی چاہیے۔
صحیح حدیث میں ہے:

((الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن ما لم تغش الكبائر - يا- إذا اجتنبت الكبائر .))

''پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے مابین کے لیے کفارہ ہیں، جب تک کہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔'' [1]

اور یہ حدیث مذکورہ بالا آیت کریمہ کے عین مطابق ہے۔

اور ایک حدیث اس طرح ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے وضو کر کے دکھلایا اور فرمایا: ''جس نے وضو کیا اور عمدہ وضو کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں جب تک کہ ''مقتلہ'' یعنی کبیرہ کا مرتکب نہ ہو۔'' [2]

الغرض ہر مومن اور مومن عورت پر لازم ہے کہ خیرات کمانے میں بھرپور کوشش کرے، اعمال صالحہ میں محنت کرے، برائیوں اور گناہوں سے بچے، بالخصوص کبیرہ گناہوں سے بہت ہی احتیاط کرے۔ کیونکہ ان کا انجام بڑا خطرناک ہے، اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائے۔ خواہ یہ شرک سے کم تر ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء : ٤/ ٤٨)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ کو جس کے لیے وہ چاہے گا بخش دے گا۔'' (عبدالعزیز بن باز)

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ آدمی نماز میں اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔ کیا اس سے مراد مسجد میں کسی خاص جگہ بیٹھنا ہے یا سجدہ میں جانے کی ہیئت مراد ہے؟

جواب: شاید سائل کے ذہن میں دو حدیثیں ایک دوسرے سے خلط ہو گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ...... حديث : ٢٣٣، سنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب فضل الصلوات الخمس، حديث : ٢١٤ (مختصرا) مسند احمد بن حنبل : ٢/ ٤٠٠، حديث : ٩١٨٦

[2] مسند البزار : ٦/ ٤٩١، حديث : ٢٥٢٦، مسند احمد بن حنبل : ٥/ ٤٣٩، حديث : ٢٣٧٦٩ وشعب الايمان للبيهقی: ٣/ ٩٦، حديث : ٢٩٨٥ .

((نهى رسول الله ﷺ فى الصلاة من ثلاث نقر الغراب، افتراش السبع، وأن يوطن الرجل المقام الواحد كإطان البعير .))

''رسول اللہ ﷺ نے نماز میں تین باتوں سے منع فرمایا ہے: کوے کی طرح ٹھونگیں مارنا، درندے کی طرح ہاتھ بچھا کر بیٹھنا اور یہ کہ آدمی کوئی جگہ خاص کر لے جیسے کہ اونٹ بنا لیتا ہے۔''[1]

یعنی وہ ہمیشہ کسی ایک ہی جگہ بیٹھے کہ مسجد میں آنے والا آئے تو اسے وہیں پائے، اور یہ شخص بھی پسند کرے کہ اسے اسی جگہ دیکھا جائے۔ مگر یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

اور اس کے مقابل صحیح طور پر ثابت ہے کہ:

''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے جس کے پاس قرآن مجید رکھے ہوتے تھے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ کوشش کر کے اس ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔''[2]

دوسرا مسئلہ سجدہ میں جانے کی ہیئت کا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبرك البعير، وليضع يديه ثم ركبته .))

''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرنے لگے تو ایسے نہ بیٹھے جیسے کہ اونٹ بیٹھتا ہے، چاہیے کہ پہلے اپنے ہاتھ زمین پر رکھے پھر اپنے گھٹنے۔''[3]

امام مالکؒ اور دیگر بہت سے ائمہ حدیث اس کے قائل ہیں۔ امام ابن حزمؒ نے اسے واجب قرار دیا ہے، اور یہ کہ جو یہ نہ کرے اس کی نماز باطل ہے۔ امام اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ اپنے ہاتھ گھٹنوں

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه فى الركوع والسجود، حديث : ٨٦٢ وسنن النسائى، كتاب صفة الصلاة، باب النهى عن نقرة الغراب، حديث : ١١١٢ وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى توطين المكان فى المسجد، حديث : ١٤٢٩ مسند احمد بن حنبل : ٣/ ٤٢٨، حديث : ١٥٥٧٢۔ فتویٰ میں مذکورہ الفاظ مسند احمد کے ہیں۔ (عاصم)

[2] صحيح بخارى، ابواب سترة المصلى، باب الصلاة الى الاسطوانه، حديث : ٤٨٠ وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب دنو المصلى من السترة، حديث : ٥٠٩ ومسند احمد بن حنبل : ٤/ ٤٨، حديث : ١٦٥٦٤ والسنن الكبرى للبيهقى : ٢/ ٢٧١، حديث : ٣٢٨٤.

[3] سنن ابی داود، كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حديث : ٨٤٠ وسنن النسائى، كتاب صفة الصلاة، باب اول ما يصل الى الارض من الانسان فى السجود، حديث : ١٠٩١ وسنن الترمذى، ابواب الصلاة، باب وضع الركبتين قبل اليدين فى السجود(باب آخر منه)، حديث : ٢٦٩۔ فتویٰ میں مذکور الفاظ سنن ابی داود اور مسند احمد کے ہیں۔

سے پہلے رکھا کرتے تھے۔ جمہور کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ بندہ پہلے اپنے گھٹنے رکھے، اس کے بعد اپنے ہاتھ۔ ان کا استدلال حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے:

((قال رأيت رسول الله ﷺ إذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه ، وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه .))

''کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو آپ پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے پھر ہاتھ رکھتے، اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے۔''❶

مگر اس حدیث کا مدار شریک بن عبداللہ قاضی پر ہے، جو سیئُ الحفظ ہے، اور اس قسم کی سنتوں میں اس کا تفرد قابل قبول نہیں ہے۔

خیال رہے کہ اس مقام پر اس حدیث میں امام ابن القیم رحمہ اللہ نے (زاد المعاد میں) ایک اور بحث چھیڑ دی ہے۔ ان کے بقول اس حدیث کے آخری حصے کے الفاظ راوی سے آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق گویا اصل روایت یوں تھی ((ويضع يديه ثم ركبتيه .)) کیونکہ اگر آدمی پہلے ہاتھ رکھے اور گھٹنے بعد میں رکھے تو یہ عین اونٹ کا بیٹھنا ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے (یہاں کوئی قلب نہیں ہوا بلکہ) اس حدیث کی ہم معنی ایک اور حدیث دارقطنی اور حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((أن النبي ﷺ إذا سجد وضع يديه ثم ركبتيه .))

''نبی اکرم ﷺ جب سجدہ کرتے تو پہلے اپنے ہاتھ رکھتے تھے پھر اپنے گھٹنے۔''❷

یہ حدیث بقول علامہ البانی رحمہ اللہ علیٰ شرط مسلم صحیح ہے اور اس مسئلہ میں قول فیصل ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے پہلے اور آخری حصے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

---

❶ سنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب وضع الركبتين قبل اليدين فى السجود، حديث : ٢٦٨ سنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حديث : ٨٣٨ وسنن النسائى، كتاب صفة الصلاة، باب اول ما يصل الى الارض من الانسان فى سجوده، حديث : ١٠٨٩ سنن ابن ماجه، كتاب اقامة، الصلاة، باب السجود، حديث : ٨٨٢، سنن الدارمى: ١/ ٣٤٧، حديث : ١٣٢٠۔ فتویٰ میں مذکورہ الفاظ ترمذی اور سنن الدارمی کے ہیں دیگر میں "یضع" کی جگہ "وضع" ہے۔ (عاصم)

❷ حاکم اور دارقطنی میں بعینہٖ الفاظ نہیں ملے، البتہ حاکم میں یہ الفاظ ہیں: 'كان يضع يديه قبل ركبتيه' اور دارقطنی میں 'كان اذا سجد يضع يديه قبل ركبتيه' کے الفاظ ہیں۔ حاکم کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل ہے جسے انہوں نے مرفوع قرار دیا ہے، اور دارقطنی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا عمل بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ المستدرك للحاكم : ١/ ٣٤٨، حديث : ٨٢١ وسنن الدارقطنى : ١/ ٣٤٤، حديث : ٢ .

ابن القیم رحمہ اللہ نے جو یہ کہہ دیا ہے کہ اونٹ کے گھٹنے اس کی اگلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں، درست نہیں۔ [1]
بلکہ اہل لغت کہتے ہیں کہ ((ورکبتا البعیر فی یدیه))(الازہری) اونٹ کے گھٹنے اس کی اگلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں۔ ابن سیدہ جو بڑے لغوی عالم ہیں ان کا کہنا ہے کہ:

((...... کل ذات اربع فرکبتاه فی یدیه وعقباه فی رجله .))

''ہر چوپائے کے گھٹنے اس کی اگلی ٹانگوں میں اور اس کی ایڑیاں پچھلی ٹانگوں میں ہوتی ہیں۔''

اور اس سے بڑھ کر صحیح بخاری میں حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ہجرت میں بیان ہوئی ہے کہ جب انہوں نے قبل از اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا تھا ...... کہا: ''......تو میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے حتیٰ کہ گھٹنوں تک اس میں چلے گئے......'' [2]

اور سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ خالص عربی آدمی ہیں جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ دلیل ہے کہ گھوڑے اور اونٹ کے گھٹنے اس کی اگلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں۔

اور نماز میں سجدہ میں جانے کی صحیح وصواب مسنون شکل یہی ہے کہ بندہ پہلے اپنے ہاتھ رکھے اور پھر اپنے گھٹنے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ سجدہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھتے ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا کوئی ایسی احادیث آئی ہیں کہ ان میں اس عورت کا ثواب بیان کیا گیا ہو جو حالت حمل میں وفات پا جائے؟

جواب: ہاں، مؤطا امام مالک، مسند امام احمد، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ، نسائی، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الشهادة سبع سوى القتل فی سبیل الله: المقتول فی سبیل الله شهید،

---

[1] یہ عبارت اس طرح ہے ''ابن القیم رحمہ اللہ کا یہ کہنا درست نہیں کہ کسی اہل لغت نے نہیں کہا کہ اونٹ کے گھٹنے اس کی اگلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں، کیونکہ ابن القیم کا موقف ہے کہ اونٹ کے گھٹنے اس کی پچھلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں، اور کسی اہل لغت نے یہ نہیں کہا کہ اس کے گھٹنے اگلی ٹانگوں میں ہوتے ہیں۔ دیکھیے: زاد المعاد : ۱/ ۲۱۵، بتحقیق شعیب الارناؤط۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب . (عاصم)

[2] حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''ساخت یدا فرسی'' میرے گھوڑے کے ہاتھ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ فاضل مترجم سے ''ہاتھ'' کی جگہ ''پاؤں'' سہواً لکھا گیا۔ واللہ اعلم۔ حوالہ کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری ، کتاب فضائل الصحابة ، باب هجرة النبی ﷺ واصحابه الی المدینة ، حدیث : ۳۶۹۳ ومسند احمد بن حنبل : ۴/ ۱۷۵ ، حدیث : ۱۷۶۲۷۔ المعجم الکبیر للطبرانی : ۷/ ۱۳۲ ، حدیث : ۶۶۰۱ صحیح ابن حبان:۱۴/ ۱۸۴ ، حدیث : ۶۲۸۰ .

والمطعون شهيد، والغريق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الصدم شهيد والمرأة تموت بجمع شهيد .))

''فی سبیل اللہ معرکہ میں قتل کے علاوہ شہادت سات قسم کی ہے: مقتول فی سبیل اللہ، جو طاعون سے مر جائے، جو پانی میں ڈوب کر مر جائے، جو پسلیوں کے درد (نمونیہ) میں مر جائے، جو پیٹ کی تکلیف سے مر جائے، جو آگ میں جل کر مر جائے، جو کسی دیوار وغیرہ کے نیچے آ کر مر جائے، اور وہ عورت جو بچہ پیٹ میں لیے مر جائے۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور لفظ ''جمع'' کو ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ مراد ہے وہ عورت جو ولادت کی وجہ سے مر جائے۔[2] ''اس چیز کے ساتھ فوت ہو، اس کے ساتھ جمع ہو، الگ نہ ہوئی ہو۔'' (مجلس افتاء)

سوال: حدیث ہے ((ما خلا رجل وامراة الا وكان الشيطان ثالثهما .)) اس کی شرح و تفصیل فرمادیں۔

جواب: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يخلون رجل بامرأة لا تحل له ، فإن ثالثهما الشيطان الا ذو محرم .))

''کسی عورت کے ساتھ، جو اس کے لیے حلال نہ ہو، ہرگز خلوت میں نہ ہو، بلاشبہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ اس کا محرم ہو۔''[3]

اس کے معنی واضح ہیں کہ آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہوگا تو شیطان ان دونوں کو معصیت اور نافرمانی میں دھکیل سکتا ہے۔ کم از کم حرام دیکھنا، لایعنی گفتگو پر آمادہ کرنا یا دل میں شہوانی جذبات ابھارنا وغیرہ، یا اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے چھوئے یا......

اس لیے علماء کا اجماع ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہونا حرام ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ دیکھیے: سنن ابی داود، كتاب الجنائز، باب فى فضل من مات فى الطاعون، حديث : ٣١١١ وسنن النسائى ، كتاب الجنائز، باب النهى عن البكاء على الميت، حديث : ١٨٤٦ و مسند احمد بن حنبل : ٥/ ٤٤٦، حديث : ٢٣٨٠٤ وصحيح ابن حبان: ٧/ ٤٦١ ، حديث : ٣١٨٩ المستدرك للحاكم : ١/ ٥٠٣ ، حديث : ١٣٠٠ .

[2] ''جمع'' کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ جو کنواری رہ کر مر جائے اور اس کو حیض نہ آیا ہو۔ (لغات الحدیث)

[3] مسند احمد بن حنبل : ٣/ ٤٤٦ ، حديث : ١٥٧٣٤ .

سوال: ایک حدیث ہے ((أيما امرأة خلعت ثوبها في غير بيت زوجها فقد هتكت الستر الذي بينها وبين الله .)) اور روایت میں ہے ((فقد هتكت ما بينهما وبين الله من حجاب .)) اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟

جواب: یہ صحیح حدیث ہے جو سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ان کے پاس اہل شام کی کچھ عورتیں آئیں، تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ان بستیوں والی ہو جن کی عورتیں حماموں میں جاتی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، تو انہوں نے کہا:

((إني سمعت رسول الله ﷺ يقول أيما امرأة خلعت ثيابها في غير بيت زوجها فقد هتكت ما بينها وبين الله من حجاب .))

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ جو کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اور اپنے کپڑے اتارتی ہے تو وہ اپنے اور اللہ کے درمیان جو پردہ ہے اسے پھاڑتی ہے۔“ [1]

اہل علم نے اس حدیث کے بارے میں بیان کیا ہے کہ مسلمان عورت کو قطعاً روا نہیں ہے کہ اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اور عریاں ہو۔ مگر اس حدیث کا تعلق اس بات سے ہے کہ عورتوں کو حماموں [2] میں جانا منع ہے، سوائے اس کے کما حقہ باپردہ ہوں۔ ورنہ اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ وہ رشتے جو عورت کے لیے ابدی طور پر حرام اور محرم ہیں، مثلاً باپ اور بھائیوں کے گھروں میں وہاں عورت کو (پردے کے) کپڑے اتارنا جائز ہے بالخصوص جب سامنے لڑکے نہ ہوں، صرف لڑکیاں ہی ہوں، تو اس کے لیے یہ عمل جائز ہے۔ عوامی حمامات میں یا ایسے گھروں میں جہاں غیر محرم مرد بھی ہوں وہاں اس طرح سے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے۔ اگر عوامی حمام میں جائے اور پردے کا اہتمام رکھے تو جائز ہے مگر ناپسندیدہ اور مکروہ بھی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

((اتقوا بيتا يقال له الحمام، قالوا: يا رسول الله إنه ينقي وينفع ، فقال ﷺ: فمن دخله فليستتر۔ الحاكم وصححه ووافقه الذهبي ، الضياء المقدسي في المختاره والطبراني وصححه الشيخ الالباني رحمه الله تعالى .))

”اس گھر (اور جگہ) سے بچو جسے حمام کہا جاتا ہے۔ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول، یہاں صفائی

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الحمام، باب(۱)، حدیث : ۴۰۱۰ وسنن الترمذی، کتاب الادب، باب دخول الحمام، حدیث . ۲۸۰۳ سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب دخول الحمام، حدیث : ۳۷۵۰ ومسند احمد بن حنبل : ۶/ ۲۶۷ ، حدیث : ۲۶۳۴۷۔ تمام روایات میں الفاظ کا معمولی فرق/اختلاف موجود ہے۔ (عاصم)

[2] مترجم کہتا ہے کہ اس سے مراد علاقہ شام وغیرہ میں معروف عوامی حمام ہیں جہاں خاص انداز سے غسل کیا اور کرایا جاتا ہے۔

ہوتی ہے اور فائدہ ہوتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ جو اس میں جائے باپردہ ہو کر جائے۔'' ❶

(محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا اگر کوئی نابینا مرد لڑکیوں کو پڑھائے تو جائز ہے؟ کیا حدیث ''تم تو اندھی نہیں ہو'' کے پیش نظر یہ ناجائز نہیں ہوگا؟

جواب: سب سے افضل اور لائق تر بات یہی ہے کہ عورتوں کو عورتیں ہی پڑھائیں۔ یہ صورت ہی فتنے سے بچاؤ کے لیے سب سے بڑھ کر ہے۔ تاہم ضرورت ہو تو جائز بھی ہے کہ کوئی نابینا آدمی لڑکیوں کو درس دے، یا اگر وہ بینا ہو تو درمیان میں پردہ حائل ہو یا بند شیشہ ہو۔

اور حدیث ''تم تو اندھی نہیں ہو'' ❷ یہ مردوں کا عورتوں کو پڑھانے کے لیے منع کی دلیل نہیں بن سکتی جبکہ لازمی تحفظ کا اہتمام کر لیا گیا ہو۔ یہ حدیث اس مسئلہ میں ہے کہ آیا عورت نابینا مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں۔ اور اس حدیث کی سند وغیرہ میں اہل علم کو کلام ہے ❸ جس کی تفصیل نیل الاوطار شوکانی وغیرہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (صالح بن فوزان)

سوال: اگر میں عورتوں کے لیے نماز کی جگہ میں کسی بچی کو عربی زبان پڑھاؤں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: ہاں، جائز ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: طالبات کا اپنی معلّمہ کے احترام میں کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

جواب: طالبات کا اپنی معلّمہ کے احترام میں کھڑا ہونا یا لڑکوں کا اپنے استاد کے احترام میں کھڑا ہونا درست نہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا کم از کم فقہی حکم ''کراہت شدیدہ'' ہے یعنی انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور کسی سے محبت نہ تھی مگر:

((ولم يكونوا يقومون له إذا دخل عليهم لما يعلمون من كراهته لذلك .))

''آپ جب ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ لوگ آپ کے لیے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے، کیونکہ

---

❶ المستدرك للحاكم:٤/ ٣٢٠، حديث : ٧٧٧٨، مصنف عبدالرزاق : ١/ ٢٩٠، حديث : ١١١٧ والسنن الكبرى للبيهقي : ٧/ ٣٠٩، حديث : ١٤٥٨٣ .

❷ صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها، حديث : ١٤٨٠ وسنن ابى داود، كتاب اللباس، باب فى قوله تعالى وقل للمومنات يغضضن من ابصارهن، حديث : ٤١١٢ وسنن الترمذى، كتاب الادب، باب احتجاب النساء من الرجال، حديث : ٢٧٧٨ .

❸ اس روایت کے تمام طرق/اسناد وغیرہ میں اہل علم کو کلام نہیں ہے کیونکہ یہ روایت صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اور خود امام شوکانی نے اسے بیان کر کے اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھیے: نیل الاوطار:٦/ ١٧٦۔ (عاصم)

وہ جانتے تھے کہ آپ اس کام کو ناپسند فرماتے ہیں۔" ❶

اس طرح ایک فرمان یہ ہے:

((من أحب أن يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار .)) ❷

"جو یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے سیدھے کھڑے رہا کریں، تو اسے چاہیے کہ اپنی جگہ آگ میں بنا لے۔" ❸

اس مسئلے میں مردوں اور عورتوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی رضامندی کے کام کرنے کی توفیق دے، اپنی ناراضی اور ممنوعات سے بچائے رکھے، اور سب کو علم نافع اور اس کے مطابق عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔ بلاشبہ وہ بڑا سخی اور مہربان ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: رسول اللہ ﷺ نے خواتین کے لیے ایک دن مقرر کیا ہوا تھا تاکہ وہ اپنے دینی امور سیکھ سکیں۔ آپ ﷺ نے انہیں مسجدوں میں آنے اور مردوں پیچھے نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے تاکہ وہ علم حاصل کر سکیں۔ تو اب علماء اس معاملہ میں آپ کی اقتدا میں ایسا کیوں نہیں کرتے؟ اگرچہ کہیں کہیں ایسا ہو بھی رہا ہے۔ مگر ناکافی ہے ہم اس سے مزید چاہتی ہیں۔

جواب: ہاں، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کیا ہے اور علماء بھی کرتے ہیں۔ میں نے بھی بحمد اللہ بہت دفعہ یہاں، مکہ، طائف اور جدہ میں ایسے کیا ہے۔ اور مجھے اس بارے میں کوئی مانع نہیں ہے، جہاں کہیں طلب کیا جائے میں خواتین کے لیے وقت خاص کر سکتا ہوں۔ اور میرے ساتھ کے علماء کا بھی یہی موقف ہے۔

اور "نور علی الدرب" ریڈیو پروگرام کے ذریعے سے ایک بڑی خیر کا دروازہ کھلا ہے۔ کوئی بھی خاتون اس میں اپنا سوال بھیج کر جواب حاصل کر سکتی ہے، اور یہ پروگرام ریڈیو نداء الاسلام اور ریڈیو قرآن کریم کے دوران میں دو دفعہ نشر کیا جاتا ہے۔

---

❶ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب کراھیة قیام الرجال للرجال، حدیث: ٢٧٥٤ ومسند احمد بن حنبل: ٣/ ١٣٤، حدیث: ١٢٣٩٣ ومصنف ابن ابی شیبة:٥/ ٢٣٤، حدیث: ٢٥٥٩٣۔ ہر روایت میں الفاظ کا تھوڑا بہت فرق موجود ہے۔ (عاصم)

❷ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی قیام الرجل للرجل، حدیث: ٥٢٢٩۔ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب کراھیة قیام الرجل للرجل، حدیث: ٢٧٥٥۔ مسند احمد بن حنبل: ٤/ ١٠٠، حدیث: ١٦٩٦٢۔ المعجم الاوسط للطبرانی: ٤/ ٢٨٢، حدیث: ٤٢٠٨ "من احب" کی جگہ "من سره" کے الفاظ ہیں البتہ "معجم الاوسط" میں "من احب" ہی ہے لیکن اس میں "قیاما" کے بعد "بین یدیه" کا اضافہ بھی ہے۔ (عاصم)

❸ عجمی اور مغربی انداز تکریم کا یہ کھڑا ہونا ناجائز ہے۔ لیکن اگر آنے والے کے آگے بڑھ کر سلام، مصافحہ یا معانقہ وغیرہ کی صورت ہو تو کھڑا ہونا اور آگے بڑھنا یقیناً جائز ہے۔ (مترجم)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ خواتین اپنے سوالات دار الافتاء میں بھیج سکتی ہیں۔ سوالات کے جوابات کے لیے خاص ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو ان سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ الغرض علم حاصل کرنا مردوں عورتوں دونوں کے لیے برابر ہے۔ عورت باپردہ ہو کر اگر علمی اجتماعات میں آئے تو کوئی مانع نہیں ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: پرائمری شعبہ میں لڑکوں کو خواتین پڑھائیں، ایک خطرناک تجویز؟

جواب: اخبار المدینہ کی اشاعت نمبر ۳۸۹۸ مؤرخہ ۱۳۹۷/۲/۳۰ھ میں شائع شدہ ایک فیچر بعنوان ((وجھًا لوجہٍ .)) ''روبرو'' ملاحظہ ہوا جو نورہ بنت عبداللہ نے لکھا ہے۔ اس میں نورہ اور اس کے ساتھیوں نے کلیۃ التربیہ جدہ کی پرنسپل فائزہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ اسے تعجب ہے کہ خواتین معلّمات پرائمری حصہ میں لڑکوں کو کیوں نہیں پڑھاتی ہیں جس میں نورہ نے بھی تائید کی ہے۔ اپنے اس موقف کے انہوں نے کچھ دلائل بھی دیے ہیں۔ بہرحال میں ان خواتین کا شکرگزار ہوں کہ وہ بچوں کی تعلیم کا موضوع زیر بحث لائیں اور وہ ہمارے بچوں کے متعلق بہتری کا سوچتی ہیں۔

مگر میں اس تحریر میں پیش کی گئی تجویز کے نقصانات اور غلط نتائج سے آگاہ کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ عورتیں پرائمری شعبہ میں لڑکوں کو پڑھائیں۔ کیونکہ اس سے لڑکے لڑکیوں میں اختلاط ہوگا، جبکہ یہ لڑکے اور لڑکیاں سمجھدار اور ''مراہق'' یعنی قریب البلوغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ بہت سے بچے اس عمر ہی میں سکولوں میں داخلہ لیتے ہیں اور کئی تو بالغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ دس سال کی عمر میں بچہ مراہق یعنی خاصا سمجھ دار ہو چکا ہوتا ہے اور وہ عورتوں کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس جیسے بچے کی شادی کر دینا بھی ممکن ہوتا ہے اور وہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو مرد کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ابتدائی مرحلہ میں اختلاط کا نتیجہ دوسرے مراحل میں بھی بڑھے گا اور پھر یقیناً تمام مراحل میں یہی کچھ ہو جائے گا۔

اور مخلوط تعلیم جن ملکوں میں ہو رہی ہے، وہ لوگ اس کے غلط، گندے اور برے نتائج بھگت رہے ہیں۔ جن لوگوں کو کچھ دینی بصیرت حاصل ہے اور دینی دلائل سے بھی وہ بہرہ ور ہیں، اور لڑکے لڑکیوں کی نفسیات سے بھی آگاہ ہیں وہ ان حقائق سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔

یہ تجویز جو شیطان اور اس کے چیلوں نے فائزہ اور نورہ کے جی میں ڈالی ہے، وہ یقیناً ہمارے اسلام دشمن لوگوں کو خوش کرنے والی ہے۔ وہ لوگ خاموشی سے بلکہ علی الاعلان بھی اس کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

میں ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ دروازہ مضبوطی سے بند کیا جائے، اور ہمارے لڑکے تمام مراحل میں مرد اساتذہ کے زیر تعلیم ہی رہنے چاہییں۔ ہماری لڑکیاں، خواتین ہی سے تعلیم حاصل کریں۔ ہمیں از حد محتاط رہنا چاہیے اور اپنے بچے اور بچیوں کے لیے بھی حساس ہونا چاہیے، اور یہ تجویز اپنے دشمنوں ہی پر پلٹ دینی چاہیے۔ ہمیں ہماری محترم معلّمات کافی ہیں جو ہماری بیٹیوں کو تمام مراحل میں تعلیم دے سکتی ہیں اور اس میدان میں اخلاص اور

صدق وثبات کے ساتھ اپنی صلاحیتیں خرچ کر رہی ہیں۔

اور معلوم ہونا چاہیے کہ لڑکوں کو تعلیم دینے کے لیے مرد اساتذہ زیادہ لائق اور باصلاحیت ہیں۔ خواتین کے مقابلے میں وہ زیادہ وقت دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں پرائمری حصہ میں یا اس سے اوپر لڑکے ہمیشہ مرد اساتذہ ہی سے ہیبت میں رہتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں اور کما حقہ ان کی بات توجہ سے سنتے ہیں، بمقابلہ اس کے جو عورتوں سے ہوتا ہے۔ اس طرح سے انہیں مردانہ اخلاق وکردار، عزت و وقار، صبر اور برداشت اور اظہار قوت کا درس بھی ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان صحیح طور پر ثابت ہے کہ:

"اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو، اگر نہ پڑھیں اور دس سال کے ہو جائیں تو ان کو سزا دو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔" [1]

اس حدیث شریف میں لڑکے اور لڑکیوں کے اختلاط کی خرابی سے متنبہ کیا گیا ہے اور تمام مراحل میں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے دلائل قرآن، سنت اور حالات حاضرہ میں اس قدر زیادہ ہیں کہ یہاں اختصار کے پیش نظر انہیں دہرانا نہیں چاہتا۔ اور یہ سب امور ہماری حکومت، وزیر تعلیم اور تعلیم البنات کے سربراہ اور دیگر حضرات کے علم میں ہیں اور تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ان اعمال کی توفیق دے جس میں امت کی اصلاح اور اس کی نجات ہے اور ہمارے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور قریب ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: ہمارے سکول میں ایک مختصر سی لائبریری تھی جس میں کتابوں کے علاوہ رسائل وغیرہ بھی آتے تھے۔ طالبات اور معلّمات ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھاتی تھیں۔ ان میں چند دینی اور طبی کتابیں میں نے اٹھا لی تھیں۔ اب تین سال ہونے کو آئے ہیں کہ میں نے وہ واپس نہیں کیں، اور میں ان سے استفادہ کرتی رہتی ہوں اور واپس نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے ایک بہن نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔ تو اس کا شرعی کیا حکم ہے؟

جواب: آپ پر واجب ہے کہ انہیں اس مکتبہ میں واپس کریں۔ کیونکہ یہ کتب و رسائل مکتبہ کے لیے وقف کے معنیٰ میں ہیں۔ پبلک لائبریری یا سکول لائبریری سے اس طرح سے بلا اجازت کتب اٹھا لینا جائز نہیں۔ لینی بھی ہوں تو ذمہ دار کی اجازت سے عاریتاً ایک وقت تک کے لیے لی جا سکتی ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ انہیں واپس کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ سے توبہ بھی کریں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے اور قصور معاف فرما

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، حدیث : ٤٩٥۔ مسند احمد بن حنبل : ٢/ ١٨٠ ، حدیث : ٦٦٨٩ ، مصنف ابن ابی شیبۃ : ١/ ٣٠٤ ، حدیث : ٣٤٨٢ .

دے، بلاشبہ وہ بہترین دعائیں سننے والا ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک بہن جو دینی مزاج رکھتی ہے، علمی حلقوں میں آتی جاتی ہے، مگر اسے اس کا بھائی وہاں چھوڑ کر نہیں آتا ہے، تو وہ اپنے بھائی کے دوست کے ساتھ جاتی ہے۔ وہ بھی دیندار ہے اور اس سے پانچ سال بڑا ہے۔ تو کیا اس کا اس کے ساتھ جانا جائز ہے؟

جواب: یہ کسی طرح حلال اور جائز نہیں ہے، اس کا انجام کوئی نہ کوئی فتنہ ہوسکتا ہے، خواہ ان کے درمیان عمروں کا کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو۔ میں اس بہن کو خیر خواہانہ طور پر کہوں گا اگر وہ اپنے عمل میں برکت چاہتی ہے اور یہ کہ اپنے اس کارخیر میں جاری رہے تو اس رفاقت کو چھوڑ دے۔ اور اسے اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں کہ وہ اس کے ساتھ جائے کیونکہ یہ سفر نہیں ہے۔ اگر رفاقت ضروری ہو تو لازم ہے کہ وہ اس کا کوئی نہ کوئی محرم ہو۔ لہٰذا یا تو یہ اکیلی جائے یا کیسٹیں سننے پر اکتفا کرے، یا خواتین کی مجلس میں حاضر ہو۔ اس کا اپنے بھائی کے دوست کی رفاقت میں جانا کسی فتنے کا باعث ہوسکتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک خاتون کے لیے کیا چیز زیادہ باعث فضیلت ہے؟ گھر کے لازمی امور، شوہر کی خدمت یا حصول علم کے لیے ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوجانا؟ یا وہ گھر کے کام کاج کے لیے خادمہ کا انتظام کر لے؟

جواب: ہاں ایک مسلمان خاتون کے لیے واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دینی مسائل سے آگاہی حاصل کرے۔ لیکن شوہر کی خدمت اور بچوں کی تربیت اس سے بڑھ کر واجب ہے۔ اسے چاہیے کہ حصول علم کے لیے روزانہ ایک مناسب وقت فارغ کر لے، خواہ وہ تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو، یا مطالعہ کے لیے کچھ وقت خاص کر لے اور باقی گھر کے کام کاج کے لیے ہو۔ مگر دینی تفقہ اور مسائل سے آگاہی میں غفلت نہ کرے اور یہ کسی طرح درست نہیں کہ گھر کے کام کاج اور بچوں کے معاملات کو خادمہ کے سپرد کر دے۔ اسے ایک درمیانی راہ اپنانی چاہیے۔ علمی آگاہی کے لیے کچھ وقت ہو، خواہ تھوڑا ہی سہی اور گھر کے کام کاج کے لیے بھی کافی وقت ہونا چاہیے۔ (صالح بن فوزان)

سوال: کچھ طالبات اپنی استانیوں اور معلّمات کا مذاق اڑاتی اور ان کے نام رکھتی ہیں۔ کبھی تو یہ بڑے قبیح ہوتے ہیں اور کبھی صرف ہنسانے والے اور کہتی ہیں کہ یہ سب مزاح اور مذاق ہے۔ اس عمل کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسلمان پر واجب ہے کہ اپنی زبان کو دوسروں کو ایذا دینے یا ان کی بے قدری کرنے سے محفوظ رکھے۔ حدیث میں ہے:

((لا تؤذوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم .))

''مسلمانوں کو دکھ مت دو اور نہ ہی ان کے عیوب کے پیچھے لگو۔'' [1]

---

[1] یہ الفاظ معجم الاوسط کے ہیں دیگر کتب میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مروی ہے۔ (عاصم)۔ سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب تعظیم المومن، حدیث: ۲۰۳۲ وسنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث: ۴۸۸۰۔ مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۴۲۰، حدیث: ۱۹۷۹۱۔ المعجم الاوسط للطبرانی: ۴/ ۱۲۵، حدیث: ۳۷۷۸۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ (الحجرات : ۴۹/ ۱۱)

''ایک دوسرے کے نام اور القاب مت رکھو۔''

اور فرمایا:

﴿هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ﴾ (القلم : ۶۸/ ۱۱)

''وہ کافر بہت زیادہ طعنہ باز اور چغل خور ہے۔''

الغرض کسی مسلمان کی تنقیص اور بے ادبی کرنا یا اسے ایذا اور دکھ دینا حرام ہے۔ (عبداللہ الجبرین)

سوال: بعض معلّمات سالانہ کارکردگی میں طالبات کا حق مار لیتی اور اپنے شخصی میلان کے تحت نمبر وغیرہ دیتی ہیں۔ اس معاملہ میں شریعت کی کیا رائے ہے؟

جواب: استاذ کے لیے حرام ہے کہ کسی طالب علم پر ظلم کرے اور اسے اس کے استحقاق سے محروم رکھتے ہوئے مناسب نمبروں سے محروم رکھے، یا شخصی پسند کے تحت اسے وہ نمبر دے دے جس کا وہ حق دار نہیں ہے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ عدل وانصاف سے کام لے اور ہر حق دار کو اس کا حق دے۔ (عبداللہ الجبرین)

سوال: کیا ریٹائرڈ معلّمات کو جمعیۃ المعلمین کی طرف سے جو الاؤنس ملتے ہیں وہ حلال ہیں یا حرام؟

جواب: حلال ہیں۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میں امتحان کے دوران میں اپنی ساتھی کو جواب لکھوا دیتی ہوں، جبکہ وہ مجھے بہت ہی اصرار کرتی اور مجھ پر قسم ڈال دیتی ہے۔ دینی اعتبار سے یہ کام کیسا ہے؟

جواب: امتحان میں نقل کرنا یا نقل کرنے والے کی کسی طرح مدد کرنا جائز نہیں ہے، خواہ زبانی ہو یا ساتھ بیٹھنے والے کو کسی طرح نقل کا موقع دینا ہو یا کسی قسم کا اور حیلہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کے معاشرہ پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ نقل کرنے والا ایسی سند حاصل کر لیتا ہے جس کا وہ اہل اور حق دار نہیں ہوتا، اور پھر کسی ایسے منصب پر براجمان ہو جاتا ہے جس کے وہ لائق نہیں ہوتا اور یہ عمل ایک نقصان ہے اور دھوکہ ہے...... واللہ اعلم۔

(عبداللہ الجبرین)

سوال: انگریزی کے ٹیسٹ یا دیگر دنیاوی علوم میں نقل کر لینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی بھی مضمون میں اور کسی بھی امتحان میں نقل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امتحان کا مقصد طالب علم کی اس مضمون میں صلاحیت معلوم کرنا ہوتا ہے۔ نقل کرنا دلیل ہے کہ طالب علم نکما ہے اور دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے یہ اور کمزور اور ناکارہ کو محنتی طالب علم سے آگے بڑھانا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((من غشنا فليس منا .))

''جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' ❶

اور لفظ ''غش'' عام ہے اور ہر طرح کے دھوکے کو شامل ہے۔ واللہ اعلم۔ (عبداللہ الجبرین)

سوال: اگر امتحان کے دوران میں نماز باجماعت کا وقت آ جائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: یہ شخص جو ایسے سکول میں داخل ہوا ہے جس کا نظام اور پروگرام شریعت سے موافق اور مطابق نہیں ہے تو نتیجہ یقیناً خلاف شریعت ہی ہوگا۔ جو شخص شریعت کا پابند رہنا چاہتا ہے اسے ایسی تعلیم اور ایسے خلاف شریعت نظام کے ساتھ منسلک ہی نہیں ہونا چاہیے اور اگر وہ یہ کرتا ہے۔ تو پھر اس قسم کے سوال کے جواب کا حق دار بھی نہیں ہے۔ آدمی اپنے تعلیم میں لگائے گئے سالوں کو ضائع بھی نہیں کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے آدمی کو ابتدا ہی سے صحیح علمی اور شرعی انداز اختیار کرنا چاہیے کیونکہ جس کی بنیاد صالح ہوگی تو تعمیر بھی صالح ہوگی اور جس کی بنیاد فاسد ہوگی اس کی تعمیر بھی فاسد ہوگی۔ ❷

(ناصر الدین الالبانی)

سوال: میں بعض اوقات اپنے باورچی خانے میں کھانا پکانے کے دوران میں اپنے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر سے قرآن مجید سنتی ہوں، تو کیا میرا یہ عمل جائز ہے؟

جواب: انسان اپنے کام میں ہو اور اس دوران میں ریڈیو سے قرآن مجید بھی سنتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور یہ اللہ کے حکم:

﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (الاعراف: ۷/ ۲۰۴)

''قرآن مجید غور سے سنو اور خاموش رہو۔''

کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ انصات (خاموش رہنا) حسب امکان ہی مطلوب ہے، اور کام میں مشغول بندہ اپنی

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا، حدیث: ۱۰۱ سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب النهی عن الغش، حدیث: ۲۲۲۵ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۴۱۷، حدیث: ۹۳۹۵.

❷ مترجم عرض کرتا ہے:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

فضیلۃ الشیخ رحمہ اللہ کا جواب مسلمان معاشرے اور مسلمان ادارے اور مسلمان حکومتی نظام کی روشنی میں ہے۔ مگر جس مصیبت میں اب ہم گرفتار ہیں اس صورت میں فقہی قاعدہ ہے: ((الضرورات تبیح المحظورات.)) ''اہم ضرورتوں کے تحت بعض ممنوعات مباح ہو جاتی ہیں۔'' سوال میں مذکورہ مجبوری کی صورت میں قبل از جماعت نماز پڑھ لینا یا جمع کر لینا ان شاء اللہ جائز ہوگا یا تاخیر کر لینا بھی جائز ہے اگر وقت نہ نکل جائے۔ جیسے کہ آپ علیہ السلام نے استحاضہ والی عورت کو عذر کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کی اجازت دی ہے۔ لیکن کسی وقت میں نماز بالکل ہی ضائع ہوتی ہو تو یہ حرام اور کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ (عمر فاروق السعیدی)

استطاعت کے تحت اسے خاموشی سے سن بھی رہا ہوتا ہے۔ ❶ (صالح بن فوزان)

اختلاط اور میل جول

سوال: حدیث نبوی ((لا تصاحب الا مومنا......الخ .)) ''ہمیشہ کسی مومن ہی کی صحبت اختیار کر اور تیرا کھانا کوئی متقی ہی کھائے۔'' اس حدیث کا کیا مفہوم ہے؟ اور اس کے کیا حدود ہیں کہ میں کسی مسلمان کو اپنے گھر میں داخل نہ کروں اور اسے کھانا نہ کھلاؤں؟

جواب: اس حدیث میں نبی ﷺ نے ایک مسلمان کے لیے اس کا دستور زندگی واضح فرمایا ہے۔ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ کسی مسلمان کے لیے کسی صالح مومن کے علاوہ کسی کو کھانا کھلانا جائز نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپ کا اختلاط اور دلی میل جول ہونا اور کسی مناسبت سے کسی کو کھانا کھلانا خواہ وہ کافر ہو یا فاسق، دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ایسے لوگوں کو کھانا کھلانا یقیناً جائز ہے لیکن دستور زندگی نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے کہ دوسری حدیث میں ہے:

((من جامع المشرك فهو مثله .))

''جو کسی مشرک کے ساتھ اشتراک ومیل جول رکھے، وہ اس کی مانند ہوگا۔'' ❷

ایک اور حدیث ہے:

((المسلم والمشرك لا تترى ناراهما .))

''مسلمان اور مشرک کو ایک دوسرے کی آگ نظر نہیں آنی چاہییں۔'' ❸

---

❶ راقم مترجم عرض کرتا ہے کہ اپنے وقت کو بہترین مصرف میں خرچ کرنا بہت بڑی دانشمندی ہے اور قرآن مجید سننے کا شوق ایک عظیم ترین نیکی ہے۔ اگر کام اس قسم کا ہو جو کوئی زیادہ دماغی توجہ نہ چاہتا ہو یا آدمی اپنے ساتھیوں سے ساتھ گپ بازی میں مشغول نہ ہو تو یقیناً ریڈیو ٹیپ سے قرآن مجید سننا درست اور باعث اجر ہے۔ مگر بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض طبائع اپنے ماحول میں اپنے کانوں میں کوئی نہ کوئی آواز پڑتے، رہنا پسند کرتے ہیں خواہ وہ اخبار پڑھ رہے ہوں یا مطالعہ کر رہے ہوں یا دوستوں کے ساتھ گپ بازی میں مشغول ہوں۔ تو اس کیفیت میں راقم کی نظر میں ریڈیو، ٹیپ پر قرآن مجید لگائے رکھنا کہ آدمی اس کی طرف کسی طرح بھی متوجہ نہ ہو، محض ہر قاری کے لحن سے لذت اٹھا رہا ہو، تو یہ جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید کا لازمی ادب ہے کہ اس پر کان لگایا جائے، خواہ سمجھ میں نہ بھی آئے۔ ہاں اگر انسان کوئی خاص دماغی کام نہیں کر رہا ہے اور اپنے کام کے دوران میں قرآن مجید پر بھی مناسب توجہ دے رہا ہے تو یہ یقیناً جائز اور مباح ہے۔
اس کے ساتھ ایک لازمی ادب یہ بھی ہے کہ اس کی آواز اپنی حد تک ہونی چاہیے۔ اتنی اونچی آواز سے ٹیپ یا ریڈیو لگا لینا کہ ہمسائے اور ساتھ والے متاثر یا اذیت محسوس کریں، جائز نہیں ہے۔ الغرض قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے لازمی آداب کا خیال رکھنا لازم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

❷ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب من یؤمر ان یجالس، حدیث : ٤٨٣٢ وسنن الترمذی، کتاب الزھد، باب صحبة المومن، حدیث : ٢٣٠٥ صحیح ابن حبان:٢/ ٣١٤، حدیث : ٥٥٤ .

❸ سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی الاقامة بارض الشرك، حدیث : ٢٧٨٧ والمعجم الکبیر للطبرانی: ٧/ ٢٥١، حدیث : ٧٠٢٣ .

مقصد یہ کہ ان کی سکونت ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہو۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: عورتوں مردوں کے آزادانہ میل جول اور اختلاط کے بارے میں اسلام کی کیا رائے ہے؟ اس بارے میں بہت بحثیں ہوتی رہتی ہیں۔

جواب: مردوں عورتوں کا اختلاط اور آزادانہ میل جول ایک اہم سنگین مسئلہ ہے۔ اس بارے میں فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا ایک تفصیلی فتویٰ جاری ہو چکا ہے، جو درج ذیل ہے:

مردوں عورتوں کا اختلاط تین طرح سے ہو سکتا ہے:

۱: عورتوں کا اپنے محرموں کے ساتھ اختلاط۔ اس کے جواز اور مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

۲: برے مقصد اور بری نیت سے عورتوں کا غیر محرموں اور اجنبیوں کے ساتھ اختلاط۔ اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۳۔ سکولوں، کالجوں، دفتروں، ہسپتالوں، دکانوں اور دیگر پارٹیوں اور اجتماعات میں ان کا آزادانہ اختلاط شاید سائلین یہ سمجھتے ہیں کہ ان اجتماعات اور اختلاطات میں کوئی شر اور فتنہ اور برائی نہیں ہے۔ اس شبہ کا جواب ہم تفصیل سے دینا چاہتے ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو طاقت ور بنایا ہے، یہ عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور عورتیں بھی باوجود اپنی طبعی کمزوری اور نرمی کے مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ جب ان دونوں اصناف میں آزادانہ اور بے باک اختلاط اور میل جول بڑھتا ہے تو اس کے غلط نتائج یقیناً سامنے آتے ہیں کیونکہ ((إن النفس لامارة بالسوء .)) ''نفس انسان کو برائی کی طرف بہت زیادہ آمادہ کرتا ہے۔'' اور خواہش انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ اور شیطان ہمیشہ برائی اور بے حیائی کا ہی حکم دیتا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اسلامی شریعت چند مقاصد پر مبنی ہے، ان مقاصد کے لیے کچھ وسائل اور ذرائع مقرر کیے گئے ہیں، جن میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ عورتیں، مردوں کی خواہش پوری کرنے کا مقام ہیں اور شریعت نے ان دونوں کے مابین غلط روابط کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ جن کی کچھ وضاحت کتاب وسنت کے درج ذیل دلائل سے واضح ہوگی:

۱: سورۂ یوسف میں ہے:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۝﴾ (یوسف: ۱۲/ ۲۳)

''اور یوسف کو اس عورت نے، جس کے گھر میں وہ رہتے تھے، اپنے نفس کے متعلق بہلانا پھسلانا شروع کیا، اور دروازے بند کر دیے اور کہا: لو آجاؤ۔ یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ، وہ میرا سردار ہے،

جس نے مجھے بہت اچھی طرح رکھا ہے، اور ظالم فلاح نہیں پایا کرتے۔''

اس واقعہ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی اور یوسف علیہ السلام کے مابین اختلاط ہوا تو چھپی بات ظاہر ہوگئی۔ عورت نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام اس کی بات مان لیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انہیں محفوظ رکھا:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾

(یوسف: ۱۲/ ۳۴)

''اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی اور عورتوں کے داؤ پیچ سے اس پھیر دیے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔''

چنانچہ جب بھی کہیں مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، ہر ایک دوسرے سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے ہر ممکن وسائل بھی استعمال کرتا ہے۔

۲: اللہ عزوجل نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں، ایسے ہی عورتوں کو بھی ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ ۝﴾

(النور: ۲۴/ ۳۰-۳۱)

ان آیات کا حکم وجوب عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ اور پھر آخر میں فرمایا: ''یہ عمل تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی اور زیادہ طہارت کا باعث ہے۔'' صاحب شریعت نے عورتوں کو اس طرح دیکھنے کو معاف نہیں فرمایا ہے، سوائے اس کے جو نظر اچانک پڑ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اے علی! اپنی نظر کے پیچھے دوسری نظر مت لگا۔ بلاشبہ تیرے لیے پہلی مباح ہے، دوسری نہیں۔''❶ (مستدرک حاکم، صحیح علیٰ شرط مسلم، اور امام ذہبی نے تلخیص میں ان کی موافقت کی ہے) اور اس معنی کی کئی احادیث ہیں۔ اللہ نے نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ ناجائز دیکھنا نظر کا زنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرمایا کہ ''آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور قدموں کا زنا چلنا ہے۔''❷

---

❶ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فیما یؤمر بہ من غض البصر، حدیث: ۲۱۴۹ سنن الترمذی، کتاب الادب، باب نظرۃ المفاجاۃ، حدیث: ۲۷۷۷ ومسند احمد بن حنبل: ۱/ ۱۵۹، حدیث: ۱۳۷۳.

❷ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظۃ من الزنا وغیرہ، حدیث: ۲۶۵۷ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فیما یؤمر بہ من غض البصر، حدیث: ۲۱۵۳ ومسند احمد بن حنبل: ۲/ ۳۴۳، حدیث: ۸۵۰۷، السنن الکبری للبیہقی: ۷/ ۸۹، حدیث: ۱۳۲۸۸.

نظر کو زنا اس لیے کہا گیا ہے کہ آدمی عورت کے محاسن اور خوبصورتی کو دیکھنے سے لذت پاتا ہے، جو دیکھنے والے کے دل میں اتر جانے کا باعث ہے۔ اگر وہ دل میں اتر گئی تو پھر لازماً بدکاری کے لیے بھی کوشش کرے گا۔ لہٰذا صاحب شریعت نے پہلے ہی قدم پر عورت کو دیکھنا ناجائز قرار دے دیا ہے، کیونکہ اس کے نتائج برے اور غلط نکلتے ہیں، اور آزادانہ اختلاط اور میل جول یہی کچھ لاتا ہے جس کا انجام کسی طرح بھی قابل تحسین نہیں ہوسکتا۔

۳: ایک عورت سراسر ''عورۃ'' یعنی قابل ستر چیز ہے۔ اس کا سارا بدن چھپا ہوا ہونا چاہیے۔ اس کا عریاں ہونا یا جس قدر بھی وہ ننگا ہو، دیکھے جانے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ نظر اس کے دل میں ٹک جانے کا باعث بنتی ہے۔ پھر اس کے حاصل کرنے کے لیے اسباب و ذرائع تلاش کیے جائیں گے، اور آزادانہ اختلاط کا عین یہی نتیجہ ہے۔

۴: اللہ عزوجل نے عورتوں کو حکم دیا ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

''اور یہ چلتے ہوئے اپنے پاؤں نہ پٹکیں کہ ان کی چھپی زینت ظاہر ہو۔''

زمین پر چلتے ہوئے پاؤں پٹک لینا بنیادی طور پر جائز ہے، مگر عورتوں کو اس سے منع کر دیا گیا ہے، تاکہ مردوں کو ان کے پازیبوں کی آواز سنائی نہ دے کہ اس سے ان کے دلوں میں ان عورتوں کے لیے ان کے صنفی جذبات کو تحریک ملے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آزادانہ اختلاط سے منع کیا جاتا ہے کہ اس کا نتیجہ بھی معاشرتی برائی ہی کی صورت میں نکلتا ہے۔

۵: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (الغافر : ٤٠/ ١٩)

''اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والی آنکھوں اور جو دل چھپاتے ہیں، ان کو خوب جانتا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان آیات کے بارے میں منقول ہے کہ آدمی کسی کے گھر جاتا ہے، اور اگر وہاں کوئی خوبصورت عورت ہو جو اس کے پاس سے گزرے، تو اگر گھر والے غافل ہوں تو یہ اسے دیکھنے لگتا ہے، اور اگر وہ متنبہ ہو جائیں تو یہ اپنی نظریں جھکا لیتا ہے۔ پھر اگر وہ غافل ہوں تو دیکھنے لگتا ہے اور متنبہ ہو جائیں تو اپنی نظریں جھکا لیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ دل کی بات بھی خوب جانتا ہے کہ اس کے جی میں ہے کہ اگر موقع ملے تو اس شرمگاہ کو دیکھ لے، پھر اگر موقع ملے تو بدکاری بھی کر گزرے۔ [1]

یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوری سے دیکھنے والی آنکھ کو خائن اور چور آنکھ کہا ہے۔ تو ذرا غور کیا جائے کہ بے باکانہ اختلاط اور میل جول میں کیا ہوتا ہے؟

[1] تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٩٦، تحت آیت: ١٩ سورة غافر.

۶: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بالخصوص حکم دیا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب : ۳۳/ ۳۳)

''اور اپنے گھروں پر ٹکی رہو اور پہلی سابقہ جاہلیت کے سے انداز میں اپنی زینت کا اظہار نہ کرو۔''

یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ جب ازواج نبی کو، جو ہر طرح سے طاہر، مطہر اور پاکیزہ ہیں، حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں رہیں اور خاص ضرورت کے علاوہ باہر نہ جائیں، تو عام عورتوں کو اختلاط کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟ جبکہ اس دور میں عورتوں کی سرکشی حد سے بڑھ رہی ہے، وہ اپنی حیا کی چادر اتار پھینکنے پر آمادہ ہیں اور بڑی بے پروائی سے اجنبی اور غیر مردوں کے سامنے اپنی زینت اور سنگار کا اظہار کرتی ہیں، کھلے منہ ان کے سامنے آجاتی ہیں، اور لباس کا معاملہ بھی ناگفتہ بہ ہے۔ اور دوسری طرف ان کے ولی امر مردوں کی دینی غیرت بھی جاتی رہی ہے۔ اس آیت کریمہ کا خطاب حکم کے اعتبار سے عام ہے، اس کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور اب ہم احادیث رسول سے دلائل پیش کرتے ہیں:

۱: سیدہ ام حمید رضی اللہ عنہا جلیل القدر صحابی ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں پسند کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھ آپ کے پیچھے نماز پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تو میرے ساتھ میرے پیچھے نماز پڑھنا پسند کرتی ہے، مگر تیری نماز جو تو اپنے کمرے میں پڑھے، وہ تیری اس نماز سے بہتر ہوگی جو تو اپنے صحن میں پڑھے۔ اور تیری وہ نماز جو تو اپنے صحن میں پڑھے بہت بہتر ہوگی اس نماز سے جو اپنی قوم کی مسجد میں پڑھے۔ اور تیری وہ نماز جو تو اپنی قوم کی مسجد میں پڑھے، تیری اس نماز سے افضل ہوگی جو تو میری اس مسجد میں پڑھے۔ چنانچہ ان خاتون نے کہا کہ میرے لیے ایک دور کے کمرے میں جو تاریک ہو، نماز بنا دی جائے، پھر وہ بنا دی گئی۔ انھوں نے اپنی باقی ساری زندگی میں کہیں اور نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔''[1]

صحیح ابن خزیمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب نماز وہی ہے جو وہ اپنے گھر کے تاریک ترین کمرے میں ادا کرے۔''[2]

علاوہ ازیں بھی کئی احادیث ہیں جن میں یہی بیان ہے کہ عورت کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ مسجد کے بجائے اپنے گھر میں نماز پڑھے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل : ٦/ ٣٧١، حديث : ٢٧١٣٥ وصحيح ابن خزيمة:٣/ ٩٥، حديث : ١٦٨٩، صحيح ابن حبان:٥/ ٥٩٥، حديث : ٢٢١٧.

[2] صحيح ابن خزيمة:٣/ ٩٦، ٩٥، حديث : ١٦٩٢، ١٦٩١.

اس میں یہی دلیل ہے کہ عورت کی عبادت وہی افضل ہے کہ جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے۔ اس کی یہ نماز مسجد نبوی بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی معیت سے بھی بڑھ کر ہے۔ لہٰذا مردوں عورتوں کو اختلاط سے منع کرنا نہ لائق اولیٰ ثابت ہوا۔

۲: صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مردوں کی بہترین صفیں وہ ہیں جو ابتدا میں ہوں، اور کم درجہ وہ ہیں جو آخر میں ہوں۔ اور عورتوں کی بہترین صفیں وہ ہیں جو آخر میں ہوں، اور کم درجہ وہ ہیں جو شروع میں ہوں۔'' ❶

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

اس میں دلیل یوں ہے کہ عورتوں کے لیے، جب وہ مسجد میں آئیں، مشروع یہ ہے کہ مرد نمازیوں سے دور اور الگ رہیں۔ پھر بیان کیا کہ عورتوں کی کم درجہ صفیں وہی ہیں جو ابتدا میں ہوں، اور جو آخر میں ہوں وہ افضل ہیں۔ ان کی فضیلت صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ مردوں کے اختلاط اور ان کو دیکھنے سے دور ہوتی ہیں۔ ان کی حرکات دیکھنے سے یا ان کا کلام سن کر ان کا دل ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اور شروع کی صفوں کو اس کے برعکس فرمایا کیونکہ وہ مردوں سے قریب، ان کی حرکات دیکھتی اور ان کی آوازیں سنتی ہیں، تو ان کا دل ان کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسی طرح مردوں کی آخری صفیں کم درجہ صرف اسی وجہ سے ہیں کہ وہ جلدی نہیں پہنچے، امام کا قرب حاصل نہیں کر سکے، اور پھر آخر میں عورتوں کے قریب ہوئے جو دل کو مشغول کرنے والی ہوتی ہیں اور ممکن ہے اس کے لیے تشویش کا باعث بنیں اور اس کی عبادت ہی خراب کر دیں۔ تو جب نبی اکرم ﷺ نے یہ کیفیت عورتوں سے صرف قریب ہونے کی بتائی ہے۔ اختلاط کی نہیں، تو جب اختلاط ہوگا تو کیا حال ہوگا؟

۳: صحیح مسلم میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں سے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۔'' ❷

مسند احمد، ابو داود اور مسند شافعی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی بندیوں کو

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف واقامتها، حدیث : ٤٤٠ وسنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب صف النساء وکراهیة التاخر عن الصف الاول، حدیث : ٦٧٨ وسنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب فضل الصف الاول، حدیث : ٢٢٤ وسنن النسائی، کتاب الامامة، باب ذکر خیر صفوف النساء وشر صفوف الرجال، حدیث : ٨٢٠ وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب صفوف النساء، حدیث : ١٠٠٠ .

❷ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث : ٤٤٣ وصحیح ابن خزیمة: ٣/ ٩١، حدیث : ١٦٨٠۔ ایک روایت میں مسجد کی جگہ نماز کا ذکر ہے اور بعض مقامات پر نماز عشاء کا ذکر ہے۔ حوالہ کے لیے دیکھیے: سنن النسائی، کتاب الزینة، باب النهی للمرأة أن تشهد الصلاة اذا اصابت من النجور، حدیث : ٥١٢٩، ٥١٣٤ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ٣٦٣، حدیث : ٢٧٠٩١ .

اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔ لیکن چاہیے کہ یہ ''تفلات'' یعنی خوشبو لگائے بغیر آئیں۔''❶

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں مسجد میں آنے والی عورت کے لیے خوشبو لگا کر آنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ مردوں کو دعوت دینے اور ان کے جذبات کو تحریک دینے کا بلکہ خود عورت کے لیے بھی تحریک کا باعث ہو سکتی ہے۔ اور مزید کہا کہ خوشبو کے ساتھ ساتھ خوبصورت لباس، خوبصورت زیور، جو ظاہری حالت کو عمدہ بنا دیتا ہے، بھی ناجائز ہے۔ اور عین یہی علت اختلاط کی ہے۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے معالم السنن (شرح سنن ابی داود) میں ''تفل'' کے معنی لکھے ہیں کہ جس کی بو ناگوار ہو۔ "امراة تفلة" اس عورت کو کہتے ہیں جس نے خوشبو نہ لگائی ہو۔

۴: سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے جو ان کے لیے زیادہ نقصان دہ ہو۔''❷

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مردوں کے لیے باعث فتنہ فرمایا ہے۔ فتنے کا باعث بننے والی عورتوں اور ان سے متاثر ہونے والے مردوں کو کیونکر اکٹھے کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً یہ جائز نہیں ہوگا۔

۵: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً دنیا بڑی شیریں اور سرسبز و شاداب ہے اور اللہ نے تمہیں یہاں آباد کیا ہے۔ اور دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ لہٰذا دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی۔ بلاشبہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے عورتوں ہی کا فتنہ برپا ہوا تھا۔''❸

اس حدیث میں ثبوت یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اجنبی) عورتوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے اور آپ کا حکم واجب الطاعۃ ہے۔ اگر مردوں عورتوں کا آزادانہ میل جول اور اختلاط ہو تو اس ارشاد پر عمل کیونکر ہو سکے گا؟ یقیناً ناممکن ہوگا، لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

۶: سنن ابی داود اور کتاب الکنی بخاری میں ہے، جناب حمزہ بن ابی اسید انصاری رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت

---

❶ سنن ابی داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء في خروج النساء الى المسجد، حديث: ٥٦٥- مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٤٣٨، حديث: ٩٦٤٣- مسند الشافعي، ص:١٧١، حديث: ٨١٩ ومصنف ابن ابي شيبة:٢/ ١٥٦، حديث: ٧٦٠٩.

❷ صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة، حديث: ٤٨٠٨- صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب اكثر اهل الجنة الفقراء، حديث: ٢٧٤٠- سنن الترمذي، كتاب الادب، باب تحذير فتنة النساء، حديث: ٢٧٨٠، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب فتنة النساء، حديث: ٣٩٩٨.

❸ صحيح مسلم، كتاب الذكر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب اكثر اهل الجنة الفقراء، حديث: ٢٧٤٢ سنن الترمذي، كتاب الفتن، باب النبي صلى الله عليه وسلم اصحابه بما هو كائن الى يوم القيامة، حديث ٢١٩١، ومسند احمد بن حنبل: ٣/ ٢٢، حديث: ١١٨٥.

کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا، جبکہ وہ مسجد سے نکل رہے تھے اور مردوں عورتوں کا راستے میں اختلاط ہو گیا تھا، آپ نے عورتوں سے فرمایا: ''پیچھے ہٹ جاؤ، تمہارے لیے راستے کے عین درمیان چلنا درست نہیں ہے، راستوں کے اطراف میں ہو کر چلا کرو۔'' چنانچہ عورت دیوار کے ساتھ لگ کر چلتی تھی حتیٰ کہ اس کا کپڑا دیوار کے ساتھ اٹک اٹک جاتا تھا۔''[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو جب عین راستے کے درمیان چلنے سے اور مردوں کے ساتھ اختلاط سے روک دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے معاشرتی فساد جنم لیتا ہے، تو آزادانہ اختلاط اور میل جول کو کیونکر جائز کہا جاسکتا ہے؟

۷: ابوداؤد طیالسی وغیرہ میں ہے، جناب نافع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد بنائی تو اس میں عورتوں کے لیے ایک علیحدہ دروازہ خاص کر دیا اور فرمایا: ((لا یلج من هذا الباب من الرجال احد .)) ''اس دروازے سے کوئی مرد نہ گزرے۔''[2] تاریخ کبیر بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((لا تدخلوا المسجد من باب النساء .)) ''مسجد میں آتے ہوئے عورتوں کے دروازے سے مت داخل ہو۔''[3]

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مسجد میں آنے جانے کے اوقات میں دروازوں میں اختلاط سے منع فرمایا ہے، تاکہ اختلاط کا راستہ ہی بند ہو جائے۔ جب مسجد کے دروازوں کا یہ حکم ہے تو باقی مقامات پر بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔

۸: صحیح بخاری میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے سلام کہتے تو سلام پورا ہونے پر عورتیں اٹھ کھڑی ہوتیں اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کچھ دیر اپنی جگہ پر تشریف رکھتے، حتیٰ کہ عورتیں روانہ ہو جاتیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اٹھتے تو مرد بھی اٹھتے تھے۔[4]

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ نمازوں کے بعد راستوں میں اختلاط منع ہے تو اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی منع ہے۔

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق، حدیث: ۵۲۷۲۔ المعجم الکبیر للطبرانی:۱۹/ ۲۶۱، حدیث: ۵۸۰۔ شعب الایمان للبیهقی:۶/ ۱۷۳، حدیث: ۷۸۲۲۔ الکنی للبخاری، ص:۵۵، (مختصرا).

[2] مسند الطیالسی، ص:۲۵۱، حدیث: ۱۸۲۹.

[3] التاریخ الکبیر للبخاری:۱/ ۶۰ وسنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال، حدیث: ٤٦٤

[4] صحیح بخاری، کتاب صفة الصلاة، باب انتظار الناس قیام الامام العالم، حدیث: ۸۲۸ و ایضا، باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشهد ولیس بواجب، حدیث: ۸۰۲ و ایضا، باب مکث الامام فی مصلاة بعد السلام، حدیث: ۸۱۲، ایضا: باب صلاة النساء خلف الرجال، حدیث: ۸۳۲.

۹: معجم کبیر طبرانی میں ہے، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی تم میں سے اپنے سر میں لوہے کی سوئی مار لے، یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ کسی اجنبی عورت کو مس کرے جو اس کے لیے حلال نہیں۔'' ❶

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں کہتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اور علامہ منذری نے الترغیب والترھیب میں کہا: اس کے رجال ثقات ہیں۔

۱۰: طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لان يزحم رجل خنزيرا متلطخا بطين وحمأة خير له من أن يزحم منكبه منكب امرأة لا تحل له.))

''تم میں سے کوئی بدبودار کیچڑ سے لت پت خنزیر سے ٹکرائے یہ اس کے لیے بہت بہتر ہے بجائے اس کے کہ اس کا کندھا کسی عورت کے ساتھ ٹکرائے جو اس کے لیے حلال نہیں۔'' ❷

یہ احادیث ثابت کرتی ہیں کہ مرد کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ مس ہونا کسی طرح جائز نہیں، خواہ درمیان میں کوئی حائل ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اس کے اثرات اور نتائج بہت برے ہیں۔ اسی لیے مرد وزن کا اختلاط ممنوع ہے۔ تو جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط میں کوئی فتنہ نہیں ہوتا، یہ محض ان کا اپنا خیال ہے ورنہ قرآن کریم اور احادیث کے دلائل جو اوپر بیان ہوئے ہیں، ان سے واضح ہے کہ ایسے آزادانہ اور بے باک اختلاط اور میل جول کا نتیجہ سوائے فتنے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے صاحب شریعت نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ناجائز قرار دیا ہے۔ ہاں البتہ جہاں اشد ضرورت ہو وہاں اس کی اجازت ہو گی جیسے کہ حرم مکی اور مدنی میں عبادات کے مواقع پر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان مسلمانوں کو ہدایت دے جو راہ مستقیم سے بھٹک رہے ہیں، اور جو راہ راست پر ہیں انہیں ثابت قدم رکھے اور ان کے حکام کو توفیق دے کہ بھلائی کے کام کریں، برائی سے بچیں اور احمق لوگوں کا ہاتھ روکیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، قریب اور دعا قبول کرنے والا ہے۔ (مجلس افتاء)

سوال: دوشیزاؤں کی مراسلہ نگاری کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ مراسلات ادبی اور شعری کے ہوں تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر یہ خطوط غیر محرم مردوں کو لکھے جائیں، تو ان میں کئی فتنوں اور خطرات کا اندیشہ ہے۔ اس کے لیے جائز نہیں ہیں، خواہ یہ لڑکی ادیبہ اور شاعرہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مصالح کی نسبت مفاسد کو دور کرنا مقدم ہوتا ہے

❶ المعجم الكبير للطبراني: ۲۰/ ۲۱۱، حديث: ٤٨٦.

❷ المعجم الكبير للطبراني: ۸/ ۲۰۵، حديث: ۷۸۳۰.

اور بہت سے مواقع پر نوجوان لڑکے لڑکیوں کی یہ خط و کتابت اور ان کا غلط تعارف برے نتائج کا باعث بنا ہے۔
(صالح بن فوزان)

سوال: میں ایک ہسپتال میں کام کرتا ہوں۔ میرے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ ہر وقت اجنبی اور غیر محرم عورتوں کے ساتھ اختلاط اور بات چیت ہوتی رہتی ہے اور غیر محرم عورت سے مصافحہ، بالخصوص رمضان میں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عورتوں کے ساتھ اختلاط جائز نہیں، اس کے نتائج بڑے سنگین اور خطرناک ہو سکتے ہیں، بالخصوص جب وہ بے پردہ اور اپنی زینت اور سنگار کو نمایاں کرنے والی بھی ہوں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اس کام سے الگ ہو جائیں اور کوئی ایسا کام تلاش کریں جس میں اختلاط نہ ہو۔ اور بحمد اللہ کاروبار بہت سے ہیں۔

اجنبی مرد عورت کا آپس میں مصافحہ حرام ہے، اس میں فتنہ ہے اور صنفی جذبات کو تحریک ملتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی اجنبی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا تھا۔ آپ عورتوں سے زبانی کلامی بیعت لیتے تھے۔ [1]
(مجلس افتاء)

سوال: میری ایک بہن ہسپتال میں نرس ہے۔ مریضوں کی تیمار داری اس کا کام ہے۔ بعض اوقات آپریشن کرتے ہوئے ڈاکٹر (مرد) کے ساتھ ہاتھ چھو جاتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ یہ چھونا کام کے دوران میں ہوتا ہوگا، اور بالعموم ڈاکٹر لوگ آپریشن کے دوران میں ربڑ کے دستانے پہنے ہوئے ہوتے ہیں تو یہ چھونا حائل کے ساتھ ہوا۔

لیکن بہر حال میں خیر خواہانہ کہوں گا کہ یہ بہن نرس کا کام چھوڑ کر کوئی اور اختیار کر لے یا اس کا کام صرف خواتین کے ساتھ ہو، کیونکہ اس میں بہت سی شرعی مخالفتیں پیش آتی ہیں۔

اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر حضرات بھی نرسوں کو ہر طرح سے مباح سمجھتے ہیں اور جب چاہیں ان سے خوش طبعی کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر نرسیں بھی کوئی زیادہ تعلیم یافتہ اور دینی امور سے آگاہ نہیں ہوتی ہیں، اور دوسرے انہوں نے ایک معاہدے کے تحت کام کرنا ہوتا ہے تو نفسیاتی طور پر ڈاکٹر لوگوں کے سامنے اپنے کو ہیچ سمجھتی ہیں اور بعض اوقات یہ ڈاکٹر کے ساتھ رات کی ڈیوٹی میں، ان ہی کے ساتھ رات بھی گزارتی ہیں۔ اس طرح یہ بہت سے فتنوں کا نشانہ بنی رہتی ہیں۔ لہٰذا میں عورتوں سے کہوں گا کہ نرسوں کا کام اس صورت میں اختیار کریں جب صرف عورتوں میں موقع ملے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب اذا اسلمت المشركة أو النصرانية تحت الذی أو الحربی، حدیث: ٤٩٨٣ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب کیفیة بیعة النساء، حدیث: ١٨٦٦ وسنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب بیعة النساء، حدیث: ٢٨٧٥.

موقع بموقع دن منانا

سوال: کیا سن عیسوی کے اختتام پر لیکچروں اور خطابات کا اہتمام کرنا جائز ہے کہ ان میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہوتا کہ اس ذریعے سے غیر مسلم عیسائی لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے؟

جواب: جو شخص فی الواقع یہ شوق رکھتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دے تو اسے دسمبر میں بڑے دن اور ایسٹر وغیرہ کے ساتھ محدود اور خاص نہیں کر دینا چاہیے کہ ہم دعوت اسلام کے نام سے ان کے شریک اور حصہ دار بن جائیں۔ اس کام کے لیے اس موقع کے علاوہ تحریری اور تقریری انداز کے اور بہت سے مواقع ہیں، لہٰذا اس نیت سے ان کی اس عید میں شرکت جائز نہیں ہو سکتی۔

اور آج کل جو یہ زبان زد عام ہے کہ ''مقاصد کے لیے وسائل و ذرائع مباح ہو جاتے ہیں۔'' [1] یہ کوئی اسلامی قاعدہ نہیں ہے، اور بہت سے مسلمان اس سے متاثر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسی دعویٰ کے پیش نظر اور مصلحت کی خاطر یہ لوگ ان کے بہت سے غیر شرعی کاموں میں شریک اور حصہ دار بن جاتے ہیں۔

ایسے ہی بہت سے لوگ میلاد النبی کے موقع کو غنیمت جانتے ہوئی بدعتی لوگوں کے اجتماعات میں شریک ہوتے اور خطبے دیتے ہیں، حتیٰ کہ بعض سلفی لوگوں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اس زعم سے کہ ان لوگوں تک حق پہنچایا جائے، ان کے شریک بن جاتے ہیں، جسے ہم جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح سے غیر شرعی عیدوں میں شرکت ہوتی ہے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: عید میلاد کی شریعت مطہرہ میں کوئی حیثیت نہیں اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہمارے اس معاملہ دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔'' [2] اور صحیح مسلم میں ہے ''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہماری تعلیم نہ ہو، وہ مردود ہے۔'' [3]

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی پوری زندگی میں ایسا کوئی کام نہیں کیا، نہ اس کا حکم دیا، نہ صحابہ کو سکھایا، اور ایسے ہی

---

[1] یا عظیم تر مقاصد کے لیے وسائل و ذرائع کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، حدیث: ۲۵۵۰۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، حدیث: ۱۷۱۸ وسنن ابی داود، کتاب السنة، باب لزوم السنة، حدیث: ٤٦٠٦۔ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٧٠، حدیث: ٢٦٣٧٢.

[3] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب النجش ومن قال لا یجوز ذلك البیع (تعلیقا)۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، حدیث: ۱۷۱۸ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٤٦. حدیث: ٢٥١٧١.

آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی کبھی یہ کام نہیں کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ علیہ السلام کی سنتوں کو سب سے بڑھ کر جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے تھے۔ آپ کی پیروی کے انتہائی حریص رہتے تھے۔ اگر عید میلاد یا جشن میلاد کوئی شرعی کام ہوتا تو یقیناً یہ لوگ اس کی طرف جلدی کرتے۔ پھر صحابہ کے بعد فضیلت والی صدیوں میں علمائے امت میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے۔ اس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شریعت نہیں ہے جسے دے کر آپ کو مبعوث کیا گیا تھا۔

اور ہم اللہ عزوجل کو گواہ بنا کر کہتے ہیں اور تمام مسلمانوں کو بھی گواہ بناتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہوتا، یا اس کا حکم دیا ہوتا، یا آپ کے صحابہ نے کیا ہوتا، تو ہم اس کی طرف سب سے پہلے جلدی کرنے والے ہوتے۔ کیونکہ ہم بحمد اللہ تعالیٰ اتباع سنت کے سب سے بڑھ کر حریص ہیں اور آپ کے امر ونہی کی تعظیم ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ہم اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے حق پر ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں، اور ہر اس کام سے جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہو، اس سے عافیت چاہتے ہیں۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی سخی اور مہربان ہے۔

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: آب جو پینے کا کیا حکم ہے (جسے عرب میں بریل کہتے ہیں)؟ اور ایسے یہ بوظہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو کا پانی (آب جو، اش جو) چونکہ الکوحل سے خالی ہوتا ہے اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔ لیکن اگر ثابت ہو کہ بیرہ / برانڈی سے بنایا جاتا ہے، جس میں الکوحل ہوتا ہے تو جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ الکوحل خمر اور شراب ہے، جس سے کسی طرح فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

اگر کوئی کمپنی شراب بناتی ہو، پھر اس میں سے کوئی الکوحل کے اجزا نکال کر فروخت کرے اور دعویٰ کرے کہ یہ شراب نہیں ہے، تب بھی اس کا خریدنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں ان لوگوں کے لیے "گناہ میں تعاون" ہے۔ اس لیے نہیں کہ یہ چیز فی ذاتہ حرام ہوگی۔

اسی طرح ہم نے ایک معروف مشروب بنام "فیروز" کے حلال ہونے کا کہا ہے اور بڑی باریک بینی سے اس کی کیمیائی تحلیل کرائی ہے تو اس میں کسی قسم کا کوئی الکوحل نہیں پایا گیا۔

اور اللہ کی توفیق سے ہم بریل کے حلال ہونے کا کہتے ہیں، کیونکہ بظاہر اس میں کوئی الکوحل نہیں ہے، اور آدمی اسے خرید سکتا ہے۔

اور "بوظہ" نامی مشروب اگر اس میں نشہ نہیں ہے اور اس میں کوئی الکوحل بھی نہیں ہے تو اس کا پینا جائز ہوگا۔ ویسے میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہوں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ہمارے ہاں کچھ رواج ہیں جو ہمیں اپنے بڑوں سے ملے ہیں کہ عیدالفطر کے موقع پر خاص قسم کے کیک، ستائیس رجب، پندرہ شعبان اور عاشورۂ محرم کے مواقع پر خاص کھانے اور حلوہ جات بنائے جاتے ہیں۔ ان

کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مواقع پر خوشی کا اظہار کرنا اور کھانے پینے وغیرہ کا خاص اہتمام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((ایام التشریق ایام أكل وشرب وذكر الله .))

''عید الاضحیٰ کے بعد تین دن ایام تشریق کھانے، پینے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔'' ❶

کہ لوگ اس موقع پر قربانیاں کرتے، گوشت کھاتے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور یہی حکم عید الفطر کا ہے، بشرطیکہ شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو۔

لیکن ستائیس رجب، پندرہ شعبان اور عاشورۂ محرم کے مواقع پر خوشی کا اظہار، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ منع ہے، مسلمان آدمی کو ان مواقع کی دعوتیں قبول نہیں کرنی چاہییں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ''نئے نئے کاموں سے دور رہو، (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' ❷

ستائیس رجب کے بارے میں کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ معراج کی رات ہے، اس میں آپ ﷺ کو آسمانوں پر لے جایا گیا تھا۔ مگر تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت نہیں ہے اور جو بات ثابت نہ ہو وہ باطل ہوتی ہے، اور جو کام کسی باطل پر مبنی ہو وہ باطل ہوا کرتا ہے۔ اگر بالفرض معراج اس رات میں ہوئی بھی ہو تو بھی ہمارے لیے جائز نہیں ہوگا کہ اسے بطور عید منانا شروع کر دیں یا اس میں کوئی خاص عبادت شروع کر دیں۔ کیونکہ یہ چیزیں نبی ﷺ یا آپ کے صحابہ سے ثابت نہیں ہیں۔ حالانکہ صحابہ کرام ان اعمال خیر کے زیادہ لائق تھے۔ وہ آپ علیہ السلام کی سنت اور آپ کی شریعت کی اتباع کے بڑے ہی شائق تھے۔ ہمارے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں ہوا، اسے ہم شروع کر دیں۔

اسی طرح پندرہ شعبان کی رات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے۔ یہ کہ آپ نے بالخصوص اس میں کوئی عبادت کی ہو۔ ہاں کچھ تابعین سے نماز اور ذکر کا بیان آتا ہے، نہ کہ کھانے پینے اور عید منانے کا۔

یوم عاشور کے روزے کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''یہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم ایام التشریق، حدیث : ۱۱۴۱ سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب فی حبس لحوم الاضاحی، حدیث : ۲۸۱۳ ومسند احمد بن حنبل [illegible] /۷۵، حدیث : ۲۰۷۴۱.

❷ سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، حدیث : ۴۶۰۷، سنن ابن ماجه، [illegible] الایمان وفضائل الصحابة والعلم، باب اجتناب البدع والجدل، حدیث : ۴۶ و[illegible] احمد بن حنبل : ۱۲۶/۴، حدیث : ۱۷۱۸۴.

ہے۔"❶ مگر اس دن کسی عید کا منانا یا غم کا اظہار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں کام خلاف سنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں صرف روزے کا آیا ہے اور یہ کہ اس سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد ایک دن کا مزید روزہ رکھ لیں تا کہ یہودیوں کی مخالفت ہو جائے کیونکہ وہ صرف اس ایک دن کا روزہ رکھتے تھے۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: بعض مقامات پر رواج ہے کہ جب کسی کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے تو اسے ہدیے دیے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض اوقات سونے کی چیزیں بھی ہوتی ہیں، تو کیا میں بچوں کے ان ہدایا میں کوئی تصرف کر سکتا ہوں؟

جواب: اگر تصرف سے مراد کوئی فائدہ اٹھانا ہے، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ مراد ہو کہ یہ سونا اس لڑکے کو پہنایا جائے تو ہم یہ مسئلہ اپنی کتاب آداب الزفاف میں واضح کر چکے ہیں۔❷

(ناصر الدین الالبانی)

سوال: ہمارے ہاں ہر سال اکیس مارچ کو خاص دن منایا جاتا ہے جسے "عید الام" کہتے ہیں اور اس میں سب لوگ شریک ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ حلال ہے یا حرام؟

جواب: وہ تمام ایام اور عیدیں جو شرعی عیدوں کے خلاف ہوں، دین میں یہ نیا کام ہیں اور بدعت ہیں۔ سلف صالح (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے دور میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ عین ممکن ہے یہ غیر مسلموں سے درآمد شدہ ہوں۔ تو اس طرح یہ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت بھی ہو گی۔

شرعی عیدیں مسلمانوں کے ہاں معروف ہیں کہ وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہی ہیں، اور تیسری ہفت روزہ عید (جمعہ کا دن) ہے۔ ان تین کے علاوہ سب نئی ایجاد شدہ ہیں لہٰذا یہ ان کے ایجاد کرنے والوں ہی پر پلٹ دیے جانے کے لائق ہیں، اللہ کی شریعت میں باطل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے" جس نے ہمارے اس معاملہ دین میں کوئی نئی بات نکالی جس کے متعلق ہمارا کوئی امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"❸ لہٰذا یہ عید، عید الام میں شرعی عید کا سا کوئی کام کرنا، فرح و سرور کا اظہار کرنا یا ہدیے دینا جائز نہیں ہے۔

ہر مسلمان کے لیے واجب ہے کہ اپنے دین سے معزز بنے، اس پر فخر کرے اور اللہ و رسول کی مقرر کردہ

❶ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب ثلاثة ايام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين، حديث : ١١٦٢ وسنن ابى داود، كتاب الصيام، باب فى صوم الدهر تطوعا، حديث : ٢٤٢٥ وسنن الترمذى، كتاب الصوم، باب الحث على صوم يوم عاشوراء، حديث : ٧٥٢.

❷ یعنی لڑکوں کو سونا پہنانا جائز نہیں ہے (سعیدی)

❸ صحيح بخارى، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث : ٢٥٥٠۔ صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور، حديث : ١٧١٨ وسنن ابى داود، كتاب السنة، باب لزوم السنة، حديث : ٤٦٠٦۔ مسند احمد بن حنبل : ٦/ ٢٧٠، حديث : ٢٦٣٧٢.

حدود تک محدود رہے۔ یہ وہ مضبوط دین ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس میں نہ کوئی کمی کرے نہ زیادتی۔ اسی طرح ایک مسلم بندے کو لوگوں کے پیچھے چلنے والا نہیں ہونا چاہیے کہ ہر کائیں کائیں کرنے والے کے پیچھے لگ جائے۔ چاہیے کہ اس کی شخصیت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہو، لوگ اس کی پیروی کرنے والے ہوں نہ کہ یہ ان کا پیرو بنے۔ اسے دوسروں کے لیے نمونہ ہونا چاہیے، نہ کہ دوسروں کے قدموں پر چلنے والا۔ کیونکہ اللہ کی شریعت بحمد اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے کامل ہے۔ فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۵/ ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔''

''ماں'' اس بات کی حق دار ہے کہ ہر روز اس کی خوشی کی جائے، نہ کہ سال میں صرف ایک دن، بلکہ اولاد پر ماں کا یہ حق ہے کہ اس کا خاص خیال رکھیں اور اللہ کی معصیت کے علاوہ اس کی ہمیشہ اطاعت کریں۔

(محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میرا بیٹا آج کل اپنی ماں کے ساتھ رہ رہا ہے اور اس کی ماں ہر سال اس کی سالگرہ مناتی ہے۔ اس میں ماکولات و مشروبات کا اہتمام ہوتا ہے۔ بچے کی عمر کے لحاظ سے موم بتیاں جلائی جاتی ہیں اور پھر وہ انہیں بجھاتا ہے۔ اس طرح پروگرام کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: سالگرہ منانا جائز نہیں ہے، یہ بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''[1] اور یہ کافروں کی مشابہت ہے اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ''جو کسی قوم کی مشابہت اپنائے وہ ان ہی میں سے ہوا۔''[2] (مجلس افتاء)

سوال: بعض مقامات پر معلم کے نام پر ایک جشن منایا جاتا ہے۔ کیا اس میں حاضر ہونا اور اس کے ہدیے قبول کرنا جائز ہے؟

جواب: یہ ایک بڑی پریشان کن صورت حال ہے جو کفار کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی جاری ہوگئی ہیں۔ جب

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، حدیث: ۲۵۵۰۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، حدیث: ۱۷۱۸ وسنن ابی داود، کتاب السنة، باب لزوم السنة، حدیث: ٤٦٠٦۔ مسند احمد بن حنبل: ٦/ ٢٧٠، حدیث: ٢٦٣٧٢.

[2] سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث: ٤٠٣١ ومسند احمد حنبل: ٢/ ٥٠، حدیث: ٥١١٤۔ مصنف ابن ابی شیبة: ٤/ ٢١٢، حدیث: ١٩٤٠١.

تک پورا نظام زندگی نہ بدلے ان کو ختم کرنا مشکل ہے۔ جبکہ اسلام میں تین عیدوں کے علاوہ اور کوئی عید نہیں۔ دو سالانہ عیدیں ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اور ایک ہفتہ وار عید جمعہ۔

ہمیں خود مسلمانوں میں ایک نئی عید، عید میلاد النبی کا سامنا ہے جو ایک مدت سے مسلمانوں میں رواج پا گئی ہے اور جو قدیم عیسائیوں کی تقلید میں شروع ہوئی ہے، اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور یہ بدعتی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جب عیسائی اپنے نبی کا دن مناتے ہیں تو ہم کیوں نہ منائیں۔ ان لوگوں کی اپنے دین کے متعلق عجیب غفلت ہے۔ گویا عیسائی ان کے لیے نمونہ ہیں (اور پیغمبر علیہ السلام نمونہ نہیں ہیں)۔ کیا آپ نے ہمیں ان لوگوں کی پیروی سے منع نہیں کیا ہے؟

صحیح مسلم میں ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے سوموار کے روزے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''یہ وہ دن ہے کہ اس میں میری ولادت ہوئی، اور اسی میں مجھ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔''❶ گویا آپ نے فرمایا کہ اللہ کے شکر میں، کہ اس نے تمہیں میری ولادت سے تم پر انعام کیا، اور مجھے رسول بنایا، اس دن کا روزہ رکھو۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس نعمت کے شکر میں، کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں، ہر سوموار کا روزہ رکھنا چاہیے۔ جبکہ بہت سے روزہ داروں کو جو اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، اس نعمت کے شکریہ کا خیال تک نہیں ہوتا ہے۔

اور یہ مسلمان جنہوں نے عید میلاد منانا شروع کی ہے، حقیقت میں انہوں نے افضل اور اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ چیز حاصل کی ہے۔ ان میں سے کوئی اس دن کا روزہ نہیں رکھتا، اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم یہ دن کیوں مناتے ہو؟ تو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور آپ کی تعظیم میں ہم یہ دن مناتے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لیے اللہ کے حکم سے وہ چیز مشروع فرمائی ہے جو تمہارے لیے اس جشن سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔ اور تمہارا یہ عمل (جشن منانا) اس کی اسلام میں کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ کفار سے مشابہت ہے۔

اور پھر تم یہ جشن سال میں صرف ایک بار مناتے ہو، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر ہر ہفتے منانے کی ترغیب دی ہے (یعنی روزہ رکھنے کی)۔ ذرا غور کرو، ان دو عملوں میں سے کون سا عمل افضل اور بہتر ہے؟

اور ہدیہ کا جو پوچھا گیا ہے تو وہ بھی اصل کا تابع ہے۔ جب اصل غلط ہے تو اس پر مرتب کی گئی چیز بھی غلط اور فاسد ہے۔ (ناصر الدین الالبانی)

سوال: ریڈیو وغیرہ سننا کیسا ہے؟

❶ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب ثلاثة ایام من کل شهر وصوم یوم عرفة، حدیث: ۱۱۶۲ وسنن ابی داود، کتاب الصیام، کتاب فی صوم الدهر تطوعا، حدیث: ۲۴۲۶ ومسند احمد بن حنبل: ۵/ ۲۹۹، حدیث: ۲۲۶۰۳.

جواب: ریڈیو سے نشر کیا جانے والا قرآن مجید، احادیث اور اہم خبریں اور اسی طرح کی چیزیں جو اس سے ٹیپ کر لی جائیں ان کا سننا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور میں تاکید کروں گا کہ اذاعۃ القرآن (ریڈیو قرآن کریم) اور نور علی الدرب (چراغ راہ) ضرور سنا کریں کہ اس میں بہت سے فوائد ہوتے ہیں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ریڈیو سے بعض اوقات بڑے اچھے پروگرام نشر ہوتے ہیں، اہم خبریں بھی پیش کی جاتی ہیں، مگر اس کے ضمن میں موسیقی بھی ہوتی ہے؟

جواب: یہ چیز سن لینے اور ان سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ جب موسیقی شروع ہو تو آپ اسے بند کر دیں۔ کیونکہ موسیقی آلات لہو میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان منکرات کے چھوڑنے کی توفیق اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایسے رسائل جن میں بے پردہ عورتوں کی تصاویر بڑے پرکشش انداز سے شائع کی جاتی ہوں اور فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں کو بڑی اہمیت دیتے ہوں، ان کے شائع کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسے مجلّات میں کام کرنے، ان کی تقسیم واشاعت اور ان کے خریدنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسے رسائل ومجلّات جن میں عورتوں کی تصاویر ہوں، فحش اور بدکاری یا لواطت یا منشیات کی ترغیب ہو، یا اسی طرح کے باطل امور اور ان کی اعانت ہو، ان کا شائع کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ان اداروں میں کسی طرح کا کام کرنا، مثلاً کتابت یا تقسیم وغیرہ بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں گناہ اور عدوان میں تعاون ہے۔ ان سے زمین میں فساد اور معاشرے میں جرائم پھیلتے ہیں۔ ان میں معاشرے کے اندر بگاڑ پیدا کرنے کی دعوت ہوتی ہے اور اسی طرح کے دیگر رذیل کاموں کی اشاعت ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○﴾ (المائدہ: ۵/ ۲)

”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، گناہ اور ظلم وتعدی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے سخت عقاب والا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه لا ينقص ذلك من أجورهم شيئا.))

”جس کسی نے ہدایت کی دعوت دی تو اس کے لیے اس کی پیروی کرنے والے سب لوگوں کے اجر کی مانند اجر ہوگا، اور ان کے اجر میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس نے گمراہی کی دعوت دی تو اس کے لیے اس کی پیروی کرنے والے لوگوں کے گناہ کی مانند گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں

سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔“ ❶

آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: ”دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں، میں نے انہیں ابھی نہیں دیکھا ہے۔ مرد ہوں گے کہ ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے جیسے کہ بیلوں کی دمیں ہوتی ہیں، ان سے لوگوں کو مارتے پھرتے ہوں گے۔ اور عورتیں ہوں گی کپڑے پہنے ہوئے مگر عریاں اور ننگی، مائل ہونے والی اور دوسروں کو مائل کرنے والی، ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے کہ بختی اونٹوں کے ڈھلکے ہوئے کوہان، جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گی، اور نہ اس کی خوشبو ہی پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے آتی ہوگی۔“ ❷

اور اس معنی و مفہوم کی آیات (اور احادیث) بہت ہیں۔ ہماری اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایسے اعمال کی توفیق دے جن میں ان کی بھلائی اور نجات ہو اور ہمارے شعبہ اعلام (میڈیا) اور صحافت کے ذمہ داران کو اس راہ مستقیم کی ہدایت دے جس میں معاشرے کی سلامتی اور نجات ہو، اور انہیں اپنے نفسوں کے شر اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے، بلاشبہ وہ بڑا ہی سخی اور مہربان ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک کمپنی نے جو کیسٹوں وغیرہ سے متعلق ہے انہوں نے کچھ کیسٹوں پر آپ کی، شیخ محمد حسین یعقوب، شیخ نشات اور شیخ وجدی غنیم کی تصاویر شائع کی ہیں، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب: یہ چیز شرعاً جائز نہیں ہے۔ اگر یہ کمپنیاں اپنے ان اعمال سے باز نہ آئیں تو میں آئندہ ان کے لیے کوئی چیز بھی کیسٹ نہیں کراؤں گا۔ انہیں چاہیے تھا کہ پہلے مجھ سے بات کر لیتے، بالخصوص جبکہ اس بارے میں میرا مذہب معروف ہے۔ میں ویڈیو کے علاوہ تصویر کو (جائز نہیں سمجھتا) اور یہ جو ان لوگوں نے کیسٹوں پر شائع کی ہے، میں اس کی اجازت نہیں دیتا ہوں۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: آپ ایسے لوگوں کو کیا نصیحت کرنا چاہیں گے جن پر مہینوں کے مہینے گزر جاتے ہیں اور وہ بغیر کسی عذر کے اللہ کی کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاتے ہیں، جبکہ بے فائدہ رسائل و مجلات میں مگن رہتے ہیں؟

جواب: ایک صاحب ایمان مرد اور عورت کے لیے مسنون ہے کہ تدبر اور فہم کے ساتھ کتاب اللہ کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرے، خواہ دیکھ کر کرے یا زبانی۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

---

❶ صحيح مسلم، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلى هدى أو ضلالة، حديث: ٢٦٧٤۔ سنن ابى داود، كتاب السنة، باب لزوم السنة، حديث: ٤٦٠٩ وسنن الترمذى، كتاب العلم، كتاب فيمن دعا الى هدى أو إلى ضلالة، حديث: ٢٦٧٤ وسنن ابن ماجه، باب كتاب الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، حديث: ٢٠٦.

❷ صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب النساء الكاسيات العاريات الملائلات المميلات، حديث: ٢١٢٨، ومسند احمد بن حنبل: ٢/ ٣٥٥، حديث: ٨٦٥٠.

يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ○ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ○﴾ (الفاطر : ۳۵/ ۲۹۔۳۰)

"بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، انہیں تجارت کی امید ہے جس میں ہرگز خسارا نہیں ہوگا، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اجر پورے پورے دے دے، اور اپنا مزید فضل بھی دے، بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا اور قدردان ہے۔"

اور اس تلاوت کا تعلق اس کے پڑھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے دونوں سے ہے۔ اور اسے غور وفکر سے پڑھنا، اور خالص اللہ کی رضا مندی کے لیے کرنا، اس کی پیروی اتباع کا بہترین ذریعہ ہے اور اس میں اجر عظیم بھی ہے۔ جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اقروا القرآن فإنه يأتي شفيعا لاصحابه يوم القيامة .))

"قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، بلاشبہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔" ❶

اور فرمایا: "تم میں سے بہترین وہی ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔" ❷

اور یہ بھی فرمایا: "جو شخص قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے اس کے لیے ایک نیکی ہے، اور ایک نیکی (اللہ کے ہاں) دس گنا ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام (دوسرا) اور میم (تیسرا) حرف ہے۔" ❸ ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ "قرآن مجید ایک مہینے میں پڑھا کرو۔" انہوں نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے تو آپ نے فرمایا: "ہفتے میں پڑھ لیا کرو۔" چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ہفتے میں قرآن مجید مکمل کرلیا کرتے تھے۔ ❹

---

❶ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة القرآن، حديث : ٨٠٤ والمعجم الكبير للطبراني:١/ ١٥٠، حديث: ٤٦٨ .

❷ صحيح بخارى، كتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، حديث : ٤٧٣٩ وسنن ابى داود، كتاب سجود القرآن، باب فى ثواب قراءة القرآن، حديث: ١٤٥٢ وسنن الترمذى، كتاب فضائل القرآن، باب تعليم القرآن، حديث : ٢٩٠٧، وسنن ابن ماجه، كتاب الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، حديث : ٢١١ .

❸ جامع الترمذى، كتاب فضائل القرآن، باب فيمن قرأ من القرآن ماله من الاجر، حديث : ٢٩١٠۔ المعجم الكبير للطبرانى:٩/ ١٣٠، حديث: ٨٦٤٦.

❹ سنن ابى داود، كتاب الصلاة، باب فى كم يقرأ القرآن، حديث : ١٣٨٨۔ مسند احمد بن حنبل : ٢/ ١٦٥، حديث: ٦٥٤٦ .

اور میں بھی اپنے تمام حضرات کو یہی وصیت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کیا کریں، تدبر اور تفکر کے ساتھ کیا کریں، اللہ کے لیے اخلاص اور حصول علم کی نیت سے پڑھا کریں، اور اسے (کم ازکم) ایک مہینے میں ختم کرلیا کریں۔ اگر اس سے پہلے مکمل کرلیں تو اس میں بڑی خیر ہے کہ ایک ہفتے میں ختم کرلیا جائے۔ مگر تین دن سے کم میں مکمل نہ کریں، کیونکہ یہ جلد بازی ہوگی اور اس میں تدبر نہیں ہوگا۔

اور چاہیے کہ قرآن مجید باوضو ہوکر تلاوت کیا جائے۔ اگر زبانی پڑھ رہا ہوتو بلاوضو پڑھ لینا بھی جائز ہے۔ مگر جنبی آدمی کے لیے غسل کیے بغیر قرآن مجید پڑھنا، خواہ اوپر سے دیکھ پڑھے یا زبانی، کسی طرح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسند احمد اور جامع ترمذی میں بسند حسن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((كان النبى ﷺ لا يحجره شيء عن القرآن سوى الجنة .))

''نبی اکرم ﷺ کو قرآن مجید سے جنابت کے علاوہ اور کوئی چیز روکتی نہ تھی۔''[1]

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایسی خواتین کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایسے رسالے پڑھتی ہیں جن میں تصویریں ہوتی ہیں اور غیر شرعی مضامین ہوتے ہیں؟

جواب: ہر ذمہ دار مرد یا عورت پر لازم ہے کہ ایسی کتابوں سے پرہیز کرے جو بدعت وگمراہی کی حامل ہوں یا ایسے رسالے جو خرافات اور گمراہ کن مضامین شائع کرتے ہیں، یا غلط پروپیگنڈا کرتے ہیں اور بد اخلاقی کی اشاعت کرتے ہیں۔ اس کی اجازت صرف ان لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو ان کے الحاد وانحراف کی تردید کرسکیں، اور ان کے ذمہ داران کو حق کی نصیحت اور موجودہ غلط روش سے متنبہ کریں اور لوگوں کو ان کے شر سے بچائیں۔

(مجلس افتاء)

کفار سے اختلاط اور گہرا میل جول

سوال: کافر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کافروں کے ساتھ مل جل کر رہنا اگر اس نیت اور اس امید پر ہو کہ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے گی، اسلام کے فضائل اور دوسرے ادیان سے اس کا امتیاز بیان کیا جائے گا اور وہ قبول کرلیں گے، تو جائز ہے۔ اگر ان کے مسلمان ہونے کی امید نہ ہوتو ان کے ساتھ اکٹھے مل کر رہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہ آدمی بھی گناہ سے آلودہ نہ ہوجائے۔ کیونکہ اکٹھے رہنے اور گہرے میل جول سے گناہ کا احساس ختم اور آدمی کی غیرت مرجاتی ہے، بلکہ (ان کے کفر اور) کفار کے ساتھ محبت مودت پیدا ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب ما جاء فى قراءة القرآن على غير طهارة، حديث: ٥٩٤ .

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ (المجادلة : ۵۸/ ۲۲)

’’آپ کسی قوم کو نہیں پائیں گے کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں تو ان لوگوں سے بھی محبت کرتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، وہ خواہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی یا قبیلے دار۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ایمان ان کے دلوں میں لکھ دیا ہے (راسخ کر دیا ہے) اور اپنی روح سے ان کی نصرت کی ہے۔‘‘

جبکہ اللہ کے دشمنوں سے الفت ومحبت اس چیز کے برعکس ہے جو مسلمان کے لیے واجب ہے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (المائدہ : ۵/ ۵۱)

’’اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ، یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تو تم میں سے جس کسی نے ان سے الفت رکھی تو وہ ان ہی میں سے ہوا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

مزید فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾ (الممتحنة : ۶۰/ ۱)

’’اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست مت بناؤ۔ تم ان سے محبت سے ملتے ہو حالانکہ یہ اس حق کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔‘‘

اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر ہر کافر اللہ کا دشمن ہے اور اہل ایمان کا دشمن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾

(البقرة : ۲/ ۹۸)

’’جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کا دشمن ہے۔‘‘

الغرض ایک صاحب ایمان کو لائق نہیں ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ مل جل کر رہے یا ان سے کوئی الفت ومحبت رکھے۔ کیونکہ اس میں اس کے دین وعمل کو بہت بڑا خطرہ ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میرا ایک ہمسایہ عیسائی ہے، کیا مجھے ان کے ہاں وفات پر تعزیت کے لیے جانا چاہیے یا نہیں؟

جواب: اگر آپ اس کے ہاں جائیں اور یوں کہیں: ''بقا صرف اللہ کے لیے ہے'' تاکہ اس کی تالیف قلبی ہو اور وہ اسلام کی خوبیوں سے آگاہ ہو کہ اسلام رحمت و شفقت کا دین ہے۔ اور آپ کو اس لیے بھی جانا چاہیے کہ وہ ہمسایہ ہے، اور ہمسائے کے بہرحال حقوق ہیں، خواہ وہ کافر ہی ہو تو اس کا ایک حق ہے یعنی حق ہمسائیگی۔ اگر وہ مسلمان ہو تو اس کے دو حق ہیں، حق اسلام اور حق ہمسائیگی۔ اور اگر وہ رشتہ دار ہو تو اس کے تین حقوق ہوتے ہیں، حق اسلام، حق ہمسائیگی اور حق تعلق داری۔ اور یہ مسئلہ طبرانی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بسند صحیح ثابت ہے۔

البتہ آپ اپنے اس کافر ہمسائے کو تعزیت میں یوں نہ کہیں کہ صبر کرو اور اجر و ثواب کی امید رکھو، یا اللہ اس پر رحمت کرے وغیرہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (التوبة: ۹/ ۱۱۳)

''نبی اور اہل ایمان کے لیے لائق نہیں ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہو، بعد اس کے کہ ان کے لیے واضح ہو جائے کہ وہ جہنمی ہیں۔''

بعض اوقات یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجلس کے اندر جان بوجھ کر چھینکیں مارتے تھے اور توقع رکھتے تھے کہ آپ انہیں دعا دیں گے، مگر آپ ان کی چھینک کا کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: کیا ہندوؤں اور عیسائیوں جیسے کافروں کے ساتھ میل جول رکھنا، اکٹھے کھانا پینا اور باتیں کرنا جائز ہے؟ یا دین اسلام کی دعوت کے پیش نظر ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا جائز ہے؟

جواب: اللہ کے دین کی دعوت دینے کی نیت سے ان کے ساتھ میل جول، اکٹھے بیٹھنا اور انس کا اظہار کرنا جائز ہے تاکہ اسلامی تعلیمات ان کے سامنے واضح کی جاسکیں اور انہیں دین اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی جائے اور بتایا جائے کہ بہترین انجام صرف اہل اسلام ہی کا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے سب لوگوں کے لیے رسوائی اور برا انجام ہے۔ اور ساتھ ہی آدمی کو اللہ سے اپنے لیے استغفار بھی کرنا چاہیے کیونکہ آدمی ان کافروں کے سامنے دوستی اور محبت کا اظہار کرتا ہے، اور ان لوگوں سے میل جول کا انجام عموماً اچھا نہیں ہوتا۔ (عبداللہ الجبرین)

اولاد میں عدل

سوال: ایک عورت کی اولاد ہے جو آپس میں حقیقی بھائی نہیں ہیں۔ عورت نے اپنے حصے سے ایک بچے کو کچھ ہبہ کر دیا، دوسروں کو کچھ نہیں دیا، پھر اس کی وفات ہوگئی۔ وہ خود اسی مکان میں مقیم تھی جو اس نے ہبہ کیا تھا، تو کیا

اس کا صدقہ صحیح ہوگا؟

جواب: اگر وہ ہبہ قبضہ میں نہیں لیا گیا تھا، حتیٰ کہ اس کی وفات ہوگئی تو ائمہ اربعہ کے مشہور قول کے مطابق اس کا یہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ قبضے میں دے چکی تھی تو اس کا یہ عمل یعنی صرف ایک شخص کے لیے ہبہ خاص کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ اس کے اور دوسرے بھائیوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

اگر صدقہ کیا گیا مال صدقہ کرنے والے کے قبضے ہی میں ہو، حتیٰ کہ اس کی وفات ہو جائے تو باتفاق ائمہ ان کے مشہور قول کے مطابق وہ صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی حاکم اسے ثابت بھی کرے، تو اس کا یہ فیصلہ اس کو صحیح نہیں کر سکتا جبکہ دوسرے وارث موجود ہوں تو اس صورت میں کوئی صاحب علم اس طرح کا فیصلہ نہیں دے سکتا، سوائے اس کے کہ مسئلہ کی شکل ہی کوئی اور ہو۔

اگر صاحب صدقہ نے اپنا صدقہ اس شخص کے حوالے کر دیا ہو جسے وہ دینا تھا، تو علماء کے نزدیک معروف ہے کہ یہ صدقہ اسی صورت میں درست ہوگا جب اس کی کوئی اور اولاد نہ ہو۔ اگر اس کی اور اولاد بھی ہو تو ضروری ہے کہ انہیں بھی اسی طرح کا صدقہ دے ورنہ اسے واپس لینا واجب ہوگا۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے ایک غلام بطور عطیہ عنایت کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اس کے لیے اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتی جب تک کہ آپ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنا لیں۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے میرے والد سے دریافت فرمایا: کیا تیرے اور بچے ہیں؟ کہا کہ ہاں۔ فرمایا: ''تو کیا تو نے سب کو اسی طرح کا مال دیا ہے جو اسے دیا ہے؟'' کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس پر کسی اور کو گواہ بنا لو۔''[1] دوسرے الفاظ یوں ہیں: ''مجھے گواہ نہ بناؤ، میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنی اولادوں میں عدل کیا کرو۔'' چنانچہ وہ اس نے لوٹا لیا۔ واللہ اعلم۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: ایک عورت کا بیٹا فقیر ہے، اس کے اور بچے بھی ہیں جو چھوٹے ہیں۔ وہ اس قدر محتاج ہے کہ ماں کو اس کے لیے اپنا زیور دینا پڑا ہے کہ وہ یہ زیور رہن دے کر قرض لے لے۔ کیا وہ عورت ایسا کر سکتی ہے؟ اور کیا رہن لینے والا حسب حالات اس رہن کا مالک بن سکتا اور پھر فروخت بھی کر سکتا ہے؟

جواب: عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک بچے کو عطیہ اور ہدیہ دے یا محض محبت میں آ کر کچھ دے، جبکہ سب ہی ضرورت مند ہوں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ماں کے لیے روا نہیں کہ کسی ایک کو اپنا مال دے کہ وہ اسے رہن رکھ دے۔ ہاں اگر وہ (بیٹا) اپنی ذات اور اپنے چھوٹے بھائیوں (اپنی ماں کی اولاد) کے

[1] سنن أبي داود، كتاب الاجارة، باب في الرجل يفضل بعض ولده في النحل، حديث ...... ومسند أحمد بن حنبل: ٤/ ٢٥٨، حديث: ١٨٣٨٩.

روز مرہ اخراجات کے لیے قرضہ لینا چاہ رہا ہو تو ماں کے لیے جائز ہوگا کہ اسے اپنا زیور دے کر اسے رہن رکھ دے اور قرضہ لے لے۔

پھر جو شخص رہن لے، حسب حالات (یعنی عدم ادائیگی کی صورت میں) رہن شدہ چیز کو بیچ دینے کا مالک بھی ہے۔ ائمہ حنابلہ نے لکھا ہے کہ آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا مال اس آدمی کو دے سکتا ہے جو اسے آگے رہن رکھنا چاہتا ہے، اور اگر مدت مقررہ میں ادائیگی نہ کر سکے تو رہن رکھا گیا مال بیچ دیا جائے۔ تاہم اس صورت میں قرض لینے والے کے ذمے ہوگا کہ اصل مالک کو اس رہن رکھے گئے مال کی قیمت ادا کرے۔

الغرض جب اس عورت نے، خواہ اس کے لیے جائز ہو یا نہ ہو، اپنے بیٹے کو اجازت دے دی کہ اس کا زیور رہن رکھ سکتا ہے، پھر حالات کے تحت وہ بیچ دیا گیا اور قرض خواہ نے اپنا قرض پورا کر لیا تو بیٹے کے ذمے کچھ نہیں ہوگا۔ [1] (عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کیا میرے لیے جائز ہے کہ اپنے بیٹے کو وہ کچھ دوں جو دوسرے کو نہ دوں، اس لیے کہ وہ غنی ہے؟

جواب: آپ کو یہ روا نہیں ہے کہ اپنی اولاد میں سے، خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، کسی ایک کو بالخصوص دیں اور دوسروں کو نہ دیں۔ واجب ہے کہ حسب وراثت ان میں عدل کے کام لیں۔ یا کسی کو کچھ نہ دیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنی اولادوں میں عدل کیا کرو۔'' [2] لیکن اگر وہ بالغ اور سمجھ دار ہوں اور وہ آپ کی اس تخصیص پر راضی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ایسے ہی اگر اولاد میں سے کوئی لاچار ہو، کما نہ سکتا ہو، اسے بیماری وغیرہ کا کوئی عارضہ ہو یا کوئی اور رکاوٹ ہو کہ آمدنی بہت کم ہو اور باپ یا بھائی نہ ہوں کہ اس پر خرچ کریں اور نہ حکومت ہی کی طرف سے کوئی وظیفہ ملتا ہو تو آپ (ماں) پر لازم ہے کہ اس کی ضرورت کے مطابق اس پر خرچ کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا ماں کے لیے جائز ہے کہ اپنے بچوں میں سے کسی ایک کے ساتھ زیادہ الفت و پیار کا اظہار کرے؟ اور ایسے ہی پوتوں کا معاملہ ہے، جبکہ سب ہی بیٹے پوتے پوتیاں اس کے ساتھ حسن سلوک میں برابر ہوں؟

جواب: ماں باپ پر لازم ہے کہ اپنی اولاد میں عدل سے کام لیں اور عطیہ وہدیہ وغیرہ دینے میں کسی کو دوسرے پر افضلیت نہ دیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ کا تقوی اختیار کرو اور اپنی اولادوں میں عدل کیا کرو۔'' [3]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے کہ اس سے اگلا فتویٰ زیادہ قرین قیاس ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الهبة وفضلها، باب الاشهاد فی الهبة، حدیث : ٢٤٤٧ ومصنف ابن ابی شیبة : ٦/ ٢٣٣ ، حدیث : ٣٠٩٨٩ .

[3] صحیح بخاری، کتاب الهبة وفضلها، باب الاشهاد فی الهبة، حدیث : ٢٤٤٧ ومصنف ابن ابی شیبة : ٦/ ٢٣٣ ، حدیث : ٣٠٩٨٩ .

آپ علیہ السلام نے ایک باپ سے یہ بھی دریافت فرمایا تھا: ''کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ وہ تیرے ساتھ حسن سلوک میں برابر ہوں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: تو تم بھی ان میں برابری کرو۔''[1]

اکابر علمائے کرام اس ارشاد نبوی کی روشنی میں اپنے سب بچوں کو پیار دینے، ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرنے اور ان کو تکریم دینے میں برابری کیا کرتے تھے۔ مگر بعض احوال میں کئی چیزیں درگزر کے بھی لائق ہوتی ہیں، مثلاً کسی کا چھوٹا ہونا یا بیمار ہونا وغیرہ ایسے اسباب ہیں کہ ان میں شفقت بڑھ جاتی ہے۔ ورنہ اصولی طور پر ہر طرح کے معاملہ میں ان کے ساتھ برابری کرنا لازم ہے، بالخصوص جب وہ اطاعت اور حسن سلوک میں بھی برابر ہوں۔

(عبداللہ بن الجبرین)

اقامت حد یا موت سے پہلے توبہ

سوال: اگر کسی پر حد زنا واجب ہوئی ہو اور وہ حد لگنے سے پہلے توبہ کر لے تو کیا اس سے اس کی حد ساقط ہو جائے گی؟

جواب: اگر اس نے امام تک مقدمہ پیش ہونے سے پہلے زنا، چوری یا شراب نوشی سے توبہ کر لی ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس سے حد ساقط ہو جائے گی، جیسے کہ محاربین (ملک میں دہشت گردی کرنے والے) اگر پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ (امام ابن تیمیہ)

سوال: میری بہن کی اپنے شوہر اور بعض دیگر رشتہ داروں کے ساتھ چپقلش رہتی تھی۔ ایک بار اس نے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کی کوشش میں کچھ کھا لیا۔ پھر ہسپتال میں اس کا علاج ہوتا رہا۔ وفات سے چند روز پہلے اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ یہ اس کے آخری ایام ہیں، تو وہ بہت زیادہ استغفار کرتی تھی اور ہمیں بھی یہی کہتی تھی کہ میرے لیے استغفار کریں، پھر اس کی وفات ہو گئی۔ تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اس کی طرف سے صدقہ وغیرہ کروں؟ اور میں نے نذر مانی ہے کہ زندگی بھر ان شاء اللہ اس کے لیے یہ کرتی رہوں گی۔ کیا میرا یہ عمل جائز ہوگا؟

جواب: جب آپ کی بہن نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی ہے اور وہ اپنی خودکشی کی کوشش پر نادم رہی ہے تو امید ہے کہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ توبہ انسان کے سابقہ سب گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو، جیسے کہ نبی ﷺ سے صحیح احادیث میں یہ آیا ہے۔[2]

اور آپ کا اپنی بہن کے لیے دعا و استغفار اور صدقہ کرنا بہت ہی عمدہ کار خیر ہے، اس سے آپ کو اجر اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب کراھة تفضیل بعض الاولاد فی الھبة، حدیث: ١٦٢٣ وسنن النسائی، کتاب النحل، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر النعمان، حدیث: ٣٦٨٠ وسنن ابن ماجه، کتاب الھبات، باب الرجل ینحل ولده، حدیث: ٢٣٧٥.

[2] سنن ابن ماجه، کتاب الزھد، باب ذکر التوبة، حدیث: ٤٢٥٠ والمعجم الکبیر للطبرانی: ١٠/ ١٦٠، حدیث: ١٠٣٨١ والسنن الکبری للبیھقی: ٢٠٣٤٧.

اسے فائدہ ہوگا۔ اور نیکی اور خیر کی جو نذر آپ نے مانی ہے، وہ آپ کو ضرور پوری کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نذر میں وفا کرنے والوں کی بڑی مدح فرمائی ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ (الدھر : ٧٦/ ٧)

''اہل ایمان اپنی نذریں پوری کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیل جانے والا ہے۔''

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصى الله فلا يعصه .))

''جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو، اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے، اور جس نے نذر مانی ہو کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اسے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔''[1]

(عبدالعزیز بن باز)

سوال: اگر کسی نے کوئی خاص نذر مانی ہو، تو کیا بعد میں وہ اس خاص جگہ کی بجائے کسی دوسری اہم تر جگہ میں اپنی نذر پوری کر سکتا ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب سے پہلے میں بطور مقدمہ کچھ کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اولا انسان کو نذر ماننی ہی نہیں چاہیے۔ نذر ماننا مکروہ یا بقول بعض حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ''نذر کوئی خیر اور بھلائی نہیں لاتی ہے، بلکہ اس کے ذریعے سے بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔''[2]

تو آپ نذر کی وجہ سے جس خیر کی توقع رکھتے ہیں، وہ نذر کی وجہ سے حاصل نہیں ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ بیمار ہونے پر نذر مان لیتے ہیں کہ اگر اسے شفا ہوگی تو وہ یہ یہ کرے گا۔ اگر گم شدہ چیز مل گئی تو ایسے ایسے کرے گا۔ پھر اگر بیمار کو شفا ہو جاتی ہے یا گم شدہ چیز مل جاتی ہے تو وہ نذر کی وجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت معزز اور بالا ہے کہ شرط کا محتاج ہو۔

تو آپ کو ویسے ہی بہت زیادہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاک بیمار کو شفا دے یا گم شدہ چیز مل جائے۔ نذر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ان کا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنی مانی ہوئی نذر پوری کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں، اور کئی اسے چھوڑ ہی دیتے ہیں، تو یہ بہت غلط کام ہے۔ ذرا اللہ تعالیٰ

[1] صحيح بخاري، كتاب الايمان والنذور، باب النذر في الطاعة، حديث : ٦٣١٨، وسنن أبي داود، كتاب الايمان والنذور، باب ما جاء في النذور في المعصية، حديث : ٣٢٨٩ وسنن الترمذي، كتاب النذور والايمان، باب من نذر أن يطيع الله فليطعه، حديث : ١٥٢٦ وسنن النسائي، كتاب الايمان والنذور، باب النذر في الطاعة، حديث : ٣٨٠٦.

[2] صحيح مسلم، كتاب النذر، باب النهي عن النذر وأنه لا يرد شيئا، حديث : ١٦٣٩ وسنن النسائي، كتاب الايمان والنذور، باب النهي عن النذر، حديث : ٣٨٠١ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ٨٦، حديث : ٥٥٩٢.

کا یہ فرمان ملاحظہ ہو:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (التوبة: ۹/ ۷۵۔۷۶)

''اور ان میں سے کئی وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم صدقہ وخیرات کریں گے اور نیکو کار ہو جائیں گے۔لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا۔''

الغرض کسی صاحب ایمان کو نذر نہیں ماننی چاہیے۔اور اب سوال کا دوسرا حصہ کہ انسان نے جب ایک مقام پر اپنی نذر پوری کرنے کا عہد کیا ہو اور بعد میں اسے اس سے کوئی بہتر موقع اور مقام حاصل ہو، جو اللہ کی قربت میں افضل اور مخلوق کے لیے زیادہ نفع آور ہو تو اس افضل کی طرف رجوع کر لینا جائز ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے لیے مکہ فتح کرا دے گا، تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہیں پڑھ لو۔'' اس نے دوبارہ کہا تو آپ نے فرمایا: یہیں پڑھ لو۔'' اس نے پھر کہا تو آپ نے فرمایا: ''تیری مرضی ہے۔''[1] یہ دلیل ہے کہ اگر انسان اپنی نذر سے کسی کم درجہ عمل سے کسی افضل عمل کی طرف راغب ہو تو جائز ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ ہر ماہ کچھ رقم صدقہ کیا کرے گی۔تو کیا اس رقم سے کیسٹیں اور رسائل خرید کر تقسیم کر دینا جائز ہے؟ یا ضروری ہے کہ نذر کی رقم ضرور ہی فقراء میں تقسیم ہو؟

جواب: اگر اس نے اس صدقہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی ہے کہ فقراء پر تقسیم ہوگی یا کوئی اور صورت، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ (اسلامی) کیسٹیں اور رسائل خرید کر تقسیم کرنا بھی صدقہ کی ایک صورت ہے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

سوال: ایک مریضہ نے ہسپتال میں نذر مانی کہ اگر میں اپنے بچوں کو، جو گھر میں ہیں، باحیات پاؤں تو ایک اونٹنی ذبح کروں گی، اس کے گوشت سے کچھ نہیں کھاؤں گی، اور ایک مہینے کے روزے رکھوں گی۔چنانچہ اس نے فی الواقع ایک مہینے کے روزے رکھے اور اونٹنی ذبح کی۔لیکن ہوا یہ ہے کہ اس نے اس کا گوشت کھا لیا ہے۔تو کیا یہ نذر کی گئی اونٹنی نذر کی وفا میں کافی ہے یا اسے ایک دوسری اونٹنی ذبح کرنا ہوگی؟

جواب: چونکہ اس نے اللہ کی رضا میں اونٹنی نحر کرنے کی نذر مانی ہے، اور یہ نذر اطاعت کی نذر ہے تو اسے پوری

[1] سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدس، حدیث: ۳۳۰۵ السنن الکبری للبیہقی: ۱۰/ ۸۲، حدیث: ۱۹۹۲۲.

کرنا لازم ہے کہ وہ ایک پوری اونٹنی اللہ کی راہ میں دے۔ اور اس نے جو اس کے گوشت سے کھا لیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسری اونٹنی قربان کرے۔ بلکہ اسے چاہیے کہ جس قدر گوشت اس نے کھایا ہے، اتنا گوشت خرید کر مساکین پر صدقہ کر دے۔ اس سے وہ ان شاء اللہ اپنی نذر سے بری الذمہ ہو جائے گی۔ (عبداللہ بن الجبرین)

وسوسہ کا حکم

سوال: میری عمر ۳۳ سال ہو رہی ہے، بال بچے بھی ہیں۔ پانچ چھ سال سے مجھے وسوسہ کی بیماری ہو گئی ہے وضو میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور غسل میں تین تین گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ وہم رہتا ہے کہ ابھی وضو نہیں ہوا، ابھی میں پاک نہیں ہوئی۔ ان وساوس کی وجہ سے میں اچھے کپڑے تک نہیں پہن سکتی ہوں۔ نفسیاتی ہسپتال میں بھی زیر علاج رہی ہوں۔ براہ مہربانی میری مشکل کا کوئی حل بتایا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ بچپن سے میرے ذمے کچھ روزے ہیں، ان کی گنتی میرے علم میں نہیں ہے، تو اب کیا کروں؟

جواب: آپ کو نفسیاتی ہسپتال میں متعلقہ ڈاکٹروں سے علاج جاری رکھنا چاہیے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو شفا یاب کر دے گا اور ساتھ ہی دعا خوب کیا کریں۔ رات کو بالخصوص سوتے وقت آیۃ الکرسی اور صبح شام تین تین بار یہ دعا پڑھا کریں:

((بسم الله الذى لا يضر مع اسمه شىء فى الارض ولا فى السماء وهو السميع العليم .))

''اللہ کے نام سے، وہ ذات کہ اس کے نام کے ساتھ زمین یا آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔''

اور سوتے ہوئے اپنے اوپر سورۂ اخلاص، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر تین بار دم کیا کریں۔ یہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں میں پھونکیں اور پھر اپنے پورے جسم پر جہاں تک ہاتھ پہنچیں پھیرا کریں۔

صحیح بخاری وغیرہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھ اکٹھے کرتے، ان میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر پھونکتے اور جہاں تک ہو سکتا اپنے جسم پر پھیرتے۔ ابتدا اپنے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے سے کرتے، اور تین بار ایسا کرتے۔ [1]

---

[1] صحيح بخارى، كتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، حديث : ٥٠١٧ وسنن أبى داود، كتاب الادب، باب ما يقول عند النوم، حديث : ٥٠٥٦ وسنن الترمذى، كتاب الدعوات، باب فيمن يقرأ القرآن عند المنام، حديث : ٣٤٠٢.

اور آپ کو بھی اللہ سے بار بار دعا کرنی چاہیے کہ شفا عنایت فرمائے اور عافیت دے، اور دعاء الکرب (دکھ تکلیف اور پریشانی کی دعا) بھی پڑھنی چاہیے یعنی

((لا اله إلا الله العظيم الحليم، لا إله رب العرش العظيم، لا إله إلا الله رب السماوات ورب الارض ورب العرش الكريم.))

''اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، وہ بڑی عظمت والا حلیم اور بردبار ہے۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب ہے اور عرش کریم کا رب ہے۔'' [1]

وضو، غسل حیض اور جنابت میں اپنے اوپر اعتماد کریں کہ آپ پاک ہوگئی ہیں اور غسل خانے میں بہت زیادہ وقت لگانا چھوڑ دیں۔ یہ شیطانی وہم ہے۔

دوسرا مسئلہ:...... اگر بچپنے میں رمضان کے روزے رہے ہیں اور آپ کو ان کی گنتی معلوم نہیں ہے تو بلوغت کے بعد کے روزے رکھیں اس قدر کہ آپ کے ظن غالب کے مطابق وہ گنتی پوری ہو جائے۔ اور بلوغت سے پہلے کے روزوں کی کوئی قضا نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں شفا دے۔

اور بلوغت مرد یا عورت کی اس کی پندرہ سال کی عمر سے شمار ہوتی ہے، یا صنفی جذبات کے تحت انزال منی ہو، نیند میں ہو یا جاگتے میں، یا شرمگاہ کے ارد گرد سخت بال نکل آئیں، یا عورت کے لیے یہ ہے کہ اسے حیض آنا شروع ہو جائے۔ یہ علامات بلوغت ہیں۔ (مجلس افتاء)

آخرت اور آخرت کی نعمتیں

سوال: جنت میں جانے والے مردوں کے لیے حوریں بطور بیویوں کے ہوں گی، تو عورتوں کے لیے کیا ہوگا، اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: عورتوں کے لیے وہ مرد ہوں گے جو جنت میں جائیں گے۔ اور یہ جنتی مرد موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں سے بڑھ کر ہوں گے اور بڑی فضیلت والے ہوں گے۔ اور عین ممکن ہے کہ جنت میں بعض عورتوں کا مقام و مرتبہ نکاح کے حوالے سے مردوں سے بڑھ کر ہو۔ اگر کسی عورت کے دنیا میں دو شوہر ہوئے اور دونوں ہی جنتی ہوئے تو اسے ان دونوں میں اختیار دیا جائے گا، اور پھر وہ اسے اختیار کرے گی جو اخلاق میں دوسرے سے

[1] نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ کسی بھی پریشانی / تکلیف کے وقت یہی کلمات پڑھا کرتے تھے۔ (عاصم) صحيح بخاری، كتاب الدعوات، باب الدعاء عند الكرب، حديث: ٦٣٧٥۔ صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعا والتوبة والاستغفار، باب دعاء الكرب، حديث: ٢٧٣٠ وسنن الترمذی، كتاب الدعوات، باب ما يقول عند الكرب، حديث: ٣٤٣٥.

بڑھ کر ہوا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے میں پاتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں مردوں کو حور عین انتہائی حسن و جمال والی عورتوں کی خوش خبری دی ہے۔ تو کیا عورت کے لیے آخرت میں اس شوہر کے علاوہ کوئی دوسرا شوہر نہیں ہوگا؟ اور جنت کی اکثر نعمتوں کا حوالہ مومن مردوں کے لیے ہے، تو کیا مومن عورتوں کا حصہ مردوں کی نسبت کم ہوگا؟

جواب: آخرت کا ثواب مردوں اور عورتوں سب کے لیے برابر ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ (آل عمران: ٣/ ١٩٥)

''بلاشبہ میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔''

اور فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾

(النحل: ١٦/ ٩٧)

''جس کسی نے بھی صالح عمل کیا، وہ مرد ہو یا عورت، اور مومن ہوا تو ہم اسے انتہائی پاکیزہ زندگی دیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾

(النساء: ٤/ ١٢٤)

''اور جس نے بھی نیک عمل کیے، وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہوا تو یہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔''

اسی طرح سورۂ احزاب کی طویل آیت ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ.... الی قوله .... اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب: ٣٣/ ٣٥)

''بلاشبہ اسلام لانے والے مرد اور اسلام لانے والی عورتیں، ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں...... اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

اور ان سب کے لیے داخلہ جنت کی خوشخبری ہے:

﴿هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ﴾ (یٰس: ٣٦/ ٥٦)

''وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے۔''

﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ﴾ (الزخرف : ٤٣/ ٧٠)

''تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ وہاں تمہاری خاطر داریاں ہوں گی۔''

عورتوں کے متعلق بالخصوص فرمایا کہ انہیں ایک دوسرا روپ دیا جائے گا:

﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۗءً o فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا﴾ (الواقعة : ٥٦/ ٣٥-٣٦)

''ہم انہیں بنائیں گے بنانا اور کر دیں گے کنواریاں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے بوڑھیوں کو دوشیزہ اور کنواریاں بنا دے گا جیسے کہ بوڑھے مرد جوان بنا دیئے جائیں گے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ دنیا کی عورتوں کو ان کی اطاعت اور عبادت کی بنا پر جنت کی حوروں پر فضیلت ہو گی۔

الغرض صاحب ایمان عورتیں جنت میں جائیں گی جیسے کہ مرد جائیں گے۔ اور اگر کسی عورت کے کئی مردوں سے نکاح ہو چکے ہوئے اور وہ سب جنت میں ہوئے، تو اسے ان میں سے کسی کو اختیار کر لینے کا موقعہ دیا جائے، اور پھر وہ اسے ہی چنے گی جو خلق میں سب سے بڑھ کر ہوا۔ (عبداللہ بن جبرین)

باپ کا اپنے بیٹے بیٹی کے مال سے کچھ لینا

سوال: ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی ہے، اس کی اولاد بھی ہے بیوی کا باپ بیٹی کے مال میں اپنی ذات کے لیے کوئی تصرف کرنا چاہتا ہے، مگر بیٹی کے شوہر نے انکار کیا ہے۔ باپ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی بیٹی مالی تصرفات کے معاملے میں اس (باپ) کی زیر نگران ہے اور اس پر تصرفات کی پابندی ہے۔ کیا باپ کا یہ دعویٰ مقبول ہے یا نہیں؟ جبکہ لڑکی سے کسی قسم کی نادانی ثابت نہیں ہوئی ہے کہ اس پر ان امور کی پابندی لگائی جائے؟ اور کیا بیٹی اپنے باپ کو اپنے مال میں تصرفات سے منع کر سکتی ہے؟

جواب: باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ بیٹی کے مال میں اپنی ذات کے لیے کوئی تصرف کر سکے۔ ہاں اگر وہ بیٹی ہی کے فائدے کے لیے کوئی تصرف کرے تو مباح ہو گا۔ اور اس کا یہ تصرف اس کی اہلیت ولایت میں ایک عیب سمجھا جائے گا، اور وہ بیٹی کو مالی تصرفات سے روک نہیں کر سکتا۔

اور باپ کی ولایت ان معاملات میں اس وقت تک ہی ہو گی جب لڑکی سے ان تصرفات میں نادانی ثابت ہو۔ جب وہ ان امور میں سمجھدار اور دانا ہو جائے تو باپ کی ولایت از خود ختم ہو جائے گی۔ بالخصوص جب وہ گواہ اور ثبوت بھی پیش کر دے۔

اگر باپ، بیٹی کی نادانی کو گواہوں سے ثابت نہ کر سکے تو بیٹی کو باپ کے خلاف، عند الطلب، قسم دینی ہو گی کہ باپ کو اس کی دانائی کا علم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (ابن تیمیہ)

سوال: کیا باپ کے لیے جائز ہے کہ اپنی بیٹی کے حق مہر میں سے کچھ لے لے؟

جواب: باپ کو حق حاصل ہے کہ بیٹی کے حق مہر میں سے جو چاہتا ہے لے سکتا ہے، خواہ اس کا اکثر حصہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ باپ بیٹی کے مال کا مالک بن سکتا ہے۔ تو حق مہر کا کیوں نہیں بن سکتا؟ واللہ اعلم۔

(عبدالرحمٰن السعدی)

سوال: کیا آدمی کے لیے جائز ہے کہ اپنی بیٹی یا بہن کے حق مہر سے نکاح کر لے؟

جواب: بیٹی یا بہن کا حق مہر اس کا ذاتی مال اور ملکیت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی خوشی اور اختیار سے ہدیہ کر دے، سارے کا سارا ہدیہ دے دے یا اس کا کچھ حصہ، اور وہ شرعی لحاظ سے قابل اعتبار حالت اور کیفیت میں ہو تو اس کا لینا جائز ہے۔ اور اگر وہ نہ دے تو اس کا لینا، کل ہو یا کم، جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ خاص اس کا استحقاق ہے۔ البتہ باپ کو حق پہنچتا ہے کہ اس میں سے اس قدر لے لے جو اس کے لیے نقصان کا باعث نہ ہو۔ مگر وہ یہ مال اپنے کسی بچے کو نہیں دے سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((إن أطيب ما أكلتم من كسبكم وإن أولادكم من كسبكم .)) [1]

''بہترین کمائی جو تم کھاتے ہو وہی ہے جو تمہاری کمائی ہو، اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہی ہے۔''

(مجلس افتاء)

سوال: کیا قاضی شہر کو حق حاصل ہے کہ عورت کے بھائی کو یا کسی دوسرے شخص کو اس عورت کی اجازت کے بغیر اس کا وکیل بنا دے، بالخصوص جن کی وکالت پر وہ راضی نہ ہو؟

جواب: اگر عورت خود عاقل بالغ اور اپنے مالی معاملات کی بخوبی سمجھ بوجھ رکھتی ہو کہ خرید و فروخت میں خسارے یا حرام میں یا بے فائدہ خرچ کرنے سے وہ پرہیز کرتی ہو تو اس پر کسی کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

اموال یتامیٰ

سوال: یتیموں کے ولی اور سرپرست کے لیے کب جائز ہوتا ہے کہ ان کے مال ان کے حوالے اور سپرد کر دے؟

جواب: یتیموں کے مال ان کے حوالے اور سپرد اسی وقت کرنے چاہییں جب واضح ہو کہ اب یہ اپنے مالی تصرفات کو خوب سمجھنے لگے ہیں اور اسے ضائع اور حرام میں خرچ نہیں کریں گے، اور ان کا محض بالغ ہو جانا شرط نہیں ہے۔ بلکہ بلوغت کے بعد مالی معاملات میں دانا ہونا شرط ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

[1] سنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب ان الوالد یاخذ من مال ولدہ، حدیث: ۱۳۵۸ وسنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب ما للرجال من مال ولدہ، حدیث: ۲۲۹۰ ومسند احمد بن حنبل: ۶/ ۱۶۲، حدیث: ۲۵۳۳۵.

﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ (النساء : ٤/ ٦)

''اور یتیم بچوں کو سدھارتے اور آزماتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (بالغ ہوجائیں) تو اگر ان میں سمجھداری پاؤ تو ان کے مال ان کے سپرد کردو۔''

اور یتیمی کی انتہاء بلوغت پر ہے۔ اور بلوغت کی علامت یہ ہے کہ شرمگاہ کے اردگرد سخت بال اُگ آئیں یا عمر پندرہ سال ہوجائے یا انزال منی ہو، نیند میں یا جاگتے میں۔ اور عورت بھی مرد ہی کی مانند ہے، البتہ اس میں دو علامتیں اور ہیں کہ اسے حیض آنے لگے یا حمل کے لائق ہوجائے۔

اور عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے شوہر کی عصمت میں رہتے ہوئے، شوہر سے کوئی جائیداد وغیرہ خرید سکتی ہے۔

(محمد بن ابراہیم)

دوسروں کے لیے اعمال صالحہ ہدیہ کرنا

سوال: میرے والد صاحب دس سال ہوئے وفات پا گئے ہیں، اور وہ اپنے سب فرائض کے پابند تھے مگر کمزوری کی وجہ سے حج نہیں کر سکے۔ اللہ کی توفیق سے مجھے مملکت عربیہ سعودیہ میں تدریس کے سلسلہ میں آنے کا موقعہ ملا ہے، تو میں نے پہلے اپنی طرف سے حج اسلام ادا کیا اور اب اپنے والد صاحب کے طرف سے حج کرنا چاہتی ہوں۔ کیا یہ جائز ہے اور کیا انہیں اس کا اجر پہنچے گا؟

جواب: آپ کے لیے جائز ہے کہ اپنے والد کی طرف سے حج کرسکتی ہیں۔ اس میں آپ کے لیے اجر عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے اور قبول فرمائے۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: ایک خاتون کا سوال ہے کہ میں مکہ میں تھی کہ مجھے اپنی ایک عزیزہ کی وفات کی خبر ملی، تو میں نے اس کی طرف سے طواف کے سات چکر پورے کیے۔ تو کیا یہ عمل جائز ہے؟

جواب: ہاں آپ کے لیے جائز ہے کہ طواف کے ساتھ چکر پورے کر کے اس کا ثواب کسی بھی مسلمان کے لیے ہدیہ کرسکتی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں یہی مشہور ہے کہ کوئی بھی نیکی کا کام ہو، ایک مسلمان اس کا ثواب دوسرے مسلمان کے لیے، خواہ وہ زندہ ہو یا میت اس کے لیے ہدیہ کرسکتا ہے، اس کا اسے فائدہ ہوگا۔ خواہ وہ عمل خالص بدنی ہو جیسے کہ نماز اور طواف، یا محض مالی جیسے کہ صدقہ، یا ان دونوں کا جامع جیسے کہ قربانی۔

لیکن جاننا چاہیے کہ افضل یہ ہے کہ آدمی یہ اعمال صالحہ اپنے لیے کرے، اور پھر کسی بھی مسلمان کے لیے دعا کرے۔ یہ وہ عمل ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے:

((إذا مات الانسان انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع

به، أو ولد صالح يدعو له .)) ❶

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو سوائے تین صورتوں کے، اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، اور وہ تین یہ ہیں: صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔"

(محمد بن صالح عثیمین)

احکام عقیقہ

سوال: (۱) میرا ایک بیٹا اور بیٹی ہے، مگر ان کی ولادت کے مواقع پر مجھے اس قدر گنجائش نہ تھی کہ ان کے عقیقے کرتا۔ اب وہ بڑے ہوگئے ہیں یعنی ۱۹ سال اور ۱۶ سال کے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ عقیقہ بہت ضروری ہے۔ اور یہی حال میرا بھی ہے کہ میرے والد نے میرا عقیقہ نہیں کیا تھا۔ تو کیا اب میں اپنا اور بچوں کا عقیقہ کر سکتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی قربت اور رضا چاہتا ہوں، تاکہ ہمارے تمام احوال کی اصلاح اور ان میں خیر ہو۔ یا اب یہ ہم سے ساقط ہو چکا ہے؟

(۲) اگر اسلامی کیسٹیں اور کتابچے بطور صدقہ تقسیم کیے جائیں اور بچوں کی طرف سے تقسیم کیے جائیں تو کیا اس کا فائدہ ہوگا؟ بہر حال مجھے اب کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے۔

جواب: جمہور علماء کے مذہب کے مطابق عقیقہ سنت ہے۔ اہل ظاہر اور تابعین میں سے حسن بصری رحمہ اللہ اسے واجب کہتے ہیں۔ ان کی دلیل وجوب حضرت سلمان الضبی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو بخاری میں تعلیقاً اور مسند احمد اور کتب سنن میں موصولاً بسند صحیح وارد ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((مع الغلام عقيقة فأهرق عنه دما وأمط عنه الاذى .)) ❷

"لڑکے کی طرف سے عقیقہ ہے، اس کی طرف سے خون بہا اور اس سے میل کچیل (بال) دور کر۔"

"أهرق" صیغہ امر، وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔"

ایسے ہی صحیح بخاری، کتب سنن اور مسند احمد میں ہے، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، حديث: ١٦٣١ وسنن ابى داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء فى الصدقة عن الميت، حديث: ٢٨٨٠ وسنن الترمذى، كتاب الاحكام، باب فى الوقف، حديث: ١٣٧٦ وسنن النسائى، كتاب الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت، حديث: ٣٦٥١

❷ صحيح بخارى، كتاب العقيقة، باب اماطة الاذى عن الصبى فى العقيقة، حديث: ٥٤٧١ وسنن ابى داود، كتاب العقيقة، حديث: ٢٨٣٩ وسنن الترمذى، كتاب الاضاحى، باب الاذان فى اذن المولود، حديث: ١٥١٥ وسنن ابن ماجه، كتاب الذبائح، باب العقيقة، حديث: ٣١٦٤.

''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔'' ❶

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اگر بچے کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور وہ فوت ہوجائے تو وہ اپنے ماں باپ کے حق میں سفارش نہیں کر سکے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ جب تک اس کی طرف سے جانور ذبح نہ کرلیا جائے اس کا نام نہ رکھا جائے اور نہ اس کا سر مونڈا جائے اور ذبح کرتے ہوئے یوں کہا جائے:

((هذه عقيقة فلان باسم الله ، اللهم منك ولك الله اكبر .))

''یہ فلاں کا عقیقہ ہے، اللہ کے نام سے، اے اللہ یہ تیری طرف سے ہے اور تیرے ہی حضور پیش ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔''

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ عقیقہ سنت مستحبہ ہے اور واجب نہیں۔ اور یہ مذہب ہی درست ہے۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں بسند حسن، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کو تمہارا عقوق (نافرمان اور عصیان) ناپسند ہے صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اس بارے میں نہیں بلکہ اس بارے میں معلوم کرنا چاہ رہے ہیں کہ ہمارے ہاں کسی بچے کی ولادت ہوتی ہے تو فرمایا: جو اپنے بچے کی طرف سے قربانی کرنا چاہتا ہے اسے کر دینی چاہیے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہوں ایک جیسی، اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔'' ❷

الغرض عقیقہ مستحب عمل ہے۔

اور غور کیا جائے کہ یہ عمل ''غلام اور جاریہ'' کے لیے ہے (یعنی لڑکا اور لڑکی، جو بالغ نہ ہوئے ہوں انہیں عربی میں غلام اور جاریہ کہتے ہیں)۔ یہ عمل بلوغت سے پہلے تک کے ساتھ مقید ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ ''ساتویں دن ذبح کیا جائے۔'' یہ وقت تعین کے لیے نہیں ہے بلکہ اختیار اور ترجیح کے لیے ہے۔ اور اگر اس کے بعد بلوغت سے پہلے پہلے کر دیا جائے تو جائز ہے۔ بچہ جب بالغ ہوجائے تو مخاطب سے یہ ساقط ہوجائے گا۔ بعد میں بچے اپنی طرف سے کریں تو جائز ہے۔ لیکن احادیث میں یہ حکم ''غلام

---

❶ صحيح بخاری ، كتب العقيقة ، باب اماطة الاذى عن الصبى فى العقيقة ، حديث : ٥٤٧٢ سنن الترمذی ، كتاب الاضاحى ، باب من العقيقة ، حديث : ١٥٢٢ ومسند احمد بن حنبل : ٥/ ١٧ ، حديث : ٢٠٢٠١ .

❷ سنن ابی داود ، كتاب العقيقة ، حديث : ٢٨٤٢ وسنن النسائی ، كتاب العقيقة ، حديث : ٤٢١٢ ومسند احمد بن حنبل : ٢/ ١٨٢ ، حديث : ٦٧١٣ .

اور جاریہ" کے لیے ہے۔ بڑے بالغ کا اپنی طرف سے عقیقہ کرنا محتاج دلیل ہے۔ اور وہ روایت جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنا عقیقہ کیا تھا، وہ ضعیف اور نا قابل حجت ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اشاعت علم کے لیے اسلامی کیسٹیں اور کتابچے خرید کر بطور صدقہ ان لوگوں کو دینا جو انہیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے ایک نفع آور عمل ہے۔ (محمد بن ابراہیم)

سوال: میری والدہ فوت ہو گئی ہے، اور میں اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے بغداد میں ایک عالم سے پوچھا تھا تو اس نے کہا تھا کہ عقیقہ زندوں کے لیے ہے نہ کہ میت کے لیے۔ اس مسئلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: میت کے لیے عقیقہ مشروع نہیں ہے بلکہ بچے بچی کی ولادت پر ساتویں دن مسنون ہے کہ والد اپنے بچے بچی کی طرف سے عقیقہ کرے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ گوشت خود کھایا جائے، صدقہ کیا جائے اور ہدیہ دیا جائے۔ اگر اقارب اور ہمسایوں کی دعوت کرے تو بھی کوئی حرج نہیں اور باقی صدقہ کر دے۔

اگر آدمی زیادہ غنی نہ ہو اور لڑکے کی طرف سے ایک جانور کر دے تو بھی جائز ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو تو چودھویں دن۔ اگر چودھویں دن نہ ہو سکے تو اکیسویں دن کر دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو جب ممکن ہو۔ عقیقہ یہی ہے۔

اور میت کی طرف سے عقیقہ نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے۔ اور دعا کرنا سب سے بڑھ کر ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"بندہ جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین کے: صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، یا بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔"[1]

آپ ﷺ نے بچے کا عمل یہ بتایا کہ "وہ اپنے والدین کے لیے دعا کرتا ہو۔" یہ نہیں فرمایا کہ نیک بچہ جو اس کے لیے روزہ رکھتا ہو، یا اس کے لیے نماز پڑھتا ہو، یا اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہو، وغیرہ۔" اس سے معلوم ہوا کہ میت کے لیے دعا کرنا، اعمال ہدیہ کرنے وغیرہ کی نسبت سب سے افضل عمل ہے۔ تاہم میت کے لیے کوئی عمل صالح ہدیہ کرنا مثلاً صدقہ کرنا، اس کے لیے دو رکعت نماز پڑھنا یا قرآن پڑھنا وغیرہ، اس کا میت کو ثواب پہنچتا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دعا کرنا سب سے افضل ہے۔ (محمد بن صالح عثیمین)

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، حدیث: ١٦٣١ وسنن ابی داود، کتاب الوصایا، باب فیما جاء فی الصدقة عن المیت، حدیث: ٢٨٨٠ وسنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب فی الوقف، حدیث: ١٣٧٦ وسنن النسائی، کتاب الوصایا، باب فضل الصدقة عن المیت، حدیث: ٣٦٥١.

سوال: بچے کی ولادت ہوئی مگر اس کی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کا سر نہیں مونڈا جاسکا اور نہ بالوں ہی کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی جا سکی ہے اور اب وہ پینتالیس دن کا ہو گیا ہے؟

جواب: بچے کا عقیقہ کر دیا جائے (اور سر بھی منڈوایا جائے) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساتویں دن کا بیان تعیین کے لیے نہیں ہے، یہ صرف ترجیح و اختیار کے لیے ہے۔ اور بالوں کا وزن اس مدت میں کوئی زیادہ نہیں ہوا ہوگا۔ (محمد بن عبدالمقصود)

اہل فترۃ اور جو اِن کے حکم میں ہیں

سوال: میری والدہ بڑی عمر کی ہے، شروع ہی سے نہ سنتی ہے نہ بولتی ہے، بلکہ اشاروں سے بات کرتی ہے۔ اسے نماز روزے کی کوئی سمجھ نہیں ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے متعلق مجھے کیا حکم ہے جبکہ میں اس کا بڑا بیٹا ہوں؟

جواب: یہ عورت دینی اعتبار سے مسلمان ہے کیونکہ مسلمان ماں باپ کے ہاں پیدا ہوئی ہے، اور آخرت میں بھی مسلمان ہی ہوگی۔ قول راجح یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے اپنے ماں باپ کے حکم میں ہیں، اور ان کا آخرت میں امتحان نہیں ہوگا۔ مگر کافروں کے بچوں کا حکم مسلمانوں کا سا نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ احکام دنیا میں کافر ہے، ان کے ساتھ کفار والا معاملہ ہوگا۔ اور آخرت میں صحیح قول کے مطابق ان کا امتحان لیا جائے گا۔ اور ایسے ہی وہ لوگ بھی جن کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ ان کا امتحان کیسے ہوگا۔ البتہ جس نے اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جو نافرمان ہوا وہ جہنم میں جائے گا۔ (محمد بن صالح عثیمین)

گناہوں اور نافرمانی کا انجام

سوال: میں نے پڑھا ہے کہ گناہوں کا انجام اللہ کی طرف سے سزا اور برکت اٹھ جانے کی صورت میں ہوتا ہے؟ براہ مہربانی اس بارے میں مزید وضاحت فرمایئے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہوں کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا باعث بنتا ہے اور برکت اٹھ جاتی ہے، بارش رک جاتی ہے اور دشمن مسلط ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾

(الاعراف: ۷/ ۱۳۰)

"تحقیق ہم نے آل فرعون کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ نصیحت پائیں۔"

اور فرمایا:

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (العنکبوت: ۲۹/ ۴۰)

''ہم نے ہر قوم کو اس کے گناہوں کے سبب پکڑا۔ بعض پر ہم نے پتھر برسائے، بعض کو چیخ نے آلیا، بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور بعض کو پانی میں غرق کر ڈالا۔ اور اللہ تعالیٰ تو کسی پر زیادتی نہیں کرتا لیکن یہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔''

اور اس معنی کی آیات بہت زیادہ ہیں۔ اور نبی ﷺ کی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:

((إن العبد ليحرم الرزق بالذنب يصيبه .)) [1]

''بندہ اپنے گناہ کی وجہ سے جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے، رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔''

لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ گناہوں سے بچے، اور جو ہو چکا اس سے توبہ کرے، اور ساتھ یہ یقین بھی رکھے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا، اور اس کے غضب اور عقاب سے ڈرتا بھی رہے، جیسے کہ قرآن مجید میں نیک صالح بندوں کے متعلق فرمایا ہے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾

(الانبیاء: ۲۱/ ۹۰)

''یہ لوگ نیکیاں کرنے میں بڑی جلدی کیا کرتے تھے، اور ہمیں امید رکھتے ہوئے پکارا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ ڈرتے بھی تھے، اور یہ ہمارے ہی لیے جھکنے والے تھے۔''

مزید فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۵۷)

''جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں، خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ بلاشبہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

---

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب في القدر، حديث: ۹۰ ومسند احمد بن حنبل: ۵/ ۲۸۰، حديث: ۲۲۴۶۶۔ صحيح ابن حبان (۸۷۲)، وضعفه الشيخ الالباني.

الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبة : ۹/ ۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں ہی ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ یہ نمازیں قائم کرتے، زکاتیں دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس کے ساتھ ساتھ ہر صاحب ایمان کو چاہیے کہ مباح اسباب اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرے، اسی طرح سے خوف اور امید کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ بندے کو اس کا مطلب حاصل ہو اور خوف سے محفوظ رہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا ہی سخی اور مہربان ہے۔ اسی کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

(الطلاق : ٦٦/ ٢-٣)

''جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور اس جگہ سے رزق مہیا فرمائے گا جہاں سے بندے کو گمان بھی نہیں ہوگا۔''

مزید فرمایا:

﴿وَتُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور : ٢٤/ ٣١)

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو، ایمان والو! تاکہ فلاح پاسکو۔''

تو اے میری دینی بہن! آپ پر واجب ہے کہ سابقہ گناہوں سے اللہ کے حضور توبہ کرو، اور اطاعت کے کاموں پر ثابت قدم رہو، اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھو، اور ساتھ ہی اس کے غیظ وغضب سے ڈرتی بھی رہو۔ اور میں آپ کو خیر کثیر اور اچھے انجام کی خوشخبری دیتا ہوں۔ (عبدالعزیز بن باز)

سوال: کیا سکرات الموت اور بیماری وغیرہ انسان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے؟

جواب: ہاں، انسان کو پہنچنے والی ہر بیماری، تکلیف، غم اور پریشانی حتیٰ کہ کانٹا جو اسے چبھ جاتا ہے سب اس کے گناہوں کے لیے کفارہ بنتے ہیں۔ بشرطیکہ بندہ صبر سے کام لے اور ثواب کا امیدوار ہو، تو کفارے کے ساتھ ساتھ اسے صبر کا اجر بھی ملتا ہے، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ تکلیف موت کے وقت کی ہو یا اس سے پہلے کی۔ ایک صاحب ایمان کے لیے سب ہی تکالیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے:

﴿وَمَآ أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ (الشوریٰ : ٢٤/ ٣٠)

''تمہیں جو بھی کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے، اور وہ تمہارے بہت سے گناہوں کو ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے۔''

یہ دلیل ہے کہ یہ سب ہمارے اعمال کے سبب سے ہوتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی خبر دی ہے کہ مومن کو جو بھی کوئی پریشانی، غم اور تکلیف آتی ہے حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ ❶ (محمد بن صالح عثیمین)

سوال: اگر گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہو اور قربانی ذبح کرنی ہو تو کیا عورت یہ کام کر سکتی ہے؟

جواب: ہاں بوقت ضرورت عورت قربانی اور کوئی دوسرا جانور ذبح کر سکتی ہے، بشرطیکہ ذبح کی دیگر شرائط مکمل ہوں۔ مسنون ہے کہ ذبح کے وقت اس فرد کا نام لیا جائے جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہو، وہ زندہ ہو یا میت۔ اگر نام نہ بھی لے تو نیت ہی کافی ہے۔ اگر زبان سے غلطی سے کسی دوسرے کا نام نکل جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نیتوں سے خوب آگاہ ہے۔ (عبداللہ بن جبرین)

(۲)...... عمومی دلائل کی روشنی میں عورت مسلمان ہو یا کتابیہ، اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ ایسی کوئی تخصیص ثابت نہیں جس سے عورت کو اس عموم سے خارج کیا جائے۔ جناب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلع کی وادی میں ان کی بکریاں چر رہی تھیں کہ ان کی لونڈی نے دیکھا کہ ایک بکری مر رہی ہے، تو اس نے جلدی سے ایک پتھر توڑا اور پھر اس (دھار دار پتھر) سے بکری کو ذبح کر دیا۔ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے کھانا نہیں، حتیٰ کہ میں نبی ﷺ سے دریافت کر لوں، یا آپ سے پچھوا لوں۔ چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے کھا لینے کا حکم دیا ہے۔ ❷

اس واقعہ میں بکری کو کھا لینے کا حکم جیسے کہ عورت نے ذبح کیا تھا، دلیل ہے کہ عورت کا ذبیحہ حلال ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو آپ واضح فرما دیتے۔ کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ نبی ﷺ بوقت ضرورت بیان سے تاخیر نہیں کر سکتے۔ (مجلس افتاء)

سوال: میرا شوہر بیمار ہو گیا تو میں نے نذر مانی کہ اگر اسے شفا ہو گئی تو میں ایک سال روزے رکھوں گی۔ اب وہ بحمد اللہ شفا یاب ہو گیا ہے، مگر میں بیمار ہوں۔ ڈاکٹر نے روزے رکھنے سے منع کیا ہے۔ میں نے ڈاکٹر کی نصیحت کے باوجود کئی بار کوشش کی ہے مگر نہیں رکھ سکی تو کیا میں ان روزوں کے بدلے نقد کفارہ دے دوں؟ اور کیا یہ رقم

❶ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب ما جاء فی کفارة المرضی، حدیث: ٥٦٤٠ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب ثواب المومن فیما یصیبه من مرض...... حدیث: ٢٥٧٢ ومسند احمد بن حنبل: ٦/ ١٢٠، حدیث: ٢٤٩٢٨.

❷ صحیح بخاری، کتاب الوکالة، باب اذا ابصر الراعی أو الوکیل شاة تموت، حدیث: ٢٣٠٤، سنن الدارمی: ٢/ ١١٢، حدیث: ١٩٧١، مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٧٦، حدیث: ٥٤٦٤.

میں اپنے کسی قریبی کو جو محتاج ہو دے سکتی ہوں؟ اور کیا اگر ممکن ہو تو میں ہر ہفتے میں دو روزے رکھ لیا کروں؟

جواب: نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہوا سے وہ اطاعت کا کام کرنا چاہیے۔" [1] آپ نے جو نذر مانی ہے کہ ایک سال کے روزے رکھوں گی، اور "سال" غیر معین ہے، تو چونکہ ڈاکٹر نے تمہیں فی الحال روزے رکھنے سے منع کیا ہے تو یہ روزے تمہارے ذمے رہیں گے۔ جب یہ مانع دور ہو جائے اور طاقت بحال ہو تو آپ اپنی نذر کے یہ روزے رکھنے پڑیں گے۔ لہٰذا انتظار کریں حتیٰ کہ شفایابی کے بعد یہ روزے رکھ سکیں، کیونکہ نذر کا سال معین نہیں کیا گیا ہے۔ جس سال بھی آپ روزے رکھیں گی صحیح ہوں گے۔ اور یہ درست نہیں کہ ہفتے میں دو دن روزے رکھیں۔ کیونکہ تم نے ایک سال کی نذر مانی ہے۔ جس کے معنی ہیں بارہ مہینے متواتر روزے رکھنا۔ اگر سال معین ہوتا اور یہ عارض ہوتا تو طاقت بحال ہونے پر آپ اس کی قضا دینی پڑتی۔ واللہ اعلم۔

اور نذر کے متعلق جاننا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"نذر کوئی خیر نہیں لاتی، بلکہ اس کے ذریعے سے بخیل سے (مال وغیرہ) نکالا جاتا ہے۔" [2]

اور آپ ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ آدمی اس سے مشقت میں پڑتا ہے یا اس نذر کو پورا نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن جب یہ مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ کام اطاعت کا ہو۔ اور اللہ عزوجل نے اپنی نذروں کو پوری کرنے والے مومنین کی مدح فرمائی ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ (الدھر: ٧٦/ ٧)

"یہ لوگ اپنی نذریں پوری کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیل جانے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ﴾ (البقرة: ٢/ ٢٧٠)

"جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو یا کوئی نذر مانتے ہو تو اللہ اسے جانتا ہے۔"

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فی الطاعة، حدیث: ٦٦٩٦۔ سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور، باب ما جاء فی النذر فی المعصیة، حدیث: ٣٢٨٩، وسنن الترمذی، کتاب النذور والایمان، باب من نذر ان یطیع اللہ فلیطعه، حدیث: ١٥٢٦۔ سنن النسائی، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فی الطاعة، حدیث: ٣٨٠٦۔ سنن ابن ماجه (٢١٢٦).

[2] صحیح البخاری، کتاب القدر، باب القاء النذر العبد الی القدر، حدیث: ٦٦٠٨۔ صحیح مسلم، کتاب النذر، باب النهی عن النذر وأنه لا یرد شیئا، حدیث: ١٦٣٩ وسنن النسائی، کتاب الایمان والنذور، باب النهی عن النذر، حدیث: ٣٨٠١۔ مسند احمد بن حنبل: ٢/ ٨٦، حدیث: ٥٥٩٢.

اور فرمایا:

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (الحج : ٢٢/ ٢٩)

''اور چاہیے کہ (حاجی) اپنی نذریں پوری کریں۔''

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((من نذر أن يطيع الله فليطعه .))

''جس نے نذر مانی ہو کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے۔''[1]

(مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت نے نذر مانی کہ اگر اللہ اسے بیٹا عنایت فرمائے تو وہ ہر سال حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کیا کرے گی اور پھر فی الواقع اس کے ہاں بیٹے نے جنم لیا۔ تو کیا اسے اپنی یہ نذر پوری کرنی چاہیے، یا اس پر اس بارے میں کیا ہے؟

جواب: یہ نذر پوری کرنی جائز نہیں ہے کیونکہ عورت کے حق میں یہ معصیت ہے۔ عورت کے لیے قبور کی زیارت حرام ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((لعن الله زوارات القبور۔[2] وفی لفظ۔ لعن الله زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج .))[3]

''اللہ کی لعنت ہے ایسی عورتوں پر جو قبروں کی (بہت زیادہ) زیارت کو جاتی ہیں۔ اور ان کے لیے بھی جو انہیں سجدہ گاہیں بناتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔''

قبروں کی زیارت صرف مردوں کے لیے مشروع ہے نہ کہ عورتوں کے لیے۔ تو عورت نے اگر قبروں کی

[1] صحيح بخارى، كتاب الايمان والنذور، باب النذر فى الطاعة، حديث : ٦٦٩٦ـ سنن ابى داود، كتاب الايمان والنذور، باب ما جاء فى النذر فى المعصية، حديث : ٣٢٨٩، وسنن الترمذى، كتاب النذور الايمان، باب من نذر ان يطيع الله فليطعه، حديث : ١٥٢٦ـ سنن النسائى، كتاب الايمان والنذور، باب النذر فى الطاعة، حديث : ٣٨٠٦ .

[2] سنن الترمذى، كتاب الجنائز، باب كراهية زيارة القبور للنساء، حديث : ١٠٥٦ـ سنن ابن مجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى النهى عن زيارة النساء القبور، حديث : ١٥٧٦ . مسند احمد بن حنبل : ٢/ ٣٣٧، حديث : ٨٤٣٠ .

[3] صحيح بخارى، كتاب الايمان والنذور، باب النذر فى الطاعة، حديث : ٦٦٩٦ـ سنن ابى داود، كتاب الايمان والنذور، باب ما جاء فى النذر فى المعصية، حديث : ٣٢٨٩، وسنن الترمذى، كتاب النذور والايمان، باب من نذر ان يطيع الله فليطعه، حديث : ١٥٢٦ـ سنن النسائى، كتاب الايمان و النذور، باب النذر فى الطاعة، حديث : ٣٨٠٦ .

زیارت یا کسی خاص قبر کی زیارت کی نذر مانی ہو تو اسے یہ پوری کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معصیت کا کام ہے اور حدیث میں ہے کہ: ''جس نے کسی معصیت کی نذر مانی ہو، اسے وہ معصیت کا کام نہیں کرنا چاہیے۔'' ❶

علاوہ ازیں اولیاء وصحابہ کی قبروں کی زیارت جیسے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قبر وغیرہ ہے، اس میں عام طور پر شرک ہوتا ہے۔ صاحب قبر سے لوگ استغاثہ وغیرہ کرتے ہیں، مدد مانگتے ہیں، تبرک کی نیت رکھتے ہیں۔ تو یہ زیارت شرکیہ ہے۔

جبکہ شرعی اور مسنون زیارت یہ ہے کہ مسلمان اموات کے لیے دعا کی جائے، قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے اور آخرت یاد آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''قبروں کی زیارت کیا کرو، اس سے موت یاد آتی ہے۔'' ❷

اور آپ نے زیارت قبور کے آداب کی تعلیم میں فرمایا کہ جب قبرستان میں جاؤ تو یوں کہو:

((السلام عليكم أهل الديار من المومنين والمسلمين وإنا إن شاء الله بكم للاحقون، نسأل الله لنا ولكم العافية.))

''اے ان گھروں کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو۔ ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ آ ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے آرام وراحت کا سوال کرتے ہیں۔'' ❷

زیارت قبور کا اصل مقصد یہی ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ ان اموات سے تبرک حاصل ہوگا، ان سے مدد مانگی جائے گی، ضروریات طلب کی جائیں گی، تو یہ زیارت مشرکانہ ہوگی۔ ایسا زائر شرک اکبر کا مرتکب ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ یہ عمل بغیر سفر کے ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''پالان صرف تین مساجد ہی کی طرف کسے جائیں: مسجد حرام (مکہ مکرمہ) میری یہ مسجد (مسجد نبوی،

---

❶ سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب الرخصة فی زیارة القبور، حدیث: ١٠٥٤ وسنن النسائی، کتاب الضحایا، باب الاذن فی ذلك، حدیث: ٤٤٢٩۔ ومسند احمد بن حنبل: ٥/ ٣٥٥، حدیث: ٢٣٠٥٥.

❷ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی زیارة النساء القبور، حدیث: ٣٢٣٦۔ سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی کراهیة، ان یتخذ علی القبر مسجدا، حدیث: ٣٢٠۔ سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب التغلیظ فی اتخاذ السرج علی القبور، حدیث: ٢٠٤٣۔ سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی النهی عن زیارة النساء القبور، حدیث: ١٥٧٥۔ بلفظ لعن رسول الله...... " قال الشیخ الالبانی: ضعیف. معجم ابن الاعرابی (٦١٨)۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ١٢/ ١٤٨، حدیث: ١٢٧٢٥ بهذا اللفظ.

❸ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور، حدیث: ٩٧٥ وسنن النسائی، کتاب الجنائز، باب الامر بالاستغفار للمومنین، حدیث: ٢٠٤٠ وسنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما یقال إذا دخل المقابر، حدیث: ١٥٤٧.

مدینہ منورہ) اور مسجد اقصیٰ۔''[1]

تو آدمی کو بقصد تبرک یا عبادت کہیں کا سفر نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور جن تین مساجد کے لیے مشروع کیا ہے، ان میں بھی مقصود نماز اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، کیونکہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد ہیں۔

اور قبریں اس لائق نہیں ہیں کہ ان کے لیے سفر کیا جائے خواہ وہ انبیاء کی قبریں ہوں یا اولیاء اور صالحین کی۔ اور یہ زیارت صرف مردوں کے لیے مباح ہے اور یہ کہ اس میں مسلمان اموات کے لیے دعا ہو اور ان کے احوال سے عبرت حاصل ہو۔ (مجلس افتاء)

سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر پر جادو کیا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے دے، تو اس نے اپنے شوہر کو خون حیض کھلایا، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جادو کرنا، اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ ساحر (جادوگر) کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض اسے کافر و مرتد کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور کچھ دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ (اس میں تفصیل ہے) اگر اس کا جادو کفریہ اعمال پر ہو تو وہ کفر ہوگا، اور اگر مطلق معصیت اور گناہ کا کام ہو تو اسے معصیت کہا جائے گا۔ اگر یہ کچھ نہ ہو تو بھی ایک معصیت تو ضرور ہوگی۔

راجح بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے جیسے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے نزدیک جادوگر کافر ہے۔ لہٰذا اس عورت پر واجب ہے کہ اللہ سے توبہ کرے اور دوبارہ کلمہ شہادت پڑھے تاکہ اسلام میں داخل ہو جائے اور غسل کرے، کیونکہ وہ اس گندے فعل سے مرتد ہو گئی تھی۔ مگر اس جادو کو ختم کرنے کے لیے پھر دوبارہ اس طرح کا کوئی اور کام نہ کرے، بلکہ قرآن کریم اور مسنون دعاؤں کے ذریعے سے اس کا ازالہ کرے۔ (محمد بن عبدالمقصود)

[1] صحيح بخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء، حديث : ١٨٦٤، وصحيح مسلم، كتاب الحج، باب لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد، حديث : ١٣٩٧ وسنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في اتيان المدينة، حديث : ٢٠٣٣ وسنن الترمذي، ابواب الصلاة، باب الى المساجد أفضل، حديث : ٣٢٦۔ سنن النسائي (٧٠٠)۔ سنن ابن ماجه (١٤٠٩).

خواتین اسلام کے لیے عظیم خوشخبری

تفسیر خواتین

پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار خواتین کے لیے خصوصی رہنما، عظیم الشان فقہی تفسیر
خواتین کے لیے دستیاب جملہ تفاسیر سے ممتاز اور روزمرہ مسائل زندگی کا حل آیاتِ قرآنیہ کے تحت صحیح احادیثِ نبویہ سے پیش کرنے والی واحد تفسیر، جس میں خواتین پڑھیں گی:

① ......طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، وراثت، نکاح، طلاق، رجوع، تربیت اولاد وغیرہ جملہ امور زندگی سے متعلق قرآنی تعلیمات ② ......خواتین کے حقوق و فرائض کی وضاحتیں ③ ......معاشرے میں خواتین کے ساتھ ہونے والی بے انصافیوں کا قرآنی احکام کی روشنی میں مفصل جائزہ ④ ......گھریلو زندگی کو گلزار اور پر بہار بنانے والے زریں اصول ⑤ ......وراثت میں بالخصوص خواتین کے حصص کی تفصیل اور بہن، بیٹی کو وراثت سے محروم کرنے والوں کے لیے وعیدی احکام ⑥ ......نکاح و طلاق جیسے حساس معاملات میں خواتین پر ہونے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں کا قلع قمع کرنے والی نصوص ⑦ ......خواتین اسلام کی گھر (چادر اور چاردیواری سے باہر) تدبیری امور میں شرکت کی حدود اور بطور سیاسی لیڈر و سربراہ ہونے کی شرعی حیثیت
⑧ ......فنون لطیفہ میں خواتین کی شرکت، حدود وقیود کا دائرہ کار اور شرعی احکام کی وضاحت ⑨ ......روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ فقہی (اصولی وفروعی) مسائل کے حل کے لیے مدلل رہنمائی ⑩ ......خاتون اسلام کا مسلم معاشرے میں بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ودیگر مسلم حیثیتوں سے مقام ومرتبہ، کردار و ذمہ داریاں۔
⑪ ......صنف نازک کی عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے شرعی حدود کے نفاذ کی کوششیں رکاوٹیں اور قانونی موشگافیوں، غزوہ فکری کے علمبرداروں اور باطل وگمراہ فرقوں کی پھیلائی گئی غلط فہمیوں اور مشکلات وتاویلات کی حقیقت کی نقاب کشائی ⑫ ......عدلیہ، جج، وکلاء برادری اور ماہرین قانون کے لیے شریعت کی روشنی میں عائلی قوانین اور مسلم معاشرے میں خواتین اسلام کے تحفظ کے حوالے سے مکمل ومدلل قانونی شرعی رہنمائی ⑬ ......شعبہ تعلیم، یونیورسٹیز اور اسلامی مدارس کی دین اسلام سے آگاہی کے لیے سرگرداں طالبات کے لیے انمول تحفہ

تقوی اور خوفِ الٰہی سے دلوں کو موم کرنے والے دروس اور وہ سب کچھ جو ایک گھر کو
''مثالی مسلم گھر'' اور معاشرے کو ''مثالی مسلم معاشرہ'' بنانے میں معاون بنے۔

مؤلف: شیخ الحدیث والتفسیر حافظ عباس انجم گوندلوی حفظہ اللہ   اعداد واضافہ: امان اللہ عاصم

دارُالابلاغ
کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ